انیسویں صدی عیسوی کی ایک غیر مذہبی درس گاہ

قدیم دہلی کالج

اساتذہ اور طلبا کے مکاتیب بنام الوئس اشپرنگر

۱۸۴۶ء — ۱۸۵۶ء

تصنیف، ترجمہ و ترتیب

محمد اکرام چغتائی

دی ٹروتھ سوسائٹی، لاہور

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

انیسویں صدی عیسوی کی ایک غیر مذہبی درس گاہ

قدیم دہلی کالج

اساتذہ اور طلباء کے مکاتیب بنام الوئس اشپرنگر

۱۸۴۶ء——۱۸۵۶ء

تصنیف، ترجمہ، ترتیب

محمد اکرام چغتائی

دی ٹروتھ سوسائٹی، لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مرتب/مصنف/مترجم محفوظ

134710

سنہ اشاعت...... ستمبر ۲۰۱۲ء

قیمت...... ۱۴۰۰ روپے

=/44 امریکن ڈالر

دی ٹروتھ سوسائٹی

81-AII، گلبرگ III، لاہور

فون: 042-35761644,35764124

زیرنگرانی

Bibliophile

149-A, Muqaddas Park,

Gulshani-Ravi, Lahore

ikramchaghatai721@hotmail.com

Mob:0333/4004014

واحد تقسیم کنندہ

اورینٹل پبلی کیشنز

35-رائل پارک، لاہور 54000

awais.oriental@gmail.com

فون: 042-36363009

Marfat.com

فہرست مندرجات

	صفحہ
پیش گفتار	30-4
مخففات	32-31

حصۂ اول

مکتوب نویس

--مولانا مملوک العلی نانوتوی	78-33
--مولانا محمد احسن نانوتوی	90-79
--مولانا محمد مظہر نانوتوی	102-91
--مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	113-103
--مولوی کریم الدین پانی پتی	146-114
--مولوی محمد سدید الدین خاں	161-147
--مولوی سید علی اکبر سونی پتی	239-162
--مولوی سید برکت علی	304-240
--منشی اشرف علی واسطی	351-305
--منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی	382-352

Marfat.com

--مولوی خدا بخش 389-383

دیگر مکتوب نویس (محمد حسین آزاد وغیرہ) 406-391

حصۂ دوم

تصاویر و عکسی نقول

الف) دہلی کالج --تصاویر، اخبارات، حاضری رجسٹر (۱۸۴۷ء) کے چند صفحات 435-409

ب) مشمولہ مکاتیب بنام اشپرینگر کا اصل متن 568-437

ج) منتخب فارسی خطوط بنام اشپرینگر 595-569

د) اشپرینگر کے خرید کردہ مخطوطات کی رسیدیں 608-496

ھ) عربی، فارسی اور اردو منظومات (در تعریف وتوصیف اشپرینگر) 625-609

و) مکتوب الیہ (ڈاکٹر اشپرینگر) --تصاویر، والدہ اور بھائی کے نام جرمن خطوط کے اردو تراجم، مرتبہ کتب وتاصیف کے سرورق، فہرست کتب ومقالات 675-626

ز) ذخیرۂ اشپرینگر کے چند فارسی اور اردو قلمی اور مطبوعہ نسخے 693-676

ح) مدرسۂ دہلی (در: قران السعدین، جلد ۵ نمبر ۵، بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء) 698-694

ط) ظلم بزرگ...... بر طلبہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ (در: گلشن نو بہار (فارسی) جلد ۱ نمبر ۱۱، بابت ۱۲ اپریل ۱۸۵۱ء) 707-699

* * * * *

Marfat.com

پیش گفتار

برلین کا شہر مدتوں جرمن قوم کی تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا اور عرصۂ دراز تک اس شہر کو ایسا عروج نصیب ہوا کہ سیاسی، فکری، علمی غرضیکہ ہر سطح پر چار دانگ عالم میں اسی کا طوطی بولتا رہا، لیکن اس شہر کو زمانے کی ایسی نظر لگی کہ دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تہس نہس ہو گیا۔ جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء - ۱۹۴۵ء) کے دوران میں اس ہنستے بستے شہر پر ایسی آفتیں ٹوٹیں کہ اس کے بیشتر حصے کھنڈرات کا منظر پیش کرنے لگے۔ اس تباہی کی رہی سہی کسر اس وقت پوری ہو گئی، جب جنگ کے اختتام پر اس شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، یعنی مغربی برلین اور مشرقی برلین۔ ابتداء میں یہ تقسیم عارضی تصور کی جاتی تھی، لیکن جب اس شہر کے بیچ میں اونچی اور پختہ دیوار تعمیر کر دی گئی اور قابض فوجیں جدید اسلحہ سمیت دونو جانب براجمان ہو گئیں تو اس تقسیم کو وقتی سمجھنے والے ورطۂ حیرت میں پڑ گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر برلین شہر بلکہ جرمنی کے جو حصے بخرے ہوئے، ان سے کئی جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس تعجب خیز اور انوکھی تقسیم نے متعدد جذباتی مسائل اور ذہنی رویوں کو جنم دیا، جن کی ایک جھلک عصری جرمن ادب پاروں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بٹوارہ علمی اور تمدنی روایات پر بھی اثر انداز ہوا اور اس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ جو ادارے ان روایات کے امین تھے، بیچ میں دیوار کی تعمیر کی وجہ سے وہ بھی الگ ہو گئے اور مخصوص حالات کے دباؤ کے تحت انھیں اپنے شناختی پہلوؤں کو تبدیل کرنا پڑا۔

اگر موجودہ جغرافیائی صورت حال کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو اس حقیقت کا پتا چلتا ہے کہ اس تقسیم کا زیادہ فائدہ اس حصے کو پہنچا جو مشرقی برلین کہلایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ متحدہ برلین کے جتنے بڑے اور عالمی شہرت یافتہ مراکز علم تھے، وہ تمام اسی حصے میں چلے گئے، جبکہ اس شہر کا دوسرا حصہ یعنی مغربی برلین اس لحاظ سے نسبتاً تہی دست رہا، مگر رفتہ رفتہ اس تہی دامنی کو کافی حد تک دور کر دیا گیا اور بہت سے ایسے ادارے تعمیر کیے گئے، جن کی ظاہری شکل و صورت جدید فن تعمیر کا نمونہ تھا، لیکن یہ انھی اعلیٰ روایات پر گامزن ہیں، جو صدیوں تک جرمن قوم کی شناخت رہی ہیں۔ اس کی ایک مثال وہ کتاب خانہ ہے، جس کا شمار متحدہ جرمنی ہی میں نہیں، بلکہ دنیا کے عظیم کتاب

Marfat.com

خانوں میں ہوتا تھا۔ اس صدی کے اوائل تک یہ ''شاہی کتاب خانہ'' (Die Königliche Bibliothek Berlin) کے نام سے موسوم تھا، لیکن بعد میں اس کا نام تبدیل کر دیا گیا اور اسے ''جرمن اسٹیٹ لائبریری'' کہا جانے لگا۔ اتحاد جرمنی یعنی Reunification (۱۹۸۹ء) سے قبل یہ کتاب خانہ مشرقی برلین میں تھا اور اپنی قدامت اور تعمیراتی حسن کے باعث لائق دید تھا۔ اس کا پرانا نام تبدیل نہیں کیا گیا یعنی ''جرمن اسٹیٹ لائبریری'' (Deutsche Staatsbibliothek)۔ اس کے برعکس مغربی برلین کئی سال تک کسی بڑے کتاب خانے سے محروم رہا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جب برلین پر ہوائی حملے شروع ہوئے تو جرمن اربابِ دانش کو اپنے تہذیبی اثاثوں کی حفاظت کا خیال دامنگیر ہوا، چنانچہ اس مرکزی کتاب خانے کے نوادرات بالخصوص قلمی خزینوں کو ایسے دور افتادہ علاقوں میں منتقل کر دیا گیا، جو عسکری اعتبار سے غیر اہم تھے اور ان پر ہوائی حملوں کا خطرہ زیادہ نہیں تھا۔ جب جنگ بندی ہوئی تو وہ علاقے جو مشرقی جرمنی میں شامل ہوئے، ان میں محفوظ یہ علمی ذخیرے پھر سے وہیں منتقل ہو گئے جہاں سے انھیں منتقل کیا گیا تھا، لیکن جو علاقے مغربی جرمنی کے حصے میں آئے، وہاں پڑے ہوئے یہ علمی نوادرات دستبردِ زمانہ سے محفوظ تو رہے، لیکن ان کے متعلق فوری طور پر یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ اب انھیں کہاں رکھا جائے، کیونکہ ان کی اصل جگہ یعنی مرکزی کتاب خانہ تو مشرقی برلین کی حدود میں چلا گیا تھا۔ کئی سال تک یہ بحث چلتی رہی کہ ان نوادرات کو کہاں یکجا کیا جائے۔ بیشتر جرمن اصحابِ علم کی یہ رائے تھی کہ اب برلین چاروں طرف سے مشرقی جرمنی میں محصور ہے اور معلوم نہیں کل کو اس پر کیا بپتا پڑے، اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان خزائن کو مغربی جرمنی کے کسی اور بڑے شہر یا دارالحکومت یعنی بون میں منتقل کر دیا جائے۔ بالآخر جرمن حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ چاہے کچھ بھی ہو، یہ تمام چیزیں برلین کی امانت ہیں اور یہ ہر قیمت پر اسی کو لوٹائی جائیں گی۔ چنانچہ ان قلمی ذخیروں کو بحفاظت مغربی برلین پہنچا دیا گیا۔ وہاں کوئی بڑا کتاب خانہ تو تھا نہیں اور جو تھا وہ دیوار کے اُس پار تھا، اس لیے انھیں وقتی طور پر ایک میوزیم کے مختلف کمروں میں محفوظ کر دیا گیا اور اس کی ساتھ ہی ایک نئے کتاب خانے کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ گیارہ سال بعد یعنی ۱۹۷۵ء میں یہ عمارت، جو جدید فن تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے، مکمل ہوئی اور تمام چیزوں کو میوزیم سے اس عمارت میں مستقل طور پر منتقل کر دیا گیا۔ نئی عمارت کی طرح اس کتاب خانے کا نام بھی نیا رکھا گیا۔ یعنی Staatsbibliothek der Stiftung Preussischer Kulturbesitz۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ متحدہ برلین کے کتاب خانے میں بڑی اسلامی زبانوں مثلاً عربی، فارسی، ترکی اور اردو کے جتنے خطی نسخے موجود تھے، وہ تمام اس نئی عمارت کے شعبۂ شرقیہ میں دستیاب ہیں۔ معروف جرمن عربی دان ولہلم اہلوارٹ، Wilhelm Ahlwardt (۱۸۲۸ء-۱۹۰۹ء) نے اس کتاب خانے کے عربی مخطوطات کی فہرست دس جلدوں میں مرتب کی تھی۔ اس فہرست کی آخری جلد ۱۸۹۹ء میں مکمل ہوئی۔ ان جلدوں میں دس ہزار سے زائد قلمی نسخوں کے کوائف بیان کیے گئے ہیں۔ صرف چند

Marfat.com

مخطوطات مشرقی برلین چلے گئے، باقی تمام اسی کتاب خانے کی زینت بنے اور شاید ہی کوئی ایسا مخطوطہ ہو، جو دو عالمی جنگوں کی تباہ کاریوں کی نذر ہوا یا نقل و حرکت میں ضائع ہوا ہو۔ یہ مسلمانوں کے علمی اور تہذیبی ورثہ کی خوش بختی ہے کہ اس کی اتنی بڑی تعداد یہاں محفوظ ہے اور وہ بھی اغیار کے ہاتھوں میں، لیکن ان غیروں نے اپنوں سے بڑھ کر اس کی حفاظت کی ہے۔ اپنے لاکھوں افراد دو ہولناک جنگوں کی بھینٹ چڑھا دیئے لیکن ان نوادرِ علمیہ کو آنچ تک نہ آنے دی۔ علمی لحاظ سے پنپنے والی اقوام انھی خوبیوں سے پہچانی جاتی ہیں۔

❖ ❖ ❖

برلین (مغربی) کا یہ کتاب خانہ اب جرمنی (مغربی) کا عظیم ترین کتاب خانہ ہے۔ یہ اپنی قدیم روایات کی تجدید میں سرگرمِ عمل ہے اور اس میں خاصا کامیاب ہے۔ یوں تو یہ کتاب خانہ کئی شعبوں میں منقسم ہے اور ہر شعبہ اپنی جگہ اہم ہے، لیکن اس کی عالمگیر شہرت کا زیادہ تر انحصار دو شعبوں پر ہے۔ ایک شعبہ تو علوم شرقیہ کا ہے اور دوسرا مغربی مخطوطات کا۔ اول الذکر شعبہ میں قلمی نسخوں کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز ہے اور ان میں سے نصف سے زیادہ مخطوطات عربی، فارسی، ترکی اور اردو میں ہیں۔ ان چاروں زبانوں کے قلمی نسخوں کی خاصی بڑی تعداد کی فہرستیں مرتب ہو چکی ہیں اور بقیہ نسخوں کی فہرستیں بھی ''جرمنی میں مخطوطات شرقیہ کی فہارس'' کے سلسلہ وار کتابی منصوبے کے تحت گاہے بگاہے شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اسی قلمی ذخیرے میں وہ تمام عربی (تعداد ۱۱۰۵)، فارسی (تعداد ۳۰۱) اور اردو (تعداد ۳۵) مخطوطات بھی شامل ہیں، جو ڈاکٹر اشپرینگر نے ہندوستان سے واپس آتے ہی اس کتاب خانہ کو فروخت کر دیئے تھے۔ ذخیرۂ اشپرینگر کے ان عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کے کوائف بالترتیب اہلوارٹ (۱۰ جلد، ۱۸۸۷ء-۱۸۹۹ء)، ولہلم پرٹش Wilhelm Pertsch، (مطبوعہ ۱۸۸۸ء) اور مجاہد حسین زیدی (مطبوعہ ۱۹۷۵ء)، نے اپنی مطبوعہ فہرستوں میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ (۱)

ڈاکٹر اشپرینگر اپنی مسلسل خرابیٔ صحت کے باعث ۱۸۵۶ء میں ہندوستان سے واپس جرمنی چلا گیا اور وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنے مخطوطات فروخت کرنے کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ اسی مقصد سے اس نے جنوری ۱۸۵۷ء میں، اپنے نجی کتاب خانے کی ایک فہرست گیسن (Giessen) سے شائع کرائی جس میں اندراجات کی تعداد ۱۹۷۲ ہے۔ اس تعداد میں قلمی کتابوں کے ساتھ ساتھ مطبوعہ کتب بھی شامل ہیں۔ (۲) جب برلین لائبریری کے کتابدار پرٹس (Pertz) سے اس ذخیرے کی فروخت کی بات چیت ہوئی تو اس نے مطبوعات کو خریدنے سے معذوری کا اظہار کر دیا اور جتنے مخطوطات تھے، ان کو خرید لیا۔ اس ذخیرۂ اشپرینگر کی سودے بازی میں تقریباً پانچ سال صرف ہوئے۔ اس عرصے میں اشپرینگر اور کتابدار پرٹس کے مابین جو خط کتابت ہوئی، وہ اب بھی اس کتاب خانہ میں

Marfat.com

محفوظ ہے اور اس کے مطالعہ سے اشپرینگر کی مخطوطہ شناسی اور قلمی نسخوں کو جمع کرنے کے شوق کے متعلق عجیب عجیب باتوں کا علم ہوتا ہے۔

یہاں ایک قدرے غیر متعلق سا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے کن ذرائع سے اتنی بڑی تعداد میں مخطوطات کو جمع کیا؟ ہمارے بعض محققین اور مخطوطہ شناسوں کا خیال ہے کہ اشپرینگر اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں چند سال شاہان اودھ کے کتب خانوں (موتی محل، توپ خانہ اور فرح بخش) میں محفوظ قلمی نسخوں کی فہرست تیار کرتا رہا۔ یہاں اس نے چیدہ چیدہ مخطوطات کو الگ کر لیا اور جب وہ واپس جانے لگا تو ان کو بھی اپنے ساتھ یورپ لیتا گیا، لیکن بعض حقائق کے پیش نظر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اشپرینگر نے یہ تمام مخطوطات صرف ہندوستان ہی سے جمع نہیں کیے تھے، بلکہ ان کی زیادہ تر تعداد اس نے مشرق وسطیٰ کے ممالک سے خریدی تھی۔ ان ممالک کے بڑے بڑے کتاب فروشوں سے اس کے ذاتی مراسم تھے۔ اس نے قیامِ ہندوستان ہی کے دوران میں ان ممالک کا دورہ بھی کیا تھا۔ جب وہ اس سفر سے لوٹا، تو سیکڑوں مخطوطات اس کے ہمراہ تھے۔ علاوہ ازیں راقم نے برلین کے مذکورۂ بالا کتاب خانے میں ذخیرۂ اشپرینگر کے بھی مخطوطات کو بنظر غور دیکھا ہے اور ان کے متعلق اپنی یادداشتیں قلم بند کی ہیں۔ تعجب ہے کہ اس جائزے میں ایک مخطوطہ بھی ایسا نظر سے نہیں گذرا جو شاہانِ اودھ کی ملکیت رہا ہو۔ یہ درست ہے کہ اشپرینگر نے ہندوستان سے بھی سیکڑوں مخطوطات اکٹھے کیے، لیکن ان کو جمع کرنے کے لیے اس نے جو ذرائع استعمال کیے، وہ قابل اعتراض نہیں۔ ان خطی نسخوں کی جمع آوری میں اس کے اصل ذرائع کیا تھے؟ اس کے آئندہ سطور میں پیش کیے جانے والے خطوط سے بعض واضح اشارے مل جاتے ہیں اور اس بات کا علم ہوتا ہے کہ شمالی ہند کے مدارس کے اساتذہ بالخصوص دہلی کالج کے استاد اور فارغ التحصیل طلبہ، مختلف شہروں میں نایاب کتب کا کاروبار کرنے والے کتب فروشوں اور بعض بااثر و رسوخ امراء ڈاکٹر اشپرینگر کے اس ذوق کی آبیاری کے لیے کیا کیا طریقے استعمال کرتے تھے۔ (۳)

❖ ❖ ❖

برلین (مغربی) کے متذکرۂ بالا کتاب خانے کی بین الاقوامی شہرت کا ایک سبب تو اس کا شعبۂ شرقیہ ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ اس کی مقبولیت کا دوسرا سبب اس کا ایک اور شعبہ ہے، جو شعبۂ مخطوطات کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں صرف وہ قلمی نسخے رکھے گئے ہیں جو مغربی زبانوں میں تحریر کیے گئے ہیں۔ اسی شعبہ کا ایک حصہ ایسا بھی ہے، جس میں نامور اصحاب قلم کے نجی کاغذات، دستاویزات، مکتوبات وغیرہ کو بحفاظت رکھا جاتا ہے۔ ان میں کسی مصنف کے غیر مطبوعہ مسودات، یادداشتیں، مختلف النوع تحریریں غرضیکہ اس کی زندگی اور تصنیفی کارناموں کے متعلق

Marfat.com

ایک ایک پرزے کو محفوظ کرلیا جاتا ہے۔ جرمن زبان میں ایسے نجی ذخائر کے لیے ناخلاس (Nachlass) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور اس سے کسی صاحب علم کا وہ مجموعۂ دستاویزات مراد لیا جاتا ہے، جو وہ اپنی وفات کے بعد اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور بعد میں اس کے لواحقین یا احباب اس کو قومی امانت کے طور پر کسی بڑے کتاب خانے کی تحویل میں دے دیتے ہیں۔ معروف جرمن شعراء، ادباء، علماء وغیرہ کے ذاتی کاغذات کے ایسے بہت سے مجموعے مغربی جرمنی کے مختلف کتاب خانوں میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن ان کی زیادہ تر تعداد برلین کے اس کتاب خانے کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے۔ انھی مجموعوں میں ایک مجموعہ اشپرینگر کا بھی ہے۔ یہ پرانی وضع کے آٹھ بڑے ڈبوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے سات ڈبے برلین (مغربی) کے اس کتاب خانے میں محفوظ ہیں، جبکہ آٹھواں ڈبہ برلین (مشرقی) کی اسٹیٹ لائبریری میں پڑا ہوا ہے۔ اس آٹھویں ڈبہ میں موجود دستاویزات اشپرینگر کے سوانح حیات کے متعلق نئی معلومات فراہم نہیں کرتیں۔ اس میں صرف عربی اور فارسی مخطوطات کے منتشر اوراق بے ترتیبی سے رکھے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے جہاں سے بھی ایسے اوراق ملتے تھے، وہ انھیں ڈبے میں رکھتا جاتا تھا۔ بقیہ سات ڈبے، جو برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں موجود ہیں، نادر تحریروں کے پیش نظر بے حد اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں اشپرینگر کے سیکڑوں عربی، فارسی، ترکی، ہندی، پشتو اور اردو مخطوطات و مطبوعات کے متعلق تحریر کردہ کوائف ہیں۔ یہ تمام تحریریں چھوٹی تقطیع کے کاغذوں پر لکھی گئی ہیں۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل شمالی ہند کے مطابع سے کیا کیا کچھ طبع ہوتا تھا اور مختلف کتاب خانوں میں کیسے کیسے قلمی نوادر پڑے ہوئے تھے۔ ان دنوں جن صاحب ذوق نوابوں، رئیسوں اور نامور عالموں کے پاس ذاتی کتب خانے تھے، ان کی خطی کتابوں کی فہرستیں بھی انھی ڈبوں میں موجود ہیں۔ یہ فہرستیں اشپرینگر کی فرمائش پر بعض طلبہ اور اساتذہ نے تیار کی تھیں۔ چند سال بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں جب دہلی اور دیگر شہروں پر قیامت ٹوٹی تو یہ کتب خانے بھی اسی کی لپیٹ میں آ گئے اور آج ہم ان کے نام تک سے واقف نہیں۔ اب اشپرینگر کی تیار کرائی ہوئی یہی فہرستیں باقی رہ گئی ہیں، جن سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس "ہنگامۂ محشر" کی تباہ کاریوں سے قبل اہل علم نے اپنے تہذیبی ورثے کو کتنی احتیاط سے سنبھال رکھا تھا اور وہ خود کتنے اعلیٰ علمی ذوق کے مالک تھے۔

اردو اور فارسی اخبارات کی خاصی بڑی تعداد بھی اشپرینگر کے اسی ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ یہ اخبارات اردو صحافت کے دور اولیں سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں سے بیشتر اخبارات ایسے ہیں جن کا اردو صحافت کی کسی بھی تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔

اشپرینگر نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں مشرق وسطی کے مختلف ممالک مثلاً عراق، شام، لبنان، سعودی عرب، مصر، ترکی وغیرہ کا دورہ کیا تھا۔ اس سفر کا ایک مقصد تو یہ تھا کہ ان اسلامی ممالک کے سیاسی اور ثقافتی حالات سے براہ راست واقفیت حاصل کی جائے اور دوسرا بڑا مقصد عربی مخطوطات کی تلاش تھا۔ اشپرینگر نے اپنے اس

Marfat.com

سفر کے مشاہدات و تجربات کو خود تحریر کیا اور اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ صفحات انھی کاغذات میں محفوظ ہیں۔ اشپرینگر کا یہ طویل سفر اس کے سوانح حیات کا ایک نامعلوم حصہ ہے، اس لیے ان کاغذات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ان کے علاوہ ان سات ڈبوں میں اتنی اہم دستاویزات محفوظ ہیں کہ اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو ایک الگ کتاب بن جائے۔ مختصراً یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قبل کی علمی، تہذیبی، ادبی اور صحافتی صورت حال کے بارے میں ابھی تک اتنا بڑا اور مستند ماخذ سامنے نہیں آیا۔ اشپرینگر ۱۸۵۶ء میں واپس جرمنی چلا گیا اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۵۷ء کی بغاوت پھوٹ پڑی، جس کے نتیجے میں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کے تہذیبی آثار وسیع پیمانے پر تباہ و برباد ہو گئے۔ اس دورِ ابتلاء میں بہت کچھ ضائع ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے قبل کی علمی، ادبی، تعلیمی اور صحافتی زندگی کے متعدد پہلو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ ان حالات میں اشپرینگر کا یہ ذخیرہ اور بھی اہمیت اختیار کر جاتا ہے، کیونکہ بیشتر موضوعات کے متعلق ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی ذریعہ معلومات نہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ برلین (مغربی) کے اس کتاب خانے میں اشپرینگر کے نجی کاغذات کا یہ ذخیرہ کیسے پہنچا؟ اس کتاب خانے کے ریکارڈ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے ہندوستان سے واپس ہائیڈل برگ پہنچتے ہی اپنے قلمی نسخوں کو فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اسی مقصد کے لیے اس نے فوراً ایک فہرست شائع کرائی (۱۸۵۷ء)، تاکہ متعلقہ اصحاب اور اداروں کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس کے پاس کیا کچھ ہے۔ اس فہرست کو دیکھ کر برلین کے اس کتاب خانے کے کتاب دار نے اس سے رابطہ قائم کیا اور بالآخر چار پانچ سال کی کوشش کے بعد معاملہ طے پا گیا اور اس کے تمام مخطوطات اس کتاب خانے میں محفوظ کر لیے گئے۔ [۳الف] اس کے بعد اشپرینگر نے اپنی وفات (۱۸۹۳ء) تک اپنے ذاتی کتاب خانے کی کوئی چیز فروخت نہیں کی۔ اس کے انتقال کے بعد جب اس کے بیوی بچوں کے لیے ان ہزاروں کتابوں کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تو انھوں نے اسے فروخت کرنے کی کوششیں تیز کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے ۱۸۹۶ء میں اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے کی ایک فہرست شائع کرائی جس میں زیادہ تر مطبوعات ہی شامل ہیں [۴]۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر ہندوستان سے جتنے مخطوطات اپنے ساتھ لایا تھا، وہ تمام اس نے برلین (مغربی) کے اس کتاب خانے کو فروخت کر دیے۔ اگر اس کے پاس کچھ مخطوطات بچ جاتے تو ان کا حوالہ لازماً ۱۸۹۶ء کی اس فہرست میں دیا جاتا۔ اشپرینگر کی یہ کتابیں فروخت ہوئیں یا نہیں۔ اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) سے قبل اشپرینگر کے کاغذات کے یہ آٹھوں ڈبے برلین کے کتاب خانے میں پہنچ چکے تھے۔ اشپرینگر کی وفات کے بعد اس کا خاندان ہائیڈل برگ ہی میں مقیم رہا۔ اس جنگ سے چند سال قبل اشپرینگر کے بیٹے ہائنرخ نے جو باپ کی ان جمع کردہ چیزوں سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا، اسی کتاب خانے سے رجوع کیا اور یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ہدیتہً یہ ڈبے لینا چاہیں،

Marfat.com

تو وہ انھیں بھجوا دے۔ کتاب دار نے رضامندی کا اظہار کر دیا اور یوں یہ ڈبے برلین کے اس کتب خانے میں محفوظ ہو گئے۔ ان ڈبوں کی ترسیل کے متعلق اشپرینگر کے بیٹے اور کتاب دار کے درمیان جو مراسلت ہوئی، وہ اب بھی اس کتاب خانے کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ مذکورہ بالا تفصیلات اسی ریکارڈ سے ماخوذ ہیں۔

❖ ❖ ❖

سطور بالا میں کئی بار اشپرینگر کا ذکر آیا اور اس کے علمی ذوق وشوق کی جانب مختصر اشارے کیے گئے۔ قارئین کی سہولت کی خاطر سطور ذیل میں اس کے حالات زندگی کو انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

الوئس اشپرینگر کا پورا نام Aloys Ignatz Christoph Sprenger تھا۔ وہ ۳ ستمبر ۱۸۱۳ء کو آسٹریا کے صوبہ ٹائرول (Tirol) کے شہر انسبرک (Innsbruck) کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں ناسیرائیث (Nassereith) میں پیدا ہوا۔ اس کے والد کرسٹوف اشپرینگر (م۔ ۱۸ جنوری ۱۸۳۵ء، بعمر ۷۵ سال) محکمۂ محصولات میں ملازم تھے۔ والدہ تریسیا (م۔ ۹ جنوری ۱۸۵۰ء، بعمر ۷۸ سال) کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ اس کے دو بھائیوں کے نام یوہان اشپرینگر (۱۸۰۱ء-۱۸۹۱ء) اور پیٹر اشپرینگر (۱۸۰۸ء-۱۸۸۹ء) تھے۔

اشپرینگر کا گھرانہ رومن کیتھولک مسلک کا پیروکار تھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ انسبرک چلا آیا اور یہاں سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے ویانا یونیورسٹی میں داخل ہو گیا (۱۸۳۶ء)۔ انھی دنوں اس کے ذہن پر لاطینی، عبرانی اور مختلف السنۂ شرقیہ سیکھنے کی دھن سوار ہوئی۔ اُس کے اس ذوق وشوق کو ہامر پورگشتال (۱۷۷۴ء-۱۸۵۶ء) کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی نے مزید تقویت دی اور جرمن بولنے والے علاقوں کی تاریخ استشراق کے اس جدِ اعلیٰ کی تعلیم و تربیت کے زیر اثر اس نے I. Dietrich کے قلمی نام سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھنا شروع کر دیے۔

ویانا یونیورسٹی سے اپنی تعلیم مکمل کر کے تلاشِ روزگار کے لیے اپنے ملک کے علاوہ وہ سوئٹزرلینڈ اور فرانس میں بھی گھومتا پھرتا رہا، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ نجی طور پر وہ پڑھانے اور ترجمہ جیسے مشاغل میں مصروف رہا۔ باآخر انگلستان پہنچا اور وہاں برطانوی شہریت اختیار کر لی (۱۸۳۸ء)۔ تقریباً پانچ سال وہ لندن میں مقیم رہا۔ اس دوران میں اس کا مقالۂ خصوصی بعنوان ''عربوں کا فنِ طب، دورِ خلافت میں'' (بزبان لاطینی) اشاعت پذیر ہوا (۱۸۴۰ء)۔ یہاں سے شائع ہونے والے پینی میگزین اور پینی انسائیکلوپیڈیا کے لیے مختلف موضوعات پر مضامین لکھتا رہا۔ اس میگزین سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ جب دہلی کالج سے ''قران السعدین'' کا اجرا کیا، تو اس کو اپنا نمونہ بنایا (رک: سیرت محمدؐ بزبان جرمن، جلد اول، ۱۸۶۱ء، دیباچہ)۔ انھی دنوں ایک انتہائی بارسوخ شخصیت اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر ارل آف منسٹر (۱۷۹۴ء-۱۸۴۲ء) نے مسلمانوں کے فنِ حرب پر خاصے بڑے پیمانے پر ایک منصوبہ کا آغاز

Marfat.com

کیا۔[۵] اس کے سیکرٹری کی حیثیت سے اشپرینگر ہی اس منصوبے کا کرتا دھرتا تھا۔ اس نے یورپ کے تقریباً تمام کتاب خانوں میں محفوظ متعلقہ مخطوطات سے استفادہ کیا اور ایک مفصل رپورٹ تیار کی (بزبان عربی)، جس میں اس موضوع سے متعلق بنیادی عربی، فارسی اور ترکی مصادر کے تعارف کے علاوہ جنگوں میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں کی ہاتھ سے بنائی ہوئی اشکال بھی دی گئیں۔ یہ رپورٹ شائع تو نہ ہو سکی، البتہ اس کا ایک نسخہ اب بھی برٹش لائبریری (لندن) کے انڈیا آفس اور اورینٹل سیکشن میں محفوظ ہے۔ ارل آف منسٹر کی وفات (۱۸۴۲ء) کے ساتھ ہی یہ منصوبہ بھی ختم ہو گیا۔ اسی سال اشپرینگر فوجی معالج منتخب ہوا اور وہ اسی حیثیت سے کلکتہ پہنچا (۱۸۴۳ء)۔ اس کی بیوی کتارینا (Katharine) ہمراہ تھی اور وہ دونو فرانکفورٹ سے ہندوستان روانہ ہوئے تھے۔

کلکتہ پہنچنے کے کچھ ہی عرصہ بعد متعلقہ حکام کو اشپرینگر کی عربی دانی اور علوم اسلامیہ سے گہری وابستگی کا علم ہو گیا اور جلد ہی اسے محسن نامی ایک مخیر مسلمان کے فنڈ سے قائم کردہ ہوگلی کالج کا سربراہ مقرر کر دیا۔ دہلی کالج کے تنظیمی ڈھانچے میں مجوزہ اصلاحات کی روشنی میں فیلکس بوترو کو اس درس گاہ کا پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا (۱۰ فروری ۱۸۴۱ء)۔ جب خرابی صحت کے باعث وہ واپس فرانس چلا گیا تو اس کی جگہ اشپرینگر کو یہ ذمہ داری سونپی گئی (۱۹ مارچ ۱۸۴۵ء)۔ تقریباً ڈھائی سال وہ اس مدرسہ کی سربراہی کے فرائض ادا کرتا رہا اور اس دوران میں اُس نے علوم اسلامیہ کی ترویج و ترقی، معتبر تاریخی اور علمی مصادر کی فراہمی اور ان کی طباعت کا اہتمام و انصرام، مغرب و مشرق کے تہذیبی اتصال کے فروغ اور اہم کتب کو اردو میں منتقل کرنے میں ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں۔ السنۂ شرقیہ کے قلمی ذخائر کے بارے میں وسیع معلومات، مخطوطہ شناسی کا وسیع تجربہ اور نادر و نایاب خطی نسخوں کو جمع کرنے کا ذوق و شوق ایسے عالمانہ خصائص تھے، جن کا مقتدر تاریخ دان سر ہنری ایلیٹ (۱۸۰۸ء-۱۸۵۳ء) کا معترف تھا،[۶] چنانچہ اس نے اشپرینگر کو اکسٹرا اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کے عہدے پر فائز کر کے لکھنؤ بھجوا دیا تاکہ وہاں کے شاہی کتاب خانوں میں محفوظ مخطوطات و مطبوعات کی مفصل فہرست تیار کر سکے۔[۷] تقریباً چھبیس ماہ کی قلیل مدت میں اس نے عربی، فارسی، اردو اور ترکی کے ہزاروں قلمی نسخوں کے کوائف قلم بند کیے۔ اس کی غیر موجودگی میں ایف ٹیلر (ہیڈ ماسٹر) قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ تفویض کردہ منصوبہ کو بطریق احسن مکمل کر کے لکھنؤ سے واپس دہلی پہنچا اور دہلی کالج کا وہی عہدۂ پرنسپلی سنبھالا، جو وہ چھوڑ کر گیا تھا (۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء)[۸] لیکن ناسازیٔ طبع کے باعث رخصت لے کر دہلی سے شملہ روانہ ہو گیا (۱۹ اپریل ۱۸۷۰ء)۔ اس سے اگلے ماہ حکومت بنگال نے اُسے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کر دیا[۹] اور ساتھ ہی سرکاری مترجم کی ذمہ داری بھی اسی کو سونپی گئی۔ اسی سال یعنی ۱۸۵۰ء کے اواخر میں اس نے کلکتہ پہنچ کر اپنا عہدہ سنبھالا اور جلد ہی یہاں کے نصاب میں دور رس تبدیلیاں روشناس کرائیں۔ یہاں کی معروف زمانہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا بھی وہ سیکرٹری رہا اور اس دوران میں اُس کے بیشتر تحقیقی مقالات اس سوسائٹی کے مجلہ میں شائع

Marfat.com

ہوتے رہے۔ چند سال بعد وہ بیوی بچوں سمیت مشرق وسطیٰ کے ممالک کی سیر و سیاحت اور قلمی نوادرات کی جمع آوری کے لیے چلا گیا (۳۰ اپریل ۱۸۵۴ء)۔ اس نے اپنا سفر سری لنکا سے شروع کیا۔ نہر سویز، بحر احمر سے ہوتا ہوا اسکندریہ پہنچا۔ یہاں سے اس نے اپنے بیوی بچوں کو جرمنی بھجوا دیا اور خود دو برس مصر، شام، عراق، نینوا کے کھنڈرات، بیروت، جزیرہ قشم اور خلیج فارس میں گھومتا پھرتا رہا۔ ان ممالک کے کتب فروشوں اور دیگر جگہوں سے اس نے سیکڑوں مخطوطات خریدے۔ کہا جاتا ہے کہ واپس جرمنی جاتے ہوئے وہ ایک روز بصرہ ٹھہرا اور ۵۳۱ قلمی نسخے خرید کر آگے چل پڑا۔ اس طویل سفر سے واپس آتے ہی (۱۸۵۶ء) اس نے اپنا رخت سفر باندھا اور مستقل طور پر جرمنی روانہ ہو گیا، جہاں ہائیڈل برگ کے قریب وائن ہائم (Weinheim) میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سکونت اختیار کر لی۔ برلین کے شاہی کتاب خانہ کو اپنا قلمی ذخیرہ فروخت کرنے کے بعد وہ برن (سوئٹزرلینڈ) کی یونیورسٹی میں ہندوستانی (یعنی اردو) کے علاوہ السنہ شرقیہ پڑھانے پر مامور ہوا (۵ نومبر ۱۸۵۸ء)۔ یہاں سے فارغ ہوا تو واپس وائن ہائم آ گیا اور پھر اپنی وفات (۱۹ دسمبر ۱۸۹۳ء) تک یہیں قیام پذیر رہا۔ ایک روایت کے مطابق اشپرینگر کی وصیت کے مطابق اس کی لاش کو سپرد آتش کر دیا گیا۔[10]

اشپرینگر کی بیوی جرمن تھی اور اس کا آبائی شہر فرانکفورٹ تھا۔ کتارینا میولر (Katharine Müller) نام کی اس خاتون کے ساتھ اس کی رسم نکاح ۱۶ اپریل ۱۸۴۳ء کو ادا ہوئی۔ شادی سے ایک سال بعد وہ دونو اکٹھے ہندوستان پہنچے۔ وہ ہر جگہ اپنے شوہر کے ساتھ رہی۔ برطانوی خاتون ایملی بیلے (Emily Bayley) نے اپنی کتاب میں کتارینا کے لیے "worthy but common" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ اپنے خاوند کی پتلونیں چھپا دیا کرتی تھی تاکہ وہ اسے گھر پر اکیلا چھوڑ کر شام کی سیر کو باہر نہ چلے جایا کریں۔[11] کتارینا نے اپنے شوہر کی رحلت سے چند ماہ قبل ۶ مئی ۱۸۹۳ء کو وفات پائی۔ ہندوستان ہی میں ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ ان میں ہائنرخ اشپرینگر پیشہ قانون سے منسلک تھا۔ وہ والد کی وفات کے بعد بھی زندہ رہا اور اس نے تمام اہم خطوط، دستاویزات اور اہم کاغذات برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ کرائے۔[12] بڑا بیٹا الوئس (Aloys) ہندوستان کی وزارت تعمیرات میں بھی بطور انجینئر ملازمت کرتا رہا۔ اور تیسرا بیٹا رخمونٹ (Richmond) کے متعلق صرف یہی اطلاع ملتی ہے کہ وہ شعبہ طب میں دلچسپی رکھتا تھا اور سوئٹزرلینڈ میں اس مضمون میں تعلیم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا (۱۸۸۷ء)۔[13]

اشپرینگر کے حالات زندگی کی طرح اس کے علمی اور تحقیقی کارناموں کا ذکر بھی تفصیل طلب ہے لیکن موجودہ موضوع کی حدود کے پیش نظر ان کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ اس نے مختلف اسلامی موضوعات پر متعدد کتابیں اور مقالے تحریر کیے۔ یہ تمام انگریزی اور جرمن زبانوں میں ہیں۔ جب تک وہ ہندوستان میں رہا وہ زیادہ

Marfat.com

تر انگریزی میں لکھتا رہا، لیکن یہاں آنے سے قبل اور واپس جانے کے بعد اس کے کام کا بیشتر حصہ جرمن زبان میں ہے۔ اگر اس کی تمام عمر کے تصنیفی سرمایہ پر ایک سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ علمی لحاظ سے اس نے جتنے بھی معرکے سر کیے، ان کی بنیاد اس کے قیام ہندوستان (۱۸۴۳ء-۱۸۵۶ء) کے دور میں پڑ چکی تھی۔ یہاں آنے سے پہلے اس کی ایک مختصر سی کتاب شائع ہوئی تھی جو اس نے ڈاکٹریٹ کے مقالۂ خصوصی کے طور پر عربوں کی طبی خدمات پر بزبان لاطینی لکھی تھی (مطبوعہ ۱۸۴۰ء) یا المسعودی کی ''مروج الذہب'' کے انگریزی ترجمہ کا ایک حصہ شائع ہوا تھا (لندن، ۱۸۴۱ء)۔ جونہی اس نے سرزمین ہندوستان پر قدم رکھا اور یہاں کے نامور علماء وفضلاء سے اس کے روابط قائم ہوئے، کتابوں کی تصنیف، تالیف اور تدوین کا ایک وسیع سلسلہ شروع ہوگیا۔

اشپرینگر کی مکمل فہرست کتب و مقالات آئندہ سطور میں زمانی ترتیب سے درج کردی گئی ہے۔ [۱۴]

یہاں اس کی چند اہم کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے: الطوسی کی ''فہرست کتب الشیعہ''، سیوطی کی ''الاتقان فی علوم القرآن''، التھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون'' (دو جلد)، الکاتبی کا ''رسالہ شمسیہ'' مع انگریزی ترجمہ، سمرقندی کی ''اصطلاحات الصوفیہ''، ابن حجر عسقلانی کی ''اصابہ''۔ اسی عرصے میں اس نے اصل مآخذ سے استفادہ کرتے ہوئے انگریزی زبان میں حضور اکرمؐ کی سیرت پر کتاب لکھی (الہ آباد، ۱۸۵۱ء)، جرمنی واپس جانے کے بعد بھی وہ اس موضوع پر کام کرتا رہا اور بالآخر اس نے سیرت پر ایک مبسوط کتاب جرمن زبان میں تحریر کی، جو تین جلدوں میں برلین سے شائع ہوئی (۱۸۶۱ء-۱۸۶۵ء)۔ شاہان اودھ کے مخطوطات کی فہرست کئی جلدوں میں مرتب کی۔ جلد اول کلکتہ سے ۱۸۵۴ء میں طبع ہوئی۔ بقیہ جلدیں زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں۔ ''سکندر نامۂ بحری'' اور ''گلستان'' (سعدی) کے متون بھی اسی دور کی یادگار ہیں۔ ہندوستان سے واپس جانے کے بعد اس نے جتنی کتابیں لکھیں، وہ جرمن زبان میں ہیں۔ ان میں قابل ذکر ''اہل مشرق کا نظام برید'' (۱۸۶۴ء) اور ''عربوں کا علم جغرافیہ'' (۱۸۷۵ء) ہیں۔ اس کے تحریر کردہ مقالات کی تعداد بھی خاصی ہے۔ انگریزی مقالات رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کے رسائل اور جرمن مقالات جرمن اورینٹل سوسائٹی (لائپسک) کے رسالہ (مخفف: ZDMG) میں شائع ہوتے رہے۔

❖ ❖ ❖

سطور بالا میں مغربی جرمنی کے مرکزی کتاب خانہ (مغربی برلین) کے شعبہ مخطوطات شرقیہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ وہی شعبہ ہے، جس میں اشپرینگر کے ذاتی کاغذات، مسودات اور دیگر دستاویزات سات بڑے ڈبوں میں محفوظ ہیں۔ انھی ڈبوں میں ایک اور اہم ترین چیز بھی محفوظ ہے اور وہ ہے مکاتیب۔ درحقیقت یہ مکتوبات نئی معلومات کا

Marfat.com

گنجینہ ہیں۔اب شاید ہی خطوط کا اتنا بڑا مجموعہ کہیں دستیاب ہو، جو ۱۸۵۷ء کی ''رستخیز بے جا'' (بقول غالب) سے پہلے کے دور سے تعلق رکھتا ہو۔مکتوب نگاروں میں اس زمانے کے جید علماء، ذہین نوجوان طلبہ (جنھوں نے بعد میں علمی دنیا میں بڑی شہرت پائی) اور باثروت افراد کے نام شامل ہیں۔ان میں کچھ تو ایسے ہیں، جو معروف تو ضرور ہیں، لیکن آج تک ان کی کوئی اردو تحریر سامنے نہیں آئی۔مثلاً مولانا مملوک العلی نانوتوی۔بعض ایسے لوگ ہیں، جن کی کسی فارسی یا اردو تحریر کا ابھی تک علم نہیں ہوسکا۔مثلاً علی اکبر۔اگر یہ کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ واحد مجموعۂ مکاتیب ہے، جو اس دور کی علمی، تعلیمی اور ادبی صورت حال اور بعض شخصیات کے سوانحی حالات کے بارے میں اتنی اہم اور مستند معلومات فراہم کرتا ہے۔

ان خطوط کی تعداد نوے کے لگ بھگ ہے۔فارسی کی نسبت اردو مراسلات کی تعداد زیادہ ہے۔ان سب خطوں کا مکتوب الیہ اشپرینگر ہی ہے۔یہ تمام مکتوبات ۱۸۴۶ء اور ۱۸۵۶ء کے مابین لکھے گئے۔اس عرصہ میں وہ دہلی کالج اور مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل رہا۔بیچ میں اسے شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کا کام سونپا گیا۔علاوہ ازیں اس نے اپنے اعلیٰ علمی ذوق، علوم اسلامیہ سے گہرے شغف، اصحاب علم سے دوستانہ مراسم اور انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے حکومتی سطح پر اس قدر اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا کہ اس دور کی شاید ہی کوئی ایسی تعلیمی پالیسی ہو، جس میں اس کا مشورہ یا رائے شامل نہ ہو، حتیٰ کہ مدارس اسلامیہ کے انتظام و انصرام میں اسے کلّی اختیارات حاصل تھے۔

ان خطوں کے لکھنے والوں کے نام اور ہر مکتوب نگار کے تحریر کردہ خطوط کی تعداد درج ذیل ہے:

مولانا مملوک العلی نانوتوی	۹	(مع ایک درخواست، جس کا مکتوب الیہ اشپرینگر نہیں)
محمد احسن نانوتوی	۳	
محمد مظہر نانوتوی	۳	(ایک خط فارسی میں)
محمد ذوالفقار علی دیوبندی	۲	(ایک خط فارسی میں)
مولوی کریم الدین پانی پتی	۳	
محمد سدید الدین خاں دہلوی	۵	
علی اکبر سونی پتی	۱۱	
سید برکت علی	۱۲	
اشرف علی واسطی	۶	
ابوالحسن فرید آبادی	۲	
بہادر جنگ خاں	۲	

Marfat.com

خدا بخش ۲
دیگر (محمد حسین آزاد وغیرہ) ۸

ان مکتوب نگاروں نے اشپرینگر کے نام اپنے خطوط میں کیا لکھا اور اپنے کن مسائل کے حل کے لیے اس سے رجوع کیا، اس کا اندازہ تو مکاتیب کے مطالعہ ہی سے ہوگا۔ سرسری نظر ڈالنے سے ان خطوں کی جو نمایاں خصوصیات سامنے آتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

ا۔ اس مجموعۂ مکاتیب کے ہر خط کا نفس مضمون الگ الگ ہے۔ ظاہر ہے ایسا ہونا بھی چاہیے تھا، کیونکہ ہر مکتوب نگار نے اپنے ذاتی حوالے سے باتیں لکھی ہیں۔ البتہ ایک پہلو ضرور قابل توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس مجموعہ کے بیشتر خطوط کا تعلق اس دور کی اہم درس گاہ دہلی کالج سے ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان خطوط کے لکھنے والے اس کالج کے اساتذہ تھے یا یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر دوسرے شہروں میں ملازم ہو گئے تھے یا اس کالج کے متعلمین تھے۔ ان خطوط سے ایک تو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مکتوب نگاروں اور اشپرینگر کے مابین کیسے روابط تھے اور وہ کن مسائل کے حل کے لیے اس کا تعاون چاہتے تھے، لیکن ان خطوں کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ ان سے دہلی کالج کی تاریخ کے بعض نئے گوشے سامنے آتے ہیں۔ اس کالج پر سب سے پہلے ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے بعنوان ''مرحوم دہلی کالج'' کتاب لکھی (طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء) جو اب بھی اس موضوع پر بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں 'دتی کالج میگزین' کا ''قدیم دتی کالج نمبر'' شائع ہوا، جس کے چند مقالات میں کچھ نئی معلومات فراہم کی گئیں۔ اس سلسلے کی آخری کوشش مالک رام کی کتاب ''قدیم دتی کالج'' (دہلی، ۱۹۷۶ء) ہے، لیکن بقول مؤلف اس کتاب میں مولوی عبدالحق کی کتاب ہی سے ''وسیع استفادہ'' کیا گیا ہے، اور یہ اس کتاب کا ''تتمہ اور تکملہ'' ہے۔ (مقدمہ، ص ۱۲)۔ چند سال پیشتر ایک جرمن خاتون نے دہلی کالج پر ایک کتاب مرتب کی (بزبان انگریزی)، جس میں اس کے مفصل پیش لفظ کے علاوہ کالج کی تاریخ اور اس کے فاضل اساتذہ اور معروف طلبہ پر اہم مقالات شامل ہیں۔ [(۱۵)] یہ مآخذ دہلی کالج کی تاریخ، نصاب، اساتذہ وغیرہ کے متعلق کارآمد معلومات مہیا کرتے ہیں، لیکن ان خطوں سے اس کالج کے جو نقوش ابھر کر سامنے آتے ہیں، وہ ان منابع میں دکھائی نہیں دیتے۔ ان مکتوبات سے یقیناً اس کالج کے ''درون خانہ'' حالات کی جھلک نظر آتی ہے اور اس کی تاریخ کے بعض نامعلوم پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے۔

۲۔ اشپرینگر کو قلمی نسخے جمع کرنے کا شوق ابتداء ہی سے تھا، لیکن اس کے اس ذوق کی آبیاری ہندوستان آنے کے بعد ہوئی۔ یہیں اس نے مختلف ذرائع سے سیکڑوں عربی، فارسی اور اردو مخطوطات جمع کیے اور واپس جاتے ہوئے اس بیش بہا قلمی ذخیرے کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا۔ وہ مخطوطات کیسے حاصل کرتا تھا؟ ان کی اطلاع اسے کیسے ملتی تھی؟ اور کون سے لوگ اپنی مطلب برآری اور غرض مندی کے لیے قیمتی نسخوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کرتے تھے؟

Marfat.com

ان سب باتوں کی تفصیل انھی خطوط میں مل جاتی ہے۔

۳۔اشپرینگر بنیادی طور پر عربی دان تھا۔عربی زبان وادب پر اس کی کس قدر دسترس تھی، اس کا ثبوت اس کی کتابوں اور مقالوں سے بآسانی مل جاتا ہے۔عربی کے علاوہ فارسی اور اردو لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں اسے کتنی مہارت حاصل تھی، اس کا ابھی تک کوئی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں۔ان خطوط سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں زبانوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے مکتوب نگار کبھی بھی اسے ان زبانوں میں خط نہ لکھتے۔کہا جا سکتا ہے کہ اس نے کوئی ایسا معاون یا منشی ملازم رکھا ہوگا جو اس کو ان خطوط کے مندرجات سے آگاہ کرتا ہوگا۔فارسی کی حد تک شاید یہ بات درست ہو، لیکن اردو کے متعلق یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ وہ اس زبان سے بخوبی واقف تھا۔راقم نے اس کے ذخیرۂ دستاویزات میں چند ایسے کاغذات بھی دیکھے ہیں، جن پر اس نے اپنے ہاتھ سے اردو عبارتیں تحریر کی ہیں۔یہ تحریریں مختصر ضرور ہیں، لیکن ان سے اشپرینگر کی اردو زبان سے کما حقہٗ واقفیت کا ناقابل تردید ثبوت ملتا ہے۔

۴۔اشپرینگر کے حالات زندگی انگریزی کی بعض سوانحی لغات یا عربی اور فارسی میں شائع شدہ مستشرقین کے تذکروں میں اختصار کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔اردو میں جن اصحاب نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، انھوں نے انھی ماخذ کو سامنے رکھا ہے یا اگر کہیں اضافہ کیا ہے تو وہ اس کی مرتبہ ''فہرست مخطوطات شاہان اودھ'' سے کیا ہے۔ اشپرینگر کی ولادت آسٹریا میں ہوئی اور اس نے جرمنی میں وفات پائی۔ان دونوں ممالک کے مشاہیر کی جو سوانحی لغات کئی کئی جلدوں میں طبع ہوئی ہیں، ان میں بھی اس کے سوانح حیات اجمالاً قلم بند کیے گئے ہیں۔اس کے حالات اور علمی کارناموں پر جس جرمن مستشرق نے سب سے پہلے قدرے تفصیل سے لکھا، وہ یوہان فیوک تھا[۹]۔فیوک نے مغربی ممالک میں عربی مطالعات کے آغاز اور مغرب کے نامور عربی دانوں پر جرمن زبان میں ایک مفید کتاب لکھی تھی (لائپسک، ۱۹۵۵ء) جس میں اشپرینگر کا ذکر بھی کیا گیا ہے (ص ۱۷۶-۱۸۱)۔معروف جرمن مستشرق خاتون آنے ماری شمل (م۔۲۰۰۳ء) نے انگریزی زبان میں ''پاکستانی زبانوں کے مطالعے میں جرمنوں کا حصہ'' کے تحت کتاب لکھی (ہامبورگ، ۱۹۸۷ء) جس میں اشپرینگر کے حالات بعض نئی معلومات کے ساتھ تحریر کیے گئے ہیں (ص ۴۸-۷۴)۔[۱۰]

متذکرۂ بالا کتب میں اشپرینگر کے سوانح تو مل جاتے ہیں، لیکن ان میں ایک تو اختصار کا پہلو نمایاں ہے، دوسرے معلومات کی تکرار بھی کھٹکتی ہے۔ان سے اشپرینگر کی زندگی کا ایک خاکہ ابھرتا ہے، لیکن مکمل تصویر سامنے نہیں آتی۔ذخیرۂ اشپرینگر کے یہ خطوط ایسے ہیں، جن سے اس کی نامکمل تصویر میں مزید رنگ بھرے جا سکتے ہیں، کیونکہ ان میں بعض ایسی معلومات بھی درج ہیں، جو کہیں اور دستیاب نہیں مثلاً اندرون ہند اس کے بعض ذاتی معاملات کی تفصیل

Marfat.com

پالیسی میں اس کا عمل دخل، اس دور کے علماء اور رؤسا سے اس کے علمی روابط، اس کی مخطوطہ شناسی اور ذوق کتب بینی وغیرہ۔ یہ تمام خطوط وہ ہیں جن کا مکتوب الیہ اشپرینگر ہے۔ اگر وہ مکتوبات بھی، جو اس نے ان مکتوب نگاروں کو لکھے، مل جاتے، تو اس کے حالات پر مزید روشنی پڑتی، لیکن افسوس یہ تمام خطوط دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئے[18]۔

۵۔ ان خطوط کے لکھنے والوں میں کچھ نام ایسے ہیں، جن سے ہم مکمل طور پر لاعلم ہیں، اس لیے ان کے متعلق ہمیں جو کچھ معلوم ہوگا، وہ نیا ہی ہوگا۔ اس مجموعہ میں بعض ایسے اصحاب کے خطوط بھی شامل ہیں، جن کے نام اور کام دونوں سے ہم آشنا ہیں، لیکن ان خطوں میں بعض شخصیات کے بارے میں کچھ ایسی باتوں کا بھی پتا چلتا ہے، جن سے ہم کاملاً ناواقف ہیں۔ ایسی شخصیات میں سرفہرست مولانا مملوک العلی نانوتوی اور صدر الصدور مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی ہیں۔ اب تک ان کی حیات و تصانیف پر متعدد ارباب تحقیق و تدقیق خامہ فرسائی کر چکے ہیں، لیکن ان کے متعلق جو معلومات ان مکاتیب میں درج ہیں، وہ آج تک کسی بھی کتاب یا مقالے میں نہیں لکھی گئیں۔

۶۔ اس مجموعہ کے اردو مکتوبات کا اسلوب تحریر سادہ اور عام فہم ہے۔ یہ طرز بیان قریب قریب وہی ہے جو دہلی کالج کے مصنفین کی کتابوں میں دکھائی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض ثقہ استادان عربی و فارسی نے بھی اپنے خطوں میں آسان زبان لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اشپرینگر بذات خود مقفیٰ اور مسجع طرز تحریر کو ناپسند کرتا تھا اور اسے نظام تعلیم کا ایک بڑا نقص گردانتا تھا۔ (مرحوم دہلی کالج، ص ۴۱)، دوسرے یہ کہ اظہار بیان کی یہ سادگی اور سلاست اپنے دور کے نثر نگاروں کے اجتماعی رجحان کی ترجمانی کرتی ہے کیونکہ اس وقت بعض خارجی عوامل کے زیر اثر اردو نثر میں آسان پیرایۂ اظہار اختیار کرنے کا رجحان زور پکڑتا جا رہا تھا اور اہل قلم نثر کے قدیم ادق اسالیب اور ان کے بھاری پن کو ناپسند کرنے لگے تھے۔ کم از کم دہلی کالج کے اساتذہ اور یہاں کے فارغ التحصیل طلبہ کی تحریروں میں یہی رجحان نظر آتا ہے[19]۔ اگر اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاریخ نثر اردو میں دہلی کالج کی خدمات فورٹ ولیم کالج سے کسی طرح بھی کم نہیں، لیکن اول الذکر ادارے کے نثری کارناموں پر گمنامی کا پردہ پڑا رہا، کیونکہ اس کی سیکڑوں مطبوعات حادثات زمانہ کا شکار ہو گئیں۔ جبکہ ثانی الذکر کالج کی مطبوعات وقتاً فوقتاً ہونے والی تباہ کاریوں سے محفوظ رہیں۔

❖ ❖ ❖

اشپرینگر کے نام ان مکتوبات کی ترتیب و تدوین میں جو باتیں ملحوظ خاطر رکھی گئی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

الف۔ اگر کسی مکتوب نگار کے ایک سے زیادہ خط ہیں تو انھیں ایک ہی جگہ اس کے نام کے تحت جمع کر دیا گیا ہے۔

ب۔ مکتوب نگار کے خطوط کو تاریخی ترتیب سے یکجا کیا گیا ہے۔ اگر کسی خط میں تاریخ تحریر مرقوم نہیں، تو اس

Marfat.com

صورت میں خط کی اندرونی شہادتوں سے یہ تاریخ متعین کرنے کی کوشش کی گی ہے۔ بصورت دیگر اس خط کو آخر میں درج کیا گیا ہے۔

ج۔ ہر مکتوب نگار کے حالات زندگی اور علمی کارناموں کی تفصیل خط کے متن سے قبل دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں اس مراسلہ نگار پر کتابوں یا مقالوں کی صورت میں اب تک جو کچھ طبع ہو چکا ہے، اس سے بھی حتی الامکان استفادہ کیا گیا ہے، لیکن زیادہ تر ان معلومات کو بطریق احسن پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے، جو اس مطبوعہ سرمایہ میں موجود نہیں اور ان خطوط میں پائی جاتی ہیں۔ ان مکتوب نگاروں کی شخصیت کو سمجھنے میں یہ نئی معلومات یقیناً مددگار ثابت ہوں گی۔

د۔ ہر خط کے ساتھ ہی متن میں درج کردہ بعض قابل تشریح امور کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ ان خطوط کو ان کے اصل سیاق وسباق میں سمجھا جا سکے۔

ہ۔ خطوں کی املا وہی رکھی گئی ہے جس میں وہ لکھے گئے اور اسے جدید املا میں تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

و۔ ان مکتوبات میں پیراگراف کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ہر خط ابتداء سے آخر تک روانی سے چلتا ہے اور بیچ میں کہیں اس کا تسلسل نہیں ٹوٹتا۔ البتہ جہاں کہیں موضوع بدلتا ہے، وہاں ''فقط'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اب ان خطوں میں پیراگراف بنا دیئے گئے ہیں اور ساتھ ہی اوقاف کی جدید علامات کو بھی برتا گیا ہے۔

❖ ❖ ❖

بیس برس سے زیادہ کا عرصہ ہوا، جب یہ مکتوبات بعنوان ''ایک نادر مجموعۂ مکاتیب'' بالاقساط (تعداد نو، مابین ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۸ء) انجمن ترقی اردو، کراچی کے علمی و ادبی مجلہ ''اردو'' میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ارباب علم و دانش، شائقین تنقید و تحقیق، انیسویں صدی عیسوی کے متنوع رجحانات و میلانات پر گہری نظر رکھنے والے مؤرخین اور ثقہ قارئین نے اس سلسلہ وار مقالہ کو سراہا، بالخصوص ان نئے دریافت کردہ مکتوبات کو قبل از ۱۸۵۷ء کے دور کی علمی، ادبی، تعلیمی، تہذیبی اور صحافتی تاریخ میں ایک معتبر ماخذ کا اضافہ قرار دیا۔ بعض غیر ملکی اہل علم نے اس مقالہ میں پیش کردہ معلومات سے بھرپور استفادہ کیا اور اپنی تحریروں میں اس کا کشادہ دلی سے اعتراف بھی کیا۔ ان اصحاب میں سرفہرست کاندھلہ (ضلع مظفر نگر، بھارت) کے جناب نور الحسن راشد کاندھلوی ہیں۔ انھوں نے اپنی جامع کتاب بعنوان ''مملوک العلی نانوتوی'' (کاندھلہ، ۲۰۰۹ء) کے عرض مؤلف کے تحت لکھا ہے:

''چغتائی صاحب نے ان خطوط کو بہت محنت سے نہایت تحقیق، بنیادی ضروری ضمنی اور ثانوی معلومات اور اضافوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔ چغتائی صاحب کی یہ دریافت ۵، ش انجمن ترقی

Marfat.com

اردو کراچی کے سہ ماہی مجلّہ ''اردو'' میں قسط وار چھپی تھی ...... یہ بہت اہم اور قابل قدر دریافت و اشاعت ہے جس سے حضرت مولانا مملوک العلی، دہلی کالج اور مولانا کے احباب اور معاصرین کے متعلق بہت سی نادر معلومات سامنے آئی ہیں۔''

راشد کاندھلوی صاحب کے علاوہ آسٹن (امریکہ) کی پروفیسر گیل مینو (Gail Minault) اور لندن یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کی استاد اورل پاول (Avril A. Powell) خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بیشتر احباب کا یہ مطالبہ بھی زور پکڑتا گیا کہ چار سال کے شماروں میں بکھری ہوئی ان اقساط کو یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کیا جائے، تا کہ وہ عام قارئین کو بآسانی دستیاب ہوں اور یوں ان سے استفادہ کا دشوار مرحلہ آسان ہو جائے۔ دوستوں اور بہی خواہوں کے اس صائب مشورے کو فی الفور تسلیم تو کر لیا، لیکن اس پر عمل کرنے میں مختلف رکاوٹیں حائل رہیں۔ برسوں لکھنے پڑھنے کے مختلف النوع مشاغل نے الجھائے رکھا اور یکسوئی اور دلجمعی سے ادھر توجہ نہ دی جا سکی۔ اس دوران میں احباب کا اصرار بڑھتا رہا۔ بالآخر اس کام کو مکمل کرنا پڑا اور اب یہی تمام اقساط بصورت کتاب قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ اس کے مطالعہ سے قبل یہ چند معروضات کو پیش نظر رکھیے:

۱۔ اس کتاب میں زیادہ تر وہی خطوط شامل کیے گئے ہیں جو پہلے شائع کیے جا چکے ہیں۔ جن چند مکاتیب کا اضافہ کیا گیا ہے، ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

۲۔ بعض مکتوب نگاروں نے اشپرینگر کو صرف فارسی میں بھی خطوط تحریر کیے ہیں، لیکن انھیں زیر نظر کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔ البتہ اردو میں خط لکھنے والوں کے فارسی مکتوبات کو شائع کرایا گیا ہے۔

۳۔ جہاں ضروری سمجھا گیا، نئی معلومات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں جناب نور الحسن راشد کاندھلوی کی محولہ بالا کتاب (متعلقہ مولانا مملوک العلی نانوتوی) اور محترمہ پاول کے مولوی کریم الدین پانی پتی پر تحریر کردہ مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۴۔ قبل ازیں ایک نادر مجموعۂ مکاتیب کی قسط اول کے شروع میں اشپرینگر کی ایک نادر تصویر شائع کی گئی تھی، لیکن اب اس کی چند دیگر تصاویر اور اس کی بعض انتہائی نایاب دستاویزات کو بھی زیر نظر کتاب کے آخر میں شائع کیا گیا ہے۔

۵۔ سابقہ اقساط میں تمام مکاتیب کے متن درج کیے گئے تھے، لیکن اب کم وبیش تمام مراسلات کی عکسی نقول بھی شامل کر دی گئی ہیں تا کہ مکتوب نگاروں کے طرز تحریر کا بھی اندازہ لگایا جا سکے۔

۶۔ مکتوب نویسوں کی سابقہ ترتیب بھی بدل دی گئی ہے۔ اب مولانا مملوک العلی نانوتوی اور ان کے متعلقین اور تلامذہ کو پہلے اور دیگر مراسلہ نگاروں کے خطوط کو بعد میں درج کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۷۔ کچھ ایسے مکتوب نگاروں کے اِکا دُکا اردو خطوں کو مع ضروری حواشی کے شامل کیا گیا ہے، جو سابقہ اقساط میں سلسلہ منقطع ہونے کے باعث شائع نہیں ہوئے تھے۔

۸۔ بیشتر فارسی خطوط کی عکسی نقول کو بھی آخر میں شائع کر دیا ہے۔ ان فارسی مکاتیب کو ان کے مکتوب نگاروں کے احوال اور دیگر تفصیلات سمیت الگ مقالات کی شکل میں شائع کیا جائے گا، مثلاً نواب حامد علی خاں وغیرہ۔

۹۔ خطوط اور دستاویزات کی عکسی نقول کے آخر میں چند ایسے خوشنویسوں یا اشخاص کی تحریروں کے عکس دیے گئے ہیں جو اشپرینگر کے لیے کتابیں تیار کرتے تھے یا اسے بھجواتے رہتے تھے۔

۱۰۔ دہلی کالج (بیرونی اجمیری گیٹ و کتاب خانہ داراشکوہ، بیرون کشمیری گیٹ) کی تصاویر بھی شامل کی گئی ہیں، جس کے لیے راقم مغل فن تعمیر کی آسٹرین متخصص ڈاکٹر ایبا کوخ (Ebba Koch) کا ممنون ہے۔

۱۱۔ اشپرینگر کے آبائی گاؤں، جائے ولادت، مجسمہ، تصاویر، سوئٹزرلینڈ کی قیام گاہوں، چند جرمن خطوط اور ان کے اردو تراجم، مطبوعات کے سرورقوں کے عکس، فہرست کتب و مقالات پر علیحدہ حصہ مخصوص کیا گیا ہے۔

❖ ❖ ❖

اس مقالے کے ساتھ اشپرینگر کی تین تصاویر بھی شائع کی جا رہی ہیں۔ یہ تمام تصاویر ہمارے ہاں پہلی بار منظر عام پر آ رہی ہیں، اس لیے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پیش گفتار کے اختتام پر ان کے متعلق چند ضروری باتیں عرض کر دی جائیں۔ ان میں ایک تصویر اشپرینگر کی جوانی، دوسری ادھیڑ عمر اور تیسری بڑھاپے کی ہے۔ پہلی دو تصاویر انسبرک کے میوزیم (Tiroler Landesmuseum Ferdinandeum) کے سابقہ کتابدار ولف رم ویزر (Wolfram (Gemeindeamt Nassereith, Innsbrucker Stadtarchiv, Tiroler Landesarchiv، Wieser) اور ویانا یونیورسٹی کے شعبۂ تصاویر (Bildarchiv) کے مہتمم کے تعاون سے حاصل ہوئیں۔ تیسری تصویر اشپرینگر پر شائع ہونے والے ایک مختصر کتابچے (آٹھ صفحات) میں شائع ہوئی تھی۔ یہ کتابچہ اس موقع پر شائع ہوا جب ان کی پیدائش کو ایک صدی گزر چکی تھی یعنی ۱۹۱۳ء میں۔ اس مختصر کتابچے کو انسبرک یونیورسٹی کے [illegible] ہافنر Dr. August Haffner (۱۸۶۹ء–۱۹۴۱ء) نے قلم بند کیا تھا اور یہ انسبرک ہی سے چھپا تھا۔ پورا نام [illegible] ذیل ہے:

Alois Sprenger. Ein Tiroler Orientalist. Zur Enthüllung des Sprenger-Denkmales in Nassereith am 19. Oktober 1913.

اشپرینگر کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر بھی اس کے آبائی گاؤں ناسریت میں اس کے مجسمے کی بھی

Marfat.com

رونمائی ہوئی۔ یہ مجسمہ اب بھی جوں کا توں قائم ہے، لیکن یہ مجسمہ ہالنٹر کی شائع کردہ تصویر سے مختلف ہے۔ اب اس مجسمے کو اس کی اصل جگہ سے ہٹا کر ناسیرائیٹ کے ٹاؤن ہال کے باہر نصب کر دیا گیا ہے۔ اس کا عکس بھی زیرِ نظر کتاب میں شائع کیا جا رہا ہے۔ راقم کو ہالنٹر کا یہ نایاب کتابچہ Innsbrucker Stadtarchiv (انسبرک) کے کتاب خانے سے دستیاب ہوا تھا اور یہاں کے مہتمم (Franz Heine Hye) نے کئی روز کی محنت کے بعد اسے تلاش کیا تھا۔

آخر میں ٹائرول میوزیم (انسبرک) کے کتاب خانہ کے موجودہ انچارج کرسٹوف امپفیرر (Christoph Ampferer) کا خصوصی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، جن کی خصوصی معاونت اور ذاتی دلچسپی سے اشپرینگر کے بعض انتہائی نایاب جرمن مصادر کا علم ہوا اور اس کی خاندانی دستاویزات تک رسائی حاصل ہوئی۔

محمد اکرام چغتائی

لاہور

۱۲ مئی ۲۰۱۲ء

حواشی

۱۔ اب تک اس سلسلہ کی تقریباً ۷۰ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن میں عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات کے علاوہ ایک جلد جرمنی کے کتاب خانوں میں محفوظ اسلامی مصور نسخوں پر مشتمل ہے، (بشمول ''سیر السنازل'' از مرزا سنگین بیگ، مخزونہ برلین، ص ۲۰۰-۲۰۱)۔ اس جلد کے مرتب معروف ماہرِ فنونِ اسلامیہ چوکین (Ivan Stchoukine) ہیں۔ اس سلسلہ وار فہارس مخطوطات کا عنوان Verzeichniss der orientalischen Handschriften in Deutschland (=VOHD) ہے۔ عربی مخطوطات پر مشتمل جلد مرتبہ Ewald Wagner، ویس بادن، ۱۹۷۶ء۔ برلین کے اس کتاب خانہ کے ذخیرۂ اشپرینگر کے عربی مخطوطات کی اجمالی فہرست یہیں کے ایک اسکالر ہارس کوریو نے مرتب کی ہے، رک:

Hars Kurio: *Arabische Handschriften der Bibliotheca Orientalis Sprengeriana*...... Berlin 1981.

اور اردو مخطوطات کے لیے مجاہد حسین زیدی کی یہ فہرست دیکھیے:

Urdu-Handschriften. Wiesbaden 1975.

۲۔ رک:

A Catalogue of the Bibliotheca Orientalis Sprengeriana.

134710

Marfat.com

Giessen. January 1857.

۳۔ اشپرینگر اپنے نجی کتاب خانہ کی فہرست (گیسن، ۱۸۵۷ء) کے دیباچہ (وائن ہائیم، نزد ہائیڈل برگ۔ بابت ۱۷ نومبر ۱۸۵۶ء) میں لکھتا ہے:

"During the thirteen years, which I spent in the East [1843-1856], I enjoyed vast opportunities to collect works of a literature, which is rapidly falling into decay and whose most precious monuments have for the most part already disappeared. Three years I resided at Dilly [1845-1848], the capital of the Mogols at the head of one of the best Madressahs of the Moslim world [Delhi College], two years [1848-1849] I was employed by the government to catalogue the libraries of Lucknow -- now the principal seat of oriental lore in India -- and I had an opportunity to examine ten thousand Arabic, Persian and Hindustany manuscripts; and two years I travelled in Egypt, Syria, Mesopotamia, the Iraq, the island of Kishm and Masqat. I had conscientiously use of the opportunities thus afforded to me: I visited every library, public or private, to which I could obtain access. I examined every book I could lay hold of, I spared no expense to secure a good manuscript, and if I met with a rare work, which I could not obtain by purchase I had it copied and carefully compared, and I had agents in various parts of the country, through whom I obtained books even from Mecca and Madynah. Only a fortnight ago I received a list of 531 Arabic manuscripts, which are for sale at Basrah on the banks of the Tigris.

Marfat.com

In making these exertions and spending so much money, to collect manuscripts of the libraries of the Islam, I was not guided by a childish bibliomania, but by a sense of duty......

I doubt whether ever one individual has brought to Europe so many oriental works as are contained in my collection. It is however not so much its extent, as its completeness what renders it valuable."

۳الف۔ فروخت کے اس عمل اور باہمی خط کتابت کی تفصیل کے لیے رک:

Karl von Halm (1809-1882), *Denkschrift über die Verhandlungen zwischen der Direktion der k. Hof-und Staatsbibliothek zu München und Dr. Aloys Sprenger über den Ankauf der Bibliotheca Sprengeriana Orientalis.*

Heidelberg 1857

۴۔ بہ عنوان:

Orientalia. Katalog der Bibliothek Prof. Dr. Alois Sprenger.

1896. (pp. 44)

۵۔ اس کا اصل نام Fitzclarence تھا۔ وہ چند سال ہندوستان میں بھی عسکری ذمہ داریاں نباہتا رہا۔ واپس انگلستان پہنچنے کے سفر کی مفصل روداد درج ذیل کتاب میں بیان کی گئی ہے:

Lt.-Col. Fitzclarence: *Journal of a route across India through Egypt, to England in the latter end of the year 1817 and the beginning of 1818.* London 1819

برائے تفصیل رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ

۶۔ سر ہنری ایلیٹ (۱۸۰۸ء-۱۸۵۳ء)۔ رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ

۷۔ اشپرینگر کے اجراء کردہ اخبار ''قران السعدین'' کے بعض شماروں (مخزونہ مغربی برلین) میں اس تعیناتی کی

Marfat.com

یوں اطلاع کی گئی ہے:

''ڈاکٹر سپرنگر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی حسب الحکم گورنر جنرل چند مدت کے واسطے اسسٹنٹ صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ کے مقرر ہوئے۔ فی الحقیقت یہ صاحب بہ سبب اپنی استعداد علمی اور واقفیت زبان عربی اور فارسی اور اردو وغیرہ کے مستحق اس علاقہ کے ہیں اور ہمارے نزدیک اون کے سوا کسی اور کو گورنر جنرل اس قدر لائق نہ پاتے۔ یہ صاحب اپنے ایام قیام لکھنؤ میں فہرست کتب خانہ شاہی کی تیار کریں گے اور اغلب ہے کہ اون کی جگہ جناب ٹیلر صاحب، جو پہلے بھی بہ لیاقت اور درستی تمام کار مدرسہ انجام دے چکے ہیں، مقرر ہوں۔''

(قران السعدین، جلد ۲ نمبر ۱۵، بابت ۲ دسمبر ۱۸۴۷ء)

''غالب ہے کہ ڈاکٹر سپرنگر صاحب چھبیسویں تاریخ ماہ حال تک تشریف فرمائے لکھنؤ ہوں۔ اون کی جگہ فریڈرک ٹیلر کام کریں گے۔'' (ایضاً، جلد ۳ نمبر ۸، بابت ۲۱ جنوری ۱۸۴۸ء)

''جناب ڈاکٹر سپرنگر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی ۲۴ تاریخ ماہ حال کو تشریف فرمائے لکھنؤ ہوئے اور جناب ٹیلر صاحب اون کی جگہ قائم مقام کام کرتے ہیں۔''

(ایضاً، جلد ۳ نمبر ۱۰، بابت ۶ مارچ ۱۸۴۸ء)

عمومی رپورٹ (بابت ۱۸۴۷ء-۱۸۴۸ء) میں مرقوم ہے:

"The Principal Dr. Sprenger having been deputed under orders of the Government of India to Lucknow on special duty. Mr. Taylor, the Head Master, was appointed to officiate as Principal."

(see *General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1847-48*. Agra 1849)

۱۔ عمومی رپورٹ (بابت یکم مارچ ۱۸۵۰ء) کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"Dr. Sprenger, Principal of the College, rejoined his appointment on the 14th January; ill health however soon compelled him to relinquish his post, and he left Delhie for Simla on Medical Certificate on the 19th April 1850. On the

Marfat.com

20th the Head Master assumed charge of his duties on an additional allowance of 100 rupees per mensem."

(see *General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1849-50*, Agra, 1949)

۹۔ عمومی رپورٹ (بابت ۱۸۴۹ء-۱۸۵۰ء) کا یہ اقتباس:

"The services of Sprenger were placed at the disposal of the Government of Bengal in May 1850, and the present Principal joined his appointment on the 2nd September following, the duties of Principal having previously been carried on by Mr. F. F. Taylor [appointed on 16 August 1829] and discharged the satisfaction of His Honor the Lieutenant Governor, and the Members of the Local Committee of Public Instruction."

(Ibid., for 1849-50. Agra 1851)

۱۰۔ اشپرینگر کی لاش کے کریا کرم (cremation) کی یہ اطلاع ہائیڈل برگ کے میئر نے اپنے مکتوب بنام میئر ناسیرائیت (بابت ۲۴ مئی ۱۹۹۳ء) میں فراہم کی تھی۔ اس خط میں یہ بھی درج ہے کہ جہاں اس جلی ہوئی لاش کی بچی کچھی راکھ محفوظ کی گئی تھی، اس جگہ کی تصویر بھی ہائیڈل برگ شہر کے آرکائیوز میں محفوظ ہے۔ رک:

Letter of Thomas Schaller (Mayor, Heidelberg) to Fallbesoner (Mayor, Nassereith), dated 24 May, 1993.

۱۱۔ رک: ایمیلی کی یادداشتوں پر مشتمل کتاب مرتبہ M. M. Kaye، بعنوان:

The Golden Calm: An English Lady's Life in Mughal Delhi. London 1980, p. 213; see also William Dalrymple: *The Last Mughal. The Fall of a Dynasty, Delhi, 1857*. New Delhi 2007, p. 105.

۱۲۔ مغربی برلین کے اس ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ایک ڈبے میں پڑے ہوئے چھوٹے سے کاغذ پر بزبان جرمن مختصر سی عبارت درج ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ء تک اشپرینگر کے یہ تمام نجی کاغذات اور

Marfat.com

دستاویزات سوئٹزرلینڈ کے شہر برن میں اس کے بیٹے ہائنرخ کی تحویل میں تھے۔ بعد میں اسی نے (غالباً ۱۹۱۲ء میں) یہ سب کچھ برلین کے کتاب خانہ کے سپرد کر دیا۔

۱۴۔ اشپرینگر اور اس کے افرادِ خانہ کے سوانح حیات نیز اس آسٹرین مستشرق کی علمی خدمات کے لیے رجوع کیجیے:
ڈاکٹر اشپرینگر از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (در: دلی کالج میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء)۔ ۱۹۹۳ء میں اشپرینگر کی صد سالہ برسی کے موقع پر اس کے آبائی گاؤں ناسیرائٹ (آسٹریا) اور تائرول کے شہر انسبرک میں باوقار علمی تقاریب کا اہتمام کیا گیا، جن میں آسٹریا کے نامور مستشرقین کے علاوہ راقم نے بھی شرکت کی۔ اس یادگار علمی اجتماع کے حوالے سے اشپرینگر کے ''ہم شہری'' (Landsmann) جناب نوربرٹ مانٹل نے ''اشپرینگر بحیثیت مستشرق اور مؤرخ اسلام'' کے عنوان کے تحت درج ذیل جرمن کتاب بھی پیش کی، جو ناسیرائٹ کی میونسپلٹی نے شائع کی:

Norbert Mantl; *Aloys Sprenger: Der Orientalist und Islamhistoriker aus Nassereith in Tirol.* Zum 100. Todestag am 19. Dezember 1993. Im Selbstverlag der Gemeinde Nassereith

(pp. 87)

اس تقریب میں ویانا یونیورسٹی کے خاور شناس شٹیفان پروشاذکا نے اشپرینگر کی عربی ادبیات اور اسلامی موضوعات پر تحریر کردہ کتب کی اہمیت پر یہ مقالہ پیش کیا:

Stephan Procházka: "Die Bedeutung der Werke Aloys Sprengers für die Arabistik und Islamkunde." (in: *Tiroler Heimatblätter* (Innsbruck). 69/2 (1994), pp. 38-42)

راقم نے اپنے مقالے (بزبان جرمن) میں اشپرینگر کی اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی سے متعلق خدمات کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس مقالے کے انگریزی ترجمے کے لیے رک: اقبال ریویو (لاہور) ۳۶: ۱ (اپریل ۱۹۹۵ء) ص ۷۷-۹۹۔ نیز رک: راقم کا مقالہ بعنوان

"Dr. Aloys Sprenger and the Delhi College" (in: *The Delhi College*, see under f. n. no. 13; also in: *Armaghan*, presented to Dr. Sayyid M. ʿAbdullah, Lahore 2005, pp. 1-32)

اشپرینگر کے احوال اور علمی آثار کے لیے رک:

Marfat.com

C. v. Wurzbach: *Biographisches Lexikon des Kaiserthums Österreich*, vol. 36 (1878), pp. 258-263; *Österreichisches Biographisches Lexikon, 1815-1950*. Vienna: ÖAW, vol. ix, s. v. Sprenger, A.; *Allgemeine Deutsche Biographie*. Leipzig/München, s. v. Sprenger,. A.; *Neue Deutsche Biographie*. Berlin, s.v. Sprenger, A.; *Dictionary of National Biography*. London, s.v. Sprenger, A.; St. Procházka: "A. Sprenger--an Austrian Orientalist with a British Passport", in: *Austrian Scholarship in Pakistan*. Islamabad 1997, pp. 34 ff.

۱۴۔ رک:اشپرینگر (مکتوب الیہ)۔عکسی نقول پر مشتمل حصہ۔

۱۵۔ اس کتاب کا سرورق درج ذیل ہے:

The Delhi College. Traditional Elites, the Colonial State and Education before 1857. Edited، by Margrit Pernau. New Delhi: OUP, 2006.

مشمولہ مقالات: مدرسہ غازی الدین (ایا کوخ)، دہلی کے سفید مغلوں کا عروج وزوال (ولیم ڈال رمپل)، اشپرینگر اور دہلی کالج (راقم)، صدرالدین آزردہ (سوپنا لڈّل)، امام بخش صہبائی (سی، ایم، نعیم)، ماسٹر رامچندر (گیل مینو)، مولوی کریم الدین پانی پتی (اورل اے، پاول)، موہن لال کشمیری (مائیکل فشر)، مولوی ذکاءاللہ (مشیرالحسن) اور ڈپٹی نذیر احمد (کرسٹینا اوسٹر ہیلٹ)۔

علاوہ ازیں دہلی کی تواریخ مثلاً آثار الصنادید از سرسید احمد خاں (دہلی: اردو اکادمی ۲۰۰۰ء)۔ نیز علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، انتخاب مضامین مرتبہ اصغر عباس، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء، ص ۵۴-۵۸۔ واقعات دارالحکومت دہلی از بشیر الدین احمد، تین جلد، (کمپیوٹر کمپوزنگ)، دہلی ۲۰۱۲ء (۱۹۱۹ء)۔ دلّی جو اک شہر تھا از انتظار حسین (لاہور، ۲۰۰۷ء) وغیرہ میں دہلی کالج کا اجمالاً یا مفصلاً ذکر کیا گیا ہے۔ دہلی کالج سے تین جرائد ''قران السعدین''، ''فوائد الناظرین'' اور ''محب ہند'' شائع کیے جاتے تھے اور یہ تینوں اپنے موضوعات اور انداز تحریر کے اعتبار سے تاریخِ صحافتِ اردو کے ابتدائی دور میں اہم حیثیت کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو صحافت کی تقریباً تمام تاریخوں میں اس کالج کی صحافتی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے، رک: تاریخ صحافت

Marfat.com

اردو از مولانا امداد صابری، جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اہم اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء) از محمد عتیق صدیقی، ۱۹۶۲ء۔ ایضاً: ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔ نادر علی خاں: تاریخ صحافت اردو (بزبان انگریزی)، دہلی ۱۹۹۱ء۔ ایضاً: ہندوستانی صحافت (۱۵۵۶ء-۱۹۰۰ء)، لکھنؤ ۱۹۹۰ء۔ طاہر مسعود: اردو صحافت، انیسویں صدی میں، دہلی ۲۰۰۹ء (۲۰۰۲ء)۔ دہلی کالج کے نامور اساتذہ، تلامذہ اور متعلقین پر جو الگ سے کتب لکھی گئیں، ان میں بھی اس کالج کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً مولوی ذکاء اللہ (سی، ایف، اینڈریوز کی انگریزی کتاب، طبع جدید مع تعارف از مشیر الحسن اور مارگریٹ پیرنو، نئی دہلی ۲۰۰۳ء)، ماسٹر رامچندر (مؤلف صدیق الرحمٰن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء۔ خواجہ احمد فاروقی: ذوق و جستجو، لکھنؤ ۱۹۶۷ء)۔ آزردہ (مفتی صدر الدین آزردہ از عبد الرحمٰن پرواز اصلاحی، نئی دہلی ۱۹۷۷ء)، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (افتخار احمد صدیقی: مولوی نذیر احمد، لاہور ۱۹۷۱ء)، امام بخش صہبائی (خواجہ محمد حامد: امام بخش صہبائی، کامٹی ۱۹۹۲ء)، مولوی کریم الدین پانی پتی (شان احمد صدیقی، مولوی کریم الدین، حیات اور کارنامے، پٹنہ ۱۹۷۸ء)، محمد حسین آزاد (مطالعہ آزاد از راقم، لاہور ۲۰۱۰ء، و دیگر کتب) وغیرہ۔

Gail Minault: "Delhi College and Urdu", in: *Annual of Urdu Studies*, 14 (1999), pp. 119-134; ibid.: "Qiran s-Sa'dain", in: Jamal Malik (ed.): *Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860*. Leiden 2000, pp. 260-277; Mujahid Husain Zaidi: "Aloys Sprengers Beitrag zum Urdu-Studien", (in: *ZDMG*, Supplement II. Vorträge. Wiesbaden 1974, pp. 259-265).

ذخیرۂ اشپرینگر (برلین) میں محفوظ "قران السعدین" کے متعدد شماروں پر تفصیلی مقالہ از راقم بعنوان "قران السعدین۔ دہلی کالج کا پہلا علمی و ادبی مجلہ" در: سویرا (لاہور) شمارہ ۶۷ (مارچ ۲۰۰۲ء)، ص ۱۱۰-۱۲۹۔

Nina Dev Gupta: "The halcyon yesterdays of Delhi College: A chequered history", in: *Knowledge, Power and Politics. Educational Institutions in India*. Edited by Mushirul Hasan. New Delhi 1998, pp. 114-140; Razia Bashir Chaudhry: *Conflicting Perspective of Anglo-Oriental Education* (Case study of

Marfat.com

Delhi College). Ph. D. dissertation, SOAS, London University, in preparation under the guidance of A. A. Powell.

انتظار مرزا: قدیم دہلی کالج کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ۔ مقالہ برائے ڈاکٹریٹ۔ دہلی یونیورسٹی (شعبۂ اردو)، ۱۹۸۴ء۔ دلی کالج، تاریخ اور کارنامے از عبدالوہاب، دہلی ۲۰۱۰ء؛ قدیم دہلی کالج کا کردار از ڈاکٹر شمس الہدیٰ دریابادی، نئی دہلی ۲۰۱۱ء۔

۱۶۔ رک:

Johann Fück: *Die arabischen Studien in Europa.*

Leipzig 1955.

۱۷۔ رک:

Annemarie Schimmel: *German Contributions to the Study of Pakistani Linguistics*. Hamburg 1981.

۱۸۔ برصغیر کے مکتوب نگاروں کو تو نہیں، البتہ اپنے ہم وطنوں، ہم شہروں اور یورپ کے بعض معروف سیاحوں کو اشپرینگر نے جرمن اور انگریزی زبانوں میں جو خطوط لکھے تھے، وہ یورپ بالخصوص جرمنی اور آسٹریا کے نوادر خانوں میں محفوظ ہیں۔ اس کے ان مکتوب الیہوں میں آسٹریا کے معروف مستشرق ہامر پور گشتال، آسٹرین شرق شناس یاکوب فلپ فال میرایر (۱۷۹۰ء-۱۸۶۱ء)(Jakob Philipp Fallmerayer)، David Schönherr (۱۸۲۲ء-۱۸۹۷ء)، سر رچرڈ برٹن (۱۸۲۱ء-۱۸۹۰ء) وغیرہ شامل ہیں۔ اول الذکر کے نام تحریر کردہ بعض خطوط میں اشپرینگر نے دہلی کالج میں اپنی بعض اہم تعلیمی اور نصابی اصلاحات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اشپرینگر کے ان مکتوب الیہوں کے جرمن (مع انگریزی ترجمہ) اور غیر مطبوعہ انگریزی مکتوبات مع حواشی الگ مقالہ کی صورت میں عنقریب پیش کیے جائیں گے۔

۱۶۔ مثال کے طور پر دیکھیے: ماسٹر رامچندر کے مضامین (در: اردو نثر کے ارتقاء میں ماسٹر رامچندر کا حصہ از ڈاکٹر سیدہ جعفر، حیدر آباد دکن ۱۹۶۰ء)۔

* * * * *

Marfat.com

مخففات
(Abbreviations)

۱۔ استوری=

C.A. Storey: *Persian Literature. A Bio-bibliographical Survey.* vols. I/1-2, II/1-3, III/1-2; by F. de Blois, V/1-2, London 1927-1994

۲۔ اہلوارٹ=

W. Ahlwardt: *Verzeichniss der arabischen Handschriften.* Berlin 1887-99. 10 vols. (=Handschriften-Verzeichnisse der kön. Bibliothek zer Berlin, vol. 7–9, 16–22)

۳۔ براکلمان=

C. Brockelmann: *Geschichte der arabischen Literatur.* Leiden 2nd ed., 2 vols. (1943-), Supplement 3 vols. (1937-)

۴۔ پرٹش=

Verzeichniss der persischen Handschriften. Königlichen Bibliothek zer Berlin. Von W. Pertsch. Berlin 1888.

۵۔ زیدی=

Mujahid Husain Zaidi: *Urdu Handschriften.* Wiesbaden 1975

Marfat.com

۶۔ سزگین=

Fuad Sezgin: *Geschichte des arabischen Schrifttums.*
Leiden 1967—.

۷۔ گارسیں دتاسی=

Histoire de la littérature Hindouie et Hindoustanie par Garcin de Tassy. 2nd ed., 3 vols., Paris 1870-71. repr.: New York 1968.

* * * * *

۸۔ *JASB*=Journal of the Asiatic Soceity of Bengal (Calcutta)

۹۔ *JRAS*=Journal of the Royal Asiatic Society of Great Britain and Ireland (London)

۱۰۔ *ZDMG* = Zeitschrift der deutschen Morgenländischen Gesellschaft (Leipzig) ۔

* * * * *

cf. = compare
ed. = edited, editor
eds. = editors
ibid. = ibidem
n.d. = not dated
p. = page
pp. = pages
tr. = translation
vol. = volume
vols. = volumes

* * * * *

رک=رجوع کیجیے
ص=صفحہ

Marfat.com

مولانا مملوک العلی نانوتوی

ذخیرۂ اشپرینگر کے اس نادر مجموعۂ مکتوبات کے ایک مراسلہ نویس مولانا مملوک العلی نانوتوی ہیں۔ مولانا نے اشپرینگر کو کل نو خط لکھے۔ ان میں پہلا ۱۲ نومبر ۱۸۶۴ء کا لکھا ہوا ہے اور آخری کا سنۂ تحریر ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء ہے، یعنی مولانا کی وفات (۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) سے تقریباً سات ماہ قبل یہ خط لکھا گیا۔ مولانا نے اشپرینگر کو پہلا خط اس وقت لکھا، جب وہ اسی کالج (یعنی دہلی کالج) کا پرنسپل تھا اور مولانا وہاں عربی کے مدرس اول تھے۔ آخری خط کا زمانۂ تحریر وہ ہے، جب مکتوب الیہ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہو چکا تھا۔

مولانا نے اپنے ان خطوط میں کیا کچھ لکھا ہے، اس کا اندازہ تو آئندہ سطور سے کیا جا سکے گا جہاں ان خطوط کے متن اور تشریحات کو پیش کیا جائے گا، لیکن یہاں اس بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط مولانا کی اردو تحریر کے ایسے نمونے ہیں جنھیں پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔ اس سے قبل ہمیں کہیں سے بھی اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ مولانا اپنی نجی تحریروں میں اردو کو بھی استعمال کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے دور ملازمت میں چند عربی کتابوں کو اردو میں منتقل ضرور کیا، لیکن یہ تراجم ان کے اسلوب تحریر کی نمائندگی نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ ان خطوں کے مندرجات سے ایک تو اشپرینگر سے مولانا کے تعلقات کی نوعیت کا علم ہوتا ہے اور دوسرے ان سے مولانا کی اپنی زندگی کے بعض حصوں پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ پیشتر اس کے کہ مولانا کے ان خطوط کا متن اور ان کے وضاحتی امور کو پیش کیا جائے، بہتر ہوگا کہ ان کے ضروری حالات زندگی کو اختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔(۱)

۱۔ مولانا مملوک العلی کے یہ سوانح مطبوعہ مصادر سے اخذ شدہ ہیں۔ ان میں معتبر ترین تین ماخذ ہیں۔ ایک تو سرسید احمد کی "آثار الصنادید" (ترتیب و حواشی ڈاکٹر سید معین الحق، کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۲۹۲) ہے۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں مولانا کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ سرسید مولانا کے شاگرد تو نہیں لیکن ان کے ہم عصر ہیں۔ انھوں نے مولانا کا جس انداز سے ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولانا کو قریب سے جانتے تھے۔ "آثار (باقی)

مولانا مملوک العلی مغربی یو پی کے ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، جو دہلی سے جانب شمال اسی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ دور شاہجہانی میں ان کے آباؤ اجداد نے اس قصبہ میں سکونت اختیار کی۔ یہاں بسنے والے لوگ صدیقی النسب تھے اور انہیں علم وفضل سے گہرا لگاؤ تھا۔ یہ انھی صدیقیان ثانویہ کی قائم کردہ علمی روایات کا نقطۂ عروج تھا کہ انیسویں صدی عیسوی کے مشاہیر میں اس قصبے کے علماء کا نام سرفہرست ہے۔

الصنادید' جب پہلی بار طبع ہوئی (۱۸۴۷ء) اس وقت مولانا زندہ تھے، لیکن جب اس کتاب کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن منظر عام پر آیا (۱۸۵۴ء) اس وقت مولانا انتقال کر چکے تھے۔ لیکن سرسید نے ان کا ذکر زندہ شخصیت کے طور پر کیا ہے۔ سوانح مملوک العلی کا دوسرا اور اہم ماخذ مولوی کریم الدین پانی پتی کا تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۸ء، طبع عکسی مع مقدمہ از محمود الٰہی، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۳ء، ص ۴۶۳-۴۶۴) ہے۔ تذکرہ نگار مولانا کا شاگرد تھا اور کئی سال تک دہلی کالج میں ان سے کسب فیض کرتا رہا۔ گارسیں دتاسی نے ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (بزبان فرانسیسی) میں مولانا کے جو حالات دیئے ہیں، وہ کریم الدین کے اسی تذکرہ سے ماخوذ ہیں۔ (جلد دوم، پیرس ۱۸۷۰ء، ص ۲۷۱-۲۷۲)۔ اس سلسلے کا تیسرا اہم ماخذ مولانا کے فرزند رشید محمد یعقوب نانوتوی کی ''سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی'' (مطبوعہ بہاول پور ۱۲۹۷ھ، مشمولہ در: سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی، جلد اول، مطبوعہ دیو بند، ۱۳۷۳ء، ص ۲۳-۴۸) ہے۔ محمد یعقوب، صدر مدرس دار العلوم دیو بند، اور محمد قاسم، بانی دار العلوم دیو بند، مولانا مملوک العلی کے ہم وطن، ہم نسب اور شاگرد تھے۔ صاحب کتاب نے اس سوانح میں جگہ جگہ اپنے والد کا ذکر کیا ہے۔ ہمعصر شہادتوں کے ضمن میں مولوی کریم الدین پانی پتی کے شعرائے عرب کے تذکرہ ''فرائد الدہر'' (دہلی، ۱۸۴۷ء) اور مولانا کے شاگرد مولانا ذوالفقار علی دیو بندی کی ایک عربی تصنیف (بحوالہ سیرت یعقوب ومملوک، حوالۂ مرقومة الذیل، ص ۲۸-۲۹) بھی شامل ہے، لیکن ان میں مولانا کے حالات بہت کم اور اوصاف زیادہ ہیں۔ اس سلسلے کا اہم ترین ماخذ نور الحسن راشد کاندھلوی صاحب کی مبسوط کتاب بعنوان ''استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی'' (کاندھلہ، ۲۰۰۹ء) ہے جس میں ان کے سوانحی احوال، علمی خدمات، تصانیف وتراجم، مکتوبات وآثار اور تذکرہ تلامذہ کے علاوہ نانوتہ کی تاریخ، آباؤ اجداد اور خاندان کے مختصر حالات اور مولانا کے سفر واساتذہ، دہلی کالج سے برسوں کا تعلق، اس درس گاہ کے علمی واشاعتی کاموں کی نگرانی، حزب ولی اللہی اور سید احمد شہید کی تحریک سے تعلق وغیرہ کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

مولانا مملوک العلی کے حالات زندگی کے یہی مستند منابع ہیں۔ ان کے علاوہ جن مؤلفین نے مولانا کے سوانح پر قلم اٹھایا ہے، انہوں نے انھی کتب سے استفادہ کیا ہے اور وہ واقعاتی اعتبار سے ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں (جاری)

Marfat.com

مولانا کا سنہ ولادت ۱۷۸۷ء بتایا جاتا ہے۔ مولوی کریم الدین پانی پتی نے ''طبقات شعرائے ہند'' میں مولانا کی عمر قریباً ساٹھ سال لکھی ہے (ص ۴۶۴)۔ یہ تحریر ۱۸۴۷ء کی ہے۔ اس اعتبار سے مولانا کا یہی سال ولادت یعنی ۱۷۸۷ء درست مانا جاتا ہے، لیکن مؤلف ''سیرت یعقوب و مملوک'' کو مفتی محمود احمد نانوتوی نے مولانا کے جو حالات لکھ بھیجے تھے، ان میں سال پیدائش ۱۷۸۹ء مرقوم ہے۔ چونکہ مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۷ء میں مولانا کی عمر قریباً ساٹھ برس لکھی ہے، اس لیے ان دونو سنین میں سے کوئی ایک یا ان سے قریب کا کوئی اور سنہ بھی درست ہوسکتا ہے۔

کر سکے۔ ایسی کچھ کتابیں یہ ہیں: تاریخ قنوج (قلمی) از نواب صدیق حسن خاں، سنہ تالیف ۱۲۷۸ھ۔ تذکرۃ الرشید از عاشق الٰہی میرٹھی، میرٹھ ۱۹۰۵ء۔ واقعات دار الحکومت دہلی۔ مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی، حصہ دوم، دہلی ۱۹۱۹ء۔ دہلی کا آخری سانس، ترجمہ از سید محمد ناصر دہلوی، دہلی ۱۹۲۵ء۔ نزہۃ الخواطر مؤلفہ عبدالحیٔ لکھنوی، حیدر آباد دکن، جلد ۷۔ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک، از مولانا محمد زکریا، بحوالہ ''سیرت یعقوب و مملوک۔'' ارواح ثلاثہ، ترتیب واصلاح مولانا اشرف علی تھانوی، سہارنپور ۱۹۷۰ء۔ دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ از مرزا فرحت اللہ بیگ، کراچی ۱۹۶۰ء۔ شرکائے مشاعرہ میں مولانا کا نام بھی شامل ہے اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مولوی صاحب مدرسۂ دہلی میں مدرس اول ہیں، عجیب باکمال آدمی ہیں۔ مدرسے میں ان کی ذات بابرکات سے وہ فیض ہوا ہے کہ شاید ہی کسی زمانے میں کسی استاد سے ہوا ہو۔ بہت پابند شرع ہیں۔ اس لیے خود شعر نہیں کہتے مگر سمجھتے ایسا ہیں کہ ان کا کسی شعر کی تعریف کرنا گویا اس کو دوام کی سند دیتا ہے۔ کوئی ساٹھ کا سن ہے۔ رہنے والے تو نانوتے کے ہیں۔ مگر مدتوں سے دہلی میں آرہے ہیں۔ دن رات پڑھنے پڑھانے سے کام ہے۔ مشاعروں میں کم جاتے ہیں۔ یہاں شاید مولانا صہبائی ان کو اپنے ساتھ گھسیٹ لائے۔ تھوڑے ہی دن ہوئے بے چارے پابندی شرع اور تقویٰ کی وجہ سے چکر میں آگئے۔ ہوا یہ کہ ریزیڈنٹ بہادر مدرسہ کے معائنہ کو آئے۔ ان کے علم اور رتبے کے لحاظ سے ہاتھ ملایا۔ جب تک صدر بہادر وہاں رہے، انھوں نے ہاتھ کو جسم سے اس طرح الگ رکھا جیسے کوئی نجس چیز کو دور رکھتا ہے، صاحب کے جاتے ہی بہت احتیاط سے ہاتھ کئی بار دھویا۔ کسی نے جا کر صاحب سے یہ بات لگا دی۔ ان کو بہت غصہ آیا کہ ہم نے تو ہاتھ ملا کر ان کی عزت افزائی کی۔ انھوں نے اس طرح ہماری توہین کی۔ غرض بڑی مشکل سے یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔'' (ص ۵۵-۵۶)۔ اس روایت کے درست ہونے یا نہ ہونے کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ اس سے جو یہ تاثر ملتا ہے کہ مولانا غیر ملکیوں سے ہاتھ تک ملانا سخت ناپسند کرتے تھے، کسی غیر معتبر روایت پر مبنی ہے۔ مولانا غیر متعصب اور کھلے ذہن کے شخص تھے۔ ان کے دوستوں اور شناساؤں میں متعدد انگریز بھی شامل تھے۔ ان کے (جاری)

Marfat.com

مولانا مملوک العلی کے معتبر سوانح نگار راشد کاندھلوی کی رائے میں ۱۷۸۹ء ہی کو تقریباً متعین سمجھنا چاہیے (حوالۂ مذکور، ص ۷۶)۔

مولانا مملوک العلی کے والد کا نام مولوی احمد علی تھا۔ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت نانوتہ ہی میں ہوئی۔ جب وہ کسب علم کی ابتدائی منازل طے کر گئے تو نانوتہ جیسے چھوٹے سے قصبے کی علمی فضا انہیں تنگ سی محسوس ہونے لگی اور وہ اپنے ذوقِ حصولِ علم کی آبیاری کے لیے دہلی کی جانب چل پڑے۔ بعض شواہد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سفر میں تنہا نہیں تھے، بلکہ محمد قاسم نانوتوی کے والد شیخ اسد علی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ (سوانح عمری از محمد یعقوب نانوتوی بحوالہ سوانح قاسمی ۱:۲۴)۔ مولانا کی نانوتہ سے دہلی منتقلی کے کیا محرکات تھے؟ اس کے متعلق مناظر احسن گیلانی (سوانح قاسمی، ۱:۹۱) کی یہ رائے ہے کہ سید احمد شہید (م۔ ۱۸۳۱ء) اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی (م۔ ۱۸۹۹ء) نے نانوتہ کے دورے کیے اور یہ انہی دوروں کا اثر تھا کہ اس قصبے کے لوگ علم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی کا رخ کرنے لگے۔ یہ رائے بعض ہمعصر لیکن بے جوڑ واقعات میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کا نتیجہ ہے اور پھر یہ مسلمہ واقعات سے بھی متصادم ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے جو مشعل علم جلائی، اس سے دہلی اور اس کے گرد و نواح کے علاقے منور ہو گئے۔ جب ان کے صاحبزادگان نے اپنے والد کی روشن کردہ اس شمع کی لو کو اور تیز کر دیا، تو تشنگانِ رشد و ہدایت ہر جانب سے کھنچ کر جوق در جوق دہلی کا رخ کرنے لگے۔ خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے یہ علمی چرچے جب اہل نانوتہ تک پہنچے، تو مملوک العلی

غیر ملکیوں سے تعلقات کی نوعیت کیسی تھی، اس کا تھوڑا بہت اندازہ ان کے زیر نظر خطوط بنام اشپرینگر سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ مرحوم دہلی کالج از ڈاکٹر مولوی عبدالحق، طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء (کریم الدین پانی پتی کے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' سے متعلقہ اقتباس نقل کر دیا ہے)۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از عبید اللہ سندھی، لاہور ۱۹۴۲ء۔ حالات مشائخ کاندھلہ از مولوی احتشام الحسن کاندھلوی، دہلی ۱۳۸۳ھ۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری مرحوم، کراچی ۱۹۶۶ء (مع چند اضافات، جو جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن کی بعض رپورٹوں سے کئے گئے ہیں)۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی از مولانا سید محمد میاں، جلد دوم، لاہور ۱۹۷۷ء۔ سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی۔ جلد اول، دیوبند ۱۳۷۳ھ (معلومہ روایات پر ہی توضیحات اور قیاسات کی عمارت کھڑی کی گئی ہے)۔ انوار قاسمی از مولانا محمد انوار الحسن شیر کوٹی، جلد اول، لاہور ۱۹۶۸ء۔ سیرت یعقوب و مملوک از ایضاً، کراچی ۱۹۷۴ء؛

B. D. Metcalf. *Islamic Revival in British India. Deoband, 1869-1900.* Princeton, New Jersey, 1982.

Marfat.com

اوران جیسے دیگر علم کے متلاشی دہلی کی جانب چل پڑے۔ یہی سبب ہے کہ مولانا نے دہلی میں جن اصحاب سے کسب فیض کیا، ان کا بالواسطہ یا بلاواسطہ تعلق شاہ ولی اللہ کے خاندان ہی سے تھا۔

سوانح مملوک کے مآخذ میں کوئی ایسی روایت منقول نہیں، جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ مولانا کی دہلی میں آمد کون سے سنہ میں ہوئی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ وہ ۱۸۱۵ء کے لگ بھگ دہلی آئے یا اس سنہ کے شروع میں دہلی میں موجود تھے۔ یہاں آتے ہی وہ شاہ عبدالعزیز خلف شاہ ولی اللہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور کچھ دیر تک ان سے ''ہدایۃ النحو'' کے اسباق پڑھتے رہے (ارواح ثلاثہ، طبع اول، امداد الغربا' تھانہ بھون، ص ۹۲)۔ اس کے بعد وہ باقاعدہ طور پر مولوی رشید الدین خاں دہلوی کے شاگرد ہو گئے۔ مولوی صاحب کشمیری الاصل تھے۔ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کے اعزہ میں تھے۔ شاہ ولی اللہ کے تینوں صاحبزادوں کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے بعض علوم کی تحصیل کی لیکن تکمیل علوم شاہ رفیع الدین کے ہاتھوں ہوئی (بحوالہ تذکرۂ علمائے ہند از مولوی رحمان علی، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۱۹۱ مع دیگر مآخذ)۔ مولوی رشید الدین اپنے دور کے جید عالم تھے اور دہلی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ یہ آپ کی علمیت کا شہرہ ہی تھا کہ انھیں حکام بالا نے عہدۂ قضاۃ کی پیش کش کی لیکن انھوں نے اپنی مصروفیات کی وجہ سے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۲۴۴)۔ مولوی رشید الدین خاں ایک متقی متشرع اور عابد شخص تھے۔ معقول، منقول اور فروع، اصول پر گہری نظر رکھتے تھے۔ علم ہیئت و ہندسہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ مباحثہ و مناظرہ میں بھی کسی سے کم نہ تھے۔ استاد کی انہی صفات کا اثر مولانا مملوک العلی پر بھی ہوا۔ وہ ان کے سب شاگردوں میں سے ذہین و فطین سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین دہلی کالج میں تبدیل کیا گیا تو اس میں مولوی رشید الدین خاں کشمیری دہلوی کو بمشاہرہ سو روپے ماہانہ مدرس اول (عربی) مقرر کیا گیا اور انہی کی تجویز پر مولانا کا تقرر بھی اسی کالج میں بطور نائب مدرس ہو گیا۔ چند سال تک استاد شاگرد دونوں شعبۂ عربی سے منسلک رہے اور جب استاد کا ۱۸۲۷ء میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ مولانا کا بطور صدر مدرس تقرر ہوا۔ (برائے تفصیل رک: آثار الصنادید، باب چہارم اور نزہۃ الخواطر، ۷: ۱۹۰)

جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن کی ایک رپورٹ (بابت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۳ء) کے مطابق دہلی کالج میں مملوک العلی کی تاریخ تقرری یکم جون ۱۸۲۵ء ہے (مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۲-۱)۔ اس وقت ان کی تنخواہ بطور نائب مدرس پچاس روپے ماہوار مقرر ہوئی۔ تقریباً پندرہ برس تک وہ اسی منصب پر کام کرتے رہے۔ حتیٰ کہ جب ۱۸۴۲ء میں استاد کے انتقال کے بعد ان کو صدر مدرس کا عہدہ تفویض ہوا۔ اس وقت تک ان

Marfat.com

کی تنخواہ میں کوئی اضافہ نہ کیا گیا، حالانکہ اس عہدہ پر کام کرتے ہوئے ان کے استاد کو سو روپے ماہوار تنخواہ دی جاتی تھی۔ ۳۰ اکتوبر ۱۸۴۰ء کو جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن نے گورنر جنرل کو ایک مراسلہ بھیجا (نمبر ۱۰۳۵، بمقام فورٹ ولیم کلکتہ)۔ اس میں دہلی کالج کے اساتذہ کی ان تنخواہوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو وہ اس سال حاصل کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تنخواہوں میں کمیٹی کے تجویز کردہ اضافے بھی درج ہیں۔ اس مراسلے کے مطابق اس سال یعنی ۱۸۴۰ء میں ہیڈ عربک ٹیچر (سُنّی) یعنی مملوک العلی کی اصل تنخواہ پچاس روپے تھی اور کمیٹی نے اسے ۱۰۰ روپے ماہوار کرنے کی سفارش کی۔ یہی تنخواہ شیعہ طلبہ کے استاد قاری جعفر علی جارچوی کے لیے بھی تجویز کی گئی [۱]۔ بعض شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ کمیٹی کے یہ تجویز کردہ اضافے من وعن قبول نہیں کیے گئے۔ ''بنگال اینڈ آگرہ گزٹ'' (بابت ۱۸۴۲ء، جلد اول، ص ۸۸) کے ایک اقتباس میں درج ہے کہ اس وقت یعنی ۱۸۴۲ء میں مملوک العلی کی تنخواہ ساٹھ روپے تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ کمیٹی کی اس سفارش کو، کہ مولانا کی تنخواہ پچاس روپے سے بڑھا کر سو روپے ماہوار کردی جائے، تسلیم نہیں کیا گیا اور اس میں صرف دس روپے اضافہ کر دیا گیا، جبکہ قاری جعفر علی کی وہی تنخواہ مقرر ہوئی، جو اس کمیٹی نے تجویز کی تھی۔ یعنی سو روپے ماہوار۔ [۲] چند سال بعد مولانا مملوک العلی کی تنخواہ بھی ساٹھ روپے سے بڑھا کر سو روپے کردی گئی۔ جیسا کہ مولوی کریم الدین پانی پتی کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ''عہدہ میر مولوی بمشاہرہ سو روپیہ ماہواری مدرسہ میں مقرر ہیں۔'' (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۳)۔ شاید یہ اضافہ اس وقت ہوا جب اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور ان کے مابین قریبی دوستانہ مراسم استوار ہوئے۔ مولانا اپنی وفات (۱۸۵۱ء) تک اسی تنخواہ پر کام کرتے رہے۔

مولانا مملوک العلی ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کے شعبہ عربی میں نائب مدرس مقرر ہوئے اور اپنی وفات تک وہ اسی کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس چھبیس سالہ دور ملازمت میں سے ابتدائی تین سال (۱۸۲۵ء-۱۸۲۷ء) وہ اپنے استاد رشید الدین خاں کے ساتھ معاون استاد کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور جب استاد کا انتقال ہوا (۱۸۲۷ء) تو انھیں اسی شعبہ میں صدر مدرس مقرر کردیا گیا۔ بقیہ اٹھارہ سال وہ اسی عہدے پر کام کرتے رہے [۳]۔ ۱۸۴۰ء کے قریب نواب سید حامد علی خاں داماد نواب اعتماد الدولہ سید فضل

۱۔ G. W. Leitner: *History of Indigenous Education in the Panjab. Since annexation and in 1882*, Calcutta 1882, Appendix III A.

۲۔ Ibid., Appendix III. B.

۳۔ ''آثار الصنادید'' میں مرقوم ہے کہ ''اگرچہ پندرہ برس سے مدرسۂ شاہجہاں آباد میں عہدۂ مدرسی رکھتے تھے، لیکن (جاری)

Marfat.com

علی خاں (جنھوں نے ۱۸۲۹ء میں ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی رقم دہلی کالج کو بطور عطیہ دی تھی)، نے اپنے اثر و رسوخ سے شعبہ عربی کے شیعہ اور سُنّی طلبہ کے لیے الگ الگ تدریس کا انتظام کر دیا اور ان کے لیے بالترتیب قاری جعفر علی جارچوی اور مولوی سید محمد کا تقرر عمل میں آیا، لیکن اس تقسیم کا اثر مولانا مملوک العلی کی حیثیت پر نہ ہوا اور وہ اس شعبہ کے صدر مدرس ہی رہے۔

۱۸۲۵ء میں مدرسہ غازی الدین خاں کو دہلی کالج کا نام دیا گیا اور اس کے انتظام و انصرام کو نئی جہت دی گئی۔ اسی سال مولانا مملوک العلی اس کالج کے اساتذہ میں شامل ہوئے اور پھر بقیہ زندگی یہیں گذار دی۔ یوں تو اس کالج کے تدریسی عملہ میں بہت سے لوگوں کے نام ملتے ہیں لیکن ان میں مولانا ہی وہ واحد شخص ہیں، جن کی مدت تدریس اتنی طویل ہے۔ مولانا نے اس عرصہ میں تین پرنسپلوں کا زمانہ دیکھا۔ اپنی ملازمت کے ابتدائی اور آخری دور میں ٹیلر اس کالج کا سربراہ تھا۔ فیلکس بوترو کا چند سالہ دور بھی انہوں نے دیکھا اور پھر اشپرینگر کے ساتھ کام کرنے کا بھی انہیں موقع ملا۔ اشپرینگر کے دور پرنسپلی میں ان کی جو قدر و منزلت ہوئی، وہ اس سے قبل ہوئی، نہ بعد میں۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اشپرینگر خود ایک عربی دان تھا اور علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتا تھا۔ ان دنوں مولانا شعبہ عربی کے صدر مدرس تھے، اس لیے ان دونو میں ہم موضوعیت کی بنا پر قریبی تعلقات استوار ہو گئے۔ اشپرینگر نے مولانا کی عالمانہ صلاحیتوں کو پہچان لیا۔ اس کی خواہش تھی کہ مولانا اپنے علم سے تحریری طور پر بھی لوگوں کو مستفید کریں۔ چنانچہ اس کے مشورے اور حوصلہ افزائی سے مولانا نے اس میدان میں بھی قدم رکھا۔ اب ان کی جتنی تصانیف کے حوالے ملتے ہیں، وہ تمام اشپرینگر ہی کی فرمائش پر لکھی گئی تھیں۔

مولانا مملوک العلی دہلی کالج کے اساتذہ میں منفرد مقام رکھتے تھے۔ اپنے عہد کے ممتاز علماء کے تربیت یافتہ تھے۔ غیر معمولی ذہانت اور بے مثال حافظہ کے مالک تھے۔ حصول علم کا ذوق فراواں تھا اور فکر و دانش کے تمام سوتوں سے سیراب ہونے کی خواہش رکھتے تھے۔ چنانچہ جب دہلی کالج میں ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور مختلف مغربی علوم کو اردو میں منتقل کیا جانے لگا، تو مولانا ان تراجم کا اتنے انہماک اور شوق سے مطالعہ کرتے تھے کہ مضامین کتب انھیں ازبر ہو جاتے۔ انھیں اپنے پیشہ تدریس کی ذمہ داریوں کا پورا احساس تھا اور وہ ہمہ وقت اسی میں مشغول رہتے تھے۔ کالج کے علاوہ ان کے گھر پر بھی طالب علموں کی بھیڑ

اب کئی سال سے سرکردہ مدرسین ہیں کہ مدرسی اول اس سے عبارت ہے۔'' (ص ۲۹۲) سر سید کے اس تخمینی انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا قریباً ۱۸۴۰ء تک صرف مدرس ہی تھے اور اس کے بعد انہیں صدر مدرس بنایا گیا، جبکہ حقائق اس کے برعکس ہیں۔

Marfat.com

رہتی تھی اور وہ ان کی علمی، تعلیمی اور نصابی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے تھے۔ مولانا طلبہ پر پوری توجہ دیتے تھے، معمولی سوجھ بوجھ کا طالب علم ان کے ساتھ چل نہیں سکتا تھا۔ ان کے بیٹے اور شاگرد محمد یعقوب نانوتوی اپنے ہم درس محمد قاسم نانوتوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ''معقول کی مشکل کتابیں میر زاہد، قاضی صدرا، شمس بازغہ ایسا پڑھا کرتے تھے، جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ فرماتے جاتے اور ترجمہ تک نہ کرتے۔ والد مرحوم کے بعض شاگردوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ کچھ سمجھتے نہیں معلوم ہوتے۔ جناب والد مرحوم نے فرمایا کہ میرے سامنے طالب علم بے سمجھے نہیں چل سکتا اور واقعی ان کے سامنے بے سمجھے چلنا مشکل تھا۔ وہ طرز عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے یا نہیں۔'' (سوانح عمری بحوالہ سوانح قاسمی ۱:۲۸)۔ یہ مولانا کی مثالی تربیت، اعلیٰ مدرسانہ صلاحیت اور علمی دیانتداری کا نتیجہ ہے کہ ان کے تلامذہ میں ایسے ایسے نام ملتے ہیں، جنھوں نے بعد میں برصغیر کی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ ویسے تو ان کے شاگردوں کی تعداد ان گنت ہے، لیکن ان میں سے کچھ نامور اشخاص کے نام یہ ہیں: محمد قاسم نانوتوی، محمد یعقوب نانوتوی، محمد مظہر نانوتوی، محمد احسن نانوتوی، محمد منیر نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، احمد علی محدث سہارنپوری، ذوالفقار علی دیوبندی (والد شیخ الہند)، فضل الرحمٰن (والد شبیر احمد عثمانی)، مولوی کریم الدین پانی پتی، منشی جمال الدین، ڈاکٹر ضیاء الدین، مولوی عالم علی مرادآبادی، مولوی سمیع اللہ دہلوی اور عبدالرحمٰن پانی پتی۔ یہ درست ہے کہ مولانا کی علمی وسعتوں کے مقابلے میں ان کے تحریری آثار بہت ہی کم ہیں، لیکن ان کے مذکورہ بالا تلامذہ نے جو دینی، تعلیمی اور علمی خدمات سرانجام دی ہیں، وہ مولانا کی تعلیم و تربیت اور ان کی مجالس علمیہ کا فیضان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کا یہ کارنامہ کسی بھی بڑے سے بڑے تحریری کارنامے سے کم نہیں۔

مولانا مملوک العلی چھبیس سال دہلی کالج میں پڑھاتے رہے اور بالآخر ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کے فرزند محمد یعقوب نانوتوی اپنے باپ کی وفات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارہویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بمرض یرقان قبل السابع انتقال ہوگیا۔ ایام مرض والد مرحوم کے ممتد نہ تھے۔ گیارہ روز کل مرض رہا۔ مگر چار پانچ روز بہت غفلت اور کرب رہا۔ لخلخہ سونگھانا اور پنکھا ہر وقت تھا۔ ہم سو جاتے تھے اور مولوی صاحب (محمد قاسم نانوتوی) برابر بیٹھے رہتے تھے۔''

(سوانح عمری بحوالہ سوانح قاسمی ۱:۲۹)

مولانا کی وفات کے ۶۸ سال بعد بشیر الدین احمد دہلوی نے ان کی قبر کا یوں ذکر کیا ہے:

''شیخ عبدالعزیز صاحب شکر بار کے پائین میں آپ کی قبر کچی ہے۔ جب تک کوئی نہ بتائے مل

Marfat.com

نہیں سکتی۔ ناقدردانی زمانہ ملاحظہ ہو کہ آپ کے ہزاروں شاگرد صاحب ثروت واقتدار تھے، مگر استاد کو کسی نے بھی نہ پوچھا اور اتنا بھی نہ کیا کہ ایک ہاتھ بھر کا پتھر کا ٹکڑا لگا دیتے کہ اس خاک کے ڈھیر پر گذرنے والے فاتحہ تو پڑھ لیتے۔'' (واقعات دارالحکومت دہلی، ۲:۵۸۴)

مولانا مملوک العلی کا شمار اپنے عہد کے جید علماء میں ہوتا تھا اور دہلی کی علمی رونقیں تو انھی کی وجہ سے تھیں۔ علوم اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی اور جن مغربی علوم نے اردو تراجم کے بھیس میں یہاں قدم رکھنا شروع کیا تھا، انھیں بھی وہ بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے، عربی اور فارسی پر بھی انھیں کامل دست گاہ حاصل تھی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ اپنی تمام عالمانہ خوبیوں، خداداد صلاحیتوں اور مختلف زبانوں پر عبور رکھنے کے باوجود کوئی یادگار تصنیفی کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔ اب تک ان کے نام کے ساتھ جن کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے، وہ تدوین متون اور تراجم تک محدود ہیں۔ اور یہ کام بھی انھوں نے طلبہ کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کیا۔ مولانا کی اس کوتاہ قلمی کا احساس ان کے بعض معاصرین کو بھی تھا۔ چنانچہ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

''انشاء، نظم ونثر کی طرف کم توجہ ہے۔ اگر ایسا فاضل اس طرف بھی متوجہ ہوتا تو یقین ہے کہ اس فن میں اپنے اقران وامثال سے ممتاز ہوتا۔''

(آثار الصنادید، ص ۲۹۲)

دراصل مولانا بنیادی طور پر ایک مدرس تھے اور وہ ان تمام خوبیوں سے متصف تھے، جو اسلامی مدارس کے روایتی اساتذہ کا طرۂ امتیاز سمجھی جاتی تھیں۔ مولانا کے تصنیف وتالیف پر زیادہ دھیان نہ دینے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا تمام وقت طلبہ کی تعلیم وتدریس کی نذر ہو جاتا تھا۔ کالج سے فارغ ہو کر گھر پہنچتے، تو وہاں بھی طلبہ کا مجمع رہتا تھا اور وہ رات گئے تک ان کو پڑھاتے رہتے تھے۔ مولانا کے علمی آثار کی تعداد کم ہی، لیکن ان کے تلامذہ پر ایک نظر ڈالیے۔ ان میں ایسے ایسے نام ملیں گے، جنھوں نے تاریخی، دینی، سماجی اور تعلیمی سطح پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں اور ان کے جلائے ہوئے علمی چراغوں کی روشنی اب بھی مدھم نہیں پڑی۔ کیا مولانا کا یہ کارنامہ کسی بڑے سے بڑے علمی اور تحقیقی کارنامے سے کم ہے؟

مولانا نے جو متن مدون کیے اور جن کتابوں کے ترجمے شائع کرائے، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ تحریر اقلیدس

اقلیدس (تیسری صدی قبل از مسیح) کی کتابوں کے عربی اور فارسی میں متعدد تراجم ہوئے اور انھیں بعض مدارس کے نصاب میں بھی شامل کیا گیا۔ (دیکھیے فواد سیزگین: تاریخ تصنیفات عربی، بزبان جرمن، جلد ۵، لائیڈن ۱۹۷۴ء، ص ۸۳-۱۲۰)۔ دہلی کالج کے نصاب میں بھی اقلیدس کی کتاب ''اصول'' شامل تھی۔

Marfat.com

لیکن اس وقت تک اس کا کوئی اردو ترجمہ دستیاب نہیں تھا۔ جب فیلکس بوترو (Félix Boutros) پرنسپل دہلی کالج، کی تحریک پر ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی اور ایسی عربی، فارسی اور انگریزی کتب کا انتخاب ہوا، جن کو اردو میں منتقل کرنے کی ضرورت تھی، تو اقلیدس کی اس کتاب کو بھی ان میں شامل کیا گیا۔ ترجمہ کا یہ کام مملوک العلی کے سپرد ہوا اور اس کتاب کے آٹھ مقالوں کا ترجمہ پہلی بار ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا۔ اشپرینگر نے اس سوسائٹی کی ایک فہرست مطبوعات تیار کرائی تھی، جسے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سیکرٹری نے ایک اجلاس میں پیش کیا۔ اس فہرست میں ''اقلیدس'' بھی شامل ہے اور اس کی قیمت تین روپے لکھی ہے۔ (رک: جرنل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۱۴، حصہ دوم، ۱۸۴۵ء، کارروائی، بابت اگست ۱۸۴۵ء)۔ بعد میں یہ کتاب ۱۸۴۹ء (تعداد اشاعت ۳۰۰، قیمت فی جلد دو روپے) میں بھی طبع ہوئی، (محمد عتیق صدیقی: صوبۂ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۸ و ۱۹۰)

اقلیدس کا یہ ترجمہ دہلی کالج کے شعبہ عربی کے نصاب میں شامل تھا اور اس کو مولانا خود ہی پڑھاتے تھے۔ ان کے شاگرد مولوی کریم الدین پانی پتی لکھتے ہیں:

''تحریر اقلیدس کا ترجمہ زبان اردو میں چار مقالہ اول کا اور دو مقالوں آخر گیارھویں بارھویں کا کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ علم ہندسہ کو پانی کی طرح بہا دیا ہے۔''

(طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴۔ نیز فرائد الدہر، ص ۴۰۳)

گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مولانا نے اقلیدس کا ترجمہ فارسی سے کیا تھا۔ یہ ترجمہ آٹھ مقالوں پر مشتمل تھا اور یہ دو حصوں میں دہلی سے شائع ہوا۔ اس کے ساتھ یہ انگریزی سرورق بھی تھا:

"Euclid's Elements of geometry in two parts, containing the six first and last two books."

گارسیں دتاسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاید یہ وہی ترجمہ ہے، جس کا اشتہار بعنوان ''اقلیدس کی پہلی، دوسری اور چوتھی کتب'' آگرہ گورنمنٹ گزٹ بابت یکم جون ۱۸۵۵ء میں دیا گیا تھا (تاریخ، مذکورہ بالا، جلد دوم، ص ۲۷۱-۲۷۲)۔ چند سال بعد پنڈت موہن لعل نے اقلیدس کے چوتھے اور چھٹے مقالے کا نیا ترجمہ شائع کرایا۔ ایچ۔ ایس۔ ریڈ (H. S. Reid) اس ترجمے کو مولانا کے ترجمے سے بہتر سمجھتا تھا۔ (ایضاً ۲۰:۳۳۶)

Marfat.com

۲۔ تاریخ یمینی

اس تاریخ میں سلطان محمود غزنوی کے عہد کے تاریخی واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ مؤرخ العتبی ہمعصر تھا اور ان واقعات کا عینی شاہد بھی۔ سی۔ای۔ باسورتھ (C. E. Bosworth) نے دورِ غزنویہ پر جو دو اہم کتابیں لکھی ہیں، ان میں اس تاریخ سے خاصا استفادہ کیا ہے اور اسے اپنے عہد کے مستند مصادر میں شامل کیا ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اس کتاب کے فارسی اور انگریزی تراجم بھی کیے گئے، جن کی تفصیل براکلمان (۱:۳۱۴، ذ۱: ۵۴۷-۵۴۸) اور استوری (۱/۱، طبع عکسی، لندن ۱۹۷۰ء، ص ۲۵۰، ۲۵۲) کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ مولانا مملوک العلی کے مرتبہ متن سے کچھ سال بعد جے رینولڈز نامی ایک انگریز نے اس کا انگریزی ترجمہ شائع کیا تھا (لندن ۱۸۵۸ء)۔

''تاریخ یمینی'' کا یہ متن دہلی سے ۱۸۴۷ء میں طبع ہوا اور اسے مولانا مملوک العلی اور اشپرینگر نے مل کر تیار کیا تھا۔ اس ایڈیشن کے نسخے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ[۱]) اور برٹش میوزیم[۲] میں موجود ہیں، لیکن راقم نے جو نسخہ استعمال کیا ہے وہ برلین (مغربی) کے متذکرۂ بالا کتاب خانہ میں موجود ہے۔ جب یہ ایڈیشن طبع ہوا، اس وقت مولانا صدر مدرس اور اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل تھا۔ یہ کتاب بھی طلبہ کی نصابی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شائع کی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے فی الفور شعبہ عربی کے نصاب میں شامل کر لیا گیا[۳]۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق مولانا اپنے طلبہ کو جو کتابیں پڑھاتے تھے، ان میں ''تاریخ یمینی'' بھی شامل تھی۔ اس ایڈیشن کے دو عنوانات ہیں، ایک انگریزی اور دوسرا عربی میں، انگریزی عنوان میں مرتبین کے نام اور عہدے دیئے گئے ہیں[۴]، جبکہ عربی عنوان میں ان کے بجائے مہتمم اشاعت کا

۱۔ فہرست مخطوطات و مطبوعات عربی، مرتبہ مرزا اشرف علی، کلکتہ ۱۹۰۴ء، ص ۵۳۔

۲۔ فہرست مطبوعات عربی (بزبان انگریزی)، مرتبہ اے جی ایلس، طبع عکسی ۱۹۶۷ء، (۱۹۰۱ء)، کالم ۱۲۹؛ انگریزی اخبار ''دی فرینڈ آف انڈیا'' میں بھی اس ایڈیشن کا ذکر کیا گیا ہے۔ (جلد ۱۵، شمارہ ۴۴، بابت ۵ اپریل ۱۸۴۹ء، ص ۲۱۳)

۳۔ بحوالہ مکتوب خدا بخش، بابت ۱۹ جنوری ۱۸۵۰ء۔ خط کا متن آئندہ سطور میں شائع ہوگا۔

۴۔ سرورق پر

'Otby's Tarykh Yamyny, or The History of Sultan Mahmud of Ghaznah. By a Contemporary. Edited in the original Arabic by Mowlawy Mamluk-al Alyy, Head Mowlawy, and A. Sprenger,

Marfat.com

نام درج ہے۔ (۱) عربی عنوان یہ ہے

اصحاب الیمین ما اصحاب الیمین

تاریخ یمینی

باہتمام سید اشرف علی در مطبع العلوم مدرسہ دہلی منطبع شد۔ آخری سطر یہ ہے ''فرغت من تحریر ھذا لکتاب یوم السبت فی ۲۲ شہر رمضان ۱۲۶۳ھ۔'' اس کے بعد چھے صفحات پر ''فہرس مطالب التاریخ الیمینی'' درج ہے۔ عربی متن کے ساتھ بین السطور اور حاشیے پر وضاحتی عبارتیں لکھی گئی ہیں۔ مشکل الفاظ کے معانی فارسی میں دیئے گئے ہیں۔ اشخاص، اماکن اور تاریخی واقعات کے متعلق تشریحی عبارتیں عربی میں لکھی گئی ہیں۔ یہ تمام حواشی اور عبارات مولانا کے ہاتھ کی تحریر کردہ معلوم ہوتی ہیں۔ کتاب میں کوئی دیباچہ نہیں۔ کتابت نسخ میں ہے لیکن حواشی شکستہ خط میں لکھے گئے ہیں۔ فہرست مندرجات نستعلیق میں ہے۔ (۲)

''تاریخ یمینی'' کا یہ ایڈیشن اشرف علی کی نگرانی میں طبع ہوا تھا۔ اس نے اپنے دو بلا تاریخ خطوں میں اس ''تاریخ'' کا حوالہ دیا ہے۔ ایک خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے غالباً اشپرینگر کے کہنے پر اس کتاب کے ۲۵ نسخے یورپ بھیجے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''درباب ''تاریخ یمینی'' کے ایک چٹھی ولایت سے اس مضمون کی آئی تھی کہ میرے پاس تمہاری

Principal of the Delhie College. Delhie. Lithographed in the Dilhie College Press, by Mowlawy Ashraf Aly, 1849.

۱۔ ایچ ایم ایلیٹ نے ''تاریخ ہند'' (انگریزی) میں اسی عنوان سے دھوکہ کھا کر مرتبین میں اشپرینگر اور مولوی اشرف علی (بجائے مولانا مملوک العلی) کے نام لکھ دیئے ہیں۔ (طبع عکسی الہ آباد، ۱۹۶۹ء، جلد دوم، ص ۱۶) اور جناب خلیق احمد نظامی نے اس جلد پر ضمیمہ شائع کرایا ہے (جلد دوم، دہلی ۱۹۸۱ء) لیکن اس میں ایلیٹ کی اس غلطی کی تصحیح نہیں کی، مولانا کی بجائے اشرف علی ہی کا نام بطور مرتب لکھ دیا ہے (ص ۱۵)

۲۔ صفحات کی تعداد ۴۹۳ ہے۔ فی صفحہ ۱۶ سطور۔ ایک جرمن مستشرق فلائشر نے جرمنی کے علمی مجلہ ZDMG میں ''تاریخ یمینی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کی صفحہ بندی کی متعدد اغلاط کی نشاندہی کی ہے (جلد سوم، ۱۸۴۹ء، ص ۳۵۹، تبصرہ بعنوان "A. Sprenger's neueste Leistungen")۔ محمد ایوب قادری نے لکھا ہے کہ مولانا نے اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا (محمد احسن نانوتوی، ص ۱۸۸)، لیکن یہ ترجمہ کب اور کہاں سے چھپا، اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے (ایضاً) کہ ''تاریخ یمینی'' کے عربی متن کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں محفوظ ہے، حالانکہ وہاں اس کا مطبوعہ نسخہ محفوظ ہے، مخطوطہ نہیں۔

Marfat.com

۲۵ جلدوں میں سے ایک بھی نہیں پہنچی۔ چنانچہ اس کی نقل بھی میں حضور کے پاس اوسی عرضی کے ساتھ بھیج چکا ہوں۔ اس باب میں جیسا حضور کو منظور ہو، ویسا فرمائیں، کیونکہ پچیس جلدیں ہیں اور یہ جلدیں ۲۶ جنوری ۱۸۴۸ء کو معرفت اسٹل صاحب کے ولایت کو گئی تھیں۔''

دوسرے خط کے اختتام پر کاغذ کے نیچے یہ عبارت مرقوم ہے۔ ''اور ایک قطعہ چٹھی درباب ''تاریخ یمینی'' کے میرے نام پر سواوس کو حضور کے ملاحظہ کے واسطے بھیجتا ہوں۔ جو اس بات میں حکم ہو، عمل میں لاؤں۔''

اسی صفحہ کی دوسری جانب کسی اور صاحب نے یہ فارسی عبارت لکھ دی ہے:

''بخدمت مولوی علی اکبر صاحب۔ بعد از سلام و دعا واضح میکنم کہ سید محمد ہاشم حسب الایماء الصاحب بوطن اند و اینجا بہمہ وجوہ بخانہ شما خیریت ہست و مولوی مملوک العلی صاحب ہستم برائے شادی محمد یعقوب عازم وطن شدہ اند و بامر خیریت ہست۔''[1]

۳۔ کتاب المختار فی الاخبار والآثار

اشپرینگر کے دور پرنسپلی میں عربی مؤرخین کی تاریخوں سے انتخاب کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اس کی پہلی جلد یہ کتاب تھی۔ اسے مولانا مملوک العلی اور اشپرینگر نے اکٹھے شائع کرایا تھا۔ اس کا ایک نسخہ برٹش لائبریری (لندن) میں موجود ہے۔ (رک: فہرست مطبوعات مذکورہ بالا، کالم ۱۶۱) لیکن راقم نے جس نسخے سے استفادہ کیا، وہ برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس کتاب کے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسعودی کی ''مروج الذہب ومعدن الجواہر'' کا انتخاب ہے اور اس میں دور بنوامیہ کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ کام بھی اشپرینگر کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ ہے، کیونکہ وہ ہندوستان آنے سے قبل اس تاریخ کی جلد اول کا انگریزی ترجمہ شائع کر چکا تھا (لندن، ۱۸۴۱ء) اور اب یہ چاہتا تھا کہ اس کا عربی متن بھی آہستہ آہستہ طبع کرایا جائے۔ سرورق کی عبارت یہ ہے:

کتاب المختار فی الاخبار والآثار

الجلد الاول وفیہ

تاریخ الدولۃ الامویہ من مروج الذہب

لابی الحسن علی مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ

۱۔ یہ محمد یعقوب نانوتوی کی پہلی شادی تھی، جو شعبان ۱۲۶۶ھ کو ہوئی۔ (رک: سیرت یعقوب و مملوک، ص ۳۸)

Marfat.com

خلصہ وصحہ مولوی مملوک العلی النانوتوی

والوئس اسپرنگر التیر ولی

طبع فی المدرسۃ الدھلویۃ ۱۸۴۶عیسویہ و۱۲۶۲ھجریہ

یہ کتاب چھوٹی تقطیع پر شائع کی گئی اور اسے ہلکے نیلے رنگ کے باریک کاغذ پر چھاپا گیا۔ خط نستعلیق ہے۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل تین حصوں میں منقسم ہے اور ہر حصے کے صفحات نمبر الگ ہیں۔

ذکر خلافۃ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ (ص ۱-۶۹)، ذکر ایام معاویہ بن ابی سفیان (ص ۱-۵۰)، ذکر ایام یزید بن معاویہ بن ابی سفیان (ص ۱-۱۶۰)

۴۔ نتیجۂ تحریر

گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے (۲:۲۷۲) اور یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب مختلف اجزاء میں طبع کی گئی ہے۔ یہ علم ہندسہ سے متعلق ہے اور شمال مشرقی صوبوں کے مدارس میں اسے پڑھایا جاتا ہے۔ ''آگرہ گورنمنٹ گزٹ'' (بابت یکم جون ۱۸۵۵ء) میں بھی اس کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے، یہ مولانا کی ''تحریر اقلیدس'' ہی کا کوئی حصہ ہو۔

۵۔ ترجمہ سنن ترمذی

''مرحوم دہلی کالج'' میں اس ترجمہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (ص ۱۵۲)، لیکن اس کے متعلق دیگر تفصیلات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

برصغیر میں پہلی بار مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے ''سنن ترمذی'' شائع کرائی۔ اس مجموعۂ احادیث کی تصحیح وغیرہ میں مملوک العلی نے ان کی معاونت کی۔ (رک: راشد کاندھلوی کی محولہ بالا کتاب، ص ۲۳۹-۲۴۰)۔

۱۸۵۰ء کی جنرل تعلیمی رپورٹ (مطبوعہ آگرہ) میں ''ترمذی'' کے اردو ترجمہ کے بجائے صرف اس کی نئی طباعت کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"On the 26th February, Government subscribed for five copies of a new Edition of the traditions of Tirmizi, published by Mumluk al-Alyy, 1st Arabic Teacher of the Delhie College;

Marfat.com

one copy of this valuable work was deposited in the Library of each College."

۶۔عربی خط (غیر منقوط)

مولوی کریم الدین پانی پتی نے تذکرۂ شعرائے عرب بعنوان ''فرائد الدہر'' (۱۸۴۷ء) میں مولانا کا یہ عربی خط نقل کیا ہے۔ انھوں نے یہ خط شہزادہ فیروز شاہ کو تحریر کیا تھا۔ (اس خط کے متن اور اردو ترجمہ کے لیے رک: راشد کاندھلوی کی متذکرۂ صدر کتاب، ص ۲۵۳-۲۶۰)

مولانا مملوک العلی کی علمیت اور شخصیت کے متعلق سرسید احمد خاں لکھتے ہیں:

''علم معقول و منقول میں استعداد کامل اور کتب درسیہ کا استحضار ہے کہ اگر فرض کرو کہ ان کتابوں سے گنجینۂ علم خالی ہو جاوے تو ان کی لوح حافظہ سے پھر نقل ان کی ممکن ہے۔ ان سب کمال اور فضیلت پر خلق و علم احاطہ تقریر سے افزوں ہے۔ اگرچہ ذی دنیاداروں کی ہے لیکن سیرت اور سریرت میں درویشانہ۔''

(آثار الصنادید، ص ۲۹۲)

اور ان کے شاگرد مولوی کریم الدین پانی پتی یوں رقمطراز ہیں:

''عالم بے بدل اور متقی بے مثل اور فاضل کامل ہیں...... حق یہ ہے کہ اس فاضل کی جیسی قدر چاہیے ویسی نہیں، کیونکہ ایسے عمدہ فاضل بے بدل بہت کم ہوتے ہیں اور واقع میں بناء مدرسہ عربی ان کی ذات سے مستحکم ہے۔ فارسی اور اردو اور عربی تینوں زبانوں میں کمال رکھتے ہیں۔ ہر ایک علم اور فن سے، جو ان زبانوں میں ہیں، مہارت تامہ اون کو حاصل ہے اور جس فن کی کتاب اردو زبان میں انگریزی سے ترجمہ ہوتی ہے، اوس کے اصل اصول سے بہت جلد اون کا ذہن چسپاں ہو جاتا ہے، گویا اوس فن کو ازل ہی سے جانتے تھے۔ اور جس کار پر مامور ہیں، اوس میں کبھی کسی طرح کا حتی الوسع اون سے قصور نہیں ہوا۔ مدرسہ میں اون کی ذات بابرکات سے اتنا فیض ہوا ہے کہ شاید کسی زمانہ میں کسی اوستاد سے ایسا ہوا ہو۔ بندہ کے زعم میں یہ ہے کہ کبھی ایسا فائدہ لوگوں نے کسی فاضل سے نہ اوٹھایا ہوگا۔ اگر ان کو کان علم اور مخزن اسرار کہوں تو بجا ہے۔ کیونکہ وہ فاضل ایسا ہی ہے۔ کوئی کتاب کسی فن کی مشکل اوس کے پاس لے جاؤ حفظ پڑھا دیں گے، گویا اوس کو حفظ کر رکھی ہے۔ اسی لیے رات دن سوا مدرسہ کے اون کے گھر پر طلبا پڑیں رہتے ہیں۔ ہر وقت اون کو گھیرے رہتے ہیں اور وہ خلیق اس طرح کے ہیں کہ کسی سے انکار نہیں کر سکتے۔ سب کو پڑھاتے ہیں۔ تمام شب اور دن میں شاید دو پہر رات کو

Marfat.com

آرام کرنا اون کو نصیب ہوتا ہوگا والا نہ رات دن درس دہی طلبا میں گذرتا ہے اور باوجود اس کثرت درس اور فیض رسانی کے پابند شرع شریف کے ایسے ہیں کہ اس طرح کے آدمی کم دیکھنے میں آئے ہیں۔ غرضیکہ جتنا اون کی تعریف میں لکھوں بجا ہے۔ اگر کوئی امر بطور مبالغہ بھی لکھوں، وہ بھی امر واقعی اون کی ذات میں پاتا ہوں۔ بہت بے نظیر فاضل ہے۔ اون کے ثانی کوئی فاضل ایسا نہیں ہے جس سے اس طرح کا فیض عام اور تشفی خاص و عام حاصل ہو...... بہت خندہ پیشانی اور عقل منداور ذکی اور ذہین اور تیز فہم اور محقق اور مدقق ہیں۔''

(طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۳-۴۶۴)

مولانا مملوک العلی کے جو حالات زندگی اوپر بالاختصار پیش کیے گئے ہیں ان کا بیشتر حصہ مولانا کے فرزندار جمند محمد یعقوب نانوتوی کی کتاب ''سوانح عمری محمد قاسم نانوتوی'' کے بعض بیانات یا راشد کاندھلوی کی درج بالا تصنیف سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا کے معاصرین، تلامذہ، اکابرین دیوبند کے مورخین اور ارباب تحقیق و تدقیق کی متعلقہ تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اب سطور ذیل میں مولانا کے سوانح حیات کے بارے میں کچھ ایسی معلومات پیش کی جارہی ہیں، جو ان معلومہ مصادر میں دستیاب نہیں۔ یہ نئی معلومات مولانا کے طبعی خصائص کی تفہیم میں مدومعاون ثابت ہوں گی۔ نیز ان کی زندگی کے بعض نئے گوشوں پر بھی روشنی پڑے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان سے دہلی کالج کی اندرونی سیاست کی چند جھلکیاں بھی نظر آئیں گی۔ یہ نئی معلومات زیادہ تر انھی خطوط سے حاصل ہوئی ہیں جو آئندہ شائع ہوں گے۔ اس ضمن میں مکتوبات کے علاوہ چند ایسے کاغذات سے بھی مدد ملی ہے جو ذخیرۂ اشپرینگر ہی کے مختلف ڈبوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

ذخیرۂ اشپرینگر کے انھی کاغذات و دستاویزات میں ایک بڑے سائز کا رجسٹر موجود ہے۔ اس رجسٹر کو سید اشرف علی نے مدرسہ دہلی کے پریس مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں شائع کرایا تھا۔ رجسٹر کے پہلے صفحہ پر یہ عنوان درج ہے:

''مجموعہ فہرست ہائے طلبہ مدرسہ عربی و فارسی اور شاستری اور انگریزی واقع دہلی کالج بابت امتحان ۱۸۴۷ء۔''

اس رجسٹر کے ہر صفحہ پر دہلی کالج کے استاد کا نام لکھا گیا ہے اور اس نام کے تحت ان طلبہ کے نام دیئے گئے ہیں، جو اس سال یعنی ۱۸۴۷ء میں اس استاد کے زیر تعلیم تھے۔ ہر صفحہ کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر خانے کے اوپر مختلف عنوانات دیئے گئے ہیں۔ پہلے خانہ میں طالب علم کا نام اور اس کے سامنے مختلف خانوں میں طالب علم کے دیگر کوائف مثلاً عمر، مدرسہ دہلی میں مدت تحصیل، حاضریوں اور غیر حاضریوں کی تعداد مع وجہ رخصت اور مختلف مضامین میں حاصل کردہ نمبر دیئے گئے ہیں۔ اس رجسٹر کے ایک صفحہ پر مولانا کا

Marfat.com

نام بھی درج ہے۔ عنوان یہ ہے:

''نقشہ جماعت اول عربی مفوضہ مولوی مملوک العلی صاحب۔''

اس عنوان کے تحت مولانا کی جماعت اول عربی کے دو فریقوں کے تین تین طلبہ کے نام اور ان کے کوائف درج ہیں۔ فریق اول کے طلبہ میں علی اکبر، عبدالرحمٰن اور شمس الدین اور فریق دوم کے طلبہ میں ریاض الدین، کریم بخش اور علی اصغر کے نام شامل ہیں۔ مولانا فریق اول کے طلبہ کو یہ کتابیں پڑھاتے تھے۔ درمختار، تاریخ یمینی، جامع التواریخ، دیوان حماسہ، جزئیات کلیات، رسالہ ہیئت اور علم مثلث۔ فریق دوم کے طلبہ کو ''درمختار'' کے بجائے ''ہدایہ'' اور ''دیوان حماسہ'' کی جگہ ''دیوان المتنبی'' پڑھایا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ بقیہ مضامین وہی ہیں جو فریق اول کے طلبہ کے نصاب میں شامل تھے۔

اشپرینگر کے نام مجموعۂ مکاتیب کے جن خطوط میں مولانا مملوک العلی کا ذکر ملتا ہے ان کے متعلقہ اقتباسات سطور ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ ان خطوط کا مکمل متن اور مراسلہ نگاروں کا تفصیلی ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔ اس سلسلہ کا ایک مکتوب نگار علی اکبر ہے۔ جیسا کہ متذکرہ بالا رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے وہ ۱۸۴۷ء میں مولانا کی جماعت اول عربی کے فریق اول کا طالب علم تھا۔ اس نے اپنے چار خطوں میں مولانا کا ذکر کیا ہے اور اس سے جن باتوں کا علم ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

الف) اشپرینگر کو جب دہلی کالج کی پرنسپلی سے ہٹا کر شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے لئے لکھنؤ بھیجا گیا (۶ دسمبر ۱۸۴۷ء) تو اس کی جگہ ایف ٹیلر کو قائم مقام پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ ٹیلر سے مولانا کی بنتی نہیں تھی اور وہ چاہتے تھے کہ مدرسہ کی ملازمت ترک کر دی جائے اور اپنی جگہ اپنے بیٹے محمد یعقوب یا قریبی عزیز محمد مظہر (محمد احسن نانوتوی کے حقیقی بڑے بھائی) کا تقرر ہو جائے۔ لیکن پرنسپل ٹیلر کی مخالفت کی وجہ سے مولانا اپنی خواہش پوری نہ کر سکے۔ مولانا اور ٹیلر کے مابین یہ اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ دونو میں قطع تعلق تک نوبت جا پہنچی۔ ٹیلر کی مخالفت کی شاید بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اشپرینگر کے قریبی احباب کو پسند نہیں کرتا تھا[1] اور ہر وقت انھیں کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اسی جھگڑے کے دوران میں مولانا کا انتقال ہو گیا اور ٹیلر نے فی الفور ان کی جگہ سُنّی طلباء کے استاد مولوی سید محمد کو مقرر کر دیا۔

ب) مولانا ''باب الحماسہ'' شائع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے اور حاشیہ پر مشکل نکات کی شرح بھی لکھنا چاہتے تھے۔ یہ کتاب عربی کے دونو فریقوں کے نصاب میں شامل تھی اور مولانا ہی اسے پڑھاتے تھے۔ شاید وہ ''حماسہ'' کی طباعت اور شرح سے طلبہ کی ضرورت کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ مولانا نے ''باب الحماسہ''

۱۔ رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در مطالعہ آزاد از محمد [illegible] [illegible] ۲۰۱۰ء۔

Marfat.com

کے انتخاب کے لیے مکتوب نگار سے رابطہ قائم کیا، لیکن وہ اپنے استاد کے اس مجوزہ علمی منصوبے کے حق میں نہیں تھا۔

ج) مکتوب نگار ایک عہدہ پر فائز ہوا، لیکن باقاعدہ طور پر کام شروع کرنے سے قبل ایک شرط کو پورا کرنا تھا۔ اسے یہ شرط ناگوار گذری اور مولانا کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اس نے ذرا سخت الفاظ میں اشپرینگر سے اپنی شکایت کا اظہار کیا۔ بعد میں اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے استاد کے بارے میں نازیبا کلمات استعمال کیے ہیں۔ چنانچہ اس نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ ان خطوط کو تلف کر دے۔

اب علی اکبر کے ان چار خطوط سے متعلقہ اقتباسات نقل کیے جاتے ہیں:

''اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا، کیونکہ اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب کو حاصل ہے، لیکن مولوی صاحب ایسے عقل مند ہیں کہ ٹیلر صاحب سے ناحق بگاڑ اور خلاف کر رکھا ہے۔ تمام مدرسہ کے باب میں جو مشورہ وغیرہ منظور ہوتا ہے، ٹیلر صاحب مولوی سید محمد کو بلاتے ہیں۔ آمد و رفت مولوی مملوک العلی کی ان کے پاس بالکل ترک ہوگئی ہے اور فی الواقع مولوی مملوک العلی ان کا ہر بات میں خلاف کرتے ہیں۔

چند اجزا ابن حیان کے حضور کے پاس ہیں۔ مجھ سے مولوی مملوک العلی نے طلب کیے۔ مجھے مطلق یاد نہیں اور نہ شملہ سے چلتے وقت یاد آئی اور نہ حضور کو یاد تھے، مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو بروقت تشریف لانے کے اور واپس لینے ''مفردات'' کے یاد تھے، لیکن کہنا مناسب نہ جانا......

مولوی صاحب کا ارادہ ہے کہ ''باب الحماسہ'' چھپوا دیں۔ اس طرح کہ ضروریات شرح حاشیہ پر ہو اور اس کے انتخاب کو کہتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اس کا چھاپنا اس طرح برا ہے......

مولانا مملوک العلی نے پہلے یہ چاہا تھا کہ اپنی جائے محمد مظہر کو قائم مقام کریں، وہ نامنظور ہوا، پھر یہ چاہا کہ مدرس سوئم کی جائے اپنے بیٹے محمد یعقوب کو مقرر کریں، یہ بھی نامنظور ہوا۔''

(۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء)

مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی نے مکتوب نگار علی اکبر کو عہدۂ نظارت پر فائز کیا اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں کے پیش نظر تین ہزار روپے بطور ضمانت طلب کیے:

''......شرط ضمانت نے لاچار کر دیا۔ اگرچہ عہدۂ نظارت بہت بہتر و اعلیٰ ہے لیکن عہدہ احمد کبیر سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ یہ سارا فساد و خلل مولانا مملوک العلی کا ہے کہ اپنا قدم بیچ میں داخل کر کر نہ اپنا رکھا اور نہ

Marfat.com

میرا۔ مجھے اس کا اب تک بڑا افسوس ہے اور مولوی صاحب سے بڑی شکایت۔''

(۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء)

''سابق میں دو عرضی مشتمل اپنے حال کے فدوی نے لکھی ہیں۔ اون میں کچھ حال مولوی مملوک العلی کا بطور شکایت لکھا تھا، اون کو حضور چاک فرما دیں۔ مبادا کہ سدید الدین خان اون کو دیکھیں۔''

(۱۹ جنوری ۱۸۵۱ء)

''اب ان دنوں میں دہلی میں ایک یہ حادثہ پیش آیا کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے انتقال کیا اور کمیٹی نے بجائے اون کے مولوی سید محمد صاحب کو مامور کیا۔''

(۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء، از مدرسہ آگرہ)

علی اکبر کے علاوہ سید برکت علی ایسے مکتوب نگار ہیں، جنہوں نے تین خطوط میں مولانا کا ذکر کیا ہے۔ یہ تمام خطوط بلا تاریخ ہیں۔ ان میں ایک خط مولانا کی زندگی میں لکھا گیا۔ دوسرے خط کی تحریر کا وہی دن ہے، جب مولانا کا انتقال ہوا یعنی ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء۔ تیسرا خط مولانا کی وفات کے چند ماہ بعد لکھا گیا۔ مکتوب نگار کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ جب بھی کسی مدرسہ میں کوئی اسامی نکلتی، وہ اس کا امیدوار ہوتا۔ برکت علی کے ان اقتباسات سے ایک ضروری بات کا پتا چلتا ہے اور وہ یہ کہ علی اکبر نے اپنے خط (بابت ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) میں یہ اطلاع دی کہ مولانا مملوک العلی کی وفات کے بعد ان کی جگہ مولوی سید محمد کا تقرر عمل میں آیا، لیکن اس تقرر سے بھی اصل تنازعہ ختم نہ ہو سکا اور ایک گروہ اس کی مخالفت میں سرگرم عمل رہا۔ مکتوب نگار بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس تنازعہ کا فیصلہ کیا ہوا؟ اس کے بارے میں یہ خطوط اور دیگر دستاویزات خاموش ہیں۔

دہلی کالج میں ایک اسامی خالی ہوتی ہے۔ مکتوب نگار چاہتا ہے کہ اسے لکھنؤ سے اس کالج میں منتقل کر دیا جائے اور اس کی جگہ کسی اور استاد کو لکھنؤ بھیج دیا جائے۔ مولانا مملوک العلی اس اسامی کے لیے حافظ احمد کبیر کا نام پیش کرتے ہیں اور اس کی خبر مکتوب نگار تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''میں نے سنا ہے کہ مملوک العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کے عہدہ کی درخواست کی ہے۔''

دوسرے خط کا اقتباس یہ ہے:

''اور آج ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی مملوک العلی صاحب بعارضہ بخار مر گئے۔ تو ضرور ہے کہ ایک مدرس اس مدرسہ میں مقرر ہوگا ۔۔ اب بحسب اتفاق ایک عہدہ خالی ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ حضور میری پرورش کریں اور جس طرح سے مناسب ہو، میرے واسطے سفارش فرما دیں۔''

تیسرے خط کا اقتباس درج ذیل ہے:

Marfat.com

''اب حال یہ ہے کہ بعد مر جانے مولوی مملوک العلی صاحب کے جلد کمیٹی ہوئی اور مولوی سید محمد بجائے مولوی مملوک العلی کے مقرر ہوئے، لیکن مولوی سید محمد کے عہدہ پر تنازع ہوا۔ مولوی حسن علی خاں نے کہا میرا حق ہے اور سبحان بخش نے کہا میرا حق ہے اور مفتی صدرالدیں اور سید محمد وغیرہ نے یہ چاہا کہ کوئی عہدہ اگر محمد یعقوب بیٹے مملوک العلی کو مل جائے تو اچھا ہے۔''

اس مجموعۂ مکاتیب کا آخری خط، جس میں مولانا کا ذکر کیا گیا ہے، سید اشرف علی کا تحریر کردہ ہے۔ یہ خط بھی بلا تاریخ ہے، لیکن مولانا کے نام کے ساتھ لفظ ''مرحوم'' سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ان کی رحلت ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد لکھا گیا۔ اس خط سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ مولانا دہلی کالج کے مطبع العلوم میں حصہ دار تھے اور جب اس مطبع کا کاروبار مندا پڑ گیا تو انہوں نے اپنے حصص فروخت کر دیئے۔ متعلقہ اقتباس یہ ہے:

''جس روز سے حضور یہاں سے تشریف لے گئے، تو شرکائے مطبع نے مثل مولوی مملوک العلی مرحوم اور مولوی سبحان بخش اور مولوی امام بخش اور میر سید محمد خوش نویس اور اکثر طلبہ وغیرہ نے قریب پچاس حصوں کے بعض نے پورے پر اور بعض نے کچھ کم پر بیچ دیئے۔''(۱)

مولانا مملوک العلی کا نجی کتب خانہ

اشپرینگر کے ذخیرۂ کاغذات (مغربی برلین) کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایک حصہ دہلی، لکھنؤ، بنارس وغیرہ کے نجی کتاب خانوں کی فہرستوں پر مشتمل ہے۔ یہ فہارس اشپرینگر کی فرمائش پر تیار کی گئیں اور ان کی ترتیب میں اسے بعض ثقہ اصحاب کا تعاون حاصل تھا۔ انھی فہرستوں میں ایک فہرست مولانا مملوک العلی کے ذاتی کتاب خانہ کی بھی ہے۔ یہ فہرست چھ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کے اوپر یہ عنوان دیا گیا ہے۔ ''فہرست کتب موجودہ بتاریخ پانزدہم شعبان ۱۲۶۶ ہجری۔'' مولانا نے یہ فہرست خود ہی تیار کی، کیونکہ اس کا اور ان کے خطوط کا طرز تحریر ایک جیسا ہے۔ فہرست کے عنوان کے ساتھ دائیں جانب اشپرینگر نے اپنے ہاتھ سے انگریزی میں ''بکس آف مولوی مملوک العلی'' لکھا ہے۔ مخطوطات اور مطبوعات کو عنوانات کے تحت درج کیا گیا ہے۔ مولانا کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود قلمی نسخوں اور مطبوعات کا انتخاب درج ذیل ہے۔

۱۔ اشرف علی نے اپنے ایک مکتوب (بابت دسمبر ۱۸۵۲ء) میں بھی مولانا کا ذکر مطبع کے حصہ داروں میں کیا ہے۔ متعلقہ اقتباس یہ ہے ''اس سے پہلے اکثر شرکاء نے اپنے اپنے حصے یعنی مولوی مملوک علی صاحب مرحوم نے ماسٹر رام چندر، مولوی سبحان بخش، سر سید محمد خوشنویس اور اکثر طلباء اکاون، باون حصہ کے بعض نے برابر پر اور بعض نے کچھ کم پر بھی بیچ دیئے۔ (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۶۰-۶۱، ''دہلی کالج کے چند قدیم ترین اساتذہ'')

Marfat.com

تفسیر وکلام اللہ وما یتعلق

حمائل خوشخط۔ کلام اللہ صحیح، حوالہ محمد یعقوب۔ کلام اللہ مترجم بفارسی۔ کلام اللہ مطبوع ترجمہ اردوی۔ لغات کلام اللہ بعبارت فارسی معہ مجموعہ صرف۔ نصف اول بیضاوی۔ تفسیر بیضاوی (جلد اول، دوم، سوم)۔ لغت القرآن، خلاصۃ از لغات راغب اصفہانی۔ غرائب اللغات کلام اللہ۔

کتب الحدیث وما یتعلق بہ

ترمذی شریف (جلد اول ودوم)۔ مسند امام اعظم معہ موطا امام مالک۔ ترجمہ حصن حصین مطبوع معہ رسالۃ قرأت۔ شرح مسلم از امام نووی (جلد اول تا خامس)۔ نہایہ جزری۔ پارہ شرح مصابیح۔ نصف اخیر ترغیب وترہیب۔ حاشیہ بخاری شریف۔ نسائی شریف مطبوع۔ مفاتیح شرح مصابیح نصف اول مجلد۔ ابوداؤد مطبوع۔ بلوغ المرام مطبوع۔ ربع مسلم شریف۔ تیسیر الاصول مطبوع۔ جلد اول ترجمہ مشکوۃ شریف در ہندی مطبوع۔ ربع مسلم شریف۔ حصن حصین معہ دلائل الخیرات در یک جلد۔ حصن حصین مجلد۔ جلد ثالث ترجمہ مشکوۃ۔ دلایل الخیرات۔

کتب الفقہ والاصول

ہدایہ نصف اول۔ فتاوی مغرب۔ فتاوی قنیہ۔ شرح وقایہ۔ تعظیم الطہارۃ، در فارسی۔ مفتاح الجنۃ در ہندی۔ عضدی ناقص۔ غایۃ التحقیق حسامی۔ حاشیہ تلویح، مجلد نامعلوم الاسم۔ تلویح مجلد تا مقدمات اربعہ۔ تلویح از مقدمات اربع تا آخر ناقص۔ سہ جز تصریح۔ حاشیہ تلویح۔ منار بسیار محشی۔ ربع مستخلص۔ حسامی محشی۔ دائرہ خورد۔ دائرہ شرح منار۔ فتاوی حمادیہ در دو جلد مطبوع۔ فتاوی درمختار مطبوع۔ فتاوی فصول عمادی۔ شرح مسلم الثبوت مولوی مبین۔ مالا بدمنہ مطبوع دہلی۔ عنایہ حاشیہ ہدایہ جلد ثالث از کتاب البیوع۔ ایضاً جلد ثانی۔ جلد رابع عنایہ از کتاب الودیعۃ تا آخر۔ ہدایہ مع الکفایہ مطبوع۔ از کتاب الصلوۃ تا کتاب الحج۔ ہدایہ نسخہ … (جلد ثالث ورابع)۔ حاشیہ ہدایہ کہ مصنف او معلوم نیست۔ جلد دوم ہدایہ مطبوع۔ فتاوی عالمگیری (جلد اول تا رابع)۔ عنایہ جلد ثانی از کتاب النکاح۔ مالا بدمنہ مطبوع لکھنو۔

ا۔ مراد رشید الدین خاں دہلوی، استاد مولانا ملک العلماء۔

Marfat.com

کتب الکلام

حاشیہ مسعود بر موقف امور عامہ۔ نواقض الرواقض۔ رسالہ ردّ متعہ تصنیف خاں صاحب مرحوم [1]۔ میر زاہد امور عامہ تمام محشی۔ شرح عقاید محشی۔ خیالی خوشخط محشی۔ عبدالحکیم بر خیالی۔ شرح عقاید ملا جلال۔ حاشیہ ملا کمال بر حاشیہ ملا جلال۔ حاشیہ مولوی مبین بر میر زاہد امور عامہ۔ حاشیہ ملا عبداللہ بر میر زاہد امور عامہ، حاشیہ مولوی برکت بر میر زاہد امور عامہ۔ حاشیہ مولوی حسن بر میر زاہد امور عامہ۔ حاشیہ قاضی مبارک بر میر زاہد ایضاً۔ تبصرہ مطبوع در رد روافض۔ خیالی غیر محشی۔ چار موقف شرح مواقف۔ دو جلد از موقف ثانی تا ختم۔ دو موقف شرح موافق پنجم و ششم۔

کتب الادب والصرف والنحو واللغۃ والبلاغۃ

تاریخ تیموری مطبوع۔ دیوان قیس معہ دیوان دیگر۔ دو جزو مقامات حریری۔ شرح سبعہ معلقہ مکتوبہ۔ مجموعہ قصاید بانت سعاد مجلد خورد معہ بعض اجزا قصاید شاہ عبدالعزیز۔ اجزاء مقامات بدیعی ناقص۔ شرح قصاید تائیہ شیخ ابن فارض۔ دیوان متنبی مطبوع۔ الف لیلہ جلد اول مکتوبہ عرب۔ الف لیلہ جلد دوم مطبوع۔ الف لیلہ نصف اخیر مطبوع ناقص۔ شافیہ محشی مطبوع۔ کافیہ مطبوع۔ ہدایۃ النحو مطبوع۔ کتاب صرف کبیر۔ جلد اول حاشیہ عبدالحئی۔ مجموعہ معراج الارواح و دستور المبتدی۔ مجموعہ شرح لاطائل وغیرہ۔ فقہ اللغۃ نصف اول۔ تاج المصادر۔ مختصر معانی کہنہ محشی۔ دمیۃ القصر، تتمۃ الدہر، تکملہ شعرائے عرب۔ خزنۃ الادب معہ بدیعیات۔ مصباح بخط نسخ۔ فراید در معانی۔ رسالہ محیط الاوراد۔ شرح مقامات حریری مجلد۔ شرح دیوان متنبی در دو جلد۔ صراح در یک جلد مطبوع۔ دیوان شیخ علوی مدار۔ دیوان ابن فارض۔ تاریخ یمینی از کتب ماکان خریدہ شد۔ قاموس مطبوع۔ بدیع الادب مطبوع۔ انشاء دیگر عربی۔ تاریخ فرانس عربی مطبوع۔ مجموعہ ریحانہ وقلاید العقیان و سجع المنطوق۔ دیوان ابن علی الجزری مکتوبہ عرب۔ شرح سبعہ معلقہ مطبوع۔

کتب ادعیہ وفنون متفرقہ ودیگر رویات

صحیفہ کاملہ خوشخط۔ بیاض خورد مع بعض ادعیہ صحیفہ کاملہ۔ عین العلم۔ شرح رسالہ امام رازی در احوال میت۔ چند جزو حاشیہ شرح ملا واجزا از دوئم کتاب بلاغت۔ اجزا از کتاب فرائض از اول وآخر ناقص۔ سہ رویات از اجزاء مختلفہ در جزدان سفید۔ سہ رویات در جزدان۔ مجموعہ قصیدہ عروض وقصیدہ من بیاض مع اجزاء کشکول مجلد۔ رسالہ اساس المصلی ورسالہ لباس وغیرہ۔ رویات در جزدان سفید۔ سہ خطوط وغیرہ حساب در بستہ

Marfat.com

سفید۔ مجموعہ رسالہ مولوی رفیع الدین در احوال میت وفصل تعزیرات و دو رسالہ شاہ ولی اللہ۔ شرح مقدمہ جزری در قرأت۔ جلد اول احیاء العلوم مع جلد دوئم تمام مجلد۔ صحیفہ کاملہ مطبوع معہ ادعیہ ملحقات۔ دمغ الباطل۔ قرۃ العینین در مناظرات و مسائل علوم۔

کتب المنطق والمناظرۃ

عبدالحکیم بر قطبی میر۔ سلم العلوم۔ شرح سلم مولوی حسن۔ شرح سلم مولوی عبداللہ۔ شرح سلم فیروز۔ شرح سلم قاضی مبارک۔ شرح سلم مولوی حمد اللہ۔ شرح میر زاہد جلد کلاں۔ میر زاہد رسالہ تمام در یک جلد۔ یک جزو میر زاہد۔ حاشیہ مولوی عبداللہ و حاشیہ مولوی مبین بر میر زاہد رسالہ۔ حاشیہ غلام یحیٰی و حاشیہ مولوی عظیم بر میر زاہد رسالہ۔ حاشیہ مولوی فضل امام بر میر زاہد رسالہ۔ حاشیہ ملا عماد و حاشیہ مولوی اسد اللہ در یک جلد۔ میر زاہد ملا جلالیہ تا تحت موضوع بسیار محشی۔ حاشیہ مولوی فضل امام۔ میر زاہد جلالیہ تمام من رسالہ قطبیہ۔ حاشیہ مولوی عبدالعلی و قاضی مبارک و میر زاہد جلالیہ در یک جلد۔ منہیہ قاضی مبارک۔ شرح مطالع۔ مجردات نافعہ منہ۔ چند جزو حاشیہ صدرا یک جزو۔ شرح تہذیب ملا جلال تحت موضوع۔ اساس الاقتباس۔ دو جزو حاشیہ جلالیہ تا تحت موضوع۔ حاشیہ مولوی مبین بر میر زاہد جلالیہ۔

کتب الحکمۃ والریاضی

میبذی بخط خود۔ صدرا تا فلکیات بسیار محشی۔ حاشیہ ملا نظام الدین بر صدرا۔ شمس بازغہ۔ حاشیہ ملا نظام الدین بر شمس بازغہ معہ حاشیہ شرح حکمۃ العین۔ حاشیہ مولوی حمد اللہ بر شمس بازغہ۔ صراط مستقیم از باقر داماد۔ تقویمات از باقر داماد۔ شرح ہیاکل۔ حاشیہ مولوی ظہور الدین۔ روضۃ الجنان ابوالحسن کاشی۔ اجزاء شرح حکمۃ العین۔ شرح چغمنی۔ قوشجی تمام۔ شرح قوشجی فارسی مکتوبہ مولوی حیدر حسن۔ مجموعہ تشریح الافلاک۔ رسالہ نور۔ عجائب الحساب۔ کتاب مطبوع در ہیئت انگریزی۔ مفتاح الافلاک۔ چند اوراق قوشجی تشریح الافلاک۔ [illegible] بیاض کتاب حساب۔ رسالہ بطور سوال جواب مطبوعہ در ہیئت انگریزی۔ میبذی محشی [illegible]۔ ترجمہ خلاصۃ الحساب۔ تذکرہ در ہیئت۔

کتب متفرقہ از فارسی وطب وقانون وغیرہ

بیاض اشعار خوشخط۔ سبحۃ الابرار و تحفۃ الاحرار۔ مثنوی نامعلوم الاسم۔ بیاض مثنویات۔ مثنوی

Marfat.com

نامعلوم الاسم۔ زلیخا ناظم ہروی۔ رسالہ تصوف دراحوال مرزا جان جاناں۔ رسالہ کلاں تصوف۔ تحفۃ العراقین محشی۔ دیوان حافظ۔ سکندر نامہ ترکی از میر علی شیر مرحوم ہفت پیکر لیلیٰ مجنوں ترکی۔ مخزن اسرار محشی۔ کلیات عرفی ناقص۔ آداب المریدین۔ بیاض کلاں بطور کتاب ہفت مثنوی۔ سلیم قلی مع مثنوی دیگر در یک جلد۔ کلیات خاقانی۔ اقبال نامہ جہانگیری۔ انشاء طاہر وحید۔ اجزا زلیخا۔ بیاض خورد۔ دیوان قاسم دیوانہ۔ نلدمن۔ مثنوی مرزا بیدل۔ چند جزو از دفتر اول مثنوی شریف، ترجمہ کلیات مطبوع۔

اشپرینگر کے نام مولانا مملوک العلی کے مکتوبات کا متن اور اس کے متعلقات سطور ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں۔ خط نمبر ۸ کا مکتوب الیہ اشپرینگر نہیں تھا بلکہ تھارنٹن (Thornton) ہے لیکن یہ خط بھی جو دراصل ایک درخواست ہے، یہاں شائع کیا جارہا ہے، لیکن اس کا محرک بھی اشپرینگر ہی تھا۔

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

کتاب ''اصطلاحات'' مصنف کے ہاتھ کی، جس کا ذکر میں نے حضور میں کیا تھا، نام اوس کا ''کشاف اصطلاحات الفنون'' (۲) ہے۔ احقر کے گمان مٔیں مقدار اوس کی ''قاموس'' سے کم نہیں۔ اور وہ کتاب وطن میں بعض دوستوں کے پاس ہے۔ اگر خدا چاہے، اب کی بار امتحان کے بعد جو وطن کو جاؤں گا، اوس کتاب کو مالک سے مستعار لے کر اپنے ہمراہ لاؤں گا۔ بعد ملاحظہ کے صاحب کو نقل اوس کی لکھوانے کا اختیار ہے۔ واجب تھا عرض کیا۔ فقط۔

مملوک العلی

مدرس اول مدرسہ دہلی

۱۲ نومبر ۱۸۴۶ء''

تشریحات:

۱۔ مولانا نے یہ خط اشپرینگر کو اس وقت لکھا، جب وہ دہلی کالج کا پرنسپل تھا، لیکن وہ ان دنوں دہلی میں موجود نہیں تھا۔ شاید وہ اس وقت شملہ میں اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ رخصت پر گیا ہو، کیونکہ جب تک وہ ہندوستان میں رہا، سال میں ایک دو بار کچھ دنوں کے لیے آرام کرنے کی غرض سے شملہ چلا جایا کرتا تھا۔

Marfat.com

۲۔ مولانا مملوک العلی نے اس کتاب کا ایک مخطوطہ اپنے وطن نانوتہ کے قریب کاندھلہ کے مولانا ابوالحسن (فرزند مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) کے ہاں دیکھا۔ یہ نسخہ مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مولانا نے دہلی میں اشپرینگر سے اس کتاب کی موضوعاتی قدر و قیمت کا ذکر کیا تو وہ اسے دیکھنے کے لیے بے چین ہو گیا۔ اس کے مسلسل تقاضوں کی وجہ سے مولانا کاندھلہ گئے اور ابوالحسن کاندھلوی سے یہ قلمی نسخہ مستعار لے آئے اور اسے اشپرینگر کو پیش کر دیا۔ اس نے جب اس کے مندرجات پر نظر ڈالی، تو فوراً اس کی طباعت کا ارادہ کر لیا، لیکن اسی عرصہ میں وہ لکھنؤ چلا گیا۔ جاتے ہوئے وہ یہ نسخہ مولوی کریم الدین پانی پتی کو دے گیا، تاکہ وہ بھی اسے ایک نظر دیکھ کر اپنی رائے سے اسے مطلع کر سکے۔ اشپرینگر جتنی دیر لکھنؤ میں رہا، مولوی کریم الدین اس کا مطالعہ کرتے رہے۔ لکھنؤ سے کام نپٹاتے ہی اشپرینگر کو مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اس قلمی نسخہ کی طباعت کی کوششیں تیز کر دیں اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ارباب حل و عقد کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ وہ اسے اپنے کتابی سلسلہ ''ببلیوتھیکا انڈیکا'' میں شائع کر دیں۔ اس وقت قلمی نسخہ اشپرینگر کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً مولوی کریم الدین کو اس نسخے کی ترسیل کے متعلق لکھا۔ ساتھ ہی کچھ اور دوستوں کو بھی لکھا کہ مولوی کریم الدین سے یہ نسخہ لے کر بلا تاخیر کلکتہ ارسال کر دیا جائے۔ زیر نظر مجموعۂ مکاتیب میں ایک خط محمد سدید الدین کا تحریر کردہ ہے۔ انہوں نے یہ خط آگرہ سے ۱۸ ستمبر ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر کے نام لکھا تھا۔ اس کا ایک اقتباس یہ ہے:

''کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' بھی مولوی کریم الدین سے لے کر اپنے ساتھ کلکتہ میں لا کر خدمت فیضدرجت حضور میں حاضر کروں گا۔'' مولانا مملوک العلی نے اشپرینگر کو ''کشاف'' کے جس خود نوشت خطی نسخے کی اطلاع دی تھی وہ مولانا کی وفات تک اس کو نہ مل سکا، لیکن اس دوران میں اسے اس کے دو اور قلمی نسخے دستیاب ہو گئے۔ اس نے یہ دونوں نسخے سوسائٹی کے ذمہ دار افراد کے سامنے مزید کارروائی کے لیے پیش کر دیے۔ اس زمانے میں اشپرینگر اسی سوسائٹی کے جرنل میں تازہ مطبوعات پر Literary Intelligence کے زیر عنوان تبصرے لکھا کرتا تھا۔ چنانچہ اس جرنل کی اکیسویں جلد (شمارہ ۵، بابت ۱۸۵۲ء، ص ۴۲۹-۴۳۰) میں وہ اس کتاب کا ان الفاظ میں ذکر کرتا ہے:

"Another work of very great importance the publication of which in the Bibliotheca Indica is in contemplation is the

Marfat.com

کشاف اصطلاحات الفنون by Mowlawy Mohammad A'la b. Shaykh Alyy of Saharanpur who died about sixty years ago. He spent nearly the whole of his life in the compilation of this work. It contains the technical terms of all this work. It contains the technical terms of all the sciences cultivated by the Musalmans, and what gives it a particularly high value is that the definitions and explanations are taken verbatim from the most authentic text books and commentaries of the respective sciences, these are therefore collected in it the opinions of the most distinguished authors. Of those sciences which are still cultivated, and well known, the author contents himself by explaining the technical terms but in those sciences of which books are rare he enters deeper into the subject and gives in fact a compendium of the leading points. The work is very much like our Encyclopedias. In extent it is equal to, or larger than the *Qamus* and if its publication should be decided upon it will be desirable to print it in the same form as the Calcutta edition of the *Qamus*. At present two Ms. copies are at the disposal of the Society and it is very likely that we shall be able to obtain one of three copies which the author has written with his own hand."

اشپرینگر کے اس انگریزی اقتباس سے جو اہم باتیں معلوم ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں:

الف) ''کشاف'' کے مؤلف مولوی محمد اعلیٰ کے والد کا نام شیخ علی تھا۔

Marfat.com

ب) اس کا آبائی شہر سہارنپور تھا۔ رحمان علی نے ساکن تھانہ لکھا ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ ومترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۵۸۸)

ج) اشپرینگر نے ۱۸۵۲ء کے اس تبصرے میں لکھا ہے کہ محمد اعلیٰ کو فوت ہوئے تقریباً ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔ اس حساب سے اس کا سال وفات ۱۷۹۲ء یا اس کے قریب کا کوئی اور سنہ ہے۔

د) مؤلف نے اپنی پوری زندگی اسی کتاب پر صرف کر دی (مترجم "تذکرہ علمائے ہند" کے ایک نوٹ (ص ۵۸۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد اعلیٰ نے اراضی ہند پر بھی ایک کتاب لکھی تھی، جس کا قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے)۔

ہ) "کشاف" کا متن تین قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کیا گیا۔ ان میں سے ایک نسخہ وہ تھا، جس کی اطلاع مولانا نے اشپرینگر کو مذکورہ بالا خط کے ذریعہ دی۔ یہ خودنوشت مخطوطہ تھا۔ بعد میں یہ نسخہ کہاں گیا، کچھ پتا نہیں چلتا۔ راقم کا خیال تھا کہ شاید اشپرینگر اسے اپنے ساتھ یورپ لے گیا، لیکن اس کے عربی مخطوطات میں یہ نسخہ شامل نہیں۔ ممکن ہے، استعمال کے بعد یہ نسخہ اصل مالک کو لوٹا دیا گیا ہو۔

اشپرینگر کی ذاتی دلچسپی کی بنا پر "کشاف" کی طباعت شروع ہوگئی۔ ابھی اس کا کچھ حصہ ہی طبع ہوا تھا کہ اشپرینگر کو ہندوستان چھوڑ کر جرمنی جانا پڑا۔ اس کی غیر موجودگی میں بقیہ کام کی نگرانی ولیم ناسولیس William Nassau Lees (۱۸۲۵ء-۱۸۸۹ء) کرتے رہے۔ متن کی تصحیح وترتیب میں مولوی محمد وجیہہ، مولوی عبدالحق اور مولوی غلام قادر نے ہاتھ بٹایا۔ بالآخر یہ کتاب ۱۸۶۲ء میں مکمل طور پر شائع ہوگئی۔ (دو جلد، طبع عکسی، تہران ۱۹۶۷ء۔ طبع بیروت: خیاط، بعنوان "موسوعۃ اصطلاحات العلوم الاسلامیۃ"، لاہور سہیل اکیڈمی) سرورق پر "باہتمام الویس اشپرینگر التیر ولی وولیم ناسولیس الایرلندی" مرقوم ہے۔ جلد دوم کے ساتھ بطور ضمیمہ نجم الدین کاتبی قزوینی کے "رسالہ شمسیہ" کا عربی متن مع انگریزی ترجمہ (از اشپرینگر) بھی شائع ہوا۔ اس سے پہلے یہ رسالہ ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے علیحدہ بھی شائع ہوا تھا۔

ڈاکٹر زبید احمد نے اپنی کتاب "ادبیات عربی میں ہندوستان کا حصہ" (انگریزی) (الہ آباد ۱۹۴۶ء) میں مؤلف کا پورا نام محمد اعلیٰ بن شیخ علی بن قاضی محمد حامد بن محمد صابر الفاروقی التھانوی لکھا ہے (ص ۲۱۱)۔ ایک جگہ اس کتاب کا سنہ تالیف ۱۱۵۶ھ/۱۷۴۳ء درج ہے (ص ۱۷۶) اور دوسری جگہ ۱۱۵۸ھ/۱۷۴۵ء (ص ۱۱۴)۔ رامپور (۱۵۱۳) اور بانکی پور (۲۰۰۹-۲۰) میں اس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

Marfat.com

۴

''غریب پرور سلامت(۱)

پروانہ حضور کا پہنچا۔ سر بلند کیا۔ مضمون اوس کا مولوی محمد مظہر(۲) کو لکھ بھیجوں گا(۳)۔ خط مولوی صاحب موصوف کا لکھا ہوا ۲۶ شوال کا آیا تھا۔ لکھا تھا کہ بسبب کثرت بارش کے چلنا قافلہ کا نہیں ہو سکتا۔ شاید ۱۵ ذیقعدہ تلک چلنا ہوگا۔ اغلب ہے کہ اب وہ قافلہ چل لیا ہوگا(۴)۔ لیکن اور خط نہیں آیا۔ لکھا تھا کہ بسبب گراں فروشی اور بے پروائی تاجر کے اور نیز بسبب دور ہونے مکان کے میں خریدنے میں کتب کے انتظار جواب کا نہ کر سکا، اور میں اول دہلی میں اور بعد ازاں وطن میں اور بعد اوس کے بنارس میں پہنچوں گا(۵)۔ خلاصہ مضمون خط کا یہ تھا، لیکن وہ خط اون کے والد پاس بھیج دیا(۶)۔ اس سبب بعینہ نقل اوس کی نہیں لکھی۔

پہلے اسے جو حضور نے واسطے طلب ''بخاری شریف'' اور ''جامع ترمذی'' کے حکم بھیجا تھا، احقر نے ''جامع ترمذی'' ٹیلر صاحب بہادر(۸) کی خدمت میں بھیجی تھی اور واسطے نہ دینے ''بخاری شریف(۹)'' کے یہ عذر کیا تھا کہ اگر کوئی لکھنؤ میں اس کی نقل چھاپے تو ہمارا نقصان متصور ہے۔ جب صاحب بہادر نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب بہادر اقرار کرتے ہیں کہ ہم وہ کتاب کسی کو نہ دیں گے تو پانچ سیپارے ''بخاری شریف'' کے یعنی جس قدر چھپے تھے، صاحب بہادر کی خدمت میں آپ پہنچائے تھے اور اپنا عذر بھی عرض کیا تھا۔ سو انہوں نے آپ کو لکھا ہوگا۔

''ترمذی'' انشاء اللہ تعالیٰ تین مہینے میں یا کچھ زیادہ میں تمام ہوگی۔ دو ورق روز چھپتے ہیں اور چھپنا ''بخاری شریف'' کا ابھی ملتوی ہے۔ بعد تمامی اس کتاب کے شروع ہوگا۔ جب حضور تشریف لاویں گے، ملاحظہ سے گذرے گا۔

احقر کو ہر وقت خیال عنایت اور اخلاق حضور کا رہتا ہے اور زبان پر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جلد تر ملاقات نصیب فرماوے۔ واجب تھا عرض کیا۔ فقط

مملوک العلی

مدرس اول

۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء

تشریحات:

۱۔ یہ خط جب لکھا گیا، اشپرینگر لکھنؤ میں شاہان اودھ کے کتاب خانوں کے قلمی نوادرات کی فہرست سازی میں مصروف تھا۔ اس نے ''فہرست مخطوطات'' (جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں خود

Marfat.com

لکھا ہے کہ وہ اس کام کے لئے ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا تھا۔

۲۔ مولانا مملوک العلی کے ہموطن، قریبی عزیز اور شاگرد تھے۔ محمد احسن نانوتوی کے بڑے بھائی تھے۔ ان کے تفصیلی حالات ان کے خطوط کے ساتھ آئندہ سطور میں درج ہیں۔

۳۔ مولوی محمد مظہر نانوتوی کسی طویل سفر پر روانہ ہو رہے تھے۔ اشپرینگر نے انہیں خط لکھا کہ دوران سفر میں اگر اس کے ذوق کی کوئی مفید کتاب نظر آئے، تو فوراً خرید لی جائے۔ اشپرینگر نے اپنے مقامی احباب بالخصوص دہلی کالج کے اساتذہ اور طلبہ کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ جب بھی وہ کسی سفر پر روانہ ہوں، تو نایاب اور اہم قلمی نسخے بھی تلاش کرتے رہیں اور جہاں کہیں ایسا کوئی نسخہ ملے، فوراً خرید لیا جائے اور اس کی اطلاع اشپرینگر کو دی جائے۔ اشپرینگر کا اتنی تعداد میں مخطوطات جمع کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی تھا۔ چنانچہ اس نے مولوی محمد مظہر کو بھی چلنے سے قبل یہی ہدایت کی اور جب ان کی جانب سے کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی، تو اس نے مولانا مملوک العلی کو ان کا اتا پتا معلوم کرنے کے لیے یہ خط لکھا۔ اشپرینگر کی تشویش کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے مولوی محمد مظہر نانوتوی کو ''بخاری'' اور ''ترمذی'' کا ایک ایک نسخہ لکھنؤ بھیجنے کے لئے کہا تھا۔ ان دنوں یہ دونو کتابیں دہلی کے ایک مطبع میں چھپ رہی تھیں، اس لیے مولوی صاحب انھیں نہ بھیج سکے اور اسی عرصے میں وہ سفر پر روانہ ہو گئے۔ اشپرینگر نے مولانا کے نام اپنے خط میں اس بات کا ذکر کیا تو مولانا نے ان کتابوں کی اصل صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔

۴۔ مولانا کو اشپرینگر کا یہ خط ملنے سے قبل مولوی محمد مظہر کا خیریت نامہ پہنچ چکا تھا جس میں انھوں نے اپنے سفر کی صعوبتوں کا ذکر کیا تھا۔ مولوی صاحب جس قافلے میں سفر کر رہے تھے، وہ کس منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اس کے متعلق ان کے سوانح نگاروں مثلاً محمد ایوب قادری (محمد احسن نانوتوی، ص ۱۵۴-۱۵۷) اور حافظ فیوض الرحمٰن (مشاہیر علماء دیوبند، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳-۵۹۶) نے اشارہ تک نہیں کیا، لیکن اسی مجموعۂ مکتوبات میں محمد مظہر کا ایک فارسی خط موجود ہے، جس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کا یہ سفر حجاز تھا، اور وہ ۱۸۴۷ء کے آخر میں زیارت بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ اس خط کے آخر میں ''محمد مظہر از اثناء سفر حجاز'' مرقوم ہے۔

۵۔ مولوی محمد مظہر حجاز سے واپسی کے بعد سیدھے دہلی اس لیے آنا چاہتے تھے کہ اپنے استاد مولانا مملوک العلی اور اپنے احباب سے ملاقات ہو جائے۔ نانوتہ جانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان کا آبائی شہر تھا، لیکن بنارس جانے کا اصل سبب یہ تھا کہ ان دنوں مولوی صاحب مدرسہ بنارس میں مدرس اول کے عہدہ پر

Marfat.com

فائز تھے۔ مولوی صاحب کے کسی تذکرہ نویس نے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

۶۔ محمد مظہر نانوتوی کے والد کا نام حافظ لطف علی تھا اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خط کی تاریخ تحریر یعنی ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء تک زندہ تھے۔

۷۔ اشپرینگر نے اپنے ذاتی کتب خانے کی جو فہرست مرتب کی تھی (مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء) اس میں ''ترمذی'' کے ایک ایڈیشن (مطبوعہ دہلی ۱۸۴۴ء، صفحات ۶۵۴) کا حوالہ دیا ہے۔ (ص ۳۴، شمارہ ۵۰۸)، لیکن یہاں یہ ایڈیشن مراد نہیں۔ فواد سیزگن نے ''تاریخ تصنیفات عربی'' (بزبان جرمن) میں اس کتاب کے دو طباعتوں (۱۲۶۹ھ، ۱۲۷۰ھ) کا حوالہ دیا ہے (جلد اول، مطبوعہ لائیڈن ۱۹۶۷ء، ص ۱۵۵)۔ یہاں جس ایڈیشن کا ذکر کیا ہے وہ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ان دنوں ''ترمذی'' دہلی کے مطبع العلوم میں چھپ رہی تھی۔ اس مطبع کے مہتمم سید اشرف علی ایک مکتوب بنام اشپرینگر (بلا تاریخ) میں یہ اطلاع دیتے ہیں:

''ایک دو ورقہ صحیح ترمذی کا، جو کہ مطبع العلوم میں چھپ رہی ہے، اس کو حضور ملاحظہ کریں کہ کیسی چھپتی ہے..... حضور کی عنایت سے اب مطبع میں اتنی چیزیں شروع ہیں، تحفۃ المومنین، صحیح ترمذی.....''

۸۔ اشپرینگر کے لکھنؤ جانے کے بعد ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا۔ تفصیل کے لئے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' (در: مطالعۂ آزاد از محمد اکرام چغتائی، لاہور ۲۰۱۰ء)

۹۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) میں ''بخاری'' کا سنہ طباعت ۱۲۷۰ھ لکھا ہے (ص ۳۳، شمارہ ۴۹۷)۔ یہ ایڈیشن بڑی تقطیع کے ۱۶۹ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ کتاب بھی مطبع العلوم ہی میں زیر طبع تھی۔ اشپرینگر نے سیرت رسولؐ پر تین جلدوں میں بزبان جرمن کتاب لکھی تھی، جس کی پہلی جلد برلین سے ۱۸۶۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دیباچے میں اشپرینگر نے ایک تحتی نوٹ دیا ہے جس میں ان کتابوں کے نام ہیں، جو اس کے کہنے پر لکھی گئیں۔ (صفحہ VII)۔ انھی کتابوں میں ''بخاری'' کا یہ ایڈیشن بھی شامل ہے۔ ''بخاری'' کا یہ ایڈیشن مولوی احمد علی محدث سہارنپوری نے ترتیب دیا تھا۔ تفصیل کے لئے رک: مکتوب نمبر ۳ کا نوٹ نمبر ۲۔

۳

''غریب پرور (۱)

پروانہ حضور کا پہنچا۔ معزز اور سربلند کیا۔ مکان مولد شریف کا جو احقر نے بچشم خود دیکھا ہے،

Marfat.com

بموجب اپنی یاد کے حقیقت اوس کی عرض کرتا ہوں کہ وہ مکان جانب شرقی میں بلدہ طیبہ مکہ کے واقع ہے۔ بالفعل وہاں کچھ آثار پہاڑ کے نہیں۔ایک کوچہ میں وہنی طرف دروازہ مکان کا ہے۔زمین کوچہ کی بلند ہے اور مکان نشیب میں ہے۔کئی سیڑھی اوتر کے مکان میں داخل ہوتے ہیں۔اوس میں ایک حجرہ ہے۔اوس کا دروازہ بہت بڑا ہے۔اوس کے اندر بوریوں اور غالیچوں کا فرش ہے۔اوس کی زیارت کرتے ہیں اور وہاں نماز پڑھتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں اور ایسا ہی مولوی احمد علی صاحب (۲) کو یاد ہے۔لیکن شعب ابو طالب کا حال احقر کو معلوم نہیں اور نہ کوئی جا وہاں بالفعل اس نام سے مشہور ہے اور جو تاریخ کی کتابوں میں ہے، آپ کو خوب معلوم ہے۔

احقر خدا تعالیٰ کی عنایت سے صحیح وسالم وتندرست ہے۔اکثر اوقات تذکار عنایتوں حضور کا بزبان رہتا ہے۔واجب تھا عرض کیا۔فقط

مملوک العلی

مدرس اول

۲۶ مئی ۱۸۴۹ء

اس صفحہ کے اوپر مولانا مملوک العلی نے اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل نقشہ بنایا ہے اور اس میں جو عبارتیں ہیں، وہ بھی ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہیں۔

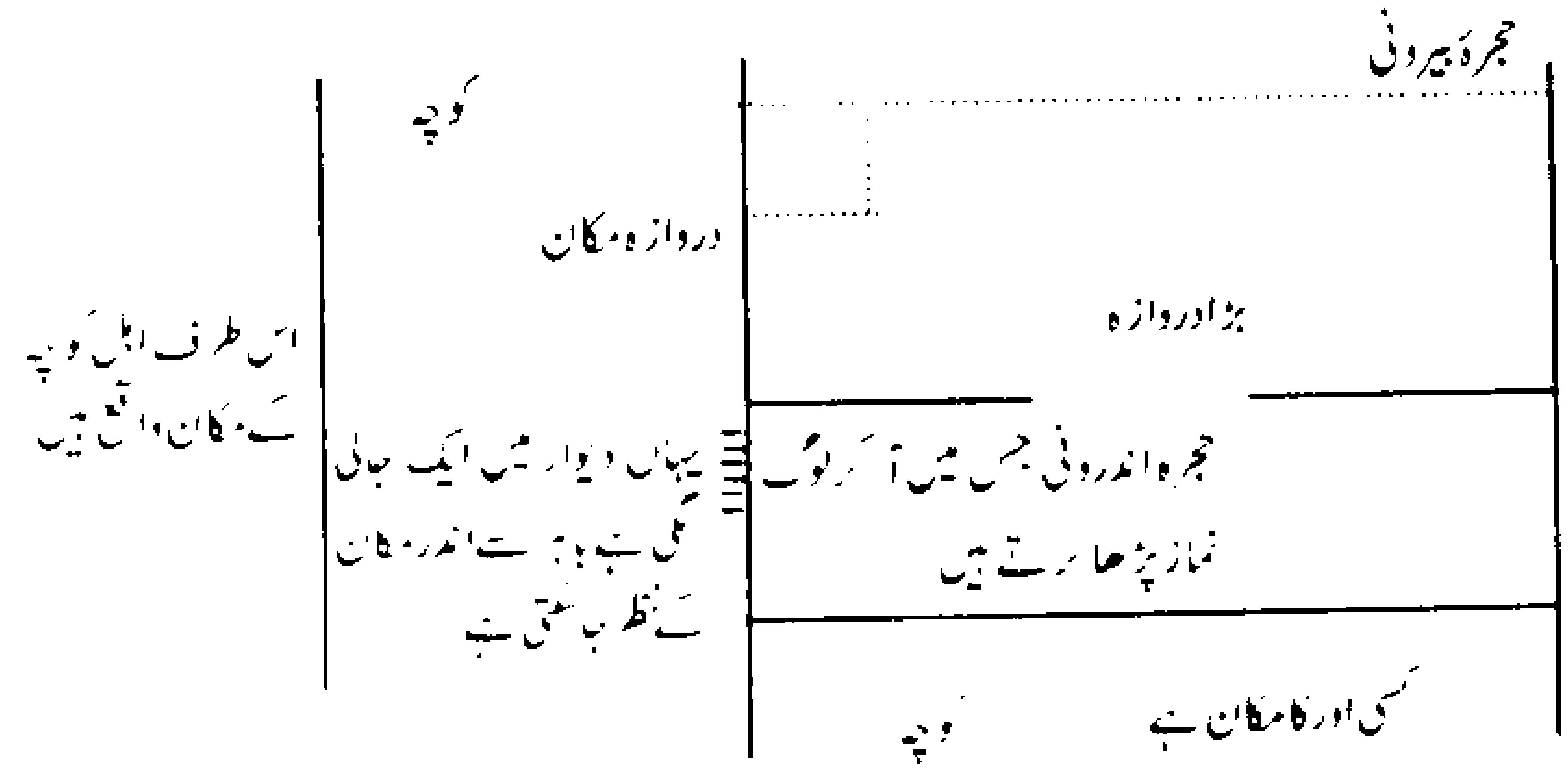

اس کاغذ کی دوسری جانب یہ عبارت ہے:

''عرضی مملوک العلی مدرس اول۔یہ عرضی بخدمت صاحب بہادر والامناقب [illegible] صاحب بہادر دام اقبالہ گذرانیں۔''

تشریحات:

ا۔ مولانا کا یہ خط بھی اسی زمانے میں لکھا گیا، جب اشپرینگر لکھنؤ میں تھا۔

اشپرینگر کو اس مکان کے محل وقوع کی تفصیلات درکار تھیں، جس میں حضور اکرمؐ کی ولادت با سعادت ہوئی تھی۔ اس نے ایک انگریزی کتاب سیرت رسولؐ پر لکھی، جو الہ آباد سے شائع ہوئی (۱۸۵۱ء)۔ اس میں ہجرت تک کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ شاید اسے یہ معلومات اپنی اسی کتاب کے لیے درکار تھیں۔ اسے یہ معلوم تھا کہ مولانا چند سال قبل فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں اور وہ اس مکان کی بھی زیارت کر چکے ہوں گے، اسی لیے اس نے مولانا سے رجوع کیا اور مولانا اس مکان کے متعلق جو کچھ جانتے تھے، وہ انہوں نے اس خط میں بیان کر دیا۔

مولانا ۱۸۴۲ء میں سفر حج پر روانہ ہوئے اور ایک سال کے بعد واپس آئے۔ ان کے بیٹے محمد یعقوب نانوتوی ''سوانح عمری محمد قاسم نانوتوی'' میں لکھتے ہیں:

''سنہ بارہ سو ستاون ہجری میں حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب اور جناب مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی نے کہ دونو نواسے اور جانشین مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تھے، اچانک ارادہ ہجرت کا کیا۔ ذیقعدہ میں شاید روانہ ہوگئے۔ دہلی میں اندھیرا ہو گیا اور آپ صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت والد مرحوم کو بھی حج کا دھیان ہوا۔ خفیہ تدبیر رخصت اور سامان سفر کرتے رہے۔ آخر جب رخصت ایک سال کی مل گئی اور سرکار نے براہ قدردانی آدھی تنخواہ بھی دی، رجب ۱۲۵۸ ہجری میں وطن سے روانہ ہوئے اور اول ذی الحجہ کو مکہ پہنچے۔ زیارت حرمین سے فارغ ہو کر برس دن میں پھر دہلی پہنچے۔''

(بحوالہ سوانح قاسمی، ۱: ۲۷، تحتی نوٹ)

مولانا مناظر احسن گیلانی صاحب اس روایت کی جزئیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا مملوک العلی کے اس سفر کی تاریخوں کو خصوصی اہمیت اس لئے حاصل ہے کہ ان ہی تاریخوں میں سچ پوچھیے تو مسلمانان ہند کی دینی تقدیر کا فیصلہ قدرت کی طرف سے نافذ ہوا اور اسلامی ہند کی دینی امامت و قیامت جس کے لئے زوال حکومت کے بعد ازل ہی سے مقدر ہو چکی تھی، ایک قصباتی آبادی سے اس کو ہندوستان کے سیاسی اور علمی و دینی مرکز دلی پہنچانے کا نظم قدرت کی طرف سے عمل میں آیا۔'' (سوانح قاسمی ۱: ۲۱۳)

۲۔ ان دنوں اس نام کے دو شخص موجود تھے اور یہ دونوں قریب قریب ہم عمر تھے۔ ان میں ایک کا تعلق دہلی

Marfat.com

سے تھا اور وہ دہلی کالج کے مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ بقول مولوی کریم الدین پانی پتی ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب ۳۵ برس تھی۔ (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴۔ گارسیں دتاسی ۱: ۱۶۰-۱۶۱) انھوں نے اشپرینگر کی فرمائش پر قواعد اردو پر ایک کتاب بعنوان ''چشمہ فیض'' یا ''فیض کا چشمہ'' لکھی۔ (سنہ تالیف ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء، مطبوعہ دہلی ۱۸۴۵ء)۔ اس کا ایک قلمی نسخہ برٹش لائبریری (لندن) میں محفوظ ہے (رک: فہرست مخطوطات اردو، بزبان انگریزی، مرتبہ سلیم الدین قریشی واریلا سمس وغیرہ، لندن ۱۹۷۸ء، ص ۴۸-۴۹)۔

اس نام کے دوسرے شخص حافظ حاجی احمد علی محدث سہارنپوری تھے اور انھی کا ذکر مولانا نے اپنے اس خط میں کیا ہے۔ ان کے حالات زندگی عبدالحئی نے ''نزہۃ الخواطر'' (۷: ۴۳) اور محمد زکریا نے ''اوجز المسالک'' (ص ۴۵) میں لکھے ہیں۔ ان کی عربی عبارات کا ترجمہ مؤلف ''سیرت یعقوب و مملوک'' نے دیا ہے۔ (ص ۳۶-۳۸)۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ''مختصر واقعات و سوانح'' حیدرآباد دکن کے وکیل مولوی مظہر الحق نے تحریر کیے تھے (غیر مطبوعہ صفحات بارہ)۔ مولانا احمد علی، معروف شاعر اور مترجم محمد سلیم الرحمن (لاہور) کے پردادا تھے اور یہ صفحات ان کے والد خلیل الرحمن ندوی کی قلمی بیاض کے آخر میں درج ہیں۔ مولانا کے پڑپوتے کے شکریے کے ساتھ اس بیاض سے سوانحی کوائف مختصراً بطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

احمد علی محدث خلف شیخ لطف اللہ انصاری سہارنپور میں ۱۸۱۰ء میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ صرف، نحو، منطق، فلسفہ اور مشکوٰۃ مولوی سعادت علی اور بقیہ کتب فقہ، معانی بیان و صحاح ستہ مولوی وجیہ الدین سے پڑھیں۔ ان علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو دہلی چلے آئے اور وہاں مولانا مملوک العلی کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے اور پھر انھی کے ہمراہ سفر حج پر روانہ ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ کے نواسے شاہ محمد بن اسحٰق بن محمد افضل دہلوی مہاجر مکی سے سند حدیث حاصل کی۔ ہندوستان واپس آئے اور پیشہ تجارت اختیار کر لیا۔ تمام صحاح ستہ کے لیے وقف کر دی۔ دہلی میں ایک مطبع قائم کیا اور وہاں سے حدیث کی کتب شائع کیں۔ اس مطبع کے مولوی مملوک العلی نانوتوی اور مولوی ... خاں مالک تھے۔ ''بخاری'' کا حاشیہ لکھا۔ متعدد رسالے لکھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد سہارنپور آ گئے اور ۱۸۶۷ء کے بعد اسی شہر کے مدرسہ مظاہر العلوم میں درس حدیث دیتے رہے۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں سہارنپور ہی میں وفات پائی۔

(نیز رک: مشاہیر علماء دیوبند، جلد اول، ص ۵۵-۵۵)

Marfat.com

حدائق الحنفیہ از فقیر محمد جہلمی، طبع چہارم، لاہور، ص ۵۱۰)

اشپرینگر اپنے ایک تبصرۂ کتب بعنوان ''لٹریری انٹیلی جنس'' میں مولوی صاحب کے کاموں کا جائزہ یوں پیش کرتا ہے:

''مولوی احمد علی نے مختصر مگر مفید حواشی کے ساتھ ''مشکوٰۃ'' شائع کی ہے۔ یہ حواشی زیادہ تر ''مرقاۃ'' سے اخذ شدہ ہیں۔ ۱۲۵۹ھ میں ''مشکوٰۃ'' عبدالحق دہلوی کے فارسی ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ ٹائپ میں کلکتہ سے چار جلدوں میں طبع ہوئی تھی اور بعد میں اتنی ہی جلدوں میں مع اردو ترجمہ دہلی سے شائع ہوئی۔ مولوی احمد علی نے ''تفسیر جلالین'' کو بھی مرتب کیا ہے۔ یہ معتبر نسخہ ہے لیکن یہ کلکتہ کے ایڈیشن جیسا صاف نہیں۔ مولوی موصوف اپنی علمیت کے اعتبار سے اپنے معاصرین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انہوں نے اب تک ''بخاری'' پر کام کا دو تہائی حصہ مکمل کر لیا ہے۔ انھوں نے اس کے مطبوعہ صفحات مجھے بھیجے تھے۔ یہ شاندار نسخہ ہے۔ ۷۱۰ صفحات اور دس ابواب پر مشتمل ہے۔ ابھی دس ابواب چھپنا باقی ہیں۔ ہر لفظ پر احتیاط سے اعراب لگائے گئے ہیں۔ حاشیہ پر اور بین السطور قابل تعریف تشریحی عبارات درج کی گئی ہیں اور یہ ''فتح الباری'' اور دیگر مستند تفاسیر سے لی گئی ہیں۔'' (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۲۰، ۱۸۵۱ء، ص ۲۸۲، جلد ۲۱، ۱۸۵۲ء، ص ۴۲۹)

۴

''غریب پرور سلامت (۱)

عنایت نامہ حضور کا بیچ خط مولوی علی اکبر (۲) کے پہنچا۔ باعث سرفرازی اور سربلندی کا ہوا۔ نواب بڈھے صاحب سے بیچ مقدمہ خرید کتب کے معرفت احمد علی کتاب فروش کے میں نے کہلا بھیجا ہے اور فہرست کتابوں کی طلب کی ہے۔ جب فہرست آوے گی اور قیمتیں معین ہوں گی، اون کے حال سے حضور کو مطلع کروں گا (۳)۔

ان دنوں دہلی میں گرمی بشدت ہے اور مہینہ رمضان کا شروع ہوا ہے۔ روزہ داروں کو چلنا پھرنا اور بات چیت کرنا دشوار ہے۔ اس جہت سے جواب اب تلک حاصل نہیں ہوا۔ اور ''تاریخ حلبی'' (۴) بموجب ارشاد کے ہمراہ احقر کے ہوگی۔

وہ جو بیچ خط مولوی علی اکبر کے احقر کے حق میں ارشاد ہے کہ ہم کو اختیار تھا کہ تم کو جلد تر کلکتہ کو روانہ کریں، لیکن ہماری رائے میں دیر مناسب ہے۔ سو رائے احقر کی حضور کے مطابق ہے۔ اگر چلنا احقر کا بہ

Marfat.com

معیت حضور کے ہو یا بعد تشریف فرمائی حضور کی روانگی احقر کی صورت پکڑے، تو مناسب تر ہے۔ بالجملہ پہنچنا احقر کا وقت تشریف رکھنے حضور کے کلکتہ میں احقر کی دانست میں بہت اچھا ہے۔

پہلے حضور نے ٹیلر صاحب بہادر کی چٹھی میں لکھا تھا کہ ہم نے تیری طرف سے درخواست لکھ بھیجی ہے۔ اب مشہور ہے کہ وہ درخواست منظور ہوئی اور قراین کلام حضور کے بھی اس مطلب پر دال ہیں، لیکن اگر حضور صاف صاف حال منظوری یا عدم منظوری احقر کا لکھ بھیجیں تا بموجب اوس کے فکر سفر کا یا حضر کا کروں یا جو کچھ اس باب میں حکم ہوا ہو، اوس سے مجھے اطلاع ہوتا کہ اگر کچھ عرض معروض مناسب ہو تو عمل میں آوے۔ غرض اس عرض سے یہ ہے کہ اس عرضی کے جواب میں حال مفصل تحریر فرماویں۔

اور جب حضور دہلی میں تشریف لاویں گے، سب حال اپنا عرض کروں گا۔ اور حسب ارشاد حضور کے چلنے کی صورت بندھے گی۔ زیادہ بجز اشتیاق ملاقات کے کیا عرض کرے۔ فقط (۵)

مکرر عرض یہ ہے کہ مولوی محمد مظہر (۶) بامید پرورش حضور کی دہلی میں موجود ہیں۔ اگر حضور کو ان کا خیال رہے گا، تو بندہ نوازی اور پروردہ پروری سے بعید نہ ہوگا۔ اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں کہ خواجہ خود روش بندہ پروری دا[illegible] فقط۔

مملوک العلی

مدرس اول

۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ مولانا نے اسپرینگر کو یہ خط اس وقت لکھا جب وہ لکھنؤ میں اپنا کام ختم کر کے شملہ یا کوہ ہمالیہ کے کسی شہر میں عارضی طور پر مقیم تھا۔ البتہ اس وقت اسے مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کی پرنسپلی کا عہدہ تفویض ہو چکا تھا، اور وہ اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے رخت سفر باندھ رہا تھا۔ روانگی سے قبل اس نے مولانا کو بالواسطہ ایک مراسلہ بھیجا، جس کے جواب میں مولانا نے یہ خط ارسال کیا۔

۲۔ یہ نوجوان مولانا کا شاگرد تھا، جیسا کہ سابقہ سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے تفصیلی حالات اس کے مکتوبات کے ساتھ آئندہ سطور میں درج کئے جائیں گے۔

۳۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا بھی دہلی کالج کے دیگر اساتذہ کی طرح اشپرینگر کے لیے نادر کتب کی جمع آوری میں اس کی اعانت کرتے تھے۔ بالعموم اشپرینگر کا یہ طریق کار تھا کہ وہ ان اساتذہ سے معروف نجی کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کراتا تھا۔ یہ فہرستیں اسے بھیجی جاتی تھیں اور وہ انھیں بغور

Marfat.com

دیکھ کر اپنے ذوق کی کتابیں کسی نہ کسی طرح حاصل کرلیا کرتا تھا۔ مولانا نے جس نواب بڑھے کے کتاب خانہ کی خبر دی ہے اور اس کی خریداری کے لیے جس کتب فروش کو کہلا بھیجا، اس کے متعلق زیادہ معلومات دستیاب نہیں۔ اتنا ضرور ہے کہ ان دونو اشخاص کا تعلق دہلی سے تھا۔

۴۔ اصل بعنوان ''سیرت حلبی'' از شیخ نورالدین علی بن ابراہیم بن احمد حلبی (م۔ ۱۶۳۵ء)۔ رک: الزرکلی، طبع ۱۹۷۹ء، اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ (بحوالہ راشد کاندھلوی: مملوک العلی، متذکرۂ صدر، ص ۲۷۱)

۵۔ اشپرینگر لکھنؤ سے یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو چلا۔ ایک ماہ مختلف کاموں میں مصروف رہا اور تقریباً تین مہینے بیمار رہا۔ اس کے فوراً بعد (غالباً مئی یا جون میں) حکومت نے اسے مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل اور بنگلی کالج کا نگران مقرر کر دیا۔ اس تقرری کی اطلاع ملتے ہی اشپرینگر نے مولانا کو کلکتہ بلانے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مولانا کے علمی مرتبے اور مدرسانہ صلاحیتوں کا کس قدر معترف تھا۔ وہ کلکتہ پہنچتے ہی مدرسہ کے نصاب وغیرہ میں بعض بنیادی تبدیلیاں کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے اسے مولانا کے تعاون کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے مولانا سے پوچھے بغیر ارباب اختیار کو یہ درخواست بھیج دی کہ مولانا کو دہلی کالج سے مدرسہ عالیہ بھیج دیا جائے۔ اس درخواست کی اطلاع دہلی کالج کے قائم مقام پرنسپل ٹیلر کو دی گئی، تاکہ اسے بھی اشپرینگر کی دلی خواہش کا علم ہو جائے اور وہ اس راہ میں کوئی انتظامی رکاوٹ نہ کھڑی کر سکے۔ یہ درخواست منظور ہوگئی، مگر اس تمام کارروائی کی مولانا کو خبر نہ ہوئی۔ بالآخر اس نے مولانا کے شاگرد علی اکبر کو ان تفصیلات سے آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ وہ تو چاہتا تھا کہ مولانا کو بعجلت ممکنہ کلکتہ بھیج دیا جائے، لیکن بعض وجوہ کے باعث وہ ایسا نہیں کر سکا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ پہلے خود کلکتہ پہنچ جائے اور پھر رسمی کارروائیوں کو پورا کرنے کے بعد مولانا کو وہاں بلالیا جائے۔ مولانا بھی یہی چاہتے تھے کہ جب وہ کلکتہ پہنچیں، تو اشپرینگر وہاں موجود ہو۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ اشپرینگر نے جو درخواست دے رکھی ہے، جب تک اس کی منظوری یا نامنظوری کا حتمی فیصلہ نہ ہو جائے، وہ جانب کلکتہ روانہ نہ ہوں۔

۶۔ ان کا ذکر مولانا کے سابقہ خط (شمارہ ۲) میں بھی ہے اور اس خط کے ''حواشی'' میں چند باتیں لکھی گئی ہیں۔ علی اکبر اور سید برکت علی (متعلقہ اقتباسات سابقہ سطور میں نقل ہو چکے ہیں) کے بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنی جگہ محمد مظہر کو تعینات کرنا چاہتے تھے۔ شاید ان سطور سے بھی ان کا یہی منشا ہو، کیونکہ وہ اس خط سے کلکتہ جانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ لازماً ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا

Marfat.com

ہوگا کہ ان کے بعد جو جگہ خالی ہوگی، اس پر کسی نہ کسی استاد کا تقرر ضرور ہوگا، اسی لیے انھوں نے اشپرینگر سے محمد مظہر کی سفارش کی ہے، تاکہ بوقت ضرورت اصل مدعا بھی بیان کر دیا جائے۔

۵

غریب پرور(۱)

عنایت نامہ حضور کا دستخطی معہ چٹھی اسمی مواٹ (۲) صاحب بہادر سکرٹری کونسل مدارس کی معرفت ٹیلر صاحب بہادر کے بیسویں جولائی کو احقر کے پاس پہنچا۔ معزز اور ممتاز کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر آپ کی رائے میری رائے کے موافق ہو تو اپنی درخواست معہ میری چٹھی جلد نہ بھیجیں۔ سو یہ تاخیر احقر کے نزدیک بہت مناسب ہے۔ بعد حصول جواب اس عرضی کے عشرہ اخیر اگست تک، اگر خدا نے چاہا، درخواست اپنی معہ حضور کی چٹھی کے بھیجوں گا۔

اور وہ جو بیچ باب پہنچنے احقر کے اواخر اکتوبر کے اور پہنچنا اپنا اوسط نومبر میں ارقام ہوا ہے، احقر کے عندیہ میں بھیجنا احقر کا کلکتہ میں بعد پہنچ لینے حضور کے مناسب تر ہے۔ آئندہ جو حکم ہوگا عمل میں آوے گا۔

احقر سب طرح سے بخیال معیت حضور کی خوش وخورم ہے، لیکن ایک امر موجب خلجان طبیعت کا ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی کو اپنے مزاج کا حال بیچ زمان آئندہ کے معلوم نہیں ہوتا، تو خوف اس امر کا ہے کہ مبادا بعد پہنچنے کلکتہ کے بسبب عدم موافقت آب وہوا کے یا اور کسی امر کے احقر کو وہاں کا روزگار چھوڑنا پڑے اور اس صورت میں روزگار مدرسہ دہلی کا، کہ احقر کے واسطے بمنزلہ وطن ہو رہا ہے، مفت ہاتھ سے جاتا رہے تو واسطے رفع اس خوف کے اور حصول اپنے اطمینان کے حضور کی عنایت اور مہربانی سے امید رکھتا ہوں کہ حضور سعی اور کوشش فرماویں کہ گورنمنٹ سے احقر کے لیے حکم ہو جائے کہ مجھے اختیار رہے دو برس تک اگر چاہوں پھر اپنے عہدہ پر دہلی کے مدرسہ میں آجاؤں۔

اور چونکہ احقر نے چھبیس برس مدرسہ دہلی میں طلبا کی خدمت کی ہے (۲) اور [illegible] دستور ہوتا تو استحقاق پنشن کا حاصل ہے (۳) تو احقر کے حق میں بجائے پنشن کے [illegible] مدت میں جب چاہوں اپنے عہدہ پر آجاؤں بعید از شفقت نہیں اور بدون مدت دو برس کے حال موافقت آب وہوا کا معلوم ہونا دشوار ہے، اس لیے کہ بدون رہنے ایک برس کے جو چار موسموں پر مشتمل ہے، اور ہر موسم کی ہوا کا مزاج جدا ہے، موافقت آب وہوا کی مزاج سے معلوم نہیں ہوتی اور پانچ چھ مہینے آنے جانے میں اور ایک دو مہینہ سامان سفر وغیرہ میں صرف ہوتا ہے، تو اس لیے بدون اجازت مدت دو برس کے اطمینان کی

Marfat.com

حاصل نہیں اور بدون سعی اور سفارش حضور کی اس مدت کی اجازت احقر کو میسر نہیں ہو سکتی۔ احقر امیدوار جواب اس عرضی کا ہے۔

منشی اشرف علی صاحب سے حال نقل کروانے ''کتاب الأغانی'' کا پوچھا گیا۔ انہوں نے کہا تھوڑی سی باقی رہتی ہے۔ چند روز میں تمام ہو جائے گی۔ (۵) اور ''الفاظ الادویہ (۶)'' کے مقدمہ میں یہ معلوم ہوا کہ سید محمود صاحب نے بشرکت کسی اور صاحب کے چھپوائی تھی اور سب کی سب حاجی رستم علی سوداگر کے ہاتھ بیچ دی تھی۔ لیکن بازار میں تلاش سے مل سکتی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک نسخہ حضور کے واسطے خرید کر کے اور جلد بندھوا کر ہمراہ رکھوں گا اور ہمراہ لے جانا صنادیق کتابوں کا الہ آباد تلک، جہاں تلک بنے گا، حسب الحکم عمل میں آوے گا (۷)۔ اطلاعاً عرض کیا۔ فقط۔

مملوک العلی

مدرس اول

۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ اس خط سے سابقہ خط کی کچھ گمشدہ کڑیاں مل جاتی ہیں، مثلاً یہ کہ اشپرینگر نے مولانا کو پوچھے بغیر انھیں کلکتہ بلانے کی جو درخواست دی تھی، وہ کونسل آف ایجوکیشن (بنگال) کے سیکرٹری مواٹ کو بھیجی گئی تھی۔ سیکرٹری کو اشپرینگر کی تجویز پر بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے اپنی تائیدی چٹھی معہ مراسلہ اشپرینگر دہلی کالج کے پرنسپل ٹیلر کو بھیج دی۔ ابھی مولانا کو پچھلا خط بھیجے ہوئے چار روز ہی ہوئے تھے کہ یہ تمام کاغذات دہلی پہنچ گئے۔ اشپرینگر نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ پہلے مولانا سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کلکتہ جانے کے لیے رضامند ہیں یا نہیں۔ اگر رضامند ہیں تو انہیں وہاں پہنچنے کے لیے عجلت نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ مولانا اس وقت تک کلکتہ پہنچیں، جب وہ بھی وہاں موجود ہو۔ مولانا اشپرینگر کے اس خیال سے متفق تھے۔ اسی خط میں اشپرینگر نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر وہ رضامند ہوں، تو اس کی اطلاع بذریعہ خط حکام بالا کو کر دیں۔

مولانا کو اشپرینگر کی تمام باتوں سے مکمل اتفاق تھا، لیکن انہیں بار بار یہ خیال ستاتا رہا کہ ان کے جانے کے بعد دہلی کالج میں ان کے عہدہ کا کیا بنے گا۔ پہلے تو انہوں نے یہ کوشش کی کہ کسی قریبی عزیز کو یہ عہدہ دلوا دیں، لیکن وہ پرنسپل کی مخالفت کے سبب اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ دہلی کالج کی ملازمت ترک نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ انھوں نے اپنی عمر کا اہم ترین حصہ یہیں بسر کیا تھا، لیکن

Marfat.com

دوسری جانب وہ اشپرینگر کی تجویز کو ماننے سے انکار بھی نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ وہ بھی ان کا محسن اور مربی تھا۔ چنانچہ انھوں نے بیچ کا ایک راستہ نکالا اور وہ یہ کہ وہ کلکتہ تو چلے جائیں، لیکن اگر دو سال کے اندر اندر وہ کسی وجہ سے واپس دہلی کالج آنا چاہیں تو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ مولانا کی سوچ ان کی دانش مندی اور دور اندیشی کی دلیل ہے۔ یہ سوچ ان کی ذاتی بھی ہوسکتی ہے اور اس میں ان کے کسی قریبی دوست کا مشورہ بھی شامل ہوسکتا ہے۔

۲۔ پورا نام فریڈرک جان مواٹ (Frederick John Mouat) ہے (۱۸۱۶ء-۱۸۹۷ء)۔ پیشہ طب سے متعلق تھا۔ ہندوستان میں مختلف طبی اور فوجی عہدوں پر کام کرتا رہا۔ کونسل برائے تعلیم (بنگال) کا سیکرٹری اور کلکتہ یونیورسٹی کا فیلو رہا۔ ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کی دانش گاہوں کے آغاز و ارتقا پر ایک انگریزی کتاب لکھی۔ رک:

C.E. Buckland: *Dictionary of Indian Biography*. Repr.; Lahore 1975 (London 1906), p. 301.

۳۔ دہلی کالج میں مولانا کا تقرر ۱۸۲۵ء میں ہوا۔ مولانا کی اس عبارت سے بھی یہی سال برآمد ہوتا ہے۔

۴۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم ۱۸۵۰ء تک دہلی کالج کے اساتذہ کو پنشن کی سہولت حاصل نہیں تھی۔ جب کوئی یہاں سے فارغ ہوتا تھا، تو مالی طور پر اسے آسودگی حاصل نہیں ہوتی تھی۔

۵۔ منشی اشرف علی وہی ہے، جو ان دنوں مطبع العلوم کا مہتمم تھا۔ اشپرینگر کو کہیں سے ''کتاب الاغانی'' کا کوئی اہم نسخہ عاریتاً دستیاب ہوا۔ وہ اس کی نقل کرانا چاہتا تھا۔ اس نے یہ کام اشرف علی کے سپرد کیا اور اس نے ایک کاتب کو اس نسخے کی نقل نویسی پر مامور کر دیا۔ اشرف علی اپنے ایک بلا تاریخ خط (دیکھیے آئندہ سطور) میں اشپرینگر کو لکھتا ہے کہ: ''... ''اغانی'' کا نکڑا عبدالرزاق کاتب لکھتا ہے۔ عنقریب تمام کردے گا۔'' اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ ''اغانی'' کا جو نسخہ نقل کے لئے کاتب کو دیا گیا، وہ مکمل نہیں تھا، بلکہ وہ کوئی جزو تھا۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست مخطوطات و کتب (۱۸۵۷ء) میں اس نقل کا حوالہ دیا ہے۔ (ص ۷۳، شمارہ ۱۱۸۰)۔ اب یہ نقل برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہاں کے عربی مخطوطات کی فہرست اہلوارٹ نے دس جلدوں میں تیار کی تھی۔ اس کی چھٹی جلد (مطبوعہ برلین، ۱۸۹۴ء، شمارہ ۷۳۹۸) میں اس نقل کی تفصیلات دی گئی ہیں، جن کے مطابق یہ ''کتاب الاغانی'' کا جزو ثالث ہے۔ اسے کاتب عبدالرزاق بن محمد سالم الدہلوی نے شوال ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو مکمل کیا (اوراق ۳۲۰)۔

Marfat.com

۲۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔اشپرینگر نے اپنی فہرست (۱۸۵۷ء) میں اس کے مؤلف کا نام محمد عبداللہ شیرازی لکھا ہے جبکہ یہ نورالدین محمد قرشی شیرازی کی تصنیف ہے (ص ۱۰۵، شمارہ ۱۹۰۱) اشپرینگر کو اس کتاب کا جو نسخہ مطلوب تھا، وہ دہلی سے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا تھا (صفحات ۲۸۸) اشرف علی اپنے ایک خط (بلا تاریخ) میں اشپرینگر کو لکھتا ہے کہ

''...... حضور نے مولوی مملوک العلی صاحب کے خط میں لکھا تھا کہ ''الفاظ الادویہ'' میرے واسطے بھیجی تھی یا نہیں۔ بندہ نواز جب وہ چھپ چکی تھی، میں نے ایک نقل اس کی لکھنؤ میں بھیج دی تھی۔''

یہ کتاب بھی مطبع العلوم سے طبع ہوئی تھی۔ چنانچہ اپنے ایک اور بلا تاریخ خط میں اشرف علی رقمطراز ہے کہ

'' حضور کی عنایت سے اب مطبع میں اتنی چیزیں شروع ہیں، تحفۃ المومنین، صحیح ترمذی، الفاظ الادویہ .....''

''الفاظ الادویہ'' کے مؤلف کا نام نورالدین محمد (بن؟) عبداللہ بن حکیم عین الملک قریشی شیرازی تھا۔ کتاب کے نام ہی سے مادۂ تاریخ برآمد ہوتا ہے یعنی ۱۰۳۸ھ/ ۱۶۲۸-۱۶۲۹ء۔ یہ شاہجہاں کے نام معنون کی گئی اور اس میں ایک مقدمہ، ایک نتیجہ اور ایک خاتمہ ہے۔ اس کے قلمی نسخوں، طباعتوں اور تراجم کے لیے رک:

C.A. Storey: *Persian Literature. A Bio-bibliographical Survey.* Vol. II, pt. 2 (E. Medicine), London, 1971, pp. 255-7

(آئندہ حوالوں میں صرف ''اسٹوری'') نیز رک: ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۳۰۷ و صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸-۱۸۵۳ء) از ایضاً، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۸۸، تحتی نوٹ۔

۶

''غریب پرور سلامت (۱)

حسب ایمائے حضور کے، کہ جو مولوی علی اکبر کے خط سے معلوم ہوئی تھی، عرضی در باب رخصت کے معرفت ٹیلر صاحب بہادر کے دی تھی اور صاحب بہادر نے بسبب عرض اور معروض احقر کی سفارش بھی کی اور کچھ دلیلیں بھی لکھیں۔ لیکن بہت افسوس ہے کہ وہ درخواست منظور نہ ہوئی اور صاحب بہادر کو بھی اس امر کا

Marfat.com

افسوس ہوا۔ لہٰذا سب اہل رائے اور جمیع دوستوں کی عقل میں اس صورت میں کہ رخصت ایک سال کی بھی نہ ہو، چھوڑنا روزگار مدرسہ دہلی کا واسطے درخواست عہدہ کلکتہ کے مناسب نہیں۔ اور اغلب ہے کہ آپ کی رائے بھی ان سب کی رائے کے موافق ہوگی اور احقر کو بیچ نہ بھیجنے درخواست کے معاف اور معذور تصور فرماویں گے، اور آپ نے اپنے عنایت نامہ میں ارقام فرمایا کہ مجھے اس امر میں سفارش کرنے کا اختیار نہیں، ورنہ پھر احقر مکلف اس امر کو ہوتا کہ واسطے ایک ہی برس کے حضور سفارش فرمادیں، تاکہ کسی طرح احقر ہمراہی حضور سے محروم نہ رہے لیکن، اب حسرت اور افسوس کے کیا عرض کرے۔ واجب تھا عرض کیا۔

مملوک العلی

مدرس اول

۱۹ اگست ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ مولانا فی الفور دہلی چھوڑ کر کلکتہ نہیں جانا چاہتے تھے، اسی لیے انہوں نے عمداً ملازمت کی درخواست بھجوانے میں تاخیر کردی۔ پہلے تو مولانا کا خیال تھا کہ انھیں کلکتہ جانے سے دو سال بعد تک یہ اختیار رہے کہ وہ جب مناسب سمجھیں، دہلی کالج میں اپنے پرانے عہدہ پر واپس آجائیں۔ جب انھیں احساس ہوا کہ ان کا یہ مؤقف تسلیم نہیں کیا جائے گا تو انھوں نے اس میں ایک سال کی کمی کردی اور اپنے پرنسپل سے ایک سال کی رخصت طلب کی۔ پرنسپل نے یہ درخواست منظور کرلی اور متعلقہ حکام سے بھی سفارش کی کہ وہ مولانا کی اس مشروط رخصت کو قبول کرلیں، لیکن انھوں نے اسے نامنظور کردیا۔ اس نامنظوری نے مولانا کو خاصا مایوس کردیا، کیونکہ وہ دہلی اور دہلی کالج سے تمام دیرینہ روابط کو کلی طور پر منقطع کرکے کلکتہ نہیں جانا چاہتے تھے اور حکام بالا شاید مولانا کی اس پیشگی شرط کو ماننے سے گریزاں تھے۔

۷

''غریب پرور سلامت

ارشادات حضور کے زبانی ٹیلر صاحب بہادر کے احقر نے سنے۔ سب بموقع اور بجا ہیں۔ حسب الارشاد عرضی درخواست رخصت کی بنام تھامسن صاحب بہادر (۱)۔ ملفوف ہے۔ اگر یہ عبارت دل پسند منظور ہو تو اصلاح فرما کر مولوی علی اکبر سے اور عرضی لکھوا لیجئے۔

Marfat.com

اور احقر نے بلحاظ اس امر کے کہ شاید بسبب طویل مدت کے رخصت منظور نہ ہو، ایک ہی سال کی رخصت کی درخواست لکھی ہے، لیکن بدون ایک سال کی رخصت کے حال آب وہوا کا معلوم نہیں ہوسکتا۔ امید وار ہوں کہ جب حضور نے میری پرورش کے لیے اپنے اوپر بوجھ سفارش کا اوٹھایا، تو واسطے رخصت ایک سال کی سفارش کیجیے یعنی میری درخواست اس عرضی کے بموجب منظور کروا دیجیے۔ (۲)

شاید حضور کو گمان ہوا کہ احقر نے درخواست رخصت کی واسطے عذر کے کی ہے۔ اس میں، مَیں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر احقر کو عذر منظور ہوتا تو عذر اور بہت تھے۔ اگر آپ انصاف سے نظر فرماویں گے تو احقر کو اس امر مین معذور جانیں گے۔ مجھ جیسے کو اگر روزگار مدرسہ کا چھوٹ جائے، تو پھر ویسا روزگار کہاں میسر ہوسکتا ہے۔ اس جہت سے یہی چاہتا ہوں کہ درصورت جانے کلکتہ کے اطمینان طبع حاصل رہے۔ واجب تھا عرض کیا۔ احقر کو آج ہی ارشاد حضور کا پہنچا۔ آج ہی عرضی لکھ کر واسطے جلدی کے معرفت ٹیلر صاحب بہادر کی روانہ کی ہے۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔

مملوک العلی

مدرس اول

پنجم ستمبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ بک لینڈ (محولہ بالا) نے تھارنٹن نام کے پانچ انگریزوں کے حالات دیئے ہیں (ص ۴۲۳۔ ۴۲۴)۔ مولانا نے اپنے خط میں صرف تھارنٹن ہی لکھا ہے، اس لیے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہاں کون سا تھارنٹن مراد ہے۔ شاید یہاں ایڈورڈ تھارنٹن (۱۷۹۹۔۱۸۷۵ء) مراد ہو، جس نے ہندوستان کی تاریخ بعہد انگلشیہ لکھی اور کئی گزیٹیر بھی مرتب کیے (ص ۴۲۳)۔

۲۔ مولانا کی اشپرینگر سے براہ راست مراسلت تھی، لیکن اس دور میں وہ مولانا کو ان کے شاگرد علی اکبر یا پرنسپل دہلی کالج کی معرفت بھی خط لکھتا رہتا تھا۔ اسی طرح کا ایک خط ٹیلر کو موصول ہوا، جس میں مولانا کے لیے یہ پیغام تھا کہ وہ اپنی رخصت کی درخواست تھارنٹن کو بھیج دیں اور وہ اس کی منظوری کے لیے سفارش کرے گا۔ اس خط میں اشپرینگر نے اپنے اس گمان کا اظہار بھی کیا تھا کہ مولانا نے پہلے دو سال اور پھر ایک سال کی رخصت کی جو پیشگی شرط لگائی ہے، وہ اصل میں کلکتہ نہ جانے کے بہانے ہیں۔ مولانا نے اس خط میں اشپرینگر کے اس گمان کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن انھیں اپنے بے روزگار ہو جانے کا اتنا خطرہ تھا کہ وہ مطلوبہ رخصت کی منظوری کے بغیر کسی طرح بھی دہلی چھوڑنے پر

Marfat.com

رضامند نہیں تھے۔

۸

''غریب پرور سلامت(۱)

بسبب (۲) خالی ہونے عہدۂ امینی مدرسہ کلکتہ کے ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر سے احقر زبانی درخواست اوس عہدہ کی کی تھی اور مرکوز اس احقر کو یہ تھا کہ بروقت منظوری درخواست کی مدرسہ دہلی سے رخصت حاصل کر کے کلکتہ کو روانہ ہوں گا۔ اب جو صاحب بہادر نے بیچ مقدمہ تقرر احقر کے اس عہدہ پر ڈاکٹر مواٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سفارش کی اور واسطے بھیجنے درخواست کے احقر کو لکھا تو احقر نے واسطے حصول رخصت کے معرفت ٹیلر صاحب بہادر قائم مقام پرنسپل مدرسہ دہلی میں گذرانی، صاحبان کمیٹی نے اوس درخواست کو نامنظور کیا۔

اور احقر کو باعث حاصل کرنے رخصت کا مدرسہ دہلی سے یہ ہے کہ آدمی کو حال آئندہ کا معلوم نہیں۔ اگر بعد میں پہونچنے کلکتہ کے آب و ہوا اوس شہر کی میرے مزاج سے مخالف ہو اور کوئی سبب باعث پڑے کہ مجھے ترک روزگار کا منظور ہو تو اس صورت میں، مَیں بالکل روزگار سے محروم نہ ہو جاؤں۔ اس لیے آپ کی عنایت اور مہربانی سے کہ اوپر سب لکھنے پڑھنے والوں کے مبذول رہتی ہے، امیدوار ہوں کہ آپ میری سفارش گورنمنٹ سے کر کر اجازت اس امر کی حاصل کروا دیں کہ مجھے بعد پہنچنے کلکتہ میں ایک برس تک اختیار رہے، اگر کسی سبب سے چاہوں، پھر اپنے عہدہ پر آؤں۔ واجب تھا عرض کیا۔ الٰہی گلشن اقبال کا سرسبز رہے۔

مملوک العلی

مدرس اول

پنجم ستمبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ یہ خط اصل میں وہ درخواست ہے، جو مولانا نے ایک سال کی رخصت حاصل کرنے کے لیے تھارنٹن کو ارسال کی تھی۔ سابقہ خط میں اشپرینگر نے انھیں بذریعہ ٹیلر یہ پیغام پہنچایا تھا کہ وہ مدرسہ کی کمیٹی کے فیصلے سے مایوس نہ ہوں اور ایک درخواست تھارنٹن کو بھیج دیں۔ وہ بھی اس سے سفارش کریں گے اور شاید ان کا یہ کام بن جائے۔ چنانچہ مولانا نے وعدہ کیا کہ ''آج ہی عرضی لکھ کر واسطے جلدی کے معرفت

Marfat.com

ٹیلر صاحب بہادر کے روانہ کی ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ گذشتہ خط اور اس درخواست کا سنہ تحریر ایک ہی ہے۔

۲۔ مولانا مدرسۂ عالیہ کے جس عہدہ کے خواہش مند تھے، وہ امین کا عہدہ تھا۔ اسلامی اداروں کی تاریخ میں ''امین'' کی اصطلاح قابل اعتماد عہدیداروں کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہے اور ایسے عہدیداروں کو مالیاتی اور انتظامی نوعیت کے فرائض سونپے جاتے تھے۔ مدرسۂ عالیہ میں بھی امین کا عہدہ نظم ونسق کے لیے مخصوص تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا اس ادارے کے جس عہدہ کے متمنی تھے، وہ تدریسی نہیں بلکہ انتظامی نوعیت کا تھا۔ علاوہ ازیں اشپرینگر نے انہیں اس عہدہ کی پیش کش نہیں کی تھی، بلکہ انہوں نے خود اس عہدہ کا انتخاب کیا تھا۔ ان دنوں مولوی احمد کبیر کے انتقال کی وجہ سے یہ عہدہ خالی ہوا تھا۔ مولانا کی دہلی میں اشپرینگر سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس خالی جگہ کے لیے اپنا نام پیش کر دیا۔ اشپرینگر نے مواٹ کو مولانا کے تقرر کی سفارش کر دی اور ساتھ ہی مولانا کو لکھا کہ وہ جلد اپنی درخواست بھیج دیں۔ مولانا چاہتے تھے کہ وہ مستقل طور پر دہلی کالج کو نہ چھوڑیں، بلکہ انھیں ایک سال کی رخصت مل جائے اور اس عرصے میں اگر وہ کلکتہ سے واپس دہلی آنا چاہیں، تو ان پر کوئی پابندی نہ ہو۔ ایک سال کی رخصت کی یہ درخواست دہلی کالج کی کمیٹی نے نامنظور کر دی۔ اس نامنظوری کے بعد مولانا نے بعض ملنے والے بااختیار افراد سے رجوع کیا، تاکہ کمیٹی کے اراکین اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں، لیکن غالباً وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۹

''غریب پرور سلامت (۱)

الطاف نامہ حضور کا پہنچا۔ سربلند کیا۔ بموجب حکم کے تین نسخہ ''موطا شریف'' کے بنام قائم مقام ڈاکٹر مواٹ صاحب کے بدستخط پرنسپل بہادر کے، جو بلحاظ تحریر حضور کے انہوں نے کر دیئے، کل کی تاریخ میں روانہ کئے۔ یہ عرضی اس نظر سے کہ حضور ادا ہی سے ارشاد کر کے دو نسخہ واسطے مدرسہ کے خرید کریں اور ایک نسخہ بطور ہدیہ کے اپنی خدمت میں رکھیں، پہلے سے لکھ بھیجی۔

مولوی سدیدالدین خاں (۳) قریب الہ آباد کے پہنچے۔ خط اون کا آیا تھا۔ بسبب مخالفت ہوا کے بجرہ سواری کا کم کم چلتا ہے۔ احقر امیدوار ہے کہ گاہ بہ گاہ تلطف نامہ سے مع کاروبار لائق اپنے کے سربلند اور سرفراز ہوتا رہے۔ واجب تھا عرض کیا۔

Marfat.com

قیمت فی نسخہ پانچ روپے مقرر ہیں۔ واسطے اطلاع کے عرض کیا۔ فقط

مملوک العلی عفی عنہ

مدرس اول مدرسہ دہلی

۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء"

تشریحات:

۱۔ مولانا کا اشپرینگر کے نام یہ آخری خط ہے اور یہ انہوں نے اپنی وفات (۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) سے تقریباً سات ماہ قبل لکھا۔ اس خط میں اس مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا گیا، جو سابقہ پانچ خطوط کا موضوع بنا رہا، یعنی مدرسہ عالیہ میں تقرری اور ایک سال کی رخصت کی پیشگی منظوری۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اس رخصت کی شرط کو منوانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں اشپرینگر کی کوششیں بھی بار آور ثابت نہ ہو سکیں۔ پھر اسی سال یعنی ۱۸۵۱ء میں مدرسہ عالیہ کے طلبہ نے اس کے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا اور وہ اس پر قابو پانے میں مصروف ہو گیا۔ تیسری وجہ یہ تھی کہ مولانا کے احباب نہیں چاہتے تھے کہ وہ کلکتہ جائیں۔ چنانچہ ان کا ایک شاگرد علی اکبر اپنے مکتوب (مورخہ ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء) میں لکھتا ہے:

"۔۔۔ اس سبب سے اون کا [یعنی مملوک العلی کا] عزم کلکتہ کا زیادہ سست ہو گیا۔ گفتگو ان درخواستوں کی صرف نیلر صاحب سے کی تھی۔ انہوں نے خلاف سررشتہ تصور فرما کر منظور نہ کی۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سید محمد کی بھی رائے یہ تھی کہ مولوی صاحب کلکتہ نہ جائیں اور بہت منع کرتے تھے۔ مفتی صدر الدین نے بھی بہت منع کیا، بلکہ یہ سنا ہے کہ باعث اون کے نہ جانے کے وہی تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ مفتی صاحب کا یہ قول تھا کہ تم کلکتہ گئے اور مرے اور جہنم میں گئے یعنی وہاں سے لوگ متنفر ہیں اور جو وہاں جاتا ہے نصاری ہو جاتا ہے۔"

۲۔ اشپرینگر کی اپنی فہرست (۱۸۵۷ء) میں اس کا سنہ طباعت ۱۲۶۶ھ (مطبوعہ دہلی صفحات ۳۹۲) لکھا ہے (ص ۳۳، شمارہ ۲۹۰)۔ میں آگے اپنے ایک خط (بابت ۲۳ فروری ۱۸۵۱ء) میں اشپرینگر نے لکھا ہے کہ:

"مولوی مملوک العلی صاحب نے ایک نسخہ "موطا" کا ہدیۃً تحفۃً سوسائٹی ۔۔۔ کو بھیجا ہے۔" "جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال" کے ۔۔۔ "پروسیڈنگز" میں مرقوم ہے کہ "موطا" مولوی محمد ظہیر نے شائع کیا، مولوی صاحب ان کے ۔۔۔ میں تھے (ج ۲۰، شمارہ ۳، بابت ۱۸۵۱ء، ص ۲۱۲)۔

Marfat.com

۴۔ یہ مولانا کے استاد مولوی رشید الدین خاں دہلوی کے فرزند ارجمند تھے۔ آئندہ سطور میں ان کے حالات، اشپرینگر کے نام خطوط کے ساتھ درج کئے جائیں گے۔ مولانا نے اپنے ایک سابقہ خط (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) میں اشپرینگر کو اطلاع دی تھی کہ ان کی کتابوں کے جو صندوق دہلی میں پڑے ہوئے ہیں، الہ آباد تک یا جہاں تک ممکن ہو سکا، بھجوادیں گے۔ شاید مولانا نے یہ صندوق مولوی سدید الدین کے سپرد کر دیئے۔ مولوی سدید الدین چند سال تک مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں بھی پڑھاتے رہے اور ان کا تقرر بھی اشپرینگر ہی کی وجہ سے ہوا۔ ممکن ہے، وہ اپنی نئی ملازمت پر کلکتہ جا رہے ہوں اور موسم کی خرابی کے باعث الہ آباد میں رک گئے ہوں۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولانا محمد احسن نانوتوی

اہلِ نانوتہ میں سے مولانا مملوک العلی پہلے شخص تھے جو اکتساب علم کے لیے اپنے آبائی شہر سے دہلی منتقل ہوئے۔ وہاں وہ ان علماء کی صحبت میں رہے جو خانوادۂ شاہ ولی اللہ دہلوی کی علمی روایتوں کے امین تھے۔ مملوک العلی ان مجالسِ علمیہ سے نکلے تو دہلی کالج آ گئے اور چند ہی برسوں میں ہر سُو ان کے علم وفضل کے چرچے ہونے لگے۔ نانوتہ والوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو ہر نوجوان ابتدائی تعلیم کے بعد اس اعتماد کے ساتھ دہلی کا رخ کرنے لگا کہ وہاں مولانا مملوک العلی موجود ہیں اور وہ اس کی ہر طرح کی ضرورت کا خیال رکھیں گے۔ مولانا مملوک العلی خود بھی ایسے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کے اعزّہ واقربا علوم متداولہ کی تحصیل میں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ وہ ان نوواردوں کی ہر طرح سے اعانت کرتے اور ان کی معاشی اور تعلیمی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ انہی افراد میں ایک مولانا محمد احسن نانوتوی بھی تھے، جو ان کے چچازاد بھائی حافظ لطف علی کے بیٹے تھے۔ اپنے دیگر ہم وطنوں کی طرح مولانا محمد احسن نے بھی بعد میں بڑا نام کمایا اور شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور علمی روایات کی ترویج میں انہوں نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ یہاں مولانا محمد احسن کی زندگی کا جو حصہ زیرِ بحث ہے وہ جوانی کا ہے۔ تعلیم وتدریس کا پیشہ اختیار کیے انھیں ابھی چند ہی سال گذرے تھے۔ ان کی تصنیفات کا آغاز ہو چکا تھا، لیکن ابھی ان کا ایک ہی رسالہ چھپ کر سامنے آیا تھا۔ اس مجموعۂ مکاتیب میں ان کے لکھے ہوئے تین خطوط ہیں (ایک فارسی اور دو اردو میں)۔ اس سے پیشتر کہ ان خطوں کے متن اور ان کے پس منظر کا ذکر کیا جائے، مولانا محمد احسن کے حالات کو اختصار کے ساتھ حسبِ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ (۱)

۱۔ محمد احسن نانوتوی کے یہ مختصر سوانحی کوائف محمد ایوب قادری کی کتاب ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' (مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۶ء) سے اخذ شدہ ہیں۔ قادری مرحوم نے مولوی رحمان علی کے ''تذکرہ علمائے ہند'' (ترجمہ وترتیب، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۱۲۰) کے حواشی میں محمد احسن کی زندگی پر جو لکھا ہے، اس سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں عبدالحئی کی ''نزہۃ الخواطر'' (حیدرآباد دکن، جلد ۸، ۱۹۷۰ء، ص ۴۰۶ - ۴۰۷) اور ''مشاہیر علماء دیوبند، (جاری)

Marfat.com

مولانا محمد احسن نانوتہ میں پیدا ہوئے، سال ولادت تخمیناً ۱۲۴۱ھ/ ۱۸۲۵ء-۱۸۲۶ء ہے[1]۔ ان کے والد شیخ لطف علی نانوتوی، مملوک العلی کے چچا شیخ محمد حسن کے فرزند اور مولانا محمد مظہر نانوتوی کے برادر خورد تھے۔ ابتدائی تعلیم نانوتہ ہی میں حاصل کی اور پھر دہلی چلے گئے۔ یہ نقل مکانی کب ہوئی اور مولانا دہلی میں کیا کرتے رہے، اس کے متعلق ان کے سوانح نگاروں نے مصدقہ معلومات فراہم نہیں کیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ دہلی میں مولانا مملوک العلی ہی کے ہاں ٹھہرے ہوں گے، اور انھی کی شاگردی اختیار کی ہوئی، لیکن کیا وہ باقاعدہ طور پر دہلی کالج میں داخل ہوئے یا وہ مولانا مملوک العلی سے گھر پر ہی پڑھ لیا کرتے تھے، ان باتوں کا کوئی ٹھوس دستاویزی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ جناب ایوب قادری کا یہی خیال ہے کہ مولانا محمد احسن دہلی کالج میں مملوک العلی کے شاگرد تھے، بلکہ انھوں نے مملوک العلی کے علاوہ اسی کالج کے دو اور استادوں مولوی سبحان بخش شکار پوری اور مولوی احمد علی سے بھی کسب علم کیا۔ اس ضمن میں محمد احسن نانوتوی کی ایک قلمی بیاض کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے، جس میں انھوں نے دہلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر سے اپنے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ اس بیاض میں ان کی بعض انگریزی تحریریں بھی موجود ہیں اور ان کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے دہلی کالج میں انگریزی زبان پڑھی تھی[2]۔ بحوالہ گارسیں دتاسی یہ بھی لکھا گیا ہے کہ مولانا محمد احسن نے نیچرل فلاسفی پر ایک مضمون تحریر کیا تھا، اور دہلی کالج کے پرنسپل جناب ٹیلر نے اسے اپنی نگرانی میں دو مرتبہ چھپوایا تھا[3]۔ گارسیں دتاسی نے محمد احسن کا صرف نام ہی لکھ دیا ہے، ان کے مختصر حالات حتیٰ کہ ان کے شہر تک کا ذکر نہیں کیا۔ اس نے صرف نام کے ساتھ محمد احسن کی پانچ کتابوں کے عنوانات لکھ دیئے ہیں۔ پہلی تالیف نیچرل فلاسفی پر ہے، لیکن گارسیں دتاسی نے اصل عنوان کی بجائے اس کا فرانسیسی ترجمہ دیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس موضوع پر انگریزی کی کسی مبادیاتی کتاب کا اردو ترجمہ ہے اور یہ مضمون نہیں۔ جیسا کہ ایوب قادری مرحوم کے متذکرہ بالا اقتباس میں لکھا گیا ہے، بلکہ ۱۳۰ صفحات کا کتابچہ ہے۔ یہ کتابچہ دہلی کالج کے پرنسپل ایف۔ ٹیلر کو اس قدر پسند آیا کہ اس نے اپنی نگرانی میں اسے دوبارہ شائع کرایا۔ گارسیں دتاسی نے ان معلومات کا ماخذ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی رپورٹس بتایا ہے۔ جب سے اس سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا، دہلی کالج کا پرنسپل ہی اس کا سیکرٹری ہوتا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولانا محمد احسن کا کتابچہ بعنوان ''نیچرل فلاسفی'' جب طبع ہوا، اس وقت

(تالیف حافظ قاری فیوض الرحمن، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۴۳۱-۴۳۲) کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ نیز رک:
راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی نانوتوی، مذکورہ بالا ص ۴۸۱-۴۹۲۔

۱۔ محمد ایوب قادری: مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۲۲

۲۔ ایضاً، ص ۲۵

۳۔ ایضاً۔

Marfat.com

دہلی کالج کا پرنسپل ایف۔ ٹیلر تھا۔ اس کالج سے ٹیلر کا تعلق خاصا پرانا تھا۔ پہلے وہ اس کالج کا سربراہ رہا اور ۱۸۲۹ء سے ۱۸۴۱ء تک بہ حیثیت ہیڈ ماسٹر کام کرتا رہا۔ ۱۸۴۱ء میں اس کو ہٹا کر نئے عہدۂ پرنسپلی پر ڈاکٹر بوتر و کو مقرر کر دیا گیا۔ بوجۂ علالت وہ رخصت لے کر فرانس چلا گیا اور اس کی جگہ ۱۸۴۵ء میں ڈاکٹر اشپرینگر کو پرنسپل مقرر کیا گیا۔ فروری ۱۸۴۸ء کو اسے شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے لیے لکھنؤ بھیج دیا گیا اور ٹیلر کو قائمقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ گارسیں دتاسی نے مولانا محمد احسن کے جس کتابچے کا ذکر کیا ہے[1]، وہ ٹیلر کے قائمقام پرنسپل بننے یعنی فروری ۱۸۴۸ء کے بعد دوبارہ چھپا ہوگا۔ ٹیلر کے اس کالج میں پہلے دور (۱۸۲۵ء-۱۸۴۱ء) میں یہ کتابچہ اس لیے نہیں چھپا ہوگا کہ اس وقت سوسائٹی ہی معرضِ وجود میں نہیں آئی تھی۔ اسے تو ڈاکٹر بوترو نے ۱۸۴۳ء میں تشکیل دیا۔ محمد احسن نانوتوی کے اس کتابچے کا سوسائٹی کی جانب سے شائع ہونا اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ دہلی کالج کے طالب علم تھے کیونکہ اس سوسائٹی نے متعدد ایسے تراجم بھی شائع کیے، جو ان افراد سے کرائے گئے، جن کا دہلی کالج سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ مزید برآں دہلی کالج کے معلومہ ریکارڈ میں محمد احسن نام کے کسی طالب علم کا پتا نہیں چلتا۔ مولانا مملوک العلی کے ذکر کے تحت ایک ایسے رجسٹر کا ذکر کیا گیا ہے، جس میں عربی، فارسی، شاستری اور انگریزی کے ان تمام طلبائے مدرسہ کے کوائف درج کیے گئے ہیں جو ۱۸۴۷ء میں وہاں زیر تعلیم تھے۔ ہر استاد کے نام کے تحت اس کے تمام تلامذہ کے نام بھی اسی رجسٹر میں دیئے گئے ہیں۔ حیرت ہے کہ اس رجسٹر میں محمد احسن نام کا کوئی طالب علم نہیں۔ ممکن ہے، وہ اس سال یعنی ۱۸۴۷ء سے پہلے ہی مدرسہ سے فارغ ہو چکے ہوں اور بوترو یا اشپرینگر کے دورِ پرنسپلی میں انھوں نے نیچرل فلاسفی کے کتابچے کا اردو ترجمہ کیا ہو، جو ٹیلر کو اتنا پسند آیا کہ اس نے قائمقام پرنسپل بننے کے بعد اسے دوبارہ شائع کرایا، لیکن یہ تمام باتیں قیاسات پر مبنی ہیں۔ جنرل رپورٹ برائے تعلیم عامہ (بابت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۳ء) کے مطابق محمد مظہر جماعت اول سُنّی (عربی) میں ۳۰ روپے ماہوار وظیفہ پانے والے اسکالرز میں تھا (بذیل ۲۸ جنوری ۱۸۴۳ء۔ مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۴۴ء)

محمد احسن نانوتوی نے ملازمت کا آغاز مدرسہ بنارس سے کیا۔ یہاں ان کا تقرر مدرس اول ...

۱۔ تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (بزبان فرانسیسی) طبع دوم، پیرس، جلد اول، ص ۱۹، بحوالہ ...
محمد احسن نانوتوی کے بڑے بھائی مولانا محمد مظہر نانوتوی روڑکی سے ایک خط (بابت ۷ اپریل ۱۸۵۰ء) میں اشپرینگر کو لکھتے ہیں، جس میں وہ رقمطراز ہیں:
''اگر کوئی اور عہدہ مدرسی کا وہاں خالی ہو یا اردو ترجمہ نیچرل فلاسفی وغیرہ کا وہاں پڑھایا جائے تو بھی حضور ہم لوگوں کو یاد رکھے گا۔''

Marfat.com

حیثیت سے ہوا۔ مولانا محمد مظہر ۱۸۴۷ء میں حج کے لیے جانے لگے تو محمد احسن کو اپنی جگہ مقرر کرا دیا۔ مولانا ایک سال کی رخصت پر گئے تھے، لیکن ایک سال زیادہ گذر گیا، چنانچہ محمد احسن کو اسی عارضی اسامی پر مستقل کر دیا گیا۔ وہ ۱۸۵۲ء تک بنارس کے اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے اور اس سال کے آخر میں ممکن ہے وہ بریلی چلے گئے اور وہاں پہلے فارسی کے مدرس، بعد میں شعبۂ عربی کے بھی سربراہ مقرر ہوئے۔ ۱۵ دسمبر ۱۸۶۶ء کو سفر حج پر روانہ ہوئے اور ۱۳ مئی ۱۸۶۷ء کو واپس بریلی پہنچے۔ بریلی ہی میں مطبع صدیقی قائم کیا (قبل ۱۸۶۲ء) جس کا مقصد تجارت کتب نہ تھا بلکہ دراصل یہ ''ولی اللہ اکیڈمی'' تھی۔ اس مطبع سے ولی اللہی حکمت و فلسفہ کی خوب نشر و اشاعت ہوئی[1]۔ یہ مطبع کم و بیش سولہ سال تک چلتا رہا اور یہاں سے مختلف اسلامی علوم پر کتابیں شائع ہوتی رہیں۔ اسی مطبع کی شاخ دہلی کا مطبع مجتبائی تھا، جس کے مہتمم مولوی عبدالاحد تھے۔ مولانا محمد احسن نے بریلی ہی میں ''مصباح العلوم'' کے نام سے ایک الگ مدرسہ بھی قائم کیا، جو اب تک موجود ہے۔

۱۸۷۷ء میں بریلی کالج بند کر دیا گیا اور مولانا محمد احسن اس شہر کو خیر باد کہہ کر اپنے آبائی شہر نانوتہ چلے آئے۔ یہاں ان کا زیادہ تر وقت مطبع مجتبائی کی مطبوعات کی درستی اور اپنی کتابوں کی تصنیف و تالیف میں گذرتا تھا۔ نانوتہ میں انھوں نے احسن المدارس کے نام سے ایک درسگاہ کی بنیاد رکھی۔ انھوں نے بقیہ عمر یہیں گذاری اور بالآخر رمضان ۱۳۱۲ھ/ مارچ ۱۸۹۵ء میں دیوبند میں انتقال کر گئے۔

محمد احسن نانوتوی کی تصانیف اور تراجم کی تعداد انتیس کے لگ بھگ ہے[2]۔ ان میں نمایاں شاہ ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ''، ''ازالۃ الخفاء''، ''قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین'' اور ''عقد الجید فی الاجتہاد والتقلید'' کی تصحیح و ترتیب اور مفید حواشی ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے امام غزالی کی مشہور زمانہ کتاب ''احیاء العلوم'' کا اردو ترجمہ بعنوان ''مذاق العارفین'' (چار ضخیم جلد) بھی کیا تھا۔ ابن قیم کی ''اغثۃ اللھفان'' کا ترجمہ و خلاصہ بعنوان ''تہذیب الایمان'' اور ''درمختار'' کا بقیہ ترجمہ (باب ''کتاب الاذان'' کے بعد) بھی ان سے یادگار ہیں۔

اس مجموعۂ مکتوبات میں تین خط مولانا محمد احسن نے اشپرینگر کو قلم بند کیے۔ ان میں پہلا خط (بزبان فارسی) ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۹ء کا تحریر کردہ ہے۔ دوسرا خط دو جولائی ۱۸۵۲ء بروز جمعہ اور تیسرا خط تقریباً ایک ماہ بعد یعنی ۱ ؍ ست بروز یک شنبہ کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط کے آخر میں مکتوب نگار نے سنہ نہیں دیا، لیکن خط کی اندرونی

۱۔ محمد ایوب قادری، مذکورہ بالا، ص ۱۶۹۔ نیز رک: راشد کاندھلوی کی مولانا مملوک العلی نانوتوی پر متذکرہ بالا کتاب، ص ۴۸۱-۴۹۲۔

۲۔ ایضاً ص ۱۳۰-۱۵۲۔

Marfat.com

شہادتوں سے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ خط بھی ۱۸۵۲ء ہی میں لکھا گیا۔ یہ زمانہ وہ تھا، جب مولانا محمد احسن مدرسۂ بنارس میں مدرس اول کے عہدہ پر فائز تھے، لیکن وہ وہاں مطمئن نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ کہیں اور کوئی ڈھب کی ملازمت مل جائے، تو وہاں چلے جائیں۔ اس شہر میں وہ اکثر بیمار رہتے تھے اور طبیعت کی اس ناسازی کے باعث بھی تبدیلی آب و ہوا کے خواہاں تھے۔ انہی دنوں مولوی علی اکبر سونی پتی عالم جوانی میں انتقال کر گیا۔ وہ آگرہ کے مدرسہ میں ملازم تھا۔ مولوی علی اکبر اشپرینگر کے قریبی رفقائے کار میں سے تھا اور اسی کی تگ و دو سے اسے اس مدرسہ میں نوکری ملی تھی[۱]۔ اسے یہاں آئے ہوئے ابھی چند سال ہی گذرے تھے کہ مسلسل بیماری کی وجہ سے اس کا انتقال ہوگیا اور مدرسہ آگرہ میں ایک مدرس کی جگہ خالی ہوگئی۔ اس خالی جگہ کے بہت سے امیدوار تھے اور انھی میں ایک مولانا محمد احسن بھی تھے۔

ڈاکٹر اشپرینگر سے مولانا محمد احسن کے تعلقات کا اصل سبب تو مولانا مملوک العلی کی ذات تھی۔ نانوتہ سے چل کر جو بھی حصول علم کے لیے دہلی آتا تھا، وہ مولانا مملوک العلی ہی کے ہاں ٹھہرتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں نانوتہ کے بہت سے طالبان علم ان کے ہاں جمع ہوگئے اور وہ ان کی ہر طرح سے اعانت کرتے تھے۔ انھیں اپنے گھر پڑھاتے تھے۔ دہلی کالج میں بھی انھیں داخلہ دلواتے تھے۔ مولانا مملوک العلی اور ڈاکٹر اشپرینگر کے انتہائی دوستانہ مراسم تھے اور اسی وجہ سے مولانا کے ہموطن تلامذہ اشپرینگر سے متعارف ہوتے تھے، اور جب بھی انھیں کوئی کام پڑتا تھا، وہ اشپرینگر ہی سے رجوع کرتے تھے۔ ان دنوں شمالی ہند کی ان تعلیمی درسگاہوں میں اشپرینگر کا خاصا اثر و رسوخ تھا اور مدرسین کے تقرر میں اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی تھی۔ اکثر اصحاب نانوتہ اور بعض دوسرے نوجوان طلبہ کو جنھوں نے بعد میں بڑا نام کمایا، ملازمت دلوانے میں اشپرینگر کی ذاتی کوششوں کا بڑا عمل دخل ہے۔ مولانا محمد احسن کو بھی اشپرینگر کی سفارش سے ملازمت ملی۔ ممکن ہے، مولانا مملوک العلی نے بھی اشپرینگر کو کہا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مولانا محمد احسن اس وقت دہلی کالج کے ذہین طلبہ میں سے ہوں، جب اشپرینگر اس کا پرنسپل تھا، لیکن اس کے علاوہ اشپرینگر اور مولانا محمد احسن کے تعلقات کی ایک اور وجہ بھی ہوسکتی ہے اور وہ یہ کہ مولانا نے کتابوں کی تجارت بھی شروع کر رکھی تھی۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے مطبع احمدی کی مطبوعات فروخت کرتے تھے[۲]۔ قدیم کتب اور خطی نسخے بھی ان کی تجارتِ کتب میں شامل تھے۔ اشپرینگر کو نادر کتب اور قلمی نسخے جمع کرنے کا شوق تھا۔ ہوسکتا ہے کتابوں کا یہ کاروبار ان دونوں کی قریبی دوستی کا سبب بنا ہو۔

۱۔ مولوی علی اکبر سونی پتی کے مفصل حالات مع مکتوبات کے لئے دیکھئے آئندہ سطور۔

۲۔ ایوب قادری، مذکورہ بالا، ص ۳۴۔

Marfat.com

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا ہے کہ مولانا محمد احسن نے اشپرینگر کے نام جو تین خطوط لکھے ہیں، ان کا سنۂ تحریر ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۲ء ہے ان تینوں مکتوبات کے آخر میں مولانا نے اپنے نام کے ساتھ "مدرس اول مدرسہ بنارس" کے الفاظ لکھے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کم از کم ۱۸۵۲ء تک اسی مدرسہ بنارس میں ملازم تھے، لیکن مولانا کے معتبر سوانح نگار محمد ایوب قادری مرحوم لکھتے ہیں کہ "جمادی الاول ۱۲۶۷ھ بہ مطابق مارچ ۱۸۵۱ء میں مولانا محمد احسن کا تعلق بنارس سے یقیناً ختم ہو چکا تھا کیونکہ یہی زمانہ بریلی آنے کا ہے۔"(۱) ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "بنارس سے جمادی الاول ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں تبدیل ہو کر بریلی پہنچے۔"(۲) معلوم نہیں، قادری مرحوم کے ان بیانات کا ماخذ کیا ہے، لیکن ان خطوط سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ مولانا اگست ۱۸۵۲ء تک مدرسہ بنارس ہی میں پڑھاتے رہے۔ اس مدرسہ میں ان کا تقرر ۱۸۴۷ء میں ہوا(۳)۔ اپنے قیام بنارس ہی کے زمانے میں انھوں نے جو کتاب بعنوان "تحفۃ المحصنین" (مطبوعہ ۱۸۴۹ء) لکھی، اس کی ابتدائی عبارت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے دو سال قبل یعنی ۱۸۴۷ء میں بنارس آئے تھے۔

اب سطور ذیل میں ان تین خطوط کا متن شائع کیا جا رہا ہے، جو مولانا محمد احسن نے ڈاکٹر اشپرینگر کو تحریر کیے تھے۔

ا

"غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر دام اقبالہم

دریںولا خطی از نزد مولوی محمد مظہر صاحب (۱) رسیدہ و در آن عرضی متضمن درخواست عہدۂ امینی مدرسۂ کلکتہ کہ بباعث رحلت گزینی مولوی حافظ احمد کبیر صاحب امین کالج ولیم فورٹ خالی است فرستادہ اند و ارقام فرمودہ اند کہ این عرضی را نزد جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر ابلاغ دارند تا کہ جناب ممدوح عرضی ہذا را معہ چٹھی خود کہ در آن حسن لیاقت و سرانجام کار احقر ارقام فرمودہ باشند، روانہ کلکتہ فرمایند، لہٰذا عرضی مسطور را

۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۳۹۔

۲۔ ایضاً، ص ۴۳۔

۳۔ ان کے بڑے بھائی مولانا محمد مظہر اپنی ایک فارسی درخواست (رک: بذیل مکاتیب مظہر) کے شروع میں لکھتے ہیں کہ وہ مدرسہ بنارس میں چار سال پڑھانے کے بعد اواخر ۱۸۴۷ء میں سفر حج پر روانہ ہوئے اور اسی مدرسہ میں اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی کو دے دی۔

Marfat.com

روانہ خدمت والا کردم، امید کہ بہ کلکتہ روانہ فرمودہ شود و در چھٹی کہ مزین بدستخط خاص خواہد بود الفاظ خوشنودی خود بدولت از مولوی محمد مظہر و حسن لیاقت و کثرت استعداد ایشان برائے عہدہ مذکورہ مندرج خواہند فرمود و نمیدانم کہ این درخواست پیش کدام صاحب خواہد رفت، الاعقلیہ عرض میکنم کہ این را پیش پرنسپل کالج ولیم فورٹ ابلاغ فرمایند و توجہ در سعی روزگار مولوی صاحب برضرور است و مولوی صاحب ممدوح بباعث موسم برشگال تا حال از بمبئی روانہ نشدہ اند۔ اگر عقب روانگی خط ہذا روانہ شدہ باشند چہ عجب مدام از پروانجات عاقبت مزاج معلی سرفراز میفرمودہ باشند۔ واجب بود عرض نمود۔ آفتاب دولت تابان و گلشن اقبال شگفتہ و ریان باد (۲)

عرضی

محمد احسن

مدرس اول، مدرسہ بنارس

۱۵ اکتوبر ۱۸۴۹ء

روز دوشنبہ''

تشریحات:

۱۔ رک: بذیل مکاتیب مولوی محمد مظہر نانوتوی (سطور سابق) بزبان فارسی مع تشریحات

۲۔ حافظ احمد کبیر کی رحلت پر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا جو عہدۂ امینی خالی ہوا، اس کے امیدوار بہت تھے (رک: بذیل مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا سدید الدین خاں، علی اکبر اور برکت علی)۔ اس عہدہ کے امیدواروں میں سدید الدین خاں کامیاب ہوئے اور انھیں اس عہدے پر تعینات کر دیا گیا۔

۲

''غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر دام اقبالہم

تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال افسوس ہوا (۱)۔ چونکہ اون کا عہدہ خالی ہوا، اس واسطے اس احقر نے درخواست اوس کی آگرہ میں بھیجی ہے، لیکن بے توجہ حضور پر نور سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور ہم لوگوں کو اور کوئی ذریعہ ظاہری بھی نہیں۔ اسی واسطے امیدوار ہوں کہ جتنا جلد ہو سکے، احقر کے واسطے یا مولوی محمد مظہر (۲) صاحب کے واسطے سعی فرمائیں تا اپنی مراد کو پہونچ کر حضور کے شکر میں رطب اللسان رہیں۔ اس امر میں عنایت اور شفقت ضرور ہے۔ فقط۔ آفتاب

Marfat.com

دولت تاباں رہے۔

عرضی

محمد احسن مدرس اول مدرسہ بنارس

۲ جولائی ۱۸۵۲ء بروز جمعہ''

تشریحات:

۱۔ مولوی علی اکبر دہلی کالج کا ایک ذہین طالب علم تھا۔ ڈاکٹر اشپرینگر سے اس کے قریبی تعلقات استوار تھے۔ وہ ڈاکٹر موصوف کے لیے جگہ جگہ سے کتابیں جمع کرتا رہتا تھا۔ اس نے شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی میں اشپرینگر کی بڑی مدد کی تھی۔ اس کے صلے میں اسے مدرسہ آگرہ میں نوکری مل گئی، لیکن وہ عالمِ جوانی میں ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو دہلی میں انتقال کر گیا۔ اس کے تفصیلی حالات مع خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

۲۔ یہ مولانا محمد احسن نانوتوی کے بڑے بھائی تھے۔ تفصیلی سوانح حیات (مع مکتوبات) آئندہ پیش کیے جائیں گے۔ مولوی علی اکبر کی وفات سے آگرہ کالج میں جو جگہ خالی ہوئی تھی، اس کے لیے مولانا محمد احسن خود امیدوار تھے اور اس سلسلے میں وہ ڈاکٹر اشپرینگر کی سفارش کے طالب تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اگر وہ منتخب نہ ہوسکیں، تو پھر ان کے بڑے بھائی محمد مظہر کو یہ ملازمت مل جائے۔

۳

''غریب پرور معدلت گستر جناب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر دام اقبالہم

جناب مڈلٹن صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ آگرہ کی چٹھی سے، جو اجمیر میں گئی تھی، معلوم ہوا کہ بموجب حکم لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کے سب درخواستیں، جو عہدہ آگرہ کے واسطے گذری تھیں، حضور والا کی خدمت میں روانہ ہوئی ہیں (۱)۔ پس اگر اون درخواستوں میں درخواست مولوی ذوالفقار علی مدرس مدرسہ بریلی کی بھی ہو تو میں کچھ عرض نہیں کرتا کیونکہ حضور والا نے سابق اون کو چٹھی مرحمت فرمائی ہے (۲)، لیکن اگر اون کی درخواست نہ ہووے تو امیدوار ہوں کہ اس فدوی خاص کی درخواست منظور فرما کر عہدہ آگرہ پر مقرر فرما دیں۔

اور احقر اس شہر میں اکثر بیمار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح اضلاع مغربی میں ناخن بندی ہو جاوے۔ اگر حضور کی توجہ سے یہ مراد بر آوے تو بقیہ عمر وطن کے قریب پہونچ کر دعاء دولت ابد پیوند ؔ

Marfat.com

مصروف رہوں۔

اور چند اشعار عربی کے جو اس وقت بلا تکلف قلم پر آئے تھے، خدمت فیض درجت میں بھیجتا ہوں (۳)۔ امید ہے کہ الطاف مربیانہ فرما کر قبول کیے جاویں اور دعا گو کو ممتاز و سرفراز فرماویں۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت تاباں رہے۔

عرضی

محمد احسن

مدرس اول مدرسہ بنارس

۸ اگست روز یکشنبہ''

تشریحات:

۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر کو پورا اختیار دے دیا گیا تھا کہ وہ درخواست دہندگان میں سے جس کو چاہے، آگرہ کالج میں بطور مدرس ملازم رکھ لے۔ مولانا محمد احسن بھی امیدواروں میں سے تھے، لیکن وہ اس عہدہ کے لیے منتخب نہ ہو سکے۔ بنارس میں وہ اکثر علیل رہتے تھے، دوسرے ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن (نانوتہ) سے قریب رہیں، اسی لیے وہ بنارس چھوڑ کر آگرہ آنا چاہتے تھے، لیکن کسی وجہ سے ان کی آگرہ میں تقرری نہ ہو سکی اور ان کے بجائے انہیں مدرسہ بریلی میں بھیج دیا گیا۔

۲۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والد مولانا ذوالفقار علی دیوبندی ان دنوں مدرسہ بریلی میں مدرس اول تھے۔ اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ وہ بھی آگرہ کالج میں آنے کے خواہش مند تھے اور اس سلسلے میں ان کے اور اشپرینگر کے درمیان خطوط کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔ مولانا ذوالفقار علی اور مولانا محمد احسن کے مابین گہرے مراسم تھے اور ان کی اس دوستی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مولانا ذوالفقار علی کے حق میں دستبردار ہونا چاہتے ہیں اور اگر وہ اس عہدہ کے امیدوار نہیں، تو پھر وہ اپنا نام پیش کرتے ہیں۔

۳۔ ذخیرۂ اشپرینگر کے ڈبہ نمبر ۵ میں جو کاغذات موجود ہیں، ان میں مولانا محمد احسن کے خود نوشتہ یہ عربی اشعار محفوظ ہیں۔ اشپرینگر کی تعریف و توصیف میں کہے گئے اس قصیدے کا عنوان یہ ہے:

''قال العبد الضعیف محمد احسن بمدح داکتر اے سپرنجر صاحب بہادر''

ان اشعار سے پہلی بار ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ مولانا محمد احسن عربی میں شعر گوئی کرتے تھے۔ ان سے چند فارسی اور اردو قطعات تاریخی تو دستیاب ہیں، لیکن ابھی تک ان کا کوئی عربی شعر دستیاب نہیں ہوا۔

Marfat.com

مولانا محمد احسن کے اس عربی قصیدے کے ۱۲۳ اشعار ہیں۔قصیدہ کا متن معہ اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

من للحزين بان يبلغ شوقه عنه الیٰ حبرٍ كريم صفات
(کون ہے جو غمزدہ شخص کی فریاد کریمانہ صفات کے مالک اور صاحب علم شخص تک پہنچادے)

اليلمعي اللوذعي الداكتر سبرنجر من قبله.....ياتي
(انتہائی ذہین اور فصیح و بلیغ ڈاکٹر اشپرینگر تک......)(کذا)

من الكيئب بأن يفوه مرامه بجنابه في احسن الأوقات
(کون ہے جو صاحب درد شخص کا مقصد اس کی خدمت میں مناسب وقت میں بیان کردے)

يا سائلا لا تضطرب فعطاءُ ه يغنيك عن كربٍ و عن علاّت
(اے سائل!مت پریشان ہو، کیونکہ اس کی عطا تجھے ہر تکلیف اور دکھ سے نجات دلادے گی)

للّه درّ كماله و فعاله أشفاك من جهل و من هفوات
(اللہ رے اس کے کمالات اور اس کی خوبیاں کہ جنہوں نے تجھے جہالت اور وسوسوں سے بچالیا ہے)

قرم'' لو انّ نعيمهٔ وردت على شجر لداء مجاهد الأصوات
(وہ سخی ہے اگر اس کے احسانات کسی درخت پر ہوں تو اونچی آوازوں والا جھوم اٹھے)

بحر الفضائل والمعارف والندی منجی الأنام من العضال النات
(وہ فضل ومعرفت اور سخاوت کا سمندر ہے لوگوں کو ان کی لاچاریوں اور مجبوریوں سے نجات دلانے والا ہے)

كنز الفخار و قرن رأس فحوله شمس السخاءِ و ذوالوهبات
(وہ فخر وعزت کا خزانہ ہے،عزت وشرف کے سر کا تاج ہے۔سخاوت کا سورج اور بہت ہدیے دینے والا ہے)

رقاه رب العالمين تفضلاً من كل علمٍ أبلغ الغايات
(رب العالمین نے اپنی مہربانی سے اسے علم کے بلندترین درجات پر فائز کیا ہے)

اهل المروّةِ والمكارم والعلى إنسان عين الجود عين حيات
(وہ صاحب مروت ہے اور خوبیوں اور بلندیوں کا مالک ہے، وہ سخاوت کی آنکھ کی پتلی ہے اور زندگی کی آنکھ ہے)

يزهو يباهي بالمفاخر والنهیٰ مثل الشموس بأكبر الصحوات
(اسے اپنی خوبیوں اور عقل مندی پر فخر ہے۔وہ صاف آسمان میں چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہے)

مات الكمال بموت سحبان و قد أحياه هذا الحبر بالنفحات

Marfat.com

(علم وفضل کا خاتمہ ہو چکا تھا، اس صاحب علم نے پھر سے اس میں زندگی کی روح پھونک دی ہے)

این البلیغ الاصمعی و من حذاہ　　　من سابقی القصبات فی الطرقات

(بلیغ وفصیح اصمعی اور اس جیسے دوسرے گذشتہ زمانوں کے ادبائے کبار ہیں)

وأبو عبیدة والحریری الذی　　　فاق الأنام بأبلغ اللفظات

(اور ابوعبیدہ کہاں ہے اور وہ حریری کہاں ہے، جو اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے دنیا پر سبقت لے گیا تھا)

والبحتری و دعبل و ابو نواسٍ　　　ذی خطی و بدائع الآیات

(اور بحتری اور دعبل کہاں ہیں اور وہ ابونواس کہاں ہے، جس کے ادب وفضیلت کی دنیا میں بڑے نشانات اور معجزات ہیں)

حتی یروا شان الفصاحة عنده　　　یحیَ القلوب بافصح الکلمات

(یہ سب کہاں ہیں، تاکہ وہ اس کی فصاحت کو دیکھ لیں جو کہ فصیح کلمات سے دلوں کو زندگی بخشتا ہے)

موج تفجر من أصابع مصطع　　　فطنٍ فصیحٍ محلی الظلمات

(فصاحت و بلاغت کی لہر اس کی انگلیوں سے پھوٹی پڑتی ہے، وہ نہایت ذہین وفطین، فصیح اور تاریکیوں کو روشن کرنے والا ہے)

مشکٌ لفرح کمشک اخلاقٍ علت　　　من أسوة الأمراء فی الحسنات

(اس کے اخلاق کی خوشبو پھیل رہی ہے جس طرح کہ اس شخص کے اخلاق کی خوشبو جلد پھیل جاتی ہے جو نیک لوگوں کے لئے نمونہ ہو)

یزری بفصحاء الزمان براعة"　　　لرشاقة الألفاظ و الفقرات

(اس کی مہارت کے آگے سب اہل فصاحت و بلاغت کمتر ہیں، کیونکہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ و فقرات انتہائی دلکش ہوتے ہیں)

یا مادحاً مهلاً فان مدیحه　　　کفحاره لا یبلغ الغایات

(اے تعریف کرنے والے رک جاؤ کیونکہ ممدوح کی خوبیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے)

قال المنی من کل شرفٍ دائماً　　　حباه رب العرش بالبرکات

(اس نے اچھی آرزو کو پالیا ہے۔ اسے عرش کے رب نے اپنی برکات سے نوازا ہے)

Marfat.com

یا من تشنف عن جمان کلامه　　آذان أعلام اولی الدرجات

(اے وہ شخصیت جس کی موتیوں جیسی گفتگو، بلند و بالا لوگوں کے کانوں میں رس گھول دیتی ہے)

عش ماجداً ما غردت قمریة　　فوق الغصون بافصح السجعات

(عزت کی زندگی بسر کرو جب تک کہ کوئی قمری ٹہنیوں کے اوپر اپنی پیاری آواز میں چہچہاتی رہے)

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولانا محمد مظہر نانوتوی

مشاہیر نانوتہ میں یہ آخری فرد ہیں، جن کے مکتوبات اشپرینگر کے نام زیرِ نظر مجموعۂ مراسلات میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ نانوتوی نامہ نویسوں میں مولانا مملوک العلی اور مولانا محمد احسن کے نام ملتے ہیں۔ انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں مسلمانوں کے دینی اور ملی احیاء اور انھیں نئے تقاضوں کے مطابق تعلیم کی نعمتوں سے بہرہ مند کرنے کے لیے اہلِ نانوتہ کی خدمات لائق صد تحسین ہیں۔ ان کی کوششوں کا اصل مقصد اجتماعی طور پر مسلمانوں کی فلاح اور بہتری تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی یہ مساعی خاندانِ ولی اللہ کی بلند پایہ علمی روایات کی ترویج اور استحکام کا باعث بنی۔ نانوتہ کی انھی مایۂ ناز ہستیوں میں ایک نام مولانا محمد مظہر نانوتوی کا ہے۔

مولانا محمد مظہر کے حالات زندگی اپنے کئی معاصرین کی طرح محتاجِ تفصیل ہیں۔ بعض محققین اور کتبِ رجال کے مؤلفین نے ان کی ذات کو موضوعِ بحث بنایا ہے، لیکن اس کے باوجود تفصیلی سوانح کی کمی جوں کی توں قائم رہتی ہے۔ ان مآخذ میں مولانا محمد مظہر کے جو حالات قلم بند کیے گئے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں[1]:

۱۔ ان مآخذ کی فہرست یہ ہے: علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ، بابت ۱۰ اکتوبر ۱۸۸۵ء، ص ۱۱۴۔ اخبار "شفاء الصدور" (عربی)، بابت اکتوبر ۱۸۸۵ء۔ مولانا عبدالحئی: نزہتہ الخواطر، جلد ۸، حیدرآباد دکن ۱۹۷۰ء، ص ۴۵۵ (اضافہ شدہ عبارتیں خطوط وحدانی میں لکھی گئی ہیں)۔ امداد صابری: فرنگیوں کا جال، دہلی ۱۹۴۹ء، ص ۱۸۹-۱۹۰۔ بذیل مظاہر العلوم سہارنپور (اس کتاب کی طبع ثانی (دہلی، ۱۹۷۹ء) سے یہ حصہ حذف کر دیا گیا ہے)۔ مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، بجنور ۱۹۵۸ء، ص ۱۶۳-۱۶۴ (مطبوعہ کراچی، ص ۱۸۱-۱۸۲)۔ محمد ایوب قادری: مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۱۵۴-۱۵۷۔ ایضاً: نانوتہ کے دو فرزند در: دار العلوم (ماہنامہ) دیوبند، دسمبر ۱۹۶۶ء، ص ۱۳-۱۴؛ ایضاً۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۲۰۵۔ ایضاً محمد مظہر نانوتوی در: العلم (کراچی) اپریل تا جون ۱۹۵۹ء۔ ایضاً (مرتب و مترجم) تذکرہ علمائے ہند (جاری)

Marfat.com

مولانا محمد مظہر نانوتہ میں ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں کے مکتب میں حاصل کی اور ساتھ ساتھ اپنے والد حافظ لطف علی سے بھی کسب فیض کرتے رہے۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو اپنے دونو چھوٹے بھائیوں مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی کی طرح نانوتہ سے دہلی منتقل ہو گئے۔ مولانا مملوک العلی کے پاس پہنچے کیونکہ وہ انھیں کے گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دہلی کالج میں داخل کرادیا اور یوں وہ مولانا کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ مولانا محمد مظہر دہلی کالج میں کب داخل ہوئے اور کس سال فارغ التحصیل ہوئے، اس کے متعلق ان کے سوانح نگار بالکل خاموش ہیں۔ مولانا محمد مظہر کے اصل استاد تو مملوک العلی ہی تھے، لیکن وہ علمی پیاس بجھانے کی خاطر دیگر علماء سے بھی استفادہ کرتے رہتے تھے۔ انھوں نے شاہ محمد اسحاق بن محمد افضل دہلوی سے سند حدیث حاصل کی اور مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی سے بھی تحصیل علوم میں مدد لی۔ ان کے اساتذہ میں مولانا رشید الدین خاں دہلوی کا نام بھی لیا جاتا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ مولانا رشید الدین کا سنہ وفات ۱۸۲۷ء ہے۔ مولانا محمد مظہر کی ولادت ۱۸۲۱ء میں ہوئی، یعنی جب رشید الدین خاں دہلوی کا انتقال ہوا، اس وقت محمد مظہر کی عمر چھ برس تھی۔ اتنی کم عمری مین ان کا نانوتہ سے دہلی آنا اور دہلی کالج کے صدر مدرس کی شاگردی اختیار کرنا قابلِ اعتبار روایت معلوم نہیں ہوتی۔

مولانا محمد مظہر دہلی کالج میں اپنی تعلیم مکمل کر کے پہلے اجمیر کالج میں ملازم ہوئے اور پھر آگرہ چلے گئے۔ ۱۸۵۷ء تک وہ اسی درسگاہ میں پڑھاتے رہے۔ جب ۱۸۵۷ء کے ہنگامے شروع ہوئے تو وہ بھی ان میں شریک ہو گئے اور اس کی پاداش میں ان کی ملازمت بھی جاتی رہی۔ چند سال گوشۂ گمنامی میں گذارے۔ ۱۸۶۶ء میں مولوی سعادت علی سہارنپوری نے اپنے آبائی شہر میں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی اور چند ماہ بعد مولانا محمد مظہر اس مدرسہ میں شیخ الحدیث اور صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یہ مدرسہ بعد میں ''مظاہر العلوم'' کے نام سے مشہور ہوا۔ مولانا محمد مظہر نے اپنی زندگی کا بقیہ حصہ اس مدرسے میں گذارا۔ بالآخر وہ سہارنپور میں ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۵ء کو لاولد فوت ہو گئے۔ ''نزہتہ الخواطر'' کی روایت کے مطابق ان کی عمر ۷۰ برس تھی (۸: ۴۵۵) لیکن اگر ان کا سال ولادت ۱۸۲۱ء ہے (بحوالہ محمد ایوب قادری: مولانا محمد احسن نانوتوی، ص ۲۲[۲]) تو

تالیف رحمان علی، کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۱۷۸-۱۷۹ تحتی نوٹ۔ محمد زکریا: تاریخ مظاہر، سہارنپور ۱۳۹۲ھ (طبع عکسی)۔ فیوض الرحمن: مشاہیر علمائے دیوبند، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۵۹۳-۵۹۶۔ باربرا مٹکاف کی انگریزی کتاب ''دیوبند ۱۸۶۰-۱۹۰۰ء'' مطبوعہ نیوجرسی ۱۹۸۲ء، ص ۲۴۲-۲۴۴۔ نورالحسن راشد کاندھلوی: تذکرہ مولانا محمد مظہر نانوتوی، زیر تالیف۔ ایضاً: مملوک العلی نانوتوی، متذکرہ بالا، ص ۴۲۲-۴۲۹۔

۲۔ اسی کتاب میں مولانا کا سنہ پیدائش ۱۸۲۳ء بھی لکھا ہوا ہے (ص ۱۵۴)

Marfat.com

اس اعتبار سے ان کی عمر چونسٹھ سال بنتی ہے۔

مولانا محمد مظہر اپنے دور کے معروف محدث اور فقیہ تھے۔ ایک علمی گھرانے سے ان کا تعلق تھا۔ پھر بڑے بڑے علماء اور فضلاء نے ان کے ذوق علم کی آبیاری کی تھی۔ انھوں نے اپنے بزرگوں سے جو کچھ حاصل کیا، ایک دیانتدار مدرس کی حیثیت سے اسے اگلی نسلوں تک پہنچایا، چنانچہ ان کے تلامذہ میں مولانا خلیل احمد امیٹھوی جیسے ممتاز علماء شامل تھے۔ مولانا محمد مظہر صرف علم ہی میں نہیں، بلکہ کردار میں بھی بلند تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں گذار دی اور بہت کم مشاہرے پر کام کرتے رہے۔ بقول مؤلف ''نزہتہ الخواطر'' وہ ''ہمیشہ ذکر میں رہتے، اسم ذات کے ذکر سے زبان تر رہتی تھی، تکلف سے کوسوں دور، زاہد، پرہیزگار اور صاحب وقار تھے۔'' (۸:۴۵۵)

اس مجموعۂ مراسلات میں مولانا محمد مظہر نانوتوی کے تین خطوط موجود ہیں۔ دو خط اردو میں ہیں اور ایک فارسی میں۔ دونوں اردو خط ۱۰ نومبر اور ۷ ادسمبر ۱۸۵۰ء کو لکھے گئے۔ فارسی خط پر سنہ تحریر درج نہیں۔ دراصل یہ فارسی تحریر خط نہیں بلکہ ایک درخواست ہے، جو مراسلہ نگار نے بذریعہ ڈاکٹر اشپرینگر کسی مقتدر انگریز کو بھیجی تھی۔ مولانا نے خط کے اوپر اپنے مکتوب الیہ کا نام نہیں لکھا۔ مولانا کی یہ درخواست کسی بناء پر آگے نہ جا سکی اور اشپرینگر کے کاغذات ہی میں پڑی رہی۔ مولانا محمد مظہر کی اس فارسی عرضداشت اور اشپرینگر کے نام ان کے دو اردو خطوں سے ان کی زندگی کے اس ابتدائی دور کے متعلق کئی نئی باتوں کا پتا چلتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک اور مکتوب نگار اور اشپرینگر کے نوجوان رفیق کار علی اکبر نے بھی اپنے خطوط میں جا بجا محمد مظہر کا ذکر کیا ہے۔ علی اکبر کے خطوں سے متعلقہ اقتباسات نئی معلومات فراہم کرتے ہیں اور وہ بھی حسب ذیل میں پیش کیے جائیں گے۔ مولانا محمد مظہر کے دو اردو مکتوبات، فارسی درخواست اور علی اکبر کے خطوط سے جو نئی معلومات فراہم ہوتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

الف۔ مولانا محمد مظہر کے کسی سوانح نگار نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کتنی مدت دہلی کالج میں [illegible] خطوط اور بعض دستاویزات سے ایسے اشارے ضرور مل جاتے ہیں جن کی مدد سے ان کی مدت [illegible] علمی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ذخیرہ اشپرینگر میں محفوظ ایک رجسٹر کا حوالہ [illegible] ۱۸۴۷ء میں زیر تعلیم دہلی کالج کے تمام طالب علموں کے [illegible] ہیں۔ اس رجسٹر میں محمد مظہر کا نام بطور طالب علم موجود نہیں۔ اس سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے [illegible] اس سال یعنی ۱۸۴۷ء سے قبل اپنی تعلیم مکمل کر کے کالج سے فارغ ہو چکے تھے۔ [illegible] درخواست کے ابتدائی جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جونہی انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی [illegible]

Marfat.com

بنارس میں مدرس اول عربی کی ملازمت مل گئی۔[1] یہاں ان کی تنخواہ بیاسی روپے ماہوار تھی۔ چار سال تک وہ اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ ۱۸۴۷ء کے آخر میں وہ حج پر روانہ ہو گئے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۳ء میں اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اور اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۴۴ء میں مدرسۂ بنارس میں ان کا تقرر ہو گیا تھا۔ دہلی کالج کے مذکورۂ بالا رجسٹر میں عربی جماعت کے بعض طلبہ کی مدت تحصیل ساڑھے چھے سال بھی لکھی گئی ہے۔ ممکن ہے، مولانا محمد مظہر بھی اتنی ہی دیر کالج میں رہے ہوں۔ اس اعتبار سے قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۳۷ء کے لگ بھگ دہلی کالج میں داخل ہوئے ہوں گے۔

ب۔ مولانا محمد مظہر نے مدرسہ بنارس میں چار سال پڑھانے کے بعد حج کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے دو سال کی رخصت طلب کی، جو انہیں مل تو گئی لیکن اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی گئی کہ پہلے چھے ماہ نصف تنخواہ یعنی اکتالیس روپے ماہوار دی جائے گی۔ ازاں بعد یہ نصف تنخواہ بھی بند کر دی جائے گی اور جب وہ واپس آئیں گے تو نظامت تعلیمات اس بات کی پابند نہیں ہو گی کہ مولانا کو وہی ملازمت دی جائے۔ علی اکبر اپنے ایک خط بنام اشپرینگر (مورخہ ۳ فروری ۱۸۵۱ء) میں کچھ عرصے کی رخصت مانگتا ہے اور بطور مثال یہ بتاتا ہے کہ:

''سابق میں مولوی محمد مظہر کو رخصت دو سال کی ملی تھی۔ بایں شرط کہ چھے مہینے نصف تنخواہ دی جائے اور من بعد عوض خدمت کو عہدہ واپسی دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔''

مولانا محمد مظہر نے اپنے محکمہ کی اس شرط کو قبول کر لیا اور فریضۂ حج ادا کرنے چل پڑے[2]۔ زیارت بیت اللہ کا ان کے دل میں اتنا شوق تھا کہ انھوں نے اپنی ملازمت کی بھی پرواہ نہ کی اور اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن نو اسی مدرسہ میں عہدۂ مدرسی دلوا کر خود حج کے لیے چلے گئے۔ ۱۸۵۰ء

۱۔ سبھی سوانح نگاروں نے اجمیر کالج اور آگرہ کالج میں ملازمت کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ ۱۸۵۱ء کے بعد کا زمانہ ہے۔

۲۔ مولانا کے تمام سوانح نگار لکھتے ہیں کہ انھوں نے پہلا حج مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے ہمراہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں اور دوسرا حج ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں کیا، لیکن ان کی اپنی تحریر سے اب یہ پتا چلا کہ وہ ۱۸۴۷ء کے آخر میں پہلے حج پر روانہ ہوئے تھے۔ مولانا محمد مظہر نے سفر حج کے دوران میں مولانا مملوک العلی کو ایک خط لکھا اور اس خط کے مندرجات کی اطلاع مملوک العلی نے ڈاکٹر اشپرینگر کو بذریعہ خط (بابت ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء) دی۔ دیکھ: مکاتیب مولانا مملوک العلی، مکتوب نمبر ۲، تشریحات نمبر ۲ تا ۵۔

Marfat.com

کے شروع میں وہ واپس بمبئی پہنچے تو انھیں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے امین مولوی حافظ احمد کبیر کے انتقال (۱۸۵۰ء) کی خبر ملی۔ وہیں سے انھوں نے اس خالی جگہ کے امیدوار کی حیثیت سے یہ فارسی درخواست ارسال کردی۔

ج۔ مولانا محمد مظہر نے حج کے لیے جو دو سال کی رخصت لی تھی، اس کی مدت دسمبر ۱۸۴۹ء کو ختم ہوگئی، لیکن اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۵۰ء میں وہ واپس ہندوستان پہنچے۔ جاتے ہوئے وہ مدرسہ بنارس میں اپنی جگہ اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد احسن کو دے گئے تھے۔ جب واپس آئے تو ان کے بھائی وہیں کام کررہے تھے، اس لیے انھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ کسی اور مدرسہ میں ملازمت تلاش کی جائے۔ کئی ماہ کوشش کرتے رہے، لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ اس دوران میں وہ اپنے استاد اور ہموطن بزرگ مولانا مملوک العلی سے ملے اور ان سے مدد چاہی[1]۔ ان دنوں ڈاکٹر اشپرینگر انہیں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) آنے کی پیش کش کرچکے تھے اور مملوک العلی وہاں جانے کے خواہش مند بھی تھے۔ چنانچہ انھوں نے پرنسپل دہلی کالج کو ایک درخواست دی کہ ان کے جانے کے بعد ان کی جگہ پر مولانا محمد مظہر کو قائم مقام مدرس مقرر کردیا جائے، لیکن پرنسپل ٹیلر نے مملوک العلی سے ذاتی مخاصمت کی وجہ سے ان کی یہ درخواست مسترد کردی[2] اور یوں مولانا محمد مظہر کی بیکاری کا زمانہ مزید طویل ہوگیا۔

ایک صاحب مولوی احمد علی تھے۔ ان کا آبائی تعلق دہلی سے تھا۔ وہ دہلی کالج میں مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ انہوں نے ''چشمہ فیض'' کے نام سے قواعد اردو بھی لکھی تھی، جس کا ایک قلمی نسخہ برٹش لائبریری (لندن) میں موجود ہے (رک: مکاتیب مولانا مملوک العلی، مکتوب نمبر ۳، تشریحات نمبر ۲)۔ مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۳۵ برس لکھی ہے۔ (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴)۔ ۱۸۴۷ء کے بعد ان کی جگہ مولوی علی اکبر کو فارسی پڑھانے پر مقرر کردیا گیا۔ جب ڈاکٹر اشپرینگر نے مدرسہ کلکتہ کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تو اسے معلوم ہوا کہ حافظ احمد کبیر مرحوم کا عہدۂ امینی، جو ۱۸۵۰ء میں ان کے انتقال کے بعد خالی ہوا تھا، اب تک جوں کا توں خالی پڑا ہے اور اس عہدے کے لیے کئی

۱۔ مولانا مملوک العلی اپنے ایک مکتوب (بابت ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء) میں لکھتے ہیں۔ ''مولوی محمد مظہر بامید پرورش حضور کی دہلی میں موجود ہیں۔ اگر حضور کو ان کا خیال رہے گا، تو بندہ نوازی اور پرورش سے بعید نہ ہوگا۔'' رک: مکتوب مولانا مملوک العلی، نمبر ۴، تشریحات، نمبر ۲۔

۲۔ مکتوب علی اکبر، بتاریخ ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء: ''مملوک العلی نے پہلے یہ چاہا تھا کہ اپنی جائے محمد مظہر کو قائم مقام کریں، وہ نامنظور ہوا۔''

Marfat.com

موزوں شخص نہیں ملا۔ معاً اشپر نگر کے ذہن میں مولانا مملوک العلی کا نام آیا اور اس نے انھیں یہ عہدہ پیش کیا، لیکن مولانا کی دوراندیشی اس راہ میں حائل ہوگئی اور وہ اس پیش کش کو قبول نہ کر سکے۔ اس کے بعد اشپر نگر نے مولوی علی اکبر کو اس عہدۂ امینی پر مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ مولوی علی اکبر نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور فوراً کلکتہ جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مولانا محمد مظہر کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے غالباً مولانا مملوک العلی کی وساطت سے یہ کوشش کی کہ علی اکبر کے کلکتہ جانے کے بعد دہلی کالج میں جو جگہ خالی ہوگی، اس پر انہیں تعینات کر دیا جائے، لیکن مولانا مملوک العلی اور پرنسپل ٹیلر کے اختلافات کی وجہ سے یہ ملازمت بھی مولانا محمد مظہر کو نہ مل سکی اور ان کے بجائے روشن علی کا تقرر ہو گیا۔ چنانچہ علی اکبر اپنے ایک مکتوب بابت ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء میں رقمطراز ہے:

''عرضی مولوی محمد مظہر کی ملفوف ہے۔ باعث اون کی عرضی لکھنے کا یہ ہے کہ علی اکبر چونکہ کلکتہ کو بالضرور جائے گا، علاقہ مولوی احمد علی کا بعد اوس کے ہم کو ملے گا، لیکن اب صورت اوس کی دگرگوں ہوگئی ہے، یعنی سرکار میں استحقاق روشن علی کا ثابت ہو گیا۔ میرے بعد وہ علاقہ اوس کو ملے گا...... اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا۔''

د۔ جب مولانا محمد مظہر کی یہ آس بھی ٹوٹ گئی، تو انھوں نے پھر ڈاکٹر اشپر نگر سے رجوع کیا۔ وہ بیکاری کے ہاتھوں تنگ تھے اور کسی مدرسہ میں معقول ملازمت کے لیے کوشاں تھے۔ انھیں مولوی علی اکبر کے کلکتہ جانے کا علم تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اسے جو عہدہ ملنے والا ہے، وہ اشپر نگر کی ذاتی کوششوں کا مرہون منت ہے چنانچہ انھوں نے ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء کو اشپر نگر کو خط لکھا کہ وہ کلکتہ میں ان کی ملازمت کا بھی کوئی بندوبست کر دیں، تاکہ وہ بھی علی اکبر کے ہمراہ کلکتہ آ جائیں، لیکن ڈاکٹر موصوف کی جانب سے انھیں کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ شاید وہ انہیں عہدۂ امینی یا کسی اور عہدے کا اہل نہیں سمجھتا تھا۔

انہی دنوں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کی کچہری میں عہدۂ نظارت اور عہدۂ سررشتہ داری کے لیے موزوں اشخاص کی ضرورت پڑی۔ مولوی علی اکبر اور مولانا محمد مظہر کو جب اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے مفتی صاحب کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔ مفتی صاحب ان دونو کو جانتے تھے، چنانچہ ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو ان دونو عہدوں پر بالترتیب مولوی علی اکبر (تنخواہ ساٹھ روپے ماہوار) اور مولانا محمد مظہر (تنخواہ پینتیس روپے ماہوار) کا تقرر ہو گیا۔ علی اکبر اپنے ایک خط بابت ۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء میں اشپر نگر کو اطلاع دیتا ہے:

Marfat.com

''۲۲ نومبر مفتی صدر الدین صاحب نے فدوی کو عہدۂ نظارت کچہری اپنی کا بمشاہرہ ساٹھ روپیہ بسبب خالی ہونے کے اور محمد مظہر کو عہدہ سررشتہ داری کا بمشاہرہ ۳۵ روپیہ مرحمت کیا۔''

ح۔ مولانا محمد مظہر کو ابھی مفتی صدر الدین کی کچہری میں ملازم ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ انھیں پتا چلا کہ مدرسۂ کلکتہ کے جس عہدہ کے وہ خواہاں تھے، اس کا امتحان ۹ دسمبر کو ہوگا۔ عہدہ سررشتہ داری ملنے کے بعد چند روز ہی میں مولانا محمد مظہر کو مفتی صاحب کی متلون مزاجی اور ناقدردانی کا اندازہ ہوگیا، جس سے وہ بڑے دل برداشتہ ہوئے اور انھیں اس عہدہ کو جلد از جلد چھوڑنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ چنانچہ وہ ۹ نومبر کو مدرسۂ کلکتہ کے امتحان میں شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ مولوی حسن علی، فیض الحسن اور علی اکبر نے بھی امتحان دیا۔ وہ حالات سے اتنے بددل ہو چکے تھے کہ وہ اس امتحان کے نتیجے کا انتظار بھی نہ کر سکے اور جناب میکلا گن کے بلانے پر عہدۂ سررشتہ داری چھوڑ کر ۱۶ دسمبر کو روڑکی چلے گئے۔ دہلی میں ان کی تنخواہ ۳۵ روپے تھی اور روڑکی میں ان کی تنخواہ تیس روپے مقرر ہوئی، لیکن انھوں نے اپنی تنخواہ میں کمی کو قبول کرلیا، تاکہ انہیں مفتی صاحب کی تکلیف دہ ماتحتی سے جلد نجات مل جائے۔ مولوی علی اکبر اپنے ایک بلا تاریخ مکتوب (غالباً ۱۸۵۰ء کا تیسرا ہفتہ) میں لکھتا ہے:

''یہاں ۹ دسمبر چار آدمیوں نے یعنی حسن علی خان و محمد مظہر و فیض الحسن نے اور اس احقر نے امتحان دیا..... فدوی کو اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے۔ مفتی صاحب نہایت متلون مزاج و ناقدردان ہیں۔ چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے۔ اسی واسطے مولوی محمد مظہر سررشتہ داری چھوڑ کر روڑکی کو تیس روپیہ کی تنخواہ پر میکلا گن صاحب کے پاس ۱۶ دسمبر کو یہاں سے چلے گئے ہیں۔''

مولانا محمد مظہر ۱۶ دسمبر ۱۸۵۰ء کو دہلی سے روانہ ہوئے اور اس کے اگلے روز روڑکی پہنچتے ہی ڈاکٹر اشپرینگر کو اطلاع دی کہ شاید انھیں یہاں عہدہ وزیٹی پرگنہ تفویض ہو جائے لیکن اس سے پہلے وہ مدرسۂ کلکتہ میں کسی عہدۂ مدرسی کے طلب گار رہے۔

اب مولانا محمد مظہر کی فارسی عرضداشت اور اشپرینگر کے نام ان کے دو اردو مکتوبات کا متن پیش کیا جاتا ہے:

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

این احقر را مدت چہار سال است کہ مدرس اول عربی مدرسۂ بنارس بمشاہرہ ہشتاد و دو روپیہ بحسب منظوری صدر و خوبی لیاقت خویش مقرر شدہ بود۔ اواخر ۱۸۴۷ء برائے استسعاد شرف استسلام عتبات منیفہ بیت الحرام رخصت گرفتہ و برادر خود را ایجای خود گذاشتہ۔ بعد جدوجہد بسیار گوہر مقصود بکف آوردہ مراجعت خواست در وقت فرود آمدن از جہاز و وارد شدن بمبئی رحلت گزینی مولوی حافظ احمد کبیر (۲) صاحب امین مدرسہ کلکتہ ازین جہان فانی قارع صماخ شد۔ ہمان وقت عرضی متضمن احوال خود و درخواست عہدہ امینی مدرسہ مسطورہ بذریعہ ڈاکٹر بلنٹین صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ (۳) روانہ خدمت حضور فیض گنجور کردہ بودم۔ از انجا کہ دراثناء راہ ہستم یقین کلی فائز شدن عرضی بخدمت والائی دارم و چون جناب معلّی القاب ڈاکٹر سپرنجر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی ہم از حال لیاقت و کارکردگی احقر بخوبی آگاہی دارند درخواست ہذا را بذریعہ جناب مفخر الیہم ارسال خدمت فیض درجت کردم۔ امیدانست کہ بحسب تقاضا و ہمت علیا و ثبوت استحقاق در نظر والا پرورش احقر بر عہدہ مذکور فرمودہ شود تا بقیہ حیات بلب نان رسیدہ بدعاء دولت ابد پیوند سرگرم باشم و احوال کارکردگی و حسن لیاقت فدوی از تسطیر جناب ڈاکٹر صاحب محتشم الیہم دریافت خواہد شود۔ آنچہ واجب دانست معروض نمود۔ گلشن دولت سرسبز جاوید باد۔

عرضی

محمد مظہر از اثناء سفر حجاز کہ سابق مدرس اول

مدرسہ بنارس بودہ است"

تشریحات:

۱۔ یہ درخواست بلا تاریخ ہے، لیکن بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اواخر ۱۸۴۹ء میں لکھی گئی۔ مولانا محمد مظہر دو سال کی رخصت لے کر حج پر روانہ ہوئے تھے۔ آنے جانے اور مناسک حج ادا کرنے میں دو سال سے زیادہ وقت صرف ہو گیا اور وہ دسمبر ۱۸۴۹ء کے بجائے ۱۸۵۰ء (قبل نومبر) میں واپس پہنچے۔

اس عرضداشت میں آگے چل کر ڈاکٹر اشپرینگر کے نام کے ساتھ پرنسپل مدرسہ دہلی مرقوم ہے، حالانکہ فروری ۱۸۴۸ء میں اس کا تبادلہ دہلی کالج سے لکھنؤ ہو چکا تھا اور اس کی جگہ ان دنوں ٹیلر قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ دراصل جب مولانا مظہر اواخر ۱۸۴۷ء میں حج پر روانہ ہوئے تھے، اس وقت اشپرینگر ہی مدرسہ کا پرنسپل تھا، لیکن ان کی غیر موجودگی میں جو تبدیلی رونما ہوئی، اس کا انھیں علم نہیں تھا اور وہ اب بھی اشپرینگر ہی کو اس کالج کا پرنسپل سمجھ رہے تھے۔

Marfat.com

۲۔ مولوی حافظ احمد کبیر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں پہلے خطیب تھے، پھر ۱۸۲۳ء میں وہ یہاں مدرس اور نائب سیکرٹری مقرر ہوئے۔ انھوں نے ۱۸۴۲ء میں شمالی سرحدی علاقوں مین علوم شرقیہ کی درس گاہوں کا معائنہ کیا اور ان کے متعلق حکومت کو رپورٹ پیش کی۔ وہ مدرسہ میں طالب علموں کو پڑھاتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ انتظامی معاملات کی نگہداشت بھی کرتے تھے۔ (رک: تاریخ مدرسۂ عالیہ مرتبہ عبدالستار، ڈھاکہ ۱۹۵۹ء، حصہ دوم، ص ۱۸۳-۱۸۴)۔ اس ''تاریخ'' کے مرتب نے حافظ احمد کبیر کا سال وفات ۱۸۴۸ء یا ۱۸۵۰ء لکھا ہے، لیکن اب مولانا محمد احسن نانوتوی کے فارسی خط (رک: سطورِ آئندہ) بابت ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۹ء سے قبل انتقال کر چکے تھے۔

۳۔ ''تاریخ مدرسۂ عالیہ'' کے مرتب عبدالستار نے اس مدرسہ کے تمام انگریز پرنسپلوں کے نام دیئے ہیں، لیکن ان میں بلنٹین نام کا کوئی پرنسپل شامل نہیں۔ درحقیقت تعلیمی کونسل نے مارچ ۱۸۵۰ء میں حکومت کو یہ سفارش پیش کی تھی کہ مدرسہ کلکتہ کا انگریز پرنسپل مقرر کیا جائے۔ یہ سفارش منظور ہو گئی اور اس مدرسہ کا پہلا پرنسپل ڈاکٹر اشپرینگر مقرر ہوا۔ ۱۸۵۰ء سے اپنی یورپ روانگی (۱۸۵۶ء) تک وہ اسی عہدہ پر فائز رہا۔ مولانا محمد مظہر نے اپنی درخواست میں پرنسپل مدرسہ ڈاکٹر بلنٹین کا جو نام لکھا ہے، وہ معلوم نہیں کون ہے۔

۴

''غریب پرور سلامت

جناب عالی فدوی اب تک بیکار ہے۔ اگر حضور کی سعی اور پرورش بہت ہے، لیکن اپنے طالع سے لاچار ہے۔ ارادہ مولوی علی اکبر صاحب کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے فدوی یہ تمنا رکھتا ہے کہ اگر کوئی علاقہ وہاں فدوی کے واسطے بھی ممکن ہو تو ہمراہ مولوی مذکور کے خدمت عالیہ فیض درجت میں حاضر ہوں (۱)۔ باقی جو حضور کے نزدیک مناسب ہو عمل میں لاؤں۔

کتاب ''انسان العیون'' (۲) جس طرح ارشاد ہو خدمت میں روانہ کروں۔ بالفعل اس کے بیچ کا ارادہ نہیں ہے لیکن اگر ضرورت ہوگی لاچار بیع کروں گا اور حضور کو اطلاع دوں گا۔

اگر ہمراہی میری اور مولوی علی اکبر صاحب کی اس سفر میں ہو تو نہایت خوشی اور آرزو ہے۔ فقط۔ واجب جان کر عرض کیا۔ آفتاب دولت کا چمکتا رہے۔

عرضی

Marfat.com

فدوی محمد مظہر

۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ مولانا محمد مظہر اور مولوی علی اکبر نے اپنے اپنے خطوط میں جس طرح ایک دوسرے کا ذکر کیا ہے، اس سے ان کی قریبی دوستی کا علم ہوتا ہے۔

۲۔ ''انسان العیون فی سیرۃ الامین والمامون''۔ اس کتاب کے دو نام ''السیرۃ النبویہ'' اور ''السیرۃ الحلبیۃ'' بھی ہیں۔ اس کے مؤلف کا نام علی بن ابراہیم بن احمد بن علی الحلبی القاہری (م۔ ۱۰۵۱ھ/۱۶۴۱ء) ہے۔ رک: براکلمان ۲: ۳۰۷ (۳۹۵)، تکملہ ۲: ۴۱۸۔ اشپرینگر نے اپنے ذاتی کتاب خانے کی جو فہرست شائع کرائی تھی (مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء) اس میں اس کتاب کے دو قلمی نسخوں کا حوالہ دیا گیا ہے (ص ۱۰، نمبر ۱۴۸، ۱۴۹)۔ ایک نسخے کے اوراق ۴۳۰ ہیں اور وہ ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء کا مکتوبہ ہے۔ دوسرے نسخے میں اس کتاب کا صرف ایک باب ہے۔ اوراق ۲۶۰۔ سنہ کتابت ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء۔ یہ دونوں خطی نسخے اب برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں محفوظ ہیں۔ رک: اہلوات، جلد ۹ (برلین ۱۸۹۷ء)، ص ۱۷۰-۱۷۴ (نمبر ۹۶۰۴، ۹۶۰۸)۔

اس خط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ''انسان العیونؔ'' کا جو نسخہ مولانا محمد مظہر کے پاس تھا، وہ اسے فروخت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ممکن ہے، اس نسخہ کی اطلاع مولوی علی اکبر نے اشپرینگر کو دی ہو۔ اشپرینگر اس نسخہ کو ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ان دنوں اسے ایسی کتابوں کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ وہ سیرت پر انگریزی کتاب لکھ رہا تھا اور اسے اس موضوع پر ایسی کتابوں کی تلاش تھی، جو عام مستشرقین کی دسترس میں نہیں تھیں۔ اس سے اگلے سال یعنی ۱۸۵۱ء میں سیرت پر اس کی انگریزی کتاب کی پہلی جلد الہ آباد سے شائع ہوئی۔ بقیہ جلدیں کسی وجہ سے طبع نہ ہوسکیں۔ شاید اشپرینگر کے اصرار یا حصول روزگار کے لیے مولانا مظہر نے یہ نسخہ اشپرینگر کو دے دیا ہو، لیکن برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ دو قلمی نسخوں میں سے کون سا نسخہ مولانا کا دیا ہوا ہے، اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

مولانا مملوک العلی نے بھی اشپرینگر کے نام اپنے ایک خط میں ''تاریخ حلبی'' کا ذکر کیا ہے اس سے مراد بھی ''انسان العیون'' ہی ہے، کیونکہ اس کے مؤلف کو عرف عام میں حلبی ہی کہتے ہیں۔

Marfat.com

۳

''غریب پرور سلامت

حسب الحکم حضور کے پیر کے دن ۹ تاریخ ۱۸۵۰ء کو امتحان واسطے عہدۂ کلکتہ کے دہلی میں ہوا(۱)۔ احقر نے بھی جو کچھ اوس وقت سمجھ میں آیا، سو لکھا لیکن جب مکان پر آیا تو بعد غور و تامل کے معلوم ہوا کہ اکثر صحیح لکھا ہے۔ اگر خاکسار کو اوس عہدہ پر سرفراز فرمائیں گے تو اس سے کیا بہتر نہیں کہ ایک سارٹی فکیٹ، جس میں حال اوس امتحان کا اور احقر کی استعداد کا مندرج ہو، عنایت فرمایئے گا۔

اور مولوی علی اکبر ان دنوں میں بعہدۂ نظارت صدر الصدور کے مقرر ہو گئے ہیں (۲)۔ احقر بہ طلب میکلاگن (۳) صاحب کے روڑکی آیا ہے۔ غالب کے عہدۂ وزیٹری پرگنہ کا احقر کے نام تفویض ہوا اور دوسرا عہدۂ وزیٹری پرگنہ کا مولوی قادر علی (۴) کے نام ہو گیا ہے۔ مولوی علی اکبر نے بسبب اس کے کہ اوس کی تنخواہ یعنی ۴۰ روپیہ ہے اور محنت بہت ہے، درخواست نہیں دی (۵)۔

''انسان العیون'' کے باب میں مجھے کچھ ارشاد نہیں ہوا۔ اگر احقر کو وہاں طلب فرمائیں گے تو ہمراہ لے کر حاضر ہوں گا۔ نہیں تو اگر آپ حکم کریں گے، ڈاک میں بھیج دوں گا (۶)۔ میری عین آرزو تھی کہ میں خدمت میں رہتا مگر افسوس کہ میسر نہ ہوئی۔ اور اگر کوئی اور عہدہ مدرسی کا وہاں خالی ہو یا اردو ترجمہ [illegible] وغیرہ کا وہاں پڑھایا جاوے تو بھی حضور ہم لوگوں کو یاد رکھیے گا۔ جواب اس عریضے کا معرفت [illegible] صاحب کی عنایت ہوگا اور جو کام احقر کے لائق ہو، اوس سے ہمیشہ سرفراز فرمائیے گا۔ فقط۔ آفتاب دولت اور اقبال کا چمکتا رہے۔

محمد مظہر

از مقام روڑکی [illegible] ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ مدرسۂ کلکتہ کے عہدۂ [illegible] کے جو امیدوار تھے، ان کا امتحان دہلی میں ۹ [illegible] ۱۸۵۰ء [illegible] میں چار امیدوار شریک ہوئے۔ ان میں ایک تو مولوی محمد مظہر تھے۔ [illegible] ہیں: حسن علی خاں، فیض الحسن اور علی اکبر۔ ان چاروں میں سے [illegible] ماہ بعد یہ عہدہ آگرہ کالج کے استاد مولانا محمد [illegible] الدین خاں کو تفویض ہوا اور [illegible] ۱۸۵۱ء [illegible] کلکتہ روانہ ہو گئے، جیسا کہ مولانا مملوک العلی کے ایک خط (بابت ۵ مارچ ۱۸۵۱ء) سے معلوم ہوتا ہے۔ [illegible] مکتوب مولانا مملوک العلی نمبر ۹۔

Marfat.com

۲۔ صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کی کچہری میں مولوی علی اکبر اور مولانا محمد مظہر ایک ساتھ ملازم ہوئے تھے۔ مفتی صاحب کی متلون مزاجی کے باعث مولانا محمد مظہر تو بہت جلد یہ نوکری چھوڑ گئے، لیکن علی اکبر چند ماہ تک خلاف طبع مفتی صاحب کی ماتحتی میں کام کرتا رہا۔

۳۔ شعبہ تعلیم یا کسی اور محکمہ کا کوئی بااثر شخص تھا اور وہ پہلے سے مولانا محمد مظہر سے متعارف تھا، اسی لیے مولانا اس کے بلانے پر فوراً صدر الصدور آزردہ کی کچہری کے عہدۂ سررشتہ داری کو چھوڑ کر اور امتحان برائے عہدۂ امینی (مدرسہ کلکتہ) کے نتیجہ کا انتظار کیے بغیر روڑکی چلے گئے۔ ممکن ہے، وہ یہاں کسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے ہوں۔ مولانا محمد مظہر کے کسی سوانح نگار نے ان کے قیام روڑکی کا ذکر نہیں کیا۔ وہ یہاں زیادہ دیر نہیں رہے اور چند ماہ بعد غالباً ۱۸۵۱ء میں آگرہ کالج میں ملازم ہو گئے اور پھر ۱۸۵۷ء تک اسی کالج میں پڑھاتے رہے۔

۴۔ دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ ۱۸۴۳ء کے سالانہ امتحان میں اس نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مولوی کریم الدین پانی پتی ان کے ہم جماعت تھے۔ رک:

General Report on Public Instruction in the North-Western Provinces of the Bengal Presidency for 1843-44. Agra, n.d. Appendix 'O', pp. xciii-iv.

۵۔ صدر الصدور آزردہ کی کچہری میں علی اکبر عہدۂ نظارت پر فائز تھے اور ساٹھ روپے ماہوار تنخواہ لیتے تھے، اس لیے وہ کسی کم تنخواہ کے عہدہ پر ملازمت کرنا نہیں چاہتے تھے، لیکن وہ اس عہدہ پر زیادہ دیر تک نہ چل سکے اور مفتی صاحب کے مزاج سے دل برداشتہ ہو کر مولانا محمد مظہر کی طرح وہ بھی اس عہدہ کو چھوڑ گئے۔

۶۔ مولانا محمد مظہر کے پاس اس کتاب کا جو قلمی نسخہ تھا، اس کے بارے میں اب یہ کہنا مشکل ہے کہ انھوں نے اسے اشپرینگر کو دیا یا نہیں۔

۷۔ ایک روایت کے مطابق یہ ترجمہ مولانا محمد احسن نانوتوی نے کیا تھا (رک: بذیل مکاتیب مولانا محمد احسن)۔ اشپرینگر نے مدرسہ کلکتہ کے نصاب میں جو تبدیلیاں کی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ اس نے اس ترجمہ کو مجوزہ نصاب میں شامل کیا تھا، لیکن طلبہ اس مضمون کو اردو میں پڑھنے کے حق میں نہیں تھے۔ چنانچہ انھوں نے اشپرینگر کی تبدیلیوں کے خلاف ہنگامہ کر دیا۔ جس کی تفصیل مولانا محمد سدید الدین خاں کے مکاتیب کے ذیل میں درج ہے۔

Marfat.com

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی

مولانا ذوالفقار علی انیسویں صدی عیسوی کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے۔ مدرسۂ دیوبند کے بانیوں میں سے تھے اور تقریباً چالیس سال تک وہ اس مدرسہ کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ ابتدائی عمر میں درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا، بعد میں ترقی کرتے کرتے انسپکٹر مدارس اور آنریری مجسٹریٹ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ ان کی تالیفات میں زیادہ تر شروح اور تراجم ہیں۔ بیشتر شرحیں عربی کی شاعرانہ کتب ہیں۔ مولانا ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے اور عربی میں شعر بھی کہتے تھے۔ ان کی شرحیں، ترجمے اور قصیدے ان کی عربی زبان پر کامل دستگاہ کا ثبوت ہیں۔

مولانا ذوالفقار علی کی زندگی اور علمی کارناموں پر بہت کم لکھا گیا ہے اور اگر کسی نے کچھ لکھا ہے تو وہ ان کے فرزند شیخ الہند مولانا محمود حسن کے حوالے سے یا مدرسہ دیوبند کی تاریخ کے ذیل میں مختصراً ذکر کیا ہے۔ مختلف کتابوں [1] میں ان کے جو سوانح حیات قلم بند کیے گئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

مولانا ذوالفقار علی دیوبند میں پیدا ہوئے (تقریباً ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء-۱۸۲۲ء)۔ اس شہر کے مشہور

۱۔ رک: تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی (فرانسیسی) از گارسیں دتاسی، جلد سوم، ص ۳۵۳۔ اس عبارت کا اردو ترجمہ در: مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۲۷۔ نزہتہ الخواطر ۸: ۱۴۰-۱۴۱۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۴۵ تحتی نوٹ و بعد اشاریہ۔ مفتی عزیز الرحمٰن: تذکرہ مشائخ دیوبند، بجنور ۱۹۵۸ء۔ ایضاً: تذکرہ شیخ الہند، بجنور ۱۹۶۵ء، ص ۵۱-۵۴۔ تاریخ دیوبند از محبوب علی رضوی، دیوبند ۱۹۵۲ء۔ محمد طیب قاسمی: دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی، دیوبند ۱۹۶۸ء۔ حیات شیخ الہند از سید اصغر حسین، طبع دوم، دیوبند ۱۳۳۹ھ۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن، حیات اور کارنامے از اقبال حسن خاں، علی گڑھ ۱۹۷۳ء، ص ۱۱۵-۱۱۷۔ مشاہیر علمائے دیوبند از فیوض الرحمٰن جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۱۸۰-۱۸۲۔ باربرا مٹکاف کی دیوبند پر انگریزی کتاب، حوالہ مذکور، ص ۹۹۔ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی، حوالہ مذکور، ص ۹۵-۹۷۔

Marfat.com

عثمانی خاندان سے ان کا آبائی تعلق تھا۔ ان کے باپ کا نام شیخ فتح علی تھا۔ ان کے تین بیٹے مہتاب علی، ذوالفقار علی اور مسعود علی تھے۔ مولانا ذوالفقار علی نے ابتدائی تعلیم دیوبند ہی میں حاصل کی۔ سن شعور کو پہنچے تو دہلی آ گئے اور دہلی کالج میں داخلہ لے لیا۔ یہاں انھیں مولانا مملوک العلی اور مفتی صدرالدین آزردہ کا تلمذ حاصل ہوا۔ دہلی کالج میں تعلیم مکمل کر کے مدرسۂ بریلی میں مدرس ہو گئے۔ یہیں ان کے ہاں ۱۸۵۱ء میں بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام محمود حسن رکھا گیا جو بعد میں شیخ الہند کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ ۱۸۵۷ء میں انھیں ترقی دے کر مدارس میرٹھ کا ڈپٹی انسپکٹر مقرر کر دیا گیا۔ ملازمت سے ریٹائر ہوئے تو دیوبند آ گئے۔ یہاں انھیں آنریری مجسٹریٹ بنا دیا گیا۔ انہوں نے عمر کے باقیماندہ ایام دیوبند ہی میں گذارے اور یہیں ۱۳۲۲ھ بمطابق ۱۹۰۴ء میں ان کا انتقال ہوا۔

گارسیں دتاسی نے دہلی کالج کے پرنسپل فرانسس ٹیلر کے حوالے سے مولانا ذوالفقار علی کی ذہانت و فطانت کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مولانا فارسی اور مغربی علوم کے سیکھنے میں بڑی دلچسپی لیتے تھے اور یہ ان کے شوق ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ایچ ایس ریڈ (H. S. Reid) کے ایماء پر ٹیٹ (Tate) کی الجبرا پر انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ یہ ترجمہ بریلی سے ۱۸۵۲ء میں طبع ہوا۔ اس ترجمہ کا عنوان ''تحصیل الحساب''[1] تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''قصیدہ بردہ''، ''قصیدہ بانت سعاد''، ''قصیدہ سبعہ معلقہ''، ''دیوان حماسہ'' اور ''دیوان المتنبی'' کی اردو شرحیں لکھی ہیں۔ اردو میں علم معانی و بیان پر ''معیار البلاغت'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی اور قصبہ دیوبند اور مدرسہ دیوبند کی مختصر مگر جامع تاریخ بعنوان ''الھدیۃ السنیۃ فی ذکر المدرسۃ الدیوبندیۃ'' لکھی۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے ڈاکٹر اشپرینگر کو دو خط تحریر کیے اور یہ خط اس وقت لکھے گئے، جب مولانا مدرسۂ بریلی میں مدرس اول کی حیثیت سے ملازمت کر رہے تھے۔ یہ دونو خط اردو میں ہیں۔ ایک کا سنۂ تحریر ۱۸۵۰ء ہے۔ دوسرا خط بلا تاریخ ہے لیکن اندرونی شہادت سے وہ ۱۸۵۱ء کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ پہلا خط اس وقت لکھا گیا جب ڈاکٹر اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہوا اور اس کے ساتھ ہی تمام مدارس کلکتہ کا انتظام اس کے سپرد کیا گیا۔ مولانا ذوالفقار علی کو جب یہ خبر ملی، تو انھوں نے ڈاکٹر موصوف کو مبارک باد کا یہ خط لکھا اور ساتھ ہی عربی زبان میں ایک قصیدہ لکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ مولانا نے دوسرے خط کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ ''پروردۂ قدیم'' لکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا بھی

۱۔ گارسیں دتاسی نے یہی عنوان لکھا ہے، لیکن مولانا ذوالفقار کے بیشتر سوانح نگاروں نے ''تسہیل الحساب'' لکھا ہے۔

Marfat.com

بعض دیگر اصحاب کی طرح اشپرینگر کے مقربین میں شامل رہے۔ مولانا جب دہلی کالج میں طالب علم تھے، اس وقت اشپرینگر ہی وہاں کا پرنسپل تھا۔ ممکن ہے، ان دنوں مولانا اپنی اہلیت کی بناء پر اشپرینگر کے قریب رہے ہوں اور شاید مدرسہ بریلی میں ان کی اولیں تقرری میں بھی اشپرینگر ہی کا ہاتھ ہو۔ اشپرینگر اپنے ''پروردگان'' سے کسی منفعت کا طالب نہیں تھا۔ سوائے اس بات کے کہ وہ گاہے ماہے اس کے شوقِ جمع آوری کتب کی آبیاری کرتے رہیں۔ وہ ان تمام مدرسین سے یہ توقع ضرور رکھتا تھا کہ وہ اسے نادر کتب کی اطلاع دیتے رہیں گے اور اگر وہ چاہے تو اسے خرید بھی لیا کریں گے۔ علاوہ ازیں ان کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ اپنے علاقہ میں موجود اہم نجی کتاب خانوں پر بھی نظر رکھیں گے، ان کی فہرستیں تیار کر کے اسے بھیجیں گے اور جب وہ کتب خانے فروخت ہونے لگیں تو اسے مطلع کریں گے۔ اس مجموعۂ مکاتیب کے بیشتر مکتوب نگار اپنے مکتوب الیہ یعنی اشپرینگر کے لیے یہ کام کرتے رہے۔ اس میں ان کی ذاتی دل چسپی بھی تھی اور مطلب برآری کا عمل دخل بھی تھا۔ مولانا ذوالفقار علی بھی اشپرینگر کے لیے تلاش کتب اور کتب خانوں کی فہرست سازی میں شامل تھے، چنانچہ ان کا دوسرا خط اس بات کا شاہد ہے، جس میں انھوں نے اشپرینگر کو مہاراجہ رتن سنگھ کے ذاتی کتاب خانہ کا حال لکھا ہے۔

سطور بالا میں بالخصوص مولانا مملوک العلی نانوتوی کے ذکر کے تحت ایک رجسٹر کا تفصیلی حوالہ دیا گیا ہے۔ اس رجسٹر میں دہلی کالج کے ان طالب علموں کے نام اور ان کے کوائف درج ہیں، جو ۱۸۴۷ء کے امتحان میں شامل تھے۔ اس رجسٹر کے مطابق مولانا ذوالفقار علی ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج کے استاد دستوارڈ کی جماعت چہارم میں پڑھتے تھے اور اس سال یعنی ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر ۲۱ سال تھی۔ مولانا کے تمام سوانح نگاروں نے ان کا سنہ ولادت ۱۸۲۱ء لکھا ہے، لیکن اس رجسٹر کے اندراج کے پیش نظر ان کا سال ولادت ۱۸۲۶ء برآمد ہوتا ہے۔ ان کے نام کے ساتھ یہ بھی مرقوم ہے کہ دہلی کالج میں ان کی مدت تحصیل دو سال ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے ۱۸۴۵ء میں اس کالج میں داخلہ لیا۔ مولانا ذوالفقار علی کے خطوط سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۰ء کے اوائل میں وہ مدرسہ بریلی میں ملازم ہو گئے تھے۔ ممکن ہے وہ ۱۸۴۹ء میں دہلی کالج سے فارغ ہو گئے ہوں۔ اس طرح دہلی کالج میں وہ چار سال تک طالب علم رہے۔ مذکورہ بالا رجسٹر کے مطابق جنوری تا اکتوبر ۱۸۴۷ء کے دوران میں ان کی حاضریوں کی تعداد ۱۷۸ ہے اور وہ ۲۳ دن علالت کے باعث غیر حاضر رہے۔ جماعت چہارم میں ان کے مضامین اور ہر ایک میں ان کے حاصل کردہ نمبروں (پچاس میں سے) کی تفصیل یہ ہے:

'' تاریخ ہند ۴۰

Marfat.com

ادب ۱۲۳ صفحے	۴۲
صرف ونحوانگریزی	صفر
حساب	۲۴
تحریراقلیدس	۵۰
جغرافیہ	صفر

اب مولانا ذوالفقارعلی دیوبندی کے دونو خطوط کا متن پیش کیا جاتا ہے:

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

جب سے کمترین خدمت فیض درجت سے جدا ہے، ہر چند بظاہر اتفاق لکھنے عرایض کا باعث سیرو سفر حضور کے کم ہوا ہے، مگر بباطن اکثر اوقات بیچ ادائے شکریہ الطاف وعنایات کریمانہ کے جو قدیم سے بہ نسبت احقر مبذول ہوئے ہیں، مصروف رہتا ہے اور حقیقت میں احسانات جناب عالی ... اس قدر ہیں کہ اگر عمر بھر شکراون کا کیا جاوے، ادا نہ ہوسکیں۔

اولیتنا من فضلک المنن التی فعلت بنا فعل السحائب بالثر (۲)

اللہ تعالیٰ عوض میں ان توجہات کے آپ کو کامیاب دارین رکھے۔ ان دنوں میں بدریافت خبر فرحت اثر یعنی تقرر حضور کے اوپر عہدۂ معظمہ انتظام کل مدارس کلکتہ کے سجدات شکر درگاہ باری تعالیٰ میں کیے گئے۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس سے بڑے عہدہ پر سرفراز فرمائے اور ہمیشہ کام روائی اہل مطالب رکھے۔ ایک قصیدہ عربی بطور مبارکباد مدح حضور میں ملفوف عرضی ہے۔ (۳)

گر قبول افتد زہے عز وشرف

یکم دسمبر سے امتحان طلبہ مدرسہ ہذا ہورہا ہے اور خبر ہے کہ ۱۷ جنوری تک جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر رونق افروز اس شہر کے ہوں گے۔ باقی حالات مدرسہ بدستور اور احقر کو اشتیاق قدم بوسی حضور از بس۔ خدا تعالیٰ کوئی تقریب پیدا کرے کہ ملازمت حاصل ہو۔ امید ہے کہ خیریت مزاج بندگان عالی سے مطلع ہوں۔

محمد ذوالفقارعلی

مدرس اول مدرسہ ضلع بریلی ۱۸۵۰ء''

Marfat.com

تشریحات:

۱۔ اس خط کے آخر میں سنہ تحریر کے ساتھ مہینہ کا نام بھی لکھا گیا تھا، لیکن کاغذ کا کونا پھٹ جانے سے یہ نام پڑھا نہیں جاتا۔ اس خط میں یہ مرقوم ہے کہ ۱۷ جنوری کو لفٹنٹ گورنر بریلی میں آئے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط جنوری ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا، لیکن جنوری کی کون سی تاریخ کو لکھا گیا، اس کا تعین مشکل ہے۔ مگر یہ تاریخ یقیناً ۱۷ جنوری سے پہلے کی ہے۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی کے اس خط لکھنے کا اصل محرک یہ تھا کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ اشپرینگر کو تمام مدارس کلکتہ کا انتظام سونپا گیا ہے۔ ''تاریخ مدرسہ عالیہ'' کے مرتب عبدالستار (حوالۂ مذکور) نے یہی لکھا ہے کہ اشپرینگر کو ۱۸۵۰ء میں مدرسہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر کیا گیا، لیکن اب مولانا کے اس خط سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ جنوری ۱۸۵۰ء میں ہوا کہ اشپرینگر کو لکھنؤ سے واپس دہلی کالج بھیجنے کے بجائے کلکتہ بھیج دیا جائے۔ اشپرینگر نے اس فیصلے کے فوراً بعد مدرسہ کلکتہ کا انتظام وانصرام نہیں سنبھالا، بلکہ وہ چند ماہ کے لیے شملہ چلا گیا، تاکہ لکھنؤ کے کتاب خانوں میں انتھک محنت کے بعد وہ کچھ وقت سکون سے گذار سکے۔ شملہ سے واپسی کے بعد اس نے مدرسہ عالیہ کے پہلے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا۔

۲۔ ترجمہ: آپ نے ہم پر اپنے فضل وکرم سے بہت سے احسانات کیے ہیں۔ آپ کا یہ عمل ان بادلوں سے مشابہ ہے جو بنجر ٹیلوں پر برستے ہیں۔

۳۔ مولانا ذوالفقار علی کو شعر وشاعری سے لگاؤ تھا اور کبھی کبھار اس فن میں بھی کمالات دکھاتے تھے۔ وہ بالعموم عربی میں شعر کہتے تھے، چنانچہ ان کا عربی قصیدہ دستیاب ہے، جس میں انھوں نے مولانا محمد احسن نانوتوی کے فضائل وکمالات بیان کیے ہیں (مولانا محمد احسن نانوتوی از ایوب قادری، حوالہ مذکورہ، ص ۱۰۷-۱۱۳)

مولانا ذوالفقار علی نے اس خط میں جس عربی قصیدے کا ذکر کیا ہے، وہ بھی اتفاق سے ذخیرہ اشپرینگر کے کاغذات میں محفوظ ہے۔ یہ مولانا کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے کل اکیس اشعار ہیں۔ نویں شعر میں اشپرینگر کا نام سرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ سطور ذیل میں یہ قصیدہ اور اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے:

بشری لقد جاد البلاد سماءٌ علی الصبا واخضرت الغبراء

(خوشی کا سماں ہے آج ملک پر آسمان مہربان ہو گیا ہے، باد صبا چل پڑی ہے اور زمین سرسبز وشاداب ہو گئی

Marfat.com

ہے)

ضرب الربیع خیامہ فوق الربیٰ ولہ الزھور کتبۃ خضراءُ

(موسم بہار نے ٹیلوں پر اپنے خیمے گاڑ دیے ہیں، اور پھول سبز رنگ کا لشکر معلوم ہو رہے ہیں)

وتفتق الأنوار اطراف الحمیٰ فالدھر منھا روضۃ غناءُ

(اور روشنیوں نے چراگاہ کے کناروں کو منور کر دیا ہے، اور پورا زمانہ گویا چہچہاتا ہوا غنچہ محسوس ہو رہا ہے)

یا صاح ماھذا المطال فانہ راق الزمان و رقت الصباءُ

(اے ساتھی! یہ کیا ٹال مٹول لگا رکھی ہے، بلاشبہ، وقت بڑا خوشگوار ہے اور جوانی اپنے جوبن پر ہے)

قم روق الراح العتیق و لا تخف من کل نسیک علاہ ریاءُ

(اٹھ اور شراب انڈیل اور صاحب ریا زاہد اور صوفی سے مت گھبرا)

ھات اسقنیھا واذکرن صفاتھا لتنال من لداتھا الاعضاءُ

(لاؤ مجھے یہ شراب پلاؤ اور اس کی خوبیاں بیان کرو، تاکہ اس شراب کی لذت سے میرے اعضاء محظوظ ہوں)

واستجلھا صرفاً وأترع کاسھا من ریحھا تتعطر الا رجاءُ

(شراب کے برتن سے ڈھکنا اٹھا دو اور جام بھر کر دو، اس کی خوشبو سے در و دیوار معطر ہو جائیں)

طابت شذی و تعطرف مکانھا اخلاق غطریف حواہ حیاءُ

(اس کی خوشبو بڑی عمدہ اور بہت جلد پھیل جانے والی ہے، گویا کہ یہ شراب کسی صاحب حیا سخی کے اخلاق ہیں)

بحر الندی سپرنجر البحر الذی حاز الثناء لہ ید "بیضاءُ

(اشپرینگر سخاوت کا سمندر ہے، وہ صاحب تعریف ہے اور اس کے بڑے احسانات ہیں)

علامۃ جمع المکارم جمۃً فھامۃ ینمی الیہ ذکاءُ

(بہت بڑا عالم ہے، اس نے اپنے اندر تمام خوبیوں کو سمولیا ہے۔ بڑا دانا ہے، نسبتِ ذہانت اس کی طرف جاتی ہے)

شھم" ھمام بارع" متفرد" یثنی علیہ العلم ولعلماءُ

(اپنے ارادوں کو پورا کرنے والا، ماہر اور یکتا سردار ہے، علم اور علماء اس کی ثناخوانی کرتے ہیں)

الجھبذ الجحجاح قرم" مقرم الا ریحی الا رھع الوضاءُ

(بہت سی خوبیوں کا مالک اور روشن، پیشانی والا سید اور آقا ہے)

للمجد غوث" للمکارم موئل" للفضل غیث" للسخاء سماءُ

Marfat.com

(شرف وعظمت کی پناہ گاہ ہے، خوبیوں کا گہوارہ ہے۔ فضل وعنایت کی بارش ہے، سخاوت کا آسمان ہے)

شمس المعالی لا کسوف للفضلها   بدر العلی لا یعتریہ خفاء

(بلندیوں کا سورج ہے، اس کے فضل وشرف کو کبھی گرہن نہیں لگتا، رفعتوں کا چاند ہے، جس کی روشنی کو کوئی چیز چھپا نہیں سکتی۔)

انسان عین المجد واحد عصرہٖ   بحر الندی ری الصدی داماءٔ

(عظمت کی آنکھ کی پتلی ہے، یکتائے زمانہ ہے، سخاوت کا سمندر ہے، پیاسے کو سیراب کرنے والا ہے، صاحب خیر وبرکت ہے۔)

یا مقصد الطلاب یا مولی الوریٰ   عش دائما نفسی علیک فداءٔ

(اے طالبان علم کی آماجگاہ، اے عوام کے آقا، ہمیشہ زندہ وسلامت رہو، آپ پر میری جان قربان ہو)

و لئن خللت بظاھر مولای فی   کلکتۃ فالمدن منک ملاءٔ

(اے میرے آقا! اگرچہ آپ بظاہر تو کلکتہ میں جلوہ گر ہیں، لیکن دوسرے شہر بھی آپ کے وجود سے خالی نہیں)

فلانت أعلمھم و أفضلھم لذا   بک یفخرء العلماء والفضلاءٔ

(تمام اصحاب علم وفضل آپ کے سامنے جھک گئے ہیں۔ آپ پر علماء اور فضلا کو فخر ہے)

سبحان من سحبان ینطق فاخراً   و لشیخنا قد اذعن الفصحاءٔ

(علم وعرفان کا بادل پاک ہستی ہے، قابل فخر گفتگو کا مالک ہے۔ ہمارے شیخ (آقا) کے لیے یہ تمام فصحاء وبلغاء ہمہ تن گوش ہیں)

عذراً فھذا المدح شی ھین''   ولقد تقاصر عن علاک ثناءٔ

(مجھے معاف کردیں، آپ کی شان کے مقابلے میں یہ چند تعریفی کلمات بہت کم ہیں، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی بلندی وعظمت کی تعریف نہیں کی جاسکتی)

و اسلم و دم فی عیشۃ مرضیۃ   ما غردت فی ایکھا الورقاءٔ

(سلامت رہو اور ہمیشہ مسرت وسعادت کی زندگی بسر کرو، جب تک کہ زندگی کے درخت میں کوئی پتہ تمن موجود ہے)

۲

''غریب پرور سلامت (۱)

Marfat.com

بعد گذارش تسلیمات فدویانہ عرض رسا ہے۔ افتخار نامہ حضور بجواب عرضی پہونچا اور موجب مزید عزت و امتیاز بندہ کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو اس پرورش کے عوض میں کامیاب و کام روا رکھے۔

فہرست کتب خانہ راجہ کنور رتن سنگھ (۲) حسب ارشاد خدمت میں پہونچتی ہے۔ بندہ نے ہر چند چاہا کہ فہرست میں نام و عہد مصنف و کل ابواب و فصول ہر کتاب و مجملاً مطلب ہر فصل و مقدار کل صفحات درج کرے، لیکن بباعث تنازع ورثہ راجہ موصوف کے میسر نہ ہوا اور صرف نقل فہرست بدشواری ہاتھ آئی۔ اور اصل فہرست بہت خراب اور بے ترتیب اور غلط تھی، اس لیے اوس کی نقل بھی اچھی نہیں ہے اور اس کے ملاحظہ سے حال کتب خانہ بخوبی روشن نہیں ہوتا۔ اور اسی لیے بندہ اس کے بھیجنے میں متامل تھا، لیکن بایں خیال کہ تعمیل حکم حضور میں کوتاہی نہ ہو، ارسال کرتا ہوں (۳) اور فہرست حسب دل خواہ بے ملاحظہ ایک ایک کتاب کے طیار نہیں ہوسکتی، انشاءاللہ تعالیٰ بعد انفصال مقدمہ حتی المقدور ترتیب فہرست مطلوب میں سعی کی جاوے گی۔

اور کتب خانہ مذکور سابق میں قبضہ گماشتہ زوجہ راجہ رتن سنگھ تھا۔ اب ایک ہفتہ ہوا کہ عدالت سرکاری سے ڈگری بنام زوجہ پسر راجہ ہوئی اور طرف ثانی نے مرافعہ عدالت بالا میں دائر کیا ہے۔ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد انفصال مقدمہ کتب خانہ بکے گا۔ اوس وقت حضور کو ضرور مطلع کروں گا۔

امید ہے کہ ہمیشہ توجہات حضور اور کار لائق اپنے لیے مشرف رہوں۔ زیادہ آفتاب دولت تاباں رہے۔

ذوالفقار علی

مدرس مدرسہ بریلی، پروردۂ قدیم''

تشریحات:

۱۔ یہ مکتوب بلا تاریخ ہے۔ یہ خط کون سے مہینے میں لکھا گیا، اس کا پتا نہیں چلتا، البتہ بعض داخلی شہادتوں سے اس کے سنۂ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس خط میں راجہ رتن سنگھ کے کتب خانہ کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے حق ملکیت پر راجہ کے انتقال کے بعد تنازعہ شروع ہو گیا تھا۔ اگر اس راجہ کا سال وفات معلوم ہو جائے تو زیر نظر خط کے سنۂ تحریر کا بھی علم ہو جائے گا۔

اس راجہ کے سنۂ وفات میں معمولی سا اختلاف ہے۔ علی حسن خاں نے ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء لکھا ہے (صبح گلشن، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ص ۸۹)۔ اشپرینگر نے ''فہرست مخطوطات شاہان اودھ'' (جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) میں ۱۸۵۰ء یا ۱۸۵۱ء تحریر کیا ہے (ص ۵۹۱، شمارہ ۵۷۰)۔ رتن سنگھ نے اپنی کتاب ''سلطان التواریخ'' کا قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) خود ہنری ایلیٹ کو پیش کیا تھا۔ اب

Marfat.com

یہ مخطوطہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ (رک: فہرست مخطوطات فارسی مرتبہ چارلس ریو، جلد سوم، ۱۸۸۳ء، ص ۹۶۲)۔ اس نسخے کے شروع میں ایلیٹ کا خودنوشت انگریزی نوٹ موجود ہے، جس میں اس نے رتن سنگھ کا سنہ وفات ۱۸۵۱ء لکھا ہے۔ اس معتبر روایت کے پیش نظر راجہ رتن سنگھ کا انتقال ۱۸۵۱ء میں ہوا اور یہ خط بھی اسی سال لکھا گیا۔

۲۔ فخر الدولہ دبیر الملک راجہ رتن سنگھ المتخلص بہ زخمی۔ باپ کا نام رائے بالک رام تھا۔ سکینہ کائستھ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دادا آصف الدولہ کا دیوان اور اتالیق تھا اور بعد میں اسے بریلی کا ناظم بنا دیا گیا۔ رتن سنگھ لکھنؤ میں پیدا ہوا (۲۳ محرم ۱۱۹۷ھ/ ۲۹ دسمبر ۱۷۸۲ء)۔ ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۳ء-۱۸۰۴ء میں وہ کلکتہ چلا گیا اور چار سال ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں گذارے۔ ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء میں وہ واپس لکھنؤ آیا اور بالآخر وزیر مالیات کے عہدہ پر فائز ہوا۔ ''صبح گلشن'' (حوالہ مذکور) کی روایت کے مطابق رتن سنگھ نے وفات (۱۸۵۱ء) سے تین سال قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کی فارسی تصنیفات یہ ہیں:

الف۔ ''سلطان التواریخ''۔ اودھ کی مفصل تاریخ محمد علی شاہ کی وفات (۱۸۴۲ء) تک۔ اس کے قلمی نسخے برٹش میوزیم اور برٹش لائبریری میں محفوظ ہیں (بحوالہ اسٹوری، ص ۷۰۹)

ب۔ ''انیس العاشقین''۔ فارسی کے قدیم وجدید شعراء کا تذکرہ۔ سنہ تالیف ۱۲۴۵ھ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ (''ضیائی'' تک)۔ رک: اسٹوری، ص ۸۹۰۔ تذکرہ نویسی فارسی در ہند و پاکستان، نگارش دکتر سید علی رضا نقوی، تہران ۱۹۶۴ء، ص ۵۲۱-۵۲۶۔ مخطوطہ لکھنؤ، روٹوگراف در: پنجاب یونیورسٹی لائبریری، اوراق ۳۱۷۔

ج۔ ''دیوان زخمی''۔ مطبوعہ لکھنؤ: محمدی پریس، ۱۲۵۳ھ صفحات ۵۱۳۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ شیرانی میں اس مطبوعہ نسخہ کے شروع میں زخمی کی رنگین تصویر چسپاں ہے۔ اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ بھی اسی ذخیرہ میں موجود ہے۔ (نمبر ۳۱۵۲/ ۱۴۷)

د۔ ''حدائق النجوم''۔ علم ہیئت پر مفصل کتاب۔ صفحات ۱۱۵۸، مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۴۱ء

ہ۔ ''جام گیتی نما''۔ فلسفیانہ رسالہ، ۱۲۶۱ھ میں لکھا گیا (بحوالہ ریو ۳: ۱۰۹۶)۔ ڈی، این، مارشل نے ''معیار الزمان'' اور ''شرح گل کشتی'' کو بھی زخمی کی تصانیف میں شامل کیا ہے (رک: مغلز ان انڈیا، نئی دہلی وغیرہ، ۱۹۶۷ء، ص ۴۹۸-۴۹۹، اسٹوری ۲: ۹۹)۔ راجہ رتن سنگھ زخمی کے چند سوانحی مآخذ کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے رک: گارسیں ۳: ۳۲۶۔ خطبات گارسیں دتاسی، ۱۹۳۵ء، ص ۴۳۔

Marfat.com

اشپرینگر کی اپنی تیار کردہ فہرست مخطوطات ومطبوعات (گیسن، ۱۸۵۷ء)، نمبر۲۲ ۱۷۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۵۴ء، ص ۲۳۳-۲۳۴ (مقالہ از ڈاکٹر اشپرینگر)۔ فارسی تذکرے از مولوی محمد شفیع در: اورینٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۲۷ء، ص ۴۸-۵۱ (زخمی نے ''انیس العاشقین'' میں اپنے جو حالات قلمبند کیے ہیں، ان کا اردو ترجمہ دیا گیا ہے)، نزہتہ الخواطر ۷: ۱۷۲ (''صبح گلشن'' سے منقول)۔ اسٹوری نے بیل کی ''اورینٹل بائیوگرافیکل ڈکشنری'' (طبع عکسی، نیویارک ۱۹۶۵ء) کا بھی زخمی کے تحت حوالہ دیا ہے۔ (ص ۹۰۷)، حالانکہ وہاں سورج مل جاٹ کے دوسرے بیٹے رتن سنگھ کا ذکر کیا گیا ہے، نہ کہ رتن سنگھ زخمی کا۔

رتن سنگھ کا بریلی سے پرانا تعلق تھا۔ آصف الدولہ کے دورِ حکومت میں اس کے دادا کو یہاں کا ناظم مقرر کیا گیا۔ زخمی کے خاندان کی خاصی بڑی جائداد اسی شہر میں تھی۔ اس کی اپنی پیدائش لکھنؤ میں ہوئی تھی، لیکن وہ اکثر بریلی آتا رہتا تھا۔ ''انیس العاشقین'' میں اس نے اپنے حالات کے تحت لکھا ہے کہ اس نے بلاد ہند کی سیر کی۔ پہلے بریلی اور پھر کلکتہ گیا......اور اس تذکرہ کی تالیف سے چند سال پہلے تک وہ معمولاً کبھی لکھنؤ اور کبھی بریلی میں مقیم رہتا (بحوالہ اورینٹل کالج میگزین، ۱۹۲۷ء، محولہ بالا، ص ۴۸)۔ ''دیوان زخمی'' (مطبوعہ ۱۲۵۳ھ) کے آخر میں جو عبارت منقول ہے، اس میں ''زخمی تخلصاً لکھنوی تولداً و بریلوی مسکناً'' درج ہے۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء) میں لکھا ہے کہ زخمی کا خاندان اور اس کی جائداد بریلی میں تھی۔ اسی جائداد میں اس کا کتاب خانہ بھی شامل تھا، جس میں زخمی نے نادر کتابوں کو جمع کر رکھا تھا۔ اشپرینگر اس کتاب خانہ کی اہمیت سے واقف تھا، چنانچہ جب اسے راجہ کے مرنے کی خبر ملی، اس نے مولانا ذوالفقار علی کو یہ کام سونپا کہ وہ اس کتاب خانہ کی فہرست تیار کر کے اسے بھجوائے، تا کہ وہ اپنے ذوق کی کتابیں منتخب کر سکے۔ مولانا مفصل فہرست مرتب کرنا چاہتے تھے، لیکن رتن سنگھ کے انتقال کے بعد اس کے لواحقین میں جائداد کا تنازعہ شروع ہو گیا، جس وجہ سے مولانا حسبِ منشا فہرست تیار نہ کر سکے۔

۳۔ مولانا ذوالفقار علی دیوبندی نے راجہ رتن سنگھ زخمی کے کتاب خانہ کی جو فہرست تیار کی تھی، وہ اب بھی اشپرینگر کے کاغذات میں محفوظ ہے۔ اس فہرست کے چھے اوراق ہیں۔ باریک ہلکے نیلے رنگ کا کاغذ استعمال کیا گیا ہے اور اس میں عربی، فارسی اور اردو مخطوطات ومطبوعات کے متعلق مختصر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

انہی کاغذات میں ایک اور فہرست کتب بھی ہے۔ اس کے سات اوراق ہیں اور اس کے لیے بھی

Marfat.com

ہلکے نیلے رنگ کا کاغذ استعمال ہوا ہے۔اس میں بھی عربی، فارسی اور اردو مخطوطات و مطبوعات کے مختصر کوائف بیان کیے گئے ہیں۔فہرست کے آخر میں اشپرینگر نے خود انگریزی میں ''کٹالاگ آف بریلی لائبریری'' لکھا ہے۔ممکن ہے، یہ فہرست رتن سنگھ کے کتب خانہ کی ہو اور اسے بھی مولانا ذوالفقار علی ہی نے تیار کیا ہو۔

ذخیرۂ اشپرینگر ہی کے ایک اور ڈبہ میں آٹھ صفحات کی ایک فہرست کتب بھی ہے۔مختلف لوگوں نے اسے ترتیب دیا ہے۔اس فہرست میں چند نجی کتاب خانوں کے قلمی نسخوں (تعداد ۲۵۳) کے نام دیئے گئے ہیں۔ان کتب خانوں میں ''کتب خانہ منشی الملوک راجہ رتن سنگھ'' بھی شامل ہے۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولوی کریم الدین پانی پتی

ڈاکٹر اشپر ینگر نے جوانی میں یہ سوچا تھا کہ مشرق کی علم و دانش کے خزینوں کو مغرب میں اور مغرب کی علمی و فکری، نیز سائنسی اور فنی ترقیوں کو مشرق میں متعارف کرایا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ مشرق و مغرب کی انہی اعلیٰ روایات کے سنگم یا تبادلہ سے ان دونوں خطوں کے لوگوں کے ذہنی فاصلے کم ہوں گے اور انھیں علمی اور فکری سطح پر ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ اشپر ینگر کے زمانۂ طالب علمی کی یہ سوچ انفرادی حیثیت رکھتی ہے اور مخصوص ذہنی رویوں کے باعث وہ اجتماعی سطح پر اپنے اس عزم میں متوقع کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ یہ رد عمل بظاہر ہمت شکن ضرور تھا، لیکن یہ اشپر ینگر کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکا اور اس نے شروع میں اپنی علمی زندگی کے لیے جو راہ متعین کی تھی، وہ تمام عمر اس پر گامزن رہا۔ اس نے اپنی ساری زندگی میں جو علمی کارنامے سرانجام دیئے، اگر انھیں بنظر غائر دیکھا جائے، تو ان میں اس کے عہدِ جوانی کے اسی پختہ عزم کا عکس نظر آئے گا، بالخصوص اس نے اپنے قیام ہندوستان کے چودہ سالہ (۱۸۴۳ء-۱۸۵۶ء) دور میں جتنے علمی کارنامے سرانجام دیئے اور مسلمانوں کی مختلف تعلیمی درسگاہوں کے سربراہ کی حیثیت سے اس نے جو حکمت عملی اختیار کی، وہ دراصل اس کی اسی سوچ کا عملی اظہار تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اشپر ینگر کو اپنی علمی زندگی کے متذکرہ اولیں مقصد کو پورا کرنے کا سنہری موقع ہندوستان آنے کے بعد ہی میسر آیا۔ جب اسے یہاں چند سال بعد دہلی کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا تو اس نے اس مدرسہ کے نصاب اور نظام تعلیم و تدریس کی اصلاح کے لیے اسی مقصد کو پیش نظر رکھا اور اس ادارے کو مغرب و مشرق کا ایک مرکزِ اتصال بنانے کی کوشش کی۔ قبل ازیں یہاں انگریزی زبان اور مغربی علوم کی تدریس کا انتظام تھا، لیکن یہ زیادہ تر یک طرفہ تھا، یعنی ان سے اہل ہند کو مغرب کی روز بروز کی چکا چوند ترقیوں کو روشناس کرانا اور اہل مغرب کی علمی اور فکری برتری کا لوہا منوانا تھا۔ اشپر ینگر کا کمال یہ ہے کہ اس نے اس یک طرفہ نظام کو دوطرفہ بنا دیا، یعنی اس نے مشرق والوں کی حکمت و دانش کے خزائن سے اہل مغرب کو متعارف کرانے کی پالیسی بھی اختیار کی۔ انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی

Marfat.com

تراجم کرائے اور یوں اس نے علم وفکر کے تبادلے کی راہ ہموار کی۔ اسی دور میں اس نے دہلی کالج ہی سے ایک علمی وادبی رسالے کا اجراء کیا، جس کا نام "قران السعدین" رکھا گیا۔ رسالے کا یہ نام ہی اشپرینگر کی دیرینہ سوچ کا مظہر ہے۔ پھر اس نے اس رسالے کے صفحۂ اول کی پیشانی پر دو ہاتھوں کو آپس میں ملتے ہوئے دکھایا ہے، جو مشرق و مغرب کے علمی سنگم کا علامتی اظہار ہے[1]۔ مزید برآں اس نے کچھ ایسے افراد کو منتخب کیا، جو اس کے مقصدِ حیات کو آگے بڑھانے میں معاونت کر سکتے تھے۔ ان منتخبہ اصحاب میں دہلی کالج کے اساتذہ بھی تھے اور طلبہ بھی۔ یہ لوگ ذہین، محنتی اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ علوم متداولہ پر ان کی گہری نظر تھی۔ اہل علم کی مجالس کے تربیت یافتہ تھے۔ پھر اشپرینگر کی قربت، ہمت افزائی، سرپرستی اور رہنمائی نے ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کر دیا اور وہ اس کے مشورے سے ایسے علمی کاموں میں مصروف ہو گئے، جو اس کے متعینہ مقصد ہی کو پورا کرتے تھے۔ اشپرینگر جتنی دیر ہندوستان میں مقیم رہا، وہ ان اصحاب علم کے تصنیفی کاموں کا محرک رہا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی دنیاوی ضرورتوں کو بھی پورا کرتا رہا۔ ان فاضل ہستیوں میں مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا محمد سدید الدین خاں، علی اکبر، برکت علی اور اشرف علی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، لیکن اشپرینگر کے ان قریبی رفقائے کار میں سب سے اہم شخص مولوی کریم الدین پانی پتی ہے جس نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز اشپرینگر کے کہنے پر کیا اور پھر اپنی متعدد اہم تصنیفات کو اسی کی تجویز یا مشورے سے مکمل کیا۔

اردو ادب کی تاریخ میں کریم الدین پانی پتی کا نام کئی حیثیتوں سے جانا پہچانا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز بطور مترجم کیا اور اشپرینگر کی فرمائش پر ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے لیے کئی عربی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔ وہ عام طلبہ کے لیے درسی کتابیں بھی لکھتے رہے اور یہ سلسلہ ان کی زندگی کے آخر تک جاری رہا، لیکن ان کے اصل جوہر اردو تذکرہ نگاری میں کھل کر سامنے آئے۔ ان کے مرتبہ تذکروں میں "گلدستۂ نازنیناں" (۱۸۴۵ء)، "فرائد الدہر" یعنی تذکرہ شعرائے عرب (۱۸۴۷ء) اور "طبقات شعرائے ہند" (۱۸۴۸ء) شامل ہیں، بالخصوص مؤخر الذکر تذکرہ ہی ان کے علمی کارناموں کی شناخت سمجھا جاتا ہے۔

۱۔ رک: "قران السعدین" پر راقم کا مقالۂ مذکور کے علاوہ گیل مینو (Gail Minault) کا یہ اہم مضمون "Qiran al-Sa'dain: The dialogue between Eastern and Western Learning at Delhi College", in: Jamal Malik (ed.): *Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860*. Leiden: Brill, 2000, pp. 260-277.

Marfat.com

اس میں اردو کی قدیم تذکراتی روایت کا تتبع بھی کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ اس کے بعض حصوں سے تذکرہ نویسی میں نئے رجحانات کی آہٹ بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔ تذکرہ نگاری کے علاوہ ان کا نام مطبع ''رفاہ عام'' کے بانی کی حیثیت سے یادگار ہے۔ اس مطبع کا شمار شمالی ہند کے ابتدائی مطابع میں ہوتا ہے اور یہاں سے اپنے وقت کے جید علماء کی کتابیں شائع کی جاتی تھیں۔ علاوہ ازیں مولوی کریم الدین مہینے میں دو بار اپنے گھر مشاعرے منعقد کراتے، جن میں دہلی کے سبھی شعراء اپنا کلام سناتے۔ ان مشاعروں کے انعقاد سے دہلی کی ادبی زندگی میں گہما گہمی تھی اور یہ سب چہل پہل کریم الدین کی ذاتی دلچسپیوں اور کاوشوں کا نتیجہ تھا۔ وہ ان مشاعروں میں پڑھے جانے والے کلام کو ضائع نہیں ہونے دیتے تھے، بلکہ اسے ترتیب دے کر گلدستہ مشاعرہ (بعنوان ''گل رعنا'') کی شکل میں اپنے ہی مطبع سے شائع کر دیتے تھے۔ اردو ادب میں گلدستوں کی اس روایت کے بانی مولوی کریم الدین ہی ہیں (۱)۔ یہ ان کے منعقدہ مشاعروں اور مطبوعہ گلدستوں ہی کا نتیجہ ہے کہ جب مرزا فرحت اللہ بیگ نے دہلی کے ایک یادگار مشاعرے کی محفل سجائی، تو انہیں مولوی کریم الدین ہی کی فراہم کردہ معلومات سے استفادہ کرنا پڑا، بلکہ وہ خود بھی مولوی صاحب کے لبادے میں اس مشاعرے میں شریک ہوئے (۲)۔

مولوی کریم الدین کے سوانح حیات کا واحد مستند ماخذ ان کا اپنا تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' ہے، جس میں انھوں نے اپنے حالات خود تحریر کیے ہیں اور اس کے ساتھ اپنی کچھ کتابوں کے کوائف بھی درج کر دیئے ہیں۔ ان کے یہ خود نوشت حالات زندگی ولادت سے اس تذکرہ کے زمانہ تالیف یعنی ۱۸۴۷ء تک ہیں۔ اپنی چند اور کتابوں میں بھی انھوں نے اپنے متعلق مختصر اسوانحی اشارے کئے ہیں۔ اس کے بعد وہ قریباً بتیس سال زندہ رہے، لیکن ان سالوں کے مفصل سوانح دستیاب نہیں۔ ان کی زندگی کے اس طویل حصے کے متعلق فرانسیسی اردوداں گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (بزبان فرانسیسی) کی طبع دوم میں مختصر سے اشارے کیے ہیں اور ۱۸۴۷ء سے بعد کی تالیفات کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ اب کریم الدین کے انتقال کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا، لیکن ہمارے پاس ابھی تک ان کے حالات زندگی کے یہی دو مستند مآخذ ہیں، یعنی ان کے اپنے تحریر کردہ سوانح حیات، (۱۸۴۷ء تک) اور گارسیں دتاسی کی محولہ بالا ''تاریخ''۔ گارسیں دتاسی نے بھی کریم الدین کے ابتدائی حالات (۱۸۴۷ء تک) اس کے تذکرے ''طبقات

۱۔ یہ مشاعرہ ۱۴ رجب ۱۲۶۱ھ/۲۰ جولائی ۱۸۴۵ء کو شروع ہوا اور اسی سال ذیقعدہ کے وسط میں موقوف ہوا۔

۲۔ دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ از فرحت اللہ بیگ، کراچی: اردو اکیڈمی، ۱۹۶۰ء، ص ۸، مرتبہ رشید حسن خاں، دہلی ۱۹۹۲ء، بعنوان ''دہلی کی آخری شمع''۔

Marfat.com

شعرائے ہند'' ہی سے نقل کیے ہیں، اس کے بعد کی سوانحی معلومات گارسیں دتاسی نے اپنے شخصی ذرائع اور اس دور کے بعض اخبارات سے اخذ کی ہیں۔ کریم الدین خاں کے ان مآخذ سے ان کی جو ادھوری سی سوانحی تصویر سامنے آتی ہے، وہ کچھ یوں ہے:

مولوی کریم الدین کے جدِ بزرگوار پیلی بھیت کے رہنے والے تھے۔ سیاحت کا شوق رکھتے تھے اور شہر شہر گھومتے رہتے تھے۔ اسی سیاحی میں پانی پت آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ ذریعۂ آمدنی شاہی جاگیر تھا، اس لیے نان و نفقہ سے بے فکر تھے اور اپنا وقت سیر و سیاحت میں گذارتے تھے۔ جب کریم الدین کے والد سراج الدین پانی پت میں پیدا ہوئے تو ان کے دادا نے بھی اسی شہر کو اپنا مسکن بنالیا۔ انھی دنوں نادر شاہ دہلی پر حملہ آور ہوا اور دیگر علاقوں کی طرح اس شہر میں بھی تباہی مچاتا ہوا واپس چلا گیا۔ اسی تاخت و تاراج میں کریم الدین کے دادا کا گھر بار لٹ گیا اور جاگیر بھی ہاتھ سے نکل گئی۔ جاگیر کے ساتھ ہی شوق سیاحت بھی جاتا رہا۔ انھوں نے روزگار کے لیے مسجد نشینی اختیار کرلی۔ وہ یہاں ایسے جم کر بیٹھے کہ جب انگریزوں نے اس علاقہ کی جاگیریں واگذاشت کیں تو بھی وہ اپنے تقوی، ورع، بے پرواہی اور جنونی کیفیت کی وجہ سے کہیں نہ جاسکے اور یوں اپنی جاگیر ضبط کرا بیٹھے۔ کریم الدین کے دادا نے بقیہ زندگی مسجد ہی میں گذاری۔ انھوں نے اپنے بیٹے یعنی کریم الدین کے والد سراج الدین کی تعلیم و تربیت اس انداز سے کی کہ وہ بڑے ہوکر مسجد نشینی ہی اختیار کریں۔ چنانچہ اپنے والد کی وفات کے بعد سراج الدین اسی مسجد میں امامت کراتے رہے اور بچوں کو پڑھا کر اپنا وقت گذارتے رہے۔

کریم الدین پانی پت میں ماہ عید الفطر[1] ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۱ء بتاریخ روز عید بوقت نماز صبح مسجد اشرف خاں کے متصل افغانوں کے محلہ میں پیدا ہوئے[2]۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور جب سن تمیز و

۱۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار نے اپنے مقالہ 'طبقات شعرائے ہند اور مولوی کریم الدین'' (مکمل حوالہ آئندہ ... میں درج ہے) کے ایک تحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ ''مولوی محمد اسماعیل پانی پتی کی زبانی روایت کے مطابق مولوی کریم الدین کا انتقال عید الفطر کے موقع پر ہوا'' (ص ۱۴) کریم الدین کی وفات ... انتقال کون سے مہینے میں ہوا اس کے متعلق حتمی طور پر معلوم نہیں۔ مولوی کریم الدین کی ولادت عید الفطر میں ہوئی ممکن ہے اس واسطے اسماعیل پانی پتی مرحوم نے ان کی وفات کا مہینہ سمجھ ...۔

۲۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے مولوی کریم الدین سے متعلق ''خط تقدیر'' (دیکھیے حوالہ آئندہ) کے دیباچے میں ... صراحت کی ہے کہ ۱۲۳۷ھ کا ماہ عید الفطر ۱۸۲۱ء سے مطابق نہیں ہے۔ یا تو یہ ۱۲۳۶ھ ہے یا ۱۸۲۲ء ... موصوف نے ۱۸۲۲ء ہی کو درست تسلیم کیا ہے (ص ۱۱)۔

Marfat.com

پہنچے تو ان سے صرف ونحو اور عربی و فارسی کی درسی کتابیں پڑھیں۔ شاید یہ روزگار کی تنگی تھی یا حصول علم کا شوق کہ مولوی کریم الدین اپنی نو جوانی میں پانی پت سے دہلی چلے گئے (اندازاً ۱۸۳۸ء) اور غالباً وہاں جاتے ہی مدرسہ دار البقاء میں پناہ حاصل کی۔ یہ مدرسہ جامع مسجد کے جنوبی دروازے کی جانب تھا۔ دور دراز علاقوں سے طلبہ یہاں آتے تھے اور کتب معقول و منقول پڑھتے تھے۔ جب اس پرانے مدرسہ کی حالت خستہ ہوگئی، تو دہلی کے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ نے زر کثیر صرف کر کے اس پرانے مدرسہ کو از سر نو تعمیر کرایا۔ یہاں طلبہ کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ ان کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام بھی کیا جاتا تھا[1]۔ اطراف و اقطار کے دیگر طلبہ کی طرح کریم الدین بھی آزردہ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے اور ان سے فلسفہ و منطق کی کتابیں پڑھتے رہے[2]۔ ان مضامین کے علاوہ صرف ونحو، معانی، طب، فقہ و اصول فقہ اور حدیث جیسے علوم تحصیل کیے۔ کریم الدین کے اساتذہ میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کا نام بھی لیا جاتا ہے[3]۔ ممکن ہے ان میں سے کچھ علوم مولانا سے پڑھے ہوں۔ ان کے اساتذہ میں مومن دہلوی کا نام بھی شامل ہے[4]، لیکن یہ روایت معتبر نہیں سمجھی جاتی۔ دہلی آنے کے بعد بھی مالی پریشانیوں نے کریم الدین کا پیچھا نہ چھوڑا، چنانچہ وہ کتابت سے اپنی گذران کرتے رہے۔

انھی دنوں دہلی کالج کے تدریسی اور انتظامی ڈھانچے میں کچھ بنیادی اصلاحات کی گئیں۔ یہ اصلاحات اس کمیٹی نے تجویز کی تھیں جو جیمز تھامسن (J. Thomason) کی سربراہی میں تشکیل دی گئی تھی۔ اس کمیٹی نے ایک یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ جگہ جگہ سے ذہین نو جوان کو تلاش کر کے انھیں کالج میں داخل کرایا جائے اور ماہوار وظیفہ بھی دیا جائے تا کہ وہ یکسوئی سے علم حاصل کر سکیں۔ اس تجویز کے تحت جو نئے طلبہ کالج میں داخل ہوئے، ان میں کریم الدین بھی شامل تھے۔ داخلے کے وقت (اندازاً ۱۸۴۰ء) کریم الدین کی عمر اٹھارہ برس تھی، یہاں ان کو ماہوار سولہ روپے وظیفہ ملنے لگا اور وہ اس کالج میں منطق، فلسفہ، ہندسہ، حساب،

۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۵۴-۵۵۔ ''لال قلعہ کے اطراف کے منہدم شدہ محلے اور بازار''

۲۔ فرائد الدہر یعنی تذکرہ شعرائے عرب از مولوی کریم الدین پانی پتی، دہلی ۱۸۴۷ء، ص ۳۹۸۔ شروع میں ''شیخنا و استاذ نا وبادینا و مرشدنا دحا کمنا محمد صدر الدین'' لکھا ہے۔

۳۔ محمد احسن نانوتوی از ایوب قادری، ص ۱۸۳-۱۸۴۔ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی، مذکورہ بالا، ص ۵۱۶-۵۱۹

۴۔ تحقیق کی روشنی میں از ڈاکٹر عندلیب شادانی، لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۷۔

Marfat.com

ہیئت، پیمائش، مناظر مرایا، جبر ومقابلہ، ادب اور فقہ کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ان دنوں یہ مضامین مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا سید محمد، قاری جعفر علی جار چوی، سدید الدین خاں، سبحان بخش شکار پوری، حسن علی خاں اور احمد علی پڑھاتے تھے۔ اس طرح تمام اصحاب علم کریم الدین کے اساتذہ میں شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اسی زمانے میں کالج کے پرنسپل فیلکس بوترو نے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی تھی اور اس کے تحت مختلف علوم کی بہت سی انگریزی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا جا رہا تھا۔ یہ بھی تراجم کریم الدین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ کالج کا پرنسپل بوترو بھی ان کی صلاحیتوں کا معترف تھا اور انھوں نے اسی کے کہنے پر دیوانی اور فوجداری قوانین، اصول، قوانین، سیاست مدن اور ریاضی کا مطالعہ کیا تھا۔ ان علوم کے علاوہ انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھی اور اس میں اتنی مہارت حاصل کر لی کہ انھیں مشکل انگریزی کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی۔

مولوی کریم الدین تقریباً پانچ سال دہلی کالج میں طالب علم رہنے کے بعد ۱۸۴۴ء میں یہاں سے فارغ ہوئے۔ تعلیم مکمل ہوتے ہی انھوں نے دہلی میں شادی کر لی اور اسی شہر میں ''رفاہ عام'' کے نام سے ایک مطبع قائم کر لیا۔ اس مطبع کے قیام کا اصل مقصد یہ تھا کہ مختلف فنون کی انگریزی کتابوں کے اردو تراجم یہاں سے شائع کیے جائیں، تاکہ ہندوستانی عوام، جو ان علوم سے بے بہرہ ہیں، انھیں پڑھ کر اپنے لیے ترقی کی راہیں متعین کر سکیں۔ اس مطبع میں کریم الدین کے کچھ حصے دار بھی تھے، جنھوں نے انھیں فریب دے کر اس مطبع پر قبضہ کر لیا اور کریم الدین کو اس سے نکال باہر کیا۔ یہ مطبع ۱۴ شوال ۱۲۶۱ھ/ ۱۶ اکتوبر ۱۸۴۵ء تک ان کے پاس رہا۔ اسی سال کریم الدین نے اپنے گھر مہینے میں دو بار مشاعرے کا اہتمام کیا، جس میں دہلی کے ہر مرتبہ اور عمر کے شعراء اپنا کلام سناتے تھے۔ بعد میں یہ کلام شاعر کے مختصر حالات سمیت ''گل رعنا'' کے عنوان سے تحت گلدستہ مشاعرہ کی صورت میں شائع ہوتا تھا۔ موجودہ تحقیقات کے مطابق یہ اردو کا پہلا گلدستہ ہے (1)۔

مطبع کے چھن جانے کے بعد کریم الدین بے دست و پا ہو گئے۔ مشاعرے موقوف ہوئے تو ان کی سماجی زندگی کی رونقیں بھی ختم ہو گئیں۔ معمولات زندگی درہم برہم ہو گئے۔ انھی ایام میں ایک چند صدمات واقع ہوئے، جن کا برسوں ان کے قلب و ذہن پر اثر رہا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مصائب و صدمات کے ان اندھیروں میں امید کی ایک کرن نظر آئی اور وہ یوں کہ اسی سال یعنی ۱۸۴۵ء میں اشپرنگر دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔ وہ بنیادی طور پر عربی دان تھا اور عربی زبان وادب کے شائقین، چاہے وہ طلبہ تھے یا اساتذہ، کی قدر و منزلت کرتا تھا۔ کریم الدین ان دنوں ابھی چوبیس سال کے نوجوان تھے، لیکن عربی زبان اور مختلف علوم وفنون

۱۔ گلدستۂ صحافت از امداد صابری۔ دہلی ۱۹۸۴ء۔ (یہ کتاب مولانا کریم الدین کے نام معنون ہے)

Marfat.com

پر گہری نظر رکھتے تھے۔ اشپرینگر جلد ہی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں کا گرویدہ ہو گیا۔ وہ مولوی صاحب کی خرابی حالات سے باخبر تھا، لیکن وہ فوری طور پر ان کے لیے کسی موزوں ملازمت کا بندوبست نہ کر سکا، البتہ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے سیکرٹری کی حیثیت سے اس نے انھیں کچھ عربی کتب کے اردو ترجمے کا کام سونپ دیا۔ اس کام سے کریم الدین کو طبعی مناسبت تھی اور پھر اس سے آمدنی کی بھی ایک صورت نکل آئی۔ چنانچہ انھوں نے اشپرینگر کی فرمائش اور مشورے سے اس سوسائٹی کی جانب سے کئی کتابوں کو اردو میں منتقل کیا۔

مولوی کریم الدین تقریباً پانچ سال (۱۸۴۵ء–۱۸۵۰ء) انھی تراجم میں مشغول رہے اور ساتھ ساتھ اشپرینگر کے مشورے سے مختلف کتابیں بھی تالیف کرتے رہے۔ تصنیف و تالیف کے اعتبار سے یہ دور کریم الدین کی زندگی میں خاصی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ جن تذکروں (یعنی ''گلدستۂ نازنیناں''، ''فرائد الدہر'' اور ''طبقات شعرائے ہند'') کی بدولت ان کا نام آج بھی زندہ ہے، وہ سب انھی پانچ سالوں میں مرتب ہوئے۔ ۱۸۴۸ء میں اشپرینگر لکھنؤ چلا گیا اور یوں کریم الدین اپنے محسن کی قربت سے محروم ہو گئے۔ وہ اشپرینگر کو لکھنؤ خط لکھتے رہے اور وہ بھی ان کے مستقل روزگار کے لیے تگ و دو کرتا رہا۔ بالآخر اس کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور ۱۸۵۰ء میں کریم الدین کو آگرہ کالج میں مدرس اول کی ملازمت مل گئی[1]۔ تقریباً سات سال وہ اسی کالج میں اپنی مدرسانہ ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوتے رہے[2]۔ ۱۸۵۷ء کے فسادات شروع ہوئے تو وہ بھی ان کے شعلوں کی لپیٹ میں آ گئے۔ پرانے انگریز محسنوں کا ساتھ چھوٹ گیا۔ ملازمت بھی جاتی رہی اور وہ ایک بار پھر گردش ایام میں گرفتار ہو گئے۔ آخر انھوں نے پنجاب کا رخ کیا اور جنگ کے

۱۔ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اپنے محولہ بالا مقالے میں رقمطراز ہیں کہ ''آگرہ کالج میں بطور مدرس اول ان کے تقرر کا صحیح زمانہ متعین نہیں ہو سکا۔ غالباً ۱۸۵۰ء کے قریب وہ آگرہ کالج سے منسلک ہوئے۔'' (ص ۱۴)۔ کریم الدین کے آگرہ جانے کا سنہ ۱۸۵۰ء ہی درست ہے اور اب اس میں لفظ ''غالباً'' کی گنجائش نہیں رہی۔ تفصیل کے لئے رک: مکتوب کریم الدین بنام اشپرینگر (مراسلہ نمبر ۲ مع تشریحات، دیکھئے آئندہ سطور)

۲۔ ''کریم اللغات'' کے آخر میں ''خاتمۃ الطبع از کارپردازان'' یوں ہے: ''مولوی کریم الدین صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں آگرہ میں اردو زبان کے پروفیسر تھے۔''

یہ کالج آگرہ کی قدیم درسگاہوں میں سے ایک تھا۔ اس زمانے میں یہ کالج انگریزوں کی نظامت تعلیم کے ماتحت تھا، لیکن بعد میں برطانوی حکومت نے اس کے انتظام و انصرام سے ہاتھ کھینچ لیا اور یہ کالج لوگوں کے عطیات وغیرہ سے چلتا رہا۔ تفصیل کے لیے رک: سید محمد لطیف کی انگریزی کتاب ''آگرہ''، کلکتہ ۱۸۹۶ء، ص ۲۹۶، ۲۹۸۔

Marfat.com

فوراً بعد (غالباً ۱۸۵۸ء) میں لاہور آ گئے۔ یہاں آتے ہی انھیں محکمہ تعلیم میں ملازمت مل گئی۔ وہ ابتدا میں اس محکمہ میں سررشتہ دار کی حیثیت سے کام کرتے رہے، لیکن اپنی شبانہ روز محنت اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کی بناء پر پہلے ڈپٹی اور پھر ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے عہدوں پر مامور ہوئے۔ قیام لاہور کے دوران میں بھی وہ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھتے رہے، لیکن ان کی نوعیت علمی کم اور تدریسی زیادہ ہے۔ بالآخر وہ ۱۸۷۹ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے[1]۔

گارسیں دتاسی کی ایک روایت کے مطابق کریم الدین کے تین بھائی بھی تھے۔ عماد الدین، خیر الدین اور معین الدین۔ اول الذکر بھائی نے اسلام چھوڑ کر مسیحیت قبول کر لی۔ گارسیں دتاسی لکھتا ہے کہ کریم الدین ۱۸۶۶ء میں اپنے مرتد بھائی کے تعاون سے ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھے، جن میں اسلام کی حقانیت کو چیلنج کیا گیا تھا۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ اپنے بھائی کی پیروی میں کریم الدین بھی عیسائی ہو گئے تھے۔ کریم الدین کے متعلق یہ بیانات قابل تصدیق ہیں اور پھر گارسیں دتاسی جیسے تبلیغ مسیحیت سے گہری جذباتی وابستگی رکھنے والے شخص کی ایسی روایات کو بلا ثبوت تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی عبدالودود نے اپنے ایک مقالے میں گارسیں دتاسی کی اس روایت کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ امداد صابری نے ''فرنگیوں کے جال'' (طبع دوم، دہلی ۱۹۷۹ء) میں پادری عماد الدین کے ذکر (ص ۱۶۱-۱۶۴) کے تحت کریم الدین کا نام تک نہیں لکھا اور عماد الدین کے والد کا نام چراغ الدین تحریر کیا ہے جو پہلے عیسائی ہو گئے، لیکن بعد میں پھر اسلام میں داخل ہو گئے[2]۔

مولوی کریم الدین کثیر التصانیف مصنف ہیں۔ ان کی تصنیفات میں تراجم اور طبعزاد کتابیں بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر کتابیں تاریخ، ادب، لسانیات، تذکرہ نگاری اور لغت نویسی جیسے موضوعات پر لکھی گئی ہیں۔ اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' میں انھوں نے اپنے حالات کے ساتھ تیرہ کتابوں کے مختصر

۱۔ مولوی کریم الدین کا یہ سنہ وفات صرف اسماعیل پانی پتی نے لکھا ہے (''نقوش''، آپ بیتی نمبر) اور اس سلسلے میں انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔

۲۔ گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' میں عماد الدین کے حالات قلم بند کیے ہیں (۲ : ۱۲-۲۵)۔ اس نے ''واقعات عمادیہ'' (طبع ثانی، لدھیانہ: امریکن مشن پریس، ۱۸۷۴ء) سے عماد الدین کے خودنوشت حالات زندگی کا فرانسیسی ترجمہ بھی دیا ہے (ص ۱۴-۲۵) اس میں عماد الدین نے اپنے والد کا نام سراج الدین ہی لکھا ہے اور مولوی کریم الدین کو اپنا بھائی بتایا ہے۔ اس نے اپنے آباؤ اجداد کے حالات مولوی کریم الدین کی نسبت زیادہ تفصیل سے تحریر کیے ہیں۔

Marfat.com

کوائف بھی درج کیے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۸۴۷ء میں تیار کیا گیا اور اس وقت کریم الدین کی عمر چھبیس سال تھی۔ اتنی کم عمری میں چھوٹی بڑی تیرہ کتابوں (''طبقات'' سمیت چودہ) کی تالیف کریم الدین کی خداداد ذہانت اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں کا بیّن ثبوت ہے۔ گارسیں دتاسی نے کریم الدین کی چونتیس اردو تصنیفات کی فہرست دی ہے اور آخر میں ان کی چند فارسی کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے ''خط تقدیر'' (مؤلف کریم الدین) کا جو ایڈیشن مرتب کیا ہے، اس کے آخر میں بطور ضمیمہ ب ''فہرست تالیفات کریم الدین'' کے ذیل میں ان کی پینتالیس کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ فہرست گارسیں دتاسی کی متذکرۂ بالا فہرست کی روشنی میں تیار کی گئی ہے۔ یہاں کریم الدین کی تمام تصانیف کا ذکر بخوف طوالت نہیں کیا جا سکتا، البتہ ان کی بعض اہم کتابوں کے حوالے سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

تعلیم النساء (فقہ، قبل ۱۸۴۷ء)۔ گلستان ہند (اخلاق و نصائح، قبل ۱۸۴۷ء)۔ گلدستۂ نازنیناں (تذکرہ ۱۸۴۵ء)۔ عجالۃ العلالہ (عروض، ۱۸۴۵ء) تذکرۃ النساء (تاریخ و تذکرہ)۔ تاریخ شعرائے عرب (تذکرہ، ۱۸۴۷ء)، طبقات شعرائے ہند (تذکرہ ۱۸۴۸ء)۔ ترجمہ ابوالفداء (تاریخ، ۱۸۴۸ء) شرح مقامات حریری (ادب، ۱۸۴۸ء)۔ قواعد المبتدی (قواعد، ۱۸۵۸ء)۔ جغرافیہ پنجاب (۱۸۶۱ء)۔ خط تقدیر (ناول، ۱۸۶۲ء)۔ کریم اللغات (۱۸۶۲ء)۔ واقعات ہند (تاریخ، ۱۸۶۶ء)۔ اشارات التعلیم (گائیڈ برائے اساتذہ، ۱۸۶۶ء)۔ تکریم ظہوری (ادب، ۱۸۶۵ء)۔ قصہ پنجاب سنگھ (لاہور ۱۸۶۴ء) وغیرہ وغیرہ [1]۔

۱۔ مولوی کریم الدین پانی پتی کے سوانح حیات اور تصنیفی کارناموں کی متذکرہ بالا تفصیلات کا بیشتر حصہ ان کے اپنے تذکرے ''طبقات شعرائے ہند'' (بہ اشتراک ایف فیلن، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۸ء، طبع عکسی لکھنؤ ۱۹۸۳ء، ص ۴۶۷-۴۷۳) اور گارسیں دتاسی کی فرانسیسی کتاب ''تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی'' (مطبوعہ پیرس، جلد دوم، ۱۸۷۰ء-۱۸۷۱ء، طبع عکسی نیویارک ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۶-۱۷۷) سے اخذ کیا گیا ہے۔ گارسیں دتاسی نے اس ''تاریخ'' کے علاوہ اپنے ''خطبات'' (مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء) اور ''مقالات'' (دو حصے، دہلی ۱۹۴۳ء وکراچی ۱۹۶۴ء) میں بھی جا بجا کریم الدین کی تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ کریم الدین کے متعلق دیگر ثانوی مآخذ یہ ہے: دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ از مرزا فرحت اللہ بیگ، کراچی ۱۹۶۰ء (انگریزی ترجمہ، دہلی ۱۹۷۹ء)۔ مرحوم دہلی کالج مؤلفہ مولوی عبدالحق، طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء، وکراچی ۱۹۶۲ء، ص ۱۷۰-۱۷۱۔ خط تقدیر مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، لکھنؤ ۱۹۶۵ء (طبع اول، لاہور ۱۸۶۵ء)، مقدمہ، ص ۹-۳۶ وضمیمہ (ب)، ص ۱۵۳-۱۵۷۔ بازیافت (تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا مجموعہ) از ڈاکٹر محمود الٰہی، لکھنؤ ۱۸۶۵ء، ص ۳۶-۶۲۔ (مقالہ ''طبقات شعرائے ہند (ایک مطالعہ)''۔ ڈاکٹر موصوف کا یہی مقالہ ''طبقات شعرائے ہند'' کی طبع عکسی کے مقدمہ کے طور پر بھی شائع ہوا ہے) ص ۱۶۷-۱۸۶ (مقالہ ''اردو میں عربی شعراء کا پہلا تذکرہ'')۔ ڈاکٹر (جاری)

Marfat.com

مولانا کریم الدین پانی پتی کی ذہنی نشو ونما اور علمی تربیت میں ڈاکٹر اشپرینگر کا بڑا ہاتھ تھا۔اس نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں چند ایسے علماء اور باصلاحیت نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کرلیا تھا، جو اس کے علمی معاملات میں اعانت کرتے تھے اور اس کے لئے کونے کونے سے عربی اور فارسی قلمی نسخے جمع کرتے

غلام حسین ذوالفقار: طبقات شعرائے ہند اور مولوی کریم الدین (صحیفہ، شمارہ نمبر ۴۰، بابت جولائی ۱۹۶۷ء، ص ۹-۳۰)۔اس مقالے کے ایک تحتی نوٹ میں ڈاکٹر موصوف رقمطراز ہیں کہ "غالباً پروفیسر مولوی محمد شفیع (مرحوم ومغفور) نے ریکارڈ آفس میں مولوی کریم الدین کی پرسنل فائل دیکھی تھی۔انھوں نے ایک موقع پر اس کا ذکر کیا تھا،لیکن راقم نے جب ریکارڈ آفس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ فائل اب وہاں نہیں ہے۔" (ص ۱۴)۔ تاریخ صحافت اردو از مولانا امداد صابری، جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۲۷۰-۲۸۰۔ ہندوستانی اخبار نویسی (کمپنی کے عہد میں) از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء۔ تاریخ نثر اردو مرتبہ احسن مارہروی، حصہ اول، علی گڑھ ۱۹۳۰ء، ص ۱۱۵-۱۱۶۔ سیر المصنفین از محمد یحییٰ تنہا، حصہ اول، ص ۲۴۱۔ داستان تاریخ اردو مؤلفہ مولانا حامد حسن قادری، طبع سوم، آگرہ ۱۹۶۶ء، ص ۷۷۔ شعرائے اردو کے تذکرے از ڈاکٹر سید عبداللہ، لاہور ۱۹۶۸ء (۱۹۵۲ء)، ص ۶۱-۶۶۔ رسالہ "نگار" کراچی) تذکروں کا تذکرہ نمبر، ۱۹۶۴ء۔ اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری از ڈاکٹر فرمان فتحپوری، لاہور ۱۹۷۲ء۔ قاضی عبدالودود: طبقات شعرائے ہند (معاصر (پٹنہ) حصہ نہم)۔ جائزہ مخطوطات اردو مرتبہ مشفق خواجہ، جلد اول، لاہور ۱۹۷۹ء، ص ۱۸۰-۱۸۵۔ رسالہ "نقوش" آپ بیتی نمبر، جون ۱۹۶۴ء، ص ۴۵۲-۴۵۵۔ مولوی کریم الدین، حیات و کارنامے مصنفہ ذیشان احمد صدیقی، پٹنہ ۱۹۷۸ء، (مقالہ خصوصی برائے ڈاکٹریٹ)۔ فہرست کتاب خانہ انڈیا آفس، جلد دوم حصہ دوم ("ہندوستانی کتب")، مرتبہ جے۔ ایف۔ بلوم ہارٹ، لندن ۱۹۰۰ء، بحوالہ اشاریہ ص ۳۴۱۔ گلدستہ نازنیناں از خلیل الرحمٰن داؤدی (اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۱۹۵۵ء، ص ۵۷-۶۹)۔ گلدستہ صحافت، جلد اول (۱۸۴۵ء-۱۸۸۸ء) از امداد صابری، دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۸-۱۶۔ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی نانوتوی، حوالہ مذکورہ، ص ۵۱۶-۵۱۹۔ مولوی کریم الدین پانی پتی کی حیات و تصانیف سے متعلق بعض نئی معلومات پولی انگریزی مقالات از پاول (Avril A. Powell) مثلاً

"Recriprocities and Divergences concerning Religious Traditions in two Families of Scholars in North India", in: Jamal Malik (ed.), op. cit., pp. 188-222; ibid.: "History Textbooks and the Transmission of the Pre-colonial Past in North-Western

Marfat.com

رہتے تھے۔ جواباً وہ بھی اپنے ان رفقائے کار کی تعلیمی، معاشی اور علمی مشکلات کو دور کرنے کے لیے حتی الوسع کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس کے انھی قریبی رفیقوں میں کریم الدین بھی شامل تھے، بلکہ انھوں نے تو اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز ہی اس کے مشورے سے کیا۔ انھوں نے اپنی مختلف کتابوں میں اشپرینگر کی علم دوستی اور اس کے شخصی خصائص کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور دیباچوں میں اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ ان کتابوں کے لکھنے یا ترجمہ کرنے میں اول تا آخر اشپرینگر کا عملی تعاون شامل رہا۔ سطور ذیل میں کریم الدین کی چند تصانیف سے ایسے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جن میں وہ اشپرینگر کے علمی مرتبے اور طبعی محاسن کا ذکر کرتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انھوں نے یہ کتابیں اشپرینگر کے کہنے پر قلم بند کیں۔

کریم الدین نے اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' میں اپنے سوانح حیات کے ساتھ اپنی تصانیف اور تراجم کی فہرست دی ہے، اس میں ''تذکرہ شعرائے ہند'' (جو ''طبقات'' ہی کا دوسرا نام ہے) کے تحت لکھتے ہیں:

''یہ کتاب جو تالیف کی گئی بموجب حکم ڈاکٹر اسپنجر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی کے''

(ص ۴۷۱، نیز ص ۵۰۲)

اس فہرست میں ''ترجمہ ابوالفداء'' کے متعلق وہ رقمطراز ہیں:

''یہ ایک تاریخ ابوالفدا اسماعیل بادشاہ ملک حمایت کی تصنیف ہے، عربی زبان میں تھی۔ بموجب حکم ڈاکٹر اسپنجر صاحب کے اردو میں میں نے اوس کا ترجمہ ۱۲۶۳ھ کے اس طرح پر طیار کیا......''

(ص ۴۷۲)

India in the 1860s and 1870s" in: Daud Ali (ed.): *Invoking the Past: The Uses of History in South Asia*, New Delhi: OUP, 1999, pp. 91-133; ibid.: "Scholar Manqué or Mere Munshi? Maulawi Karimu'd-Din's Career in the Anglo-Oriental Education Service" in: Margrit Pernau (ed.): *The Delhi College*, op. cit., pp. 203-231; ibid.: *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny Delhi*. Richmond Surrey 1993, ch. 7; ibid.: "Processes of Conversion to Christianity in Nineteenth Century North-Western India", in: *Religious Conversion Movements in South Asia; Continuities and Change, 1800-1900*. London 1997, pp. 15-55.

Marfat.com

اسی ''ترجمہ ابوالفداء'' کے دیباچہ میں وہ قدرے تفصیل سے لکھتے ہیں:

''...... یہ کتاب فن تواریخ کی زبان عربی میں بہت صحیح اور درجہ اعتدال پر ایسی کمیاب تھی کہ ہندوستانی بہ سبب نہ دستیاب ہونے یا عدم شیوع اس کتاب کے اس کے فوائد سے بے بہرہ تھے۔ ان ایام میں جو چند فنون اہمیہ کا ترجمہ زبان اردو میں سیکرٹری سوسائٹی نے چھپوا کران کی اشاعت تامہ کر کے رواج دیا ہے، اس واسطے صاحب والا مناقب اسپرینگر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی سیکرٹری سوسائٹی دام اقبالہ نے، جو کہ عالم کامل اور بے عدیل فاضل ہیں اوران صاحب کو چند السنہ متفرقہ عربی اور فارسی اور لیٹن اور یونانی اور جرمنی اور فرانسیسی اور انگریزی اور ناگری وغیرہ میں قدرت کاملہ اوران السنہ مذکورہ کی کتابوں سے جو السنہ مذکورہ میں ان کی دستیاب ہوتی ہیں، فوائد بے بہا آپ بھی اٹھاتے ہیں اوران کی ذات سے خلق اللہ کو بھی بہت فائدہ ہوتا ہے اور شائق ہر ایک کتاب کمیاب کے ایسے کہ جس جائے چار کتابیں کسی فن کی پائیں، وہیں دیکھنے جائیں۔ بن سکے تو ایک آدھ لے آئیں۔ خصوصاً ہمارے ایام میں ایک صاحب نے کتب قدیمہ اور متاخرہ کو بعد تلاش بسیار پیدا کیا اور رات دن تمام اشاعت علوم مشکلہ اور فنون مفصلہ میں سرگرم رہتے ہیں۔ چنانچہ یہ ''تواریخ المختصر فی احوال البشر'' تصنیف کی ہوئی اسمٰعیل کی ہے، جس کا مفصل حال میں آگے لکھ کر عرض کرتا ہوں۔ صاحب ممدوح کے پاس تھی۔ اس احقر کمترین کریم الدین کو ارشاد کیا کہ اگر تو اس کتاب کا ترجمہ زبان اردو میں کر لے تو عوام اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ کمترین نے بسر و چشم قبول کیا اور درمیان ۱۸۴۶ء معہ ترجمہ طیار کیا۔''

اس سلسلے کا اہم ترین اقتباس وہ ہے، جو کریم الدین کی کتاب ''تاریخ شعرائے عرب'' میں نقل کیا گیا ہے۔ اس ''تاریخ'' کو پہلے کریم الدین نے اشپرینگر کی فرمائش پر عربی میں بعنوان ''فرائد الدہر'' تالیف کیا اور پھر اسی کے کہنے پر اس کا اردو ترجمہ کیا (طبقات، ص ۴۷۳)۔ یہ طویل اقتباس کریم الدین اور اشپرینگر کے علمی اور نجی تعلقات پر مزید روشنی ڈالتا ہے۔ متعلقہ عبارت درج ذیل ہے:

''بندہ کمترین کریم الدین سب ارباب علم و ہنر اور طالبان کتب تواریخ و سیر کی خدمت میں، تین کلمے ضروری عرض کر کے سمع خراشی کرتا ہے کہ ان ایام میں بموجب فرمائش صاحب والا مناقب ذی شان اسپرنجر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی اور سیکرٹری سوسائٹی اردو کے، جو کہ فاضل کامل اور عالم بے بدل اور ماہر اکثر السنہ متفرقہ اور متصف بصفات مختلفہ حمیدہ کے ایسے کہ نظیر ان کا اہل یورپ میں سے اس جا سے معدوم -- اور مقابلہ کرنا اون کے فن ڈاکٹری یعنی طب کا بقراط اور سقراط اور فن حکمت کا ارسطو اور فارابی سے معلوم -- اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے باوجود کم سن ہونے کے ایسا معدن علم بنایا ہے کہ وہ استعداد بڑھوں صد سالہ سے

Marfat.com

معدوم-- تاریخ دانی میں ابن الاثیر اور ابن الجوزی اور اکثر مورخوں مشہورہ سے افزود-- سخاوت اور حلم کی اوس کے گلشنِ مزاج میں وہ نمو-- کہ بوئے بخل کی بسبب اوس کی سخاوت کے جس ملک میں وہ رہے وہاں سے کوسوں تک نیست و نابود-- کتب کہنہ اہل اسلام کو صدہا روپیہ خرچ کر کے خرید کیئے اور کار مسیحائی فرما کر کرم خوردہ مردہ کو زندہ کیا-- جس غریب شائق کتاب نے کتاب یا رسالہ دیکھنے کو مانگا فوراً دیا-- سوسائٹی اردو کو وہ رونق دی کہ جو کتابیں قابل شیوع کے تھیں اور آج تک بسبب غفلت کے وہ نہ چھپیں تھیں، اون کا ترجمہ کروا کر چھپوا کر ہندوستانیوں کو ممنون احسان کیا-- طلباء مدرسہ کو جن کتابوں کا کبھی خواب میں بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا، داخل درس فرما کر پڑھوا دیا۔ غرضیکہ یہ صاحب بہت خوش خلق ہنستی پیشانی نیک سیرت ہیں۔ فاضلوں کو مرہون منت، عالموں کو محبوس دام الفت، لڑکوں کو مقید علمیت، بڈھوں کو ممنون نیک سیرت رکھتے ہیں، انھوں نے از راہ قدر دانی اس کم بضاعت بد قسمت بندہ کمترین کریم الدین کو ارشاد کیا کہ ایک کتاب کتب تواریخ اور چند تذکرہ شعرائے عرب سے اس طرح پر کہ کسی شاعر مشہور کا حال نہ رہ جائے معہ بیان اوس کی تصنیفات -- اور تاریخ وفات -- اور حال حیات کے اگر تو قلمبند کرے تو وہ کتاب اہل ہند کو خصوصاً اون لوگوں کو جو شائق تاریخ ہیں، بہت مفید ہوگی۔ بندہ نے حسب الارشاد ایک تذکرہ زبان عربی میں مسمّی ''فراید الدہر'' تیرہ صدیوں پر اس طور پر کہ ہر ایک صدی کے شاعر اوسی صدی میں مندرج کر کے طیار کیا۔ جب اوس سے فراغت ہو چکی، صاحب بہادر نے ارشاد کیا کہ اوس کا ترجمہ زبان اردو میں طیار کرتا کہ شعرائے اردو اور باشندگان ہندوستان کو حالات شعرائے عرب اور اون کی عادات اور بود و باش اور فطانت عقل اور تصانیف کتب سے آگاہی ہو جاوے۔ اس لیے بندہ نے یہ ترجمہ اوس اصل کتاب مؤلفہ اپنی سے اردو میں درمیان ۱۲۶۳ ہجری مطابق ۱۸۴۷ء کے طیار کیا اور نام اوس کا ''تاریخ شعرائے عرب'' رکھا گیا۔''

برلین (مغربی) کے مرکزی کتاب خانے میں اشپرینگر کے نجی کاغذات، دستاویزات اور مسودات کا جو ذخیرہ محفوظ ہے، اس میں کریم الدین پانی پتی کے تین مکتوبات ایسے ہیں، جو انھوں نے مختلف تاریخوں کو آگرہ سے اشپرینگر کو تحریر کیے۔ ان میں پہلا خط اس وقت لکھا گیا (مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۴۸ء)، جب مکتوب نگار کا تقرر آگرہ کالج میں بحیثیت مدرس اول (اردو) ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گذرے تھے۔ دوسرا خط بلا تاریخ ہے، لیکن اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے خط کے تقریباً دو سال بعد یعنی ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا۔ تیسرے اور آخری مراسلے کا سنہ تحریر ۴ جولائی ۱۸۵۲ء ہے۔ کریم الدین کے یہی تین مکاتیب ہیں، جو ذخیرۂ اشپرینگر کے مختلف ڈبوں میں محفوظ ہیں۔ آخری خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۵۲ء کے بعد اشپرینگر مزید چار سال ہندوستان میں رہا اور کریم الدین پانچ سال آگرہ کالج ہی میں مدرس رہے، لیکن اس عرصے میں ان کے مابین

Marfat.com

خطوط کا تبادلہ نہیں ہوا۔ ممکن ہے، ان سالوں میں بھی کریم الدین نے اشپرینگر کو خطوط لکھے ہوں، جو ضائع ہو گئے ہوں۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس سنہ یعنی ۱۸۵۲ء کے بعد کریم الدین نے اسے کوئی خط ہی نہ لکھا ہو۔ مراسلت کے اس انقطاع کی ایک وجہ شاید یہ ہو کہ وہ اشپرینگر کے تلمیذ خاص مولوی علی اکبر، جو آگرہ کالج کے شعبۂ عربی میں مدرس اول تھے، کے انتقال (۱۸۵۲ء) کے بعد ان کی خالی جگہ کے خواہشمند تھے، لیکن وہ اپنی تمام تر کوشش کے باوجود اپنے شعبۂ اردو کو چھوڑ کر شعبۂ عربی میں نہ جا سکے۔ شاید ان کی اس ناکامی کا یہ سبب ہو کہ ان کی عرضداشت کے باوجود اشپرینگر نے اس عہدے کے حصول کے لیے ان کی سفارش نہ کی ہو اور انھیں اس کی عدم دلچسپی کا گلہ ہو۔ دوسرے یہ کہ کریم الدین کی اپنے رفیق کار مولانا سدید الدین خاں سے ذاتی مخاصمت تھی۔ اشپرینگر جب مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر ہوا، تو اس نے عہدۂ امینی کے لیے مولانا سدید الدین کا انتخاب کیا۔ کریم الدین چاہتے تھے کہ یہ عہدہ ان کے حریف کو نہ مل سکے اور جب تک مولانا سدید الدین کلکتہ روانہ نہیں ہوئے، وہ ان کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ بالآخر مولانا سدید الدین یہ عہدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور آگرہ سے کلکتہ چلے گئے۔ شاید اس بناء پر بھی کریم الدین کو رنج پہنچا ہو اور اس کا اثر اشپرینگر سے ان کے پرانے مراسم پر بھی پڑا ہو اور یوں مکتوب نویسی کا یہ سلسلہ منقطع ہو گیا ہو۔ علاوہ ازیں سدید الدین خاں کے کلکتہ جانے کے بعد شعبۂ عربی میں مدرس کی جگہ خالی ہوئی۔ کریم الدین نے ایک بار پھر اس شعبہ میں حصولِ ملازمت کی کوشش کی اور اس کے لیے اشپرینگر سے رابطہ قائم کیا، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور ۱۸۵۷ء تک شعبۂ اردو ہی سے وابستہ رہے۔

اشپرینگر کے نام کریم الدین کے ان تین مکتوبات کے علاوہ اسی مجموعۂ مکتوبات میں چند ایسے خطوط بھی ہیں، جن میں کریم الدین کا ذکر ملتا ہے[1]۔ ایسی عبارتیں مختصر ضرور ہیں، لیکن ان سے کریم الدین کی زندگی کے بعض نامعلوم گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ ازیں ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ بعض تحریروں سے بھی کریم الدین کے حالاتِ زندگی اور ان کی چند کتابوں کے متعلق مفید اشارے ملتے ہیں۔ کریم الدین کے ان

۱۔ ان کے حریف مولانا سدید الدین نے اپنے دو مکتوبات میں کریم الدین کا ذکر کیا ہے۔ ایک خط (بابت ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء) میں وہ لکھتے ہیں کہ ''ایک پروانہ حضور کا، جو مولوی کریم الدین کے نام کا ملفوف تھا، فدوی نے فوراً ان کے پاس بھیج دیا۔'' دوسرے خط (بابت ۱۸ ستمبر ۱۸۵۰ء) کا متعلقہ حصہ یہ ہے: ''کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' بھی مولوی کریم الدین سے لے کر اپنے ساتھ کلکتہ میں لا کر خدمت فیض درجت میں حاضر کروں گا۔'' ان عبارتوں سے متعلقہ تفصیلات سابقہ سطور میں مولانا مملوک العلی نانوتوی اور مولانا سدید الدین کے مراسلات کے تحت درج ہیں۔

Marfat.com

تین مکتوبات بنام اشپرینگر اور نجی کاغذات سے ان کے سوانح حیات اور چند تصنیفات کے بارے میں بعض ایسی معلومات حاصل ہوتی ہیں، جو ان کے تمام تذکرہ نویسوں یا سوانح نگاروں کی نظر سے اوجھل رہیں۔ ان نئی معلومات کا تفصیلی ذکر تو آئندہ سطور میں تشریحاتِ مکاتیب کے تحت ہوگا۔ یہاں ان میں سے صرف چند باتوں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے:

الف۔ مولوی کریم الدین نے اپنی اکثر کتابیں بالخصوص عربی کتب کے اردو تراجم اشپرینگر کی فرمائش پر کیے۔ ان میں چند ایسے ہیں، جن کے ابتدائی یا اختتامی حصوں میں انھوں نے اشپرینگر کا نام یا سیکرٹری سوسائٹی (یعنی ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی) لکھا ہے۔ ایسی کتابوں اور ان کے متعلقہ اقتباسات کا حوالہ مندرجہ بالا سطور میں دیا جا چکا ہے۔ ان کے علاوہ کریم الدین کی چند ایسی کتابیں بھی ہیں، جن میں انھوں نے واضح طور پر اشپرینگر یا اس کے کسی عہدہ کا ذکر نہیں کیا، لیکن ان خطوط سے پہلی بار اس بات کا پتا چلتا ہے کہ یہ کتابیں بھی انھوں نے اشپرینگر ہی کے کہنے پر مرتب یا ترجمہ کیں۔ ایسی کتابوں میں ایک ''شرح مقامات حریری'' اور دوسری ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کی جلد اول ہے۔

ب۔ آگرہ کالج میں ملازم ہونے سے قبل کریم الدین کی تصانیف اور تراجم کا بیشتر حصہ اشپرینگر کی تحریک یا مشاورت کا مرہونِ منت ہے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونو کا تعلق صرف افسرانہ حکم یا دوستانہ فرمائش تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ کتاب کی ترتیب یا ترجمہ کے دوران میں بھی اشپرینگر مسودات کو دیکھ کر ترمیم و اضافہ کے مشورے دیتا رہتا تھا، حتیٰ کہ کتاب یا ترجمے کی تکمیل کے بعد طباعت کے لیے بھی اسی کا ذاتی اثر و رسوخ کام آتا تھا۔

ج۔ کریم الدین ۱۸۵۷ء کے بعد لاہور آئے اور یہاں کی نظامت تعلیمات سے منسلک ہو گئے۔ وہ اس محکمہ میں مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ لاہور آنے کے بعد وہ زیادہ تر ایسی کتابیں لکھتے رہے، جو طلبہ کی نصابی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں۔ ان کی اس نقل مکانی کی ایک وجہ ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں سے پیدا ہونے والی صورت حال ہو سکتی ہے، لیکن ان کے آگرہ یا دہلی سے ہجرت کر کے سیدھے لاہور آنے کی اصل وجہ کیا تھی؟ اس کے متعلق اس کا تحریر کردہ پہلا خط راہنمائی کرتا ہے۔ اس خط سے اس بات کا پہلی بار علم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء سے تقریباً نو سال قبل ۱۸۴۸ء میں بھی انھیں پنجاب آنے اور وہاں سررشتہ داری کا عہدہ سنبھالنے کی پیش کش ہو چکی تھی۔ انھوں نے اس پیشکش کو قبول کر لیا تھا، لیکن سواری کا انتظام نہ ہونے کے باعث وہ لاہور نہ پہنچ سکے۔ آگرہ ہی میں کریم الدین سیکرٹری گورنمنٹ ایلن صاحب کے ہاں پنجاب کے نئے کمشنر پیئرسن صاحب سے مل چکے تھے۔ جب ۱۸۵۷ء میں انھیں پھر

Marfat.com

سے مالی مصائب نے آن گھیرا اور ان کے لیے آگرہ یا دہلی میں رہنا مشکل ہو گیا تو انھوں نے پنجاب جانے کا پختہ ارادہ کر لیا، کیونکہ انھیں یقین کامل تھا کہ وہاں پیئرسن یا اس جیسے کچھ انگریز افسران ضرور ہوں گے، جو ان کے روزگار کا مسئلہ حل کرنے میں معاونت کریں گے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ شمالی ہند کے کسی مقتدر انگریز افسر نے ان کے لیے سفارش کی ہو۔ ممکن ہے، یہ افسر ایلین ہو اور جس شخص کے پاس انھیں بھیجا گیا، وہ پیئرسن ہی ہو، کیونکہ کریم الدین کو لاہور آتے ہی جس عہدہ پر مقرر کیا گیا (یعنی سررشتہ داری) وہ وہی تھا، جس کی انھیں ۱۸۴۸ء میں پیشکش ہو چکی تھی۔

د۔ مولوی کریم الدین پانی پتی عربی اور فارسی زبانوں پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ دہلی کالج میں انھوں نے انگریزی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ ان کے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' کے سرورق پر مرقوم ہے کہ یہ گارسیں دتاسی کی فرانسیسی ''تاریخ'' (طبع اول، جلد اول، پیرس ۱۸۳۹ء) سے ماخوذ ہے۔ ''طبقات'' گارسیں دتاسی کی اس کتاب کا ترجمہ ہے یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے، البتہ جن فرانسیسی حصوں کو ''طبقات'' میں شامل کیا گیا ہے، ان کا ترجمہ مولوی کریم الدین کے شریک مؤلف ڈاکٹر ایف فیلن کی محنت کا نتیجہ ہے، کیونکہ مولوی صاحب فرانسیسی زبان سے ناواقف تھے۔

عربی، فارسی اور انگریزی کے علاوہ کریم الدین ہندی زبان سے کماحقہ واقف تھے اور ان خطوط سے پہلی بار علم ہوتا ہے کہ انھوں نے آگرہ آتے ہی سنسکرت زبان بھی سیکھ لی تھی۔ کریم الدین تاریخ دان، تذکرہ نویس اور مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ لسانیات سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ انھوں نے قواعد، زبان دانی اور صرف ونحو پر کئی کتابیں لکھیں۔ لغت نویسی پر بھی ان کی گہری نظر تھی اور ان کی مرتبہ ''کریم اللغات'' اب بھی اردو زبان کی معتبر لغات میں شمار کی جاتی ہے۔ ممکن ہے، سنسکرت کی تحصیل ان کے اسی ذوق لسانیات کا نتیجہ ہو اور یہ ان کے لیے مختلف ہندوستانی زبانوں کے تقابلی مطالعے میں مددگار ثابت ہوئی ہو۔

ھ۔ اشپرینگر کے دیگر رفقائے کار کی طرح کریم الدین بھی اس کے لیے اہم مخطوطات اور نادر کتب تلاش کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ نجی کتاب خانوں پر نظر رکھتے تھے اور جونہی کسی کتب خانہ کا مالک داعی اجل کو لبیک کہتا، وہ اس کتاب خانہ کی فہرستیں تیار کرتے اور جن کتابوں پر اشپرینگر نشان لگا دیتا، وہ اس کے لیے خرید لیتے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کے دہلی کے بڑے بڑے تاجران کتب سے بھی روابط تھے اور جب بھی ان کے پاس کوئی نادر خطی نسخہ پہنچتا، وہ ان اصحاب کے ذریعہ اشپرینگر کو اطلاع بھجوا دیتے۔ کریم الدین بھی دہلی کے ایسے کتب فروشوں سے واقف تھے اور وہ بھی ان سے اشپرینگر

Marfat.com

کے لیے مخطوطات خریدتے رہتے تھے۔

ذخیرۂ اشپرینگر کے دوسرے ڈبے میں جو کاغذات موجود ہیں، ان میں ایک چھوٹی سی سلپ ہے۔ اس پر چند قلمی کتابوں کے عنوانات اور ان کے مختصر کوائف درج کیے گئے ہیں۔ یہ قلمی نسخے دہلی کے کسی ایسے کتب فروش کے پاس تھے، جس کو کریم الدین ذاتی طور پر جانتے تھے۔ اس سلپ کے آخر میں اشپرینگر نے اپنے ہاتھ سے یہ انگریزی نوٹ مع تاریخ لکھا ہے:

"Bookseller at Delhie known to Kurumuddeen, Jan. 1848."

و۔ اشپرینگر کے انھی کاغذات میں ایک فہرست مطبوعات ہے، جو اس نے خود مرتب کی تھی۔ اس میں ۱۸۵۵ء سے قبل کی ان مطبوعہ کتابوں کے مختصر کوائف دیئے گئے ہیں، جو شمالی ہند کے مختلف شہروں کے مطابع سے شائع ہوئی تھیں۔ اسی فہرست میں ایک کتاب ''مستھل المقامات بازالۃ الصعوبات'' (عربی) ہے۔ عبدالغفور اور فضل اللہ اس کے شارحین ہیں۔ دہلی سے ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی (صفحات ۳۹۷)۔ مولوی کریم الدین نے اس کتاب کی عربی شرح لکھی، جو اس ایڈیشن کے ساتھ ہی طبع ہوئی تھی۔ اس شرح کو گارسیں دتاسی اور ڈاکٹر محمود الٰہی کی مرتبہ فہارس تالیفات کریم الدین (درج بالا حوالے) میں شامل نہیں کیا گیا۔

ز۔ مولوی کریم الدین نے اشپرینگر کی تجویز پر عربی شعراء کا ایک تذکرہ مرتب کرنا شروع کیا۔ یہ تذکرہ عربی میں لکھا گیا اور اس کا نام ''فرایدالدہر'' رکھا گیا۔ جب اس تذکرے کا عربی متن برائے طباعت تیار ہوا، تو یہ اشپرینگر کی نظر سے گذرا۔ اس نے یہ مناسب سمجھا کہ عربی سے پہلے اس تذکرے کا اردو ترجمہ شائع کیا جائے، تاکہ اس زبان سے ناواقف لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ چنانچہ اسی کے کہنے پر کریم الدین نے اپنے تذکرہ کو اردو میں منتقل کیا۔ اس کے سرورق پر اردو عنوان یعنی ''فرایدالدہر'' کے ساتھ ''تاریخ شعرائے عرب'' بھی لکھا گیا۔ اب یہ تذکرہ اسی نام سے موسوم ہے۔ یہ اردو ترجمہ دہلی کے مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا، لیکن اس کا اصل عربی متن اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔ چنانچہ کریم الدین کے اکثر سوانح نگاروں نے اس عربی متن سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر محمود الٰہی کی تحریروں سے متعلقہ اقتباسات درج ذیل ہیں:

''تذکرہ ''فرایدالدہر'' (عربی) اشاعت پذیر ہوا یا نہیں، اس کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن اس کے مطالب و مشتملات کا علم ''تاریخ شعرائے عرب'' سے ہو جاتا ہے، جو مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔'' (بازیافت، ص ۳۸)

Marfat.com

''یہ تذکرہ اشاعت پذیر ہوا یا نہیں، یہ الگ سوال ہے۔ جہاں تک اس کے مطالب و مشتملات کا سوال ہے، اس کا علم ہمیں اس کے اردو ترجمے سے ہو جاتا ہے، جو مطبوعہ صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے'' (ایضاً، ص۱۷۲)

''یہ ''فرایدالدہر'' (عربی) کا اردو ترجمہ ہے۔ اس کا عربی متن میری نظر سے نہیں گذرا۔''

(خط تقدیر، ضمیمہ ب، ص۱۵۵، تحتی نوٹ)

اور شان احمد صدیقی صاحب لکھتے ہیں:

''گمان ہوتا ہے کہ ''فرایدالدہر'' کا عربی نسخہ اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔''

(مولوی کریم الدین، حیات اور کارنامے، ص۱۵۵)

مولوی کریم الدین کا مرتبہ و مترجمہ تذکرہ بعنوان ''تاریخ شعرائے عرب'' ۱۸۴۷ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا، لیکن اس کا اصل عربی نسخہ قلمی صورت ہی میں رہا اور یہ طباعت کے مرحلہ تک نہ پہنچ سکا۔ اس عربی متن کے قعر گمنامی میں چلے جانے کا پس منظر یہ ہے کہ جونہی اس کا مبیضہ تیار ہوا، اس کے مرتب یعنی مولوی کریم الدین نے حسب معمول اسے اشپرینگر کی خدمت میں پیش کر دیا، تاکہ وہ اس کو بنظر غائر دیکھ سکے اور اگر کہیں قطع و برید کی ضرورت ہو تو وہ اشپرینگر کی آراء کی روشنی میں مسودے کو درست کر سکیں۔ اشپرینگر نے اس مسودے کے بالاستیعاب مطالعہ کے بعد یہ رائے دی کہ ابھی عربی متن کی اشاعت کو ملتوی کر دیا جائے اور اس کا اردو ترجمہ پہلے شائع کیا جائے۔ چنانچہ اس کی تجویز کے مطابق کریم الدین اس کے اردو ترجمے میں مصروف ہو گئے اور اس اصل عربی متن کا واحد قلمی نسخہ اشپرینگر ہی کی تحویل میں رہا۔ جب وہ ۱۸۵۶ء میں ہندوستان سے سیکڑوں قلمی نسخوں کو صندوقوں میں بند کر کے جرمنی روانہ ہوا، تو یہ نسخہ بھی وہ اپنے ہمراہ لے گیا۔

اشپرینگر نے جرمنی پہنچتے ہی ان مخطوطات کی ایک فہرست شائع کرائی، جو اس کی ملکیت تھے اور جنہیں وہ معقول قیمت پر فروخت کرنا چاہتا تھا۔ یہ فہرست اس نے خود مرتب کی اور یہ ۱۸۵۷ء میں گیسن سے طبع ہوئی۔ اس فہرست میں کریم الدین کے تذکرہ ''فرایدالدہر'' (عربی) کو بھی شامل کیا گیا ہے (ص ۲۰، شمارہ ۳۱۵)۔ بعد میں جب اس نے برلین لائبریری کو اپنے تمام عربی، فارسی اور اردو مخطوطات فروخت دیئے، تو ان کے ساتھ ہی کریم الدین کے تذکرے کا عربی متن بھی اس کتاب خانے کی زینت بن گیا اور اب یہ برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے[1]۔ راقم نے اس کتاب خانے میں کام کرتے ہوئے اس نسخے

۱۔ مشہور جرمن فہرست ساز اہلوارٹ نے انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس کتب خانے کے عربی مخطوطات کی فہرست (بزبان جرمن) دس ضخیم جلدوں میں مرتب کی تھی۔ اس میں کریم الدین کے عربی تذکرے کی جو تفصیلات درج ہیں (جلد ۶، برلین ۱۸۹۶ء، طبع عکسی ۱۹۸۰ء، ص ۵۰۸-۵۰۹)۔ براکلمان نے بھی اپنی (باقی)

Marfat.com

کو بنظر غور دیکھا اور اس کے متعلق کچھ یادداشتیں قلمبند کر لی تھیں۔ان کی بنیاد پر اس نسخے کے بنیادی کوائف سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

''فرایدالدہر'' کے اس عربی مخطوطہ کا لائبریری نمبر ۱۴۳۱۷ ہے۔اوراق کی تعداد ۱۴۷ ہے۔فی صفحہ ۲۱ سطریں اور سائز ۳/ ۳۲x۲۰، ۲۳x۱۱ سنٹی میٹر ہے۔نسخہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، لیکن اشعار خط نسخ میں مرقوم ہیں۔خوبصورت جلی قلم استعمال کیا گیا ہے اور زیادہ تر عربی اشعار اعراب کے بغیر ہیں۔کچھ اشعار ناقص ہیں۔عنوانات اور شعراء کے نام سرخ روشنائی میں تحریر کیے گئے ہیں۔ابتدائی صفحات میں بعض جگہوں پر الفاظ اور عبارات کو کھرچ دیا گیا ہے اور اب ان کا پڑھنا مشکل ہے۔کاغذ دبیز اور ملائم ہے۔جلد مضبوط اور اس کی پشت چرمی ہے۔اس کتاب کا سنہ تکمیل ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۶ء ہے، لیکن اس کے آخر میں صاف طور پر ۱۸۵۰ء درج ہے۔

دیباچے میں کریم الدین نے ان مآخذ کا بھی حوالہ دیا ہے، جن سے اس تذکرے کی ترتیب میں مدد لی گئی۔متعلقہ عبارت یہ ہے:

''**ارج الشميم الحاط النسيم لابن مهيار. حديقة الارواح لاحمد بن محمد بن ابراهيم الانصاری اليمنى الشروانى. ريحانة الانباء لشهاب الدين الخفاجى. سجع المطوق لجمال الدين ابن نباته المصرى. المختصر فى احوال البشر لاسمعيل ابى الفدا. المختار فى الآثار والاخبار و هو تلخيص تاريخ المسعودى والاغانى**۔''(یہ تلخیص ان کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی نے اشپرینگر کے ایماء سے کی تھی۔اس کا تفصیلی ذکر مولانا کے مکتوبات کے تحت سابقہ سطور میں ہو چکا ہے)۔

اس نسخے میں سرورق موجود نہیں۔تذکرے کا نام ''فرایدالدہر'' دیباچے میں لکھا گیا ہے (ورق ۹ الف)۔اسی طرح تذکرہ نگار نے اپنا نام ''کریم الدین بن سراج الدین'' اسی دیباچے میں تحریر کیا ہے (ورق ۳ ب)۔یہ قلمی نسخہ مندرجہ ذیل عبارت سے شروع ہوتا ہے:

''تاریخ ادبیات عربی'' (بزبان جرمن) میں اس نسخے کا مختصراً حوالہ دیا ہے (جلد دوم، لائیڈن ۱۹۴۹ء، ص ۴۸۰-۴۸۱، نیا صفحہ نمبر ۶۳۲)

اشپرینگر نے اپنی فہرست (۱۸۵۷ء) میں عربی متن کے ساتھ ہی اس کے اردو ترجمے کا بھی مکمل حوالہ دیا ہے (ص ۲۷، شمارہ ۳۱۶) نیز ''فہرست کتاب خانہ ہائے شاہان اودھ'' (انگریزی، جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) میں بھی اصل عربی متن کے بجائے اسی ترجمے کا ذکر کیا ہے (ص ۱۹۲)۔

Marfat.com

"نحمده علی ما علمنا ما لم تعلم و فتهمنا مالم نفهم......اما بعد فانی عبد و مفتقر محتقر محتاج مبتلٍ بما ابتلیت من دھر."

دیباچے میں علم الادب پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے (ورق ۵ الف)۔ اس تذکرہ کو ان چھے طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے:

الجاھلون (ورق ۹ ب۔ ۴۳ ب، تعداد شعراء ۶۹)

المحضرمون (ورق ۴۳ ب۔ ۶۵ ب، تعداد شعراء ۱۹)

الاسلامیون (ورق ۶۵ ب۔ ۸۰ ب، تعداد شعراء ۱۷)

المولّدون (ورق ۸۱ الف۔ ۱۱۰ ب، تعداد شعراء ۴۰)

المحدثون (ورق ۱۱۱ الف۔ ۱۴۰ ب، تعداد شعراء ۵۳)

المتاخرون العصریون (ورق ۱۴۱ الف۔ ۱۴۷ ب، تعداد شعراء ۱۵) یہ حصہ نامکمل ہے۔

تذکرہ نگار نے متعدد صفحات خالی چھوڑ دیے ہیں اور ایسے صفحات کی زیادہ تعداد آخری طبقہ میں ہے۔ ممکن ہے، تذکرہ نگار کو ان شعراء کے حالات زندگی تفصیلی طور پر درکار ہوں اور ضروری معلومات کی فراہمی کے بعد وہ ان کے حالات قلمبند کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ بحالت موجودہ اس تذکرہ کا آخری شاعر احمد الارجانی ہے۔ ترقیمہ درج ذیل ہے:

"مندسنة تصنیف (کذا) و ثمانین و اربعمائته الی آخر عهده و هوسنة اربع و رابعین و خمساة لم یزل۔"

اب کریم الدین کے ان تین مکتوبات کا متن مع تشریحات پیش کیا جاتا ہے، جو انہوں نے ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۲ء کے مابین اشپرینگر کو تحریر کیے:

۱

"غریب پرور سلامت (۱)

جناب عالی! ان ایام میں شرح "مقامات حریری (۲)" کی حضور کی عنایت سے پہنچی شاد ہوئی ہے اور بندہ خیر و عافیت سے ہے۔ حضور کی صحت مزاج کی خبر کا خواہاں رہتا ہوں۔

چند روز ہوئے کہ منشی اشرف علی (۳) نے دوسری جلد ترجمہ کتاب ڈاکٹری (۴) کی، جو حضور کی عنایت سے فدوی نے کوہ منصوری (۵) پر مصر کی کتاب سے اردو ترجمہ کیا تھا، مانگی تھی۔ سو میں نے اس باب

Marfat.com

میں پہلے حضور سے یہ عرض کرنا مناسب جانا کہ جلد اول (۶) چونکہ حضور کے روبرو ترجمہ بندہ نے کی تھی اور حضور نے اوس کو صحیح بھی فرمایا تھا، وہ تو بے شک صحیح ہے مگر دوسری جلد بموجب اپنے وعدہ کے فدوی نے آگرہ میں آ کر طیار کی (۷) اور جناب پرنسپل بہادر صاحب سے ایک چٹھی لے کر ڈاکٹر جان مرے صاحب سے ملاقات پیدا کی۔ اون صاحب نے ارشاد کیا کہ میں بے شک اس کتاب میں مدد دوں گا۔ گرچہ یہ صاحب عربی نہیں جانتے، مگر اردو کا مطلب خوب سمجھتے ہیں۔ یقین ہے کہ جس مقام پر میں مطلب اون کے سامنے بیان کروں گا، وہ بے شک صحیح کروا دیں گے۔ اگر حضور ارشاد فرماویں تو میں اوس کتاب کو ڈاکٹر جان مرے صاحب کو سنا دوں اور صحیح کر لوں، تا کہ وہ ترجمہ تمام ہو جاوے۔ جو ہدایت ہو، اوس پر عمل کروں۔ امیدوار ہوں کہ حضور بروقت فرصت فدوی کو اس باب میں اپنے مشرف نامہ سے ہدایت فرماویں۔

ماہ گذشتہ میں جناب پیرسن صاحب، جو ڈپٹی کمشنر پنجاب کے مقرر ہوئے ہیں، جناب سی ایلن صاحب سیکرٹری گورنمنٹ کے مکان پر فروکش ہوئے تھے۔ مجھ سے اونہوں نے وعدہ سرشتہ داری دینے کا کیا تھا، مگر وہ صاحب یہ چاہتے تھے کہ سات دن کے عرصہ میں پنجاب داخل ہو۔ مجھ سے بندوبست ڈاک کا نہ ہو سکا، اس لیے رہ گیا۔ یقین ہے کہیں نہ کہیں روزگار معقول آپ کی عنایت سے پاؤں گا (۸)۔ حضور کی جو عنایت میرے حال پر ہے۔ اوس کا شکر پورا ادا نہیں کر سکتا ہوں۔ یہی دعا ہر نماز کے بعد کرتا ہوں کہ پھر میں حضور کی خدمت میں پہنچوں۔

اگر حضور نے کوئی کتاب ''تذکرہ شعراء اردو (۹)'' لکھنؤ میں بہم پہنچائی ہو تو بندہ کو اوس سے اطلاع فرما دیجئے گا۔ اور حضور کے کتب خانہ میں کوئی کتاب اصطلاحات یا ضرب الامثال یا محاورات عرب کی ہو، تو فدوی کو اوس کے نام سے بھی اطلاع فرما دیں (۱۰)۔ زوزنی کی کتاب (۱۱) حضور کے پاس ہے یا نہیں۔ فقط۔

زیادہ آداب

بخدمت جناب میم صاحبہ۔ بہت ادب سے بندہ کی طرف سے سلام نیاز پہنچے اور باوا صاحب کو بھی سلام پہنچے (۱۲)۔ فقط۔

عریضہ

کریم الدین

۱۰ مئی ۱۸۴۸ء''

تشریحات:

۱۔ مولوی کریم الدین پانی پتی نے یہ خط اس وقت لکھا جب اشپرینگر فروری ۱۸۴۸ء میں ایکسٹرا اسسٹنٹ

Marfat.com

ریذیڈنٹ کی حیثیت سے لکھنؤ چلا گیا تھا۔ وہاں اسے شاہانِ اودھ کی کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کی توضیحی فہرست مرتب کرنے کا اہم کام تفویض کیا گیا تھا۔ یہ خط مجموعۂ اشپرینگر کے ڈبہ نمبر ۴ کے پیکٹ نمبر ۲ میں پڑا ہوا ہے اور اس کے ساتھ وہ لفافہ بھی موجود ہے، جس میں یہ خط بھیجا گیا۔ اس لفافے کے اوپر کریم الدین نے اپنے ہاتھ سے انگریزی میں ''ایم ڈی اشپرینگر، لکھنؤ'' لکھا ہے۔ اس کے ذرا نیچے بائیں جانب کریم الدین نے انگریزی میں اپنا نام لکھا ہے اور اس کے قریب اردو میں ''اشپرینگر صاحب'' درج ہے۔ کریم الدین نے یہ خط اشپرینگر کو آگرہ سے ارسال کیا۔ وہ اس خط میں ایک جگہ ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''دوسری جلد بموجب اپنے وعدہ کے فدوی نے آگرہ میں آکر طیار کی۔'' اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ آگرہ کالج میں ان کا تقرر ۱۸۴۸ء میں ہوا۔ ویسے اس خط کے لفافے کے ایک کونے میں ۱۲ مئی ۱۸۴۸ء مرقوم ہے اور اس کے ساتھ ''آگرہ'' بھی لکھا ہوا ہے۔ شاید یہ اس خط کی آگرہ سے روانگی کی تاریخ ہو۔

۲۔ ڈاکٹر محمود الٰہی نے ''فہرست تالیفات کریم الدین'' (خط تقدیر، ضمیمہ ''ب'') میں ''شرح مقامات حریری'' کا سنہ اشاعت ۱۸۴۸ء لکھا ہے (ص ۱۵۵)، لیکن یہ درست نہیں، کیونکہ کریم الدین نے اس خط (بابت ۱۰ مئی ۱۸۴۸ء) میں وضاحت کردی ہے کہ ''شرح'' کی طباعت کا آغاز ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس ''شرح'' کا جہاں بھی ذکر ملتا ہے، اس کا سنہ طباعت ۱۸۴۹ء ہی درج ہے۔ ۱۸۴۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق یہ ''شرح'' دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ ایک سو کی تعداد میں چھپی تھی۔ اس کی قیمت آٹھ آنے تھی اور ۱۸۴۹ء ہی میں اس کے ۵۷ نسخے فروخت ہو گئے تھے (رک صوبہ شمال و مغربی کے اخبارات و مطبوعات از محمد عتیق صدیقی، ص ۱۸۸) کریم الدین نے اپنے اگلے خط میں یہ اشارہ کیا ہے کہ ''مقامات حریری'' کی یہ شرح مع متن گورنمنٹ آگرہ کی مالی امداد سے شائع ہوئی تھی۔ جب یہ ''شرح'' طبع ہوئی، کریم الدین آگرہ کالج میں ملازم ہو چکے تھے۔ اس کتاب کی طباعت دہلی میں ۱۸۴۸ء میں شروع ہو چکی تھی۔ ممکن ہے، مالی دشواریوں کی وجہ سے متعلقہ پریس میں کام رک گیا ہو اور کریم الدین کی ذاتی مساعی سے گورنمنٹ آگرہ نے اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ان کی مدد کی ہو۔

اشپرینگر نے بھی اپنی فہرست (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء) میں اس ''شرح'' کا سنہ طباعت ۱۸۴۹ء لکھا ہے (ص ۴۷، شمارہ ۱۱۵۱) اور غلطی سے شارح کا نام کریم الدین کے بجائے عبدالرحیم لکھ دیا ہے۔ گارسیں دتاسی نے بھی اس ''شرح'' کا سنہ اشاعت ۱۸۴۹ء ہی دیا ہے (تاریخ [illegible]

Marfat.com

۳۲)۔ یہ ''شرح'' اردو میں لکھی گئی۔ اس میں متعدد فرہنگیں بھی شامل ہیں۔ گارسیں دتاسی نے ''شرح'' کے متعلق یہ باتیں ''سلیکشن آف دی ریکارڈز آف گورنمنٹ'' (۱۸۵۴ء، ص ۲۲۵) سے اخذ کی ہیں۔

۳۔ منشی اشرف علی مدرسہ دہلی کے مطبع العلوم کے منیجر تھے۔ یہ وہی مطبع ہے، جہاں سے مولوی کریم الدین کی بیشتر کتابیں طبع ہوئیں۔ اشرف علی بھی اشپرینگر کے مکتوب نگاروں میں ہیں۔ اشپرینگر کے نام ان کے لکھے ہوئے خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

۴۔ مولوی کریم الدین نے ''طبقات شعرائے ہند'' میں اس کو اپنی تالیفات میں شامل کیا ہے۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں:

''یہ ایک ترجمہ زبان اردو میں عربی سے کیا ہے۔ اصل میں وہ ترجمہ عربی بموجب حکم والی مصر محمد علی شاہ کے فرنچ زبان سے طیار ہو کے سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں چھپا تھا۔ میں نے اوس کو اردو میں درمیان کوہستان یعنی کوہ منصوری پر جا کر ترجمہ ۱۸۴۷ء میں کیا۔'' (ص ۴۷۳)

اپنی ایک اور کتاب ''تاریخ شعرائے عرب'' میں وہ بتاتے ہیں:

''کتاب التشخیص و معالج الامراض بموجب حکم محمد علی بادشاہ والی مصر کے اس شخص (محمد تونسی نے) اب عربی میں لکھ کر چھپوائی ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ محمد شافعی افندی نے زبان عربی میں فرانسیسی زبان سے کیا ہے...... اس کتاب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تشخیص امراض میں اور ایک قسم معالجہ امراض میں ہے...... اس کتاب کا ترجمہ اردو میں مَیں نے کیا ہے۔'' (ص ۳۹۴)

حیرت ہے کہ گارسیں دتاسی نے کریم الدین کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست دی ہے (۲: ۱۶۸-۱۷۷) لیکن اس میں ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کو شامل نہیں کیا۔

۵۔ اشپرینگر کی ولادت انسبرک کے قریب ایک چھوٹے سے خوبصورت اور پُرسکون گاؤں ناسیرائیٹ میں ہوئی۔ یہ گاؤں کوہ الپس کے کئی سلسلوں کے بیچ ایک خوش منظر وادی میں واقع ہے۔ وہ انھی بلند و بالا پہاڑوں کی گود میں پروان چڑھا۔ ہندوستان میں وہ جتنے برس رہا، باقاعدگی سے موسم گرما کی تعطیلات گذارنے کسی پہاڑی مقام پر چلا جاتا تھا۔ وہ کوہ پیاؤں کی انجمن کا رکن تھا اور کبھی کبھار کوہ ہمالیہ کی سر بفلک بلندیوں کی سیاحت کے لیے دور دراز علاقوں تک نکل جاتا۔ چھٹیاں گذارنے وہ اکثر بیوی بچوں سمیت شملہ یا مسوری کا رخ کرتا۔ وہ وہاں بھی بیکار نہیں بیٹھتا تھا، بلکہ ضروری کتابیں اور کاغذات اپنے ساتھ لے جاتا اور ان صحت افزا مقامات پر اپنا وقت لکھنے پڑھنے میں بسر کرتا۔ اگر

Marfat.com

کبھی کام کی زیادتی ہوتی تو وہ اپنے رفیقوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے جایا کرتا تھا۔اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کریم الدین ۱۸۴۷ء میں اشپرینگر کے ساتھ مسوری گئے تھے اور انھوں نے وہیں بیٹھ کر ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کو مکمل کیا تھا۔

۶۔ اس جلد کا صحیح سنۂ طباعت معلوم نہیں۔کریم الدین نے ''طبقات شعرائے ہند'' (مطبوعہ ۱۸۴۸ء) میں اسے اپنی تالیفات میں شامل کیا ہے۔اس لیے یہ یقیناً ۱۸۴۸ء سے قبل شائع ہوئی ہوگی۔ممکن ہے، یہ کتاب ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے مطبع العلوم سے شائع ہوئی ہو۔

۷۔ مولوی کریم الدین نے ''طبقات'' میں اس کتاب کے تحت یہ نہیں بتایا کہ یہ ''ترجمہ کتاب ڈاکٹری'' کی پہلی جلد ہے۔اس خط سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ کریم الدین نے یہ ترجمہ دو جلدوں میں کیا تھا۔ پہلی جلد تو ان کے قیام دہلی کے دوران میں طبع ہو گئی تھی، لیکن دوسری جلد انہوں نے اس وقت تیار کی، جب وہ ۱۸۴۸ء میں آگرہ کالج میں مدرس اول (اردو) مقرر ہوئے۔یہ جلد شائع ہوئی یا نہیں، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔چونکہ اس ترجمہ کی جلد دوم کا کہیں ذکر نہیں ملتا، اس لیے قرین قیاس یہی بات ہے کہ یہ کسی وجہ سے اشاعت پذیر نہ ہو سکی۔

۸۔ مولوی کریم الدین کو تقریباً تین سال بیکار رہنے کے بعد اشپرینگر کی لگاتار کوششوں سے آگرہ کالج میں مدرس اول (اردو) کی ملازمت مل گئی، لیکن معلوم ہوتا ہے وہ اس سے مطمئن نہیں تھے۔یہی وجہ ہے کہ وہ پنجاب کے ڈپٹی کمشنر پیرسن سے ملے اور جب اس نے لاہور آنے اور عہدہ سررشتہ داری تفویض کرنے کی پیش کش کی، تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تامل نہیں کیا اور وہاں چلنے پر کمر بستہ ہو گئے۔بدقسمتی سے سواری کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے وہ پنجاب روانہ نہ ہو سکے۔اس کے باوجود وہ معقول روزگار کے متلاشی رہے اور اشپرینگر کو لکھتے رہے کہ ان کے لیے اسی کالج یا کسی اور درسگاہ میں مناسب انتظام کر دے۔دراصل کریم الدین ایام بیروزگاری، احباب کی فریب دہی اور پریشان کن نجی حالات سے تنگ آ چکے تھے۔اسی لیے انھوں نے اشپرینگر کی مہیا کردہ ملازمت کو فی الفور قبول کر لیا اور آگرہ کالج میں اردو کے مدرس اول مقرر ہو گئے۔ان کی دلی آرزو تھی کہ وہ اسی کالج یا کسی اور مدرسہ کے شعبۂ عربی میں تعینات ہوں۔اس کے لیے وہ بہت کوشش کرتے رہے، لیکن وہ اس کالج میں اپنی ملازمت کے آخر (۱۸۵۷ء) تک شعبہ اردو سے منسلک رہے۔

۹۔ اس سے مراد تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' ہے. جو اسی سال یعنی ۱۸۴۸ء میں دہلی کے مطبع العلوم سے شائع ہوا تھا۔ان دنوں اشپرینگر لکھنؤ میں شاہان اودھ کے کتاب خانوں میں محفوظ قلمی نسخوں کی فہرست

Marfat.com

تیار کر رہا تھا۔ چونکہ یہ تذکرہ اشپرینگر ہی کے مشورہ سے تالیف ہوا تھا، اس لیے کریم الدین نے اس خط کے ذریعہ اشپرینگر کو اس کی اشاعت پذیری کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر اسے وہاں اس تذکرہ کے کچھ نسخوں کی ضرورت ہو، تو انھیں لکھ بھیجے، تا کہ وہ ان کی ترسیل کا انتظام کر سکیں۔

۱۰۔ شاید کریم الدین اردو محاورات یا ضرب الامثال پر کوئی کتاب تیار کرنا چاہتے تھے، اسی لیے وہ اس موضوع پر عربی کتابوں کی تلاش میں تھے۔ ان کی تالیفات کی جو فہرستیں طبع ہوئی ہیں، ان میں ایسی کوئی کتاب شامل نہیں، جو اردو ضرب الامثال یا محاورات یا اصطلاحات پر لکھی گئی ہو۔ ممکن ہے انھوں نے اردو میں ایسی کتاب کی ترتیب شروع کی ہو، لیکن بوجوہ ان کا یہ کام ادھورا رہ گیا۔

۱۱۔ اس سے مراد ''کتاب المصادر'' (عربی) ہے، جس کے مؤلف کا نام ابوعبداللہ الحسین بن علی بن احمد الزوزنی (م۔ ۴۸۶ھ/۱۰۹۳ء) ہے۔ اس میں عربی محاورات جمع کیے گئے ہیں اور فارسی میں ان کی تشریح کی گئی ہے۔ رک: براکلمان ا (۱۹۴۳ء)، ص ۲۸۸ (۳۴۳)، ذیل ا: ۵۰۵۔

۱۲۔ کریم الدین کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اشپرینگر ہی سے نہیں بلکہ اس کے افراد خانہ سے بھی میل جول رکھتے تھے۔ اس سے کریم الدین اور اشپرینگر کے قریبی تعلقات کا پتا چلتا ہے۔
اشپرینگر کی بیوی کا نام Catharina تھا۔ وہ فرانکفورٹ کی رہنے والی تھی اور اپنے شوہر کی وفات (۱۸۹۳ء) سے چند ماہ قبل انتقال کر گئی۔ اشپرینگر کے نجی کاغذات اور خاندانی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تین بیٹے تھے۔ ان میں ایک انجینئر تھا۔

۲

''جناب عالی (۱)

بہت دنوں سے ارادہ کرتا تھا کہ حضور کی خدمت میں ایک عرضی متضمن شکر گذاری اور اپنے حال کی لکھوں مگر حضور سفر چین اور کوہستان کو چونکہ تشریف لے گئے تھے (۲)، اس لیے مجبور تھا۔ اب سننے میں آیا کہ حضور کا ارادہ مصمم واسطے جانے بنگالہ کے ٹھہرا ہے (۳)۔ گرچہ حضور سے بہت دوری حاصل ہوئی مگر پھر بھی بلحاظ شفقت اور عنایت حضور کی اپنے تئیں قریب ہی جانتا ہوں اور جیسے حضور سے جدا ہوا ہوں شکر گذاری میں مستغرق ہوں۔

اور حضور کی عنایت سے آگرہ میں آ کر میں نے زبان سنسکرت تحصیل کی اور اب کی بار پھر ''شرح مقامات حریری (۴)'' اچھی طرح پر طیار کرتا ہوں چنانچہ اخیر مقاموں کی شرح بہت مختصر تھی اور بہت بے سبب

Marfat.com

طوالت کے چھوڑ دی تھی۔اب کی بار زیادہ کی گئی اور راز سر نو لغت مستعمل کے شرح چھوڑ دی گئی اور لغت کم مشہور سب لکھے ہیں اور بعض مقام پر بیان اچھا کیا ہے۔مجمل چھوڑ کر مفصل لکھا ہے۔یقین ہے کہ اب کی بار حضور ملاحظہ فرماویں گے،تو بہت خوش ہوں گے۔جو جو نقص حضور نے مجھ سے درمیان ماہ جنوری ۱۸۵۰ء کے دہلی میں بیان کیے تھے،وے سب نکال ڈالے ہیں اور آپ کی مرضی کے موافق اس کو طیار کیا ہے۔چنانچہ اگر حضور مجھ سے نمونہ اوس کا دیکھنے کو طلب فرماویں گے تو میں عرض رکھوں گا مگر چاہتا ہوں کہ آپ کی عنایت قدیمانہ اور مربیانہ سے اب کے سال گورنمنٹ بنگال میری مدد اس کے طبع میں مثل دینے سال گذشتہ گورنمنٹ آگرہ کے دیں تو بندہ پروری ہوگی اور میں بموجب آپ کے وعدہ کے اپنا وسیلہ حصول درجات میں، جب تک کہ آپ ہند میں تشریف رکھتے ہیں، کسی کو نہیں سمجھتا ہوں۔

اور ان ایام میں بندہ نے سنا ہے کہ مولوی سدید الدین خاں (۵) کو حضور نے مولوی احمد کبیر صاحب مرحوم (۶) کے عہدہ پر مقرر فرمادیا ہے۔چنانچہ وے سب سے یہی بیان کرتے پھرتے ہیں۔سو اگر ایسا ہو تو بندہ مستحق درجہ عربی کالج آگرہ کا ہے۔حضور مجھ کو اطلاع اس کی فرماویں تاکہ میں گورنمنٹ سے درخواست کروں کہ مولوی سدید الدین یہاں کئی ملاحوں سے بھاڑا کشتی کا مقرر کر چکے ہیں اور کہتے ہیں کہ دس بارہ روز میں سفر کروں گا۔

ان ایام میں بموجب حکم ریڈ صاحب جنرل وزیٹر اضلاع گورنمنٹ آگرہ کے ایک ڈکشنری اردو اور ہندی کی اس طور پر کہ اول خانہ میں لفظ عربی یا فارسی، جو اردو میں مستعمل ہے، لکھا ہے اور دوسرے خانہ میں اوس کے معنی ہندی بھاشا میں میں نے طیار کی ہے (۷)، اور ایک باغ و بہار ہندی اور اردو کا اس طرح کہ ایک صفحہ پر اردو اوس کی، جو کی ہوئی میر امن دہلوی کی ہے، لکھی ہے اور دوسرے صفحہ میں ہندی میں الفاظ مشکل کو حل کیا ہے (۸)۔ یہ بھی بندہ نے طیار کیا ہے اور اسکولوں میں دونوں کتابیں بموجب حکم گورنمنٹ کے جاری ہوں گی۔اگر آپ بنگال میں جا کر ''شرح حماسہ'' (۹) کو مختصر کروا کے ٹیپ میں چھپوادیں گے تو ان اضلاع کے رہنے والوں اور ہندوستانیوں کو، جو شائق عربی کے ہیں، یہ کتاب بہت مفید ہوگی۔آئندہ جو آپ کی رائے میں آوے وہ سب سے بہتر ہے۔میم صاحبہ کی خدمت میں بہت بہت ''

تشریحات:

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن بعض قرائن سے اس کے سنہ تحریر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔خط کے آخر میں تاریخ کے علاوہ مکتوب نگار نے اپنا نام بھی نہیں لکھا۔ مگر اس کے سرسری مطالعہ سے پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مولوی کریم الدین کا تحریر کردہ ہے۔

Marfat.com

اشپر ینگر اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے بعد ۱۸۴۹ء کے اواخر میں فارغ ہوا۔ اسے جب ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ بنا کر لکھنؤ بھیجا گیا تو اس کی جگہ دہلی کالج کے پرانے سربراہ ٹیلر کو اس مدرسہ کا قائم مقام پرنسپل بنایا گیا اور وہ اشپر ینگر کی غیر موجودگی میں اسی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ جونہی اشپر ینگر کا کام ختم ہوا وہ واپس دہلی آیا اور آتے ہی پھر سے دہلی کالج کے پرنسپل کا عہدہ سنبھال لیا۔ اس کے دہلی پہنچنے کی تاریخ ۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء بتائی جاتی ہے (بحوالہ مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ۱۹۴۵ء، ص ۱۴۸) یہاں آتے ہی اس کی کریم الدین سے ملاقات ہوئی جیسا کہ اسی خط میں وہ لکھتے ہیں کہ ''جو جو نقص حضور نے مجھ سے درمیان ماہ جنوری ۵۰ء کے دہلی میں بیان کیے تھے۔'' تقریباً تین ماہ اشپر ینگر دہلی ہی میں رہا۔ ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو وہ پہاڑی علاقوں کی سیر و سیاحت کو نکل گیا۔ اسی سال مارچ میں تعلیمی کونسل نے مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے لیے انگریز پرنسپل کے تقرر کی تجویز پیش کی اور اس عہدہ کے لیے اشپر ینگر کا انتخاب عمل میں آیا۔ اشپر ینگر نے اپنی تقرری کی اطلاع ملتے ہی یہ کوشش شروع کر دی کہ دہلی کالج کے کسی تجربہ کار اور محنتی استاد کو اپنے ساتھ کلکتہ لے جائے۔ ان دنوں مدرسہ عالیہ میں حافظ احمد کبیر کے انتقال (۱۸۵۰ء) کے بعد عہدۂ امینی خالی پڑا ہوا تھا۔ اشپر ینگر کی خواہش تھی کہ مولانا مملوک العلی نانوتوی یہ عہدہ قبول کر لیں، لیکن وہ اپنی احتیاط پسندی کی وجہ سے اسے فوراً قبول نہ کر سکے۔ مولانا نے ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کو تھارنٹن کو درخواست بھیجی کہ وہ مشروط طور پر کلکتہ جانے کے لیے رضامند ہیں (رک: مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، شمارہ ۸ مع تشریحات)۔ حکومت نے ان کی یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی اطلاع اشپر ینگر کو بھی کر دی۔ اس کے بعد اشپر ینگر نے اسی عہدہ کے لیے آگرہ کے مدرس اول (عربی) مولانا سدید الدین خاں کو منتخب کیا۔ انھوں نے فوراً اس پیشکش کو قبول کر لیا اور انھوں نے ۱۷ ستمبر ۱۸۵۰ء کو اس عہدہ کے لیے درخواست روانہ کر دی (رک: مکتوبات سدید الدین خاں، شمارہ ۳، بابت ۱۰ جنوری ۱۸۵۱ء)۔ مولانا سدید الدین، مملوک العلی نانوتوی کے استاد مولانا رشید الدین خاں کے فرزند تھے۔ کئی سال تک دہلی کالج ہی میں ان کے رفیق کار بھی رہے۔ مملوک العلی نانوتوی ذاتی طور پر مولانا سدید الدین خاں کو یہ عہدہ ملنے پر خوش تھے۔ جب سدید الدین خاں کلکتہ روانہ ہوئے تو انھوں نے اپنے ایک خط (بابت ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء) میں اشپر ینگر کو اس کی اطلاع دی۔ (رک: مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، شمارہ ۹ مع تشریحات)۔ مولوی کریم الدین نے اپنے موجودہ خط میں آگے چل کر لکھا ہے کہ مولانا سدید الدین خاں دس بارہ روز تک کلکتہ جانے والے ہیں، مملوک العلی نانوتوی کے متذکرہ بالا خط (مورخہ ۱۵ مارچ ۱۸۵۱ء) لکھنے

Marfat.com

تک مولانا سدید الدین خاں کلکتہ روانہ ہو چکے تھے اور الہ آباد تک پہنچ چکے تھے، لیکن کریم الدین کے اس خط کے مطابق وہ دس بارہ روز تک روانہ ہونے والے تھے۔ اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کریم الدین کا یہ مراسلہ فروری ۱۸۵۱ء کے آخر یا مارچ کے شروع میں لکھا گیا۔

۲۔ اشپرینگر جتنا عرصہ ہندوستان میں رہا، موسم گرما کی تعطیلات گذارنے مختلف صحت افزا پہاڑی علاقوں کی طرف چلا جاتا تھا۔ ویسے بھی اسے کوہ پیمائی کا شوق تھا۔ وہ ہندوستان کے کوہ پیماؤں کی انجمن کا رکن بھی تھا۔ اس خط سے پہلی بار اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے چین کا سفر کیا تھا اور کوہ ہمالیہ کے دور دراز علاقوں میں بغرض سیر و سیاحت گیا تھا۔ اس سفر پر وہ ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو روانہ ہوا۔ اس طویل سفر سے وہ کب واپس آیا؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ذخیرۂ اشپرینگر میں کچھ کاغذات ایسے بھی ہیں جن پر مختلف عربی اور فارسی خطی نسخوں کی تفصیلات درج ہیں، دو جگہوں پر اس نے اپنے ہاتھ سے ''شملہ ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۰ء'' اور ''شملہ ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۰ء'' اختتامی تاریخیں لکھی ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ضروری کتب اور قلمی نسخوں کے متعلق اپنی یادداشتیں پاس رکھتا تھا اور جہاں اسے وقت ملتا، انہیں ترتیب دینا رہتا تھا۔

۳۔ مئی ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا (مرحوم دہلی کالج، ص ۱۴۸) لیکن اس نے فوراً وہاں پہنچ کر اپنے عہدہ کا چارج نہیں سنبھالا بلکہ وہ اگلے مہینے پہاڑی مقامات پر کچھ وقت گذارنے چلا گیا۔ وہاں سے واپس آ کر اس نے مدرسہ عالیہ کے حالات کا جائزہ لیا اور پھر (غالباً اکتوبر ۱۸۵۰ء) میں چین اور دور افتادہ کوہستانی علاقوں کے سفر پر چلا گیا۔ کریم الدین کی اس عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اشپرینگر شروع میں دہلی کالج چھوڑ کر کلکتہ جانے میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا، لیکن جب وہ ۱۸۵۰ء کے اواخر یا ۱۸۵۱ء کی ابتداء میں طویل سفر کے بعد واپس آیا تو اس نے کلکتہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

۴۔ کریم الدین نے اپنے سابقہ خط میں ''شرح مقامات حریری'' کا ذکر کیا ہے۔ اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۴۸ء میں یہ ''شرح'' زیر طبع تھی۔ یہ اس شرح کی پہلی طباعت تھی، جو ۱۸۴۹ء میں اشاعت پذیر ہوئی (تفصیل کے لیے رک: سابقہ خط کی تشریحات، شمارہ ۱۲) اب تک کریم الدین کے سوانح نگاروں اور ان کی فہرست تالیفات کے مرتبین نے ''شرح مقامات حریری'' کے اسی ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے، لیکن زیر نظر خط سے اس بات کا پہلی بار علم ہوتا ہے کہ کریم الدین نے آگرہ پہنچتے ہی اس ''شرح'' کی اشاعت ثانی کی تیاری شروع کر دی تھی اور اس کی طبع اول میں جو کمیاں اور اغلاط رہ گئی تھیں، ان کو بھی

Marfat.com

دور کر دیا تھا۔ وہ اس مقصد کے لیے جنوری ۱۸۵۰ء کے وسط میں دہلی میں اشپرینگر سے ملے تھے اور اس کی تجاویز کو بھی انھوں نے بوقت نظر ثانی پیش نظر رکھا تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کریم الدین کی ''شرح'' کا یہ اصلاح شدہ ایڈیشن کسی وجہ سے شائع نہ ہو سکا۔ اسی خط سے ایک اور نئی بات کا پتا چلتا ہے کہ اس ''شرح'' کا پہلا ایڈیشن گورنمنٹ آگرہ کی مالی اعانت سے شائع ہوا تھا اور دوسرے ایڈیشن کے لیے وہ چاہتے تھے کہ اشپرینگر گورنمنٹ بنگال سے ایسی ہی گرانٹ کا بندوبست کر دے۔ شاید یہ انتظام نہ ہو سکا اور یوں ''شرح مقامات حریری'' کا یہ نظر ثانی شدہ ایڈیشن مسودے ہی کی شکل میں رہا اور بعد میں ضائع ہو گیا۔

اشپرینگر نے اپنے ذاتی کاغذات میں ایک جگہ مولوی کریم الدین کی ''شرح مقامات حریری'' (مع متن) کا حوالہ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ان دنوں آگرہ میں زیر طبع ہے۔ غالباً یہ شرح کی طباعت ثانی کی طرف اشارہ ہے جسے ۱۸۵۱ء میں کریم الدین تیار کر رہے تھے، لیکن یہ ''شرح'' کسی وجہ سے طباعتی مراحل طے نہ کر سکی اور نامکمل صورت ہی میں ضائع ہو گئی۔

۵۔ سدید الدین خاں آگرہ میں مدرس اول (شعبہ عربی) تھے۔ دہلی کالج کے پرانے استاد اور معروف عالم رشید الدین خاں کے بیٹے تھے اور حصول تعلیم کے بعد اسی کالج میں استاد بھی رہے، بالآخر اشپرینگر ہی کی کوششوں سے انہیں بھی آگرہ کالج میں ملازمت مل گئی۔ ان کے تفصیلی حالات اور اشپرینگر کے نام خطوط سطور بالا میں پیش کیے جا چکے ہیں۔

سدید الدین خاں اور مولوی کریم الدین ایک دوسرے سے عداوت رکھتے تھے اور ان دونو کے مکاتیب میں اس بات کا کھل کر اظہار ہوا ہے۔ شاید اس کی کوئی پیشہ وارانہ وجہ یا معاصرانہ چشمک ہو۔ جب اشپرینگر نے مولانا سدید الدین کو مدرسہ عالیہ کا امین مقرر کیا تو اس عداوت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولوی کریم الدین آگرہ کالج میں اپنی ملازمت (بطور مدرس اول، اردو) سے زیادہ خوش نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کی تقرری شعبۂ عربی میں ہو جائے۔ بار بار اشپرینگر کو لکھتے رہے کہ وہ اس سلسلہ میں ان کی سفارش کرے، لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور ۱۸۵۷ء تک اس کالج میں اسی حیثیت (یعنی مدرس اول، اردو) میں تعلیم و تدریس سے متعلق رہے۔

۶۔ یہ مدرسۂ عالیہ میں عہدۂ امینی پر فائز تھے۔ اوائل ۱۸۵۰ء میں ان کا انتقال ہوا۔ خاصی دیر تک ان کا عہدہ خالی رہا، اشپرینگر نے اس مدرسہ کا پرنسپل مقرر ہونے کے بعد پہلے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو اس

Marfat.com

عہدہ کی پیشکش کی، نگران کی رضامندی کے بعد یہ عہدہ مولانا سدید الدین خاں کو تفویض ہوا۔ حافظ احمد کبیر کا تفصیلی ذکر مولانا محمد مظہر نانوتوی کے مکتوبات کے تحت سطور بالا میں ہو چکا ہے (رک: مراسلہ نمبرا، مع تشریحات)

۷۔ مولوی کریم الدین کی یہ اردو ہندی ڈکشنری ان کی فہرست تالیفات میں شامل نہیں۔ انھوں نے اس لغت کا مسودہ تیار کر لیا تھا، لیکن اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی اور اب یہ بھی ان کے گمشدہ مسودات میں شامل ہے۔ یہ لغت ریڈ (H. S. Reid) صاحب کی فرمائش پر مرتب ہوئی اور اسے چھپنے کے بعد سکولوں کی نصابی کتابوں میں شامل ہونا تھا۔ یہ لغت طبع ہوئی یا نہیں۔ اس کے بارے میں اب کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۸۔ ''باغ و بہار'' (اردو ہندی) بھی کریم الدین کی نامعلوم کتب میں شامل ہے۔ اسے انھوں نے آگرہ میں تیار کیا اور یہ بھی مذکورہ بالا لغت کی طرح اسکولوں کے طلبہ کے لیے تیار کی گئی تھی۔ ان کی ان دو کتابوں سے ایک تو اس بات کا ٹھوس ثبوت ملتا ہے کہ وہ ہندی زبان پر کامل عبور رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حکومت برطانیہ کے مقتدر لوگوں نے بہت پہلے مدرسوں میں اردو کے ساتھ ساتھ ہندی کو رواج دینے کی کوششیں شروع کر دی تھیں، تعلیمی سطح پر ان کی یہ کوششیں کچھ سالوں بعد نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔ جب اردو اور ہندی کا تنازعہ شروع ہوا۔

۹۔ اس کے شارح بھی شاید مولوی کریم الدین تھے، لیکن اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان سطور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرح پہلے دہلی یا آگرہ سے چھپ چکی تھی اور اب ان کی خواہش تھی کہ اس کی تلخیص ٹائپ میں کلکتہ سے بھی شائع ہو اور اس کے لیے اشپرینگر ان کی مدد کرے، لیکن وہ اس کی طباعت میں بھی ان کی حسب توقع اعانت نہ کر سکا۔

۴

''غریب پرور سلامت

حضور کو اپنا محسن اور فریادرس جان کر موافق ہمیشہ کی عادت کے عرض کرتا ہوں کہ اب کی بار پھر عہدہ مدرس اول عربی کا مدرسہ آگرہ میں بسبب فوت ہونے مولوی علی اکبر (۱) کے خالی ہو گیا ہے۔ چونکہ حضور پر روشن ہے کہ میں مدت سے خواہاں اس عہدہ کا ہوں اور اسی عہدہ کے واسطے میں نے مدرسہ کی نوکری اختیار کی تھی (۲) اور میری استعداد اور لیاقت کا حال بھی حضور خوب جانتے ہیں کہ مولوی علی اکبر نے سب کتابیں

Marfat.com

صرف ونحو، منطق ومعانی اور فلسفہ اور ادب کی مجھ سے پڑھی تھیں (۳)۔ صرف ایک ''ہدایہ'' اور ''حماسہ'' اور حدیث اوس نے کالج دہلی میں پڑھی ہے (۴)۔ اور یہ بھی میں خوب جانتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں اور حضور ہندوستان میں ہیں، بلحاظ قدر علمی اور احسان کے حضور میرے مددگار ہیں، لہٰذا اب پھر امیدوار آپ کی عنایت اور کرم سے اس بات کا ہوں کہ میرے واسطے گورنمنٹ کو ایک چٹھی واسطے پانے اس عہدہ کے اگر حضور سے مرحمت ہو تو تادم زیست احسان مند اور ممنون حضور کا رہوں گا۔

اور میرے باب میں جو مولوی سدید الدین خاں صاحب کچھ ارشاد کریں تو حضور باور نہ فرماویں کیونکہ میں پہلے اون کے باب میں عرض کر چکا ہوں کہ وے مجھ سے عداوت رکھتے ہیں (۵)۔ فقط

بخدمت میم صاحب نہایت عجز وانکسار سے سلام نیاز پہنچے۔ باوا صاحب کو دعا۔

میں بہت آرزو سے اور عجز سے امیدوار ہوتا ہوں کہ اب کی بار میرے واسطے حضور اس کی سعی فرماویں۔

عرضی

کریم الدین

مدرس اول کالج آگرہ

۴ جولائی ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ ان کا انتقال ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو ہوا، چنانچہ مولانا محمد احسن نانوتوی اپنے خط بابت ۲ جولائی ۱۸۵۲ء میں اشپرینگر کو اطلاع دیتے ہیں ''تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا۔'' (رک: بذیل مکتوبات احسن نانوتوی، سطور بالا)

مولوی علی اکبر نوجوانی میں فوت ہوئے۔ وہ اشپرینگر کے انتہائی قریبی رفقائے کار میں سے تھے اور وہ اس کی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کا بیحد معترف تھا۔ اس کی سفارش پر علی اکبر کو آگرہ کالج میں مدرس اول عربی کی ملازمت حاصل ہوئی۔ علی اکبر کے حالات اشپرینگر کے نام مکتوبات کے لیے دیکھیے آئندہ سطور۔

۲۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کریم الدین نے آگرہ کالج میں مدرس اول (اردو) کی ملازمت بحالت مجبوری قبول کی تھی اور ان کا اصل مقصد اسی کالج کے شعبۂ عربی میں تقرری تھا۔ اس شعبے سے

Marfat.com

جب مولانا سدید الدین خاں رخصت ہوئے تو انھوں نے اس کے حصول کی سعی کی اور جب اس [illegible]
اگلے سال اس شعبہ کے مدرس علی اکبر فوت ہوئے تو پھر وہ اسی عہدہ کے امیدوار تھے، لیکن شاید [illegible]
اشپرینگر کے عدم تعاون کے سبب شعبۂ عربی میں تعلیم و تدریس سے محروم رہے۔ جواں مرگی [illegible]
کے بعد اس خالی عہدہ کے لیے مولانا محمد احسن نانوتوی بھی درخواست گذار تھے، لیکن انھیں بھی یہ
ملازمت نہ مل سکی اور ان کا تقرر [illegible]
(عربی) کون سا مقرر ہوا اس کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا۔

۳۔ یوں علی اکبر بھی کریم الدین کے تلامذہ میں سے تھے۔ [illegible]
کی حیثیت سے اردو کی تعلیم اور تدریس اور تصنیف و تالیف ہی میں مصروف رہے۔ [illegible]
سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی زبان و ادب اور علوم متداولہ [illegible]
وجہ تھی کہ وہ اس کالج کے شعبۂ عربی میں شامل ہونے کی کوشش کرتے [illegible]
وہ اس شعبہ میں بہتر طور پر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

۴۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ علی اکبر دہلی کالج کا طالب علم تھا، وہ کریم الدین سے [illegible]
حاصل کرتا تھا، کریم الدین اس کالج کے طالب علم تو ضرور تھے، لیکن وہ بھی [illegible]
ذاتی تعلق کی بنا پر اسے اپنے گھر پر پڑھاتے تھے۔ ممکن ہے [illegible]
بے روزگار تھے اور اپنے ان کٹھن ایام کو تصنیف و تالیف اور [illegible]

۵۔ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مولانا سدید الدین خاں اور مولوی کریم الدین [illegible]
کی وجہ کیا تھی؟ قرین قیاس یہی امر ہے کہ اس عداوت کا سبب وہ عہدہ تھا [illegible]
مولانا سدید الدین خاں و مدرسہ عالیہ (کلکتہ) میں [illegible]
الدین کا ذکر کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]
بھی بھیجا کرتا تھا اور وہ [illegible]
بابت ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء) اور کبھی ایسا بھی ہوتا [illegible]
کتابیں منگوایا کرتا (رک ایضاً نمبر ۲ بابت ۱۹ [illegible] ۱۸۵۰ء) [illegible]
کی دعوت ملتی ہے۔ مولوی کریم الدین سے ان کے اختلافات [illegible]

Marfat.com

اشپرینگر کو لکھتے ہیں کہ ''فدوی نے بموجب ایما کے پہلے سے سامان سفر کا تیار کر رکھا ہے اور حضور کی عنایت سے یہاں سب لوگوں میں فدوی کی آبرو رہ گئی ہے، ورنہ یہاں سب لوگ فدوی سے کہتے تھے کہ وہ عہدہ تم کو نہیں ملے گا۔ ناحق تیاری سفر کلکتہ کی کر کے اپنا نقصان کیا۔'' (بابت ۱۰ جنوری ۱۸۵۱ء)۔ ان ''سب لوگوں'' میں کریم الدین بھی ضرور شامل ہوں گے۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولوی محمد سدید الدین خاں

مولوی محمد سدید الدین دہلوی اپنے علم وفضل کے اعتبار سے موجودہ مکتوب نگاروں سے کسی طرح کم نہیں تھے۔ وہ دہلی کالج کے متعلم تھے اور پھر کئی سال تک اسی کالج میں معلم رہے۔ بعض دیگر مدارس میں بھی مدرس عربی کی ذمہ داریاں سنبھالے رکھیں۔ چند کتابیں تالیف کیں۔ بعض عربی کتابوں کے اردو ترجمے کیے اور بعض کے متن ترتیب دیے، لیکن حیرت ہے کہ کتب رجال یا علماء کے تذکروں میں ان کے حالات تفصیل سے نہیں دیے گئے۔ حتیٰ کہ جن درس گاہوں میں وہ پڑھاتے رہے یا ان کے انتظام وانصرام میں مصروف رہے، ان کی تواریخ میں مولوی صاحب کا نام تک نہیں ملتا۔ سطور ذیل میں مولوی محمد سدید الدین کے جو مزید حالات دیے جا رہے ہیں، وہ ذخیرۂ اشپرینگر کی بعض دستاویزات سے اخذ شدہ ہیں یا ان کے اپنے مکتوبات بنام اشپرینگر (تعداد پانچ) سے لیے گئے ہیں۔ سابقہ مکتوب نگاروں کی طرح وہ بھی اشپرینگر سے بہت قریب تھے بلکہ وہ اپنے آپ کو اشپرینگر کا ''فدوی قدیمی'' اور ''خیرخواہ صمیمی'' لکھتے ہیں۔

مولوی محمد سدید الدین کے والد کا نام محمد رشید الدین خاں دہلوی [1] اور دادا کا نام امین الدین [2] تھا۔ ان کے آباؤ اجداد کشمیر سے ہجرت کر کے دہلی آئے اور پھر اسی شہر میں مستقلاً بس گئے [3]۔ مفتی صدر الدین آزردہ، مولوی سدید الدین کے اقربا میں سے تھے، کیونکہ ان کے بزرگ بھی غالباً اسی زمانے میں کشمیر سے نقل مکانی کر کے دہلی میں آباد ہوئے تھے [4]۔ سدید الدین کے والد رشید الدین ۱۲۰۰ھ ... [illegible]

۱۔ تذکرہ علمائے ہند از رحمان علی، ترتیب وترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۱۷۵۔ اضافہ از مترجم۔

۲۔ بن وحید الدین بن عبد السلام (نزہۃ الخواطر ۷: ۱۷۷)

۳۔ عبد السلام پہلے شخص تھے، جو کشمیر سے دہلی آئے (ایضاً)

۴۔ علم وعمل (وقائع مولوی عبد القادر) ترجمہ وترتیب محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۱ء، جلد اول، ص ۴-۲-۵-۲

Marfat.com

ہیں بلند مقام تھا اور انھوں نے خاندان ولی اللٰہی سے براہِ راست کسب فیض کیا تھا(۱)۔ وہ دہلی کالج میں پہلے مدرس عربی مقرر ہوئے (۱۸۲۵ء) اور اپنی وفات (۱۸۴۷ء) تک وہ اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ ان کی اولاد کی پوری تفصیل تو نہیں ملتی، لیکن ان کے بیٹوں میں ایک تو یہی مولوی سدید الدین ہیں اور دوسرے بیٹے کا نام مولوی مؤید الدین تھا۔ مؤخر الذکر غالباً چھوٹے بیٹے تھے۔ وہ بھی عربی پر عبور رکھتے تھے، چنانچہ انھوں نے اسی زبان میں رد نصاریٰ کے موضوع پر ایک کتاب زیر عنوان ''تشخیص القال'' لکھی جس کا اردو ترجمہ ان کے فرزند مولوی سید محی الدین خاں نے کیا (مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۰۰ء) (۲)۔

مولوی سدید الدین دہلی کالج میں داخل ہوئے، ان کے اساتذہ میں ان کے والد رشید الدین اور مولانا مملوک العلی شامل تھے۔ تعلیم مکمل کرتے ہی مولوی صاحب کا ۳۰ اکتوبر ۱۸۳۰ء کو اسی کالج کے شعبہ عربی میں تقرر ہو گیا(۳)۔ وہ کئی برس تک اسی شعبہ میں پڑھاتے رہے۔ مولوی عبدالحق نے ۱۸۴۳ء میں دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی کے اساتذہ، ان کے طالب علموں کی تعداد اور نصابی کتب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں مملوک العلی، قاری جعفر علی جارچوی اور مولوی سید محمد کے ناموں کے ساتھ مولوی سدید الدین کا نام بھی شامل ہے (۴)۔ اس

۱۔ ان کے تفصیلی حالات مولانا مملوک العلی کے حالات کے تحت لکھے جا چکے ہیں۔ مزید حالات کے لیے رک: فرائد الدہر از مولوی کریم الدین پانی پتی، دہلی ۱۸۴۷ء۔ نزہۃ الخواطر ۷: ۱۷۷-۱۷۸؛ ابجد العلوم از صدیق حسن خاں، طبع عکسی، لاہور ۱۹۸۳ء، جلد سوم، ص ۲۴۷، اسٹوری ۲: ۴۶۹-۴۷۰۔ علم ہیئت اور علم ہندسہ میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ رک:

Gulfishan Khan: "Ulama and the Delhi Madrasah. Some early colonial experiences", in: Abdul Ali & Zafarul Hasan (eds.): *Role of the Muslims in the Freedom Movement of India*. Aligarh 2007; ibid.: "An overview of the Scientific Thought and Technology in the Subcontinent during 18-19th Centuries", in: *Insights*, 1/iv (2009), "Scientific Education at the Delhi College", pp. 64-70.

۲۔ رک: فرنگیوں کا جال از امداد صابری، طبع جدید، دہلی ۱۹۷۹ء، ص ۴۳۶-۴۳۷

۳۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۱۷۳، بحوالہ رپورٹ جنرل کمیٹی آف پبلک انسٹرکشن، بابت ۱۸۴۲ء-۱۸۴۳ء

۴۔ مرحوم دہلی کالج طبع دوم، دہلی ۱۹۴۵ء، ص ۶۷، لیکن صاحب کتاب نے جہاں اس شعبہ کے اساتذہ کے حالات زندگی قلمبند کیے ہیں وہاں سدید الدین کا ذکر نہیں کیا۔

Marfat.com

سال یعنی ۱۸۴۳ء میں مولوی سدید الدین کی جماعت میں دس طلبہ تھے۔اس کے بعد دہلی کالج سے ان کا تعلق منقطع ہو گیا۔انھوں نے یہ ملازمت کب اور کیوں چھوڑی؟ ان سوالوں کا حتمی جواب دینا مشکل ہے۔انھوں نے اپنے ایک خط بنام اشپرینگر (بابت ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء) میں عجیب حادثات میں مبتلا رہنے اور اپنی طویل علالت کا ذکر کیا ہے، ممکن ہے یہی اسباب ان کی ملازمت چھوڑنے کا باعث بنے ہوں۔ ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج میں زیرِ تعلیم طلبہ کے جس رجسٹر کا سطور بالا میں اکثر حوالہ دیا گیا ہے،اس میں سدید الدین کا نام بطور استاد عربی شامل نہیں۔اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۷ء سے قبل دہلی کالج کی ملازمت چھوڑ چکے تھے۔

مولوی سدید الدین بااثر شخص تھے اور ہنری ایلیٹ، لفٹنٹ گورنر اور محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسروں کے ساتھ ان کے مراسم تھے، لیکن اشپرینگر کے ان سے انتہائی قریبی تعلقات تھے۔ یہ انھی تعلقات کا نتیجہ تھا کہ اشپرینگر نے انھیں مدرسۂ آگرہ میں مدرس عربی کی ملازمت دلوادی[1]۔ مولوی صاحب کے اشپرینگر کے نام پانچ خطوط میں پہلا خط ۲۹ مئی ۱۸۴۹ء کا تحریر کردہ ہے اور یہ آگرہ سے ارسال کیا گیا۔ اشپرینگر [illegible] ۱۸۴۸ء کو دہلی سے لکھنؤ روانہ ہوا۔ ممکن ہے اپنی روانگی سے قبل اشپرینگر نے مولوی صاحب کو مدرسۂ آگرہ [illegible] کروا دیا ہو۔ شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے بعد مئی ۱۸۵۰ء میں اسے مدرسہ [illegible] پرنسپل مقرر کر کے کلکتہ بھیج دیا گیا۔اس مدرسہ میں حافظ احمد [illegible] کے انتقال (اوائل ۱۸۵۰ء) [illegible] خالی تھا، چنانچہ اس کے لیے اس نے موزوں شخص کی تلاش شروع کی۔ پہلے [illegible] پیشکش کی، لیکن وہ اپنی مجبوریوں کے سبب دہلی کالج چھوڑ کر کلکتہ نہ جا سکے [illegible] سدید الدین کو ہوئی۔ انھوں نے اسے فوراً قبول کر لیا اور ستمبر ۱۸۵۰ء [illegible] چٹھی کے ہمراہ متعلقہ افسروں تک پہنچا دی۔ اشپرینگر کی ذاتی دلچسپی سے [illegible] ۱۸۵۱ء کو مولوی سدید الدین کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ انھیں مدرسہ عالیہ (کلکتہ) [illegible] منتخب کر لیا گیا ہے۔ وہ سامانِ سفر باندھ کر فوراً روانہ ہوئے[2] اور اپنے عہدے [illegible] انتظامی امور کو سلجھانے میں مصروف ہو گئے[3]۔ انھی دنوں اشپرینگر نے [illegible]

۱۔ برکات علی اپنے ایک خط (بلا تاریخ) میں لکھتے ہیں [illegible] خاں اور ابوالحسن اور مولوی علی [illegible] فرمایا۔"

۲۔ مکتوب ابوالحسن بنام اشپرینگر، بابت [illegible] ۱۸۵۱ء [illegible] سدید الدین خاں یہاں سے کلکتہ تشریف لے گئے۔"

۳۔ [illegible]

Marfat.com

بنیادی تبدیلیوں کا پروگرام بنایا اور انہیں کونسل آف ایجوکیشن کی پیشگی منظوری کے بغیر نافذ کرنے کی کوشش کی۔ اس پر مدرسہ میں ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور نظم و ضبط اس قدر بگڑ گیا کہ طالب علموں کو قابو میں رکھنے کے لیے پولیس بلانا پڑی[1]۔ بالآخر یہ تنازعہ ختم ہو گیا، لیکن شاید طالب علموں کے مطالبہ پر مولوی سدید الدین کو عہدۂ امینی سے الگ ہونا پڑا۔ کیونکہ مدرسہ کے تمام انتظامی معاملات کے وہی ذمہ دار تھے اور طلبہ بھی تمام زیادتیوں کے انھی کو ذمہ دار ٹھہراتے تھے۔ یہاں سے تو وہ فارغ ہو گئے، لیکن اشپرینگر نے اپنے اس پرانے ساتھی کو ضلع ہوگلی کے مدرسہ چنسرہ (Chinsurah) میں ملازم کرا دیا۔ اشپرینگر کی ہندوستان سے روانگی (۱۸۵۶ء) تک وہ اسی مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ اس کے بعد وہ رامپور چلے آئے اور خلد آشیاں نواب کلب علی خاں (۱۸۶۵ء-۱۸۸۷ء) نے ان کے علم و فضل کی بڑی قدر افزائی کی[2]۔ ان کے دور میں وہ حاکم مرافعہ[3] اور افسر تعلقات عامہ کے عہدوں پر فائز رہے[4] اور وہاں کے معروف علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا[5]۔ مولانا کا انتقال کب ہوا، اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔

اشپرینگر کے مکتوب نگاروں میں ایک نام اشرف علی کا ہے۔ ان کے دو خطوں (بلا تاریخ) میں سدید الدین کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''سو جناب عالی ایک نسخہ ''ربیع الابرار'' کا مولوی مؤید الدین، جو کہ مولوی سدید الدین خاں کے

ہے اور ہر امیدوار نے آخر میں اپنا نام لکھا ہے۔ یہ پرچے مولوی سدید الدین کے دیکھے ہوئے ہیں، کیونکہ انھوں نے ہر پرچے کی دوسری جانب امیدوار کا نام خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی انتظامی ذمہ داریوں کے علاوہ تدریسی فرائض بھی انجام دیتے تھے یا ان میں پرنسپل کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اسی ڈبہ میں دو صفحات پر ''حساب مصارف صاحب بہادر'' کے عنوان کے تحت اخراجات کی تفصیل درج ہے اور آخر میں سدید الدین نے اپنے دستخط کیے ہیں۔

۱۔ رک: ہسٹری آف دی کلکتہ مدرسہ از ایس، سی، سانیال در: بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ، جلد ۸، سلسلہ وار نمبر ۱۵ (جنوری تا مارچ ۱۹۱۴ء)، ص ۹۸

۲۔ نزہتہ الخواطر ۷: ۱۹۳

۳۔ یہ ریاست رامپور کا ایک عدالتی عہدہ تھا اور اس کا فرض فوجداری مقدمات کی سماعت تھا۔

۴۔ حقیقت رامپور از محمد اکرام عالم، بدایوں ۱۹۴۰ء، ص ۳۷

۵۔ اخبار الصنادید از نجم الغنی رامپوری، جلد دوم، لکھنؤ 1918ء، ص ۲۰۳۔ تذکرہ کاملانِ رامپور مرتب احمد علی شوق، ص ۴۷، مطبوعہ پٹنہ۔

Marfat.com

بھائی ہیں، اون کے ہاں میں نے سنا ہے کہ ہے۔ تو اب یہ عرض ہے کہ حضور ایک خط مولوی سدید الدین خاں کے نام اس عرضی کے جواب کے ساتھ بھجوا دیں تا کہ اوس کی درستی کروں۔''

''مولوی سدید الدین خاں صاحب کی طرف دو سو چالیس روپے مع اصل اور سود کے ہیں۔ حضور کی ادنیٰ توجہ سے وصول ہو سکتے ہیں۔''(۱)

مولوی سدید الدین خاں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ مختلف مدارس کی ملازمت میں گذارا۔ ان کی تدریسی اور انتظامی مصروفیات نے انہیں تصنیف و تالیف کی زیادہ مہلت نہیں دی۔ اس کے باوجود چند کتابوں کی تالیف، ترجمہ اور ترتیب میں ان کا نام ملتا ہے۔ ان چند کتابوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) انتخاب ترجمہ حکایات الف لیلہ: اس انتخاب کا حوالہ گارسیں دتاسی نے دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مولوی سدید الدین خاں ۱۸۴۴ء میں دہلی کالج میں استاد تھے۔ وہ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے مولوی جعفر علی جارچوی اور مولوی حسن علی خاں کے اشتراک سے الف لیلہ کی منتخب داستانوں کو عربی سے اردو میں ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ دہلی سے ۱۸۴۴ء میں شائع ہوا (صفحات ۵۹۵)۔ مدرسہ دہلی کے ان معلمین کا یہ اردو ترجمہ دیا شنکر نسیم اور شمس الدین احمد کے تراجم الف لیلہ سے بالکل مختلف ہے۔ مولوی سدید الدین اور ان کے رفقاء نے عربی اشعار کا ترجمہ بھی اردو اشعار میں کیا ہے (۲)۔ اس ترجمے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں مولوی صاحب جس جماعت کو پڑھاتے تھے، اس کے نصاب میں الف لیلہ کی جلد اول شامل تھی (۳)۔ بالعموم ایسے تراجم ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوتے تھے، لیکن حیرت ہے کہ مولوی عبدالحق نے اس سوسائٹی کے تراجم اور تالیفات (تعداد ۱۲۸) میں الف لیلہ کے اس ترجمہ کو شامل نہیں کیا (۴)۔ البتہ اشپرینگر کے دور میں اس سوسائٹی کی کتابوں کی جو فہرست (تعداد ۵۹) شائع ہوئی تھی، اس میں ''الف لیلہ'' شامل ہے (۵)۔

۱۔ مکتوب نگار اشرف علی دہلی کالج کے مطبع العلوم کے مہتمم تھے۔ کالج کے بیشتر اساتذہ اس مطبع کے حصہ دار تھے۔ شاید مولوی سدید الدین بھی اس میں حصہ دار ہوں۔ بعد میں اس مطبع کا کام مندا پڑ گیا۔ اشرف علی نے اپنے مکاتیب میں اس بات کا بار بار ذکر کیا ہے، ممکن ہے اس شراکت کے زمانے کی کوئی رقم مولوی سدید الدین کے پاس رہ گئی ہو جس کا مطالبہ مع سود اس خط میں کیا گیا ہے۔

۲۔ تاریخ ادب ہندی و ہندوستانی (فرانسیسی)، جلد سوم، ص ۱۵

۳۔ مرحوم دہلی کالج میں، ص ۶۷

۴۔ ایضاً، ص ۱۳۹-۱۴۵

۵۔ رک: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۱۴، حصہ دوم (جولائی تا دسمبر ۱۸۴۵ء)، ص ۱۱۰۰ (بابت اگست ۱۸۴۵ء)

Marfat.com

(ب) تاریخ آگرہ۔ گارسیں دتاسی نے اپنے تیسرے خطبہ (بابت ۵ دسمبر ۱۸۵۲ء) میں اس تاریخ کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی[1]۔ مولوی سدید الدین نے یہ تاریخ اس وقت لکھی، جب وہ آگرہ کالج میں مدرس عربی تھے۔ آگرہ کے مطبع اکبری سے یہ تاریخ شائع ہوئی اور اس کے مالک شیخ خادم علی نے ۱۸۴۹ء میں اس کے ڈھائی سو نسخے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے فروخت کیے[2]۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (لاہور) میں اس تاریخ کا یہ ایڈیشن موجود تھا، لیکن اب دستیاب نہیں، البتہ اس کا لائبریری کارڈ محفوظ ہے۔ اس کارڈ پر عنوان ''تواریخ آگرہ'' درج ہے۔ اسے کسی انگریزی کتاب کا ترجمہ بتایا گیا ہے اور اس کا سنہ اشاعت ۱۸۴۸ء مرقوم ہے۔ برٹش میوزیم کے ایک مخطوطہ (نمبر او۔ آر ۱۷۶۳) میں اس تاریخ کو شامل کیا گیا ہے۔ ورق ۱۴۱-۲۷۷) ابتدائی چار صفحات کم ہیں[3]۔

(ج) الاتقان فی علوم القرآن از السیوطی، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء۔ اس کا متن مولوی سدید الدین خاں اور بشیر الدین نے مرتب کیا تھا اور اشپرینگر نے اس کا تجزیہ کیا تھا۔

ذیل میں مولوی سدید الدین خاں کے پانچ خطوط بنام اشپرینگر شائع کیے جا رہے ہیں:

۱

''بندگان متعالی غریب پرور معدلت گستر، نوشیروان زمان، حاتم دوراں جامع کمالات الممکنہ نوع الانسان دام اقبالہم۔

عرضی   میر سانند

بہت عاجزی سے آداب اور تسلیمات بجالا کر عرض کرتا ہوں کہ پروانہ کرامت نشانہ حضور کا آیا۔ اس فدوی قدیمی اور خیر خواہ صمیمی کو سرفراز اور ممتاز کیا۔

غریب پرور! جب حضور دہلی سے لکھنؤ کو تشریف لے گئے تھے (۱)، فدوی نے ایک عرضی حضور میں روانہ کی تھی۔ بعد ازاں فدوی عجیب حادثوں میں مبتلا رہا۔ مدت تلک اس قدر بیمار رہا کہ ایسی بیماری فدوی نے

۱۔ خطبات گارسیں دتاسی، مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء، ص ۲۳۔

۲۔ محمد عتیق صدیقی: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۵۴۔

۳۔ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم، ۳: ۲۸ الف، مارشل ص ۴۲۴۔

برٹش میوزیم کے فہرست نگار چارلس ریو نے اسے عمارات آگرہ کی اردو تاریخ لکھا ہے۔ اس کا سنہ اشاعت ۱۸۴۶ء درج ہے۔

Marfat.com

کبھی نہیں اوٹھائی تھی۔ اب عنایت الٰہی سے تندرست ہوں اور حضور کی دعائے دولت میں مشغول ہوں، اور حال حضور کی خیر و عافیت کا ہمیشہ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر سے دریافت کرتا رہتا تھا۔ اور جناب منڈلٹن (۲) صاحب سے ہمیشہ حضور کی خیر و عافیت پوچھتا رہتا تھا۔ مجکو حضور سے جو محبت صادقہ ہے، خدا خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو، کہ قدر دان اہل علم کے اور شریف نواز ہیں، سلامت رکھے۔

اس عرصہ میں فدوی کو ایک کتاب ابوالفضل بیہقی (۳) کی، کہ سلاطین غزنویہ کے حال میں خوب تاریخ اور بہت معتبر کتاب ہے اور جناب الیٹ (۴) صاحب بہادر کو مدت سے اس تاریخ کی تلاش تھی، ایک جلد اوس کی، جو فدوی کو بہم پہنچی تھی، شملہ پر الیٹ صاحب کے پاس روانہ کردی۔ اور کوئی کتاب جدید اس عرصہ میں فدوی کی نظر سے نہیں گذری۔ جس وقت بہم پہونچے گی، اوس کی اطلاع حضور میں کروں گا۔

ایک پروانہ حضور کا، جو مولوی کریم الدین (۵) کے نام کا ملفوف تھا، فدوی نے فوراً اون کے پاس بھیج دیا۔ امیدوار حضور کی تفضلات سے ہوں کہ ہمیشہ حضور فدوی کو عالم دوری میں مکارم اور تفضلات سے یاد فرماتے رہیں اور اپنا خادم خاص اور جاں نثار صمیمی تصور فرماتے رہیں۔ زیادہ حد ادب۔ فقط۔ آفتاب دولت کا تاباں رہے۔

سدید الدین
مدرس عربی مدرسہ آگرہ
۲۹ مئی ۱۸۴۹ء۔''

تشریحات:

۱۔ اشپرینگر کو فروری ۱۸۴۸ء میں دہلی کالج سے تبدیل کر کے لکھنؤ بھیج دیا گیا، تاکہ وہ وہاں شاہان اودھ کے کتب خانوں کے مخطوطات کی فہرست مرتب کر سکے۔ مولوی سدید الدین نے اس وقت اشپرینگر کو جو خط لکھا، وہ موجودہ خطوط میں شامل نہیں۔

۲۔ جیمز مڈلٹن (Middleton) مدرسہ آگرہ کا پرنسپل تھا۔

۳۔ ''تاریخ بیہقی'' کا یہ قلمی نسخہ، جو مولانا سدید الدین خاں نے ایلیٹ کو دیا تھا، اب برٹش میوزیم میں موجود ہے (نمبر اوآر ۱۹۲۷)۔ اوراق کی تعداد ۳۰۱۔ خط نستعلیق اور سترھویں صدی عیسوی میں اس کی کتابت ہوئی۔ اس کی ابتدائی اور اختتامی عبارتیں مطبوعہ متن (کلکتہ ۱۸۶۲ء) سے مطابق ہیں۔ پہلے صفحہ پر گل محمد زاہد کا ایک فارسی نوٹ منقول ہے، جس میں یہ لکھا ہے کہ اس نے یہ نسخہ ۱۰۶۲ھ میں شاہجہان آباد سے پندرہ روپے میں خرید اتھا۔ اس قلمی نسخے میں دو اور خط بھی ہیں۔ یہ دونوں خط ۲۱ مئی

Marfat.com

۱۸۴۹ء کو ایلیٹ کے نام لکھے گئے۔ ایک خط ثناء الدین احمد بدایونی کا ہے۔ یہ نسخہ اسی شخص کی ملکیت تھا اور مولانا سدید الدین نے یہ اسی سے حاصل کیا تھا۔ دوسرا خط مولانا سدید الدین خاں کا تحریر کردہ ہے، جس میں انھوں نے ایلیٹ سے یہ نسخہ خریدنے کی سفارش کی ہے (بحوالہ ریو۳: ۹۰۳)

۴۔ ہنری ایلیٹ (م-۱۸۵۳ء) اس دور کا ایک اہم عہدہ دار اور معروف مؤرخ، جس کی ''تاریخ ہند'' (۸ جلد) اب بھی بنیادی تاریخی مصادر میں شامل ہے۔ اشپرینگر کی طرح اسے بھی مخطوطات جمع کرنے کا بے حد شوق تھا، لیکن اس کی دلچسپی زیادہ تر تاریخی کتابوں سے تھی۔ بہت سے لوگ ایلیٹ کو بھی قلمی نسخے مہیا کرتے تھے۔ انھی لوگوں میں ایک مولانا سدید الدین بھی تھے۔

۵۔ مولانا کریم الدین پانی پتی، ان کے خطوط مع حالات گذشتہ سطور میں پیش کیے جا چکے ہیں۔ ان دنوں وہ بھی مولانا سدید الدین کے ساتھ آگرہ کالج ہی میں پڑھاتے تھے۔

۲

''بندگان عالی متعالی، غریب پرور معدلت گستر، خداوند نعمت دام اقبالہم

بعد عرض میرسانند

نمک خوار قدیمی بہت عجز و نیاز سے آدابؒ اور تسلیمات بجالا کر عرض کرتا ہے کہ پروانہ کرامت نشانہ حضور کا مورخہ ۳ ستمبر ۱۸۵۰ء فدوی کے پاس ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء کو پہونچا، سرفراز اور ممتاز کیا۔ فدوی حضور کی تفضلات اور مکارم کی شکر گذاری کیونکر کرے کہ حضور کی پرورش اور مہربانی اس قدر ہے کہ فدوی جس قدر سپاس گذاری کرے، وہ تھوڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے کہ فدوی صرف حضور ہی کا متوسل ہے۔

اور ۱۷ تاریخ ماہ ستمبر ۱۸۵۰ء کو فدوی نے اپنی درخواست معہ چٹھی سفارش حضور کی روانہ کلکتہ کے کر دی (۱)، جبکہ فدوی کو اپنے تقرر کی اوس عہدہ پر اطلاع ہوگی، بہت جلد عزم روانگی کلکتہ کا فدوی کرے گا۔

اور کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' (۲) بھی مولوی کریم الدین سے لے کر اپنے ساتھ کلکتہ میں لاکر خدمت فیضدرجت میں حاضر کروں گا اور اثناء راہ میں بعضے دوستوں سے جو کوئی نئی کتاب تاریخ یا کسی اور فن کی بہم پہنچے گی، وہ بھی حضور کے لیے لیتا آوں گا (۳)۔

زیادہ حد ادب۔ آفتاب دولت تاباں باد

فدوی محمد سدید الدین عفی عنہ

۱۸ ستمبر ۱۸۵۰ء، از مقام آگرہ''

Marfat.com

تشریحات:

ا۔ یہ درخواست مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کے لیے تھی۔ ۱۸۵۰ء کے شروع میں حافظ احمد کبیر کے انتقال کے بعد یہ جگہ خالی ہوگئی اور اشپرینگر اس عہدہ پر بلا تاخیر کسی مناسب شخص کو تعینات کرنا چاہتا تھا۔

۲۔ اس کے متعلق مولانا مملوک العلی نانوتوی کے خطوط کے ذیل میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

۳۔ اشپرینگر کے اکثر مراسلہ نگار، اس کی مخطوطات سے دلچسپی سے واقف تھے اور وہ جہاں بھی جاتے، اس کے شوق کا خیال رکھتے۔ اگر کہیں نادر قلمی نسخوں کا سراغ ملتا، وہ وہاں پہنچتے اور ان کے کوائف سے اسے آگاہ کرتے۔ اسے جن نسخوں کی ضرورت ہوتی، وہ انھی کی وساطت سے خرید لیتا۔ مولوی سدید الدین خاں بھی اشپرینگر کے اس ذوق کو خوب جانتے تھے، اور وہ اس کے لیے نادر کتب کی تلاش میں رہتے تھے۔ بعض کاغذات سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مخصوص رقم مولوی صاحب کے پاس رہتی تھی۔ جب بھی وہ کوئی نادر چیز خریدتے، اس کی تفصیل مع خرچ اشپرینگر کو بھیجتے تھے۔

۳

''غریب پرور معدلت گستر، نوشیروان زمان حاتم دوران ملاذ بیکسان، دام اقبالہم

بہت عاجزی سے آداب اور تسلیمات بجالا کر فدوی عرض رسا ہے۔ ہزار ہزار شکر ہے کہ صرف حضور کی پرورش سے فدوی مدرسہ کلکتہ میں ایسے بڑے عہدہ پر مقرر ہوا اور حضور ہی کی مہربانی سے فدوی کی یہ ترقی ہوئی۔ رات دن دل سے حضور کی دعا میں مشغول ہوں اور حضور کی مہربانی کا بہت شکر گزار اور احسان مند ہوں۔

نویں تاریخ ماہ جنوری ۱۸۵۱ء کو فدوی کے پاس چٹھی درباب تقرری فدوی کے اوپر عہدۂ امینی مدرسہ کلکتہ کے پہونچی، جو بالفعل مدرسہ اکبرآباد (۱) میں بتقریب امتحان کے تعطیل ہے اور پرنسپل مدرسہ آگرہ (۲) واسطے سیر وشکار کے آگرہ سے بھرت پور کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ اکیسویں تاریخ ماہ جنوری کو مدرسہ کھلے گا، جب صاحب پرنسپل بھی آگرہ میں تشریف لاویں گے۔ اس وقت فدوی مدرسہ آگرہ کا کار اون کے سپرد کر کے فوراً روانہ بطرف کلکتہ ہوگا۔

اور فدوی نے بموجب ایماء کے پہلے سے سامان سفر کا طیار کر رکھا ہے۔ روانگی میں کچھ توقف نہیں اور حضور کی عنایت سے یہاں سب لوگوں میں فدوی کی آبرو رہ گئی، ورنہ یہاں سب لوگ فدوی ہی کہتے تھے

Marfat.com

کہ وہ عہدہ تم کو نہیں ملے گا، ناحق طیاری سفر کلکتہ کی کر کے اپنا نقصان کیا۔ بالفعل جو فدوی کے پاس اوس عہدہ کے اوپر مقرر ہونے کی سند آ گئی۔ وہ سب طیاری سفر کی میری جلدی روانگی کے لیے مفید ہوئی۔ اور فدوی جس دن یہاں کا کام سپرد کر کے آگرہ سے کلکتہ کی طرف روانہ ہوگا، اپنی روانگی سے ایک روز پیشتر عرضی اطلاعی حضور کے پاس روانہ کرے گا، اور بہت جلد کلکتہ میں پہونچے گا۔ اور جو کوئی کام حضور ارشاد کریں، اوس کو بھی بجا لاؤں۔ اگر الہ آباد میں حضور کی کتابوں کا صندوق اب تلک رکھا ہوا ہے (۳)، تو فدوی کو مطلع کیجئے کہ نہایت حفاظت سے فدوی اپنے ساتھ کلکتہ میں لے آوے اور حضور کی عنایت کا بہت بہت شکریہ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے۔ زیادہ حد ادب۔ الٰہی آفتاب دولت واقبال تاباں رہے۔

عرضی

محمد سدید الدین عفی عنہ معروضہ دہم جنوری ۱۸۵۱ء

از مقام اکبر آباد''

تشریحات:

۱۔ یہ مدرسۂ آگرہ کے مدرسہ کے ماتحت تھا اور یہاں طلبہ کے امتحان کے لیے مدرسین آگرہ کالج بھی آتے تھے۔

۲۔ یعنی ڈلٹن صاحب۔

۳۔ ان کتابوں کا ذکر مولوی مملوک العلی کے خطوط میں بھی کیا گیا ہے۔

۴

''بندگان عالی متعالی دام اقبالہم (۱)

بموجب حضور کے ارشاد کے بندہ نے حکم کی تعمیل کی اور جو طالب علم، کہ مدرسہ میں آتا گیا، اوس کو فوراً مدرسہ سے خارج کیا۔ مگر اس وقت سب طالب علم متفق ہو کر لکڑیاں ہاتھ میں لے کر اپنے اپنے مکانوں میں چلے آئے اور کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی نہیں نکال سکتا اور نہ ہمارے نکال دینا حکم ہے۔ امین نے بلا حکم کونسل کے ہم کو نکالا ہے۔ اب ہم نہیں نکلنے کے۔ اگر پولس کے آدمی بھی ہم کو نکالنے آویں گے تو ہم سب اون کو بھی ماریں گے مگر نکلیں گے نہیں۔ بہت آدمی متفق ہو کر یہی بات کہتے ہیں کہ اگر پولس کے آدمی ہم کو نکالنے آویں گے، تو ہم فوجداری کریں گے۔ مگر نکلیں گے نہیں (۲)۔ بالفعل غور اور تامل سے حضور جیسا ارشاد فرمائیں، اوس پر عمل کیا جاوے۔ بندہ بعد حضور کے حکم کے فوجداری سے بھی نہیں ڈرتا (۳)۔ آفتاب دولت تاباں ہے۔

Marfat.com

محمد سدید الدین

امین مدرسہ کلکتہ (۴)''

تشریحات:

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے۔ اس میں مراسلہ نگار نے جس ہنگامہ کا ذکر کیا ہے، وہ ۱۸۵۱ء میں وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے اس خط کا سنہ تحریر یقیناً ۱۸۵۱ء ہے۔ کلکتہ کے ایک فارسی اخبار ''گلشن نو بہار'' (جلد اول، نمبر ۱۱، در ذخیرۂ اشپرینگر، برلین) کے ایک شمارہ (بابت ۱۲ اپریل ۱۸۵۱ء) میں مدرسۂ عالیہ کے طلبہ پر اس ''ظلم بزرگ'' کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ممکن ہے، زیر نظر مکتوب اسی ماہ یعنی اپریل کے شروع میں لکھا گیا ہو۔

۲۔ اشپرینگر نے مدرسہ کلکتہ کے عہدۂ پرنسپلی پر فائز ہوتے ہی مروجہ نصاب میں بعض تبدیلیاں لانے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ وہ بنیادی طور پر ایک عربی دان تھا اور وہ جس مدرسہ میں جاتا، سب سے پہلے وہ وہاں کے شعبۂ عربی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا۔ مدرسہ کلکتہ میں بھی اس نے یہی کیا اور آتے ہی اس شعبہ کے نصاب کو جدید تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش کی۔

اس کی تجویز کردہ اصلاحات یہ تھیں:

الف) کچھ عربی کتب (مثلاً میبذی اور صدرا) کو نصاب سے خارج کر دیا جائے۔

ب) نیچرل فلاسفی کا مضمون صرف اردو میں پڑھایا جائے اور اس کی تدریس ایک اینگلو انڈین مسٹر لائر کے سپرد ہو گی۔

ج) قدیم فلسفہ کے بجائے جدید فلسفہ کو نصاب میں شامل کیا جائے۔

د) ذریعہ تعلیم عربی کی جگہ اردو ہو گا۔

اشپرینگر اپنی اس اصلاحی اسکیم کو بہت جلد نافذ کرنا چاہتا تھا، لیکن طلبہ نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ وہ ان کتابوں کو نصاب سے خارج نہیں ہونے دیں گے، جو اس مدرسہ میں ابتدا سے پڑھائی جا رہی ہیں۔ دوسرے یہ کہ پرنسپل نے اپنی اصلاحات کے نفاذ سے قبل کونسل آف ایجوکیشن کی منظوری نہیں لی۔ جب کچھ اساتذہ بھی طلبہ کی خاموش حمایت کرنے لگے، تو بات آگے بڑھ گئی۔ اشپرینگر کسی قیمت پر ان تجاویز کو واپس نہیں لینا چاہتا تھا، اُدھر طلبہ انھیں ماننے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ مدرسہ میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ جب اس میں کچھ تیزی آئی تو پولیس کو بلانا پڑا، تاکہ امن وامان قائم کیا جائے۔ بالآخر اس شورش کو رفع کرنے کے لیے ایک میٹنگ تشکیل دی گئی اور یوں

Marfat.com

یہ معاملہ وقتی طور پر ٹھنڈا پڑ گیا۔ (تفصیل کے لئے رک: سانیال (Sanial) کا مقالہ مذکورہ ۱۹۱۴ء، ص ۹۷-۹۸۔ تاریخ مدرسۂ عالیہ از عبدالستار، ڈھاکہ ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۸ ابعد۔ فارسی اخبار ''گلشن نو بہار'' (محولہ بالا، مفصل رپورٹ مشتملبر سات صفحات)

۳۔ مولوی محمد سدید الدین اس مدرسہ میں امین تھے، اس عہدہ کا اصل مقصد مدرسہ میں انتظامی امور کی نگہداشت تھا، اس لیے طلبہ کے اس ہنگامے کو روکنے اور مدرسہ میں امن و امان قائم کرنے کی ذمہ داری مولوی صاحب کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔ ان کی ہمدردیاں اشپرینگر کے ساتھ تھیں، کیونکہ یہ عہدہ اسی کا دلوایا ہوا تھا۔ ''گلشن نو بہار'' کی مذکورہ بالا رپورٹ میں طلبہ کی بھرپور حمایت کی گئی ہے اور پرنسپل کے ''ظلم وستم گوناگوں'' کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس اخبار نے مولوی سدید الدین کا نام تو نہیں لکھا، البتہ ان کے عہدہ یعنی امین کا ذکر ضرور کیا ہے اور لکھا ہے کہ امین مدرسہ بھی پرنسپل کے ''ظلم بزرگ'' میں برابر کے شریک ہیں۔

۴۔ اس خط کے ایک حصے میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ ''عریضہ ہذا بحضور پرنسپل صاحب بہادر مدرسہ کلکتہ دائم اقبالہم بگذرد۔''

۵

''غریب پرور عدالت گستر آقائے نامدار من سلامت (۱)

بعد عرض میرساند

حضور کا نمک پروردہ قدیمی محمد سدید الدین بہت عجز و نیاز سے آداب وتسلیمات فدویانہ بجالا کر عرض کرتا ہے کہ فدوی کو بہت ضروری امر حضور سے عرض کرنا ہے اور فدوی کا کلکتہ میں حاضر ہونا بجز جمعہ کے نہیں ممکن ہے۔ اور حضور نے ارشاد بھی فرمایا تھا کہ چنسرہ (۲) کے مدرسہ میں ایک مرتبہ حال میں تشریف فرما ہوں گے۔ اگر حضور بالفعل چنسرہ میں تشریف لاویں، بشرطیکہ مزاج حضور کا درست ہو اور کسی طرح کی تکلیف نہ ہو، تو کمال بندہ نوازی ہے (۳)۔

کہ خط فرزند منشی محمد حسن مرحوم (۴) کے پاس سے آیا ہے، درباب ''انساب'' سمعانی کے جو کچھ لکھا ہے، وہ حضور سے عرض کرنا ہے اور جو کچھ جواب ارشاد فرمائیں گے، پھر خط کا جواب جلد منشی محمد حسن مرحوم کے بیٹے کے پاس فدوی کو لکھنا ہے اور بغیر دریافت کرنے حضور کے یہ بات ممکن نہیں ہے۔

جناب عالی! وجہ توقف کی یہ ہوئی کہ فرزند ارجمند منشی محمد حسن خاں مرحوم کا نہہ پور [کانپور] میں

Marfat.com

رہتے ہیں۔ اور فدوی نے خط لکھنؤ میں بھیجا تھا۔ لکھنؤ سے وہ خط پھر واپس کانہہ پور میں گیا۔ جب اون کے پاس پہونچا اور جواب حاصل ہوا اور حضور کے نام پر بھی عرضی منشی مرحوم کے لڑکے نے لکھی ہے۔ حضور کو وہ عرضی بھی سنا کر فدوی ہی جواب اوس کا لکھ کر یہاں سے روانہ کرے گا۔

اور کتاب ''انساب'' سمعانی اگر حضور کو مطلوب ہے تو بمجرد ایماء کے فوراً وہ حضور کے پاس روانہ کرے گا۔ بہر تدبیر اوس کی بطور دیگر جبکہ فدوی کانہہ پور میں جاوے گا کرے گا یا ثانیاً در باب فروخت کے بتدبیر سابقہ لکھے گا۔ باقی بوقت ملازمت حضور کے عرض کروں گا۔ زیادہ حد ادب۔ فقط۔

اور اگر حضور کا تشریف لانا چنسرہ میں نہ ہو تو فدوی کو خبر ہو کہ فدوی خود حضور میں حاضر ہو اور خط اون کا جو کہ میرے نام پر ہے اور عرضی اون کی جو حضور کے نام پر ہے، لیتا آوے۔

آفتاب دولت کا تاباں رہے۔

عرضے

فدوی محمد سدید الدین عفی عنہٗ''

تشریحات:

۱۔ اس خط کے آخر میں سنہ تحریر درج نہیں۔ مولوی محمد سدید الدین نے جب یہ خط لکھا اس وقت وہ مدرسہ کلکتہ کے عہدۂ امینی سے سبکدوش ہو چکے تھے۔ ذخیرۂ اشپرینگر میں مدرسہ عالیہ کے متعلق جو ریکارڈ محفوظ ہے، اس کے بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کم از کم ۱۸۵۳ء کے اواخر تک اسی مدرسہ میں کام کرتے رہے۔ اس کے بعد انھیں ضلع ہوگلی کے مدرسہ چنسرہ میں مدرس اول کی حیثیت سے بھیج دیا گیا۔ اشپرینگر ۱۸۵۴ء میں مشرق وسطیٰ کے ممالک کے علمی سفر پر روانہ ہوا اور عراق، شام، مصر، ترکی وغیرہ سے ہوتا ہوا ۱۸۵۵ء کے آخر یا ۱۸۵۶ء کے شروع میں واپس پہنچا۔ اس کے بخیریت واپس آنے کی خوشی میں مولوی محمد سدید الدین نے اسے اپنے مدرسہ میں مدعو کیا اور اس کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا۔ مولوی صاحب کی اس دعوت کا ذکر اس خط میں بھی ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زیرِ نظر خط ۱۸۵۵ء یا ۱۸۵۶ء میں لکھا گیا۔

۲۔ یہ مدرسہ ضلع ہوگلی میں واقع تھا۔ جب اشپرینگر نیا نیا ہندوستان آیا تھا تو اس کی پہلی تقرری اسی مدرسہ Chinsurah میں ہوئی تھی۔ ممکن ہے یہ مدرسہ بھی اشپرینگر ہی کی نگرانی میں ہو۔

۳۔ اشپرینگر نے یہ دعوت قبول کر لی اور ایک روز وہاں پہنچ گیا۔ مولوی سدید الدین نے اس کے اعزاز میں ایک تقریب منعقد کی۔ اس کی خدمت میں بزبان فارسی سپاسنامہ پیش کیا جو مولوی صاحب نے

Marfat.com

اپنے ہاتھ سے تحریر کیا، لیکن آخر میں اپنے دو شاگردوں مولوی عبداللہ اور محمد وحید الدین کے نام لکھ دیے (ممکن ہے، مؤخر الذکران کا اپنا ہی بیٹا ہو)۔ اس سپاسنامہ کا عنوان ''ایڈرس برائے جناب ڈاکٹر اسپرنجر صاحب بہادر'' ہے۔ اس ایڈریس کے اٹھارہ صفحات ہیں۔ مولوی سدید الدین نے اسے خط شکستہ میں لکھا ہے، اور آخر میں یہ عبارت تحریر کی ہے: ''العبد الکتب محمد سدید الدین عفی عنہ مدرس اول مدرسہ چنسرہ ضلع ہوگلی شریک ایں ایڈرس''۔ یہ ایڈریس ذخیرۂ اشپرینگر کے کاغذات میں اب بھی محفوظ ہے۔ اسی تقریب میں مدرسہ کے ایک طالب علم وجیہ اللہ اسلام آبادی نے اشپرینگر کی تعریف میں ایک فارسی نظم سنائی تھی۔ اس کا مقطع یہ ہے۔

اے ابر فیض و بحر غایات و جوئے جود   وجیہ اللہ است پیش تو سر بر خطِ رضا

یہ نظم بھی انہی کاغذات میں موجود ہے۔

۴۔ شاید یہ کسی مطبع کا مالک یا کتابوں کا تاجر تھا۔ کانپور کے مطبع مصطفائی سے ۱۸۵۱ء میں مرزا محمد حسین قتیل کی فارسی قواعد ''شجرۃ الامانی'' ایک تاجر کتب میر محمد حسین کی فرمائش پر شائع ہوئی تھی (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات از عتیق صدیقی، ص ۲۰۴، تحتی نوٹ) کانپور ہی کے مطبع محمدی کے مالک کا نام محمد حسین تھا۔ یہ مطبع لکھنؤ سے اس شہر میں لایا گیا تھا۔ ۱۸۵۲ء تک اس مطبع سے فارسی اور اردو کتابیں شائع ہوتی رہیں۔ ممکن ہے، منشی محمد حسن ان دو میں سے کوئی شخص ہو۔ ''اختر شہنشاہی'' (مؤلفہ اختر الدولہ محمد اشرف) میں مطبع محمدی کے مالک کا نام نواز علی اور سنہ اجراء ۱۸۵۴ء لکھا ہے (ص ۲۲۳)۔ محمد سدید الدین نے فرزند منشی محمد حسن کو ایک خط لکھنؤ بھیجا، لیکن وہاں سے وہ خط کانپور بھیج دیا گیا۔ مطبع محمد علی پہلے لکھنؤ میں تھا، پھر یہ کانپور منتقل ہو گیا۔ اس لیے قرین قیاس یہی امر ہے کہ اس خط میں محمد حسن نامی جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اسی مطبع کا مالک تھا۔ پھر ''اختر شہنشاہی'' کی متذکرہ بالا عبارت اور موجودہ خط کے موازنہ سے بھی اسی خط کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اول الذکر کی عبارت میں محمد حسین کا نام نہیں بلکہ نواز علی درج ہے۔ ظاہر ہے وہ اسی سنہ یعنی ۱۸۵۴ء سے قبل انتقال کر چکا تھا۔ اس خط میں بھی منشی محمد حسن کو مرحوم ہی لکھا گیا ہے۔

۵۔ عبدالکریم بن محمد السمعانی (م۔ ۵۶۲ھ/ ۱۱۶۷ء) کی معروف کتاب ''الانساب'' مطبوعہ معہ تعارف از مارگولیتھ، لائیڈن/لندن ۱۹۱۲ء۔ اشپرینگر نے ہندوستان سے جتنے قلمی نسخے جمع کیے، وہ سب اس نے

Marfat.com

برلین کے کتاب خانے کو فروخت کر دیئے۔ اس وقت برلین (مغربی) کے اس کتب خانے میں سمعانی کی ''انساب'' کے دو قلمی نسخے موجود ہیں (بحوالہ اہلوارٹ ۹: ۳۸۳-۳۸۴، نمبر ۹۹۲۲-۹۹۲۳)، لیکن یہ دونوں نسخے اشپرینگر کلیکشن کے نہیں ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر، مولوی سدیدالدین کی وساطت سے ''انساب'' کا جو قلمی نسخہ خریدنا چاہتا تھا، وہ کسی وجہ سے نہ خرید سکا۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولوی سیّد علی اکبر سونی پتی

اس ذخیرۂ اشپرینگر میں جن لوگوں کے خطوط محفوظ ہیں، وہ سب اپنے مکتوب الیہ یعنی اشپرینگر کی علم دوستی، معارف پروری، اسلامی زبانوں سے اس کی گہری واقفیت اور مختلف علوم اسلامیہ پر اس کی وسیع نظر کے معترف ہیں۔ اس زمانہ میں شمالی ہند، کلکتہ اور اس کے گردونواح میں مسلمانوں کی جتنی بھی درس گاہیں تھیں، ان کا انتظام و انصرام اشپرینگر کے دائرہ اختیار میں تھا اور ان کے متعلق برطانوی حکومت کی تعلیمی پالیسی کی تشکیل میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ وہ اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں ایسے متعدد مدارس کے اعلیٰ مناصب پر فائز رہا اور اس حوالے سے یہ سبھی مکتوب نگار ایک ایک کر کے اس کے قریب آتے چلے گئے، کچھ تو ملازمتوں کے حصول کے لیے اور کچھ اپنی ملازمتوں میں ترقی یا تبادلے کے لیے۔ اشپرینگر ان کی ایسی دنیاوی غرض مندیوں کو پورا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا تھا، اپنے اثر و رسوخ اور اختیارات سے بھی کام لیتا تھا اور اکثر و بیشتر ایسے کاموں کے لیے اس کی کوششیں کامیاب بھی ہو جاتی تھیں۔ اس کے عوض یہ اصحاب اشپرینگر کی علمی ضرورتوں کا خیال رکھتے تھے۔ دراصل یہ سبھی لوگ اس کے علمی معاونین تھے۔ اشپرینگر کے لیے اہم معلومات کی فراہمی، ضروری کتابوں کی خریداری، مخطوطات کی تلاش اور ان کا حصول، نایاب خطی نسخوں کی نقول کی تیاری اور ترتیب و تدوین متون میں معاونت جیسے کام یہی مکتوب نگار سرانجام دیتے تھے۔ ان نامہ نویسوں میں چند ایسے بھی تھے، جو ان کاموں کے ساتھ ساتھ اشپرینگر کے خالصتاً نجی اور خاندانی کاموں کی بجا آوری میں بھی اس کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ وہ اشپرینگر کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ وہ جب موسم گرما کی تعطیلات گذارنے شملہ یا کسی اور پہاڑی مقام پر جاتا، تو یہ بھی اس کے ساتھ ہوتے اور وہاں علمی کاموں میں اس کی مدد کرتے۔ اشپرینگر کے علاوہ اس کے افراد خانہ کا بھی خیال رکھتے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے۔ اشپرینگر کے ان قریب ترین رفقائے کار میں دو اصحاب کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک تو مولوی کریم الدین

Marfat.com

پانی پتی تھے، جن کے اشپرینگر کے نام خطوط اور ان کے سوانح حیات سابقہ سطور میں پیش کیے جا چکے ہیں۔
دوسرے صاحب کا نام علی اکبر تھا۔ اشپرینگر کے ان مراسلہ نگاروں میں بیشتر نے اپنی تالیفات میں اس کی بلند پایہ علمی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے، لیکن یہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ اشپرینگر نے اپنی کسی تحریر میں خود ان مکتوب نویسوں میں سے کسی کی ذہانت، اہلیت اور استعداد کا ذکر کیا ہو۔ وہ ان سے اپنے تعلق کا تو ذکر کرتا ہے یا ان کے کسی علمی کام میں اپنی مشاورت یا عملی شراکت کا بھی حوالہ دیتا ہے۔ اس ضمن میں صرف ایک ہی شخص ایسا ہے، جس کی علمی قابلیت اور خداداد صلاحیتوں کا اس نے کھلے دل سے اعتراف کیا ہے اور اپنے کاموں بالخصوص فہرستِ شاہانِ اودھ کی ترتیب میں اس کی شبانہ روز محنت کو دادِ تحسین پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ اسے ملازمت دلانے میں اپنی کوششوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ اشپرینگر کے اس قریب ترین ساتھی علی اکبر کے حالاتِ زندگی اور اشپرینگر کے نام اس کے گیارہ خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

علی اکبر کے مختصر یا تفصیلی حالاتِ زندگی معلوم نہیں اور معروف سوانحی کتب میں اس کا نام تک نہیں ملتا، حتیٰ کہ انیسویں صدی عیسوی کے مستند ترین مآخذ یعنی مولوی کریم الدین پانی پتی کے تذکرہ (بالخصوص ''طبقاتِ شعرائے ہند'') اور گارسیں دتاسی کے خطبات و مقالات اور ''تاریخ'' بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ علی اکبر دہلی کالج میں برسوں پڑھتا رہا اور وہ یہاں کے ذہین طلبہ میں شمار کیا جاتا تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ اسی کالج میں استاد مقرر ہوا اور پھر چند سال بعد وہ آگرہ کالج کے شعبۂ عربی سے منسلک ہو گیا اور اپنی وفات تک وہ اسی کالج میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتا رہا۔ حیرت ہے کہ دہلی اور آگرہ کے ان مدارس پر لکھنے والوں کی کتابوں اور مقالوں میں بھی علی اکبر کا نام نہیں ملتا۔ ان مصادر میں اس کی غیر موجودگی کی شاید ایک وجہ یہ ہے کہ وہ جوانی ہی میں انتقال کر گیا۔ اس کی قلیل عمر کا بیشتر حصہ تحصیلِ علم میں گذر گیا اور اس کے بعد اسے جو چند سال ملے، وہ یا تو اشپرینگر کی خدمت میں گذر گئے، یا متذکرہ بالا مدارس کی معلمی میں بسر ہو گئے۔ رہی سہی کسر اس کی علالت نے پوری کر دی، جس نے اسے بالکل بے بس کر دیا اور پیشتر اس کے کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کا اظہار ٹھوس علمی کاموں کی صورت میں کرتا، وہ اس جہانِ فانی سے اُٹھ گیا اور علمی دنیا میں اپنی تصنیف و تالیف کا کوئی تحریری ثبوت بھی نہ چھوڑ سکا۔

یہ درست ہے کہ علی اکبر کے حالاتِ زندگی پر کاملاً گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور کسی بھی تذکرہ نویس اور ادبی مؤرخ نے اس کا نام تک نہیں لکھا، لیکن اس کے باوجود اس دور کی بعض کم معلوم تحریروں اور غیر مطبوعہ دستاویزوں سے علی اکبر کے سوانح حیات اور اس کی ذہانت و طباعی کی ایک ہلکی سی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ اس سلسلہ میں جن مصادر سے خصوصی طور پر مدد ملتی ہے، ان کی تفصیل کچھ یوں ہے:

Marfat.com

الف۔ علی اکبر کے وہ گیارہ خطوط، جو اس نے اپنی عمر کے آخری دو سالوں میں اپنے مربی اور محسن ڈاکٹر اشپرینگر کو تحریر کیے۔ یہ تمام خطوط پہلی بار شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے اس کی زندگی، افتادِ طبع، مسائل اور علالت کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

ب۔ زیرِ نظر مجموعۂ مکاتیب میں کچھ ایسے خطوط بھی ہیں، جن کے لکھنے والوں نے علی اکبر کا ذکر کیا ہے۔ ایسے مکتوب نگاروں میں مولانا مملوک العلی نانوتوی بھی شامل ہیں، جو علی اکبر کے استاد تھے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد احسن نانوتوی، مولانا محمد مظہر نانوتوی، منشی اشرف علی، مولوی کریم الدین پانی پتی اور مولوی ابوالحسن فرید آبادی نے بھی اشپرینگر کے نام اپنے مکتوبات میں مختلف حوالوں سے علی اکبر کا تذکرہ کیا ہے۔ ان مراسلہ نگاروں میں مولانا محمد مظہر نانوتوی کے علی اکبر سے گہرے دوستانہ مراسم تھے اور وہ کچھ عرصہ اکٹھے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کی ماتحتی میں بھی کام کرتے رہے۔ مؤخر الذکر دونو اصحاب یعنی مولوی کریم الدین پانی پتی اور مولوی ابوالحسن فرید آبادی آگرہ کالج میں علی اکبر کے رفقاء میں تھے۔ مولوی ابوالحسن فرید آبادی، منشی اشرف علی کے اردو خطوط کے علاوہ مذکورہ بالا تمام علمی ہستیوں کے مراسلات سابقہ سطور میں درج ہو چکے ہیں۔ ان دونوں اصحاب کے خطوط آئندہ سطور میں حواشی سمیت پیش کیے جائیں گے، لیکن یہاں صرف علی اکبر سے متعلقہ عبارتوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

ج۔ مغربی برلین میں محفوظ اشپرینگر کے نجی کاغذات میں بڑی تقطیع کا ایک رجسٹر پڑا ہوا ہے، جس میں ۱۸۴۷ء میں زیرِ تعلیم دہلی کالج کے تمام طلبہ کے تعلیمی کوائف درج ہیں۔ اس رجسٹر میں عربی، فارسی، سنسکرت اور انگریزی جماعتوں کے تمام طلبہ شامل ہیں۔ ہر جماعت کے استاد کا نام صفحہ کے اوپر مرقوم ہے اور نیچے اس جماعت کے مختلف فریقوں اور ان کے طلبہ کے نام، ان کی عمر، مدرسہ میں مدت تحصیل اور مختلف مضامین میں ان کے حاصل کردہ نمبر خانوں میں لکھے گئے ہیں۔ اس رجسٹر کا ذکر سطور بالا میں جابجا کیا گیا ہے، کیونکہ دہلی کالج کے متعلق اس وقت شاید یہ رجسٹر سب سے بڑا اور اہم ترین ذریعہ معلومات ہے۔ اس رجسٹر میں بھی علی اکبر کا بطور طالب علم نام موجود ہے اور اس کے ساتھ وہ معلومات دی گئی ہیں جو اس کی زندگی کے حوالے سے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

د۔ اشپرینگر نے شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست مخطوطات کئی جلدوں میں مرتب کی تھی، لیکن اس کی ایک ہی جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی اور باقی جلدیں منظر عام پر نہ آ سکیں۔ اس فہرست کی پہلی جلد کلکتہ سے ۱۸۵۴ء میں شائع ہوئی، جو فارسی اور ہندوستانی (یعنی اردو) مخطوطات سے متعلق ہے۔

Marfat.com

اس کے شروع میں اشپرینگر نے جو دیباچہ لکھا ہے، اس میں علی اکبر کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے علی اکبر اور اشپرینگر کے قریبی تعلقات کا علم ہوتا ہے اور اس فہرست مخطوطات کی ترتیب و تدوین میں علی اکبر کی معاونت کا پتا چلتا ہے۔ نیز اس مختصر اقتباس سے علی اکبر کی زندگی کے متعلق چند ایسے اشارے بھی ملتے ہیں، جن کا کسی اور جگہ ذکر نہیں کیا گیا۔

ھ۔ اس دور میں دہلی کالج سے تین رسائل شائع ہوتے تھے۔ ''فواید الناظرین''، ''محب ہند'' اور ''قران السعدین''۔ ان میں مختلف النوع خبروں کے علاوہ کبھی کبھار کالج کی تعلیمی سرگرمیوں اور اجلاسوں کی کارروائیاں بھی چھپتی رہتی تھیں۔ خاص طور پر ''قران السعدین'' میں کالج سے متعلقہ خبروں کو زیادہ جگہ دی جاتی تھی۔ ویسے بھی اس رسالے کا اجراء اشپرینگر ہی نے کیا تھا اور وہ اس کے انتظام اور معیار کا خاص خیال رکھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اشپرینگر سے متعلقہ خبروں کو اس رسالہ میں نمایاں جگہ دی جاتی تھی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل کے فارسی اور اردو اخبارات کی طرح دہلی کالج کے یہ جرائد بھی برصغیر پاک و ہند کے کتاب خانوں اور دیگر مراکز دستاویزات میں بہت کم تعداد میں دستیاب ہیں اور اگر کہیں ہیں تو مسلسل نہیں، بلکہ متفرق تاریخوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح آگرہ سے شائع ہونے والے اخبارات و رسائل بھی کمیاب ہیں، بالخصوص ''اسعد الاخبار'' ان میں سب سے اہم ہے، کیونکہ اس میں آگرہ کالج سے متعلق خبریں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اگر دہلی اور آگرہ کے یہ اخبارات دستیاب ہوتے، تو ان سے یقیناً علی اکبر کے بارے میں کارآمد معلومات مل جاتیں، کیونکہ اس کی مختصر زندگی کا زیادہ تر حصہ انھی دو شہروں میں گذرا۔ راقم کے پاس اس وقت ۱۸۵۷ء سے پہلے کے اردو اور فارسی اخبارات کے متفرق شماروں کے مائیکروفلم موجود ہیں اور ان کا معتدبہ حصہ ''قران السعدین'' سے متعلق ہے۔ اشپرینگر کے اجراء کردہ اس رسالے میں دہلی کالج کی کارکردگی یا اس سے متعلقہ رپورٹوں میں علی اکبر کا نام بھی آتا ہے اور ان سے اس کے زمانۂ طالب علمی کے بارے میں مزید روشنی پڑتی ہے۔

ان متذکرہ بالا مآخذ سے علی اکبر کے حالات زندگی اور اس کی ملازمتوں سے متعلق جو تفصیلات ملتی ہیں، ان کو یکجا کر کے سطور ذیل میں پیش کی جا رہی ہیں:

اشپرینگر نے اپنے انگریزی مقدمہ فہرست اودھ (جلد اول، ۱۸۵۴ء) میں بتایا ہے کہ علی اکبر کا آبائی تعلق پانی پت سے تھا لیکن اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر نے اپنی کتاب کے ایک اشتہار کے شروع میں اپنے نام کے ساتھ 'سونی پتی' لکھا ہے[1]۔ یہ روایت معتبر ہے، اس لیے علی اکبر کا آبائی شہر سونی پت ہی ماننا پڑتا

ا۔ اشتہار کی مکمل عبارت آئندہ سطور میں منقول ہے۔

Marfat.com

ہے۔ وہ اپنے شہر کے ایک معزز سید خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ اس کا سنہ ولادت ۱۸۲۵ء ہے اور وہ یوں کہ دہلی کالج کے محولہ بالا رجسٹر میں جو ۱۸۴۷ء کے تعلیمی کوائف سے متعلق ہے، علی اکبر کی عمر بائیس سال درج ہے۔ علی اکبر نے اپنا بچپن سونی پت میں گذارا اور یہیں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی۔ سنِ شعور کو پہنچا تو دہلی کا رخ کیا۔ ممکن ہے، اس نقل مکانی کا اصل سبب اعلیٰ تعلیم کا حصول ہو، جس کے لیے شمالی ہند میں دہلی کالج سے زیادہ موزوں اور کوئی درس گاہ نہیں ہوسکتی تھی۔ علی اکبر سونی پت سے دہلی کب منتقل ہوا، اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، البتہ قیاساً یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ۱۸۳۸ء کے لگ بھگ دہلی کا رخ کیا۔

علی اکبر کا ایک چھوٹا بھائی بھی تھا، جس کا نام علی اصغر تھا۔ اس کی عمر علی اکبر سے دو سال کم تھی، یعنی اس کا سال ولادت ۱۸۲۷ء تھا، کیوں کہ مندرجہ بالا رجسٹر (متعلقہ ۱۸۴۷ء) میں اس کی عمر بیس سال درج ہے۔ قرائن سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ دہلی جاتے ہوئے وہ بھی اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ تھا۔

یہ دونو بھائی چند برس تلاش معاش کے لیے سرگرداں رہے یا ممکن ہے دہلی کے کسی نجی مدرسہ (مثلاً مدرسہ دارالبقاء) میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور کسی نہ کسی طرح اپنے دن بھی کاٹتے رہے۔ بالآخر ۱۸۴۰ء کے وسط میں علی اکبر کو دہلی کالج میں داخلہ مل گیا۔ متذکرہ صدر رجسٹر (برائے سال ۱۸۴۷ء) میں یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ علی اکبر کو اس مدرسہ میں داخل ہوئے پورے ساڑھے چھے برس گذر چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چھوٹے بھائی علی صغر کی بھی اس کالج میں یہی مدت تحصیل لکھی گئی ہے۔ یعنی ساڑھے چھے سال۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونو بھائیوں نے دہلی کالج میں اکٹھے داخلہ لیا اور ان کے ساتھ ہی مولوی کریم الدین پانی پتی بھی اسی سال داخل ہوئے[1]۔

علی اکبر تقریباً سات برس دہلی کالج میں زیر تعلیم رہا۔ مولوی کریم الدین تو اس کالج سے ۱۸۴۵ء میں فارغ ہو گئے، لیکن علی اکبر اور اس کا چھوٹا بھائی علی اصغر اس کے بعد بھی پڑھتے رہے۔ یہ تو معلوم نہیں کہ ابتدائی سالوں میں وہ کن اساتذہ سے کسب علم کرتے رہے۔ ان دنوں کالج کے شعبہ علوم شرقیہ میں مولانا

۱۔ مولوی کریم الدین پانی پتی نے اپنے تینوں تذکروں یعنی تذکرہ شعرائے عرب (فرائد الدہر)، گلدستۂ نازنیناں اور طبقات شعرائے ہند (ص ۴۶۱-۴۷۳) میں اپنے اساتذہ اور رفقائے کار کا ذکر کیا ہے، لیکن کہیں بھی علی اکبر کا نام نہیں ملتا، حالانکہ وہ دونو ہم عمر اور ہم جماعت بھی تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ مولوی کریم الدین نے یہ تمام تذکرے اس وقت قلم بند کیے جب علی اکبر ابھی دہلی کالج میں طالب علم تھا اور یہ کسی طرح مناسب نہیں تھا کہ وہ اساتذہ کے تحت ان کے ایک نوعمر شاگرد کا ذکر کرتا۔ اگر کریم الدین ان تذکروں کے بعد کوئی اور تذکرہ مرتب کرتے تو شاید علی اکبر کو اس میں شامل کرنا نہ بھولتے۔

Marfat.com

مملوک العلی نانوتوی، مولوی سید محمد، قاری جعفر علی جارچوی، مولانا سدید الدین خاں اور ماسٹر رام چندر جیسے اساتذہ موجود تھے۔ ظاہر ہے، علی اکبر نے بطور متعلم ان تمام اساتذہ سے استفادہ کیا ہوگا۔ ان کے علاوہ اس نے ذاتی تعلقات کی بنا پر مولوی کریم الدین پانی پتی سے بھی کچھ اسلامی علوم پڑھے۔ چنانچہ مولوی صاحب خود اپنے ایک خط (بابت ۴ جولائی ۱۸۵۲ء) میں اشپرینگر کو بتاتے ہیں کہ:

> ''مولوی علی اکبر نے سب کتابیں صرف ونحو، منطق و معانی اور فلسفہ اورادب کی مجھ سے پڑھی تھیں۔ صرف ایک ''ہدایہ'' اور ''حماسہ'' اور حدیث اوس نے کالج میں پڑھی ہے۔''(۱)

۱۸۴۷ء کے رجسٹر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سال علی اکبر جماعت اول عربی کے فریق اول کا طالب علم تھا اور اس جماعت کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے۔ اس کی عمر بائیس سال تھی اور اسے کالج میں پڑھتے ہوئے ساڑھے چھ سال ہو چکے تھے۔ اس سال جنوری سے اکتوبر تک اس کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۸ تھی اور اس عرصے میں وہ صرف تین دن بوجہ علالت غیر حاضر رہا۔ اس کے بعد علی اکبر کے مضامین اور ہر مضمون میں حاصل کردہ نمبر (پچاس میں سے) دیئے گئے ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

درمختار	۴۸
تاریخ یمینی	۴۹
جامع التواریخ	۵۰
دیوان حماسہ	۵۰
جزئیات کلیات	۴۳
رسالہ ہیئت	۲۵
علم مثلث	۴۸
جواب مضمون	۳۵

اسی سال اس کا چھوٹا بھائی علی اصغر اسی جماعت کے فریق دوم کا طالب علم تھا۔ اس کی عمر بیس سال تھی اور وہ بھی ساڑھے چھ سال سے دہلی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ جنوری تا اکتوبر ۱۸۴۷ء اس کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۸ تھی۔ وہ چار دن بلا سبب غیر حاضر رہا اور ایک دن بیماری کے باعث کالج نہ آ سکا۔ اس کے مضامین اور ان میں حاصل کردہ نمبروں (پچاس میں سے) کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ رک: مکتوبات کریم الدین پانی پتی۔ طور بالا، شمارہ ۳۰، تشریحات ۲،۳

Marfat.com

ہدایہ	۴۲
تاریخ یمینی	۴۵
دیوان المتنبی	۴۱
جامع التواریخ	۴۱
جزئیات کلیات	۴۲
رسالہ ہیئت	۲۵
علم مثلث	۴۸
جواب مضمون	۲۸

اسی رجسٹر میں علی اکبر کے دو ہم جماعتوں عبدالرحمٰن اور شمس الدین کے نام بھی درج ہیں، لیکن ان سے علی اکبر کے حاصل کردہ نمبر زیادہ ہیں۔ اس کی اپنی جماعت میں اول پوزیشن ہے، جبکہ علی اصغر اپنے فریق دوم (کل طالبعلم تین) میں نمبروں کے حساب سے سب سے آخر میں ہے۔

علی اکبر کا یہ تعلیمی ریکارڈ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ ایک محنتی اور ذہین طالب علم تھا اور عربی زبان و ادب پر اس کی گہری نظر تھی۔ ان دنوں اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل تھا اور وہ علی اکبر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے واقف تھا۔ ایک بار لفٹننٹ گورنر کالج میں آئے اور طلبہ سے ملاقات کی۔ علی اکبر سے بھی ملاقات ہوئی اور اس نے گورنر کو اپنی تحریر کردہ عربی عبارت دکھائی۔ گورنر اس عبارت کو پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اشپرینگر نے بھی اس تحریر کو ایک نظر دیکھا۔ اسے یہ تحریر اتنی پسند آئی کہ اس نے اسے کالج کے اخبار میں شائع کرنے کا حکم دیا۔ ایک معاصر اخبار میں اس کی روداد یوں بیان کی گئی ہے:

''واضح ہو کہ جس دن نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر رونق افروز مدرسہ ہوئے تھے اور روبرو اکثر صاحبان جلیل القدر اہل سیف وقلم کے جواب مضمون سکالران اعلیٰ انگریزی کا سن کر وثیقہ نیک نامی اور تمغہ سرفرازی سے ممتاز اور سربلند کیا تھا اور از راہ حسن خلق اور قدردانی کے ہر ایک شخص کی تعریف فرمائی تھی، اوسی روز عبارت عربی سید علی اکبر کو، کہ عہدہ داران اعلیٰ سے ہیں اور عربی میں نمبر اول رکھتے ہیں اور علم ادب اور انشا میں نہایت ید طولیٰ اور مہارت تامہ ہے، ملاحظہ فرمایا۔ بہت خوش ہوئے اور نہایت تحسین اور آفرین فرمائی۔ اور ڈاکٹر سپرنگر صاحب نے بخیال اظہار لیاقت اور قابلیت طلبا مدرسہ اور تحریص اور ترغیب اور طالب علموں کی ارشاد کیا کہ یہ عبارت مع حال عنایت اور قدردانی نواب محتشم الیہ کے درج ہوتا کہ ہر شخص کو تحصیل علم میں نہایت کوشش ہو۔ چنانچہ موافق ایماء والا صاحب ممدوح کے یہ عبارت واسطے ملاحظہ ناظرین اخبار خصوصاً اہل علم و

Marfat.com

فضل کے درج اخبار ہوتی ہے[1]۔

علی اکبر ۱۸۴۷ء کے اواخر تک جماعت اول (عربی) کے فریق اول کا طالب علم تھا اور ابھی اس کی تعلیم مکمل ہونے میں چند ماہ باقی تھے کہ اشپرینگر اسے اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو حکومت برطانیہ نے اشپرینگر کو لکھنؤ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے عہدہ پر فائز کیا اور اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ وہاں جا کر شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں میں محفوظ، عربی، فارسی، اردو، ہندی اور پشتو کے نادر قلمی نسخوں کی فہرست تیار کرے۔ اشپرینگر کی اس تقرری میں مشہور مورخ ہنری ایلیٹ کی ذاتی کاوشوں کا بڑا دخل تھا، جو خود بھی تاریخی نوعیت کے مخطوطات جمع کرنے کا شوق رکھتا تھا۔ حکومت برطانیہ نے اشپرینگر کی جگہ ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کر دیا اور وہ تقریباً ڈھائی ماہ بعد ۲۴ فروری ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ روانہ ہو گیا[2]۔ اشپرینگر عربی اور فارسی سے کما حقہٗ واقف تھا۔ ہندوستان آنے کے بعد اس نے اردو زبان بھی سیکھ لی تھی۔ ان زبانوں کے قلمی نسخوں کی پرکھ پڑچول کا بھی اسے وسیع تجربہ تھا، لیکن اس کے باوجود اسے اپنی نئی ذمہ داری کی مشکلات کا پورا احساس تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ اکیلا اتنے بڑے کام سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ روانگی سے قبل اس کی نظر انتخاب علی اکبر جیسے ذہین نوجوان اور عربی ادبیات کا وسیع مطالعہ رکھنے والے ہونہار طالب علم پر پڑی۔ وہ علی اکبر کی عربی تحریریں اور اعلیٰ تعلیمی کوائف دیکھ چکا تھا۔ چنانچہ اس نے علی اکبر کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر سکے اور اسے اپنے ساتھ لکھنؤ لے گیا۔

اشپرینگر ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا اور جاتے ہی اس نے وہاں کے شاہی کتاب خانوں میں پڑے ہوئے ہزاروں مخطوطات کی فہرست تیار کرنا شروع کر دی۔ وہ یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو لکھنؤ سے واپس چلا۔ اپنے قیام لکھنؤ کے دوران میں وہ ایک ماہ دوسرے کاموں میں مصروف رہا اور تین ماہ علیل رہا۔ صرف ڈیڑھ سال وہ مخطوطات کی فہرستیں تیار کرتا رہا۔ اتنی قلیل مدت میں اس نے دس ہزار قلمی نسخوں کو دیکھا اور ان کے بارے میں بنیادی کوائف جمع کئے۔ اشپرینگر نے اپنی مرتبہ فہرست کی جلد اول (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء) کے شروع میں ان شاہی کتاب خانوں کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے، وہ سلطنت اودھ کی مجموعی سیاسی ابتری اور بدحالی سے خاصا ملتا جلتا ہے۔ ان حالات میں ایک ایک قلمی نسخے کو دیکھنا، اسے پڑھنا اور پھر کتاب اور اس کے مؤلف کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ چند برسوں بعد پرشوہ

۱۔ قران السعدین، جلد ۳ شمارہ ۸، بابت ۲۱ فروری ۱۸۴۸ء، مائیکرو فلم مملوکہ راقم۔ علی اکبر کی یہ عربی عبارت آئندہ سطور میں پیش کی جائے گی۔

۲۔ ایضاً، جلد ۳، شمارہ ۹، بابت ۲۸ فروری ۱۸۴۸ء

Marfat.com

سلطنت اودھ کا چراغ گل ہوگیا اور وہ بھی حکومت برطانیہ کا حصہ بن گئی۔ آخری تاجدار واجد علی شاہ اختر معزول ہو کر کلکتہ چلے گئے اور وہاں ایک نیا لکھنؤ آباد کرنے میں مگن ہو گئے۔ اس سے اگلے سال ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ برپا ہوگیا، جس نے لکھنؤ جیسے تہذیبی گہوارے کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور دیگر تہذیبی آثار کے ساتھ اودھ کے یہ شاہی کتب خانے بھی دست بردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ایسی لوٹ مچی کہ دیکھتے دیکھتے یہ کتاب خانے ویران ہو گئے اور ان میں محفوظ نوادرات کا کچھ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں گئے۔ اب ان یگانۂ روزگار کتاب خانوں کی یادگار صرف اشپرینگر کی تیار کردہ یہ فہرست باقی رہ گئی ہے اور اس کی بھی صرف پہلی جلد۔

اس فہرست کی تدوین اشپرینگر کی انتھک محنت اور مصادر اسلامی پر اس کی مضبوط گرفت کا بیّن ثبوت ہے۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم اور ناقابل فراموش علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے، لیکن اس کارنامہ کی تکمیل میں علی اکبر کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ اشپرینگر اسے اپنے ساتھ لکھنؤ اسی مقصد کے لیے لے جانا چاہتا تھا کہ وہ مخطوطات کے مطالعہ کے بعد جن ضروری اقتباسات پر نشان لگائے گا، علی اکبر اسے نقل کرتا رہے گا۔ وہ بھی شروع شروع میں اشپرینگر کی ہدایت کے مطابق صرف نشان زدہ عبارتوں کو نقل کرتا تھا، لیکن آہستہ آہستہ اس کے ذوق کتب بینی کو مہمیز ہوئی اور وہ اس کام میں اتنا منہمک ہوا کہ اشپرینگر سے متعلقہ کام بھی وہ خود ہی کر لیا کرتا تھا۔ اس فہرست کی تدوین کا طریق کار یہ تھا کہ ہر قلمی نسخے کو پہلے علی اکبر دیکھتا اور اس کے بغور مطالعہ کے بعد ضروری کوائف مثلاً کتاب کا نام، مؤلف، سنہ تالیف، کاتب، اوراق، خط، کاغذ، اول و آخر کی عبارتیں، ترقیمہ وغیرہ علی اکبر اپنے ہاتھ سے چھوٹے سائز کے کاغذوں پر لکھ دیتا۔ علی اکبر ان معلومات کو کاغذ کے اوپر اور نیچے تحریر کرتا تھا اور درمیانی جگہ خالی چھوڑ دیتا تھا۔ یہ کاغذ جب اشپرینگر دیکھتا، تو وہ علی اکبر کی فراہم کردہ معلومات کو کاغذ کے درمیان خالی جگہ پر انگریزی میں لکھ دیتا اور اگر کہیں مناسب سمجھتا تو ان میں اضافہ بھی کر دیتا۔ برلین (مغربی) میں اب بھی ذخیرۂ اشپرینگر میں ایسے سیکڑوں کاغذات موجود ہیں، جن پر جلی قلم سے اصل عربی اور فارسی عبارتیں منقول ہیں۔ یہ تمام عبارتیں علی اکبر کی تحریر کردہ ہیں اور یہ اودھ کے انھی شاہی کتاب خانوں کے خطی نسخوں سے متعلق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ہزاروں مخطوطات کے متعلق خام مواد علی اکبر فراہم کرتا تھا اور اشپرینگر بعد میں اسی کو انگریزی میں منتقل کر دیا کرتا تھا۔ اس اعتبار سے اشپرینگر کے اس یادگار علمی کارنامہ میں علی اکبر بھی برابر کا شریک ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشپرینگر کو بھی اپنے دیباچے میں اس کی انتھک محنت اور جانفشانی کو خراج تحسین پیش کرنا پڑا۔

اشپرینگر لکھنؤ سے ہزاروں مخطوطات کی فہرست کا مسودہ تیار کر کے جنوری ۱۸۵۰ء کو دہلی روانہ ہوا۔ اس کی غیر موجودگی میں ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا تھا۔ جونہی اشپرینگر واپس آیا، اسے پھر

Marfat.com

سابقہ عہدے (یعنی پرنسپل دہلی کالج) پر تعینات کر دیا گیا۔ علی اکبر اشپرینگر کے ساتھ دہلی واپس نہ آیا۔ وہ اس کے حکم پر مزید ایک ماہ لکھنؤ ہی میں قیام پذیر رہا، کیونکہ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ وہ لکھنؤ کے چیدہ چیدہ نجی کتاب خانوں کی فہرستیں بھی تیار کر لے۔ اس ضمن میں منشی محمد حسن اور نواب محمد میر خاں کے کتاب خانے قابل ذکر تھے۔ اُدھر علی اکبر ان نجی کتاب خانوں کی فہرست سازی میں مصروف تھا، اِدھر دہلی میں اشپرینگر نے اس کی غیر حاضری کو اس کی تعلیم پر اثر انداز نہ ہونے دیا اور؟ سے اسی جماعت کے طلبہ میں شامل کر لیا گیا، جہاں سے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ وہ ابھی دہلی نہیں پہنچا تھا کہ دہلی کالج میں ۷ فروری ۱۸۵۰ء کو ایک جلسہ منعقد ہوا، جس میں روسائے دہلی بھی شریک تھے۔ لفٹیننٹ گورنر اس جلسہ کے مہمان خصوصی تھے۔ اشپرینگر نے پہلے کالج کی روداد پیش کی اور پھر مہمان خصوصی نے طلبہ میں اسناد اور انعامات تقسیم کیے۔ اس جلسہ کی تفصیلی روداد رقم کرنے کے بعد ایک معاصر اخبار یہ اطلاع دیتا ہے کہ اب کی بار کالج میں ایک سو دس اسکالر مقرر ہوئے، جن میں انتالیس طلبہ کو چار روپیہ سے لے کر سات روپے تک ماہوار وظیفہ ملے گا۔ ان انتالیس طلبہ میں شعبہ عربی کے علی اکبر بھی شامل ہیں جن کا بیس روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہوا(۱)۔

اشپرینگر نے واپس دہلی پہنچتے ہی نہ صرف اس کی ادھوری تعلیم کو مکمل کرنے کا بندوبست کر دیا، بلکہ اس کے لیے دہلی کالج ہی میں ایک عارضی ملازمت کا بھی انتظام ہو گیا۔ اشپرینگر کی یہ مساعی اصل میں علی اکبر کی ان خدمات کا صلہ تھا، جو اس نے فہرست سازی کے سلسلہ میں سرانجام دی تھیں۔ ان دنوں اس کالج میں جماعت سوم فارسی کے استاد مولوی احمد علی مؤلف ''چشمہ فیض'' تھے، جو بقول کریم الدین پانی پتی مبتدیوں کو فارسی پڑھانے پر مامور تھے اور ۱۸۴۷ء میں جن کی عمر قریب ۳۵ برس تھی(۲)۔ مولوی احمد علی نے ۱۸۴۸ء میں کسی وجہ سے ایک سال کی طویل رخصت کی درخواست دی، جو اس شرط پر منظور ہو گئی کہ چھ ماہ تک انھیں نصف تنخواہ ملے گی اور بقیہ چھ ماہ کی رخصت بلا تنخواہ ہو گی۔ مولوی صاحب نے یہ شرط قبول کر لی اور یکم جنوری ۱۸۴۹ء سے وہ ایک سال کی رخصت پر چلے گئے۔ ان کی یہ رخصت ۳۱ دسمبر ۱۸۴۹ء کو ختم ہو گئی، لیکن وہ پھر بھی کالج حاضر نہ ہوئے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال تھا کہ اب مولوی احمد علی صاحب واپس نہیں آئیں گے، اس لیے اس خالی اسامی پر انھیں مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ دہلی کالج کے ایک پرانے طالب علم مولوی خدا بخش، جو ان دنوں لارنس اسکول میں مدرس فارسی تھے، اشپرینگر کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرتے ہیں:

۱۔ قران السعدین، جلد ۵ شمارہ ۵، بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء، مائیکرو فلم مملوکہ راقم۔ اس کے ساتھ ہی علی اکبر کے برادر خورد علی اصغر کا نام بھی درج ہے، جس کے لیے نو روپے وظیفہ مقرر ہوا۔

۲۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۳۶۴

Marfat.com

''حضور کے مدرسہ میں عہدہ احمد علی صاحب مدرس سویم فارسی کا خالی ہے اور میعاد ان کی رخصت کی منقطع ہو چکی ہے۔ اس واسطے امیدوار ہوں کہ فدوی کو از راہ پرورش خاوندانہ کے عہدہ مذکور پر ممتاز فرما دیں۔''(۱)

جب اس خالی عہدہ کے امیدواروں کی تعداد بڑھ گئی اور پرنسپل پر ہر طرف سے دباؤ پڑنے لگا تو اس کا فوری حل یہ سوچا گیا کہ اس عہدہ پر کسی موزوں شخص کو عارضی طور پر مقرر کر دیا جائے، تاکہ اگر مولوی احمد علی واپس بھی آ جائیں تو انھیں پھر سے سابقہ عہدے پر بحال کرنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ اس عارضی تقرری کے لیے اشپرینگر نے علی اکبر کو منتخب کیا۔ علی اکبر ابھی لکھنؤ ہی میں تھا کہ اسے اشپرینگر نے بذریعہ خط اپنے انتخاب کی اطلاع دی، جس کے جواب میں علی اکبر نے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ

''نیابت مولوی احمد علی کی چندروز کے واسطے خاکسار کو بسر و چشم منظور ہے۔''

چنانچہ علی اکبر ۲ فروری ۱۸۵۰ء کو لکھنؤ سے روانہ ہوا اور اسی ماہ کے وسط میں دہلی پہنچ گیا اور آتے ہی دہلی کالج میں جماعت سوم فارسی کے عارضی مدرس کی حیثیت سے اپنا کام شروع کر دیا۔ علی اکبر کا اصل موضوع عربی زبان و ادب تھا اور وہ ابتداء ہی سے دہلی کالج کے شعبۂ عربی کا طالب علم رہا۔ اس کے باوجود وہ فارسی زبان و ادب پر گہری نظر رکھتا تھا اور اتنی فارسی ضرور جانتا تھا کہ مبتدیوں کو یہ زبان پڑھا سکے۔ پھر اشپرینگر ان دنوں اس کے روزگار کا مسئلہ حل کرنے میں کوشاں تھا اور یہ اس کی ذاتی کوشش تھی کہ علی اکبر کو یہ عارضی ملازمت مل گئی۔ چنانچہ وہ خود اس بات کا یوں اعتراف کرتا ہے:

''مجکو بھی وہ علاقہ (۲) ملنا مشکل تھا، مگر صرف حضور کے اقبال سے حاصل ہوا، ورنہ مجکو کون پوچھتا۔ چنانچہ ٹیلر صاحب مجھ سے فرماتے تھے کہ تو ہی تھا جو یہ علاقہ تجکو مل گیا اور کسی کو ہرگز نہ ملتا۔''

علی اکبر کو اشپرینگر کی تگ و دو سے دہلی کالج میں ملازمت تو مل گئی، لیکن یہ صرف مولوی احمد علی کی واپسی تک تھی۔ معلوم نہیں مولوی موصوف واپس آئے یا نہیں، البتہ علی اکبر کو چند ماہ بعد یہ عہدہ چھوڑنا پڑا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ علی اکبر کی تقرری کے چند ماہ بعد اشپرینگر بیمار پڑ گیا اور وہ رخصت لے کر ۱۹ اپریل کو شملہ چلا گیا۔ ابھی وہ وہیں تھا کہ حکومت برطانیہ نے مئی ۱۸۵۰ء میں اسے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کر دیا اور اس کی جگہ کارگل کو دہلی کالج کا مستقل پرنسپل بنا دیا گیا۔ ممکن ہے، اس تبدیلی کے سبب علی اکبر کو اپنی عارضی ملازمت سے دستبردار ہونا پڑا۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ مولوی احمد علی طویل رخصت گذارنے کے بعد واپس آ گئے

۱۔ مکتوب خدا بخش بنام اشپرینگر، بابت ۱۹ جنوری ۱۸۵۰ء۔ (دیکھئے آئندہ سطور)

۲۔ یعنی عہدہ مولوی احمد علی کا۔

Marfat.com

ہوں، اس کے بعد علی اکبر چند ماہ دہلی ہی میں مقیم رہا اور اس انتظار میں رہا کہ اشپرینگر اس کے لیے کسی موزوں ملازمت کا بندوبست کردے گا۔ اشپرینگر اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کلکتہ جا چکا تھا، لیکن وہ گاہے ماہے علی اکبر کو خط لکھتا رہتا تھا۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے چوتھے (بابت ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء) اور چھٹے خط (بابت ۱۹ اگست ۱۸۵۰ء) سے علی اکبر کے قیام دہلی کا پتا چلتا ہے، کیونکہ یہ دونو خطوط مولانا کو اس کی وساطت سے ملے تھے۔ ان دنوں اشپرینگر کے بیوی بچے شملہ میں تھے، چنانچہ اس کے حکم پر علی اکبر شملہ چلا گیا اور پھر کچھ عرصہ وہیں رہا۔ جب اکتوبر ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کے افراد خانہ اس کے پاس جانے کے لیے کلکتہ روانہ ہوئے، تو علی اکبر بھی ۱۲۲ اکتوبر کو شملہ سے روانہ ہوا اور ۱۲۹ اکتوبر کو دہلی پہنچ گیا۔

علی اکبر دہلی واپس آیا، تو مولوی احمد علی کا عہدہ جوں کا توں خالی پڑا ہوا تھا۔ شاید مولوی صاحب اپنی طویل رخصت سے واپس نہیں آئے تھے اور اگر آئے تھے تو پھر چلے گئے تھے اور اس دفعہ وہ مستقل طور پر اپنی ملازمت چھوڑ گئے تھے۔ علی اکبر نے اس عہدہ کو پھر سے حاصل کرنے کے لیے اشپرینگر سے رجوع کیا۔ اس نے ہیڈ ماسٹر ٹیلر سے سفارش کی اور ٹیلر نے پرنسپل کارگل سے کہہ کر یہ ملازمت دوبارہ علی اکبر کو دلوادی اور وہ پھر سے کالج میں مبتدیوں کو فارسی پڑھانے لگا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں اشپرینگر کو لکھتا ہے:

''ٹیلر صاحب بہادر نے بموجب ایما حضور کے کارگل سے کہہ کر علاقہ مولوی احمد علی پھر مجکو دلوادیا ہے۔ مولوی مذکور اب نہ آویں گے۔''

ابھی علی اکبر کو دہلی کالج میں پڑھاتے ہوئے زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ دہلی کے صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کی کچہری کے ناظر اور سررشتہ دار رشوت ستانی کے جرم میں معزول ہوئے۔ مفتی صاحب اپنے ان ماتحتوں کو بے قصور سمجھتے تھے اور ان کی معزولی کے حق میں نہیں تھے، لیکن دہلی کا انگریز جج ان پر عائد کردہ الزامات کو درست مانتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے ان دونو کو سبکدوش کردیا۔ انگریز جج دہلی کالج کا بھی خواہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ ان دونو عہدوں پر اسی کالج کے موزوں اشخاص کو تعینات کیا جائے۔ ویسے بھی ان دنوں اخباروں میں یہ بحث چل رہی تھی کہ کالج کے طلبہ درس و تدریس کے علاوہ دیگر انتظامی نوعیت کی ملازمتوں کے لیے سودمند ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ایک اخبار میں ایک مضمون بعنوان ''لئیق طالب علم مدرسے کے اور آدمیوں سے نوکری کے واسطے زیادہ مستحق ہیں یا نہیں؟'' شائع ہوا تھا، جس میں دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ ایسی اسامیوں کے لیے کالج کے لوگ دیگر لوگوں کی نسبت زیادہ مفید ہیں[1]۔ انگریز جج نے جب کالج والوں سے رجوع کیا تو ان دونو عہدوں یعنی ناظر اور سررشتہ دار کے لئے علی اکبر اور اس سے

۱۔ فوائد الناظرین، جلد ۴ شمارہ ۹، بابت ۳۰ اپریل ۱۸۴۹ء، مائکرو فلم ملکیہ راقم۔

Marfat.com

قریبی دوست مولانا محمد مظہر نانوتوی نے درخواستیں پیش کر دیں۔ چنانچہ انگریز جج کے حکم پر ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو یہ دونو مفتی صاحب کی کچہری میں ملازم ہو گئے[1]۔ علی اکبر کو عہدۂ نظارت تفویض ہوا اور اس کی ماہانہ تنخواہ ساٹھ روپے مقرر ہوئی۔ مولانا محمد مظہر کو عہدۂ سررشتہ داری ملا اور ان کا مشاہرہ پینتیس روپے ماہوار مقرر ہوا۔ علی اکبر کے عہدہ میں چونکہ روپے پیسے کا لین دین بھی شامل تھا، اس لیے اس سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی، جس کا اس نے کسی نہ کسی طرح انتظام کیا اور دہلی کالج سے ۲۳ دسمبر ۱۸۵۰ء تک رخصت لے کر مفتی صاحب کی کچہری میں بطور ناظر کام کرنے لگا۔ مولانا محمد مظہر ان دنوں بیکار تھے، اس لیے انہیں رخصت لینے کی ضرورت نہیں تھی۔

بطور ناظر علی اکبر کو روپے پیسے کا حساب رکھنا پڑتا تھا اور عملہ وغیرہ کا انتظام بھی اس کے فرائض میں شامل تھا۔ چنانچہ وہ خود اپنے ایک خط میں رقم طراز ہے کہ ''نظارت کے واسطے، جس میں ہمیشہ روپیہ سے کام پڑتا ہے اور تمام چپراسیوں اور اہل عملہ ومتخاصمین و وکلاء وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔'' یہ نیا عہدہ علی اکبر کے عہدۂ مدرسی سے بدرجہا بہتر تھا۔ اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوا اور صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے لوگ بھی عزت کرنے لگے، لیکن اس کے باوجود وہ اس ملازمت سے مطمئن نہیں تھا۔ اس عدم اطمینان کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اس عہدے کو مستقل نہیں سمجھتا تھا۔ علی اکبر کو یہ خوف دامن گیر تھا کہ جونہی متعلقہ جج تبدیل ہوگا یا واپس اپنے ملک چلا جائے گا، مفتی صاحب فوراً اسے ہٹا کر پرانے ناظر کو بحال کر دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ مفتی صاحب کی ''متلون مزاجی'' اور ''ناقدردانی'' سے بھی خائف تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ کب مفتی صاحب کا مزاج بدلے اور وہ اسے نکال باہر کریں۔ علی اکبر نے اپنے چند خطوط میں مفتی صاحب کی شخصیت کا ایک اور ہی رخ پیش کیا ہے، جو ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ اس نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے پہلی بار یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفتی صاحب متلون مزاج، ناقدردان اور حاسد شخص تھے۔ اشپرینگر نے کلکتہ جانے کے بعد مولانا مملوک العلی نانوتوی کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کی پیش کش کی، لیکن وہ اپنی احتیاط پسندی کے باعث دہلی نہ چھوڑ سکے۔ اس پس منظر میں علی اکبر اپنے ایک خط میں اشپرینگر کو بتاتا ہے کہ:

''مفتی صدر الدین نے بھی بہت منع کیا، بلکہ یہ سنا ہے کہ باعث اون کے نہ جانے کے وہی تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ مفتی صاحب کا یہ قول تھا کہ تم کلکتہ گئے اور مرے اور مرے اور جہنم

۱۔ علی اکبر اپنے مکتوب بابت ۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء میں لکھتا ہے کہ ''صاحب جج نے سررشتہ دار و ناظر صدر الصدور کو بعلت رشوت ستانی موقوف کروا کر حکم دیا کہ اہل مدرسہ کو جو معتمد ہیں، یہ عہدہ دیئے جائیں۔ اسی سبب سے ہم دونوں کو دیئے گئے۔''

Marfat.com

میں گئے، یعنی وہاں کے لوگ متنفر ہیں اور جو وہاں جاتا ہے، نصاریٰ ہو جاتا ہے۔ وجہ ممانعت مفتی کی مولوی صاحب نہیں سمجھے اور وہ یہ تھی کہ مفتی صاحب کو حسد و رشک لانہایت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی اون کے احبا یا اقربا یا شاگردوں میں سے عہدۂ جلیل پر منصوب ہو اور آخر کو شاید اون سے برتر اور بلند مرتبہ ہو جائے۔ چنانچہ اس بات کو سب جانتے ہیں۔''

ایک اور خط میں وہ یوں لکھتا ہے کہ:

''ان دنوں میں فدوی نظارت کچہری صدر الصدور دہلی سرانجام دیتا ہے۔ اگرچہ یہ عہدہ بہ نسبت مدرسی مدرسہ کے من کل الوجوہ یعنی مشاہرۃً و عزتاً و حکومتاً بمراتب بہتر ہے، لیکن اطمینان قیام و استقلال نہیں۔ اس واسطے کہ فدوی کو اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے۔ جبکہ صاحب مذکور بدل جائیں گے یا ولایت کو جائیں گے، فوراً سررشتہ دار و ناظر سابق کو مفتی صاحب بحال کر دیں گے اور مفتی صاحب نہایت متلون مزاج و ناقدردان ہیں، چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے۔''

ایک اور خط سے متعلقہ اقتباس:

''عہدۂ مولوی احمد علی کا واسطے طمع ترقی کے چھوڑ کر نظارت محکمہ صدر الصدور اختیار کی۔ اب اوس کی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ ارادہ مفتی صاحب کا یہ ہے کہ بروقت تبدیل صاحب جج کے ناظر حال کو موقوف کر کر ناظر سابق کو پھر بحال کر دیں گے...... سوائے آستانہ عالی کے کوئی اور ٹھکانا اس خاکسار کو نہیں۔ مفتی صاحب کے سو روپیہ سے حضور فیض گنجور کے دس روپیہ سو درجہ بہتر ہیں۔''

مفتی صاحب سے متعلق آخری اقتباس:

> ''حال نظارت کا یہ ہے کہ کبھی ۵۰ اور کبھی ۶۰ روپیہ حاصل ہوتے ہیں، لیکن عدم ترقی کا یقین کلی ہے اور احتمال تعزل یا تنزل کا بباعث عدم استقلال مزاج مفتی صاحب باقی ہے...... صاحب جج بہادر بھی، جو کہ ان دنوں میں اہل مدرسہ کے حامی و مددگار ہیں اور جن کے ایماء و حکم سے مفتی صاحب نے ہم کو مقرر کیا ہے۔ چند سال تک دہلی میں رہیں گے اور اس صورت میں مفتی صاحب کچھ ضرر ہم کو نہیں دے سکتے۔''

مفتی صدر الدین آزردہ (۱۷۸۹ء-۱۸۶۸ء) دہلی کے معززین میں سے تھے اور اس دور میں مسلمانوں کے سب سے بڑے عہدے یعنی صدر الصدور پر فائز تھے۔ حکومتی منصب کے علاوہ علم و ادب کی محفلوں میں بھی آپ کا چرچا تھا۔ علوم اسلامیہ کے درس و تدریس سے بھی منسلک تھے۔ دینی حلقوں میں بھی آپ کی رائے معتبر سمجھی جاتی تھی۔ آپ کے تمام معاصرین، تلامذہ اور ہمعصر تذکرہ نویس آپ کے کمالات علمیہ کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ آپ کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے معترف ہیں (۱) لیکن حیرت ہے، ان میں سے کسی نے مفتی صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کی جانب اشارہ تک نہیں کیا، جس کا ذکر علی اکبر نے اپنے خطوط میں کیا ہے۔ مفتی صاحب اپنے بلند ترین عہدے اور علمی مرتبے کے حوالے سے دہلی کی جانی پہچانی شخصیت تھے۔ اس لیے علی اکبر یہ عہدۂ نظارت ملنے سے پہلے بھی انہیں ضرور جانتا ہوگا۔ اس کے علاوہ علی اکبر دہلی کالج میں برسوں طالب علم رہا اور مفتی صاحب اس کالج کی مجلس انتظامی کے رکن تھے۔ اس مجلس کا مقصد مدرسہ کے معاملات کی نگرانی اور اس کی بہبودی تھا (۲)۔ مفتی صاحب اس کالج کے ممتحن بھی تھے اور عربی اور فارسی جماعتوں کے امتحان بھی لیا کرتے تھے۔ کامیاب طلبہ کو ان کی جانب سے تمغے اور انعامات بھی دیے جاتے تھے۔ ۷ فروری ۱۸۵۰ء کو کالج میں جو جلسہ ہوا، اس میں دیگر رؤسائے دہلی مثلاً نواب ضیاء الدین خاں، مرزا سید حسین خاں اور زین العابدین خاں کے علاوہ مفتی صاحب بھی شریک تھے۔ اسی جلسہ میں علی اکبر کو شعبۂ عربی کا اسکالر تجویز کیا گیا اور بیس روپے ماہوار وظیفہ بھی مقرر ہوا (۳)۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی اکبر مفتی صاحب کو اچھی طرح سے جانتا تھا اور ممکن ہے، وہ براہ راست یا اشپرینگر کی وساطت سے ان سے ملا بھی ہو۔

علی اکبر جب مفتی صاحب کی کچہری میں بطور ناظر کام کرنے لگا، تو اسے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اس کی تقرری مفتی صاحب کی منشا کے خلاف تھی، کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سابقہ ناظر کو موقوف کیا جائے، لیکن وہ حاکم بالا کے سامنے بے بس ہو گئے اور انھیں مجبوراً علی اکبر کو عہدۂ نظارت دینا پڑا۔ ممکن ہے، وہ مختلف طریقوں سے اپنی ناخوشی کا اظہار بھی کرتے ہوں، علی اکبر بہت تھوڑی دیر کے لیے یہاں ملازم رہا اور اس دوران میں پریشان ہی رہا، کچھ تو مفتی صاحب کے مزاج کی وجہ سے اور کچھ عہدہ کے مستقل نہ ہونے کے سبب۔ پھر بھی وہ کام کرتا رہا اور ساتھ ساتھ کسی اور کالج میں ملازمت کے لیے کوشاں رہا۔ اسی سے ملتا جلتا حال مولانا محمد مظہر نانوتوی کا بھی تھا۔ وہ بھی اسی کے ساتھ عہدۂ سررشتہ داری پر ملازم ہوئے تھے، لیکن وہ جلد ہی یہ ملازمت چھوڑ کر روڑکی چلے گئے۔ شاید مولانا کے اتنی جلدی ملازمت ترک کرنے کا سبب بھی مفتی صاحب کی متلون مزاجی ہی ہو، لیکن انھوں نے روڑکی پہنچنے کے بعد جو خط اشپرینگر کو تحریر کیا (بابت ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء) (۴)،

۱۔ تفصیل کے لیے رک: مفتی صدر الدین آزردہ (حیات، شخصیت، علمی اور ادبی کارنامے) از عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، دہلی ۱۹۷۷ء

۲۔ مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ص ۱۱۲-۱۱۶

۳۔ قران السعدین، جلد ۵، شمارہ ۵، بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء (مخزونہ برلین)

۴۔ یہ خط بذیل ذکر ''مولانا محمد مظہر نانوتوی'' سابقہ سطور میں شائع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

اس میں مفتی صاحب کی شخصیت کے اس پہلو کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، علی اکبر مفتی صاحب سے کچھ زیادہ ہی شاکی تھا۔ اس کے علاوہ اسے ہر وقت عہدۂ نظارت کی غیر مستقلی کا دھڑکا سا لگا رہتا تھا۔ حالانکہ وہ یہ عہدہ سنبھالنے سے قبل دہلی کالج کی جماعت فارسی (سوم) کا معلم تھا اور ان دنوں رخصت پر تھا۔ وہ چاہتا تو مفتی صاحب کا ساتھ چھوڑ کر واپس کالج جا سکتا تھا، لیکن یہاں کی مالی منفعت اور عزت و تکریم اسے جانے نہیں دیتی تھی۔ وہ مفتی صاحب سے نالاں ضرور تھا اور شاید اسی وجہ سے اس نے اپنے خطوط میں ایسی باتیں لکھی ہیں۔ اس کی ان باتوں میں مفتی صاحب کی ماتحتی کے تلخ تجربات کا بھی ضرور حصہ ہوگا، لیکن وہ اس سے پہلے بھی مفتی صاحب کے مزاج سے واقف تھا۔ اس کا عہدۂ نظارت پر ۲۲ نومبر ۱۸۵۰ء کو تقرر ہوا، لیکن اس نے اشپرینگر کے نام ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء کو جو خط لکھا، اس میں بھی مفتی صاحب کے حسد و رشک کا برملا اظہار کیا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ مفتی صاحب کے متعلق وہ جو کچھ لکھ رہا ہے، اس کو صرف وہی نہیں، بلکہ اور لوگ بھی جانتے ہیں، یوں اس کی باتوں کو کسی ذاتی رنجش یا پرخاش کا سبب قرار نہیں دیا جا سکتا اور مفتی صاحب کے قریبی واقف کار کی حیثیت سے نہ اس کی باتوں کو رد کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ کہنا بجا ہے کہ علی اکبر اس وقت پچیس برس کا نوجوان تھا اور مفتی صاحب کی عمر ساٹھ برس سے متجاوز تھی، اس لیے اسے ایک بزرگ اور عالی مرتبت شخصیت کے بارے میں ایسے لہجے میں اظہار خیال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی علی اکبر ایک تیز مزاج اور جذباتی سا نوجوان معلوم ہوتا ہے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی اس کے استاد تھے۔ وہ عمر رسیدہ شخص تھے اور دہلی کے علمی حلقوں میں ان کا شہرہ تھا، لیکن ان کے متعلق بھی علی اکبر نے کچھ ایسا ہی پیرایۂ اظہار اختیار کیا ہے۔ بعد میں غالباً اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اشپرینگر سے درخواست کی کہ وہ ان خطوں کو ضائع کر دے۔ بہر حال علی اکبر نے مفتی صاحب کی شخصیت کے جس رخ سے پردہ اٹھایا ہے، وہ یقیناً ان کے مداحوں اور تذکرہ نگاروں کے لیے نیا ہے۔

اشپرینگر کی خدمات مئی ۱۸۵۰ء کو حکومت بنگال کے سپرد کر دی گئیں اور اسے کلکتہ کے مدرسۂ عالیہ کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا۔ غالباً وہ اس سے اگلے ماہ یعنی جون میں کلکتہ پہنچا اور اپنی نئی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے مدرسہ کے انتظام اور نصاب میں بعض بنیادی تبدیلیاں کرنے کا پروگرام بنایا۔ ان دنوں مدرسہ کا عہدۂ امینی خالی پڑا ہوا تھا۔ اس عہدہ پر حافظ احمد کبیر فائز تھے، جو اسی سال کے شروع میں انتقال کر گئے تھے۔ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ اس عہدہ پر کسی عالم و فاضل شخص کو مامور کیا جائے، چنانچہ اس نے پہلے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو اس عہدہ کی پیش کش کی۔ مولانا دہلی کالج چھوڑنے سے قبل بعض تحفظات چاہتے تھے، اس لیے وہ اشپرینگر کی پیش کش کو فوراً قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے، اس سلسلہ میں ان کے مابین مراسلت چلتی رہی۔

Marfat.com

جو تقریباً دو ماہ تک جاری رہی[1]۔ اشپرینگر کو جب یہ یقین ہو گیا کہ مولانا کلکتہ نہیں آئیں گے تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عہدے کے لیے امتحان لیا جائے اور جو امیدوار کامیاب ہو، اسے یہ عہدہ تفویض کر دیا جائے۔ علی اکبر بھی اس عہدۂ امینی کا امیدوار تھا۔ پہلے تو اس کی خواہش تھی کہ وہ امتحان وغیرہ کے چکر میں نہ پڑے اور اشپرینگر اسے ذاتی مراسم ہی کی وجہ سے یہ عہدہ تفویض کر دے، لیکن وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، شاید اس ناکامی کا سبب مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے، جن کے متعلق اس نے اشپرینگر سے سخت الفاظ میں شکایت کی۔ اس دوران میں وہ صدر الصدور کی کچہری میں ملازم ہو گیا۔ ابھی اسے یہاں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہی گذرا تھا کہ دہلی کالج کا سابق پرنسپل ٹیلر ۲۹ نومبر کو اسے کچہری میں ملا اور اسے بتایا کہ عہدۂ امینی کے لیے ۹ دسمبر کو امتحان ہوگا۔ وہ امتحان دینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اس نے کافی دیر سے پڑھنا پڑھانا اور مطالعہ کتب چھوڑ رکھا تھا۔ پھر بھی اس نے اشپرینگر کی خوشنودی کی خاطر مقررہ تاریخ کو امتحان دیا، جس میں اس کے علاوہ مولوی حسن علی خاں، مولانا محمد مظہر نانوتوی اور فیض الحسن شریک ہوئے۔ علی اکبر اپنے امتحان سے زیادہ پُر امید نہیں تھا۔ جب ان چاروں اصحاب کے پرچے اشپرینگر کے پاس پہنچے، تو اس نے ان میں سے کسی کو بھی عہدۂ امینی کے اہل نہ سمجھا۔ علی اکبر نے دہلی کالج سے ۲۳ دسمبر تک رخصت لے رکھی تھی۔ اسی عرصے میں اسے عہدۂ نظارت مل گیا، اس لیے کالج والوں نے اس کی چھٹی ختم ہونے سے قبل اس کے عہدہ پر منشی کریم بخش کو مقرر کر دیا۔ اب صرف اسے عہدۂ امینی کے حصول کی امید تھی، لیکن یہ امید بھی پوری نہ ہو سکی، کیونکہ امتحان دینے والوں میں کوئی امیدوار بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اب علی اکبر کے پاس صرف عہدۂ نظارت تھا اور اسے خلاف مزاج صدر الصدور کے ساتھ کام کرنا پڑ رہا تھا۔

مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کے ایک امیدوار مولوی محمد سدید الدین خاں بھی تھے، جو مشہور عالم اور دہلی کالج کے پرانے استاد مولانا رشید الدین خاں کے بیٹے تھے۔ یہ پہلے دہلی کالج ہی میں پڑھاتے رہے، لیکن بعد میں انھیں اشپرینگر کی کوششوں سے آگرہ کالج میں مدرس عربی کی ملازمت مل گئی۔ مولانا سدید الدین نے اشپرینگر کے کہنے پر ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء کو عہدۂ امینی کے لئے درخواست کلکتہ بھجوا دی۔ بالآخر وہ اس عہدہ کے لیے منتخب ہوئے اور انھیں ۹ جنوری ۱۸۵۱ء کو اس تقرری کی اطلاع دی گئی۔ یہ معلوم نہیں ان کا انتخاب امتحان کے ذریعہ ہوا یا اس کے بغیر۔ بہر حال انھوں نے اس نئے عہدہ کو قبول کر لیا اور غالباً اسی ماہ کے اواخر میں مدرسہ عالیہ میں اپنی ذمہ داریوں کو سنبھال لیا[2]۔

۱۔ مولانا نے اشپرینگر کو چار خط تحریر کیے، جو ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء اور ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کی درمیانی مدت میں لکھے گئے۔ یہ خطوط مع تشریحات مولانا کے ذکر کے تحت درج ہیں۔

۲۔ تفصیل کے لیے رک: بذیل ذکر ''مولانا محمد سدید الدین خاں''، سطور بالا۔

Marfat.com

اشپرینگر مدرسۂ عالیہ کا عہدۂ امینی تو علی اکبر کو نہ دلا سکا، البتہ وہ برابر کوشش کرتا رہا کہ اسے کسی کالج میں مدرس کی ملازمت مل جائے۔ وہ حکام بالا سے بھی سفارش کرتا رہا۔ جب مولانا سدید الدین کے کلکتہ جانے کے بعد آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی جگہ خالی ہوئی، تو علی اکبر نے اسے حاصل کرنے کے لیے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ اس نے اشپرینگر کو بھی لکھا کہ وہ اس عہدے کے حصول میں مدد کرے۔ وہ اپنی تگ و دو میں کامیاب تو ہو گیا اور لفٹیننٹ گورنر نے بھی اسے یہ عہدہ دینے کا وعدہ کر لیا، لیکن انھی دنوں آگرہ کالج کی مجلس انتظامی کے ارکان نے ''بباعث عدم ترقی و عدم لیاقت جماعت'' اس عہدۂ مدرس کو موقوف کرنے کی سفارش کر دی۔ صاحبان مجلس کی یہ رائے تھے کہ چونکہ اس جماعت عربی میں طلبہ بہت کم ہیں، اس لیے انہیں اسی کالج کے دوسرے مدرس مولوی ابوالحسن فرید آبادی کے سپرد کر دیا جائے اور اس اضافی کام کے لیے ان کی تنخواہ میں بیس روپے اضافہ کر دیا جائے اور یوں مولانا سدید الدین کا یہ عہدہ سرے سے ختم کر دیا جائے[1]۔ علی اکبر کو جب یہ خبر ملی تو اس نے اشپرینگر سے استدعا کی کہ وہ کسی طرح ارکان مجلس کی اس تجویز کو نامنظور کرا دے۔ اسی عرصہ میں مدرسہ عالیہ میں مولوی نور الحق کی جگہ عارضی طور پر خالی ہوئی۔ انھوں نے فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مدرسہ سے دو سال کی رخصت لی تھی۔ اشپرینگر چاہتا تھا کہ ان دو سالوں کے لیے علی اکبر کلکتہ آ جائے۔ علی اکبر نے اشپرینگر کے کہنے پر درخواست تو بھجوا دی، لیکن وہ اس عارضی ملازمت کو پسند نہیں کرتا تھا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ''عہدہ مستقل پر زیادہ اطمینان ہوتا ہے بہ نسبت عہدہ عوض خدمت کے۔'' چنانچہ یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا، لیکن اس کے باوجود اشپرینگر اسے کوئی نہ کوئی ڈھب کی ملازمت دلوانے میں سرگرم عمل رہا اور بالآخر اس کی مسلسل کوششوں سے غالباً مارچ یا اپریل ۱۸۵۱ء میں علی اکبر کو آگرہ کالج کے شعبۂ عربی میں مدرس اول مقرر کر دیا گیا۔ اس کالج کی کمیٹی نے اس عہدہ کی تخفیف کے متعلق رپورٹ اوپر بھیجی تھی، اسے لفٹیننٹ گورنر نے نامنظور کر دیا اور یوں علی اکبر کو وہی عہدہ مل گیا، جس پر چند ماہ پہلے مولانا سدید الدین کام کر رہے تھے۔ اسی کالج کے شعبۂ اردو کے مدرس مولوی کریم الدین پانی پتی اسی عہدہ کے امیدوار تھے اور وہ بھی اس کے حصول کے لیے اشپرینگر کی استعانت کے طالب تھے[2] لیکن اس دفعہ اشپرینگر طے کر چکا تھا کہ یہ عہدہ علی اکبر ہی کو دیا جائے گا۔ اشپرینگر نے اپنے متذکرہ بالا انگریزی دیباچے میں بھی یہی لکھا ہے کہ اس نے شمال مغربی صوبوں کے لفٹیننٹ گورنر سے سفارش کی تھی اور اسی وجہ سے عہدہ پر علی اکبر کا تقرر ہوا۔ علی اکبر کی یہ تعیناتی اشپرینگر ہی کی مرہون منت تھی، لیکن ضابطے کی کارروائی کو پورا کرنے کے

۱۔ بحوالہ مکتوب ابوالحسن فرید آبادی بنام اشپرینگر، بابت ۷ جولائی ۱۸۵۲ء۔ سطور آئندہ

۲۔ رک: مکتوبات کریم الدین پانی پتی بنام اشپرینگر، شمارہ ۲ مع تشریحات۔ سطور بالا۔

Marfat.com

لیے اس عہدہ کا بھی امتحان ہوا، جس میں علی اکبر کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ اشپرینگر کے ایک اور مکتوب نگار سید برکت علی اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''چنانچہ حضور نے بھی کئی دفعہ امتحان لیا اور مولوی سدید الدین خاں اور ابوالحسن اور مولوی علی اکبر کو مقرر فرمایا۔ اور نہیں تو جو مدرس کہ آگرہ میں تھے، اون کو وہ عہدہ ملتا۔''(1)

علی اکبر کو آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی ملازمت تو مل گئی، لیکن وہ آگرہ پہنچنے کے چند ماہ بعد مرض بواسیر میں مبتلا ہو گیا۔ جاتے ہی اس نے اپنے شعبہ کی نصابی کتب کا جائزہ لیا اور بعض کو اس نے غیر مفید پایا۔ چنانچہ ان کتب غیر مفیدہ مثلاً شروح، حواشی، منطق اور فلسفہ کو نصاب سے خارج کرنے کے لیے پرنسپل آگرہ کالج مڈلٹن سے مشورہ کیا، جسے قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد اس نے کتب مفیدہ مثلاً ہدایہ، حماسہ، متنبّی، یمینی وغیرہ کی تدریس شروع کر دی۔ یہ تمام کتب قریب قریب وہی تھیں، جو دہلی کالج میں پڑھائی جاتی تھیں۔ ابھی علی اکبر کو پڑھاتے ہوئے چند مہینے ہی ہوئے تھے کہ وہ بیمار پڑ گیا اور پھر مرض اس قدر بڑھ گیا کہ اٹھنا بیٹھنا اور کہیں آنا جانا بھی مشکل ہو گیا۔ دسمبر ۱۸۵۱ء میں اسے علیل ہوئے چار ماہ گذر چکے تھے، لیکن تکالیف کے باوجود وہ اپنے تدریسی فرائض سے غافل نہیں رہا اور جب کبھی اس کی طبیعت سنبھلتی، وہ طلبہ کو پڑھانے چلا جاتا۔ اس نے اپنے خطوط میں بھی جابجا اپنی علالت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ وہ اشپرینگر کو لکھتا ہے:

''قریب تین مہینے کے ہوئے کہ کمترین درد بواسیر میں گرفتار رہا۔ نشست و برخاست و آمد و رفت کی موقوف ہوئی۔''

(یکم ستمبر ۱۸۵۱ء)

''کئی عرضیاں اپنی بیماری کے حال کی بندگان عالی کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ نظر انور سے گذری ہوں گی۔ چنانچہ اب تک بیمار ہوں، صحت حاصل نہیں ہوئی۔''

(۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء)

''اس سال میں احقر چار مہینے تک مرض بواسیر و نواسیر میں مبتلا رہا، چنانچہ اب تک اوس کا شمہ باقی ہے۔''

(۱۸ دسمبر ۱۸۵۱ء)

''احقر کو اب تک مرض بھگندر ہے...... رہائی نہیں ہوئی اور یوماً فیوماً حال خراب ہوتا جاتا ہے۔ ضعف اس قدر ہے کہ اپنے ہاتھ سے عرضی نہیں لکھ سکا۔''

(۹ فروری ۱۸۵۲ء)

۱۔ برکت علی کے حالات زندگی مع خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

Marfat.com

آخر وہ اس مرض کے ہاتھوں بے بس ہوگیا اور پانچ مہینے کی رخصت لے کر دہلی چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شعبۂ عربی کے طلبہ کو آگرہ کالج کا مدرس اول (فارسی) مولوی ابوالحسن فرید آبادی پڑھاتا رہا[1]۔ علی اکبر نے دہلی آنے کے بعد بھی علاج جاری رکھا، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ چنانچہ وہ تقریباً ایک سال اس مرض کی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو جمعہ کے دن انتقال کر گیا۔ اس وقت علی اکبر کی عمر صرف ستائیس برس تھی۔ اس کی وفات سے آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی جگہ پھر سے خالی ہوگئی۔ چنانچہ اس عہدے کے حصول کے لیے بعض اصحاب نے اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ ان امیدواروں میں تین اصحاب شامل تھے۔ مولانا محمد احسن نانوتوی، مولوی کریم الدین پانی پتی اور مولوی ابوالحسن فرید آبادی، مؤخر الذکر دونو اصحاب آگرہ کالج ہی کے فارسی اور اردو شعبوں سے متعلق تھے۔ چنانچہ ان تینوں نے اشپرینگر سے یہ خالی عہدہ دلوانے کی یوں درخواست کی ہے:

''تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال افسوس ہوا۔ چونکہ اون کا عہدہ خالی ہوا، اس واسطے اس احقر نے درخواست اوس کی آگرہ میں بھیجی۔''

(مکتوب مولانا محمد احسن نانوتوی، بابت ۲ جولائی ۱۸۵۲ء)[2]

''اب کی بار پھر عہدہ مدرس اول عربی کا مدرسہ آگرہ میں فوت ہونے علی اکبر کے خالی ہوگیا ہے۔ چونکہ حضور پر روشن ہے کہ مدت سے خواہاں اس عہدہ کا ہوں اور اسی عہدہ کے واسطے میں نے مدرسہ کی نوکری اختیار کی تھی اور میری استعداد اور لیاقت کا حال بھی حضور خوب جانتے ہیں۔''

(مکتوب مولوی کریم الدین پانی پتی، بابت ۴ جولائی ۱۸۵۲ء)[3]

''اب قضائے الٰہی سے مولوی علی اکبر نے اوس مرض میں انتقال کیا اور وہ عہدہ خالی رہ گیا لہذا اس وقت میں کہ موقع بلکہ استحقاق میری ترقی کا ہے، حضور سے اعانت اور امداد چاہتا ہوں۔''

(مکتوب ابوالحسن فرید آبادی، بابت ۷ جولائی ۱۸۵۲ء)[4]

ان تینوں امیدواروں میں سے علی اکبر کے انتقال سے خالی ہونے والے اس عہدے پر کون فائز ہوا، کچھ معلوم نہیں۔ ممکن ہے، یہ عہدہ مولوی ابوالحسن فرید آبادی ہی کو مل گیا ہو، کیونکہ وہ ... کریم الدین

۱۔ مکتوب ابوالحسن فرید آبادی، بابت ۷ جولائی ۱۸۵۲ء۔ سطور آئندہ

۲۔ رک: بذیل ذکر ''مولانا محمد احسن نانوتوی''۔ مکتوب نمبر ۱ مع تشریحات۔ سطور بالا

۳۔ رک: بذیل ذکر ''مولوی کریم الدین پانی پتی'' مکتوب نمبر ۳ مع تشریحات۔ سطور بالا

۴۔ یہ مکتوب آئندہ سطور میں شائع ہوگا۔

Marfat.com

خاں کے کلکتہ جانے اور علی اکبر کی تقرری سے قبل اپنی جماعت فارسی کے ساتھ ساتھ عربی جماعت کے طالب علموں کو بھی درس دیتے رہے اور جتنا عرصہ علی اکبر بیماری کے باعث رخصت پر رہا، تب بھی وہی دونو جماعتوں کو پڑھاتے رہے۔[1]

علی اکبر کے انتقال کی خبر اشپرینگر تک پہنچی تو اسے بڑا افسوس ہوا۔ اسے اس جواں مرگ شخص سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ وہ اسے زمانۂ طالب علمی سے جانتا تھا۔ پھر لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی فہرست سازی میں علی اکبر نے جس طرح اس کے معاون کی حیثیت سے کام کیا، اس سے اشپرینگر بہت متاثر تھا اور اس کے بعد وہ یہی کوشش کرتا رہا کہ اس ذہین نوجوان کے لیے معقول روزگار کا بندوبست ہو جائے تاکہ وہ دلجمعی اور یکسوئی سے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا سکے۔ علی اکبر کی جواں مرگی کی وجہ سے اس کی یہ توقع تو پوری نہ ہو سکی، البتہ اس نے اپنا یہ اخلاقی فرض سمجھا کہ وہ علی اکبر کی محنت اور ذہانت کا اعتراف کرے چنانچہ جب علی اکبر کی وفات کے دو سال بعد ''فہرست مخطوطات شاہانِ اودھ'' کی پہلی جلد کلکتہ سے شائع ہوئی (۱۸۵۴ء) تو اس کے دیباچے میں اشپرینگر نے یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا:

"I was assisted in my labour by 'ally Akbar of Panypat. He was a pupil of the Dilly College, and had not yet completed his course of study when I took him to Lucnow. I did not expect more of him than that he would copy for me such passages as I might mark; but he soon entered into the spirit of the work and was of very great service. Some time after my return from Lucnow I recommended him to the late Lieut. Governor

---

۱۔ اس دور میں علی اکبر نام کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ ایک مولوی علی اکبر تھا، جس کا انتقال ۱۸۳۹ء میں ہوا۔ (بحوالہ اہلوارٹ ۱۰، ص ۲۶۴) دوسرے کا نام علی الاکبر تھا جو ۱۸۴۸ء میں فوت ہوا (بحوالہ ایضاً ۱۰: ص ۲۶۴)۔ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں احمد بن سہل البلخی ابوزید کی ''کتاب الاشکال'' (قلمی) کے آخر میں ''مولوی علی اکبر صاحب'' مرقوم ہے اور تاریخ ۱۸۴۰ء ہے (بحوالہ ایضاً ۵، ص ۳۶۲)۔ اسی کتب خانہ میں المبرد کی ''کتاب الکامل'' کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس کے آخر میں ''علی الاکبر'' درج ہے اور سنہ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء مرقوم ہے (بحوالہ ایضاً۔ ۷، ص ۳۰۳)۔

Marfat.com

of the North Western Provinces and he appointed him first Professor of Arabic of the Agra College. He died in that post in 1852, about thirty years of age.[1] I take this opportunity publicly to record my sense of gratitude and esteem to this talented, industrious and conscientious young man."

علی اکبر عربی زبان اور انشاء پر کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے اس کی عربی دانی کا چرچا تھا اور دہلی کالج کے اساتذہ اور پرنسپل اس کی ذہانت و فطانت کے قائل تھے۔ اس نے دہلی کالج میں فارسی اور آگرہ کالج میں عربی پڑھائی۔ عربی ادبیات کے علاوہ مختلف اسلامی علوم مثلاً صرف و نحو، منطق و معانی، فلسفہ اور فقہ کا بھی وسیع مطالعہ تھا۔ کتب بینی کا شوق رکھتا تھا۔ مخطوطہ شناس تھا اور خود بھی قلمی نسخوں کا عمدہ ذخیرہ اس کی ملکیت تھا[۲]، لیکن اتنی خوبیوں کے باوصف علی اکبر کسی موضوع پر کوئی کتاب نہ لکھ سکا۔ اس کی ابتدائی عمر تحصیل علم میں گذری۔ ابھی تعلیم بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ اشپرینگر اسے اپنے ساتھ لکھنؤ لے گیا اور وہاں وہ اس کی فہرست کے لئے مخطوطات کے کوائف اور ان سے متعلقہ معلومات جمع کرتا رہا۔ یہاں سے فارغ ہوا تو تلاش روزگار میں سرگرداں رہا۔ شروع میں جو ملازمتیں

۱۔ اشپرینگر نے اندازاً اس کی عمر تیس برس کے قریب بتائی ہے جبکہ اس کے متذکرہ بالا تعلیمی ریکارڈ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۲۵ء میں پیدا ہوا، اس اعتبار سے اس کی عمر ستائیس برس تھی۔

۲۔ تاریخ ہند کے جانے پہچانے مؤرخ سر ہنری ایلیٹ نے نادر تاریخی مخطوطات جمع کر رکھے تھے۔ یہ سب اس نے اپنی ''تاریخ ہند'' جو بعد میں آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی، کے لیے اکٹھے کیے تھے۔ ایلیٹ کے انتقال (۱۸۵۳ء) کے بعد اس کی بیوی کی خواہش پر اشپرینگر نے ان مخطوطات کی فہرست مرتب کی۔ اشپرینگر ایلیٹ کے قریبی دوستوں میں شامل تھا اور پھر جب وہ شاہان اودھ کے کتب خانوں کی فہرست مرتب کر رہا تھا، تو وہ اپنی کارکردگی کی سہ ماہی رپورٹ اسی کو بھیجا کرتا تھا۔ مخطوطات ایلیٹ کی جو فہرست اشپرینگر نے مرتب کی، وہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل میں شائع ہوئی۔ (جلد ۲۳، شمارہ ۳، بابت ۱۸۵۴ء، ص ۲۲۵-۲۶۳) اس فہرست میں کچھ ایسے مخطوطات بھی شامل ہیں، جو ایلیٹ نے مختلف لوگوں سے مستعار لے رکھے تھے۔ ان میں دو ایسے خطی نسخے ہیں، جو علی اکبر کی ملکیت تھے۔ ان میں ایک ''زبدۃ الغرائب'' ہے۔ مؤلف کا نام محمد رضا طباطبا المتخلص بہ نجم ہے، جو ان دنوں لکھنؤ میں مقیم تھا۔ اس کی صرف پہلی اور چوتھی جلد موجود تھی، جن کے بالترتیب ۵۴۲ اور ۶۳۷ صفحات تھے (رک: مذکورہ جرنل ص ۲۴۸، شمارہ ۱۷)۔ دوسرے قلمی نسخے میں محمد فیض (جاری)

Marfat.com

ملیں، وہ یا تو عارضی تھیں یا نامساعد حالات کی وجہ سے اعصاب شکن۔ جب ذرا اطمینان نصیب ہوا تو اسے بیماریوں نے آن گھیرا اور بالآخر وہ جوانی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے کسی ٹھوس علمی کام کرنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ علی اکبر کی صرف ایک عربی عبارت ہی دستیاب ہوئی ہے، جو اس نے دہلی کالج میں منعقدہ ایک جلسے میں پیش کی تھی اور جسے کالج کے پرنسپل اشپرینگر نے بہت پسند کیا اور اس کی فرمائش پر وہ کالج کے رسالہ ''قران السعدین'' میں شائع ہوئی (بابت ۲۱ فروری ۱۸۴۷ء)۔ علی اکبر کی یہ عبارت اور اس کا اردو ترجمہ سطور ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

لما بلغ حکام الفرنج فساد الهنود فی دورهم و دیارهم

جب انگریز حکام ہند پہنچے، اس وقت ہند میں بگاڑ پیدا ہوا چکا تھا

و احیاء الضیم و اماتة السداد فی بلادهم و امصارهم

یہاں کے شہروں اور قریوں میں ظلم پھیلا ہوا تھا اور راست روی ختم ہو چکی تھی

و ضیق تلک الارض عن بوادیها و حضارها

وہاں کی زمین متمدن شہروں اور جنگلوں ہر طرف سے تنگ ہو چکی تھی

و نبوق اسکار النهب والغارة علی مارتها و تجارها

وہاں کے تاجروں اور دولت مندوں پر کھلے بندوں ڈاکے ڈالے جاتے تھے

و عتو و شابها و جموح دعارها

وہاں کے اوباش اور سرکشوں نے فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا

ارسلوا الیهم ان یصلحوا الفساد و یرمموا البقاع و البلاد

انہیں ان لوگوں کی طرف اس لئے بھیجا گیا کہ وہ بگاڑ درست کریں، شہروں اور قصبوں کی اصلاح کریں

و یضموا الیها الشراد فما زادهم الانفورا و ما افادهم الاغرورا

سرکشوں کو اپنے ساتھ ملائیں مگر وہ متنفر ہوتے چلے گئے، دھوکہ ہی میں پڑے رہے

حتی احتشدوا للقتال من النواحی و الاطراف

بخش کے خودنوشت سوانح تھے۔ فیض بخش چھے سال تک شجاع الدولہ کے ہاں ملازم رہا۔ اس نسخے کے ۹۶۲ صفحات تھے۔ (ایضاً، ص ۲۴۸، شمارہ ۱۲۲)۔ علی اکبر کے ان دو مخطوطات کی ایلیٹ کے کتب خانے میں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے ایلیٹ سے بھی تعلقات تھے اور ایلیٹ معلومات کی فراہمی کے سلسلے میں اس سے بھی مدد لیا کرتا تھا۔

Marfat.com

حتیٰ کہ تمام اطراف واکناف سے جنگ کے لئے جمع ہو گئے

واجتمعوا للجدال من الضواحی والاکناف

ہر طرف سے لڑنے کے لئے چلے آئے

والتقوا للنزال من ارحاء البلاد والجبال

پہاڑوں اور شہروں سے جنگ کے لئے کھنچے چلے آئے

واحتفوا للنضال من انحاء الاطواد والتلال

ٹیلوں اور کونوں سے آ کر جمع ہو گئے

و حلفوا علی ان لا یرتدوا علی الاعقاب من المجال

انہوں نے قسمیں کھائیں کہ میدان سے نہ بھاگیں گے

و لا یفوتوا عن الاسلاب والاحمال

اپنے مال ومتاع کو نہ چھوڑیں گے

فنطایر رسل الفرنج و رسائلھم الی عمال البلاد

انگریز کے فرستادہ شہروں کے حکمرانوں کے پاس پہنچے

للاستباب بالعدد والعدد والانجاد

اپنی تعداد، پوری تیاری اور تندہی کے ساتھ

والاسعداد بمالدیھم من الجنود والامداد

اپنے لشکروں کی پوری تیاری کے ساتھ جوان کے پاس پہنچے تھے

فانضم زھاء ستین الاف رجال من لمھم و ابطال

وہ تقریباً تیس ہزار آدمی تھے، ان میں بہادر وجری تھے

رکماة مستبسلین و انبات مستلامین

شہسوار وقوی تھے، دلیر تھے، باوردی تھے

جلوا عن ضراغم حلیة و خفیة

پوشیدہ اور ظاہر ہتھیاروں سے لیس تھے

فمقد متھم رعال من رزیة و میمنتھم دھماء منیة

ان میں مقدمہ میں وہ پیشرو تھے جو لوہے کا لباس پہنے تھے۔ ان میں میمنہ میں وہ تھے جو بہت قوی تھے

Marfat.com

و میسرتهم علم اباء و حمیة طعانهم اشد بلیة

ان کے میسرہ میں خوددار و باحمیت لوگ تھے، ان کے نیزے سخت تکلیف پہنچانے والے تھے

واقدامهم بلا روية و صیقل قواضبهم فیصل مفسدة و قضیة

ان کے قدم ڈگمگا جانے والے نہ تھے، ان کی تلواریں جھگڑے اور فتنہ کا فیصلہ کرنے والی تھیں

صبوحهم التصبیح علی الاقران والامثال

ان کی صبح کی شراب اپنے جیسوں پر حملہ کرنا

و غبوقهم شن الغارات فی الاموال والاحمال

اور شام کی شراب (شعر) مال ومتاع کو لوٹنا تھا

الغامرون اذا دعوا لبلیة

والفارسون اذا دعوا لحمام

جب انہیں کسی مصیبت میں بلایا جائے تو وہ مردانہ وار آتے ہیں

جب انہیں موت (جنگ) کے لئے بلایا جائے تو وہ بہادرانہ آتے ہیں

فتعود والتثبیت فی ضؤ السیوف لیالیا والقتل فی الایام

تلواروں کی چھاؤں میں ثابت قدم رہنے کے عادی ہو چکے ہیں، دن رات لڑنے کے خوگر ہو چکے ہیں

فساروا بکتایب رجراحة کالزعازع نشاحة

وہ پُر جوش لشکر کی صورت میں چلے گویا تیز جھکڑ ہیں

و بیض مهتزة بالزعاف المقشب مبتز و مران مرتاحة

جو شیلے سردار جو اپنے ساتھ موت کو لے کر چلے

للبات والاکباد متاحة فطیوا منزلا فمنزلا

لہراتے نیزے لے کر چلے جن سے جگر ہل جائیں۔ منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے

وارتحلوا مرحلاثم مرحلا

مرحلہ پر مرحلہ طے کرتے ہوئے

حتی وصلوا الی حلبة الضرب والقتال

بالآخر میدان جنگ میں پہنچ گئے

و لحقوا فی دارالحرب والجدال

Marfat.com

جنگ وجدال کی جگہ جا پہنچے

واما الهنود فلما اجتمع شملهم و شتاتهم و شک زمورهم و اثباتهم

ہنود نے جب اپنے لشکر اور قوت کو جمع کیا، اپنے بہادروں کو ہتھیار پہنائے

و حرضتهم وحولهم و تراتهم و ما كان عليهم من يزب الثاى والخلل

انہیں لڑنے مرنے کا جوش دلایا۔ ان میں کوئی نہ تھا جو ان کی پراگندہ قوت کو جمع کرتا

ويسقى الغليل و يشفى العلل. حمل رتوت الجنود على جنود الهنود

جو پیاسے کو سیراب اور بیمار کو شفا دیتا۔ ان کے لشکروں نے ہنود کے لشکروں پر حملہ کردیا

لا يبالون بمدافع الضروب المستعرة الضارمة

ہنود اس زبردست حملے کی مدافعت نہ کر سکے

و لا يمترلون بالسهام المصماة الصارمة

وہ ان کے ٹھیک نشانوں پر بیٹھنے والے تیروں سے نہ بچ سکے

حتیٰ انتهوا الى حصنهم كالضبارمة

بالآخر وہ شیروں کے مانند ان کی پناہ گاہوں تک پہنچ گئے

فالتقا الفريقان فی حلقة البطان

دونوں فریقوں کے درمیان پوری شدت سے جنگ ہوئی

فطلعت شمس الحرب عليهما فاقتسما ها فيما بينهما

جنگ کا سورج دونو پر طلوع ہوا، دونو کے درمیان یوں تقسیم کی کہ

فحصل الفرنج منها على نور الفرح واليسر

انگریزوں کو آسانی و مسرت کا نور بخشا اور

و وصل الهنود على نار الترح والعسر

ہنود کو مصیبت و تنگی کی آگ

فاحمرت الارض بقضها و قضيضها و عمت القتلى فی نجدها و حضيضها

پوری زمین سرخ ہوگئی، اِدھر اُدھر مقتولین بکھرے پڑے تھے

و لم يقشع عجاج الحرب و ان انهمل صبير الدم فی الصباح والمساء

ابھی جنگ کا غبار چھٹا نہ تھا اگرچہ صبح وشام پر خون کے بادل چھاگئے

Marfat.com

و لـم يـطفوو هج المصاع و ان جادو بل النجيع و جد فی الاطفاء

ابھی جنگ کے شعلے بجھے نہیں تھے کہ وہ انہیں بجھانے کی کوشش کرنے لگے

استلحموا وتلببوا و تناضلوا فخلا

اس جنگ سے انہیں چھٹکارا نہ ملا حتیٰ کہ خالی ہو گئے

الاجسام من ارواحها والصدر من جسد

جسم روحوں سے، سینہ جسم سے

واستحزموا و تناوشوا قتلا فما ترکوا

انھوں نے پوری جانفشانی کے ساتھ جنگ کی اور نہ چھوڑی

بیضا علی راس و لا راسا علی جسد

کسی سر پر سیاہی اور نہ کسی جسم پر سر

حتی صار الجساد علی الاجساد والاکماد فی الاکباد

لاشوں پر لاشے جمع ہو گئے، اعضاء کٹ کٹ کر جگر پر گرنے لگے

و صدور العوالی فی الصدور فسالت البحور من النحور

سینوں پر سینے گر گئے، خون کے سمندر بہہ نکلے

والدامـاء من الدما کالماء من السماء

آنسوؤں کے سمندر یوں رواں ہو گئے گویا آسمان سے پانی برس رہا ہے

فلما رای الھنود ان غشاھم ما غشا ھم و ستروجه الارض قتلاھم

جب ہنود نے دیکھا کہ وہ ان پر چھا گئے ہیں، زمین کا چہرہ ان کے مقتولین سے چھپ گیا ہے

ورانت علی عقیر الضروب رنة جرحاھم

ان کے زخمیوں کی چیخ و پکار سے میدان جنگ گونج اٹھا

و خارفخارھم و دعواھم و ان اوانھم للھوان

ان کا غرور ختم ہو گیا، وہ ذلیل و رسوا ہو گئے

و حان حین الحین والامتھان

موت اور ذلت ان پر چھا گئی

وقعو فی الفزع والاضطرار و ھموا بالفرار والادبار

Marfat.com

وہ آہ وزاری کرنے لگے، میدان میں پشت دکھائی اور بھاگ جانا چاہا

و نسوا الرسم الکفاح والنطاح

مقابلہ اور نبرد آزمائی کے طریقے بھول گئے

و لم یمیزو والمساء من الصباح اهملوا المحاربة والجدال

صبح و شام کی تمیز نہ رہی، جنگ و جدال کو چھوڑ دیا

و غادروا لنزال و سیبوا الاموال و طارت هامة النخوة من ها ماتهم

لڑائی کو خیر باد کہا، غرور کا بھوت ان کے سروں سے اتر گیا

و نعیرة الخیلا من مساعیرهم و کماتهم فتبدل غناء هم بالعناء

ان کی غنا تنگ دستی میں

والصباح بالمساء والخیر بالکسر والیسر بالعسر

صبح شام میں، خیر بربادی میں، آسانی تنگی میں بدل گئی

والحلو بالمر والبرد بالحر والاکثار بالاقلال

میٹھا کڑوا ہو گیا، ٹھنڈا گرم ہو گیا، زیادتی قلت میں بدل گئی

فبالجملة صارا حسن حالهم اخس الاحوال حتی نبذوا

مختصر یہ کہ ان کا عمدہ ترین حال بدترین ہو گیا

اعلاقهم وراء ظهرهم و رکبوا باسرهم علی جسرهم

انہوں نے اپنے تعلقات کو خیر باد کہا اور وہاں سے کوچ کیا

(شعر)

ان الا لہ کذلک یجعل جهد قوم
فی المحیب و حسنهم کالذام
و شجاعهم نکسار و مصقعهم بلیدا
جاهلا و هما مهم کطغام

اللہ تعالیٰ اسی طرح کسی قوم کی کوششوں کو ناکام اور ان کی اچھائیوں کو برائیاں کر دیتا ہے، ان کی بہادری کو بزدلی اور ان کے عقلمندوں کو کند ذہن کر دیتا ہے اور انہیں پتہ بھی نہیں چلتا

فتلطخت ادبارهم اذا دبروا

Marfat.com

ان کی پشتیں زخمی ہوئیں جب انہوں نے پشت پھیری

و وجوههم من قبل فی الاقدام

اس سے پہلے جب ثابت قدم تھے تو ان کے چہروں کا بھی یہ حال ہو چکا تھا

رکبوا علی الداما لما قوتلوا

جب انہیں مارا گیا تو وہ سمندر میں کشتیوں پر سوار ہوئے

فالبیض فی ادبارهم والهام

لشکر نے ان کا پیچھا کیا

حتی تشوب ما و ها بدمائهم و تلاقت الاقمام بالاقدام

تا آنکہ سمندر کے پانی کو ان کے خون سے لت پت کر دیا، لوگوں کی جماعت ان تک جا پہنچی

فعبرت طایفة منهم بالرکض والاسراع

ان میں سے ایک طبقہ نے جلدی ہی عبرت پکڑ لی

و تخلصوا بارواحهم بالسعی والاهراع

اور اپنی جانوں کو بھاگ کر بچا لیا

واما الاخری فانقض الجسر علیها فاتلعها الماء

دوسری جماعت پر پُل ٹوٹ پڑا، انہیں پانی نے نگل لیا

وتلاطمها البحران الماء والدماء

پانی اور خون کے دو سمندروں میں وہ پھنس گئے

فتحتها البلاء و فوقها اللاواء

ان کے نیچے بھی اور اوپر بھی مصیبت تھی

فاصبحت جثتهم راسبة فی الماء لازبة

ان کے جسم پانی پر تیرتے رہے

و ارواحهم طافیة علی الماء طافحة

ان کی روحیں پانی پر تیرتی رہیں

فصارت الداهیة داهتین والبلیة بلیتین

ان کی مصیبت دوگنی ہوگئی، ان کی تکلیف دوگنی ہوگئی

Marfat.com

ضاق الحياة لاسراھم و موتھم

فیھا لھم قلق فی ذالھم حرق

زندگی ان کے لئے تنگ ہوگئی اور موت ان کے لئے دشوار اور تکلیف دہ ہوگئی

اس مجموعۂ مکاتیب میں علی اکبر کے اشپرینگر کے نام گیارہ خط موجود ہیں۔ ان میں پہلا خط یکم فروری ۱۸۵۰ء کا تحریر کردہ ہے اور آخری ۹ فروری ۱۸۵۲ء کو لکھا گیا اور یہ اس نے اپنی وفات (۲۵ جون ۱۸۵۲ء) سے تقریباً ساڑھے چار ماہ پہلے تحریر کیا۔ ان میں کچھ خط طویل ہیں اور کچھ مختصر، لیکن یہ سب اہم ہیں اور ان سے بالخصوص دہلی کالج، آگرہ کالج اور مفتی صدرالدین آزردہ کی شخصیت کے متعلق نئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔ سطور ذیل میں یہ تمام خطوط مع ضروری حواشی پیش کئے جاتے ہیں۔

ا

''غریب پرور خداوند نعمت کرم گستر دام اقبالہ (۱)

پروانہ مرحمت نشانہ حضور فیض گنجور کا پہنچا، مفتخر و ممتاز فرمایا۔ حضور کی بندہ پروری اور غریب نوازی کا میں شکرادا نہیں کرسکتا۔ علی اصغر (۲) کے واسطے جو حضور نے سعی فرمائی نہایت کرم گستری ہے۔

کمترین نے یکم فروری کو فہرست کتب خانہ منشی محمد حسن (۳) سے فراغت کلی حاصل کی۔ اگرچہ اپنی دانست میں کوئی دقیقہ کتاب بینی کا فروگذاشت نہیں کیا بلکہ ظاہر ہے کہ چشم باریک میں حضور کی سی میں کہاں سے لاؤں گا۔

کل دوئیم فروری کو روانہ ہوکر اایا ۱۲ کو انشاءاللہ حاضر خدمت فیض درجت ہوں گا۔ چار کتابیں اسماء الرجال امامیہ (۴) خاں صاحب (۵) کی اپنے ہمراہ لاتا ہوں۔ نیابت مولوی احمد علی (۶) کی چند روز کے واسطے خاکسار کو بسروچشم منظور ہے۔ بندہ کے حاضر ہونے تک اگر علی اصغر آگرہ کو نہ جائے تو البتہ بہتر ہے۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت اقبال تاباں رہے۔

عرضی

فدوی خاص علی اکبر''

اس مکتوب کی ابتدا سے پہلے یہ عبارت لکھی گئی ہے:

''دوسری عرض حضور کی خدمت [میں] یہ ہے کہ جیسے آپ نے ایک خط خاں صاحب کے واسطے روانہ فرمایا۔ ایک خط منشی صاحب کے نام بھی ارقام فرمائیں کہ ہم آپ کی مہربانی کے شکرگذار ہیں اور علی اکبر کی

Marfat.com

ایک عرضی سے واضح ہوا کہ آپ نے در باب دکھانے کتابوں کے بہت تکلیف اٹھائی اور فی الواقع اسی طرح ہے۔''

خط کے اختتام کے بعد یہ فارسی عبارت درج ہے:

''بخدمت سراپا مکرمت منشی صاحب سید اشرف علی (۷) التماس آنکہ انشاء اللہ جلد میرس وقانون روانگی مردمان درڈاک گاڑی ستوران کہ جلومیرساند صرف ازلکھنؤ تا کانہ پور است نہ در دیگر بلاد وامصار کمپنی بہادر روز انا بحار درکاری معروف می ایم ..... اگر قیام برادر علی اصغر تا ۱۲ فروری ممکن باشد بلا خرچ فبہا ورنہ خیرانچہ باشد برادر موصوف روانہ آگرہ فرمایند۔ زیادحد ادب وہمراہ من ممتاز علی ہم شریک کاری است۔''

تشریحات

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے اور اس پر مقام تحریر بھی درج نہیں، لیکن خط کی اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ تحریر علی اکبر لکھنؤ میں تھا اور اس سے اگلے روز وہ دہلی روانہ ہونے والا تھا۔ اشپرینگر شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں میں محفوظ قلمی نسخوں کی فہرست تیار کرنے لکھنؤ گیا تو اپنے ساتھ علی اکبر کو بھی لیتا گیا۔ فہرست سازی کے بعد یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر تو دہلی واپس آ گیا، لیکن علی اکبر کو لکھنؤ ہی میں چھوڑ آیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اشپرینگر لکھنؤ کے بعض اہم نجی کتاب خانوں کے مخطوطات کی فہرستیں بھی تیار کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اشپرینگر کی دہلی روانگی کے بعد بھی علی اکبر یہ کام کرتا رہا اور اس دوران میں اس نے دو بڑے کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کے کوائف جمع کر لئے۔ مکتوب نگار خود اس خط میں لکھتا ہے کہ وہ کل یعنی دوسری فروری کو دہلی روانہ ہوگا، اس سے موجودہ خط کا سنہ تحریر یکم فروری ۱۸۵۰ء برآمد ہوتا ہے۔

۲۔ یہ علی اکبر کا چھوٹا بھائی تھا۔ سنہ ولادت ۱۸۲۷ء۔ دہلی کالج میں ۱۸۴۱ء کے وسط میں داخل ہوا۔ ۱۸۴۷ء میں وہ جماعت عربی کے فریق دوم کا طالب علم تھا۔ اس جماعت کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے۔ علی اکبر تو لکھنؤ چلا گیا، لیکن وہ دہلی ہی میں مقیم رہا اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد کسی درس گاہ میں ملازمت تلاش کرتا رہا۔ علی اکبر لکھنؤ جانے کے بعد اپنے بھائی کے لیے کسی عہدے کی تلاش میں رہا اور شاید اس سلسلے میں بھی اشپرینگر ہی نے اس کی مدد کی تھی۔ اسی خط میں چند سطور کے بعد جہاں علی اصغر کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگرہ جانے والا تھا، لیکن علی اکبر نے اسے اپنے دہلی آنے تک رکنے کو کہا۔ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر کے چوتھے ڈبہ میں دو قلمی صفحات کا اشتہار موجود ہے۔ یہ اشتہار علی اصغر کا اپنا تحریر کردہ ہے اور اس کی ابتدائی عبارت سے

Marfat.com

یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آگرہ کالج میں اردو کا مدرس دوم تھا۔ غالباً اس عہدہ پر علی اصغر کا تقرر ۱۸۵۰ء میں ہوا اور اس کا حصول اشپرینگر کی مساعی کا نتیجہ تھا، لیکن اس مجموعۂ مکاتیب میں علی اصغر کا کوئی خط اشپرینگر کے نام موجود نہیں۔

اس خط کے آخر میں جو فارسی عبارت ہے، اس میں منشی اشرف علی سے یہی درخواست کی گئی ہے کہ علی اکبر کے دہلی پہنچنے یعنی ۱۲ فروری تک وہ علی اصغر کے بلا خرچ قیام کو جاری رہنے دیں۔ ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ بعض تعلیمی دستاویزات سے علی اصغر کے متعلق جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، وہ آئندہ سطور میں پیش کی جائیں گی۔

۳۔ منشی محمد حسن کانپور کی ایک علمی شخصیت تھے جن کی تحویل میں قلمی نسخوں کا اتنا اہم ذخیرہ تھا کہ اشپرینگر جیسے ماہر مخطوطات کی اس پر نظر تھی۔ اس کی فرمائش پر علی اکبر نے اس کتب خانے کی فہرست تیار کی۔ منشی محمد حسن نے اس کام میں اتنا تعاون کیا کہ علی اکبر نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ ان کا شکریہ ادا کرے۔ اشپرینگر ایسے نجی کتب خانوں کی فہارس اس لیے تیار کراتا تھا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ ان میں اس کے ذوق کی کون کون سی کتاب موجود ہے اور جب کبھی یہ کتاب خانے فروخت ہوں، تو وہ اپنے معاونین کی وساطت سے ان مخطوطات کو خرید سکے۔ یہ فہرست بھی اس نے اسی مقصد کے لیے مرتب کرائی، لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے اس کتب خانے کے نوادرات ہاتھ لگے یا نہیں۔

برلین (مغربی) کے کتب خانے میں اشپرینگر کے جو ذاتی کاغذات و دستاویزات محفوظ ہیں، ان میں شمالی ہند کے مختلف شہروں کے بڑے مطابع کی مطبوعات اور شائقین علم و ادب کے ذاتی کتاب خانوں کی متعدد فہرستیں پڑی ہوئی ہیں۔ منشی محمد حسن کی یہ فہرست اسی ذخیرۂ اشپرینگر کے چوتھے ذخیرے میں محفوظ ہے۔ اس کے شروع میں اشپرینگر نے اپنے قلم سے یہ نوٹ لکھا ہے

"Catalogue of the Library of Munshi Mohammad Hasan at Cawnpore transcribed for me from his MS. Catalogue in January 1847."

اس فہرست کے اوراق کی تعداد ۳۳ ہے۔ دبیز کاغذ اور جلی قلم استعمال ہوا ہے اور یہ خط نستعلیق ہے۔ ابتدا میں "فہرست کتابہای محمد حسن ساکن کانپور" کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس فہرست میں کل ۸۱۰ عربی اور فارسی مخطوطات کا ذکر کیا گیا ہے۔ فہرست کو ان عنوانات میں تقسیم کیا گیا ہے: کلام اللہ، تفسیر، تتمہ کتب تفسیر، کتب حدیث، کتب اصول فقہ، کتب لغت (اس کے بعد ایک ورق پر اشپرینگر نے نوٹ

تنسیخ کھینچ دیا ہے، کیونکہ اس کے تحت درج کردہ کتب کا لغت کے موضوع سے تعلق نہیں) کتب علم صرف، کتب نحو، کتب علم بلاغت، کتب عروض، کتب ادب، کتب سیر و تواریخ، کتب تصوف، کتب ریاضیہ، کتب علم حکمت، کتب منطق، کتب علم کلام، کتب قرأۃ، کتب فروغ فقہ، کتب فرایض، کتب طب، کتب علم مناظرہ، کتب علم حساب، کتب امامیہ، کتب فارسی وغیرہ۔

اس کتاب خانہ کے خاص خاص مخطوطات یہ ہیں: ترجمہ کلام اللہ از مولوی عبدالقادر مرحوم، ترجمہ کلام اللہ از مولوی رفیع الدین، ترجمہ شاہ ولی اللہ، مناقب حیدریہ از شیخ احمد عرب، مروج الذہب، اجزائے واقدی مجلد، ابن کثیر (مع مختصر انگریزی نوٹ از اشپرینگر)، تاریخ یمینی، احیاء العلوم، ترجمہ فصوص الحکم، فتوحات مکیہ نصف آخر، فصوص الحکم مع چار شروح برحاشیہ، شرح فصوص ناقص، لغت ہندی از خان آرزو، شرح گلستان از محمد اکرم ملتانی، دیوان شاہی درترکی، تاریخ راجہ بنارس، زلیخا جامی تصویر دار، آمد نامہ پشتو، مثنوی غنیمت، مثنوی ہندی تصنیف مولوی غلام ضامن، تذکرۃ المعاصرین شیخ علی حزیں، رسالہ نالہ درداز خواجہ میر درد، دیوان رفیع السودا، دبستان مذاہب، ہفت قلزم در چہار جلد، بعضے از محاکمات مولوی رشید الدین خاں از مولوی دلدار علی وغیرہ۔

۴۔ اشپرینگر نے مولوی عبدالحق (استاد مدرسۂ عالیہ) کے تعاون سے طوسی (۳۸۵ھ-۴۵۹ھ/ ۹۹۵ء-۱۰۶۷ء) کی ''فہرست کتب الشیعۃ'' کلکتے سے شائع کرائی تھی۔ (ببلیوتیکا انڈیکا، شمارہ ۶۰، ۷۱، ۹۱، ۱۰۷، ۱۸۵۳ء-۱۸۵۴ء)۔ اس کے شروع میں اس نے جو انگریزی دیباچہ لکھا، اس میں اسماء الرجال امامیہ کی ان چار کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں پہلی تو طوسی کی یہی فہرست ہے، جو اہل تشیع کے مستند مصادر میں شامل ہے۔ (مطبوعہ نجف ۱۹۶۱ء و مشہد ۱۹۷۸ء)۔ اشپرینگر نے اس کا متن تین قلمی نسخوں کی مدد سے تیار کیا تھا۔ ان میں ایک نسخہ موتی محل (لکھنؤ) میں محفوظ تھا۔ دوسرا مجتہد مولوی میرن صاحب کی ملکیت تھا اور ان سے اشپرینگر کے دوستانہ مراسم تھے۔ تیسرا اور عمدہ ترین نسخہ اس کے ایک اور دوست نواب مظہر حسین کے پاس تھا۔ اس خط میں جن چار کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ خاں صاحب کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھیں، لیکن اشپرینگر نے اپنے دیباچے میں صرف انھی تین نسخوں کا حوالہ دیا ہے۔ اشپرینگر نے ''فہرست طوسی'' کے اس ایڈیشن کے ہمراہ حسن بن یوسف بن المطہر علی (۶۴۸ھ-۷۲۶ھ/۱۲۵۰ء-۱۳۲۵ء) کی ''ایضاح الاشتباہ فی اسماء الرواۃ'' کو بھی شائع کرا دیا تھا۔ (رک: براکلمان، ۲: ۲۰۸؛ الذریعۃ ۲: ۴۹۳، شمارہ ۱۹۳۴)۔ اس کے خیال میں ''ایضاح'' کے بغیر ''فہرست طوسی'' نامکمل ہے۔ اشپرینگر نے ''ایضاح'' کا جو نسخہ شائع کرایا اسے محسن کاشانی کے بیٹے

Marfat.com

عالم الہدیٰ نے ۱۰۷۳ھ میں تیار کیا تھا۔ اس کے پاس ''ایضاح'' کے دو قلمی نسخے موجود تھے، جواب بھی برلین (مغربی) میں موجود ہیں۔ (رک: اہلوارٹ ۹: ۵۱۷-۵۱۸؛ فہرست اشپرینگر، شمارہ ۳۰۸) نیز رک: براکلمان ۱: ۴۰۵-۴۰۶ (۵۱۲-۵۱۳)؛ ذ ۱: ۷۰۶-۷۰۷؛ الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ تالیف آقا بزرگ الطہرانی۔ نجف وزاد فیہ ابن المؤلف احمد المنزوی، طبع ثانی، تہران ۱۹۷۲ء، ۱۹: ۳۸۴، شمارہ ۱۷۹۰۔

اشپرینگر نے اس سلسلے کی دوسری کتاب احمد بن علی نجاشی (۳۷۲ھ-۴۵۰ھ/۹۸۲ء-۱۰۵۸ء) کی ''اسماء الرجال'' بتائی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"It was originally my intention to publish it instead of the Fihrist or along with it, and in 1848 when I was at Lucnow I prepared for this purpose, a copy of it founded upon an old MS. but when I commenced printing it, I found it was not sufficientyly correct to enable me to proceed. I was therefore obliged to desist from my purpose at least for the present."

نیز رک: براکلمان ذ ۱: ۵۵۶؛ الذریعۃ ۱: ۱۵۴-۱۵۵ شمارہ ۲۷۹۔

تیسری کتاب کا عنوان ''معالم العلماء فی فہرست کتب الشیعۃ'' ہے، جس کے مؤلف کا نام رشید الدین محمد بن علی ابن شہرآشوب (م-۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء) ہے۔ بقول اشپرینگر یہ ''فہرست طوسی'' ہی کا ضمیمہ ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اس کی ذاتی ملکیت تھا، لیکن اس کے خیال میں یہ نامکمل تھا اور اگر مکمل تھا تو کچھ زیادہ اہم نہیں تھا۔

رک: الذریعۃ ۱۰: ۸۶ شمارہ ۱۵۹، ۱۲۱: ۲۰۱ شمارہ ۲۶۰۶۔ مرتبہ عباس اقبال، تہران ۱۹۳۴ء۔

چوتھی کتاب کا عنوان اشپرینگر نے ''امل الآمل فی علماء جبل عامل'' بتایا ہے۔ اس کا مؤلف محمد حسن عاملی (۱۰۳۳ھ-۱۱۰۴ھ/۱۶۲۴ء-۱۶۹۳ء) ہے اور یہ ۱۰۹۷ھ میں لکھی گئی۔ اس نے اسے معتبر کتاب قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ اس وقت اس کا ہندوستان میں صرف ایک ہی قلمی نسخہ موجود ہے۔

رک: براکلمان ۲: ۴۱۲ (۵۴۲)، ذ ۲: ۵۷۸-۵۷۹؛ الذریعۃ ۲: ۳۵۰ شمارہ ۱۴۰۰؛ طبع تہران ۱۳۰۷ھ (مع ''منہج المقال'' مؤلفہ محمد الاسترآبادی، ص ۴۲۲-۵۰۷)۔

Marfat.com

علی اکبر یہ چاروں قلمی نسخے اپنے ساتھ دہلی لے آیا اور اشپرینگر نے انھیں خرید لیا۔ ان چاروں قلمی نسخوں کا مختصر ساذکر اس نے اپنی ''فہرست'' (۱۸۵۷ء) میں کیا ہے۔ رک: ص ۲۱، شمارہ ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۹، ۳۱۰۔ یہ تمام نسخے اب برلین (مغربی) کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔ ان کے مختصر کوائف درج ذیل ہیں:

(الف) اسماء الرجال لاحمد النجاشی۔ اوراق ۱۱۱۔ پہلے صفحہ پر اشپرینگر نے اپنے قلم سے یہ عنوان تحریر کیا ہے۔ آخری صفحہ پر ۱۸۴۰ء مرقوم ہے۔

(تفصیل کے لیے رک: اہلوارٹ ۹: ۴۵۱-۴۵۲، شمارہ ۱۰۰۴۴)

(ب) فہرست اعیان الشیعیۃ وتصانیفھم۔ تالیف محمد بن الحسن بن علی الطوسی۔ اوراق ۱۱۳۔ اس کے آخر میں بھی ۱۸۴۰ء ہی درج ہے۔

(ایضاً ۹: ۴۵۲-۴۵۳، شمارہ ۱۰۰۴۵)

(ج) معالم العلماء فی فہرست کتب الشعیۃ۔ تالیف رشید الدین محمد بن علی شہر آشوب الہروی، در مجموعہ ورق ۸۶-۹۴۔

(ایضاً ۹: ۴۵۳، شمارہ ۱۰۰۴۷)

(د) امل الآمل فی علماء جبل عامل۔ تالیف محمد بن الحسن بن علی الحر العاملی المشغری اوراق ۲۲۱۔ یہ نقل ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں مکمل ہوئی۔

(ایضاً ۹: ۴۵۴، شمارہ ۱۰۰۴۹)

۵۔ یہ خان صاحب لکھنؤ کی علم دوست شخصیت معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا بھی ایک ذاتی کتب خانہ تھا اور اشپرینگر اس کے مخطوطات کی فہرست علی اکبر سے مرتب کرانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے خان صاحب کو براہ راست یہ خط تحریر کیا تھا کہ وہ اپنے کتاب خانے کی فہرست تیار کرانے میں علی اکبر کی مدد کریں۔

یہ خان صاحب کون تھے؟ موجودہ خط سے اس سوال کا جواب نہیں ملتا، البتہ اشپرینگر کے ایک اور قریبی ساتھی سید برکت علی کے چند خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خان صاحب کا پورا نام نواب محمد میر خاں تھا۔ وہ ایک نادر کتب خانہ کے مالک تھے اور اشپرینگر اس کتاب خانے کو خریدنا چاہتا تھا۔ سید برکت علی ان دنوں لکھنؤ ہی میں تھے اور اشپرینگر کے قیام لکھنؤ کے دوران میں وہ اس کے رفقائے کار میں شامل تھے (ان کے اشپرینگر کے نام خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جارہے ہیں)۔ ایک خط (بلا تاریخ) میں برکت علی لکھتے ہیں'' ......اور واسطے کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کے بھی جو منظور ہو

Marfat.com

لکھیں۔'' دوسرے مکتوب (بابت ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) میں وہ یوں رقم طراز ہیں کہ ''ٹیلر صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کا خریدنا چاہتے ہیں لیکن میری رائے میں تمام کتب خانہ خریدنا مناسب نہیں اور اس میں نقصان ہوگا۔ اس واسطے کہ قیمت بہت مانگتے ہیں، بلکہ جو کتابیں کہ مطلوب ہیں، اون کو خرید فرماویں۔'' اشپرینگر نے علی اکبر سے اس کتاب خانے کی فہرست ۱۸۵۰ء کے اوائل میں تیار کرائی تھی، لیکن وہ اسے ۱۸۵۱ء کے اواخر تک نہ خرید سکا۔ اس کے بعد اس نے یہ تمام کتب خانہ خرید لیا یا سید برکت علی کی تجویز کے مطابق اس نے صرف منتخبہ قلمی نسخوں کو خریدا، اس کے بارے میں ان خطوط سے کچھ پتا نہیں چلتا۔ اس کے علاوہ اشپرینگر نے خان صاحب کے کتاب خانے کی جو فہرست تیار کرائی تھی، وہ بھی اس کے مجموعۂ دستاویزات میں موجود نہیں۔

۶۔ مولوی احمد علی دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے اور پھر یہیں فارسی کے معلم مقرر ہوئے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال جماعت سوم فارسی کے استاد تھے۔ بقول کریم الدین پانی پتی وہ کالج میں مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب ۳۵ برس تھی (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۴)۔ ۱۸۴۹ء کے شروع میں وہ ایک سال کی طویل رخصت پر چلے گئے۔ اگلے سال انھوں نے واپس آنا تھا، لیکن کسی وجہ سے نہ آسکے۔ ان کی غیر حاضری سے فارسی کے مدرس کا عہدہ خالی پڑا ہوا تھا، چنانچہ اس عہدہ پر علی اکبر کا عارضی تقرر ہو گیا۔ اس تقرر کو اس نے قبول کر لیا اور لکھنؤ سے واپس دہلی پہنچتے ہی اس نے کالج میں فارسی پڑھانا شروع کر دیا۔ مولوی احمد علی کے اس عہدہ پر علی اکبر کی تقرری کی مزید تفصیلات سطور بالا میں پیش کی جا چکی ہیں۔

مولوی احمد علی کی معروف کتاب اردو قواعد پر ہے، جو ''چشمۂ فیض'' یا ''فیض کا چشمہ'' کے عنوان سے تحت پہلی بار ۱۸۴۵ء میں طبع ہوئی۔ (در مطبع اردو اخبار، صفحات ۳۴، فی صفحہ ۲۰ سطر) کتاب کے ابتدائیے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشپرینگر کی فرمائش پر لکھی گئی۔ برٹش لائبریری (لندن) میں اس گرامر کا جو نسخہ موجود ہے، اس کے آخر میں اس کا سنہ تالیف ۱۸۴۳ء درج ہے۔ متعلقہ عبارت یہ ہے:

''رسالہ فیض کا چشمہ بیچ قواعد صرف اور نحو زبان اردو میں مولوی احمد علی صاحب مدرس دہلی نے بیچ اٹھارہ سو تینتالیس میں تصنیف کیا۔''

(رک: فہرست مخطوطات اردو (انگریزی) مرتبہ سلیم الدین قریشی، برٹش لائبریری، لندن ۱۹۷۸ء، ص ۵۰، شمارہ ۵۱)

ممکن ہے، یہ قواعد ۱۸۴۳ء میں مکمل ہوئی ہو اور ۱۸۴۵ء میں اشپرینگر نے اسے پہلی بار شائع کیا ہو۔

Marfat.com

ہو۔اس عبارت سے ایک یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مولوی احمد علی ۱۸۴۳ء میں بھی دہلی کالج میں مدرس تھے۔اس سے ان کے زمانہ تدریس کا جو پانچ سال (۱۸۴۳ء-۱۸۴۸ء) سے کسی طرح کم نہیں، تعین ہوتا ہے۔ یہ قواعد اتنی پسند کی گئی کہ بعد میں اس کے کئی ایڈیشن چھپے۔ ۱۸۴۷ء میں یہ ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے شائع ہوئی اور ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۰ء میں بھی اس کے ایک ایک سو کے ایڈیشن طبع ہوئے۔(بحوالہ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۸۸، ۱۸۹)۔

مولوی احمد علی نے جو کتابیں لکھیں یا جن کے ترجمے میں حصہ لیا، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) نصاب غرایب: فارسی فرہنگ اردو نظم میں۔ یہ آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے ۱۸۵۰ء میں طبع ہوئی۔(بحوالہ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۵۰)

(ب) رسالہ تحرک الاعضاء: مطبوعہ آگرہ (رک: گارسیں دتاسی ۱: ۱۶۰-۱۶۱، بذیل ''مولوی میر احمد علی'')۔

(ج) تواریخ ہند: اس کے تین حصے تھے۔ حصہ دوم میں ''سیر المتاخرین'' کا خلاصہ تھا اور اس کا ترجمہ مولوی امام بخش صہبائی، مولوی سبحان بخش شکار پوری اور مولوی احمد علی نے مل کر کیا تھا۔ یہ حصہ دہلی کے مطبع دار السلام سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔

(د) جغرافیہ در فارسی: مطبوعہ حرفی بحکم ٹامسن (دہلی)۔ صفحات ۲۲۰

(ہ) ترجمہ نسخہ رہنما یعنی قانون مال از فارسی بار دو: مترجمین میں مولوی احمد علی بھی شامل تھے۔ یہ ترجمہ مطبع اردو اخبار سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ صفحات ۹۳۴، فی صفحہ ۱۸ سطور۔

مؤخر الذکر تین کتابوں کا ذکر اشپرینگر نے اپنے نجی کاغذات میں کیا ہے، جو اس وقت برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں۔

مولوی احمد علی طبیب بھی تھے اور امراض کی تشخیص میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ بہت مخلص، متین، اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ ان کا تخلص احمد تھا۔ ان کے اردو شعر نہیں ملتے، البتہ اس وقت فارسی کے یہ چند اشعار دستیاب ہیں۔

ساقی بیا با جام مے ایں لطف در جنت کجا
آں جا بہار دیگر و ایں جا بہار دیگر است

اختر امید از برج جلال آمد پدید
نیر اقبال بر اوج کمال آمد پدید

Marfat.com

شکر ریزد را کہ نخل آرزو شد پر ثمر
کوکب تابندہ باجاہ و جلال آمد پدید

رک: گلستان سخن از قادر بخش صابر، ص ۳۸۱؛ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، ص ۸۹۔ ''دہلی کالج کے چند شاعر''۔

مولوی احمد علی کی حیات وتصانیف کے متذکرہ بالا مآخذ کے علاوہ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۹۲ شمارہ ۱۶۷۳؛ مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ص ۱۵۴

۷۔ اشرف علی دہلی کالج کے منشی اور مطبع العلوم کے مہتمم تھے۔ ان کے مفصل سوانح حیات اور اشپرینگر کے نام خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔ انھوں نے اشپرینگر کو ایک خط لکھنؤ بھیجا، جس میں علی اکبر اور اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس خط (سنہ تحریر، تخمیناً بعد مارچ ۱۸۴۸ء) کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

''دوسری عرض یہ ہے کہ حضور مولوی علی اکبر کو حکم دیں کہ جو میر حسین علی بابت قیمت سنگ پالش کے اون سے طلب کریں، وہ اپنے پاس سے دے کر مجکو اطلاع دیں۔ یہاں میں علی اصغر کو دے دوں گا۔''

منشی اشرف علی کے ایک اور خط کے ہمراہ ایک مختصر سی فارسی عبارت لکھی گئی ہے، جس کا حکم مکتوب نگار کے قلم سے مختلف ہے۔ یہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن اندازاً یہ ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا۔ متعلقہ عبارت درج ذیل ہے:

''بخدمت مولوی سید علی اکبر بعد از سلام و دعا واضح میکنم کہ سید محمد ہاشم حسب الایماء الصاحب بوطن اندوا ینجا بہمہ وجوہ بخانہ شما خیریت ہست و مولوی مملوک العلی صاحب ہستم برائے شادی محمد یعقوب عازم وطن شدہ اند و بامر خیریت ہست۔''

۲

''غریب پرور سلامت

۲۹ اکتوبر فدوی دہلی میں پہنچا اور ۲۲ کو شملہ سے چلا تھا (۱)۔ ٹیلر صاحب بہادر (۲) نے بموجب ایماء حضور کے کارگل صاحب (۳) سے کہہ کر علاقہ مولوی احمد علی کا پھر مجکو دلوا دیا ہے (۴)۔ مولوی مذکور اب نہ آویں گے۔ لیکن حاصل ہونا اس علاقہ کا میرے اختیار سفر کو پھر مانع نہیں ہے۔ میں منتظر جواب باصواب ہوں اور پا بر کاب۔

Marfat.com

پہلے حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ پارکاب میم صاحبہ دام اقبالہا کی کشتی میں آئیو۔ سواب ٹیلر صاحب سے معلوم ہوا کہ جناب میم صاحبہ پالکی میں دلی تک اور یہاں سے گاڑی کی ڈاک میں تشریف لے جائیں گی۔ اس سبب سے میں شرف استصحاب خدمت میم صاحبہ سے محروم رہوں گا۔

اور مجھے اپنے حق میں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب تک میرے واسطے کوئی عہدہ حضور پُرنور تجویز فرمائیں، میں یہاں اقامت کروں اور بروقت تجویز عہدہ فوراً یہاں سے رخصت ہو کر شرف پابوس بندگان عالی حاصل کروں۔ غالباً یہی حضور کے نزدیک بھی مناسب ہوگا۔

مجکو بسبب نہ خالی ہونے عہدہ معلوم کے بہت تأسف ہوا۔ اب غالب یہ ہے کہ کوئی مدرس صاحب عہدہ جلیل اوس عہدہ احمد کبیر پر کلکتہ ہی میں سے مقرر ہوگا۔ اگر اوس کا عہدہ فدوی کو مرحمت ہوگا، عین پرورش حضور وز ہے نصیب خاکسار۔ اگر اوایل فروری میں بھی حضور فدوی کو یاد فرمائیں گے تو میں فوراً چلوں گا، اس واسطے کہ گرمی زیادہ نہ ہوگی (۵)۔

عرضی مولوی محمد مظہر (٦) کی ملفوف ہے۔ باعث اون کی عرضی لکھنے کا یہ ہے کہ علی اکبر چونکہ کلکتہ کو بالضرور جائے گا، علاقہ مولوی احمد علی کا بعد اوس کے ہم کو ملے گا۔ لیکن اب صورت اوس کی دگرگوں ہو گئی یعنی سرکار میں استحقاق روشن علی (۷) کا ثابت ہو گیا۔ میرے بعد وہ علاقہ اوسی کو ملے گا۔ مجکو بھی وہ علاقہ ملنا مشکل تھا مگر صرف حضور کے اقبال سے حاصل ہوا (۸)، ورنہ مجکو کون پوچھتا۔ چنانچہ ٹیلر صاحب مجھ سے فرماتے تھے کہ تو ہی تھا جو یہ علاقہ تجکو مل گیا اور کسی کو ہرگز نہ ملتا۔ اسی سبب سے اونھوں نے مضطر ہو کر حضور کو لکھا اور سوا ارتکاب سفر کے اور کچھ نہیں بن پڑتا۔ اگر مولوی مملوک العلی اور ٹیلر صاحب میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ مذکور محمد مظہر کو مل جاتا، کیونکہ اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب کو حاصل ہے، لیکن مولوی صاحب ایسے عقلمند ہیں کہ ٹیلر صاحب سے ناحق بگاڑ اور خلاف کر رکھا ہے۔ تمام مدرسہ کے باب میں جو مشورہ وغیرہ منظور ہوتا ہے، ٹیلر صاحب مولوی سید محمد (۹) کو بلاتے ہیں۔ آمد و رفت مولوی مملوک العلی کی اون کے پاس بالکل ترک ہو گئی ہے اور فی الواقع مولوی مملوک العلی اون کا ہر بات میں خلاف کرتے ہیں (۱۰)۔

چند اجزاء تاریخ ابن حبان کے حضور کے پاس ہیں (۱۱)۔ مجھ سے مولوی مملوک العلی نے طلب کیے۔ مجھے مطلق یاد نہیں اور نہ شملہ سے چلتے وقت یاد آئے اور نہ حضور کو یاد تھے۔ مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ مجکو بروقت تشریف لانے حضور کے اور واپس لینے ''مفردات'' (۱۲) کے یاد تھے، لیکن کہنا مناسب نہ جانا۔ اون اجزا کو بھولکڑ پن میں ٹیلر صاحب کی خدمت میں بھیج دیے۔

مولوی صاحب کا ارادہ ہے کہ ''باب الحماسہ'' چھپوا دیں (۱۳)۔ اس طرح کہ ضروریات شرح

Marfat.com

حاشیہ پر ہو۔ اور مجھے اوس کے انتخاب کو کہتے ہیں، لیکن میرے نزدیک اوس کا چھاپنا اس طرح برا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شرح اشعار و جز شعر و قصہ و صحر شاعر مختصراً کتاب کے اندر ہو اور بعضے شعر و شاعر کا حال ''حماسہ'' میں کچھ نہیں لکھا اور ''اغانی'' میں اوس کا حال موجود ہے۔ یہ بھی بہتر ہے کہ ''اغانی'' میں سے کچھ کچھ حال لکھوں۔ سو یہ بدون حاضر ہونے وہاں کے غیر ممکن ہے۔

آخر دسمبر میں ارادہ ماسٹر رام چندر کا بھی سیر کلکتہ کا ہے۔ نصف جنوری سے نصف مارچ تک رخصت لیں گے (۱۴)۔

مولوی مملوک العلی نے پہلے یہ چاہا تھا کہ اپنی جائے محمد مظہر کو قائم مقام کریں، وہ نامنظور ہوا۔ پھر یہ چاہا کہ مدرس سویم کی جائے اپنے بیٹے محمد یعقوب کو مقرر کریں، یہ بھی نامنظور ہوا۔ اس سبب سے اون کا عزم کلکتہ کا زیادہ سست ہو گیا (۱۵)۔ گفتگو ان درخواستوں کی صرف ٹیلر صاحب سے کی تھی۔ انہوں نے خلاف سررشتہ تصور فرما کر منظور نہ کی۔ تعجب یہ ہے کہ مولوی سید محمد کی بھی رائے یہ تھی کہ مولوی صاحب کلکتہ نہ جائیں اور بہت منع کرتے تھے۔ مفتی صدرالدین (۱۶) نے بھی بہت منع کیا بلکہ یہ سنا ہے کہ باعث اون کے نہ جانے کے وہی تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب مجھ سے خود کہتے تھے کہ مفتی صاحب کا یہ قول تھا کہ تم کلکتہ گئے اور مرے اور مرے اور جہنم میں گئے۔ یعنی وہاں کے لوگ متنفر ہیں اور جو وہاں جاتا ہے، نصاریٰ ہو جاتا ہے۔ وجہ ممانعت مفتی کی مولوی صاحب نہیں سمجھے اور وہ یہ تھی کہ مفتی صاحب کو حسد و رشک لانہایت ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی اون کے احبا یا اقربا یا شاگردوں میں سے عہدۂ جلیل پر منصوب ہو اور آخر کو شاید اون سے برتر اور بلند مرتبہ ہو جائے۔ چنانچہ اس بات کو سب جانتے ہیں (۱۷)۔

یہاں گرمی اور بیماری تپ و لرزہ بدستور ہے۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال از افق امانی و امالی درخشاں باد۔

عرضی

علی اکبر، معروضہ ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء''

تشریحات:

۱۔ ان دنوں اشپرینگر بیوی بچوں سمیت شملہ میں مقیم تھا اور علی اکبر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اشپرینگر کا یہ معمول تھا کہ جب بھی وہ کسی صحت افزا مقام پر جاتا، لکھنے پڑھنے کے لیے ضروری کتابیں اپنے ساتھ رکھتا۔ علی اکبر کو بھی ہمراہ لے جانے کا یہی مقصد تھا کہ وہ مختلف مصادر سے اس کے لیے معلومات فراہم کرتا رہے۔ اس کے علاوہ وہ شاہان اودھ کے کتاب خانوں کے قلمی نسخوں کی جو تفصیلات جمع کر چکا

Marfat.com

تھا، انھیں سلیقے سے ترتیب دے کر قابل طباعت بنانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے وہ علی اکبر کو ایسی مقامات پر ساتھ لے جاتا اور وہ اس کی نگرانی میں کام کرتا۔ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں بعض فہارسِ کتب ایسی ہیں، جن پر اشپرینگر نے اپنے قلم سے Done. Simla 10 Oct. 1850 لکھا ہے۔ اس کے بعد کی تاریخ ۱۴ اکتوبر کی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علی اکبر شملہ سے روانگی سے تقریباً ایک ہفتہ قبل اشپرینگر وہیں تھا۔ اشپرینگر پہلے روانہ ہوا، کیونکہ اسے کلکتہ پہنچنا تھا۔ علی اکبر نے اس کے افراد خانہ کے ساتھ آنا تھا، لیکن وہ دہلی پہنچ گیا اور اس کے بعد اشپرنگر کے بیوی بچے براستہ دہلی کلکتہ روانہ ہوئے۔

۲۔ ٹیلر برسوں دہلی کالج سے منسلک رہا۔ وہ یہاں معلم تھا۔ اشپرینگر کے لکھنؤ جانے کے بعد وہ دہلی کالج کا قائمقام پرنسپل مقرر رہا۔ یکم جولائی ۱۸۵۰ء میں کارگل کو عہدۂ پرنسپلی تفویض ہوا، لیکن اس کے بعد بھی کالج کے معاملات میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا اور وہ کالج سے متعلقہ تمام تعلیمی اور انتظامی امور میں دخیل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علی اکبر کو اس کی سفارش پر کالج میں عارضی ملازمت مل گئی۔

۳۔ اشپرینگر کے پرنسپل مدرسۂ عالیہ مقرر ہونے کے بعد ۱۸۵۰ء میں جے کارگل دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا (تنخواہ ۶۰۰ روپے ماہوار)۔ وہ ۱۸۵۴ء تک اس عہدہ پر کام کرتا رہا۔ اس کے بعد پھر ٹیلر کو اس کی جگہ پرنسپل بنا دیا گیا اور ۱۸۵۷ء تک وہی اس اُدارے کا کرتا دھرتا رہا۔

۴۔ علی اکبر اسی سال وسط فروری میں لکھنؤ سے دہلی واپس آیا اور آتے ہی اسے مولوی احمد علی کے عہدہ پر عارضی طور پر تعینات کر دیا گیا۔ وہ چند ماہ یہاں فارسی پڑھاتا رہا، لیکن پھر کسی وجہ سے اس کی یہ ملازمت ختم ہوگئی۔ اب شملہ سے واپسی پر اسے ایک بار پھر عہدۂ احمد علی تفویض ہوا۔ وہ اس عہدہ کی غیر مستقلی سے مطمئن نہیں تھا اور کسی بہتر اور مستقل ملازمت کی تلاش میں تھا، لیکن جب ایسی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو اسے مجبوراً اس عارضی عہدہ پر کام کرنا پڑا۔

۵۔ علی اکبر کو دہلی آتے ہی معلوم ہوا کہ مدرسۂ عالیہ میں احمد کبیر مرحوم کا عہدۂ امینی خالی ہے اور اشپرینگر اس کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش میں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ مدرسہ ہی کے کسی شخص کو یہ عہدہ تفویض ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو وہ بھی اس عہدے کے امیدواروں میں شامل ہے۔ عہدۂ احمد کبیر کے متعلق تفصیلات مولوی مملوک العلی نانوتوی اور مولانا سدید الدین خاں کے مکتوبات کے تحت لکھی جا چکی ہیں اور اس ضمن میں کچھ مزید باتیں علی اکبر کے آئندہ دو خطوط میں درج ہوں گی۔

۶۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی (۱۸۲۱ء-۱۸۸۵ء)۔ مشاہیر نانوتہ میں ان کا نام بھی شامل ہے۔ مولوی مملوک

Marfat.com

العلی نانوتوی کے قریبی عزیز اور شاگرد، مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا محمد منیر نانوتوی کے بڑے بھائی اور علی اکبر کے قریبی دوست۔ ان کے مفصل حالات اور اشپرینگر کے نام خطوط سابقہ سطور میں درج ہو چکے ہیں۔

مولانا محمد مظہر کی یہ عرضی (بابت ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء) ان کے مکتوبات کے تحت شائع ہو چکی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ان دنوں بیکار تھے۔ علی اکبر دہلی کالج میں مولوی احمد علی کے عہدہ (مدرس سوم، فارسی) پر فائز تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس کے کلکتہ جانے کے بعد یہ عہدہ مولانا کو مل جائے، لیکن ایسا نہ ہو سکا اور ان کے بجائے روشن علی کو اس عہدہ کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ مولانا جب ادھر سے مایوس ہو گئے، تو انہوں نے اشپرینگر کو خط لکھا کہ اگر کلکتہ میں ملازمت کی کوئی صورت نکل آئی تو وہ علی اکبر کے ساتھ ہی چل پڑیں گے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''فدوی اب تک بیکار ہے...... ارادہ مولوی علی اکبر صاحب کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا مصمم معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے فدوی یہ تمنا رکھتا ہے کہ اگر کوئی علاقہ وہاں فدوی کے واسطے بھی ممکن ہو تو ہمراہ مولوی مذکور کے خدمت عالیہ فیض درجت میں حاضر ہوں...... اگر ہمراہی میری اور مولوی علی اکبر صاحب کی اس سفر میں ہو تو نہایت خوشی اور آرزو ہے۔''

علی اکبر اور مولانا محمد مظہر دونوں کلکتہ تو نہ جا سکے، البتہ انہیں جلد ہی مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی کی کچہری میں بطور ناظر اور سررشتہ دار ملازمت مل گئی۔ مولانا کو یہ ملازمت راس نہ آئی اور وہ ۱۶ دسمبر ۱۸۵۰ء کو میکلاگن کی دعوت پر روڑکی چلے گئے۔ وہاں ان کی تنخواہ تیس روپے ماہوار مقرر ہوئی۔

۷۔ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے بڑے بھائی تھے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے تلامذہ میں تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی یعنی احمد علی محدث نے دہلی میں جو مطبع قائم کیا تھا، اس کے مالکان میں مولانا مملوک العلی اور روشن علی شامل تھے۔ بحوالہ قلمی بیاض متعلقہ ''مختصر واقعات و سوانح ...... احمد علی محدث'' نوشتہ مولوی مظہر الحق۔ اس بیاض کا حوالہ بذیل مکاتیب مملوک العلی نانوتوی دیا جا چکا ہے۔

۸۔ جنرل کمیٹی برائے پبلک انسٹرکشن (بابت ۱۸۵۲ء)

"The services of Dr. Sprenger were placed at the disposal of the Government of Bengal in May 1850, and the present Principal joined his appointment on the 2nd September following, the duties of Principal having previously been

Marfat.com

carried on by Mr. F.F. Taylor, and discharged to the satisfaction of His Honor the Lieutenant Governor, and the Members of the Local Committee of Public Instruction. The only other change of importance took place in the Establishment was the leave of absence for one year granted to Mawlawy Ahmad Ali, and the appointment of Mawlawy Ali Akbar in his room."

۹۔ مولوی سید محمد دہلی کالج کے پرانے طالب علموں میں سے تھے۔ مولوی رشید الدین خاں (م۔ ۱۸۴۷ء) کے شاگرد تھے۔ تعلیم مکمل ہوئی تو اسی کالج کے شعبہ عربی سے منسلک ہو گئے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال مدرس جماعت دوم عربی تھے۔ اس جماعت کے دو فریق تھے اور ان دونو کے طلبہ کی تعداد پندرہ تھی۔ فریق اول اور فریق دوم میں پڑھائے جانے والے مضامین یہ تھے: شرح ملا (نصف)، شرح تہذیب (تمام)، کلیلہ و دمنہ (نصف اخیر)، مسعودی، قدوری (نصف اول)، علم مثلث، تاریخ، جبر و مقابلہ، مقناطیس، تحریر، کافیہ، ایساغوجی اور علم طبیعی۔ مولوی عبدالحق نے مولوی سید محمد کی جماعت کے طالب علموں کی تعداد آٹھ لکھی ہے اور ان کے نصابی مضامین اس رجسٹر کے مضامین سے مختلف ہیں (رک: مرحوم دہلی کالج، طبع دوم، ص ۷۶) ممکن ہے، شعبۂ عربی کے یہ مضامین ۱۸۴۷ء سے پہلے کے ہوں۔ البتہ انھوں نے شعبہ عربی کے نصاب (برائے ۱۸۴۷ء) کی جو تفصیل دی ہے (ایضاً، ص ۷۹-۸۰)، اُس میں اور اس رجسٹر کے مضامین میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ حیرت ہے، مولوی صاحب نے جہاں دہلی کالج کے شعبۂ مشرقی کے اساتذہ اور قدیم طلبہ کے حالات لکھے ہیں (ایضاً، ص ۱۵۱-۱۷۱)، وہاں مولوی سید محمد کا ذکر نہیں کیا۔ ان کے مختصر سوانح یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

میر سید محمد دہلی کے رہنے والے تھے۔ صحیح النسب سید اور عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ صاحب ''مجموعہ نغز'' میر قدرت اللہ قاسم کے قریبی اعزہ میں سے تھے اور آپ نے ان سے فن طب میں مہارت حاصل کی۔ قاسم کے بیٹے میر عزت اللہ عشق آپ کے خسر تھے۔ دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ بعد میں یہیں شعبۂ عربی میں مدرس مقرر ہوئے اور پھر اپنی وفات تک اسی عہدے پر کام کرتے رہے۔ آپ کے شاگرد مولوی کریم الدین پانی پتی اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (۱۸۴۷ء)

Marfat.com

میں ان کی عمر قریب ۷۰ برس بتاتے ہیں۔ اشپرینگر نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۲ء میں وہ دہلی کالج میں عربی کے پروفیسر ہیں اور اس وقت ان کی عمر قریباً ۶۵ سال ہے۔ انھوں نے ۷۵ برس کی عمر میں ۱۸۵۴ء میں انتقال کیا۔

انیسویں صدی عیسوی کی جن نامور ہستیوں نے دہلی کالج میں تعلیم پائی، وہ سب مولوی سید محمد کے حلقۂ تلمذ میں شامل تھیں۔ ان شخصیات میں محمد حسین آزاد بھی ہیں۔ وہ پہلے شیعہ طلبہ کی جماعت میں پڑھتے تھے اور ان کے استاد قاری جعفر علی جارچوی تھے، لیکن جب قاری صاحب اور آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے مابین تنازعہ شروع ہوا تو آزاد کو قاری صاحب کی جماعت سے ہٹا کر مولوی سید محمد کی جماعت برائے سنی طلبہ میں داخل کرا دیا گیا (تفصیل کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد از محمد اکرام چغتائی، لاہور ۲۰۱۰ء)۔ مولوی کریم الدین ان کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ''فاضل کامل، عالم محقق، تحریر مدقق، تمام علوم مندرجہ فارسی اور عربی سے ماہر، خوش خلق نیک طینت ذہین وذکی، پرلے درجے کے صاحب تدابیر صائبہ کے، واقف اسرار دقیقہ کے، باریک بین، جوہر شناس، طلباء ان کے فیض سے تمام علوم درسیہ سے کامیاب، علماء وفضلا و محققین میں وہ گوہر نایاب۔''

اشپرینگر کی فرمائش پر مولوی سید محمد نے چند کتابوں کا ترجمہ کیا اور ان کی شرحیں لکھیں۔ ان میں ایک ''فرائض شمسیہ'' ہے۔ یہ ترجمہ ہے، لیکن شرح سمیت (مطبوعہ دہلی ۱۸۴۵ء)۔ ''رسالہ شمسیہ'' علم منطق کی مشہور کتاب ہے۔ اس کا بھی اردو ترجمہ کیا، جو دہلی سے ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا (صفحات ۱۰۵)۔ ان کے علاوہ ایک ہندی لغت بھی مرتب کی، جو مطبع العلوم (دہلی) سے ۱۸۵۱ء میں طبع ہوئی۔

(رک: صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۹۰)

مولوی سید محمد اردو میں شعر کہتے تھے۔ ان کا تخلص تعشق تھا۔ شاعری میں اپنے خسر میر عزت اللہ عشق کے شاگرد تھے۔ انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر تذکروں میں ان کے اردو اشعار منقول ہیں۔ ان کے تفصیلی حالات، تصانیف اور اردو کلام کے لیے رک: مجموعۂ نغز مرتبہ حافظ محمود شیرانی (طبع ثانی، دہلی ۱۹۸۳ء (لاہور ۱۹۳۳ء)، ا: ۱۴۲-۱۴۳۔ عمدۂ منتخبہ مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۱۵۸-۱۵۹۔ طبقات شعرائے ہند از مولوی کریم الدین پانی پتی، دہلی ۱۸۴۸ء (طبع ثانی، لکھنؤ ۱۹۸۳ء)، ص ۳۶۶-۳۶۷۔ یادگار شعراء از اشپرینگر ترجمہ طفیل احمد، الہ آباد ۱۹۴۳ء، ص ۵۲۔ گلستان بےخزاں از میر قطب الدین باطن، طبع ثانی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء، ص ۵۲۔ گارساں دتاسی در تاریخ،

Marfat.com

۳: ۱۹۱۔ گلستان سخن، ص ۹ ۱۷، گلشن ہمیشہ بہار مؤلفہ نصر اللہ خاں خویشگی۔ شمیم سخن (حصہ اول) از عبدالحیٔ صفا بدایونی۔ بزم سخن مؤلفہ سید علی حسن خاں (آگرہ ۱۸۸۱ء)۔ طور کلیم مؤلفہ سید نور الحسن (آگرہ ۱۲۹۸ھ)۔ عیار الشعراء مؤلفہ خوب چند ذکا (قلمی)۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۸۸-۸۹ ''دہلی کالج کے چند شاعر۔''

۱۰۔ ٹیلر اور مولانا مملوک العلی نانوتوی کا یہ اختلاف تاریخ دہلی کالج کا ایک نیا رخ ہمارے سامنے لاتا ہے۔ شاید اس اختلاف کی وجہ شخصی ہو۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ مولانا کسی خالی عہدے پر اپنے بیٹے محمد یعقوب نانوتوی یا قریبی رشتہ دار محمد مظہر نانوتوی کی تقرری چاہتے ہوں اور کالج کے اصحاب اختیار کو یہ منظور نہ ہو۔ یہاں ایک بات لائق توجہ ہے کہ اشپرینگر جتنی دیر لکھنؤ میں رہا، ٹیلر دہلی کالج کے قائم مقام پرنسپل کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اس کی واپسی کے بعد (اوائل ۱۸۵۰ء) ٹیلر کی قائم مقامی کا دور ختم ہوگیا۔ چند ماہ بعد جب اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ کا پرنسپل بنا کر کلکتہ بھیج دیا گیا، تو جے، کارگل دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا۔ نئے پرنسپل کی تقرری کے بعد ٹیلر اپنے سابقہ عہدہ یعنی بطور ہیڈ ماسٹر تدریسی فرائض سرانجام دیتا رہا اور وہ اس وقت بھی صاحب الرائے تھا، جیسا کہ موجودہ خط کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ''اختیار اور رائے بالکل ان دنوں میں ٹیلر صاحب کو حاصل ہے'' اور وہ جس کو چاہتا پرنسپل سے سفارش کر کے اسے کالج میں ملازمت دلوا دیتا۔ اس کے اثر و رسوخ کی ایک مثال خود علی اکبر کی ہے، جس کو اسی کے کہنے پر مولوی احمد علی کا عہدہ تفویض ہوا۔

اشپرینگر اور ٹیلر دونو دہلی کالج کے پرنسپل رہے اور مروجہ نصاب میں اصلاحی تبدیلیوں کے سبب ان میں اختلاف کا امکان ہوسکتا ہے، لیکن فی الحال اس کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ بعض قرائن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے قریب رہنے والے لوگ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے تھے۔ اس کی ایک مثال قاری جعفر علی جارچوی اور مولوی محمد باقر کا وہ مذہبی مناقشہ تھا، جس نے شیعیانِ دہلی کو دو گروہوں یعنی باقری اور جعفری میں تقسیم کر دیا۔ ادبی، تعلیمی، دینی اور سماجی سطح پر ایسی گروہ بندیوں کا ذکر راقم نے اپنے مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' (در: مطالعہ آزاد، متذکرہ بالا) میں تفصیل سے کیا ہے۔ ٹیلر اور مولانا مملوک العلی نانوتوی میں جو بھی اختلاف تھا، اس سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ اس اختلاف میں علی اکبر کا رویہ جانبدارانہ تھا اور وہ مولانا کا شاگرد ہونے کے باوجود انہیں حق پر نہیں سمجھتا تھا۔

۱۱۔ راوی حدیث ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان التمیمی الحنظلی البُستی (۲۷۰ھ-۳۵۴ھ/۸۸۴-

Marfat.com

۹۶۵ء) کی کتاب ''المسند الصحیح علی التقاسیم والانواع''۔ اس کے چند اجزاء برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں محفوظ ہیں، (اہلوارٹ ۲:۱۰۶، شمارہ ۱۲۶۸)، لیکن یہ چند اوراق ذخیرۂ اشپرینگر کے نہیں ہیں۔ یہ اجزاء مولانا مملوک العلی نانوتوی سے مستعار لیے گئے تھے اور ہوسکتا ہے، بعد میں ان کو واپس بھیج دیے گئے ہوں۔ ابن حبان کے لیے رک: براکلمان ۱:۱۶۴ (۱۷۲-۱۷۳)، ذا: ۲۷۳-۲۷۴؛ ۲۷ سیزگن ۱:۱۸۹-۱۹۱۔

۱۲۔ امام راغب اصفہانی (م۔ ۵۰۲ھ/۱۱۰۸ء) کی معروف کتاب بعنوان ''مفردات القرآن''۔ اردو ترجمہ مع حواشی از محمد عبدالفلاح الفیر وزآبادی، لاہور ۱۹۶۳ء، رک: براکلمان ۱:۲۸۹ (۳۴۳)، ذا: ۵۰۵-۵۰۶۔ اس کا ایک قلمی نسخہ اشپرینگر کے پاس تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۶۱، شمارہ ۹۶۶)۔ اشپرینگر نے یہ نسخہ لکھنؤ میں تیار کرایا تھا (۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء)۔ اصل نسخہ ۱۱۳۲ھ......۱۷۲۰ء کا مکتوبہ تھا (رک: اہلوارٹ ۱: ص ۲۶۸-۲۶۹)۔

۱۳۔ حماسہ (ابوتمام) کے قلمی نسخوں، طباعتوں اور شروح کے لیے رک: سیزگن ۲ (متعلقہ عربی شاعری، ۱۹۷۵ء): ۶۶-۷۵۔ اس کا ایک ایڈیشن کلکتہ سے ۱۸۵۶ء میں طبع ہوا تھا (بحوالہ سیزگن ۲:۶۸)۔ دیوانِ حماسہ کا دسواں باب دہلی کالج کی جماعت اول (عربی) فریق اول کے نصاب میں شامل تھا (مرحوم دہلی کالج، ص ۸۲) اور مولانا مملوک العلی نانوتوی اور قاری جعفر علی جارچوی دونو اس کا درس دیتے تھے۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ نصاب میں شامل باب الحماسہ کو شرح کے ساتھ چھاپ دیا جائے۔ انھوں نے علی اکبر سے مشورہ کیا، لیکن وہ آمادہ نہ ہوا۔ وہ حسب منشا خود بھی یہ کام نہ کرسکا اور بالآخر اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر نے باب الحماسہ کی شرح مکمل کی۔ اشپرینگر کے ذاتی کاغذات (مخزونہ کتاب خانہ برلین) میں علی اصغر کے خودنوشت دو قلمی صفحات موجود ہیں۔ یہ تحریر بلا تاریخ ہے اور ''اشتہار'' کے عنوان کے تحت یہ عبارت درج ہے:

''کمترین سید علی اصغر سونی پتی مدرس دوم درجہ اول مدرسہ آگرہ کا یہ اشتہار دیتا ہے کہ ان دنوں میں اس کمترین نے شرح ''دیوان حماسہ'' کی دسوں باب کی اول سے آخر تک ہر ہر شعر پر لکھی ہے اور یہ خلاصہ ہے اوس شرح کا کہ جس کو صاحب والا مناقب جناب ڈاکٹر اسپرینگر صاحب بہادر پرنسپل مدارس کلکتہ نے واسطے طلبہ مدرسہ دہلی کے لندن سے منگا دی تھی۔ اس کمترین نے جو اس شرح کو اول سے آخر تک کئی دفعہ دیکھا تو بہت طویل پایا اور بہت سی ایسی باتیں اس میں پائیں کہ طالب علم ادب کو اون سے علم ادب میں کچھ نفع نہیں ہوتا، چنانچہ ذکر انساب شعرا اور بیان اشتقاق اسمائے شعراء کہ

Marfat.com

طائل تحتہ ہے، اس میں بہت ہے۔اور بھی زوائد نظر آئے۔سواس لیے اس کمترین نے اس شرح کو اس طرح پر خلاصہ کیا کہ سوائے تحقیق لغت اور ترکیب نحوی اور معنی شعری کے سب کو ترک کیا اور تحقیق لغت از سرنو کی گئی۔ اس واسطے کہ احقر نے اکثر جامعنی لغت میں فرق پایا۔معنی مرادی اور ہیں اور لکھ دیئے ہیں۔ کچھ اور اعراب بھی بہت صحت کے ساتھ ضبط کیا ہے اور چونکہ شارح نے ہر قصیدہ پر صرف نام بحر اور ضرب اور قافیہ لکھ دیا ہے اور اوس کا کچھ بیان نہیں کیا تو اس واسطے اس کمترین نے ایک رسالہ جدا اسی باب میں کہ جس میں ہر ایک قصیدہ کی بحر اور تقطیع اور عروض اور قافیہ کا بیان بالتفصیل ہوگا، تالیف کر کر اوس شرح کے ساتھ منضم کر دیا ہے۔اب یہ کمترین اس دیوان نایاب عزیز الوجود کو مع اس خلاصہ عجیب وغریب کے چھپوایا چاہتا ہے۔ بایں صورت کہ متن میں اشعار کہ ہر صفحہ میں بیس شعر سے زیادہ نہ ہوں گے اور حاشیہ پر شرح ہر شعر کی لکھی جائے گی۔ غالب ہے کہ تمام اجزا اس کتاب کے بیس سے زیادہ نہ ہوں گے۔ یہ صورت مرقومہ بالا بہت مطبوع اور پسندیدہ ہے۔ جو کوئی دیکھے گا، پسند کرے گا اور غایت ایزدی سے یہ شرح بھی ایسی مغنی اور کافی تیار ہوئی ہے کہ جو شخص علم وادب سے ادنیٰ مناسبت بھی رکھتا ہوگا، اوس کو استاد کی حاجت نہ پڑے گی اور کسی بات میں محتاج غیر کا نہ رہے گا۔کوئی کسی طرح کی مشکل نہیں ہے کہ اوس کو حل نہ کیا ہو۔الغرض یہ شرح عجیب وغریب تیار ہوئی ہے۔ جب چھپ کر تیار ہوگی اور ملاحظہ سے گذرے گی کہ عنایت ایزدی سے مقبول ومطبوع طبع خلایق ہوگی اور ہر کوئی اس کا جان سے طالب اور مشتاق ہوگا۔ پس جو صاحب کہ اس کو خریدنا چاہیں، اون کو چاہیے کہ قبل از طبع جلد درخواستیں اپنی اس کمترین کے پاس بھیج دیویں تا کہ یہ کتاب نایاب اون کو بقیمت چار روپیہ کے دستیاب ہووے۔ ورنہ بعد طبع کے پانچ روپے کو دستیاب ہوگی۔اور یہ قیمت اس کتاب عزیز الوجود کے مقابلہ میں بہت کم رکھی گئی ہے تا کہ ہر شخص کثیر الاستطاعت اور قلیل البضاعت اس کو خرید سکیں اور اوس سے بہرہ ور ہوویں۔''

معلوم نہیں، علی اصغر کی یہ شرح اور ''حماسہ'' پر یہ رسالہ چھپا یا نہیں، کیونکہ گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' وغیرہ اور محمد عتیق صدیقی کی کتاب ''صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات'' میں اس کا ذکر موجود نہیں۔

سید علی اصغر سونی پتی کے تفصیلی حالاتِ زندگی دستیاب نہیں۔ راشد کاندھلوی اسے تلامذۂ مملوک العلی میں شمار کرتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ ''غالباً ۱۸۵۱ء میں آگرہ کالج میں اردو کا مدرس مقرر ہوا'' اور ساتھ ہی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ''مزید کوائف اور وفات وغیرہ معلوم نہیں''۔(رک: مولانا

Marfat.com

مملوک العلی نانوتوی، محولہ بالا، ص ۵۳۰)

طلبائے دہلی سے متعلق رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) علی اصغر، مولانا مملوک العلی کی جماعت عربی اول کے فریق دوم میں زیر تعلیم تھا۔ عمر بیس سال اور یوں اس کا سنۂ ولادت ۱۸۲۷ء متعین ہوتا ہے۔ اس کی عمر اپنے بھائی علی اکبر سے دو سال کم تھی۔ دہلی کالج میں مدت تحصیل ساڑھے چھے سال بتائی گئی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونوں بھائی ایک ساتھ ۱۸۴۰ء کے وسط میں اس مدرسہ کی عربی جماعت میں داخل ہوئے۔ ان دنوں یہ مضامین پڑھائے جاتے تھے: ہدایہ، تاریخ یمینی، دیوان متنبی، جامع التواریخ، جزئیات کلیات، رسالہ ہیئت، علم مثلث اور جواب مضمون۔ ان میں علی اصغر کے حاصل کردہ نمبر بالترتیب ۴۲، ۴۵، ۴۱، ۴۱، ۲۲، ۴۵، ۴۸، ۴۸ اور ۲۸ تھے۔

ایک تعلیمی رپورٹ (بذیل ۴ جنوری ۱۸۴۳ء) میں علی اصغر کا بطور عربی اسکالر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا ماہوار وظیفہ چار روپے تھا۔ بعد کی دو رپورٹوں (بذیل یکم مارچ ۱۸۴۸ء اور یکم جنوری ۱۸۴۹ء) میں وہ سینئر اسکالر کی حیثیت سے نو روپے ماہوار وظیفہ وصول کرتا تھا۔ اس کے بعد کسی رپورٹ میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔

cf. General Report on Public Instruction in the Bengal Presidency, for 1842-43. Calcutta 1843; General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency for 1847-48. Agra 1849; ibid., for 1849-50. Agra 1850.

۱۴۔ ماسٹر رام چندر (۱۸۲۱ء–۱۸۸۰ء) دہلی کالج کا طالب علم، استاد اور معروف ریاضی دان۔ اس کا ایک سوانح نگار رام چندر کے دورۂ کلکتہ کا یوں ذکر کرتا ہے: "۱۸۵۱ء میں وہ کالج کے امتحان کے زمانہ میں تین ماہ کی چھٹی لے کر کلکتہ گئے۔ یہاں انہوں نے "کلکتہ ریویو" کے اعتراضات کا جواب [illegible] "انگلشمین" میں شائع ہوا۔ دہلی کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر اشپرینگر [illegible] ملاقات [illegible] کے ممبر اور مجلس قانون اور مجلس تعلیم کے صدر ڈرنک واٹر بیتھون سے بھی ملے۔"

(ماسٹر رام چندر از صدیق الرحمن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۳۷)

۱۵۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کو اشپرینگر نے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ [illegible] کی پیشکش کی تھی۔ وہ اپنے دیرینہ تعلقات کی بناء پر اشپرینگر کی اس پیشکش کو نامنظور نہیں کر سکتے تھے لیکن وہ چاہتے تھے کہ

Marfat.com

ان کے کلکتہ جانے کے بعد دہلی کالج میں مدرس اول (عربی) کی جو جگہ خالی ہوگی، اس پر مولانا محمد مظہر نانوتوی کو تعینات کر دیا جائے۔ جب وہ اپنا یہ مطالبہ منوانے میں ناکام ہوئے تو پھر اسی شعبۂ عربی کے مدرس سوم کی تقرری کے لیے اپنے بیٹے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا نام تجویز کیا، لیکن ارباب اختیار بالخصوص ٹیلر نے یہ بات بھی قبول نہ کی اور یوں مملوک العلی قدرے دل برداشتہ ہو گئے۔ علاوہ ازیں مولانا مملوک العلی کلکتہ جانے سے قبل کچھ تحفظات چاہتے تھے، جو شاید انہیں نہ مل سکے۔ چنانچہ وہ اشپرینگر کی پیش کش کو نہ تو کھل کر قبول کر سکے اور نہ اس سے انکار کر سکے، لیکن اشپرینگر نے ان کے خطوط سے یہی تاثر لیا کہ وہ دہلی چھوڑ کر کلکتہ نہیں آنا چاہتے، چنانچہ بعد میں اشپرینگر نے اس عہدۂ امینی پر مولانا سدید الدین خاں کو مقرر کر دیا۔

مولانا مملوک العلی کے فرزند ارجمند مولانا محمد یعقوب نانوتوی (م ۔۱۸۸۴ء) صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، کے ابتدائی حالات، جبکہ ان کی عمر ابھی بیس سال سے بھی کم تھی، اور دہلی کالج سے ان کے تعلق کے بارے میں تفصیلات آئندہ سطور میں بذیل مکتوبات سید برکت علی پیش کی جائیں گی۔

۱۶۔ مولانا مملوک العلی کے کلکتہ نہ جانے کا ایک سبب ان کے بعض احباب بھی تھے۔ ان میں ایک نام ان کے رفیق کار میر سید محمد کا ہے، لیکن علی اکبر کے خیال میں مولانا کو روکنے کے اصل ذمہ دار مفتی صدر الدین آزردہ تھے۔ علی اکبر نے مفتی صاحب کے مزاج کے بارے میں جو اظہار خیال کیا ہے، اس کا تفصیلی ذکر سابقہ سطور میں ہو چکا ہے۔ یہاں ایک بات کا اضافہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ آزردہ اور مولانا مملوک العلی میں اختلاف تھا اور وہ وقتاً فوقتاً اس کا اظہار بھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ مولانا کے ایک شاگرد لکھتے ہیں:

"عم بزرگوار مولانا قاری عبدالسلام سے منقول واقعہ۔ مفتی صدر الدین صاحب کو مولانا مملوک العلی سے معاصرانہ چشمک تھی۔"

(رک: تذکرۃ الصالحین المعروف بہ تذکرہ رحمانیہ یعنی سوانح عمری محمد عبدالرحمٰن محدث انصاری، پانی پتی، مرتبہ و مؤلفہ محمد عبدالحلیم انصاری، لاہور ۱۹۸۰ء، ص ۳۷)

ممکن ہے، مفتی صاحب نے مولانا کو کلکتہ نہ جانے کا جو مشورہ دیا، اس کے پیچھے ان کی یہی چشمک کارفرما ہو۔

۱۷۔ مکتوب نگار نے مفتی صدر الدین آزردہ کی شخصیت کے جس پہلو سے پردہ اٹھایا ہے، اس سے وہ اکیلا ہی نہیں، بلکہ اور بھی لوگ واقف تھے۔ مفتی صاحب اپنے منصب اور علم کے حوالے سے اعلیٰ مسند پر

Marfat.com

متمکن تھے اوران پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ ان کے طبعی اوصاف اور علمی کمالات کا شاہد ہے۔ اب ان خطوط سے ان کی ذات کا ایک نیا پہلو سامنے آیا ہے، جو لائق توجہ ہے اور اس سے مفتی صاحب کی شخصیت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

۳

''غریب پرور سلامت

فدوی اقبال حضور فیض گنجور سے بہت خوش وخورم ہے۔ خدا تعالیٰ ذات خجستہ صفات بندگان عالی کو ابدالآباد سلامت رکھے۔

۲۲ نومبر مفتی صدرالدین صاحب نے فدوی کو عہدۂ نظارت (۱) کچہری اپنی کا بمشاہرہ ساٹھ روپیہ بسبب خالی ہونے کے اور محمد مظہر (۲) کو عہدہ سرشتہ داری کا بمشاہرہ ۳۵ روپیہ مرحمت کیا۔ چونکہ نظارت کے واسطے، جس میں ہمیشہ روپیہ سے کام پڑتا ہے اور تمام چپراسیوں اور اہل عملہ ومتخاصمین ووکلا وغیرہ کا انتظام کرنا ہوتا ہے، ضمانت تین ہزار روپیہ کی کسی صاحب جایداد کی شرط ہے اور مجھ سے انتظام ضمانت نہ ہوسکا۔ لاچار دو چار روز میں اگر ضمانت ملی فبہا، ورنہ چھوڑ کر علاقہ مولوی احمد علی پر، کہ میں نے وہاں سے ۲۳ دسمبر تک رخصت لی ہے، درس دوں گا۔

عہدۂ مذکور عہدہ زیادتی عزت وکمی محنت وفرحت حکومت کا تھا اور میں اوس سے نہایت خوش تھا، لیکن شرط ضمانت نے لاچار کردیا (۳)۔ اگرچہ عہدہ نظارت بہت بہتر واعلیٰ ہے، لیکن عہدہ احمد کبیر سے کچھ نسبت نہیں رکھتا (۴)۔ یہ سارا فساد وخلل مولوی مملوک العلی کا ہے کہ اپنا قدم بیچ میں داخل کر کر نہ اپنا رکھا نہ میرا۔ مجھے اس کا اب تک بڑا افسوس ہے اور مولوی صاحب سے بڑی شکایت (۵)۔

خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آخر نوبت اوس عہدہ کی امتحان پر پہنچی۔ چنانچہ کل ۲۹ نومبر نیدر صاحب بہادر نے مجھے کچہری میں کہلا بھیجا کہ اوس عہدہ کے واسطے امتحان ہوگا، تم کو ہوشیار رہنا چاہیے۔ غریب پرور مکرما صورت حال یہ ہے کہ اوس کے واسطے تمام مدرسین بنگال وآگرہ ودہلی وغیرہ وغالباً امتحان دیں گے اور چونکہ مدرسین ہمیشہ دیکھتے پڑھاتے رہتے ہیں، اون کو یاد ہوتا ہے۔ اور میں نے مدت دراز سے پڑھنا پڑھانا ومطالعہ کتب خصوصاً معانی وفقہ واصول فقہ چھوڑ رکھا ہے۔ البتہ اگر کوئی مجھ سے پڑھے، پڑھا سکتا ہوں کیونکہ پڑھانے کو حسن استعداد کافی ہے، لیکن امتحان کے واسطے یاد ہونا شرط ہے۔ مسائل فقہیہ یا اصول فقہ میں کہ بالکل منقولات ہے، استعداد سے علاقہ نہیں۔ علم ادب میں شاید کچھ ہو سکے تو ہو سکے۔ اگرچہ میرا اول امتحان

Marfat.com

دینے پر راضی نہیں، لیکن صرف بموجب حکم وایماء حضور و باندیشہ نارضامندی بندگان جناب فیض مآب جس طرح ہو سکے گا، امتحان دوں گا، لیکن بشرط حصول عہدہ نظارت، اگر وہ عہدہ امتحاناً میرے واسطے تجویز نہ ہوا، مجکو مطلق رنج نہ ہوگا، البتہ اگر نظارت بھی نہ ملی اور نہ امینی بنگال بلکہ صرف عہدہ احمد علی میسر آیا، اوس صورت میں رنج مالا کلام ہوگا، لیکن اوس کا تدارک حضور کے اختیار ہے۔ اس واسطے کہ اگر کسی وقت عہدہ مدرسی اول ہوگلی یا کلکتہ، کہ تنخواہ اوس کی عہدہ احمد کبیر سے بھی زیادہ ہے، خالی ہو اور پرورش حضور سے نصیب اس خاکسار کے ہو سکے، تو اوس سے زیادہ خوشی کی بات نہیں (۶)۔ فقط۔

صاحب جج نے سرشتہ دار و ناظر صدر الصدور کو بعلت رشوت ستانی موقوف کروا کر حکم دیا کہ اہل مدرسہ کو جو معتمد ہیں، یہ عہدے دیئے جاویں۔ اسی سبب سے ہم دونو کو دیئے گئے۔

۱۰ نومبر ایک عرضی متضمن اپنے حالات کے حضور کی خدمت فیض درجت میں روانہ کی ہے۔ پہنچی ہوگی۔

فدوی علی اکبر

معروضہ ۳۰ نومبر ۱۸۵۰ء"

تشریحات:

۱۔ علی اکبر ۲۹ اکتوبر ۱۸۵۰ء کو شملہ سے واپس دہلی پہنچا اور آتے ہی اسے پھر سے دہلی کالج میں فارسی کے مدرس سوم کی ملازمت حاصل ہوگئی۔ چند روز بعد صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ کی کچہری کے ناظر اور سررشتہ دار بوجہ رشوت ستانی معطل کر دیئے گئے اور انگریز جج کے حکم پر مفتی صاحب کے خلافِ منشاء بطور ناظر علی اکبر کو مقرر کر دیا گیا۔ اس نے کالج سے ایک ماہ کی رخصت لی اور ۲۲ نومبر کو اس نئے عہدہ کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ کالج کی نسبت یہاں تنخواہ بھی زیادہ تھی یعنی ساٹھ روپے ماہوار، کام کم کرنا پڑتا تھا اور عام لوگوں کی نظر میں یہ عہدہ باعثِ عزت بھی تھا۔

۲۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی کا صدر الصدور کی کچہری میں بحیثیت سررشتہ دار تقرر ایک نئی اطلاع ہے۔ وہ ان دنوں بیکار تھے، اس لیے انھوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا، لیکن وہ زیادہ دیر مفتی صاحب کے ساتھ کام نہ کر سکے اور میکلاگن کے بلانے پر روڑکی چلے گئے، جہاں انھیں عہدۂ وزیٹری پرگنہ مل گیا۔

رک: بذیل مکتوبات مولانا محمد مظہر نانوتوی، سطور بالا۔

۳۔ علی اکبر کو بطور ناظر منتخب تو کر لیا گیا، لیکن باقاعدہ تقرری کے لیے یہ شرط عائد کر دی گئی کہ وہ کسی صاحب حیثیت شخص سے تین ہزار روپے کی ضمانت دلوائے۔ یہ ضمانت اس لیے لازمی سمجھی گئی کہ عہدۂ

Marfat.com

نظارت میں روپے پیسے کا لین دین بھی شامل تھا۔ یہ شرط علی اکبر کو سخت ناگوار گذری، کیونکہ اس کی اپنی مالی حیثیت اتنی مستحکم نہیں تھی کہ وہ اتنی بڑی رقم کی ضمانت دے سکتا اور نہ اسے فوری کوئی ایسا باثروت شخص نظر آیا، جو اس کے لیے ضمانت کا انتظام کر سکے۔ اس ضمانت کا بندوبست ہوا یا نہیں، اس کا ذکر علی اکبر نے اپنے ان خطوط میں نہیں کیا، لیکن قرائن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یا تو کسی نے یہ ضمانت دے دی یا یہ شرط ہی ختم کر دی گئی، کیونکہ اس کے بعد چند ماہ تک علی اکبر اسی عہدہ پر کام کرتا رہا اور اس نے یہ ملازمت اس وقت چھوڑی، جب اسے آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) مقرر کیا گیا۔

۴۔ علی اکبر مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ احمد کبیر یعنی عہدۂ امینی کا بھی امیدوار تھا۔ وہ عہدۂ نظارت پر مطمئن ضرور تھا، لیکن پھر بھی مدرسہ عالیہ کی ملازمت کو ترجیح دیتا تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ عہدۂ نظارت کی غیر مستقلی سے خوفزدہ تھا اور اسے یقین تھا کہ انگریز جج کے جاتے ہی صدر الصدور سابقہ ناظر کو بحال کر دیں گے اور اسے ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ آگرہ کالج میں اپنی تعیناتی تک اسے یہی فکر دامن گیر رہی۔

۵۔ اشپرینگر نے مدرسۂ عالیہ کے عہدۂ امینی کی پیش کش سب سے پہلے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو کی۔ اس مجموعہ مراسلات میں مولانا کے نو خطوط میں سے پانچ خط اسی عہدہ سے متعلق ہیں۔ ان میں آخری خط ۵ دسمبر ۱۸۵۰ء کا تحریر کردہ ہے، جس میں مولانا نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کلکتہ آنے کو تیار ہیں، لیکن انھیں اختیار دیا جائے کہ ایک سال تک وہ جب چاہیں، واپس آ کر دہلی کالج میں اپنا عہدہ پھر سے سنبھال سکیں۔ افسران بالا کو ان کی یہ شرط منظور نہیں تھی، چنانچہ وہ کلکتہ نہ جا سکے اور حسب سابق دہلی ہی میں کام کرتے رہے۔

اس کے بعد علی اکبر اس عہدہ کے امیدواروں میں شامل ہوا۔ وہ اس عہدے کو دوسرے عہدے پر فوقیت دیتا تھا، لیکن معلوم نہیں، مولانا مملوک العلی نے کیا مداخلت کی کہ علی اکبر کو ان سے شدید الفاظ میں شکایت کرنا پڑی اور اپنے استاد کی عزت و تکریم کا بھی خیال نہ کیا۔ مولانا خود اس عہدے کے امیدوار نہیں تھے اور نہ انھیں اس سے کوئی دلچسپی تھی۔ اگر وہ اس کے متمنی ہوتے تو عذر [illegible] لیتے۔ اب معلوم نہیں کہ انھوں نے کیا خلل ڈالا کہ علی اکبر کو حسب خواہش یہ عہدہ نہ ملا۔ شاید اسے اس بات کا یقین تھا کہ اشپرینگر اسے [illegible] سے یہ عہدہ امینی تفویض کرنا چاہتے ہیں [illegible] میں بعض انتظامی مجبوریاں حائل تھیں۔ علی اکبر کو شاید غلط فہمی ہوئی کہ اسے براہ راست عہدہ نہ ملنے میں مولانا مملوک العلی کا ہاتھ تھا۔ بعد میں جب اسے صحیح صورت حال کا علم ہوا تو اسے اشپرینگر کو لکھنا پڑا کہ

Marfat.com

اس نے مولانا کے بارے میں جو خط لکھا ہے، وہ اسے ضائع کر دے۔

۶۔ جب اشپرینگر کو یہ یقین ہو گیا کہ مولانا مملوک العلی کلکتہ نہیں آئیں گے، تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس عہدۂ امینی کے لیے امتحان لیا جائے اور جو امیدوار سب سے زیادہ نمبر حاصل کرے، اسے یہ عہدہ دے دیا جائے۔ یہ امتحان ۹ دسمبر ۱۸۵۰ء کو منعقد ہوا اور اس میں کلکتہ، آگرہ اور دہلی کے اساتذہ نے حصہ لیا۔ (اس امتحان کی تفصیل اگلے خط کی تشریحات میں بیان کی جائے گی۔) علی اکبر اس امتحان سے خائف تھا۔ وہ امتحان سے گریزاں تھا، لیکن اشپرینگر کے حکم سے روگردانی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ امتحان کے انعقاد سے قبل ہی اسے اندازہ تھا کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکے گا، اسی لیے اس نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر وہ ناکام ہو گیا اور عہدۂ نظارت بھی صدر الصدور کی متلون مزاجی سے جاتا رہا، تو پھر وہ کیا کرے گا۔ دہلی کالج میں اب وہ جانا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ وہاں اس کی رخصت کے دوران میں نیا استاد مقرر ہو چکا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ناکامی کی صورت میں اشپرینگر کلکتہ یا ہگلی کے کسی اور مدرسہ میں ایسی ملازمت کا بندوبست کر دے، جو عہدۂ امینی سے زیادہ بہتر ہو۔ علی اکبر کی یہ تمام خواہشات ایک ایک کر کے ناکام ہوتی گئیں اور بالآخر اسے مدرس اول (عربی) کے عہدے پر آگرہ کالج جانا پڑا۔

۴

''غریب پرور سلامت (۱)

فدوی اقبال حضور سے بخیریت و صحت ہے، حضور کی دعائے دولت و اقبال میں مصروف۔ یہاں ۹ دسمبر چار آدمیوں نے یعنی مولوی حسن علی خان (۲) و محمد مظہر (۳) و فیض الحسن (۴) نے (جس نے معرفت مولوی امام بخش (۵) کے حضور سے ''اغانی'' مستعار لی تھی) اور اس احقر نے امتحان دیا۔ سوالات بہت آسان تھے۔ میں نے اپنی دانست میں سوالات کے جواب بخوبی تمام اپنے ہمسروں سے بہتر لکھے ہیں، لیکن ''فوق کل ذی علم علیم''۔ شاید اور مدارس کے امتحان دینے والوں نے مجھ سے بہتر لکھا ہوگا۔

ان دنوں میں فدوی کار نظارت کچہری صدر الصدور دہلی سرانجام دیتا ہے۔ اگرچہ یہ عہدہ بہ نسبت مدرسی مدرسہ کے من کل الوجوہ یعنی مشاہرۂ و عزتاً و حکومتاً بمراتب بہتر ہے، لیکن اطمینان قیام و استقلال نہیں۔ اس واسطے کہ فدوی کو اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کے مقرر کیا ہے، جبکہ صاحب مذکور بدل جائیں گے یا ولایت کو جائیں گے، فوراً سرشتہ دار و ناظر سابق کو مفتی صاحب بحال کر دیں گے اور مفتی صاحب نہایت متلون المزاج و ناقدردان ہیں، چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے۔ اسی وسطے مولوی محمد مظہر سرشتہ

Marfat.com

داری کو چھوڑ کر روڑکی کو تیس روپیہ کی تنخواہ پر میٹلاگن صاحب کے پاس ۱۶ دسمبر یہاں سے چلے گئے (۶)۔

بناء علیہ یہ نمک خوار قدیمی عرض رسا ہے کہ جب کوئی عہدہ قابل فدوی کے وہاں بہم پہنچے، فدوی کو یاد فرما کر ممتاز و سرفراز فرما دیں۔

اب مدرسہ میں فدوی کے عہدہ پر منشی کریم بخش (۷) اور اون کے عہدہ پر پنڈت رادھا کشن (۸) لڑکا مقرر ہو گیا۔ کل ۲۳ دسمبر روبکاری ہو کر مدرسہ میں تعطیل ہوگی۔ ۲۵ کو ماسٹر رام چندر یہاں سے چلیں گے۔ واسطے سیر بنگال کے رخصت دو مہینے کی لی ہے'' (۹)۔

تشریحات:

۱۔ یہ خط بلا تاریخ ہے اور اس پر مراسلہ نگار کا نام بھی درج نہیں، لیکن اس مکتوب کے مندرجات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سنہ تحریر ۲۲ دسمبر ۱۸۵۰ء ہے اور اس کا لکھنے والا علی اکبر ہے۔

۲۔ یہ دہلی کالج میں فارسی کے مدرس دوم تھے اور ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب چالیس برس کے تھی۔ ان کا تفصیلی ذکر علی اکبر کے خط نمبر ۸ کی تشریحات میں کیا جائے گا۔

۳۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی۔ وہ بھی اس امتحان کے بارے میں اشپرینگر کو یہ اطلاع دیتے ہیں:

''حسب الحکم حضور کے پیر کے دن ۹ تاریخ ۱۸۵۰ء کو امتحان واسطے عہدۂ کلکتہ کے دہلی میں ہوا۔ احقر نے بھی جو کچھ اوس وقت سمجھ میں آیا، سو لکھا لیکن جب مکان پر آیا تو بعد غور و تامل کے معلوم ہوا کہ اکثر صحیح لکھا ہے۔''

(مراسلہ بابت ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء۔ رک: بذیل ''مولانا محمد مظہر نانوتوی'')

۴۔ ان سے مراد مولانا فیض الحسن سہارنپوری (۱۸۱۶ء-۱۸۸۷ء) ہیں۔ عربی ادبیات کے فاضل اور بقول سید سلیمان ندوی ''مولانا اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو'' (بحوالہ حیات شبلی، مطبوعہ اعظم گڑھ، ص ۸۰)

مولانا فیض الحسن کے سوانح حیات کے متعلق یہ نئی اطلاع ہے کہ مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے عہدوں کے لیے جو امتحان دہلی میں ۹ دسمبر ۱۸۵۰ء کو ہوا تھا، اس میں وہ بھی بطور امیدوار شریک تھے۔ ان دنوں دہلی میں مقیم تھے اور اس دور کے جلیل القدر فضلا مثلاً آزردہ، شاہ احمد سعید مجددی، اخوند شیر محمد، مولانا فضل حق خیرآبادی، مومن، غالب اور ذوق کی علمی اور شعری صحبتوں سے کسب فیض کرتے رہے۔ مولانا ان سب میں امام بخش صہبائی سے زیادہ گہرے مراسم رکھتے تھے اور وہ انھیں کے کہنے پر اس امتحان میں شامل ہوئے لیکن دیگر تینوں امیدواروں کی طرح وہ بھی اس امتحان میں کامیاب نہ ہو

Marfat.com

سکے اور عہدۂ امینی انہیں حاصل نہ ہو سکا۔

مولانا فیض الحسن کے مختصر حالات زندگی: وہ ۱۸۱۶ء میں سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد حافظ خلیفہ علی بخش سے فارسی اور عربی کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ مزید علم حاصل کرنے کے لیے دہلی آئے اور یہاں کی نامور علمی ہستیوں سے مروجہ علوم میں دسترس حاصل کی۔ کچھ عرصہ دہلی میں پڑھاتے رہے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد چند سال سہارنپور اور علی گڑھ میں بسر کیے اور بالآخر ۱۸۷۰ء میں ڈاکٹر لائٹنر کی دعوت پر لاہور آ گئے اور یہاں وفات (۱۸۸۷ء) تک اورینٹل کالج کے صدر مدرس اور سپرنٹنڈنٹ صیغۂ عربی رہے۔ وہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بے تکلف دوست تھے اور دونو حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے مرید تھے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے تفصیلی حالات اور ان کی تالیفات کے لیے رک: مولانا فیض الحسن از سید عابد علی عابد، در: رسالہ شباب اردو (لاہور)، مئی ۱۹۲۲ء۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری از محمد عبداللہ قریشی در: نقوش لاہور نمبر ۱۹۶۲ء، ص ۹۳۹۔ تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج (لاہور) مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، لاہور ۱۹۶۲ء، ص ۱۲۸-۱۳۰۔ نزہۃ الخواطر ۸: ۳۶۶-۳۶۹۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دوم (عربی ادب، ۱۲۰۰ء-۱۹۷۲ء)، مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور ص ۴۰۲-۴۰۴، مقالہ از پروفیسر عبدالقیوم۔ مشاہیر علماء دیوبند (جلد اول) تالیف حافظ قاری فیوض الرحمٰن، لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۴۰۵-۴۰۷۔ مفتی صدرالدین آزردہ از عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، دہلی ۱۹۷۷ء، ص ۱۰۷-۱۱۰۔ حاجی امداداللہ مہاجر مکی اور ان کے خلفاء از حافظ قاری فیوض الرحمٰن، کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۲۷۴-۲۷۷۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری کے سوانح اور علمی کارناموں پر سعید اقبال قریشی کا مقالہ برائے ڈاکٹریٹ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور بعنوان ''مولانا فیض الحسن قریشی سہارنپوری، علمی و ادبی کارنامے مع خصوصی مطالعہ باب الحماسۃ از شرح دیوان الحماسۃ الملقب بہ بالفیضی و تصحیح اغلاط طباعت''۔ ۱۹۸۶ء۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری از محمد عبداللہ قریشی در: نقوش (لاہور)، مئی ۱۹۶۱ء، ص ۲۲-۴۲۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری کی ''فیضیہ'' انجمن پنجاب، لاہور سے طبع ہوئی تھی (۱۸۸۲ء، صفحات ۴۲)

- مراد مولوی امام بخش صہبائی۔ دہلی کالج میں فارسی کے استاد اور مشہور زمانہ فارسی داں۔ مولانا فیض الحسن سہارنپوری شعر و شاعری میں ان کے شاگرد تھے اور وہ اپنے استاد کی وساطت سے اشپرینگر سے ملے تھے اور اس سے ''کتاب الاغانی'' کا قلمی نسخہ مستعار لیا تھا۔ برائے تفصیل رک: امام بخش صہبائی

Marfat.com

کی تنقید نگاری از ذاکر حسن ندوی (معارف (اعظم گڑھ)، بابت اکتوبر ۱۹۹۶ء، ص ۳۰۲-۳۱۸) اور امام بخش صہبائی اور اردو زبان وادب از ایم زید حسین (نوائے ادب (بمبئی)، بابت اپریل ۱۹۹۷ء، ص ۹۲-۱۰۱)۔ امام بخش صہبائی از امیر حبیب اللہ خاں نظامی جالندھری، در: ادبی دنیا (لاہور)، جولائی ۱۹۳۰ء، ص ۵۲۵-۵۲۸۔

دہلی کالج میں شعبۂ فارسی کے مدرس اول، پچاس روپے ماہوار تنخواہ۔ تاریخ تقرری یکم اپریل ۱۸۴۱ء۔

۶۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی نے روڑکی سے جو خط اشپرینگر کو لکھا (مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۰ء)، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ میکلاگن کے بلاوے پر عہدۂ سررشتہ داری چھوڑ کر وہاں گئے تھے۔ انھیں وہاں عہدۂ وزیٹری پرگنہ ملنے کی امید تھی، جس کی تنخواہ تیس روپے ماہوار تھی۔ وہاں دوسرا عہدۂ وزیٹری پرگنہ بھی تھا، جس کی تنخواہ چالیس روپے ماہانہ تھی۔ مولانا کی خواہش تھی کہ علی اکبر دوسرے عہدے کے لیے درخواست بھیج دے، لیکن وہ نہ مانا، کیونکہ دہلی میں بطور ناظر صدر الصدور اس کی ماہوار تنخواہ ساٹھ روپے تھے اور وہ بیس روپے کم تنخواہ پر دہلی چھوڑ کر روڑکی جانا نہیں چاہتا تھا۔

۷۔ مولوی کریم بخش دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال جماعت اول (عربی) کے فریق دوم میں پڑھتے تھے۔ اس فریق کے کل تین طلبہ میں علی اکبر کے چھوٹے بھائی علی اصغر بھی شامل تھے۔ اس رجسٹر میں کریم بخش کی عمر بیس سال درج ہے، اس سے ان کا سنہ ولادت ۱۸۲۷ء برآمد ہوتا ہے۔ انھیں کالج میں داخل ہوئے ۴ سال ۷ ماہ ہو چکے تھے۔ اس سال ان کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۸ تھی اور اس عرصے میں وہ تین دن غیر حاضر رہے۔ نمبروں کے حساب سے جماعت میں ان کی دوسری پوزیشن تھی۔ ہر مضمون میں ان کے حاصل کردہ نمبروں (پچاس میں سے) کی تفصیل یہ ہے:

ہدایہ	۴۰
تاریخ یمینی	۴۲
دیوان المتنبی	۳۹
جامع التواریخ	۴۶
جزئیات کلیات	۴۹
رسالہ ہیئت	۳۰
علم مثلث	۴۲

Marfat.com

جواب مضمون ۳۰

اس جماعت کے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی تھے اور یوں کریم بخش بھی ان کے تلامذہ میں شامل تھے۔

۱۸۵۲ء میں اشپرینگر کے اجرا کردہ ہفتہ وار رسالہ ''قران السعدین'' کے مدیر مولوی کریم بخش تھے۔ اس سال اس رسالے کے خریداروں کی تعداد اکتیس تھی۔ (رک: صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۱۱)۔ گارسیں دتاسی نے لکھا ہے کہ ۱۸۵۳ء میں بھی اس رسالے کے وہی مدیر تھے۔ (رک: تاریخ ۲: ۱۶۵)

کریم بخش کی تصنیفات یہ ہیں:

الف۔ جبر ومقابلہ۔ یہ کتاب الجبرا پر ہے۔ اردو میں لکھی گئی۔ ماسٹر رام چندر نے اس کے لکھنے میں تعاون کیا اور یہ دہلی کے مطبع العلوم سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی۔

V. Tregear نے صرف رام چندر ہی کو اس رسالے کا مؤلف بتایا ہے اور کریم بخش کا نام نہیں لکھا۔ ماسٹر رام چندر کے ایک سوانح نگار نے ان کی ایک کتاب ''اصول جبر ومقابلہ'' کا نام لکھا ہے، جو دہلی اردو اخبار پریس سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوئی تھی (رک: ماسٹر رام چندر تالیف صدیق الرحمن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۸۳)۔ ممکن ہے، یہ دونوں الگ الگ کتابیں ہوں۔ ایک ماسٹر رام چندر کی اپنی تالیف ہو اور دوسری انہوں نے کریم بخش کے ساتھ مل کر لکھی ہو۔ گارسیں دتاسی اور محمد عتیق صدیقی نے ''جبر ومقابلہ'' کے مؤلفین میں رام چندر اور کریم بخش دونو کے نام لکھے ہیں۔

ب۔ رسالہ ہٹن صاحب: الجبرا پر Hutton کی کتاب کو اردو میں منتقل کیا گیا۔ اس کی طبع اول پر عنوان ''اصول علم مثلث'' درج ہے۔ محمد عتیق صدیقی کے مطابق کریم بخش نے یہ رسالہ بھی ماسٹر رام چندر کے اشتراک سے تالیف کیا، لیکن صدیق الرحمن قدوائی کی مذکورہ بالا کتاب میں اس کا ذکر موجود نہیں۔

ج۔ عجائبات محنت شعاری، بفرمائش ایچ ایس ریڈ، مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۹ء (صفحات ۱۱۴)۔ یہ اس انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے:

The Phenomena of industrial life and conditions of industrial success

د۔ جمع النفائس: یہ کتاب پانچ حصوں میں تھی۔ اس کا تیسرا اور چوتھا حصہ آگرہ سے بالترتیب ۱۸۵۸ء اور ۱۸۵۹ء میں طبع ہوا۔ یہ کتاب بھی ایچ ایس ریڈ (Reid) کی فرمائش پر تالیف ہوئی۔

Marfat.com

ھ۔ ہندوستانی پینل کوڈ کے اردو ترجمہ میں عظمت اللہ کی اعانت۔

و۔ دائرۂ علم: اس کا اصل مؤلف منشی ہشام لال تھا۔ کریم بخش نے اس کی تصحیح کی تھی۔

ز۔ رسالہ اصول محصول، لکھنؤ ۱۸۶۰ء (صرف آٹھ صفحات)

ح۔ انتباہ المدرسین۔ بفرمائش ایچ ایس ریڈ۔ مل (Mill) کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ۔ آگرہ ۱۸۵۸ء، صفحات ۴۸

ط۔ جغرافیہ جہاں۔ مطبوعہ ۱۸۶۰ء (صفحات ۵۲)

رک: گارسیں دتاسی ۲: ۱۶۳-۱۶۵۔ صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۹۰ بحوالہ تعلیمی رپورٹ (متعلقہ ۱۸۵۰ء) کریم بخش دہلی کالج میں ریاضی کے استاد تھے (بذیل ۳۰ اپریل ۱۸۵۰ء)

۸۔ رادھا کشن ۱۸۴۷ء میں جماعت دوم (عربی) کا طالب علم تھا اور مولوی سید محمد اس کے استاد تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر بذیل مکتوبات منشی اشرف علی کیا جائے گا۔ (بذیل: مکتوب ۴، مع تشریحات)

۹۔ علی اکبر نے اپنے سابقہ خط (بابت ۱۰ نومبر ۱۸۵۰ء، شمارہ ۲) میں لکھا ہے کہ ماسٹر رام چندر کلکتہ جانے کے لیے دو ماہ (نصف جنوری تا نصف مارچ ۱۸۵۱ء) کی رخصت لینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ دسمبر کے اواخر میں دہلی سے روانہ ہوں گے۔ اس خط میں رام چندر کی روانگی کی تاریخ ۲۵ دسمبر بتائی گئی ہے، اس حساب سے اس کی رخصت دو ماہ سے زیادہ ہو جاتی ہے، لیکن صدیق الرحمٰن قدوائی نے لکھا ہے کہ رام چندر نے ۱۸۵۱ء میں تین ماہ کی رخصت حاصل کی تھی۔ (رک: علی اکبر کا مکتوب ۲، مع تشریحات شمارہ ۱۳)

۵

''غریب پرور سلامت

سابق میں چند عرایض بسبیل ڈاک فدوی نے بھیجے۔ غالب ہے کہ خدمت عالی میں نہ پہونچے ہوں گے۔ ورنہ حضور اوس کا جواب بالضرور عنایت فرماتے۔

۸ جنوری پروانہ میور صاحب بہادر (۱) کا فدوی کے پاس آیا۔ اوس کی عبارت یہ ہے کہ تمہاری نوکری کی سبیل دہلی میں ہوگئی ہے یا نہیں۔ اگر نہ ہوئی ہو تو تم ہم کو اطلاع دو کہ تم کو کس قدر تنخواہ پر روزگار اس طرف کا منظور ہے۔ فدوی نے یہ خیال کیا کہ سدید الدین کلکتہ میں مقرر ہو گئے (۲) اور حضور نے فدوی کے

Marfat.com

واسطے چٹھی لکھی ہوگی، یہ جواب پروانہ کا لکھا کہ سابق میں جناب لفٹنٹ صاحب بہادر (۳) نے فدوی کے واسطے وعدہ مرحمت فرمانے عہدہ سدید الدین (۴) کا کیا تھا۔ اگر عہدہ مذکور یا کوئی اور عہدہ مساوی عہدہ مذکور مرحمت ہو، عین مراد ہے۔ انتہی ملخصاً۔

اوس کا جواب پھر کچھ نہ آیا، لیکن آگرہ کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ رائے بعض اہل کمیٹی کی یہ ہے کہ عہدہ مدرسی اول بباعث عدم ترقی وعدم لیاقت جماعت بالکل موقوف ہو جاوے۔ اس صورت میں فدوی بڑے اضطرار میں گرفتار ہے اور نہایت افسوس میں ہے کہ رفاقت خدمت عالی درجت کیوں چھوڑ دی۔ عہدہ مولوی احمد علی (۵) کا واسطے طمع ترقی کے چھوڑ کر نظارت محکمہ صدر الصدور اختیار کی۔ اب اوس کی حقیقت یہ معلوم ہوئی کہ ارادہ مفتی صاحب کا یہ ہے کہ بروقت تبدیل صاحب جج کے ناظر حال کو موقوف کر کر ناظر سابق کو پھر بحال کر دیں گے۔

سو اب میں نہ کلکتہ کا رہا نہ آگرہ کا نہ دہلی کا۔ حیران ہوں کہ کیا کروں۔ جو امید و توقع رکھتا تھا، سب درہم برہم ہوگئیں۔ اگر حضور مناسب جانیں، ایک چٹھی جناب لفٹنٹ صاحب بہادر یا اہل کمیٹی کو اس مضمون کی ارقام فرماویں کہ تخفیف عہدہ ہماری رائے میں نامناسب ہے اور جو دلائل کہ مناسب ہیں، ارقام فرمائیے۔ چند روز تک فدوی منتظر جواب و فیصلہ آگرہ کا ہے۔ اگر وہاں مقرر ہوگیا، فبہا، ورنہ جس طرح ہو سکے گا، اپنے تئیں خدمت بندگان عالی میں بالضرور پہونچاوے گا۔ حضور کو فدوی کا وہاں آنا منظور ہو یا نہ ہو، اس واسطے کہ سوائے آستانہ عالی کے کوئی اور ٹھکانا اس خاکسار کو نہیں۔ مفتی صاحب کے ۱۰۰ روپیہ سے حضور فیض گنجور کے ۱۰ روپیہ ۱۰۰ درجہ بہتر ہیں۔ البتہ اگر فدوی کو استقلال و قیام متیقن ہوتا، اس قدر اضطراب و قلق حاصل نہ ہوتا۔

اور اصل باعث اضطراب کا یہ ہے کہ اگر آب و ہوائے بنگال موافق مزاج وحال حضور ہوتی اور حضور تندرست وخوش وہاں رہتے، تو اس صورت میں اقامت حضور کی مدت دراز تک یقیناً وہاں ہوتی اور اوسی مدت دراز میں فدوی کے واسطے بھی کچھ نہ کچھ صورت استقلال بذریعہ پرورش حضور حاصل ہو جاتی۔ اب چونکہ طبیعت عالی طینت ناساز اور ناموافق آب و ہوائے بنگال رہتی ہے (۷)، مدت دراز تک اقامت حضور کی وہاں نہ ہوگی اور غالباً بعد عرصہ قلیل کے حضور ولایت کو تشریف لے جاویں گے، اوس عرصہ قلیل میں خدا جانے کوئی عہدہ فدوی کو حاصل ہو یا نہ ہو۔ فقط۔

سابق میں دو عرضی مشتمل اپنے حال کے فدوی نے لکھی ہیں۔ اون میں کچھ حال مولوی مملوک العلی کا بطور شکایت لکھا تھا۔ اون کو حضور چاک فرمادیں۔ مبادا کہ سدید الدین خان اون کو دیکھیں (۸)۔ فقط

علی اکبر

Marfat.com

۱۹ جنوری ۱۸۵۱ء"

تشریحات:

۱۔ سر ولیم میور (۱۸۱۹ء-۱۹۰۵ء)۔ منتظم، مؤرخ اسلام اور علوم اسلامیہ کا معروف اسکالر۔ ۱۸۵۲ء میں وہ صوبجات شمال مغربی کا سیکرٹری تھا۔ تفصیلی حالات کے لیے رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ۔ ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی (بک لینڈ)، لندن ۱۹۰۶ء (طبع عکسی، لاہور ۱۹۷۶ء) ص ۳۰۳-۳۰۴۔ جوزف ارونگ: دی بک آف ایمی نینٹ سکوٹسمین (۱۸۸۱ء)۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، بذیل مادہ۔

۲۔ مولانا سدید الدین خاں کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ امینی کے لیے منتخب کر لیا گیا اور وہ جنوری ۱۸۵۱ء کو آگرہ کالج کی ملازمت چھوڑ کر کلکتہ روانہ ہو گئے۔

۳۔ مراد جیمز ٹامسن (۱۸۰۴ء-۱۸۵۳ء)۔ وہ ۱۸۴۳ء سے وفات تک شمال مغربی صوبوں کے لفٹیننٹ گورنر کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ رک: بک لینڈ، ایضاً، ۴۲۱-۴۲۲۔ سر ولیم میور: جیمز ٹامسن، لفٹیننٹ گورنر آف نارتھ ویسٹرن پراونسز آف انڈیا، ۱۸۹۷ء۔ سر رچرڈ ٹمپل: جیمز ٹامسن، آکسفورڈ ۱۸۹۳ء، ص ۹۱ بعد۔ ٹمپل نے لکھا ہے کہ ٹامسن کے پاس مشرقی زبانوں کی کتب کا جو ذخیرہ تھا، اسے مرنے کے بعد آگرہ کالج کو دینے کی وصیت کر دی تھی۔ (ص ۱۷۰، تحتی نوٹ)

۴۔ مولانا سدید الدین خاں آگرہ کالج میں شعبۂ عربی کے مدرس اول تھے۔ ۹ دسمبر ۱۸۵۰ء کو مدرسۂ عالیہ کے عہدۂ امینی کے لیے جو امتحان ہوا، اس میں مولانا بھی شامل ہوئے اور وہی اس عہدے کے لیے کامیاب قرار دیے گئے۔ اس کے بعد مولانا کے عہدے کے لیے کئی امیدوار اٹھ کھڑے ہوئے اور کوشش کرنے لگے کہ کسی طرح یہ عہدہ انھیں مل جائے۔ ان میں چند امیدواروں نے اثر [illegible] خطوط لکھے، لیکن اس نے یہ عہدہ علی اکبر کو دینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے صوبجات شمال مغربی کے لفٹیننٹ گورنر کو خط لکھا اور مولانا سدید الدین سے خالی عہدے پر علی اکبر کی سفارش کی۔ لفٹیننٹ گورنر نے بذریعہ خط علی اکبر کو یہ اطلاع دی کہ آگرہ کالج میں مدرس اول کا [illegible] کو دیا جائے گا۔ اس کے فوراً بعد جب میور اس علاقے کا افسر مقرر ہوا تو اس نے آتے ہی [illegible] بھجوایا کہ اگر اسے ابھی تک نوکری نہ ملی ہو، تو وہ بتائے کہ آگرہ کالج میں وہ کس تنخواہ پر کام کرنے کو تیار ہے۔ علی اکبر نے جواباً اسے اصل صورت حال بتا دی۔ اس دوران میں یہ پیش رفت ہوئی کہ آگرہ کالج کی مجلس انتظامی کے ارکان نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ [illegible]

Marfat.com

بہت کم ہے اور ان کی استعداد بھی واجبی سی ہے، اس لیے مدرس اول کے عہدہ کو ختم کر دیا جائے اور اس جماعت کے طلبہ کو پڑھانے کے لیے کالج کے شعبہ فارسی کے استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی کو مقرر کر دیا جائے اور اس اضافی تدریس کے پیش نظر ان کی تنخواہ میں معمولی سا اضافہ کر دیا جائے۔ علی اکبر کے اگلے خط (شمارہ ۶) سے یہ پتا چلتا ہے کہ ان دنوں مدرس اول (عربی) کے استاد کی تنخواہ سو روپیہ ماہوار تھی، لیکن متذکرہ بالا مجلس کے فیصلے کے مطابق مولوی ابوالحسن فرید آبادی کو عربی پڑھانے کے عوض بیس روپے زیادہ دینے کا فیصلہ ہوا اور اسیؔ روپے کی تخفیف کی تجویز ہوئی۔ کسی طرح مجلس انتظامی کی ان تجاویز کی بھنک علی اکبر کے کان میں پڑ گئی۔ شاید اس کی خبر اس کے چھوٹے بھائی علی اصغر نے دی ہو، جو آگرہ کالج ہی میں اردو کا مدرس تھا۔ علی اکبر نے فوراً اس کی اطلاع اشپرینگر کو کر دی، جس نے فوراً میور کو ان تجاویز کو نامنظور کرنے اور آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کے عہدے پر علی اکبر کی تقرری کے متعلق لکھا۔ چنانچہ اس نے اشپرینگر کی سفارش پر مولانا سدیدالدین خاں کا عہدہ بحال رکھا اور اس پر علی اکبر کو مقرر کر دیا۔

۵۔ یعنی مدرس سوم (فارسی)، دہلی کالج۔

۶۔ مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی۔

۷۔ اشپرینگر جتنی دیر ہندوستان میں رہا، وقتاً فوقتاً اس کی طبیعت بگڑتی رہی۔ دوران ملازمت وہ کئی بار بیمار ہوا اور اپنی علالت کے سبب رخصت لیتا رہا۔ تفصیل کے لیے رک: راقم کی کتاب ''شاہان اودھ کے کتب خانے''، کراچی ۱۹۷۳ء، مقدمہ۔ بنگال کی آب و ہوا بھی اسے راس نہ آئی، لیکن اس کے باوجود وہ ہندوستان چھوڑنے تک اسی علاقے میں مقیم رہا۔

۸۔ علی اکبر نے اپنے سابقہ خطوط میں اپنے استاد مولانا مملوک العلی نانوتوی کے متعلق تلخ باتیں لکھ دی تھیں۔ بعد میں اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ ان خطوط کو ضائع کر دے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مولانا سدیدالدین خاں کو اس بات کا پتا چل جائے۔ معلوم نہیں علی اکبر اپنے ان شکایت آمیز کلمات کو کیوں مولانا سدیدالدین سے مخفی رکھنا چاہتا تھا۔

۶

''غریب پرور سلامت

سابق میں پروانہ عالی معرفت مولوی جعفر علی (۱) پہنچا اور فدوی نے ایک عرضی ملفوف خط مکند

Marfat.com

لال (۲) اور دوسری بر سبیل ڈاک روانہ کی ہے۔ ۳۱ جنوری پروانہ حضور فیض گنجور متضمن حال عہدہ مولوی نور الحق (۳) صادر ہوا، مشرف فرمایا۔

صورت یہ ہے کہ قانون رخصت کا کچھ مقرر نہیں ہے۔ چنانچہ ٹیلر صاحب بہادر نے یہی فرمایا کہ رخصت کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ سابق میں مولوی محمد مظہر کو رخصت دو سال کی ملی تھی (۴)۔ بایں شرط کہ چھ مہینے نصف تنخواہ دی جاوے اور من بعد عوض خدمت کو عہدہ واپس دینے نہ دینے کا اختیار ہے۔ مولوی احمد علی کو رخصت یک سال بشرط نصف تنخواہ تا شش ماہ ہوئی (۵)۔ مولوی مملوک العلی کو رخصت ایک مہینے کی بھی نہ ہوئی (۶)۔ ٹیلر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ منظوری رخصت و مقدار و شرط رخصت سب گورنمنٹ و حاکم اعلیٰ کی رائے پر موقوف ہے اور احتمال ہے کہ قانون مدرسہ دہلی کا مختلف ہو، قانون مدرسہ کلکتہ سے۔

حضور نے ارقام فرمایا ہے کہ بعد دس ماہ کے مدرس مذکور موقوف نہ ہوگا۔ فدوی کو یہ شبہ ہے کہ بشرط حصول رخصت دو سال دس ماہ میں کس قانون سے موقوف ہوگا۔ علاوہ یہ کہ جب چھ مہینے منقضی ہو چکیں، اس کے بعد ۱۰ ماہ میں موقوف ہوگا یا ابتدائے حصول رخصت سے۔

حال نظارت کا یہ ہے کہ کبھی ۵۰ اور کبھی ۶۰ روپے حاصل ہوتے ہیں، لیکن عدم ترقی کا یقین کلی ہے اور احتمال تعزل یا تنزل کا بباعث عدم استقلال مزاج مفتی صاحب باقی ہے۔

فدوی کو بڑی تمنا یہ ہے کہ کسی قانون کی رو سے بالفعل تمام تنخواہ یعنی ۱۰۰ روپیہ فدوی کو مرحمت ہوں اور چھ مہینے تک پچاس روپیہ ملنے میں نقصان ہے۔ دوسری وجہ نقصان کی یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ کلکتہ سے جہاز قریب تر ہے۔ ایک سال میں حج کر کر مراجعت ہو سکتی ہے۔ غالب ہے کہ مدرس مذکور نے احتیاطاً رخصت دو سال کی درخواست دی ہے۔ بعید نہیں کہ بعد یک سال مراجعت کر کر اپنا عہدہ حاصل کرے۔ عہدہ مستقل پر زیادہ اطمینان ہوتا ہے، بہ نسبت عہدہ عوض خدمت کے۔ اگرچہ عوض خدمت سالہائے دراز تک ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ شاید تا انقضائے دو سال عہدۂ دیگر خالی نہ ہو۔ فدوی از روئے جواب نہیں عرض کرتا، بلکہ از روئے استحصال مصلحت و مشورہ یہ عرض کرتا ہے کہ اگر حضور کے نزدیک استقلال اس عہدہ کا متیقن ہو، تو فدوی بسر و چشم اسی وقت یہاں سے روانہ ہو کیونکہ فدوی طالب استقلال و ترقی کا ہے اور یہ دونوں باتیں جز پیشگاہ نوازش بندگان عالی اور کسی جائے اس خاکسار کو حاصل نہ ہوں گی۔ اور اگر استقلال کا یقین حاصل نہ ہو تو چندروز تک یعنی جب تک کہ استقلال کا یقین حاصل ہو یا کوئی دوسرا عہدہ خالی ہو، تو فدوی توقف کرے۔ اس واسطے کہ صاحب جج بہادر بھی، جو کہ ان دنوں میں اہل مدرسہ کے حامی و مددگار ہیں اور جن کے ایماء حکم سے مفتی صاحب نے ہم کو مقرر کیا ہے، چند سال تک دہلی میں رہیں گے اور اس صورت میں مفتی صاحب بغیر رضا ہم کو نہیں دے سکتے۔

Marfat.com

اوراس چند سال میں بلکہ عنقریب غالباً مدارس بنگال میں کوئی نہ کوئی عہدہ بالضرور حاصل ہوگا، لیکن حضور از راہ نوازش خاوندانہ حال اس عہدہ اور کیفیت تقرر رخصت سے فدوی کو ارقام اطلاع مرحمت فرمادیں، تا کہ اگر استقلال یقینی ہو اور بالفعل کل تنخواہ فدوی کو مرحمت ہو سکے یا ۶ مہینے تک ۵۰ روپیہ ملیں اور بعد ۶ مہینے کے عہدہ مذکور نامزد فدوی کے ہو جاوے، تو فوراً شرف خدمت حاصل کروں اور ایک لحہ یہاں نہ ٹھہروں۔

فدوی کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ حضور کو یہ خیال نہ گذرے کہ علی اکبر کلکتہ میں حاضر ہونا نہیں چاہتا اور حیلہ و بہانہ کرتا ہے۔ فدوی سچ عرض کرتا ہے کہ حصول شرف خدمت عالی کو تمنائے عظیم و آرزوئے فخیم جانتا ہے، مگر عدم استقلال عہدہ کا خیال کر کر خواہ مخواہ دل میں توقف ہوتا ہے۔ درخواست فدوی نے بحسب حکم بندگان عالی ملفوف عریضہ ہذا روانہ خدمت کی ہے۔ اگر حضور کے نزدیک یقین و استقلال عہدہ کا واسطے فدوی کے یقینی ہو، تو درخواست ہذا کو گورنمنٹ میں منظور فرمائے اور اگر یقین نہ ہو تو جیسا مناسب ہو حضور میرے حق میں حکم فرمادیں اور فدوی کو اتباع و اطاعت حضور سے مطلقاً انکار نہیں۔ امیدوار ہوں جیسا حضور کے نزدیک مناسب معلوم ہو، اوس سے اطلاع بخشیں تا کہ موافق اوس کے عمل کروں۔ اب فدوی منتظر جواب باصواب ہے (۷)۔ فقط۔

مولوی مملوک العلی صاحب نے ایک نسخہ ''موطا'' کا ہدیۂ وتحفۂ حضور کے واسطے رکھا ہے (۸)۔ جس طرح حکم ہو، بھیجا جاوے۔ حال مدرسہ آگرہ کا یہ ہوا کہ ۸۰ روپیہ تخفیف میں آئے اور ۲۰ روپیہ ابوالحسن کو دیئے گئے۔ وہ کچھ عربی بھی پڑھاوے گا (۹)۔

عرضے

سید علی اکبر

تیسری فروری ۱۸۵۱ء''

تشریحات:

۱۔ قاری جعفر علی جار چوی، جو دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کے مدرس تھے۔ ان کے دہلی کالج میں تقرر اور اس کے پس منظر، تنخواہ اور محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر سے ان کے مذہبی تنازعہ کی تفصیلات کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' (در: مطالعہ آزاد، درج بالا)

۲۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر برائے طلبہ دہلی کالج کے مطابق مکند لال جماعت دہم کا استاد تھا اور اس سال یہ جماعت چالیس طالب علموں پر مشتمل تھی، جن میں پانچ مسلمان تھے۔ اس جماعت میں طلبہ کے لیے صرف دو مضامین ہوتے تھے۔ ریڈر نمبر اول (۵۰ صفحے) اور ابجد (۵۰ صفحے)۔

Marfat.com

گارسیں دتاسی لکھتا ہے کہ مکند لال ۱۸۶۱ء میں نائب اسسٹنٹ سرجن تھا اور آگرہ کے میڈیکل کالج میں استاد تھا۔ اس نے ایک کتاب ''بغاوت ہند'' کے عنوان سے لکھی، جس میں ۱۸۵۷ء کے واقعات کو قلمبند کیا گیا۔ اس نے ایک اور کتاب ''مفید الخلائق'' بھی لکھی، جس پر شیونرائن کا نام بھی موجود ہے۔

(رک: تاریخ ۲: ۳۷۸، نیز رک: مکتوبات منشی اشرف علی، شمارہ ۴، تشریحات، شمارہ ۹)

۳۔ مولوی نور الحق مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں عربی کے استاد تھے، لیکن مدرسہ کی تاریخ کے مرتب مولوی عبدالستار نے ان کا نام اساتذہ میں شامل نہیں کیا۔ برلین (مغربی) میں محفوظ ذخیرۂ اشپرینگر کے چھٹے ڈبہ میں بڑی تقطیع کے ایک کاغذ پر مدرسہ کے اساتذہ کی فہرست نقل کی گئی ہے۔ اس صفحہ کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر خانہ میں استاد کا نام اور اس کے مقابل طلبہ کی تعداد اور کتب درسیہ کے عنوانات دیئے گئے ہیں۔ اس فہرست میں مولوی نور الحق کا نام بھی شامل ہے اور وہ مدرسہ میں جماعت عربی کے مدرس سوم تھے۔ ان کی جماعت کے دونو فریقوں میں طلبہ کی تعداد ۱۷ تھی اور وہ طالب علموں کو نفحۃ الیمن، اشباہ والنظائر، مطول اور مختصر معانی پڑھاتے تھے۔

اشپرینگر نے السیوطی کی ''الاتقان'' شائع کرائی تھی (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء)۔ اس کتاب کا متن تیار کرنے میں مولوی سدید الدین خاں اور مولوی بشیر الدین کے علاوہ مولوی نور الحق نے بھی اس کی مدد کی تھی۔

۴۔ مولانا محمد مظہر نانوتوی مدرسہ بنارس میں استاد تھے۔ انھوں نے ۱۸۴۷ء میں حج پر جانے کے لیے دو سال کی رخصت لی تھی، جو دسمبر ۱۸۴۹ء میں ختم ہوگئی۔ تفصیل کے لیے رک: بذیل مکتوبات محمد مظہر نانوتوی۔

۵۔ مولوی احمد علی، مدرس سوم (فارسی)، دہلی کالج نے ۱۸۴۸ء کے آخر میں ایک سال کی رخصت لی۔ ممکن ہے، انھوں نے یہ طویل رخصت حج کے لیے حاصل کی ہو۔ انہیں ۱۸۵۰ء کے شروع میں واپس آنا تھا، لیکن وہ نہ آسکے۔ ان کی غیر موجودگی میں یہ عہدہ علی اکبر کو عارضی طور پر دیا گیا تھا۔ اسے ۱۸۵۰ء میں دو مرتبہ یہ عہدہ تفویض ہوا، لیکن وہ اس عہدے کی غیر مستقلی کے باعث اسے پسند نہیں کرتا تھا۔

۶۔ اشپرینگر مصر تھا کہ مولانا مملوک العلی نانوتوی مدرسہ عالیہ کے عہدۂ امینی کو قبول کرلیں اور دہلی کالج چھوڑ کر کلکتہ آجائیں۔ مولانا اپنی پچیس سالہ پرانی ملازمت چھوڑنے میں پس و پیش کر رہے تھے۔ بالآخر انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ انھیں دہلی کالج سے ایک سال کی رخصت مل جائے اور اس کے

Marfat.com

دوران میں اگر وہ چاہیں، تو واپس دہلی آ جائیں، لیکن ارباب اختیار کو یہ منظور نہیں تھا، کیونکہ وہ انھیں ایک سال چھوڑ، ایک مہینے کی بھی رخصت نہیں دینا چاہتے تھے۔ اس کی بڑی وجہ وہ اختلاف تھا، جو مولانا اور ٹیلر کے مابین پایا جاتا تھا۔

ان دنوں شمالی ہند کے مدارس بشمول دہلی کالج میں طویل رخصت کا یہی طریق کار تھا کہ درخواست دہندہ کو چھے ماہ تک نصف تنخواہ دی جاتی تھی، اس کے بعد رخصت بلا تنخواہ ہوتی تھی، لیکن اس کا عہدہ محفوظ رہتا تھا۔ غیر حاضری میں کسی اور شخص کو اتنی مدت کے لیے ملازم رکھ لیا جاتا تھا اور جب اصل مدرس چھٹی گذار کے واپس آتا، تو پھر وہ اپنے عہدے پر کام شروع کر دیتا۔

۷۔ علی اکبر کو مدرسۂ عالیہ کا عہدۂ امینی امتحان میں ناکامی کے باعث نہ مل سکا اور وہ مجبوراً آزردہ دہلوی کی کچہری میں بطور ناظر کام کرتا رہا۔ اسی سال غالباً جنوری ۱۸۵۱ء میں اسی مدرسہ کے مدرس سوم (عربی) مولوی نور الحق نے حج پر جانے کے لیے دو سال کی رخصت طلب کی، جو منظور ہوگئی۔ ڈاکٹر اشپرینگر نے فوراً علی اکبر کو مطلع کیا کہ اگر وہ چاہے تو مولوی صاحب کے اس عہدہ کے لیے درخواست دے، لیکن اس عہدے کے لیے بھی یہ شرط عائد کر دی گئی کہ مولوی صاحب کی واپسی کے بعد یہ عہدہ اسے چھوڑنا پڑے گا۔ علی اکبر کو ایسا غیر مستقل عہدہ قبول کرنے میں تامل تھا، کیونکہ وہ ''طالب استقلال و ترقی'' تھا اور چاہتا تھا کہ اب جو بھی ملازمت ملے، وہ مستقل ہو اور کم از کم عہدۂ نظارت کی ماہوار آمدنی (ساٹھ روپے) کے برابر ہو۔

علی اکبر نے جب سے عملی زندگی میں قدم رکھا تھا، اسے عارضی ملازمتیں ہی حاصل ہوتی رہیں۔ ۱۸۵۰ء میں دوبارہ دہلی کالج میں مدرس سوم (فارسی) کا عہدہ ملا، لیکن یہ بھی غیر مستقل تھا۔ صدر الصدور کی کچہری میں ناظر کی نوکری ملی، جو مستقل ضرور تھی، لیکن مفتی صدر الدین آزردہ کی متلون مزاجی کی وجہ سے اسے یہ خدشہ تھا کہ وہ کسی وقت بھی اسے معطل کر سکتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی خواہش تھی کہ اب کوئی ایسی ملازمت حاصل ہو، جو مستقل ہو۔ چنانچہ وہ اشپرینگر کو یہی لکھتا رہا کہ اگر مدرسۂ عالیہ میں ممکن نہیں، تو بنگال کے کسی اور کالج (مثلاً ہگلی کالج وغیرہ) میں کوئی مستقل عہدہ دلوا دے۔ اس خط کی تحریر کے فوراً بعد اس کی یہ خواہش پوری ہوگئی اور بنگال میں تو نہیں، البتہ دہلی کے قریب ہی آگرہ کالج میں اس کی مستقل ملازمت کا بندوبست ہو گیا۔

۸۔ مؤطا امام مالک (رک: سیتز گن ۱: ۴۵۷-۴۶۴)۔ اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں ''مؤطا'' کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا، جو خاصا پرانا تھا، لیکن ناقص تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۳۳ شمارہ ۴۹۳۔

Marfat.com

اھلوارٹ، شمارہ ۱۱۴۳) لیکن اس خط میں کسی مخطوطہ کا ذکر نہیں، بلکہ اس کتاب کے اس ایڈیشن کا حوالہ دیا گیا ہے، جو ۱۲۶۶ھ/۱۸۴۹ء میں دہلی سے طبع ہوا تھا۔ سپرنگر نے ''موطا'' کی کئی طباعتوں کا حوالہ دیا ہے، لیکن اس قدیم طباعت کا ذکر نہیں کیا۔

۹۔ آگرہ کالج کی مجلس انتظامی نے مولانا سدیدالدین خاں کے خالی عہدہ یعنی مدرس اول (عربی) کو ختم کرنے کی جو سفارش کی تھی، اس پر عمل درآمد شروع ہوگیا، یعنی اس جماعت کے طالب علموں کو اسی کالج کے فارسی استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی پڑھانے لگے اور اس اضافی کام کے لیے ان کی تنخواہ میں بیس روپے اضافہ کر دیا گیا اور یوں اسی روپے کی بچت ہوگئی، لیکن یہ انتظام زیادہ دیر نہ چل سکا اور لفٹیننٹ گورنر کے حکم پر کالج کی انتظامیہ کو یہ عہدہ بحال کرنا پڑا اور اس پر علی اکبر کا تقرر ہوا۔

۷

''غریب پرور سلامت (۱)

سابق میں فدوی نے دو عرضیاں خدمت میں بندگان عالی کی بھیجی تھیں، پہنچی ہوں گی۔ اب عرصہ دراز سے کوئی عرضی خدمت حضور میں فدوی نے نہیں بھیجی۔ سبب اس کا یہ تھا کہ قریب تین مہینے کے ہوئے کہ کمترین درد بواسیر میں گرفتار رہا۔ نشست و برخاست وآمد و رفت کی موقوف ہوئی۔ اسی اثنا میں ایک دُمَل متصل مقام بواسیر پیدا ہوا، چنانچہ اب تک اوسی دُمَل کا معالجہ جاری ہے اور اوس میں بباعث بگڑ جانے کے ناسور ہوگیا ہے۔ اوس سے بہت تکلیف اور حرج رہا۔ اس قدر ممکن نہ تھا کہ بیٹھ کر ایک عرضی لکھوں۔ اب ایک ہفتہ سے مدرسہ میں جاتا ہوں۔ کچھ بیٹھتا ہوں، اکثر پڑا رہتا ہوں۔ علاوہ درد بواسیر و درد دُمَل کے اور مصائب بخار و نفخ و قبض وغیرہ کی بہت رہیں (۲)۔ حال اس مدرسہ کا آئندہ حضور کی خدمت میں لکھوں گا۔

احقر کی بڑی تمنا ہے کہ بندگان عالی کی خدمت میں مشرف ہو۔ امیدوار ہوں کہ اس فدوی خاص اور خیر خواہ با اخلاص کو حضور سہو نہ فرماویں۔ جس وقت حضور ایما فرماویں گے، خاکسار فوراً بلا تامل حاضر ہوگا (۲)۔ فقط واجب تھا عرض کیا۔ الٰہی آفتاب دولت و اقبال تاباں باد۔

کمترین علی اکبر

یکم ستمبر ۱۸۵۱ء از آگرہ''

تشریحات:

۱۔ علی اکبر نے یہ خط اشپرینگر کو آگرہ سے لکھا۔ اس وقت وہ یہاں کے کالج میں ملازم ہو چکا تھا۔ اس نے

Marfat.com

کب مدرسہ آگرہ میں بحیثیت مدرس اول (عربی) ذمہ داریاں سنبھالیں، اس کے متعلق کسی حتمی تاریخ کا تعین نہیں ہوسکتا۔ اس کے گذشتہ خط کا سنہ تحریر ۳ فروری ۱۸۵۱ء ہے اور اس میں عہدہ مذکور پر تقرری کا ذکر تک نہیں کیا گیا، بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل کمیٹی کی تجویز پر اس عہدہ ہی کو سرے سے ختم کر دیا گیا اور اس جماعت کے چند طلبہ کی تعلیم و تدریس کے لیے مدرسہ ہی کے فارسی استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی کو مقرر کر دیا گیا۔

یوں علی اکبر کو یہ عہدہ ملنے کے جو امکانات روشن ہوئے تھے، وہ بالکل ختم ہو گئے، لیکن یہ اشپرینگر کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ ولیم میور نے کمیٹی کے فیصلے کو منسوخ کر کے یہ عہدہ بحال کر دیا اور اس پر علی اکبر کو تعینات کر دیا گیا۔ یہ تقرری کب عمل میں آئی؟ اس کے بارے میں وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ علی اکبر کو ۳ فروری کے بعد مدرس اول مقرر کیا گیا۔ کچھ دیر پڑھایا اور پھر وہ بیمار پڑ گیا۔ زیر نظر خط (مورخہ یکم ستمبر ۱۸۵۱ء) کے حوالے سے اسے بیمار ہوئے تقریباً تین ماہ گذر چکے تھے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ جون ۱۸۵۱ء میں بیمار ہوا اور پھر اس کا مرض آہستہ آہستہ بڑھتا گیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ جون سے قبل مدرسہ آگرہ میں اپنا عہدہ سنبھال چکا تھا۔ ان تصریحات کے پیش نظر قرین قیاس یہی امر ہے کہ علی اکبر صدر الصدور کی کچہری سے عہدۂ نظارت چھوڑ کر آگرہ کالج میں فروری اور جون کے مابین ملازم ہوا۔

۲۔ علی اکبر نے آئندہ خطوط میں بھی اپنی علالت کا ذکر کیا ہے۔ وہ ان بیماریوں کے ہاتھوں بہت تنگ تھا۔ علاج بھی کراتا رہا، لیکن اسے کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس خرابی صحت کا اثر علی اکبر کے تدریسی مشاغل پر بھی پڑا، لیکن وہ طوعاً و کرہاً وقت گذارتا رہا۔ بالآخر یہ امراض اتنی شدت اختیار کر گئیں کہ وہ جانبر نہ ہوسکا اور تقریباً ایک سال ان بیماریوں سے نبرد آزما رہنے کے بعد اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

۳۔ علی اکبر کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ اسے اشپرینگر کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملے۔ اسے جتنی ملازمتیں حاصل ہوئیں، وہ ان سے غیر مطمئن ہی رہا اور اس بات کا متمنی رہا کہ کسی طرح اشپرینگر اسے اپنے پاس بلا لے۔ آگرہ کالج کی ملازمت ہر اعتبار سے اس کی خواہش کے مطابق تھی، لیکن اس کے باوجود وہ مُصر رہا کہ اگر مدرسۂ عالیہ میں جگہ نہیں، تو بنگال کے کسی اور کالج میں اسے ملازمت مل جائے تاکہ وہ اشپرینگر کی ہمراہی یا قربت میں اپنا وقت گذار سکے۔

Marfat.com

۸

''غریب پرور سلامت ·

کمترین نے سابق میں کئی عرضیاں اپنی بیماری کے حال کی بندگان عالی کی خدمت میں بھیجی تھیں۔ نظر انور سے گذری ہوں گی۔ چنانچہ اب تک بیمار ہوں۔ صحت حاصل نہیں ہوئی۔ خدا فضل کرے۔

اب ان دنوں میں دہلی میں ایک حادثہ پیش آیا کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے انتقال کیا (۱) اور کمیٹی نے بجائے اون کے مولوی سید محمد صاحب کو مامور کیا (۲)، لیکن چونکہ بابت عہدۂ دویم عربی کے مولوی سبحان بخش (۳) میں، جو مستحق اس عہدہ کے ہیں، اور مولوی حسن علی خان (۴) میں تنازع ہوا، تو اسی واسطے کمیٹی نے واسطے اس عہدہ کے امتحان تجویز کیا ہے۔ اور یہ تجویز کیا کہ کواغذ امتحان کے واسطے ترتیب نمبر کے بندگان عالی کی خدمت میں بھیجے جاویں۔ غالب ہے کہ ملاحظہ عالی سے گذرے ہوں گے (۵)۔

میں نہیں جانتا کہ کیوں کمیٹی نے امتحان تجویز کیا ہے۔ مولوی سبحان بخش میں اور مولوی حسن علی خان میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ حضور کو خوب یاد ہوگا کہ حضور نے چینی (کذا) میں مولوی سبحان بخش کو ایک چٹھی اس مضمون کی عنایت فرمائی تھی کہ یہ شخص یعنی مولوی سبحان بخش مستحق عہدہ مدرسی دویم عربی کے ہیں، جب کبھی خالی ہو۔ اور کیوں مستحق نہ ہوں کہ وے بڑے عالم ہیں۔ رات دن پڑھنے پڑھانے میں مصروف رہتے ہیں۔ اپنے مکان پر بھی یہی چرچا رکھتے ہیں اور مدرسہ میں تو اس کام کی نوکری ہی پاتے ہیں۔ اور اسی واسطے کتابیں تحصیلی اون کو خوب یاد ہیں۔ ابتدا سے لے کے انتہا تک کئی بار پڑھایا ہے۔ فی الحقیقت بڑی استعداد کامل رکھتے ہیں۔ سوا اس کے بڑی بات یہ ہے کہ وے طالب علموں پر بڑی محنت کرتے ہیں اور اون سے بہت محنت لیتے ہیں۔ خواندگی سننے اور ترکیب عبارات عربی کے لکھوانے اور جواب مضمون کا لکھوانا اور اون میں اصلاح دینی، تمام دن اون کا انہیں باتوں میں جاتا ہے۔ چاہیے کہ کوئی دم ذرا آپ دم لیں یا طالب علم کو دم لینے دیں، کیا ممکن۔ حقیقت حال یہ ہے کہ طالب علم کی انہیں کی جماعت میں آن کر استعداد درست ہوتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ بھی شوق سے پڑھاتے ہیں اور طالب علموں کو بھی شوق دلاتے ہیں اور محنت پر [illegible] ہیں۔ پس طالب علم خواہ نخواہ مستعد اور محنت کش ہوا چاہے (۶)۔

برخلاف مولوی حسن علی خان کے کہ اون کو ذرا شوق نہیں۔ رات دن اون کا ستار بجانے میں ستا ہے ور مدرسہ میں جو تشریف لاتے ہیں، تو سوا سور ہنے کے اور کچھ کام نہیں کرتے۔ اسی واسطے اون کے طالب علم نہایت خراب اور بالکل بد استعداد ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایک آدھ طالب علم بروقت امتحان کے اچھا بھی نکل آیا تو وجہ اوس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ شہر میں باہر مدرسہ سے پڑھ آتا ہے۔ اون کی محنت کو اوس میں کچھ دخل نہیں۔

Marfat.com

اب اگر خدانخواستہ ایسا شخص عربی کا مدرس دوئم ہو جاوے، تو طالب علم محنت سے ناآشنائے محض ہو جاویں گے اور پڑھا لکھا بالکل بھول جاویں گے اور استعدادیں خراب ہو جاویں گے۔ جو کچھ کہ علم اور استعداد اوس نے نیچے کی جماعت میں حاصل کیا ہوگا، وہ بھی ان کے ہاں آن کر کھودے گا (۷)۔

جو کچھ کہ یہ حال کمترین نے مولوی حسن علی خان کا لکھا، اوس کے شاہد مولوی محمد سدید الدین خان صاحب بھی ہیں (۸)۔ حضور اس کو بخوبی دریافت کر سکتے ہیں۔ ہر چند کمترین کو یہ پایہ نہیں کہ اس طرح سے بندگان عالی میں عرض کرے، لیکن بباعث رعایت حق اور خیر خواہی سرکار کے اطلاعاً عرض کیا۔ آئندہ جو مرضی مبارک بندگان عالی کی ہووے، وہ وہی عین صواب ہے۔ زیادہ حد ادب۔

کمترین نے اس عرضی کو اب کی بار بیرنگ اس لئے روانہ کیا کہ اس سے پہلے کئی عرضیاں پوسپیڈ بندگان عالی کی خدمت میں روانہ کیں، لیکن اون میں سے ایک کے بھی جواب سراسر صواب سے، جو معزز اور ممتاز مفخر اور سرفراز نہ ہوا، تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید بندگان عالی کی خدمت میں نہ پہنچیں ہوں گی اور بیچ میں ڈاک والوں نے خرد برد کر لی ہوں گی۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔

الٰہی آفتاب دولت واقبال کا ہمیشہ تاباں رہے۔

کمترین علی اکبر

۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء، از مدرسہ آگرہ"

تشریحات:

۱۔ علی اکبر کے اس خط (مورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء) سے دس دن قبل یعنی ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو مولانا مملوک العلی نانوتوی کا انتقال ہوا۔ چنانچہ ان کے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی رقمطراز ہیں کہ "اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارھویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو...... انتقال ہو گیا"

(سوانح عمری بحوالہ سوانح قاسمی ۱:۲۹)۔

۲۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی دہلی کالج میں مدرس اول (عربی) تھے اور مولوی سید محمد اسی شعبے میں مدرس دوم کی حیثیت سے پڑھا رہے تھے۔ مولانا کی وفات کے بعد مدرس اول کا عہدہ مولوی سید محمد کو تفویض ہوا اور ان کے خالی عہدہ پر کالج ہی کے دو استادوں مولوی سبحان بخش شکارپوری اور مولوی حسن علی خاں کے مابین مقابلہ شروع ہوا۔ علی اکبر مدرس دوم (عربی) کے عہدے کے لیے مولوی سبحان بخش شکارپوری کو مستحق سمجھتا تھا اور اسی مقصد کے لیے یہ اس نے اشپرینگر سے سفارش بھی کی۔ ان دونو امیدواروں میں سے کس کو یہ عہدہ ملا، موجودہ مکاتیب اس کے متعلق خاموش ہیں۔

Marfat.com

۳۔ مولوی سبحان بخش شکارپوری دہلی کالج میں مدرس سوم (عربی) تھے اور ان کا تقرر بھی اشپرینگر ہی کے کہنے پر ہوا تھا۔ یہ جماعت تین فریقوں میں منقسم تھی اور ان سب کو وہی پڑھاتے تھے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرہ بالا رجسٹر برائے طلبہ دہلی کالج میں ان تین فریقوں کے طلبہ کی تعداد اکیس بتائی گئی ہے۔

۴۔ مولوی حسن علی خاں ان دنوں اسی مدرسہ میں فارسی کے مدرس دوم تھے، لیکن وہ عربی کے مدرس دوم کے امیدوار تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں دہلی کالج کے مشرقی شعبوں میں مضمون کی قید نہیں تھی۔ ایک شعبہ کا استاد دوسرے شعبہ کے عہدے کے لیے بھی منتخب ہوسکتا تھا۔

۵۔ ان دنوں اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل تھا اور دہلی کالج کا سربراہ کارگل تھا، لیکن اس کے باوجود اشپرینگر اس کالج کے معاملات میں دخیل تھا اور کسی خالی عہدے کے امیدواروں کے کاغذات اسی کو بھیجے جاتے تھے اور اسی کی سفارش پر نیا مدرس ملازم رکھا جاتا تھا۔

۶۔ مولوی سبحان بخش شکارپوری کے تفصیلی حالات زندگی ان کے مکتوب بنام اشپرینگر کے تحت درج کیے گئے ہیں۔

۷۔ مولوی حسن علی خاں کا آبائی تعلق کشمیر سے تھا (گارسیں دتاسی ۱:۵۴۱) ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب چالیس برس کے تھی۔ (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۷)۔ ۱۸۴۷ء ہی کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ جماعت فارسی کے مدرس دوم تھے اور اس سال دس طلبہ ان کے زیر تعلیم تھے۔ اس جماعت کو وہ یوسف زلیخا (نصف اخیر)، جغرافیہ اور حساب پڑھاتے تھے اور ان کی ماہوار تنخواہ ۳۵ روپے تھی۔ مس اکبر کے کہنے کے مطابق وہ اپنے تدریسی فرائض سے غفلت برتتے تھے اور انھیں پڑھانے سے زیادہ ستار بجانے کا شوق تھا۔ بقول کریم الدین پانی پتی ''خلیق اور ظریف اور ہوشیار اور بہت چالاک آدمی ہے'' (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۷)۔ درگا پرشاد نادر کھتری نے اپنے تذکرہ ''خزینۃ العلوم'' (۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء) میں مولوی حسن علی خاں کو مرحوم لکھا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۷۱ء سے قبل وفات پا چکے تھے۔ درگا پرشاد خود بھی دہلی کالج ہی کا تعلیم یافتہ تھا۔

مولوی حسن علی خاں کی تالیفات اور تراجم کی فہرست درج ذیل ہے:

الف۔ قانون مال: انگریزی سے ترجمہ، بحکم فیلکس بوترو (دہلی کالج کا پہلا فرانسیسی نژاد پرنسپل) قبل ۱۸۴۵ء۔

ب۔ **گلستان سعدی**: یہ منظوم ترجمہ تھا، جو ۱۸۴۹ء میں دو سو کی تعداد میں شائع ہوا (رک صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۸۷)۔ ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۲ء میں یہ ترجمہ دہلی کے مطبع العلوم سے طبع ہوا تھا (ایضاً، ص ۱۹۰، ۱۹۱)۔ منشی درگا پرشاد نادر کھتری نے بھی اس ترجمہ کا ذکر کیا ہے اور نمونے کے طور پر

Marfat.com

یہ شعر دیا ہے۔

ہر کہ آمد عمارت نو ساخت رفت و منزل بدیگرے پرداخت

ترجمہ: جو کوئی آیا محل بنایا آپ گیا اور اُور بسایا

(تذکرۂ نادری، ص ۵۲۔ بحوالہ دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۵۷)

ج۔ الف لیلہ: اردو ترجمہ

د۔ کرۂ ارضی: جغرافیہ پر ایک رسالہ

ہ۔ میزان الطب: محمد اکبر کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ، مطبع العلوم دہلی سے ۱۸۵۳ء میں شائع ہوا۔

رک: گارسیں دتاسی ۱: ۵۴۱-۵۴۲۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۷۔ مرحوم دہلی کالج، ص ۱۵۵۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، ص ۵۷۔

۸۔ مولوی سدید الدین خاں ان دنوں مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے امین تھے۔ وہ آگرہ جانے سے پہلے چند سال دہلی کالج میں بھی پڑھاتے رہے، اس لیے وہ حسن علی خاں کی عادات واطوار سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علی اکبر نے اپنی باتوں کی تصدیق کے لیے انھی کا نام پیش کیا۔

۹

''غریب پرور سلامت

خاکسار نمک خوار قدیم دعا گوئے احسان عمیم پرورش یافتہ دولت واقبال خداوندی علی اکبر عرض رسائی خدمت فیضد رجت بندگان عالی شان یہ ہے کہ ہمیشہ حضور کے انعام ونوازش یاد کر کر دعائے نعمت خداوندنعمت میں مصروف رہتا ہے۔ اس نالایق کو لیاقت اس مرتبہ کی نہیں تھی۔ یہ سب کچھ کرم ولطف و بندہ نوازی ہے، جس کا ادائے شکر آخر عمر تک نہیں ہوسکتا۔

اس سال میں احقر چار مہینے تک مرض بواسیر ونواسیر میں مبتلا رہا، چنانچہ اب تک اوس کا شمہ باقی ہے(۱)۔

احقر نے حسب الحکم بندگان عالی کے مدرسہ میں آتے ہی کتب غیر مفیدہ مثل شروح وحواشی منطق و فلسفہ کو بموجب رائے جناب منڈلیٹن صاحب بہادر (۲) کے موقوف کیا تھا اور کتب مفیدہ مثل ''ہدایہ'' و ''حماسہ'' و ''متنبی'' و ''یمینی'' و ''خلاصہ مسعودی'' و ''قدوری'' و ''شمسیہ'' وغیرہ پڑھانا شروع کیا (۳) اور بہت محنت کی، لیکن وقت امتحان کے سوالات اون کتابوں میں آئے، جن کو مولوی محمد سدید الدین خان صاحب

Marfat.com

شروع سال ۵۱ء میں واسطے تدریس سالیانہ کے لکھوا گئے تھے۔ فدوی کو اس بات سے بڑا افسوس ہوا مگر باوجود اوس کے فدوی کے درجہ نے امتحان بہ نسبت سابق بہت اچھا دیا۔ چنانچہ کاغذ امتحان کے خدمت عالی میں پہنچیں گے (۴)، اون سے معلوم ہو جاوے گا۔ البتہ "ہدایہ" کا امتحان شاید برا ہوا ہو گا۔ اس واسطے کہ فدوی نے دو جلدیں آخر کی پڑھائی تھیں اور سوالات دو جلدوں اول میں سے آئے، جن کو طلبہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور وہ دو جلدیں اول کی درس میں بھی داخل نہیں۔

امیدوار ہوں کہ بندگان والا مکان کو خیال پرورش فدوی کا ہمیشہ رہے اور بموجب لطف و رحم قدیم نظر نوازش خاکسار ملحوظ حضور فیض گنجور رہے۔ پرورش و بقائے عزت فدوی کی حضور کے ہاتھ میں ہے۔ اطلاعاً عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال تاباں و درخشاں باد۔

علی اکبر پروردہ دولت خداوندی

۱۸ دسمبر ۱۸۵۱ء"

تشریحات:

۱۔ علی اکبر نے اپنے ایک سابقہ خط (بابت یکم ستمبر، ۱۸۵۱ء) میں لکھا ہے کہ اسے مرض بواسیر میں مبتلا ہوئے تقریباً تین ماہ ہو گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط تحریر کرتے وقت اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی اور کچھ بہتری کے آثار پیدا ہو گئے تھے، لیکن یہ افاقہ دیرپا ثابت نہ ہوا اور ۱۸۵۲ء کے شروع ہوتے ہی اس مرض میں بگاڑ پیدا ہو گیا۔

۲۔ جیمز مڈلیٹن Middleton، جو اس وقت آگرہ کالج کا پرنسپل تھا۔

۳۔ دہلی کالج اور آگرہ کالج میں جماعت اول (عربی) کے دونو فریقوں کے نصاب میں فرق تھا۔ آگرہ کالج میں جن کتابوں کا درس دیا جاتا تھا، اشپرینگر انہیں غیر مفید سمجھتا تھا، چنانچہ اس نے علی اکبر کو یہ ہدایت کی کہ وہ وہاں جاتے ہی اس کے حوالے سے پرنسپل سے بات کرے اور کتب غیر مفیدہ کے بجائے کتب مفیدہ کو نصاب میں شامل کرائے۔ یہ کتب مفیدہ وہی تھیں، جو دہلی کالج کی جماعت اول (عربی) میں برسوں سے پڑھائی جا رہی تھیں اور ان کو بھی اشپرینگر ہی کی فرمائش پر داخل نصاب کیا گیا تھا۔ اشپرینگر ان درسگاہوں کے نصاب سے مطمئن نہیں تھا اور وہ ان میں تبدیلیوں کا خواہاں تھا، تاکہ انھیں اس دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ جس مدرسہ کا سربراہ مقرر ہوتا، سب سے پہلے وہ وہاں کے نصاب کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا۔ ۱۸۴۵ء میں اس نے دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوتے ہی یہاں کے نصاب میں خاصا ردوبدل کیا اور کئی مفید کتابوں کو متعارف کرایا۔ ایسی

Marfat.com

ہی اصلاحات وہ مدرسۂ عالیہ میں بھی کرنا چاہتا تھا، لیکن وہاں طلبہ نے اسے قبول نہ کیا اور نتیجتاً ہنگامہ برپا ہو گیا اور امن و امان کی صورت حال خراب ہو گئی۔ اپنی انھی اصلاحات کو وہ علی اکبر کی وساطت سے آگرہ کالج میں متعارف کرانا چاہتا تھا اور اس میں وہ کامیاب رہا۔

۴۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر ان مدارس کا ممتحن بھی تھا اور بالعموم عربی جماعت کے طلبہ کے امتحانی پرچے اس کے پاس بھیجے جاتے تھے۔

۱۰

''غریب پرور سلامت

پروانہ حضور فیض گنجور نے معہ کتاب ''گلستان'' (۱) کے مشرف و ممتاز فرمایا۔ جو احکام کہ پروانہ عالی میں مندرج تھے، اون سب کا فدوی کو پہلے سے خیال اور اشتیاق تھا، لیکن بسبب نہ ملنے کتابوں کے اس شہر میں کچھ نہ ہو سکا۔ اب چند جائے اس شہر میں کتابوں کا پتا لگا ہے۔ اون کے دیکھنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ آج کل میں دیکھ کر جلد تر حضور کو عرض اطلاع کرتا ہوں۔ غالب ہے کہ کچھ نہ کچھ کتابیں ملیں گی، مگر یہاں کے لوگ دکھانے میں نہایت بخل کرتے ہیں (۲)۔ اس وقت فدوی بسبب جلدی کے زیادہ عرض نہ کر سکا۔ عنقریب تمام حال بالتفصیل خدمت بندگان عالی میں عرض کروں گا۔

آفتاب دولت و اقبال تاباں و منور باد۔

فدوی علی اکبر

مورخہ ۲۷ جنوری ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ ''گلستاں'' (سعدی) کو اشپرینگر نے خود مرتب کیا تھا اور یہ ایڈیشن علی اکبر کے اس خط سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل کلکتہ سے شائع ہوا تھا۔ اشپرینگر کا مرتبہ متن ٹائپ میں طبع ہوا اور اس میں رموز و اوقاف کا خاص اہتمام کیا گیا تھا۔ ان دنوں اشپرینگر فورٹ ولیم کالج کا ممتحن بھی تھا اور یہ ایڈیشن اسی کالج کے طلبہ کے لیے چھاپا گیا تھا۔ اس کے شروع میں اشپرینگر نے جو دیباچہ لکھا ہے، اس کے آخر میں ۱۲ نومبر ۱۸۵۱ء مرقوم ہے۔ ترتیب متن کا یہ کام حکومت بنگال کی سرپرستی میں ہوا۔ اس کا متن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کے قلمی نسخہ پر مبنی ہے۔ اس نسخہ کا سنۂ کتابت ۱۶۹۰ء ہے۔ یہ مخطوطہ اورنگ زیب عالمگیر کے لیے تیار ہوا تھا اور یہ اس نسخہ کو سامنے رکھ کر لکھا گیا تھا، جو کاتب میر عماد کا مکتوبہ تھا اور بخط مصنف

Marfat.com

نسخہ سے نقل ہوا تھا۔

متن کی تیاری میں آغا محمد شوستری اور مولوی محمد وجیہ نے اشپر ینگر کی معاونت کی۔کل صفحات ۲۴۱۔

۲۔ اشپر ینگر کے تمام مکتوب نگار اس کے لئے جگہ جگہ سے نایاب اور نادر کتابیں جمع کرتے رہتے تھے۔ان کو خاص ہدایت کی گئی تھی کہ وہ جہاں بھی جائیں، وہاں کے کتب فروشوں اور نجی کتاب خانوں کے مالکوں سے قریبی تعلق رکھیں اور اہم کتابوں سے اشپر ینگر کو مطلع کریں۔ چنانچہ سب نامہ نویس یہ کام کرتے رہے اور ان کے تعاون سے اشپر ینگر قیمتی اور بیش بہا عربی، فارسی اور اردو مخطوطات کی خاصی بڑی تعداد اپنے ساتھ جرمنی لے گیا اور اب یہ سارا ذخیرہ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں محفوظ ہے۔ دیگر مکتوب نگاروں کی طرح علی اکبر بھی اشپر ینگر کے لیے کتابیں تلاش کرتا رہتا تھا۔اس نے اپنے قیام آگرہ کے دوران میں جو نسخے اشپر ینگر کو فراہم کیے،ان کا ذکر اس سے اگلے خط میں کیا گیا ہے۔

۱۱

''غریب پرور سلامت

قبل اس کے کہ ایک عرضی متضمن رسید پروانہ عالی و'' گلستان'' مرحمتی حضور ملازمان عالی کی خدمت میں ارسال کیا ہے۔یقین کہ حضور سے مشرف ہوئی ہو۔

فدوی حسب الحکم کتابوں کی تلاش میں تھا کہ اس عرصہ میں دو کتابیں ہاتھ آئیں۔ایک ''مطلع الغایۃ'' (۱) لغات احادیث میں کہ خلاصہ ہے ''نہایہ'' جزری کا اور دوسری '' قول المنبی فی رد اقوال ابن عربی'' (۲)۔ یہ کتاب اگر چہ ایسی کچھ مفید نہیں مگر چونکہ اس میں تذکرہ علما کے نام کا اور اون کی تصنیفات اور وفیات کا پایا جاتا ہے،اس سبب سے مفید ہے۔ چنانچہ فدوی نے ان دونوں کو بائیس روپیہ کو خریدا ہے۔اطلاع بندگان عالی میں عرض کیا کہ اگر پسند خاطر فیض ماثر ہووے تو ارسال حضور کرے۔

اور ایک رسالہ مصنفہ محمد طاہر فتنی صاحب ''مجمع البحار'' کا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اوس نے اپنے عرض تک جتنے علماء کہ ہوئے ہیں، سب کے نام لکھے ہیں اور ہر ایک کی وفیات اور بعض تصنیفات بھی ہیں۔ ازانجا کہ وہ ۲۰ اورق کا ہے۔مختصہ نہیں ہوسکتا،اس لیے اوس کی نقل کرا کے ارسال حضور کروں گا (۳)۔

اور جو ارشاد ہوا تھا کہ تذکر کریم الدین میں اگر مصنفات نہ لکھی ہوں تو اوس کا تتمہ لکھنا چاہیے۔ فی الواقع اوس تذکرہ میں مصنفات کا ذکر اصلا نہیں ہے اور قابل تتمہ لکھنے کے ہے مگر چونکہ وہ کتابیں کہ جس سے تتمہ

Marfat.com

لکھا جاوے، دستیاب نہیں [ہو] سکتیں اور علاوہ اس کے فدوی دس پندرہ دن سے بشدت علیل ہے اور علالت کی جہت سے التزام اس امر کا نہیں ہو سکتا۔ انشاء اللہ بعد حصول صحت خوب سعی کروں گا (۴)۔

احقر کو اب تک مرض بھگندر سے، جس کو انگریزی میں فس چولا ان اینو کہتے ہیں، رہائی نہیں ہوئی اور یوماً فیوماً حال خراب ہوتا جاتا ہے۔ ضعف اس قدر کہ اپنے ہاتھ سے عرضی نہیں لکھ سکا (۵)۔ دو شخصوں نے اپنا کتب خانہ دیکھانے کا وعدہ کیا ہے، مگر لاچار ہوں۔ قوت وصحت پر موقوف ہے۔

کاغذ ''متنبّی'' اور ''مقامات'' اور ''شرح وقایہ'' اور ''قدوری'' و ''شرح ملا'' وغیرہ کے جناب میور صاحب کے پاس واسطے ترتیب نمبر کے گئے تھے۔ صاحب ممدوح نے بھی اپنی رپورٹ میں نہایت تعریف لکھی ہے۔

جناب میم صاحبہ کی خدمت میں آداب قبول ہو۔ آفتاب دولت چمکتا رہے۔

عرضے علی اکبر

۹ فروری ۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ یہ قلمی نسخہ اشپرینگر نے خرید لیا اور اس کا مختصر سا ذکر اپنی فہرست میں بھی کیا۔ (مطبوعہ ۱۸۵۷ء، ص ۶۱، شمارہ ۳۷۹)۔ علی اکبر کا فراہم کردہ یہ مخطوطہ اب برلین (مغربی) میں موجود ہے۔ اوراق کی تعداد ۳۵۴ ہے۔ سنۂ کتابت ۱۲۱۵ھ/ ۱۸۰۰ء ہے اور کاتب کا نام محمد شاہ الحسنی الحیدر آبادی ہے۔ اس نسخے کی ابتدائی عبارت یہ ہے:

الحمد اللّٰہ الذی انطق الانسان بلغات مختلفۃ الیعبر بھا عما فی الضمیر فاختصر مبسوطات الکلام و افیۃ المعانی والتفسیر...... و بعد فیقول العبد الفقیر الی اللّٰہ علی بن حسام الدین الھندی الشھیر بالمتقی ھذا "مطلع الغایۃ فی اختصار النھایۃ'' ذکرت فیہ جمیع موادھا الامادہ مشھورۃ ما کانت بتلک الغرابۃ و ھی قلیلۃ جدا و ترکت فیہ اسم الراوی و بعض طرق الحدیث ایجاز اور بما ذکرت اسم الراوی والحدیث بطولہ لتوقف المقصود علی ذلک

رک: اہلوارٹ ۲: ۲۹۲-۲۹۳، شمارہ ۱۶۶۲۔

۲۔ علی متقی (۹۵۵ھ...... ۱۵۴۸ء میں زندہ تھے) کی ''مطلع الغایۃ'' اور ''القول المنہی'' دونو کے قلمی نسخے علی اکبر نے بائیس روپے میں خریدے اور انھیں اشپرینگر کے پاس بھیج دیا۔ مؤخر الذکر نسخے کا حوالہ

Marfat.com

اس نے اپنی فہرست میں بھی دیا ہے۔ (ص ۷۰، شمارہ ۷۹۰) اور اب یہ نسخہ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہے۔ اس وقت یہ مخطوطہ منحصر بفرد ہے اور ابھی تک زیور طبع سے بھی آراستہ نہیں ہوا۔

مخطوطے میں اس کا عنوان ''کتاب القول المنبی عن ترجمۃ ابن عربی'' مرقوم ہے۔ بعض لوگ ''المنبی'' کو ''المنبّی'' بھی پڑھتے ہیں۔ مؤلف کا نام شمس الدین محمد بن زین الدین عبدالرحمٰن بن محمد بن ابی بکر السخاوی الشافعی ابوالخیر (۸۳۱ھ-۹۰۲ھ/ ۱۴۲۸ء-۱۴۹۶ء) ہے۔ اوراق کی تعداد ۲۵۰، کرم خوردہ، مکتوبہ قریب ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۵ء۔

آغاز:

الحمد للّٰہ ناصر دینه القویم و ناشر اعلامه بالکشف عن سبیله المستقیم و بعد فهذا کتاب مرشد شاء اللّٰہ الصواب جمعت فیه الالفاظ و النصوص المنتقد بها علی صاحب الفتوحات و الفصوص۔

اس کتاب کا دیباچہ ان آٹھ فصول میں منقسم ہے:

فصل۱ (۳ب)	فی التاویل
فصل۲ (۸ب)	فی صنیع الائمة فی اعلام هذین الکتابین و ما اشبهها من هذا القبیل
فصل۳ (۱۵الف)	فی کونهالم ترک مما یجوزه و یحل الاماکن مستورة
فصل۴ (۱۸الف)	فیما اجتمع لی من مذاهب الناس فیه و بیان المعتمد منها بحسن الایراد و التوجیه
فصل۵ (۲۳ب)	فی سرد شئ من کلماته المزیغة و معانیه المبتدعة المحرفة
فصل۶ (۲۷الف)	فی تجرید اسماء من نسب الی هذه النحلة أو کان معتقد انی بعضهم لکونه مثله.
فصل۷ (۳۵ب)	فی الاعتذار عن معتمدهم لیتمیز و اعن منتقدهم
فصل۸ (۱۳۶الف)	فی الاعدل فی الحکم علیه و علی امثاله لقصد السلامة من الکفر و احتماله.

اختتام:

فان ارادو ابالحلول و الاتحاد ما ذکرناه فقد ظهر بطلانه و ان اراد و اعرد فلا بد من البیان لیتمکن الاثبات و النفی۔

Marfat.com

(بحوالہ اہلوارٹ ۳: ۲۳-۲۴، شمارہ ۲۸۴۹)

عثمان بن یحییٰ نے ابن العربی کی تصنیفات و تالیفات کی ایک جامع فہرست مرتب کی ہے (بزبان فرانسیسی، ۲ جلد، دمشق ۱۹۶۴ء)۔ مرتب نے جلد اول میں ان کتابوں کی ایک طویل فہرست (ص ۱۱۴-۱۱۷) دی ہے، جو ابن العربی کے افکار و خیالات کے خلاف لکھی گئیں۔ انھی کتابوں میں اس کتاب کا نام بھی شامل ہے (ص ۱۱۶) نیز رک: مصرع التصوف او تنبیہ الغبی الی تکفیر ابن عربی۔ تالیف العلامۃ برہان الدین البقاعی (۸۰۹ھ-۸۸۵ھ) تحقیق عبدالرحمٰن الوکیل، بیروت ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء، مقدمہ۔

راقم نے ''القول المنبی'' کا ایک قلمی نسخہ لاہور کے ایک تاجر کتب مولانا عبدالخالق قدوسی (م۔ ۱۹۸۷ء) کے پاس دیکھا تھا۔ یہ مخطوطہ صاف تھا، صرف چند اوراق کہیں کہیں سے جل گئے تھے۔ یہ کتب فروش اس نادر قلمی نسخے کو فروخت کرنے کے بجائے مرتب کرنا چاہتے تھے، لیکن فی الحال یہ طبع نہیں ہوا۔

۳۔ ''ملک المحدثین الہند'' جمال الدین محمد طاہر الپٹنی (۹۱۴ھ-۹۸۶ھ/۱۵۰۱ء-۱۵۷۸ء)۔ مشہور کتاب ''مجمع بحار الانوار فی غرایب التنزیل و اللطایف الأخبار'' (مطبوعہ ۱۲۸۳ھ، ۱۳۴۴ھ) کے مؤلف۔ رک: براکلمان ۲: ۴۱۶ (۵۴۸)، ذ۲: ۶۰۱-۶۰۲۔

محمد طاہر پٹنی نے ایک کتاب بعنوان ''اسماء الرجال'' تالیف کی، اس میں ان محدثین کے حالات قلمبند کیے گئے ہیں جن کا ''مجمع بحار الانوار'' میں ذکر کیا گیا ہے۔ (رک: بانکی پور ۱۲: ۶۷-۶۸، شمارہ ۷۳۰، براکلمان ذ۲: ۶۰۲)۔ اسی کتاب کی تصحیح کے طور پر ''المغنی فی اسماء الرجال'' بھی لکھی گئی (رک: بانکی پور ۱۲: ۶۸-۶۹، شمارہ ۷۳۱، براکلمان ذ۲: ۶۰۲۔ تذکرہ علمائے ہند، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری، ص ۴۴۱)۔ ان دونو کتابوں میں ''مجمع بحار الانوار'' میں مذکور محدثین کے سوانح قلمبند کیے گئے ہیں، جبکہ علی اکبر نے محمد بن طاہر پٹنی کی جس کتاب کا ذکر کیا ہے، وہ اس کے ہمعصر علماء کے حالات پر مشتمل تھی۔ یہ کتاب کون سی تھی، اس کے متعلق مآخذ خاموش ہیں۔

محمد طاہر پٹنی کی یہ نامعلوم تالیف زیادہ ضخیم نہیں تھی۔ بقول علی اکبر اس کے ۱۱۲ اوراق تھے۔ اس کا خطی نسخہ کسی کتاب خانے میں تھا، جس کی نقل فراہم کرنے کا وعدہ مکتوب نویس نے کیا۔ یہ نقل تیار ہوئی یا نہیں، اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے، کیونکہ اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) اور اس کے ذخیرۂ مخطوطات کے فہرست ساز اہلوارٹ نے ایسی کسی نقل کا حوالہ نہیں دیا۔ ممکن ہے، علی اکبر

Marfat.com

اپنی بیماری کے باعث حسب وعدہ یہ نقل تیار نہ کر سکا۔

۴۔ یہاں ''تذکرہ کریم الدین'' سے مراد ''فرائد الدہر'' ہے، جس کا دوسرا عنوان ''تذکرہ شعرائے عرب'' ہے۔ یہ مولوی کریم الدین پانی پتی کی تصنیف ہے، جو مطبع العلوم (دہلی) سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوئی۔ مؤلف نے یہ تذکرہ اشپرینگر کی فرمائش پر عربی میں لکھا، لیکن بعد میں اس کے ایماء پر اس کا اردو ترجمہ کیا اور پھر یہی ترجمہ چھپ کر سامنے آیا۔ اصل عربی تذکرہ قلمی مسودے کی صورت ہی میں رہا اور یہ اس وقت برلین (مغربی) کے کتاب خانہ (ذخیرۂ اشپرینگر) میں موجود ہے۔ اس مسودے کی تفصیل کے لیے رک: بذیل مکتوبات مولوی کریم الدین پانی پتی۔

مؤلف تذکرہ نے قدیم اور جدید عربی شعراء کے حالات زندگی تو بڑی تفصیل سے لکھے، لیکن اس میں ان کی تصنیفات کا حال بہت کم تھا۔ اشپرینگر چاہتا تھا کہ ان شعراء کی تصانیف کا ذکر بطور ضمیمہ شامل کیا جائے۔ اس کی خواہش تھی کہ علی اکبر یہ ضمیمہ تیار کرے، لیکن وہ ضروری کتب کی نایابی اور اپنی بیماری کے سبب یہ کام نہ کر سکا۔

۵۔ علی اکبر کے ایک رفیق کار اور آگرہ کالج کے شعبۂ فارسی کے استاد مولوی ابوالحسن فرید آبادی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھی دنوں اس کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور وہ چار ماہ کی رخصت لے کر دہلی چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد یہی مولوی ابوالحسن جماعت اول (عربی) کے طلبہ کو پڑھانے لگے۔ علی اکبر دہلی میں علاج کراتا رہا، لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس عرصے میں نہ وہ آگرہ کالج واپس جا سکا اور نہ اشپرینگر کو کوئی اور خط لکھ سکا۔ آخر وہ اپنی اس علالت کی وجہ سے ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو انتقال کر گیا۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولوی سید برکت علی

ڈاکٹر اشپرینگر کا شمار انیسویں صدی عیسوی کے صف اول کے مستشرقین میں کیا جاتا ہے۔ اس کی تعلیم وتربیت یورپ کی اعلیٰ دانش گاہوں میں ہوئی۔ اس کے علمی ذوق کو نکھارنے میں اس دور کے عظیم علماء نے معاونت کی۔ ان عالموں میں اس کے اساتذہ بھی شامل تھے اور علومِ شرقیہ کے وہ ماہرین بھی جن سے اس کے علمی روابط استوار تھے۔ چنانچہ جب اس نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا، تو وہ ایک منجھے ہوئے خاور شناس کے سبھی بنیادی اوصاف سے متصف تھا۔ عربی فارسی سمیت وہ متعدد زبانوں سے واقف تھا۔ مختلف اسلامی علوم وفنون بالخصوص تاریخ، ادب، طب، جغرافیہ اور حدیث پر اس کی گہری نظر تھی۔ اس کے باوصف مغربی ممالک کی بڑی بڑی دانش گاہوں اور کتاب خانوں میں کام کرنے کا وسیع تجربہ بھی اسے حاصل تھا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کے عالمانہ اوصاف وکمالات کو جلا ہندوستان کی آب وہوا نے بخشی۔ دراصل اس کے قیام ہندوستان کا زمانہ (۱۸۴۳ء-۱۸۵۶ء) اس کی ذہنی، علمی اور تحقیقی خوبیوں کا بھرپور اظہار ہے اور اس کے مستقبل کے علمی کارہائے نمایاں کا پیش خیمہ بھی۔ پھر اس نے اپنے ایام جوانی میں مشرق ومغرب کو علمی اور فکری سطح پر ایک دوسرے کے قریب لانے کا جو عزم صمیم کیا تھا، اس کو پورا کرنے کا سنہری موقع اسے ہندوستان آنے کے بعد ہی نصیب ہوا اور اس نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اشپرینگر ہندوستان میں بطور طبی ماہر آیا، لیکن بہت جلد افسران بالا کو اس کی علمی استعداد نیز اسلامی علوم اور زبانوں سے اس کی گہری وابستگی کا احساس ہوگیا۔ چنانچہ فوراً اسے مختلف اسلامی درس گاہوں کا نظم ونسق اور ان کے مروجہ نصاب کو نئے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ مسلمانوں کی یہ درس گاہیں عرصہ دراز سے قائم تھیں، لیکن سلطنت مغلیہ کی انحطاط پذیری کے اثرات ان مدارس کی مجموعی کارکردگی پر بھی پڑے اور ان کا معیار تعلیم وتدریس روز بروز گرنے لگا۔ جب برطانوی اقتدار بام عروج تک

Marfat.com

پہنچا، تو مسلمانوں کے قائم کردہ یہ ادارے بھی اس بڑھتی ہوئی طاقت کے زیرنگیں آ گئے اور انگریز ارباب حل و عقد نے ان تعلیمی اداروں کو مقامی لوگوں کے ذہنوں پر اپنی سائنسی، تکنیکی، علمی اور فکری ترقی اور بالا دستی کی دھاک جمانے کا ذریعہ بنایا۔ انھوں نے ان مدارس کے انتظامی ڈھانچے کو جوں کا توں قائم رکھنے کی کوشش کی، البتہ ان کے یورپی سربراہ مقرر کرنے اور تعلیمی پالیسی وضع کرنے کے اختیارات اپنے پاس رکھے۔ ان اصحاب بست وکشاد نے اس مقصد کے لیے کمپنی کے ملازمین میں سے جن معدودے چند عالموں کو منتخب کیا، ان میں ایک اشپرینگر بھی تھا اور شاید ان دنوں منتخبہ افراد میں سب سے باصلاحیت اور علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھنے والا موزوں ترین شخص صرف وہی تھا۔

اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل تھا اور اس کے ساتھ ہی شمالی ہند کے دیگر شہروں مثلاً آگرہ، بنارس اور بریلی کے مدارس کے انتظام وانصرام میں بھی اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ اپنے قیام ہندوستان کے آخری سالوں میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) اور بنگال کے بعض دوسرے مدارس اس کی سربراہی میں رہے۔ اس نے ان مدرسوں کے انتظامی اور تعلیمی امور کو بڑے مستعدی اور خوش اسلوبی سے طے کیا اور ان میں صحیح علمی روح پھونکنے کی ہرممکن کوشش کی۔ وہ جہاں بھی رہا، کامیاب رہا اور اس کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے ارباب اقتدار کے تعلیمی مقاصد کو بھی ملحوظ خاطر رکھا اور مقامی علماء، بااستعداد اساتذہ اور ذہین طلبہ کے تعاون سے ان اداروں میں ایک خوشگوار علمی ماحول پیدا کر دیا۔ وہ خود اسلامی علوم اور زبانوں کو اچھی طرح جانتا تھا، علاوہ ازیں مسلمانوں کے علمی خزینوں کو جمع کرنے کا بھی شوق رکھتا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ نسلاً انگریز نہیں تھا، اس لیے فطری طور پر یہاں کے اہل علم طبقے سے تعلقات استوار کرنے میں اس کی راہ میں کسی قسم کا حاکمانہ طرز عمل مانع نہیں تھا۔ اس بات کے شاہد وہ مکتوب نگار ہیں، جن کے خطوط اس مجموعۂ مراسلات میں شامل ہیں۔ بلاشبہ ان خطوں میں نامہ نویسوں کی ذاتی غرض مندیاں بھی شامل ہیں اور وہ عہدوں کے حصول یا ان میں ترقی کے لیے اس کی سفارش کے طلب گار رہے، لیکن اس سے اشپرینگر اور متعدد مقامی اہل علم و دانش کے مابین خالصتاً علمی مراسم کی بھی نشان دہی ہوتی ہے۔ یہ مکتوب نگار اشپرینگر کے طلبہ بھی ہیں، اس کے ماتحت اساتذہ بھی اور اس کے ہمکار بھی۔ اس کے انھی رفقائے کار اور متوسلین میں ایک نام مولوی سید برکت علی کا بھی ہے، جن کے سوانح حیات اور اشپرینگر کے نام ان کے تحریر کردہ گیارہ خطوط معہ ضروری معلومات بطور ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

اشپرینگر کے ایک اور اہم مکتوب نویس مولوی سید علی اکبر کی طرح مولوی سید برکت علی کے حالات زندگی پر بھی گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ برکت علی انیسویں صدی عیسوی کے عربی و فارسی کے جید عالم اور ممتاز

Marfat.com

مدرسین میں سے تھے، لیکن اس دور کے کسی بھی قابل ذکر تذکرۂ رجال اور سوانحی کتب میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے تصنیفی و تالیفی آثار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کا آبائی تعلق اہل تشیع سے تھا، اس لیے رجال الشیعہ سے متعلق کتابوں میں ان کا چند سطری ذکر ملتا ہے، لیکن حیرت ہے کہ اس موضوع پر ایک اہم کتاب ''تذکرۂ بے بہافی تاریخ العلماء'' کے مؤلف محمد حسین نوگانوی نے ان کا ذکر تک نہیں کیا۔ ان کا مختصر سا تذکرہ صرف آغا مہدی نے اپنی کتاب ''تاریخ سلطان العلماء'' (کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۶۴) میں کیا ہے اور اس میں پیش کردہ معلومات کو مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے ''مطلع انوار'' (کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۱۲۷) اور سید حسین عارف نقوی نے ''تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان'' (اسلام آباد ۱۹۸۴ء، ص ۶۴) میں نقل کر دیا ہے۔ ان کتابوں سے برکت علی کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم ریاضی اور علم فقہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وہ سلطان العلماء مولانا سید محمد کے تلامذہ میں سے تھے اور استاد نے انہیں ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں ایک تعریفی سند بھی عطا کی تھی۔ وہ برسوں لاہور میں رہے اور یہاں اپنے مسلک کی تبلیغ میں مصروف رہے۔ انھوں نے ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء کے لگ بھگ انتقال کیا اور لاہور ہی میں دفن ہوئے۔

مولوی برکت علی کے صرف یہی حالات ہیں، جو متذکرۂ بالا سوانحی کتب میں درج ہیں۔ راقم کو ان کے موجودہ خطوط بنام اشپرینگر، بعض ہمعصر اخبارات اور دیگر دستاویزات سے جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، ان کی روشنی میں اُن کے سوانح حیات کا ایک ادھورا سا خاکہ کچھ یوں بنتا ہے۔

مولوی برکت علی ایک صحیح النسب سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا خاندان آبائی طور پر شیعہ مسلک کا پیرو کار تھا، چنانچہ انھوں نے خود اپنے ایک خط میں اس کا اظہار کیا ہے اور وہ یوں کہ دہلی کالج میں ایک عہدۂ مدرسی پر تقرری کے وہ خواہشمند تھے۔ ان دنوں اس کالج میں شیعہ طلبہ کی عربی جماعت الگ تھی اور اس کے استاد قاری جعفر علی جارچوی تھے، چنانچہ وہ اس مدرسہ میں اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لیے اشپرینگر کو لکھتے ہیں:

''اگر اس مدرسہ میں یہ خاکسار مقرر ہوگا تو اس میں یہ بھی فائدہ متصور ہے کہ جو لڑکے مبتدی شیعوں کے ہوں گے، اون کو بھی تعلیم کروں گا۔ اس واسطے کہ مولوی جعفر علی صاحب شیعہ مذہب تمام مدرسہ میں ایک ہیں اور جو مبتدی شیعہ آتے ہیں تو مشکل ہوتی ہے۔ اور مدرس شاستری بھی دو ہیں اور سُنّی بھی کئی ہیں، لیکن شیعہ ایک ہے اور یہ خاکسار سنّی لڑکوں کو اور شیعہ لڑکوں کو انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی اور باخلاق تمام تعلیم کرے گا۔''

برکت علی ضلع تھانیسر میں واقع ایک مقام پونڈری میں پیدا ہوئے۔ ایک خط کے آخر میں انھوں نے خود ''برکت علی بمقام پونڈری ضلع تھانیسر'' لکھا ہے۔ دو اور خطوط میں بھی انھوں نے اپنے وطن کا محل وقوع

Marfat.com

بتایا ہے۔ایک خط میں لکھتے ہیں:

''انبالہ میرے وطن سے قریب ہے۔''

اور دوسرے خط میں مختلف شہروں سے اپنے وطن کے فاصلوں کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

''میرا وطن کرنال سے بیس کوس ہے اور انبالہ سے تیس کوس اور پانی پت سے بھی تیس کوس اور دلی سے ستر کوس۔''

شیعہ افاضل کے مذکورہ بالا تذکروں میں ان کے نام کے ساتھ ''لاہوری'' لکھا ہوا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ بسلسلۂ ملازمت اس شہر میں برسوں مقیم رہے اور شاید ان کی وفات بھی اسی شہر میں ہوئی۔

مولوی برکت علی کا سنۂ ولادت معلوم نہیں۔ قیاساً ان کا سال پیدائش ۱۸۲۵ء کے لگ بھگ قرار دیا جاسکتا ہے اور وہ اس طرح کہ وہ دہلی کالج میں اہل تشیع کے لیے مخصوص عربی جماعت کے طالب علم تھے۔ اس الگ جماعت کا قیام اس وقت عمل میں آیا، جب یکم اپریل ۱۸۴۱ء کو قاری جعفر علی جارچوی اس کالج میں بحیثیت ''شیعہ ٹیچر'' مقرر ہوئے۔ اس جماعت کے چار فریق تھے اور سب سے آخری فریق چہارم تھا۔ ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج میں زیر تعلیم طلبہ سے متعلق جس رجسٹر کا حوالہ بار بار سابقہ سطور میں آیا ہے، اس کے مطابق فریق چہارم کے طلبہ کی عمر کم سے کم تیرہ سال اور زیادہ سے زیادہ سول سال ہوتی تھی۔ اگر برکت علی نے دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کی جماعت شروع ہوتے ہی اس میں داخلہ لیا ہو اور اس وقت ان کی عمر سولہ سال مان لی جائے تو اس سے ان کا سنۂ ولادت ۱۸۲۵ء یا اس کے لگ بھگ ہی قرار پاتا ہے۔

برکت علی نے ابتدائی تعلیم گھر یا اپنے کسی نواحی شہر کے مدرسہ میں حاصل کی ہوگی۔ جونہی دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کے لیے الگ عربی جماعت کا انتظام ہوگیا اور قاری جعفر علی ان طلبہ کو پڑھانے پر مامور ہوئے، برکت علی نے بھی اپنے آبائی شہر کو چھوڑ کر دہلی کا رخ کیا اور وہاں جاتے ہی اس جماعت میں داخلہ لے لیا۔ دہلی کالج میں ابتداء سے شیعہ طلبہ کی تعلیم و تدریس کا علیحدہ بندوبست نہیں تھا، بلکہ شیعہ اور سنی طلبہ ایک ہی جماعت میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ جب شاہِ اودھ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں نے ۱۸۲۹ء میں دہلی کالج میں عربی و فارسی کے فروغ اور ان زبانوں کے طلبہ اور اساتذہ کی فلاح و بہبود [illegible] ہزار روپے کا عطیہ دیا اور معطی کی وفات (۱۸۳۰ء) کے بعد ان کے داماد نواب حامد علی خاں اس وقف کے نگران مقرر ہوئے، تو ان کی جانب سے پُر زور مطالبہ کیا جانے لگا کہ عطیہ کی رقم صرف شیعہ طلبہ اور اساتذہ پر خرچ ہونی چاہیے اور اس کے لیے کالج میں شیعہ طلبہ کی تعلیم و تدریس کی الگ جماعت قائم ہونی چاہیے اور اس جماعت کا جو مدرس مقرر ہو، وہ بھی شیعہ ہونا لازمی ہے۔ یہ مطالبہ روز بروز زور پکڑتا گیا اور بالآخر نواب حامد علی

Marfat.com

خاں کا اثر و رسوخ کام آیا اور ۱۸۴۱ء میں ''جماعت عربی اہل تشیع'' کا آغاز ہو گیا اور اس کے پہلے استاد کی حیثیت سے قاری جعفر علی جارچوی کو منتخب کیا گیا۔[۱]

شیعہ طلبہ کی علیحدہ عربی جماعت کا آغاز ۱۸۴۱ء کے وسط میں ہوا اور غالباً سید برکت علی ان ابتدائی طلبہ میں شامل ہیں، جنھوں نے اس میں داخلہ لیا۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق اس جماعت کے چار فریق تھے اور ہر فریق میں پڑھائی جانے والی نصابی کتب مختلف تھیں۔ ان چاروں فریقوں کے نصاب میں جو کتابیں شامل تھیں، ان میں اس رجسٹر کے حوالے سے شرح لمع، معالم الاصول، تاریخ یمینی، دیوان حماسہ (ایک باب)، جامع التواریخ، جزئیات کلیات، علم ہیئت، علم مثلث، شرح ملا، کلیلہ و دمنہ، ہدایہ (ابتدائی حصہ)، تحریر (آخری تین مقالے)، الجبر والمقابلہ، تاریخ، جغرافیہ، تہذیب، ہدایت النحو، منتخبات عربی، شرح مأئتہ، دستور المبتدی، حساب اور جواب مضمون کے نام ملتے ہیں۔ فریق چہارم اور سوم میں پانچ مضامین ہوتے تھے، لیکن ان کے بعد فریق دوم اور فریق اول میں چار مضامین کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ ان اضافہ شدہ مضامین میں جزئیات کلیات، علم ہیئت، علم مثلث اور جواب مضمون شامل تھے۔ برکت علی اس جماعت عربی کے چاروں درجوں میں کامیاب رہے اور ان علوم کو بڑے ذوق و شوق اور دل چسپی سے تحصیل کیا۔ مدرس جماعت قاری جعفر علی بھی ان کی اعلیٰ صلاحیتوں اور علمی استعداد کے معترف تھے اور وہ اپنے اس شاگرد پر خصوصی توجہ دیتے تھے۔ استاد اور شاگرد کے یہ تعلقات بعد تک قائم رہے، چنانچہ جب برکت علی لکھنؤ کے مدرسہ میں ملازم ہو گئے تو اپنے مکتوب الیہ اشپرینگر کو اکثر خطوط لکھتے رہے کہ اگر وہ کوئی خط یا کتاب بھیجنا چاہے تو قاری جعفر علی کی وساطت سے بھجوا سکتا ہے۔

''مطلع انوار'' اور ''تذکرہ علمائے امامیہ پاکستان'' کے مؤلفین نے برکت علی کے اساتذہ میں سلطان العلماء سید محمد (۱۷۹۴ء-۱۸۶۷ء) اور ممتاز العلماء سید ابراہیم کے نام لکھے ہیں، لیکن ''تذکرۂ بے بہا[۲]'' کے مؤلف اور سب محمد تقی[۳] نے جہاں سلطان العلماء کے تلامذہ کی طویل فہرست دی ہے، وہاں برکت علی کے بجائے ان کے استاد قاری جعفر علی کا نام لکھ دیا ہے۔ البتہ صاحب ''مطلع انوار'' نے قاری جعفر علی کے ذکر کے تحت برکت علی کو ان کے شاگردوں میں شامل کیا ہے[۴]۔ برکت علی جتنا عرصہ لکھنؤ میں مدرس

۱۔ راقم نے اپنے ایک مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' میں اس جماعت کے قیام کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور ان محرکات کی نشاندہی کی ہے، جو اس کے آغاز کا سبب بنے۔ (رک: مطالعۂ آزاد، محولہ بالا)

۲۔ محمد حسین نوگانوی، ص ۳۴۲

۳۔ امجد علی شاہ (اودھ کا متشرع بادشاہ)، لکھنؤ ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۴ - ۲۳۸۔

۴۔ ص ۱۵۱

Marfat.com

رہے، وہاں کے نامور علمی اصحاب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ انھی علمی ہستیوں میں سلطان العلماء سید محمد بھی شامل تھے، لیکن اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ انھوں نے سلطان العلماء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ بھی کیا یا نہیں۔ مولوی برکت علی کے اگر کوئی استاد تھے تو وہ قاری جعفر علی جارچوی ہی تھے، جن سے انھوں نے دہلی کالج میں تقریباً پانچ سال تعلیم حاصل کی۔ اس دور کا ایک اخبار اپنے مطبع سے قاری جعفر علی جارچوی کا ایک اجازہ شائع کرنے کا اشتہار دیتا ہے، جو سلطان العلماء نے قاری صاحب کو عطا کیا اور جس پر سید العلماء کے دستخط موجود ہیں۔ اس اشتہار کے آخر میں قاری موصوف کے چند مشہور شاگردوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ان شاگردوں میں سید برکت علی کا نام بھی شامل ہے۔

''از انجملہ مولوی سید برکت علی صاحب مدرس مدرسہ لاہور کے علم اور فضل میں یکتائے آفاق اور تحقیق اور تبحر میں فرید علی الاطلاق ہیں۔''[1]

سید برکت علی دہلی کالج کے ایک ذہین طالب علم تھے اور انھوں نے اپنی تعلیم اسی درسگاہ میں مکمل کی۔ اپنے ان خطوں میں انھوں نے جا بجا اس کا اظہار کیا ہے مثلاً

''میں نے سرکار کمپنی کے مدرسہ میں تعلیم پائی۔''

''حضور کے مدرسہ کا طالب علم ایسے عہدۂ جلیل پر مقرر ہو۔''

''اگر میں اچھا نکلتا تو مجکو مقرر کرتے خصوصاً مدرسہ دہلی میں کہ میرا حق اس مدرسہ میں ہے کہ میں نے اس مدرسہ میں تعلیم پائی۔''

دہلی کالج میں برکت علی کی مدت تحصیل کتنی تھی؟ اس کا حتمی تعین قدرے مشکل ہے، البتہ بعض شواہد سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس مدرسہ میں تقریباً پانچ سال طالب علم رہے۔ ۱۸۴۱ء میں اس کالج میں شیعہ طلبہ کے لیے الگ عربی جماعت قائم کرنے کا فیصلہ ہوا اور اسی سال یکم اپریل کو قاری جعفر علی جارچوی بطور ''شیعہ ٹیچر'' مقرر ہوئے۔ جب اس نئی جماعت کی خبر لوگوں تک پہنچی تو شیعہ حضرات نے اپنے لڑکوں وہاں میں داخل کرا دیا۔ جو لڑکے سب سے پہلے اس جماعت میں داخل ہوئے ان میں برکت علی بھی شامل تھے۔ [illegible] کہ اس کالج کے ریکارڈ سے پتا چلتا ہے کہ اس جماعت کے چار فریق تھے اور ہر فریق کی مدت ایک سال تھی۔ اس طرح ایک طالب علم کو یہاں سے فارغ التحصیل ہونے میں چار سال گذر جاتے تھے۔ برکت علی بھی اتنے سال اس کالج میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ جب اشپرینگر ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا تو اس وقت برکت علی وہاں زیر تعلیم تھے۔ شاید وہ ان دنوں جماعت عربی کے فریق اول کے طالب علم تھے۔ اشپرینگر

۱۔ اشرف الاخبار (لکھنؤ) جلد ۱ شمارہ ۱۰، بابت ۲۵ اپریل ۱۸۵۷ء۔ مائیکرو فلم ملوکہ راقم۔

Marfat.com

خود عربی، فارسی اور مختلف اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتا تھا اور وہ ان اساتذہ اور ذہین طلبہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا، جو ان علوم سے گہرا شغف رکھتے تھے۔ برکت علی بھی کالج کے ہونہار اور ذہین طلبہ میں سے تھے، اس لیے وہ بھی اشپرینگر کے ہمکاروں میں شامل ہو گئے۔ اشپرینگر اور ان کے مابین جو قریبی مراسم تھے، اس کا اندازہ ان خطوط کو ایک نظر دیکھنے کے بعد بخوبی ہو جاتا ہے۔ اشپرینگر ۱۸۴۸ء کے آخر تک پرنسپل رہا، لیکن برکت علی اس سے پہلے ہی اپنی تعلیم مکمل کر کے اس کالج سے جا چکے تھے۔ ۱۸۴۷ء کے متذکرۂ بالا رجسٹر میں برکت علی کا نام ''جماعت عربی اہل تشیع'' کے طلبہ میں شامل نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سال سے پہلے ہی یہاں سے فارغ ہو چکے تھے۔ اس مجموعہ میں برکت علی کے جو خطوط شامل ہیں، ان میں پہلا خط ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء کا تحریر کردہ ہے اور اس وقت مکتوب نگار لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ میں ملازمت اختیار کر چکا تھا۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ برکت علی نے ۱۸۴۵ء کے اواخر یا ۱۸۴۶ء میں دہلی کالج میں اپنی تعلیم مکمل کی اور اس کے بعد بہت جلد ان کا لکھنؤ کے مدرسہ میں تقرر ہو گیا۔ ممکن ہے، برکت علی کو یہ ملازمت دلوانے میں اشپرینگر ہی نے سفارش کی ہو، کیونکہ وہ مختلف عہدوں کے حصول کے لیے اسی کو اپنا وسیلہ جانتے تھے اور اس کے اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھانے کے خواہشمند رہتے تھے۔

برکت علی نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں وہ مضامین تو ضرور پڑھے، جو ان کے نصاب میں شامل تھے۔ ان کے علاوہ عربی زبان و ادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فارسی زبان سے بھی واقف تھے اور اس کالج میں پڑھائے جانے والے انگریزی علوم پر بھی ان کی دسترس تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ایک خط میں اشپرینگر کو لکھتے ہیں:

''سوا عربی اور فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کیے۔''

برکت علی چار سال دہلی کالج کی عربی جماعت برائے شیعہ طلبہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ فارسی اور ان علوم انگریزی کو بھی سیکھتے رہے، جو ان دنوں اس کالج میں پڑھائے جاتے تھے۔ جونہی وہ اپنی تعلیم سے فارغ ہوئے، انھیں لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ میں ملازمت مل گئی۔ قبل ازیں وہ مختصر مدت کے لیے شملہ اسکول میں استاد بھی رہے (تعلیمی رپورٹ، بذیل یکم جنوری ۱۸۴۹ء)۔ اشپرینگر کے علاوہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ ملازمت قاری جعفر علی کی کوششوں کی مرہون منت ہو۔ قاری صاحب دہلی آنے سے قبل لکھنؤ ہی میں مقیم تھے۔ وہاں ان کے تمام شیعہ علماء سے قریبی مراسم تھے۔ سلطان العلماء مولانا سید محمد کے تو وہ شاگردوں میں شامل تھے۔ اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ قاری موصوف نے اپنے ایک ذہین اور باصلاحیت شاگرد کو یہ ملازمت دلوانے میں کوشش کی ہو۔

Marfat.com

مدرسہ لکھنؤ میں برکت علی کو یہ ملازمت کب ملی؟ اس کے متعلق حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے اشپرینگر کے نام پہلے خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس خط کے سنہ تحریر (یعنی ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء) سے بہت پہلے اس مدرسہ کے اساتذہ میں شامل ہو چکے تھے۔ اس خط میں وہ خود لکھتے ہیں:

''اب بھی سرکار کے مدرسہ میں نوکر ہوں اور سوا عربی اور فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کیے۔ لکھنؤ میں ان علوم سے کوئی واقف نہیں۔''

برکت علی اس مدرسہ لکھنؤ کی عربی جماعت کے مدرس دوم یا مدرس سوم کی حیثیت سے مقرر ہوئے، لیکن وہ مدرس اول کی جماعت کے طلبہ کو بھی پڑھاتے رہے اور جب کبھی مدرس اول موقوف ہوتا، تو وہ قائم مقام مدرس اول کے فرائض بھی سرانجام دیتے۔ چنانچہ وہ خود اپنے ایک خط میں رقمطراز ہیں:

''لکھنؤ میں ایک مدت میں نے طالب علم مدرس اول کے تعیم کیا اور بعد اون کے موقوف ہونے کے قائم مقام مدرس اول ہوا۔''

برکت علی کو اس مدرسہ میں ملازمت تو مل گئی اور وقتی طور پر ان کے روزگار کا مسئلہ حل ہو گیا، لیکن وہ اس سے خوش نہیں تھے۔ ان کے اس عدم اطمینان کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ انہوں نے دہلی کالج میں جو علوم سیکھے تھے، اس پر انھیں بہت فخر تھا۔ پھر انھیں اپنی استعداد اور علمی صلاحیتوں کا بھی پورا احساس تھا اور ان کی خواہش تھی کہ انھیں ان کے اعلیٰ تعلیمی کوائف کے مطابق ملازمت حاصل ہو۔ مزید برآں اس ناخوشی کی دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ لکھنؤ میں اکثر بیمار رہتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ کسی ایسی جگہ پر ان کا تقرر ہو، جہاں کی آب و ہوا انھیں راس آ جائے۔ انھی وجوہ کی بناء پر وہ جتنی دیر لکھنؤ میں مدرس رہے، مختلف درس گاہوں میں ملازمت کے لیے تگ و دو کرتے رہے اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیے وہ بار بار اشپرینگر کو لکھتے رہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے انہیں ملازمت دلوانے میں مدد کرے۔ ۱۸۴۷ء میں ہوگلی کے مدرسہ میں ایک شیعہ مدرس کی جگہ خالی ہوئی۔ برکت علی کو اس کی اطلاع ملی تو فوراً اشپرینگر کو لکھا کہ وہ اس عہدے کے مستحق ہیں۔ جب اشپرینگر مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہوا، تو وہ پوری کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح مولوی مملوک العلی نانوتوی دہلی کالج چھوڑ کر وہاں چلے جائیں اور حافظ احمد کبیر مرحوم کے خالی عہدہ پر فائز ہو جائیں۔ لیکن ... جب برکت علی کو ملی تو انھوں نے فوراً اشپرینگر سے رابطہ قائم کیا اور اسے یہ تجویز پیش کی کہ مولوی مملوک العلی کے ہٹ جانے کے بعد مدرس اول (جماعت عربی) کا عہدہ انھیں تفویض کیا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مدرس دوم کی جگہ مقرر ہو۔ اسے لکھنؤ بھیج دیا جائے اور انھیں لکھنؤ سے دہلی کالج بلا لیا جائے۔ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء مولانا مملوک العلی فوت ہوئے اور دہلی کالج میں مدرس اول (جماعت عربی) کا عہدہ خالی ہو گیا۔ اس عہدے پر فی

Marfat.com

الفور مولوی سید محمد کو منتخب کر لیا گیا اور مولوی سید محمد کے اس عہدے یعنی مدرس دوم (عربی جماعت) کے تین امیدوار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں ایک امیدوار مولوی حسن علی خاں تھا۔ یہ صاحب دہلی کالج کے شعبۂ فارسی کے استاد تھے۔ برکت علی کو جب دہلی کالج کی اس صورت حال کا علم ہوا، تو وہ بھی امیدواروں میں شامل ہو گئے۔ وہ اپنے آپ کو مولوی سید محمد کے عہدہ یعنی مدرس دوم (شعبہ عربی) کا اہل سمجھتے تھے، لیکن یہ ممکن نہیں تھا، کیونکہ کالج کی انتظامی کمیٹی اس عہدہ کے لیے تین امیدواروں کے علاوہ کسی اور کو امیدوار ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ جب یہ عہدہ ملنے کی امید ختم ہو گئی، تو برکت علی نے اشپرینگر کو یہ تجویز پیش کی کہ اگر اس عہدہ پر حسن علی خاں مقرر ہو تو ان کے خالی عہدہ پر انھیں تعینات کر دیا جائے۔ اس بار بھی برکت علی اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور بالآخر انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اگر دہلی کالج کا کوئی مدرس ان سے اپنی ملازمت بدلنے پر آمادہ ہو، تو وہ اس پر بھی راضی ہیں، لیکن انھیں ایسا بھی کوئی شخص نہ مل سکا اور وہ طوعاً و کرہاً مدرسہ لکھنؤ کے طلبہ ہی کو پڑھاتے رہے۔ وہ اشپرینگر سے بار بار مختلف انگریز ارباب اختیار کے نام سفارشی چٹھیوں کا مطالبہ کرتے رہے اور وہ انھیں ایسے خطوط بھیجتا رہا، لیکن اس کے باوجود برکت علی اپنی خواہش کے مطابق ملازمت حاصل نہ کر سکے۔

برکت علی یہی چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح وہ دہلی کالج کے اساتذہ میں شامل ہو جائیں، کیونکہ وہ دہلی میں مستقل سکونت کے بڑے خواہش مند تھے۔ جب ان کی دہلی منتقل ہونے کی تمام کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں اور اس کے لیے اشپرینگر کی ذاتی تگ و دو اور مختلف افسران بالا کے نام اس کی سفارشی چٹھیاں بھی کام نہ آئیں تو برکت علی نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ایک اور راہ نکالی اور وہ یہ کہ انھوں نے چند آدمیوں کی شراکت سے دہلی میں ایک مطبع قائم کر دیا۔ اس چھاپہ خانہ کی بنیاد کب رکھی گئی؟ اس کے بارے میں حتماً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان خطوں کی بعض عبارتوں سے اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ برکت علی ۱۶ دسمبر ۱۸۵۰ء کو اپنے وطن روانہ ہوئے۔ اکتوبر ۱۸۵۰ء کے ابتدائی دنوں میں وہ چند روز کے لیے دہلی میں رکے۔ شاید دہلی میں ان کے اس مختصر قیام کے دوران میں یہ مطبع قائم ہوا۔ اس مطبع کا کیا نام رکھا گیا اور یہاں سے کون کونسی کتابیں شائع کی جاتی تھیں اور یہ مطبع کب تک چلتا رہا؟ ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس مطبع کے مہتمم مولوی خدا بخش تھے۔ مولوی صاحب بھی دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد تھے اور ۱۸۴۷ء میں عربی کی جماعت اول میں زیر تعلیم تھے۔ محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب بعنوان ''صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات'' میں بہت سے ایسے مطابع کا ذکر کیا ہے، جو ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۴ء کے مابین دہلی میں موجود تھے، لیکن ان میں کسی ایسی مطبع کا نام نہیں ملتا، جس کے مہتمم مولوی خدا بخش

Marfat.com

تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطبع زیادہ دیر نہیں چلا۔اگر چل پڑتا تو برکت علی لازماً لکھنؤ سے دہلی آ جاتے،لیکن وہ نہیں آئے اور مدرسۂ لکھنؤ ہی میں درس وتدریس سے منسلک رہے۔

برکت علی کبھی کبھار اپنے آبائی وطن بھی جایا کرتے تھے اور کچھ وقت وہاں گذار کر واپس لکھنؤ آ جاتے تھے۔جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے،ان کا وطن قصبہ پونڈری ضلع تھانیسر تھا۔ان خطوط میں صرف ایک خط ایسا ہے،جو انھوں نے پونڈری سے اشپرینگر کو ارسال کیا۔وہ ۱۸۵۰ء کے آخری مہینوں میں پونڈری میں مقیم تھے۔ اس وقت بسک صاحب انبالہ میں اسسٹنٹ کے عہدے پر فائز تھے۔یہ صاحب اس سے پہلے لکھنؤ میں تھے اور تحصیل علم وادب کا بھی شوق رکھتے تھے۔برکت علی کو جب بسک صاحب کی انبالہ میں موجودگی کا پتا چلا تو انھوں نے فوراً اشپرینگر کو خط تحریر کیا اور یہ درخواست کی کہ وہ بسک صاحب کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیں۔اشپرینگر نے حسب عادت ان کے لیے سفارشی چھٹی بنام بسک صاحب ضرور لکھی ہوگی،لیکن یہ چٹھی بھی کارآمد ثابت نہ ہوسکی اور برکت علی کو اپنے آبائی علاقے یا اس کے قریب کسی شہر میں ملازمت نہ مل سکی۔ابھی چند سال ہی گذرے تھی کہ برکت علی شاید اشپرینگر کی سفارش اور بسک صاحب کے اثر ورسوخ سے پنجاب میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور لاہور کے مدرسہ تعلیم المعلمین میں بطور مدرس اول ان کا تقرر ہوگیا۔جن دنوں انھیں یہ عہدہ تفویض ہوا،اشپرینگر ہندوستان میں نہیں تھا۔وہ مشرق وسطیٰ کے مختلف اسلامی ممالک کے علمی سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔جونہی وہ اس سفر سے واپس آیا،برکت علی نے فوراً اس سے رابطہ قائم کیا اور اسے لاہور سے ۲۲ فروری ۱۸۵۶ء کو خط روانہ کیا۔یہ اشپرینگر کے نام برکت علی کا آخری خط ہے۔اس میں مکتوب نگار نے اشپرینگر کو اپنی نئی ملازمت کی اطلاع دی اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ اس سے بہت خوش ہے۔اشپرینگر اسی سال یعنی ۱۸۵۶ء میں مستقلاً ہندوستان کو خیر باد کہہ کر جرمنی چلا گیا اور یوں برکت علی اور اس کے درمیان مراسلت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

برکت علی کو برسوں کی دوڑ دھوپ کے بعد لاہور کے اس مدرسہ میں ایسا عہدہ ملا تھا،جس سے وہ خود بھی مطمئن تھے۔انھوں نے یہاں اپنی اعلیٰ مدرسانہ صلاحیتوں کا ثبوت دیا اور بڑی مستعدی اور تندہی سے طلبہ کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہے۔طلبہ کے ساتھ ساتھ شعبہ تعلیم کے انگریز افسر بھی ان سے خوش تھے اور جب کبھی مدرسہ میں جلسہ منعقد ہوتا تو اس میں مدعو افسران طلبہ کی ذہانت کو دیکھ کر ان کے مدرس یعنی برکت علی کو بھی خراج تحسین پیش کرتے۔ایسا ہی ایک جلسہ ۲۴ اپریل ۱۸۵۷ء کو انعقاد پذیر ہوا۔اس جلسے کی روداد لاہور کے اخبار ''کوہ نور'' میں شائع ہوئی،جسے لکھنؤ کے ایک اخبار نے یوں نقل کیا ہے:

''صاحب'کوہ نور' تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۴ اپریل کو مسٹر پاسک صاحب بہادر انسپکٹر حلقہ اول نے

Marfat.com

امتحان طلبہ مدرسہ تعلیم المعلمین کا لیا۔ صاحب مہتمم کوہ نور بھی شریک جلسہ تھے۔ طالب علموں کی حسن لیاقت اور حاضر جوابی سے صاحب ممدوح بہت خوش ہوئے۔ مولوی برکت علی صاحب مدرس کو طلبا کی حسن لیاقت اور ترقی سے داد خوشنودی عنایت فرمائی اور اسی روز صاحب امرتسر کو تشریف فرما ہوگئے۔''(۱)

۱۸۵۷ء کے بعد برکت علی اس مدرسہ میں کب تک پڑھاتے رہے، اس کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا۔ شیعہ افاضل کے سوانح حیات پر مشتمل جن تذکروں میں برکت علی کے چند سطری حالات مرقوم ہیں، ان کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے۔ ان تذکرہ نویسوں نے صرف یہی لکھا ہے کہ برکت علی اپنی وفات تک لاہور ہی میں رہے اور اس عرصے میں جس قدر شیعی مسلک کی تبلیغ کا کام ہوا، اس کا سہرا مولوی برکت علی کے سر ہے۔ برکت علی نے لاہور میں وفات پائی اور یہیں دفن ہوئے۔ ان کے تذکرہ نگاروں نے ان کا سال وفات ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء کے لگ بھگ یا اس کے بعد بتایا ہے، حالانکہ متذکرہ بالا اخباری نوٹ سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مولوی برکت علی کم از کم اپریل ۱۸۵۷ء تک زندہ تھے۔ اس کے بعد ان کا انتقال ہوا، لیکن کب ہوا، اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ان کے قیام لاہور کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔

اس مجموعۂ خطوط کے بعض مکتوب نگاروں کی طرح سید برکت علی بھی اشپرینگر کے لیے مختلف جگہوں سے عربی اور فارسی کی نادر الوجود کتب جمع کرتے رہتے تھے۔ اشپرینگر نہ صرف اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتا تھا، بلکہ وہ ان سے متعلق اہم قلمی نسخوں کو جمع کرنے کا بھی شوقین تھا۔ مخطوطہ شناسی کا اسے وسیع تجربہ حاصل تھا اور ہندوستان آنے سے قبل یورپ کا شاید ہی کوئی ایسا بڑا کتب خانہ ہو، جس کے عربی اور فارسی مخطوطات کے خزینوں کو اس نے نہ کھنگالا ہو۔ ہندوستان آنے کے بعد اسے اپنے اس شوق کو پورا کرنے کے سنہری مواقع ملے اور اس نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ خطی نسخوں کی جمع آوری کے لیے ذاتی سطح پر بھی کوشش کرتا رہتا تھا، لیکن اس کام کے لیے اشپرینگر کی سب سے زیادہ مدد سید برکت علی جیسے لوگ کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنی علمی استعداد کے باعث اشپرینگر کے قریب تھے اور وہ اس کے مشاغل علمیہ سے بخوبی واقف تھے۔ علاوہ ازیں ان دنوں اسلامی درسگاہوں سے متعلق اشپرینگر کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا اور اس کی سفارش سے اکثر لوگوں کے مسائل روزگار حل ہو جاتے تھے۔ یوں یہ اصحاب اشپرینگر کے ممنون احسان ہوتے تھے۔ نیز انھیں اس کی جانب سے واضح ہدایات تھیں کہ وہ جہاں بھی ہوں، قیمتی مخطوطات کی کھوج میں رہیں اور اگر کہیں سے ان کا سراغ ملے، تو اسے فوراً اطلاع دی جائے۔ چنانچہ یہ سب متوسلین اشپرینگر اس کے لیے مخطوطات تلاش کرتے رہے اور یہ انھی لوگوں کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ اشپرینگر عربی، فارسی اور اردو کے ہزاروں بیش بہا مخطوطات جمع

۱۔ اشرف الاخبار (لکھنؤ) جلد ا نمبر ۱۲، بابت ۹ مئی ۱۸۵۷ء/ مطابق ۱۴ رمضان ۱۲۷۳ھ۔ (مخزونہ برلین)

Marfat.com

کرنے میں کامیاب ہوگیا اور ہندوستان سے جاتے ہوئے مسلمانوں کے ان علمی اور تہذیبی ورثے کو بھی اپنے ساتھ جرمنی لے گیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اشپرینگر کے ہندوستان چھوڑنے سے ایک سال بعد یعنی ۱۸۵۷ء میں ''رستخیزِ بے جا'' کا آغاز ہوگیا، جس میں اور بہت سی چیزوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے علمی آثار بھی تباہ و برباد ہو گئے۔ اگر اشپرینگر ان مخطوطات کو جمع کر کے اپنے ساتھ نہ لے جاتا، تو شاید یہ بھی انھی ہنگاموں کی نذر ہو جاتے۔ مسلمانوں کے علمی کارناموں کے ان شاہکاروں کا محفوظ رہ جانا اشپرینگر کا مرہون منت ہے۔ اب یہ سارا ذخیرہ برلین (مغربی) کے مرکزی کتاب خانے میں بحفاظت پڑا ہے۔

مولوی برکت علی نے بھی دوسرے مکتوب نویسوں کی طرح اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جتنی دیر وہ بسلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں رہے، اشپرینگر کے لیے عربی اور فارسی کے قیمتی مخطوطات جمع کرتے رہے اور نادر کتابوں کی فراہمی کا یہ سلسلہ اشپرینگر کے قیام ہندوستان کے آخری ایام تک جاری رہا۔ جب برکت علی لاہور کے مدرسہ تعلیم المعلمین میں مدرّس اول مقرر ہوئے، اس وقت بھی وہ اشپرینگر کو کتابوں کی ترسیل کی پیشکش کرتے رہے، کیونکہ یہاں بھی ایران اور کشمیر سے ایسی کتابیں برائے فروخت آتی رہتی تھیں۔

برکت علی نے اپنے ان گیارہ خطوط میں اشپرینگر کے لیے خرید کردہ متعدد قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ ان نسخوں کے انھوں نے جو کوائف بیان کیے ہیں، ان سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ برکت علی مخطوطات کی پرکھ اور ان کے موضوعی اور صوری پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے تھے۔ وہ یقیناً مخطوطہ شناسی کے فن سے آگاہ تھے اور وہ ان کے حصول کے مختلف ذرائع کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ وہ لکھنؤ کے تمام تاجران کتب سے ذاتی مراسم رکھتے تھے اور ان کے پاس جب بھی کوئی نادر نسخہ پہنچتا، وہ فوراً انھیں اطلاع کرتے۔ اس کے علاوہ لکھنؤ کے بڑے بڑے علماء، علم دوست امراء اور شائقین کتب کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ جب بھی ان میں سے کسی کا انتقال ہوتا، تو جس قرابت دار کے حصے میں کتب خانہ آتا، وہ اسے فروخت کر کے رقم اپنی جیب میں ڈال لیتا۔ برکت علی اس طرح فروخت ہونے والے کتب خانوں پر خاص نظر رکھتے تھے۔ بالعموم اشپرینگر کو جن کتابوں کی ضرورت ہوتی، ان کی فہرست مولوی صاحب کے پاس رہتی تھی۔ اگر فہرست میں شامل کسی کتاب پر ان کی نظر پڑ جاتی، تو وہ اسے فوراً خرید کر اشپرینگر کو بھجوا دیتے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ برکت علی کسی معروف کتب خانے کی فہرست تیار کر کے پہلے اشپرینگر کو ارسال کر دیتے اور اسے جن کتابوں کی ضرورت ہوتی وہ ان پر نشان لگا دیتا اور برکت علی صرف انھی کتابوں کو خرید لیتے۔ اشپرینگر کے نجی کاغذات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اس کے لیے جو لوگ کتابیں جمع کرتے تھے، انھیں اشپرینگر پیشگی رقوم بھجوایا کرتا تھا اور یہ لوگ ان

Marfat.com

رقوم میں سے اس کی ہدایت کے مطابق کتابیں خرید لیا کرتے تھے اور کچھ عرصہ کے بعد خرچ کردہ رقوم کی تفصیل اسے بھیج دیتے تھے۔ایسے حساب کتاب کی بہت سی رسیدیں اشپرینگر کے نجی کاغذات اور دستاویزات میں اب بھی محفوظ ہیں۔ان رسیدوں میں سے کچھ مولوی برکت علی کی بھی ارسال کردہ ہیں۔

اشپرینگر کو ابھی دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوئے تقریباً دو برس ہوئے تھے کہ حکومت نے اسے ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو لکھنؤ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کے عہدے پر فائز کر دیا۔اس نئی تقرری کا اصل مقصد یہ تھا کہ وہ شاہانِ اودھ کے تین بڑے کتاب خانوں (موتی محل، توپ خانہ اور فرح بخش) میں محفوظ عربی، فارسی، اردو، ہندی اور پشتو مخطوطات کی مفصل فہرست تیار کرے۔اس منصوبہ کا نگران معروف انگریز تاریخ دان سر ہنری ایلیٹ تھا اور اشپرینگر اسی کو اپنے کام کے متعلق سہ ماہی رپورٹ بھیجتا تھا۔اشپرینگر تقریباً تین ماہ سفر کی تیاریوں میں مصروف رہا اور ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا۔یہاں سے وہ یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو واپس دہلی روانہ ہوا۔اس طرح وہ تقریباً پونے دو سال لکھنؤ میں مقیم رہا اور اس دوران میں اس نے دس ہزار مخطوطات کے کوائف قلمبند کیے۔اتنی تھوڑی مدت میں قلمی نسخوں کی اتنی بڑی تعداد کا بالاستیعاب مطالعہ اور ان کے اندرونی اور بیرونی کوائف کی تفہیم کوئی معمولی کام نہیں تھا۔خوش قسمتی سے مخطوطات کو آنکنے کے ان دشوار گذار مراحل میں اشپرینگر کو چند ایسے نوجوان، محنتی، باصلاحیت اور مخطوطہ شناس رفقائے کار میسر آ گئے، جو ہر قلمی نسخے کے بنیادی کوائف لکھ دیتے تھے اور اشپرینگر انھی کی بنیاد پر اپنی فہرست مرتب کرتا تھا۔ان مستعد اور علم دوست رفیقوں میں ایک نام تو علی اکبر کا ہے، جس کی اعانت کا شکریہ اشپرینگر نے اپنی ''فہرست مخطوطات'' کی جلد اول (مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں ادا کیا ہے۔علی اکبر کے علاوہ اشپرینگر کے معاونین میں برکت علی بھی شامل تھے۔ان کے اشپرینگر کے نام پہلے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۷ء کے اواخر میں لکھنؤ میں موجود تھے اور جتنی دیر اشپرینگر اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی میں مصروف رہا، وہ بھی لکھنؤ ہی میں رہے اور اس کام میں اشپرینگر کی ہر طرح سے مدد کرتے رہے۔علی اکبر کی طرح اشپرینگر نے اپنی کسی تحریر میں برکت علی کا شکریہ تو ادا نہیں کیا، البتہ برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں سیکڑوں ایسے چھوٹے بڑے کاغذات موجود ہیں، جن پر مختلف عربی اور فارسی مخطوطات کی ابتدائی اور آخری عبارات، ترقیمے اور دیگر کوائف مرقوم ہیں۔ان کاغذوں پر کہیں برکت علی کا نام تو درج نہیں، لیکن ان عبارتوں کا طرزِ تحریر ان کے لکھے ہوئے ان خطوط کے طرزِ تحریر سے بالکل ملتا جلتا ہے۔اس مشابہت کے پیشِ نظر کہا جا سکتا ہے کہ اشپرینگر کو فہرست مخطوطات کی تدوین و ترتیب میں سید برکت علی کا علمی تعاون حاصل تھا اور یہ اسی اشتراک کا نتیجہ تھا کہ وہ اتنے تھوڑے عرصے میں ہزاروں خطی نسخوں کی تفصیلات جمع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

Marfat.com

مولوی برکت علی ایک عالم شخص تھے۔ عربی، فارسی اور انگریزی علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اہل علم کی مجالس میں شریک رہتے تھے اور لکھنؤ کے سبھی علماء بالخصوص شیعہ افاضل سے ان کے قریبی مراسم تھے۔ شعبۂ تعلیم و تدریس سے منسلک تھے اور بطور مدرس لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت و تکریم تھی۔ انھوں نے اپنے مدرسانہ فرائض کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف یا ترجمہ کا کام بھی ضرور کیا ہوگا، لیکن ان کے حالات زندگی کی طرح ان کے علمی آثار بھی گوشۂ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ایک خط سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی کتاب کی تالیف یا ترجمہ کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن اس شرط پر کہ اس کام کا انھیں معاوضہ بھی ادا کیا جائے۔ ان دنوں پلٹنوں کے کورس میں ''اخلاق جلالی'' اور ''اخلاق ناصری'' جیسی کتابیں شامل تھیں اور ان کو پڑھانے کا مقصد یہ تھا کہ زیر تربیت برطانوی فوجی مسلمانوں کے علم اخلاق کے اصولوں سے واقفیت حاصل کریں۔ چونکہ ان فارسی کتابوں میں جا بجا قرآنی آیات، احادیث، اور مختلف علوم و فنون کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، اس لیے ان فوجیوں کو ان کتب کے مضامین سمجھنے میں دقت محسوس ہوتی تھی۔ اس مشکل کا احساس کرتے ہوئے برکت علی اشپرینگر کو اس خط میں لکھتے ہیں:

''میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب مختصر علم اخلاق میں، جو بہت واضح اور آسان ہو، زبان اردو میں تالیف کروں اور جو مبحث کہ ''اخلاق جلالی'' اور ''ناصری'' وغیرہ میں عبث اور بے فائدہ ہیں، اون کو خارج کروں اور جو اچھی اچھی باتیں ہیں، اون کو درج کروں تاکہ سمجھنا اوس کا آسان ہو اور فائدہ اوس کا عام ہو۔ پس اس میں جو رائے حضور کی ہو اشارہ فرماویں۔''

اشپرینگر نے مکتوب نگار کی اس تجویز کو پسند کیا یا نہیں اور کیا برکت علی نے علم اخلاق کے موضوع پر ایسی کوئی اردو کتاب تالیف کی یا نہیں؟ ان امور کے بارے میں کچھ علم نہیں۔

سید برکت علی عربی اور فارسی زبانوں کو عالمانہ سطح پر جانتے تھے، علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور جدید مغربی علوم کی مبادیات سے بھی واقف تھے۔ آغا مہدی لکھنوی کا کہنا ہے کہ ''احیاء الآثار'' نامی کتاب میں برکت علی کے علمی اور عملی کمالات کا ذکر کیا گیا ہے'' (رک: تاریخ سلطان العلماء، کراچی ۱۹۶۰، ص ۱۶۴)۔ آغا صاحب نے صرف کتاب کا نام لکھ دیا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ یہ کتاب کب اور کہاں سے شائع ہوئی اور اس کا مؤلف کون ہے۔ راقم نے اس کتاب کو بہت تلاش کیا لیکن یہ پاکستان کے کسی بڑے اور قابل ذکر کتاب خانے میں دستیاب نہیں۔ حتیٰ کہ رجال الشیعہ کے ماہر اور معروف محقق مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی مرحوم نے راقم کو بتایا کہ آج تک ان کی نظر سے بھی یہ کتاب نہیں گذری۔ آغا بزرگ طہرانی نے اس کتاب کا یوں ذکر کیا ہے:

Marfat.com

"احیاء الآثار فی ترجمة ممتاز العلماء السید محمد تقی بن سید العلماء السید حسین بن العلامة السید دلداد علی النقوی النصیر آبادی المولود بلکھنؤ سنة ۱۲۳۴ والمتوفی بھا سنة ۱۲۸۹، و ھوا بلغة اردو، لحفیده، السید مھدی بن السید محمد تقری بن شمس العلماء السیدا ابراھیم بن ممتاز العلماء السید محمد تقی المذکور، ذکره السید العلامة ابن عم المصنف السید علی تقی بن أبی الھسن بن ابراھیم"

(الذریعة الی تصانیف الشیعة، الجزء الاول؛ تھران ۱۳۸۷ھ/۱۹۶۸ء، ص ۳۰۶ شمارہ ۱۵۹۴)

"احیاء الآثار" کی نایابی کے باوجود سید برکت علی کے علم وفضل میں کوئی شبہ نہیں اور ان کے علمی خصائص کے پیش نظر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انھوں نے مختلف موضوعات پر کچھ کتابیں ضرور لکھی ہوں گی۔ ان کے متذکرہ بالا سوانح نگاروں نے ان کی کسی تالیف کا حوالہ نہیں دیا۔ راقم کو اس دور کی صرف دو ایسی کتابوں کے نام مل سکے ہیں جو غالباً ہمارے مکتوب نگار سید برکت علی کی تحریر کردہ ہیں، کیونکہ ان کے موضوعات وہی ہیں، جن سے انھیں خصوصی دلچسپی تھی۔ ان میں ایک کتاب کا نام "خزانہ برکت" ہے۔ ساٹھ صفحات کا یہ رسالہ ریاضیات سے متعلق ہے، جو دہلی سے ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا (بحوالہ گارسیں دتاسی ا: ۳۰۵)۔ دوسری اردو کتاب کا عنوان "مفید العوام" ہے اور یہ ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۷ء میں اشاعت پذیر ہوئی (صفحات ۱۵۲)۔ کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب (لاہور) میں اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے، لیکن پہلا صفحہ غائب ہونے کی وجہ سے اس کے مقام اشاعت کا پتا نہیں چلتا۔ ممکن ہے، یہ کتاب لکھنؤ سے شائع ہوئی ہو۔ اس کتاب کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

"واضح ہو کہ یہ مختصر رسالہ ہے در باب اظہار ثبوت وجوب مسح پا اور ارسال یعنی کھلے ہوئے ہاتھ نماز پڑھنے وغیرہ۔ بعض بعض باتوں کے کہ بموجب قرآن وحدیث کے فریقین کے ہاں سے ثابت اور متحقق ہے، خاکسار اقل الخلیقہ بل لاشی فی الحقیقہ بندہ ہیچ میرز سید برکت علی عفی عنہ لکھتا ہے۔"

اس کے بعد سبب تالیف اور اس کے آخر میں رسالہ کا نام درج ہے:

"سو نظر بر افادۂ عام نہایت سہل اور آسان زبان اردو میں لکھا جاتا ہے تا کہ ہر کوئی اسے سمجھ سکے اور نام اس رسالہ کا "مفید العوام" رکھا۔"

ذرا آگے چل کر مؤلف اپنی اگلی کتاب کا اس طرح ذکر کرتا ہے:

"انشاء اللہ تعالیٰ ایک رسالہ علیحدہ میں اکثر ان باتوں کا علیحدہ ذکر واسطے فائدہ عام کے

Marfat.com

سہل اسی زبان اردو میں بعد اس کے لکھ دوں گا، جس سے عوام بھی جانیں کہ کیا کیا بدعتیں اور مخالف ان کے (سنیوں کے) مقتداؤں اور علماؤں نے کی ہیں۔''

مولوی برکت علی کے ان گیارہ خطوط سے بہت سی ایسی باتوں کا علم ہوتا ہے، جو کسی اور کتاب میں مذکور نہیں۔ ان اہم باتوں میں اس دور کی بعض علمی شخصیات کے متعلق سوانحی اشارے، درس گاہوں کی اندرونی حالت، متعدد نادر و نایاب مخطوطات کے کوائف وغیرہ شامل ہیں۔ ان خطوط کے ایسے اہم حصوں کا تفصیلی ذکر ان کی ''تشریحات'' کے تحت کیا جائے گا۔ یہاں ان مکاتیب کے صرف ایک اہم ترین پہلو کی نشان دہی کی جائے گی، جس سے بالکل نئی معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ یہ پہلو دار العلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس کی ابتدائی زندگی کے اس دور سے متعلق ہے، جس کا ذکر ان کے تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا۔

مولانا محمد یعقوب نانوتوی ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد مولانا مملوک العلی نانوتوی برسوں دہلی کالج میں مدرس اول (جماعت عربی) کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ نانوتہ سے بہت سے ایسے لوگ، جن کا نام بعد میں انیسویں صدی عیسوی کے نامور علماء میں شمار ہونے لگا، مولانا مملوک العلی ہی کی تحریک پر دہلی آئے اور یہاں دہلی کالج میں ان سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ایسے معروف علماء میں مولانا احسن نانوتوی، مولانا مظہر نانوتوی، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے اپنے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر کا سنہ ولادت ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۲ء ہے۔ ان کے بیشتر تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ مولانا نے ابتدائی تعلیم نانوتہ ہی میں مکمل کی اور پھر اپنے والد یعنی مملوک العلی کے کہنے پر وہ ۱۸۴۴ء میں دہلی آئے اور تقریباً سات برس یعنی ۱۸۵۰ء تک انھوں نے دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی[1]۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو اجمیر کے مدرسہ میں ان کا تقرر ہو گیا۔ بالآخر ۱۸۶۶ء میں دار العلوم

۱۔ رک: سیرت یعقوب و مملوک۔ تالیف مولانا محمد انوار الحسن شیر کوٹی، کراچی ۱۹۷۴ء، ص ۲۲۔ اس کے علاوہ جن سوانح نگاروں نے مولانا کے دہلی کالج سے تعلیم حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے، ان میں محمد ایوب قادری (رک مولانا محمد احسن نانوتوی، کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۱۸۹) اور امداد صابری (دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۹۹) شامل ہیں۔ ان کے برعکس بعض تذکرہ نگاروں نے مولانا کا بحیثیت طالب علم دہلی کالج [illegible] مثلاً حافظ قاری فیوض الرحمن (مشاہیر علماء دیوبند، جلد اول، لاہور ۱۹۷۶ء، اور حضرت حاجی [illegible] اور ان کے خلفاء، کراچی ۱۹۸۴ء)، حافظ محمد اکبر شاہ بخاری (تذکرہ علمائے دیوبند، لاہور، بلا تاریخ)، سید محبوب رضوی (تاریخ دار العلوم دیوبند، جلد دوم، دیوبند ۱۹۷۶ء) اور مولانا عبدالحی (نزہۃ الخواطر، جلد ۷، طبع ثانی، کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۵۲۴-۵۲۵)

مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے مسلسل سات سال (۱۸۴۴ء-۱۸۵۰ء) دہلی کالج میں تعلیم حاصل کرنے کی کوئی ٹھوس شہادت نہیں ملتی۔ مندرجہ بالا سطور میں ایک رجسٹر کا حوالہ جا بجا دیا گیا ہے، جس میں ان تمام طلبہ کے نام (جاری)

Marfat.com

دیوبند میں صدر مدرس کے عہدہ پر فائز ہوئے اور پھر اپنی وفات (۱۸۸۶ء) تک وہ اسی درس گاہ میں لوگوں کے سینوں کو نور علم سے روشن کرتے رہے۔[۱]

مولوی برکت علی نے ان گیارہ خطوط میں سے صرف ایک خط میں مولانا محمد یعقوب نانوتوی کا ذکر کیا ہے اور اس سے مولانا کے زمانۂ طالب علمی کے بعض ایسے پہلو سامنے آتے ہیں، جن کے بارے میں ان کے سوانحی مصادر بالکل خاموش ہیں۔ مکتوب نگار کے اس خط سے ہمیں جن نئی باتوں کا علم ہوتا ہے، ان کے مطابق مولانا یعقوب نانوتوی کے والد مملوک العلی نانوتوی کے انتقال بتاریخ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے فوراً بعد دہلی کالج کی انتظامی کمیٹی کا اجلاس ہوا اور اس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مملوک العلی کی جگہ شعبۂ عربی کے مدرس دوم مولانا سید محمد کو تعینات کر دیا جائے، البتہ یہ کمیٹی مولانا سید محمد کے خالی عہدہ (یعنی مدرس دوم) پر کسی کو مقرر کرنے کا فیصلہ نہ کر سکی۔ اس عہدہ کے تین امیدوار تھے۔ ان میں ایک مولوی حسن علی خاں تھے، جو دہلی کالج کے شعبہ فارسی کے مدرس دوم کی حیثیت سے مبتدیوں کو فارسی پڑھاتے تھے۔ دوسرے امیدوار کا نام سبحان بخش شکارپوری تھا، یہ دہلی کالج کے شعبۂ عربی میں مدرس سوم تھے۔ اس عہدہ کے تیسرے امیدوار مولانا محمد یعقوب نانوتوی تھے۔ انتظامی کمیٹی کے رکن اور دہلی کالج کے ممتحن مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی چاہتے تھے کہ عربی جماعت کے مدرس دوم کا عہدہ مولانا محمد یعقوب کو حاصل ہو، کیونکہ ایک تو وہ مملوک العلی کے فرزند تھے،

اور بنیادی کوائف درج ہیں، جو ۱۸۴۷ء میں دہلی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ حیرت ہے کہ اس رجسٹر میں محمد یعقوب کا نام موجود نہیں۔ اس سے یہ بات تو طے پا جاتی ہے کہ مولانا نے دہلی کالج میں مسلسل سات سال تعلیم حاصل نہیں کی۔ ممکن ہے، مولانا نے دہلی آنے کے چند برس بعد تک اپنے والد سے گھر پر ہی پڑھا ہو یا دہلی کی بعض دینی اور علمی ہستیوں سے کسب فیض کیا ہو۔ اس کے بعد غالباً ۱۸۴۸ء میں انھوں نے دہلی کالج کی عربی جماعت میں داخلہ لیا۔ تین سال بعد یعنی ۱۸۵۱ء کے شروع میں وہ کالج کے اسکالروں میں شامل ہو گئے اور انھیں نو روپے ماہوار وظیفہ ملنے لگا۔ اسی سال وہ کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس طرح مولانا کی دہلی کالج میں مدت تعلیم سات سال نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ چار سال بنتی ہے، کیونکہ اس کالج کی جماعت عربی کے چار فریق تھے اور ہر فریق میں طالب علم کو ایک سال پڑھنا پڑتا تھا۔

۱۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے مفصل سوانح حیات ان مآخذ سے دستیاب ہیں، جن کا حوالہ مذکورہ بالا نوٹ میں کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ رک: تذکرہ مشائخ دیوبند از مفتی عزیز الرحمٰن، بجنور ۱۹۵۹ء، ص ۱۵۲-۱۶۲۔ دارالعلوم از قاری محمد طیب، دہلی ۱۹۶۵ء۔ نیز مولانا کی بعض کتابوں مثلاً ''مکتوبات یعقوبی'' کی نئی طباعتوں کے دیباچوں میں بھی ان کے حالات زندگی دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

جنھوں نے خلوص نیت اور مستعدی سے تقریباً پچیس برس اس درس گاہ کی خدمت کی تھی۔ علاوہ ازیں مولانا اس وقت اسی شعبہ کے اسکالروں میں شامل تھے اور ان کا شمار مدرسہ کے ذہین طلبہ میں ہوتا تھا۔ آزردہ کی اس خواہش میں مولانا سید محمد بھی شریک تھے، جنھیں ان کے والد کے عہدہ پر فائز ہوئے ابھی چند ماہ ہی گذرے تھے۔ بالآخر اراکین کمیٹی نے یہ طے کیا کہ ان تین امیدواروں کا تحریری امتحان لیا جائے، جو امیدوار زیادہ نمبر حاصل کر لے، اسے شعبۂ عربی میں مدرس دوم مقرر کر دیا جائے۔ چند ماہ بعد یہ امتحان ہوا اور بقول مولوی برکت علی ممتحنوں (یعنی آزردہ اور مولانا سید محمد) نے مولانا محمد یعقوب سے آسان اور سہل نصابی کتابوں (مثلاً منتخبات عربیہ، شرح ملا اور قطبی) سے سوالات دیئے۔ یہ بھی ان اصحاب کے مولانا کے متعلق جانبدارانہ رویے کا ثبوت تھا۔ ان تینوں امیدواروں کے حل کردہ پرچے ڈاکٹر اشپرینگر کو بھیج دیئے گئے، تاکہ وہ ان میں موزوں امیدوار کا انتخاب کر سکے۔

انھی دنوں برکت علی لکھنؤ سے آئے اور جب انھیں اس صورت حال کا علم ہوا، تو انھوں نے دہلی کالج کے پرنسپل کارگل سے ملاقات کی اور یہ یقین دلایا کہ وہ بھی مدرس دوم (جماعت عربی) کے لیے موزوں امیدوار ہے۔ برکت علی کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح دہلی کالج میں ملازم ہو جائے۔ اس کے علاوہ انھیں کمیٹی کے اس طریق کار پر بھی اعتراض تھا، جس کے تحت وہ مدرس دوم کو منتخب کر رہی تھی۔ ان کی نظر میں بہتر طریقہ یہ تھا کہ اس خالی عہدہ کا اشتہار دیا جاتا اور اس کے لیے جتنے امیدوار درخواست دیتے، ان سب کا امتحان لیا جاتا اور ان میں جو نمایاں حیثیت حاصل کرتا، اسے یہ عہدہ تفویض کر دیا جاتا۔ انھوں نے اپنا یہ مؤقف اشپرینگر اور کارگل دونو سے بیان کیا، لیکن اب وہ بھی کچھ نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ کمیٹی کے اراکین نے جو متفقہ فیصلہ کیا تھا، وہ اس کو تبدیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔

مولوی برکت علی جب کالج کے پرنسپل کارگل سے ملے تو اس نے بھی اراکان کمیٹی کے فیصلہ تبدیل کرنے سے معذوری کا اظہار کر دیا، البتہ اس نے یہ وعدہ ضرور کیا کہ اگر حسن علی خان کو جماعت عربی کا یہ عہدہ مل گیا، تو ظاہر ہے اس کا شعبہ فارسی میں اپنا عہدہ (مدرس سوم) خالی ہوگا اور اس عہدے پر انھیں مقرر کر دیا جائے گا۔ برکت علی پرنسپل کے اس وعدے سے مطمئن تو ضرور تھے، لیکن اس کے باوجود انھیں یہ تشویش تھی کہ یہ عہدہ مولانا محمد یعقوب کو نہ مل جائے۔ انھیں یہ بالکل گوارا نہیں تھا کہ شعبہ فارسی میں مولانا کا تقرر ہو جائے، کیونکہ وہ انھیں اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اس حوالے سے انھوں نے اشپرینگر کو جو لکھا، وہ بطور ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

''اب حضور سے عرض یہ ہے کہ اگر حسن علی خان، مولوی سید محمد یا [illegible]

Marfat.com

تو حضور کی عنایت سے مجکو امید قوی ہے کہ حسن علی خان کی جگہ پر میں مقرر ہوں۔ اس واسطے کہ محمد یعقوب نے اگرچہ عربی میں کچھ پڑھا ہے لیکن فارسی بالکل نہیں جانتا ہے اور حضور ازروئے منصفی کے خیال فرماویں کہ عہدہ فارسی اوس شخص کو ملنا چاہیے کہ جو لیاقت رکھتا ہو اور طلبہ کو بخوبی تعلیم کرے...... پس اس لحاظ سے چاہیے تھا کہ صاحبان کمیٹی عہدۂ دوم کے واسطے میرا بھی امتحان لیتے...... اور اگر صاحبان کمیٹی کو محمد یعقوب کی پرورش منظور ہو تو اوس کی پرورش ہو سکتی ہے کہ اوس کی بیس روپیہ تنخواہ اسکالری میں مقرر فرما دیں۔ اس واسطے کہ ابھی محمد یعقوب آٹھ نو مہینے سے اسکالروں میں نوکر ہوا اور نو روپیہ اس کے واسطے مقرر ہوئے ہیں۔ وہ بھی بپاس خاطر مولوی مملوک العلی صاحب کے اور جب محمد یعقوب مدرسہ میں اچھی استعداد حاصل کر چکے تو صاحبان کمیٹی اوس کو کوئی عہدہ دے سکتے ہیں۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عربی کے مدرس دوم کے انتخاب کے لیے جن تین امیدواروں نے امتحان دیا اور ان کے حل کردہ پرچے اشپرینگر کے پاس بھیجے گئے، ان میں مولانا محمد یعقوب کامیاب نہ ہو سکے۔ اس سلسلے میں انھیں انتظامی کمیٹی کے بعض ارکان مثلاً آزردہ اور مولوی سید محمد کا تعاون بھی حاصل تھا۔ شاید اس ناکامی کی وجہ یہ ہو کہ وہ دوسرے دو امیدواروں کے مقابلے میں زیادہ نمبر حاصل نہ کر سکے۔ بہر حال مولانا کو دہلی کالج میں تو جگہ نہ مل سکی، لیکن اس کے تھوڑی دیر بعد وہ اجمیر کالج میں ملازم ہو گئے۔ (۱)

ان خطوط سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے زمانۂ طالب علمی کے بارے میں جو نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں، ان کا ذکر تو سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی اور باتوں کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً بعض شیعہ افاضل سے اشپرینگر کے تعلقات، سید محمد تقی کا قیمتی پتھر جمع کرنے کا شوق، اشپرینگر کے بعض علاقوں کے سفر وغیرہ وغیرہ۔ ایسی نئی باتوں کا ذکر ان مکاتیب کے ہمراہ تشریحات کے ذیل میں کیا جائے گا۔

مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو وقتاً فوقتاً جو خط تحریر کیے، ان کی تعداد گیارہ ہے۔ ان میں مکتوب نگار نے پہلے اور آخری خط کی تاریخ تحریر آخر میں درج کی ہے، جو بالترتیب ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء (مقام لکھنؤ) اور ۲

۱۔ اشپرینگر کے ایک قریبی رفیق کار مولوی علی اکبر نے اسے ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو آگرہ سے خط لکھا تھا، جس میں عربی کے مدرس دوم کے عہدہ کے امیدواروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس خط میں مکتوب نگار نے صرف مولوی سبحان بخش شکارپوری اور حسن علی خاں کے نام بتائے ہیں، لیکن مولانا محمد یعقوب علی کا نام تک نہیں لکھا۔ رک: بذیل ذکر علی اکبر، مکتوب نمبر ۸ مع تشریحات۔

Marfat.com

فروری ۱۸۵۶ء (مقام لاہور) ہے۔ ان کے علاوہ بقیہ نو خط بلا تاریخ ہیں، لیکن ان کی اندرونی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب ۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۱ء میں لکھے گئے۔ مراسلہ نگار نے خطوط کے آخر میں کہیں صرف اپنا نام لکھ دیا ہے اور کہیں نام کے ساتھ مقام یا درس گاہ کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ کسی جگہ مہینے اور دن کا ذکر بھی کر دیا ہے، لیکن سنہ تحریر نہیں لکھا۔ ایک خط کے نیچے انھوں نے اپنا نام انگریزی میں لکھا ہے۔ سطور ذیل میں یہ گیارہ خطوط مع تشریحات پیش کیے جا رہے ہیں:

۱

''غریب پرور فیاض زمان قدر دان سلامت

مدت ہوئی کہ ایک عرضی مشتمل حال کتاب سیبویہ (۱) وغیرہ حضور کی خدمت میں اندور کی طرف روانہ کی تھی، لیکن اب تک اوس کے جواب سے سرفراز نہ ہوا (۲)۔ اور فہرست کے واسطے مولوی میرن (۳) صاحب وقبلہ سے حکم لے لیا ہے، لیکن چونکہ میں بیمار ہوگیا تھا، اس واسطے توقف ہوا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب جلد خدمت عالی میں روانہ کروں گا۔ اور حضور اطلاع فرماویں کہ کب لکھنؤ میں رونق افروز ہوں گے (۵) تا کہ جو کتابیں، جو معرض بیع میں ہوں، حضور کے ملاحظہ کے واسطے طیار کر رکھوں۔ فقط

بڑا سبب اس عرضی کے لکھنے کا یہ ہوا کہ کلنٹ (۶) صاحب بہادر کی زبانی معلوم ہوا کہ کونسل کلکتہ نے کرنیل رچمنڈ (۷) صاحب بہادر رزیڈنٹ لکھنؤ کو واسطے مقرر کرنے مدرس ہوگلی کے اختیار دیا (۸)۔ پس اب جو مدرس مقرر ہوگا، رزیڈنٹ صاحب بہادر کی پسند پر موقوف ہے۔ اب حضور سے یہ امید ہے کہ جس طرح ہو سکے میرے حق میں سعی فرماویں۔ خواہ بڑے صاحب کو لکھیں، خواہ معرفت ڈاکٹر لوئین (۹) صاحب اور کرنیل ولکاک (۱۰) صاحب اور چھوٹے صاحب کے سفارش کریں کہ حضور کے کہنے کا بڑا اعتبار ہے۔

اور بنظر انصاف بھی اس عہدہ کا میں مستحق ہوں۔ اس واسطے کہ مدرس شیعہ ہوگا (۱۱) اور میں نے سرکار کمپنی کے مدرسہ میں تعلیم پائی (۱۲) اور اب بھی سرکار کے مدرسہ میں نوکر ہوں اور سوا عربی و فارسی کے علوم انگریزی بھی تحصیل کیے۔ لکھنؤ میں ان علوم سے کوئی واقف نہیں۔

وہ جو حضور نے بنظر پرورش سارٹی فکٹ مرحمت کی تھی، میں نے اوس کو زیادہ اعتبار کے واسطے بجنسہ درخواست کے ساتھ کلکتہ کو روانہ کر دیا۔ اب میرے پاس کوئی حضور کی سارٹی فکٹ نہیں کہ درخواست کے ہمراہ رزیڈنٹ صاحب کی خدمت میں گذرانوں۔ اگر جلدی ایک سارٹی فکٹ اوسی مضمون کی بنظر پرورش مرحمت فرماویں، تو حضور کا بڑا شکر گذار ہوں۔ چونکہ حضور کو ہر طرح سے میری پرورش منظور ہے اور حضور سے

Marfat.com

مدرسہ کا طالب علم ایسے عہدہ جلیل پر مقرر ہو، اس میں حضور کی بھی نیک نامی ہے۔ امید قوی ہے [یہاں سے کاغذ پھٹا ہوا ہے] کوشش فرمادیں گے، لیکن جلدی مناسب ہے۔ فقط

برکت علی از لکھنؤ

۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء''

تشریحات:

۱۔ سیبویہ پر ایک عربی شرح کی جلد اول اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھی۔ اس نے اپنی مرتبہ ''فہرست'' (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) میں صرف اتنا لکھا ہے کہ اس شرح کے تین سو صفحات ہیں اور اس کے انیس صفحات کم ہیں۔ اس نے سیبویہ کا سنۂ وفات ۱۸۰ھ لکھا ہے (ص ۶۸، شمارہ ۱۰۰۴)۔ اہلوارٹ نے بھی اس نسخے کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اوراق کی تعداد ۱۲۸ بتائی ہے، اور اس کا سنۂ کتابت ۱۷ شوال ۶۵۴ھ/ ۱۲۵۶ء لکھا ہے (فہرست برلین، ۶:۴-۵، شمارہ ۶۴۵۹۔ نیز براکلمان ۱:۱۰۱، ذ ا: ۱۶)۔ ممکن ہے، یہ نسخہ وہی ہو جس کی تفصیل برکت علی نے اشپرینگر کو بھیجی اور اس نے بعد میں خرید لیا۔

۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتوب نگار کا اشپرینگر کے نام پہلا خط نہیں، بلکہ وہ اس سے قبل بھی اسے خط لکھتے رہتے تھے، لیکن برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں اس وقت ان گیارہ خطوط کے علاوہ برکت علی کی اور کوئی تحریر موجود نہیں۔ مولوی صاحب اپنے محسن اشپرینگر کے لیے قلمی نسخے جمع کرتے رہتے تھے اور ان کی اطلاع اسے دہلی کے پتا پر دے دیا کرتے تھے، لیکن جب کبھی اشپرینگر اپنے نجی یا سرکاری دورے پر دہلی سے باہر جاتا تھا، تو وہ روانگی سے قبل اپنے دورے کی پوری تفصیل برکت علی کو لکھ دیتا تھا، تاکہ اگر دوران سفر کوئی نادر کتاب دستیاب ہو جائے تو اسے فوراً اطلاع کر دی جائے۔ اشپرینگر کے دورۂ اندور کی اطلاع صرف اسی خط سے ملتی ہے۔

۳۔ جناب سید حسین صاحب المعروف بہ جناب سید میرن صاحب بن مولوی سید دلدار علی صاحب نصیر آبادی لکھنوی۔ سنہ ولادت ۱۴ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ/ اکتوبر ۱۷۹۶ء۔ اصل نام حسین اور عرف میرن تھا۔ وہ سلطان العلماء سید محمد کے چھوٹے بھائی تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور بڑے بھائی سے حاصل کی۔ ان کی ذہانت و ذکاوت اور علم و فضل کا ایک زمانہ معترف تھا۔ اودھ کے حکمران بھی ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ محمد امجد علی شاہ نے تو انھی کے کہنے پر مدرسۂ سلطانیہ کی بنیاد رکھی۔ امور دینیہ میں ان کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا اور آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ اختر تو ہمیشہ ان سے خلوص و عقیدت اور عزت و احترام سے پیش آتا تھا۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تالیف کیں اور ان کے تلامذہ

Marfat.com

میں ممتاز العلماء سید محمد تقی، حامد حسین اور قاری جعفر علی جارچوی بھی شامل تھے۔ ان کی تاریخ وفات ۱۷ صفر ۱۲۷۳ھ/ اکتوبر ۱۸۵۶ء ہے۔ ان کی رحلت کا ذکر مرزا غالب نے کالپی کے رئیس انور الدولہ سے یوں کیا ہے:

''آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے۔ نام ان کا سید حسین اور خطاب سید العلماء نقش نگیں ''میر حسین ابن علیؑ''۔ میں نے ان کی رحلت کی ایک تاریخ پائی۔ اس میں پانچ بڑھتے ہیں، یعنی ۱۲۷۸ھ ہوتے تھے، تخرجۂ روشنی کا میرے خیال میں آیا، میں تو جانتا ہوں اچھا ہے......

حسین ابن علی آبروئے علم و عمل — کہ سید العلما نقش خاتمش بودی

نماند و ماندے اگر بودے پنج سال دگر — غم حسین علی سال ماتمش بودی''

(اردوئے معلی، مطبوعہ لاہور، ص ۵۹۷)

اس قطعہ تاریخ کے علاوہ غالب نے فارسی میں ایک درد انگیز ترکیب بند بھی لکھا ہے۔

(رک: کلیات غالب، لاہور، جلد اول، ص ۴۶۴، ۵۰۴)

میرن صاحب کے مفصل حالات زندگی اور تالیفات کے لیے رک: تذکرۂ بے بہا، ص ۱۲۴-۱۲۸۔ مطلع انوار ۱۹۱-۱۹۹ (مع دیگر مآخذ)

۱۔ مولوی میرن صاحب کے پاس ذاتی کتب خانہ بھی تھا، جس کی شہرت ان کے علم و فضل کی طرح دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ اشپرینگر بھی اس کتب خانہ کی اہمیت سے آشنا تھا۔ وہ اس کتب خانہ کی ایک فہرست تیار کرانا چاہتا تھا، جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ اس کتب خانہ میں کون کون سے نوادرات ہیں۔ اس نے فہرست کی تیاری کا فریضہ مولوی برکت علی کو سونپا۔ انھوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی اور مولوی میرن صاحب سے مل کر یہ فہرست تیار کرنے کی اجازت حاصل کر لی، لیکن اپنی علالت کی وجہ سے برکت علی جلدی یہ کام شروع نہ کر سکے۔ انھوں نے یہ خط (بابت ۲۶ نومبر ۱۸۴۷ء) بھجوانے کے چند روز بعد فہرست بنانا شروع کر دی اور دسمبر میں اسے مکمل کر کے اشپرینگر کو بھیج دی۔

جیسا کہ سابقہ سطور میں مرقوم ہے کہ اشپرینگر نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں معروف شخصی کتاب خانوں کی جتنی فہارس مرتب کرائی تھیں، وہ اب اس کے ذاتی کاغذات میں برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں بحفاظت پڑی ہوئی ہیں۔ ان فہرستوں میں وہ فہرست بھی شامل ہے، جو مولوی میرن صاحب کے کتاب خانہ کی ہے اور جس کا ذکر مکتوب نگار نے اپنے اس خط میں یہ

Marfat.com

ہے۔ اس فہرست کے تین ورق ہیں اور بحالت موجودہ ''باب الزاء المعجم'' سے شروع ہوتی ہے۔ الفبائی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے اور اس کے ابتدائی چند اوراق کم ہیں۔ پہلے صفحہ کے اوپر اشپرینگر نے اپنے قلم سے یہ انگریزی عبارت لکھی ہے:

"Catalogue of Myran's Library at Lucknow, 1847 December"

اس نامکمل فہرست میں ۳۵۸ کتابوں کے نام درج ہیں۔ چند قابل ذکر کتابیں یہ ہیں:

شرح فصوص الحکم، شرح فصوص الحکم (ہادی ماژندرانی)، فصوص الحکم، مختصر تنزیہہ الشریفہ (مولوی میرن صاحب۔ تذکرہ بے بہا، ص ۱۲۷-۱۲۸ اور مطلع انوار ص ۱۹۸-۱۹۹ میں میرن صاحب کی تصانیف کی جو فہرست دی گئی ہے، اس میں یہ کتاب شامل نہیں)، منتد علی ورد تصوف الفتوحات والفصوص، مناظرہ ملا عبدالصمد و میر محمد علی بنگالی مرشد آبادی در جواب سبحان علی خان وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ برکت علی کے اس خط کے دس دن بعد یعنی ۶ دسمبر ۱۸۴۷ء کو اشپرینگر لکھنؤ میں ایکسٹرا اسسٹنٹ ریذیڈنٹ مقرر کر دیا گیا اور وہ تقریباً تین ماہ بعد یعنی اوائل مارچ ۱۸۴۸ء لکھنؤ پہنچا۔ اس سے قبل وہ لکھنؤ گیا یا نہیں، اس کے متعلق کوئی شہادت نہیں ملتی، لیکن یہ حقیقت ہے کہ برکت علی کی وساطت سے مولوی میرن جیسی علمی ہستیوں سے اس کے غائبانہ مراسم تھے اور اسی ذریعے سے لکھنؤ میں قدیم کتابوں کا کاروبار کرنے والے دکانداروں تک اس کی رسائی تھی۔

۶۔ اُن دنوں ایل کلنٹ نامی ایک برطانوی افسر موجود تھا، جس کا نام ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی رکنیت کے لیے سوسائٹی کے صدر نے پیش کیا اور اشپرینگر نے اس کی تائید کی۔ مزید رک: برکت علی کے نام پانچویں خط کی تشریحات ۲ (ص ۲۷۳)

۷۔ کرنل رچمنڈ (Colonel Richmond) واجد علی شاہ اختر کی تخت نشینی (بابت ۱۳ فروری ۱۸۴۷ء) کے موقع پر بحیثیت ریذیڈنٹ دربار میں موجود تھا۔ (تاریخ اودھ از نجم الغنی رامپوری، جلد پنجم، لکھنؤ ۱۹۱۹ء، ص ۱۲۰)۔ اسی ''تاریخ'' میں مرقوم ہے کہ ''۲۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو کرنیل رچمنڈ صاحب رزیڈنٹ علالت مزاج کی وجہ سے روانہ ولایت ہوئے اور یہاں کے کاروبار اور رنگ دربار اور مزاج بادشاہ سے بہت تنگ ہو کر اپنا جانا بہتر سمجھے۔'' (ایضاً، ۵: ۱۵۲)

۸۔ ہوگلی کالج ویسے تو کلکتہ کی تعلیمی کونسل کے ماتحت تھا، لیکن اس کے انتظامی اور تعلیمی امور مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے پرنسپل کے سپرد تھے۔ جن دنوں اشپرینگر مدرسہ عالیہ کا پرنسپل تھا، یہ کالج اسی کی ماتحتی میں چلتا تھا۔ جب اس مدرسہ میں طلبہ نے ہنگامہ برپا کر دیا تو عہدۂ امینی پر فائز مولانا سدید الدین خاں کو

Marfat.com

اس نے تبدیل کر کے اس کالج میں مدرس مقرر کیا تھا۔ ہوگلی کالج کی بنیاد ۱۸۳۶ء میں رکھی گئی اور اس کے اخراجات ایک متمول شخص محمد محسن (م۔۱۸۰۶ء) کی وقف کردہ خطیر رقم سے پورے کیے جاتے تھے۔ اس کالج کی مزید تفصیلات کے لیے رک:

Calcutta Review. vol. XLVI (1867) pp. 441-449 under "Mr. Monteath's Educational Minute"; Ibid. vol. XCVI (1893); "Hooghly Past and Present" bY Shumbhoo Chunder Dey, pp. 285-6, 354-366; Ibid. vol. 18 (March 1926). 3rd series, "Some Features of Hooghly in the Company Days" by B. Ramsbotham, pp. 426-427.

۹۔ ڈاکٹر سر جان سپنسر لوگین (Dr. Sir John Spencer Login) ۱۸۰۹ء میں پیدا ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کر کے ۱۸۳۲ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں اسسٹنٹ سرجن ملازم ہو گیا۔ سی، مٹکاف جب شمال مغربی صوبجات کا لفٹیننٹ گورنر تھا، تو لوگین اس کے عملہ میں شامل تھا (۱۸۳۶ء)۔ بعد میں وہ لکھنؤ کی برطانوی ریذیڈنسی کا سرجن اور شاہ اودھ کے تمام شفاخانوں کا نگران مقرر ہوا۔ الحاق پنجاب (۱۸۴۹ء) کے بعد اسے مہاراجہ دلیپ سنگھ کا سرپرست اور سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا۔ ۱۸۵۸ء میں ریٹائر ہوا اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۱ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ رک: بک لینڈ، ص ۲۵۳۔ ڈاکٹر لوگین واحد شخص تھا، جسے شاہ اودھ نے اپنے زنان خانے میں جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔ رک:

The Journals of Honoria Lawrence, India Observed 1853-1854. Edited by John Lawrence and Audrey Woodiwiss, London 1980, p. 139.

۱۰۔ میجر آر ولکاکس (Major R. Wilcox) لکھنؤ کی شاہی رصدگاہ کا سربراہ تھا اور اس نے اس رصدگاہ کے متعلق کئی رپورٹیں تیار کی تھیں رک:

"R. Wilcox's Reports on the Affairs of the King of Oudh's Observatory at Lucknow dated 18th January 1844, 20th March 1848" (in: *JASB*, vol. XVII (1848), pp. 507-17).

Marfat.com

۱۱۔ ہوگلی کالج محمد محسن کے وقف سے معرض وجود میں آیا اور محمد محسن اہل تشیع کے مخیر اصحاب میں سے تھے۔ ممکن ہے، ان کی یا ان کے لواحقین کی یہ خواہش ہو کہ اس درسگاہ سے شیعیت کو فروغ حاصل ہو، اس لیے انھوں نے شیعہ اساتذہ ملازم رکھنے پر اصرار کیا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معطی کے قرابت داروں کے پرزور مطالبہ پر اس مدرسہ میں شیعہ استاد کی اسامی نکالی گئی ہو، جس طرح دہلی کالج میں نواب اعتماد الدولہ کے داماد نواب حامد علی خاں کی کوشش پیہم سے ایک ''شیعہ ٹیچر'' کی اسامی نکالی گئی اور اس پر ۱۸۴۱ء میں قاری جعفر علی جارچوی کو تعینات کیا گیا۔ (رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعہ آزاد، محولہ بالا)۔ دہلی کالج کے علاوہ ہوگلی کالج ہی ایک ایسا مدرسہ تھا، جہاں شیعہ اور سنی طلبہ کی تعلیم کا الگ الگ انتظام کیا گیا تھا۔

۔ یعنی دہلی کالج۔ مولوی برکت علی اس مدرسہ کے ذہین طلبہ ئں سے ایک تھے۔ وہ یہاں جماعت اول (برائے شیعہ طلبہ) میں زیر تعلیم رہے اور قاری جعفر علی جارچوی ان کے استاد تھے۔ وہ یہاں ۱۸۴۵ء یا ۱۸۴۶ء میں اپنی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ لکھنؤ میں ملازم ہوئے۔

۱۱۔ اس سے مراد شاید ''مدرسۂ سلطانیہ'' ہے، جسے شاہ اودھ امجد علی شاہ نے مولانا سید محمد تقی کی صدارت و ارادت میں ۱۸۴۵ء سے قبل قائم کیا تھا۔ وہی اس کے صدر مدرس تھے۔ اس مدرسے میں تیس اساتذہ اور دو سو سے زیادہ طلبہ تھے۔ ۱۸۵۷ء میں یہ مدرسہ بند ہوگیا۔ مکتوب نگار نے اپنے خطوط میں جس انداز سے جا بجا سید محمد تقی کا ذکر کیا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مدرسۂ سلطانیہ ہی میں ملازم تھے، کیونکہ ان دنوں لکھنؤ میں یہی ایک ایسا مدرسہ تھا، جسے سرکار کا مدرسہ کہا جا سکتا تھا۔

۲

''غریب پرور قدردان من سلامت (۱)

حکمنامہ حضور کا واسطے ادا کرنے ایک روپیہ بابت کرایہ بنگلہ کے عزت افزا خاکسار ہوا۔ حسب الحکم ایک روپیہ ڈاک گھر میں دیا گیا اور رسید اوس کی حضور کی خدمت میں پہنچتی ہے۔ اور کتاب ''اغانی'' (۲) میں سات روپے اس نیاز مند کے صرف ہوئے تھے اور ایک روپیہ اب کرایہ میں دیا گیا۔ پس امیدوار ہوں کہ یہ آٹھ روپے مولوی جعفر علی صاحب کو دیے جائیں۔

بعد روانگی حضور کی ایک امیر کی کتابوں کا نیلام ہوا تھا، لیکن معلوم نہ تھا کہ حضور کو کون سی کتاب مطلوب ہے۔ اس واسطے خرید میں جرأت نہ کی۔ البتہ اگر کسی کتاب فروش کی معرفت اچھی کتاب ہاتھ لگی،

Marfat.com

خدمت عالی میں اطلاع کروں گا۔

فقط

عرضی

برکت علی از لکھنؤ، ۶ فروری''

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار نے اس خط کے آخر میں سالِ تحریر نہیں لکھا، صرف تاریخ اور مقام کا ذکر کیا ہے۔ البتہ اس خط میں ایک ایسی شہادت موجود ہے جس سے سنہ تحریر کا بھی تعین ہو جاتا ہے۔ متعلقہ عبارت یہ ہے ''بعد روانگی حضور کی ایک امیر کی کتابوں کا نیلام ہوا۔'' مراسلہ نگار نے یہ خط لکھنؤ سے بھجوایا، اس لیے ''روانگی'' سے مراد اشپرینگر کی لکھنؤ سے روانگی ہے۔ اشپرینگر نے اپنی ''فہرست مخطوطات'' (جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں لکھنؤ میں آنے اور یہاں سے روانہ ہونے کا تاریخوں سمیت ذکر کیا ہے۔ اس دیباچے میں اس نے لکھنؤ سے اپنی روانگی کی تاریخ یکم جنوری ۱۸۵۰ء بتائی ہے۔ مکتوب نگار نے خط کے آخر میں ۶ فروری لکھا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیرِ نظر خط ۶ فروری ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا۔

۲۔ اشپرینگر کے نجی کتاب خانے میں ابوالفرج الاصبہانی (۲۸۴ھ-۳۵۶ھ/ ۸۸۷ء-۹۶۷ء) کی ''کتاب الأغانی الکبیر'' کے تین عمدہ قلمی نسخے موجود تھے۔ ایک نسخہ دو جلدوں پر مشتمل تھا۔ اوراق کی تعداد بالترتیب ۶۳۱ اور ۷۱۹ تھی (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۱۷۵-۱۱۷۰۔ اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۵، ص ۴۷۶-۴۷۷)۔ دوسرے نسخے کے بھی دو حصے تھے۔ اوراق ۴۷۶، ۳۶۰۔ مکتوبہ ۱۰۹۵ھ/ ۱۶۸۴ء، (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۱۷۷-۱۱۷۸۔ اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۶ ص ۴۷۷-۴۷۸)۔ نسخہ سوم کی ایک ہی جلد تھی، اوراق ۴۱۳۔ سنہ کتابت قریب ۱۸۵۰ء، (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۱۷۹۔ اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۷، ص ۴۷۹)

موجودہ خط میں 'کتاب الأغانی' کے جس نسخے کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے متعلق حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں وہ کون سا ہے۔

۳۔ اشپرینگر کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے ان قریبی رفقاء کو پیشگی رقوم بھجوا دیا کرتا تھا، جو اس کے لیے مخطوطات تلاش کرتے رہتے تھے۔ وہ ان رقوم سے اشپرینگر کی اجازت سے قلمی نسخے خریدتے اور بعد میں اخراجات کی تفصیل اسے بھیج دیتے تھے۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا کہ یہ رفیق اپنی جیب سے

Marfat.com

چھوٹی موٹی رقم ادا کر دیتے، جو بعد میں وہ اشپرینگر سے براہ راست یا کسی کی وساطت سے لے لیا کرتے تھے۔ مولوی برکت علی کا بھی یہی طریقہ تھا اور بوقت ضرورت وہ اپنی جیب سے رقم خرچ کر لیتے جو بعد میں بذریعہ مولوی جعفر علی انھیں مل جاتی۔ یہ مولوی جعفر علی جارچوی دہلی کالج میں ان کے استاد تھے اور استاد شاگرد دونو ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولوی برکت علی اپنے مکتوب الیہ کو ایسی رقوم کے علاوہ خطوط بھی قاری جعفر علی کی وساطت سے بھجوانے کی تجویز پیش کرتے ہیں۔

۳

''غریب پرور خداوند نعمت فیاضان قدردان دام اقبالہ (۱)

عرصۂ دراز ہوا کہ حضور کے مزاج مبارک کا حال معلوم نہیں، دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حضور کو صحت اور عافیت سے رکھے۔

رئیس صاحب (۲) کی زبانی معلوم ہوا کہ پندرویں تاریخ اپرل کی آپ شملہ کو تشریف فرما ہوں گے (۳)۔ خیر خدا حضور کو خوش و خورم رکھے۔ میں حضور کو بہت یاد کرتا ہوں اور آرزو کرتا ہوں کہ خدمت میں رہوں۔ خدا کو سب قدرت ہے۔ اگر کوئی سبب پیدا کر دے تو کیا بعید ہے۔ اگر کوئی مدرس دہلی کا مجھ سے اپنی نوکری بدلے تو میں بہت خوش ہوں (۴)۔

حضور کی چٹھی کے وسیلہ سے میں نے سلیمن صاحب بہادر سے ملاقات کی۔ رزیڈنٹ صاحب نے بہت مہربانی اور اخلاق سے ملاقات کی اور بڑی دیر تک باتیں کرتے رہے اور طرح طرح کے حالات مجھے پوچھتے رہے۔ (۵) فقط۔

ایک شخص مرزا محسن صاحب ان دنوں میں مر گئے اور اون کا ایسا کتب خانہ اور ایسی اچھی کتابیں ہیں کہ لکھنؤ میں کسی کی نہیں۔ وہ شخص اپنی کتابیں پوشیدہ رکھتا تھا۔ کسی کو نہ دکھاتا تھا۔ اب اوس کے وارثوں میں جھگڑا ہے۔ اغلب کہ ان کتابوں کا نیلام ہوگا، لیکن میں نہیں جانتا کہ حضور کو کون کون کتاب مطلوب ہوگی۔ اور فہرست کتابوں کی ہاتھ نہیں آتی۔ اگر فہرست ہاتھ لگے گی تو حضور کی خدمت میں بھیجوں گا (۶)۔ اور سنا جاتا ہے کہ کتب تواریخ اوس کے وارثوں سے وزیر نے طلب کی ہیں۔ شاید ایلیٹ صاحب بہادر (۷) کے واسطے۔ فقط۔

اور جو کتابیں کہ آپ کے پاس ہوں اور اون کا خریدنا منظور نہ ہو، اگر اون کی فہرست میرے پاس روانہ فرماویں تو فائدہ ہے کہ وقت نیلام کے یا کسی کتاب فروش سے کتاب مکرر نہ لی جاوے۔ فقط۔

اور ایک رسالہ جو بیان اقسام علوم میں حضور نے کلکتہ میں چھپوایا ہے (۸)، امیدوار ہوں کہ میرے

Marfat.com

واسطے مولوی جعفرعلی صاحب (۹) مرحمت فرماویں۔اور اگر ایک رسالہ سید تقی صاحب کے واسطے بھی روانہ فرماویں تو مناسب ہے۔اور اگر حضور کے پاس کوئی رسالہ باقی نہ ہو تو کلکتہ سے طلب فرماویں۔اوس کی قیمت ادا کروں گا۔فقط۔

تین کتابیں مفصلہ ذیل چراغ علی کتاب فروش کے پاس ہیں۔اگر کوئی کتاب ان میں سے مطلوب ہو،ارشاد فرماویں۔

'کتاب الترغیب والترہیب (۱۱) تمام (۲۰ روپے)۔تفسیر کبیر چار سیپارہ از اول (۸۰ جزو)۔

تاریخ عالم آرائے عباسی (۱۳) یک جلد،خط ولایتی (۲۰ روپے)۔

اس خاکسار کو بمنزلہ اپنے ادنیٰ نوکروں کے تصور فرمایئے گا اور جو کام اس نیازمند کے لائق ہو، بلا تامل حکم فرمایئے گا کہ بسر وچشم بجالاؤں گا۔مجکو طاقت نہیں کہ حضور کا شکر ادا کر سکوں۔اور سید تقی صاحب اور جناب میرن صاحب (۱۴) کو بھی آپ کی ملاقات کا بہت شوق ہے اور اکثر یاد فرماتے ہیں۔

عرضی

برکت علی''

تشریحات:

۱۔ اس بلا تاریخ خط کے سنۂ تحریر کے تعین میں یہی اندرونی شہادت کافی ہے کہ اشپرینگر کسی سال کے وسط اپریل میں شملہ جانے والا تھا۔اسی مجموعۂ مراسلات کے چند خطوط سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشپرینگر دہلی سے ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو شملہ روانہ ہوا اور چند ماہ اس نے وہیں قیام کیا۔اشپرینگر کے بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم از کم ۱۳ اکتوبر ۱۸۵۰ء تک شملہ ہی میں مقیم رہا،کیونکہ اس نے چند تحریروں کے آخر میں اپنے ہاتھ سے اس تاریخ کے ساتھ شملہ کا نام لکھا ہے (رک: بذیل مکتوبات مولوی کریم الدین پانی پتی،مکتوب ۲ کی تشریحات،ص ۱۷۵ و مکتوبات مولوی علی اکبر،مکتوب ۲، تشریحات ۱)۔اشپرینگر ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء کو شملہ روانہ ہوا اور مولوی برکت علی نے یہ خط اس تاریخ سے قبل تحریر کیا۔صحیح تاریخ کا تعین تو مشکل ہے۔البتہ قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ مکتوب نگار نے یہ خط اوائل اپریل ۱۸۵۰ء کو تحریر کیا۔

۲۔ Rees لکھنؤ کے کسی انگریزی افسر کا نام۔اس کے بارے میں دیگر کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

۳۔ مکتوب نگار کو اطلاع تو یہی ملی تھی کہ اشپرینگر ۱۵ اپریل کو شملہ روانہ ہوگا،لیکن اس میں بعض وجوہ کی بنا پر تاخیر ہوگئی اور وہ چار دن بعد یعنی ۱۹ اپریل کو دہلی سے روانہ ہوا۔

Marfat.com

۴۔ مولوی برکت علی جب تک لکھنؤ میں رہے، وہ یہی کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح دہلی میں ان کی ملازمت کا بندوبست ہو جائے۔ جب کبھی دہلی کالج کے عربی یا فارسی شعبوں میں کوئی جگہ خالی ہوتی، وہ اسے حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتے اور اشپرینگر کو بھی لکھتے کہ وہ اپنے اثر ورسوخ سے ملازمت دلوانے میں ان کی مدد کرے۔ کئی بار کوشش کرنے کے باوجود وہ دہلی نہ آ سکے۔ بالآخر انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ اگر دہلی کالج کا کوئی استاد لکھنؤ آنا چاہے تو وہ ان سے اپنی ملازمت کا تبادلہ کر لیں اور جو صاحب لکھنؤ آئے، وہ ان کی جگہ دہلی چلے جائیں۔ مولوی صاحب کی یہ تجویز بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور انھیں مجبوراً لکھنؤ ہی میں رہنا پڑا۔

۵۔ ولیم ہنری سلیمن (W. Henry Sleeman) سنۂ ولادت ۸ اگست ۱۷۸۸ء، ۱۸۰۹ء میں وہ بنگال آرمی میں شامل ہوا۔ ٹھگوں کے خلاف مہم اس کی سربراہی میں شروع ہوئی تھی اور اسی نے ان کا قلع قمع کیا (۱۸۳۵ء)۔ چھے سال گوالیار کا ریذیڈنٹ رہا (۱۸۴۳ء-۱۸۴۹ء)۔ ۲۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو کرنل رچمنڈ علالت کی وجہ سے رخصت پر چلا گیا اور اس کی جگہ سلیمن اودھ کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ واجد علی شاہ اختر سے اس کی پہلی ملاقات ۱۱ جنوری ۱۸۴۹ء کو ہوئی (تاریخ اودھ از نجم الغنی رامپوری، لکھنؤ ۱۹۱۹ء، جلد پنجم، ص ۱۵۲)۔ چند سال بعد وہ بھی بیمار رہنے لگا اور سوا سال کی رخصت لے کر ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۴ء کو میرٹھ روانہ ہو گیا (ایضاً ۵: ۴۴۷)۔ اس نے ۱۰ فروری ۱۸۵۶ء کو وفات پائی۔ (رک: بک لینڈ، ص ۳۹۲)۔ اس نے ٹھگوں اور سلطنت اودھ کی سیاسی، سماجی اور معاشی حالات پر جو کتابیں لکھی ہیں، ان کی اہمیت آج بھی مسلمہ ہے۔

مولوی برکت علی کی سلیمن سی جو ملاقات ہوئی، وہ بھی اشپرینگر کی سفارشی چٹھی کے توسط سے ہوئی۔ ظاہر ہے، یہ ملاقات بھی کسی بہتر ملازمت کے حصول کے لیے ہوگی، لیکن یہ کوشش بھی سودمند نہ ہو سکی۔

۶۔ مرزا محسن اس دور کی کوئی علمی شخصیت معلوم ہوتی ہے۔ یہ صاحب کتابیں جمع کرنے کا شوق رکھتے تھے اور انہیں کسی کو دکھاتے بھی نہیں تھے۔ ان کے بارے میں دیگر تفصیلات دستیاب نہیں ہو سکیں۔ بالعموم ایسے نجی کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کر کے اشپرینگر کو بھجوا دی جاتی تھیں۔ وہ مطلوبہ کتب کی نشاندہی کر دیتا اور مکتوب نگار انہی کتابوں کو مناسب قیمت پر خرید لیا کرتے۔ ایسی بہت سی فہرستیں اب بھی اشپرینگر کے نجی کاغذات میں محفوظ ہیں، لیکن ان میں مرزا محسن کے کتاب خانے کی فہرست شامل نہیں۔ ہو سکتا ہے، ورثاء کے تنازعہ کی وجہ سے مکتوب نگار فہرست تیار نہ کر سکا اور یہ کتاب خانہ اسی جھگڑے کی نذر ہو گیا۔

Marfat.com

۷۔ سر ہنری ایلیٹ (Sir Henry Elliot) سنۂ ولادت ۱۸۰۸ء، سال وفات ۱۸۵۳ء۔ مشہور تاریخ دان، جس کی ''تاریخ ہند'' (مشتمل بر ۸ جلد) آج بھی بنیادی تاریخی مصادر میں سمجھی جاتی ہے۔ وہ اشپرینگر کا دوست تھا اور جب اسے شاہانِ اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کا کام سونپا گیا، تو ایلیٹ ہی اس کا نگران تھا اور اشپرینگر ہر تین ماہ کے بعد اپنی کارکردگی کی رپورٹ اسے بھیجا کرتا تھا۔ ایلیٹ کو تاریخی کتب جمع کرنے سے خاصا لگاؤ تھا اور وہ بھی اشپرینگر کی طرح مختلف ذرائع سے ایسے مخطوطات کی تلاش میں رہتا تھا، جو خصوصاً ہندوستان کی تاریخ سے متعلق ہوتے تھے۔ جب اس کا انتقال ہوا، تو ایسے سیکڑوں نادر قلمی نسخے اس کے کتاب خانے میں محفوظ تھے۔ اشپرینگر نے ایلیٹ کی بیوی کی فرمائش پر ان مخطوطات کی ایک فہرست ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے جرنل (بابت ۱۸۵۴ء) میں شائع کرائی تھی۔ ایلیٹ ایک اعلیٰ منصب پر فائز تھا اور کتابیں جمع کرنے میں وہ اپنی اس مقتدر حیثیت سے بھی فائدہ اٹھاتا تھا۔ چنانچہ اسے جب مرزا محسن کے کتب خانہ کا علم ہوا تو اس نے وزیر اودھ نواب علی نقی خاں کی وساطت سے تاریخی کتب حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوا یا نہیں، اس کا پتا نہیں چلتا۔

cf. Tripta Wahi: "Henry Miers Elliot--a reappraisal" (in: *JRAS*, 1999, pp. 64-90)

۸۔ اشپرینگر کی تصنیفات اور تالیفات میں کوئی ایسا رسالہ شامل نہیں، جس میں اقسام علوم کو بیان کیا گیا ہو اور وہ اس خط کے سال تحریر (یعنی اپریل ۱۸۵۰ء) سے قبل کلکتہ سے شائع ہوا ہو۔ اس سے پہلے کی صرف ایک ہی کتاب کا حوالہ ملتا ہے، جس کا عربی متن اشپرینگر نے مرتب کیا تھا اور وہ کتاب ہے، عبدالرزاق الکاشی کی ''اصطلاحات الصوفیہ'' جو کلکتہ سے ٹائپ میں ۱۸۴۵ء میں طبع ہوئی تھی۔ شاید اقسام علوم پر مبنی رسالے سے یہی کتاب مراد ہو۔ اس سے تھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون'' کا نام بھی ذہن میں آسکتا ہے، جس کا ایک اہم مخطوطہ مولوی محمد اعلیٰ تھانوی کی اولاد سے اشپرینگر کو دستیاب ہو چکا تھا اور وہ اسے شائع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی اعانت سے شائع ہوئی، لیکن اس خط کے سال تحریر کے بعد یعنی ۱۸۵۳ء میں۔ اسی طرح اشپرینگر نے نجم الدین الکاتبی کا ''رسالہ شمسیہ'' بھی اس کے بعد یعنی ۱۸۵۴ء میں انگریزی ترجمے کے ساتھ شائع کرایا۔

۹۔ مراد قاری جعفر علی جارچوی، مکتوب نگار کے استاد۔

Marfat.com

۱۰۔ ممتاز العلماء محمد تقی (۱۲۳۴ھ-۱۲۸۹ھ/ ۱۸۱۹ء-۱۸۷۲ء)۔سید العلماء مولانا سید حسین کے فرزند اور سلطان العلماء سید محمد کے بھتیجے۔اپنے والد اور بڑے چچا کی آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے اور ان سے علوم متداولہ کی کتابوں کا درس لیا۔شاہ اودھ امجد علی شاہ نے مدرسۂ سلطانیہ کی بنیاد رکھی، تو وہی اس کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے۔غالباً مکتوب نگار مولوی برکت علی جہاں ملازم تھے، وہ یہی مدرسہ تھا۔ یوں وہ مولانا کے ماتحت مدرسین میں سے تھے۔بادشاہ نے انھیں ممتاز العلماء کے لقب سے نوازا۔ انھوں نے تدریس وخطابت میں بڑی شہرت حاصل کی۔انگریز حکام آپ کا بڑا احترام کرتے تھے اور دربار میں بھی ان کی عزت وتکریم تھی۔انھیں فقہ اور تفسیر سے خاص لگاؤ تھا اور ان موضوعات پر انھوں نے کئی کتابیں بھی تالیف کیں۔ان کے مفصل حالات زندگی، تلامذہ اور تصانیف کے لیے رک: مطلع انوار، ص۵۰۴-۵۰۵ (مع دیگر مآخذ)۔

۱۱۔ یہ احادیث کا مجموعہ ہے، جس کے مؤلف زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی ابن عبداللہ المنذری (م۔۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء) ہیں۔اشپرینگر نے اپنی فہرست (مطبوعہ ۱۸۵۷ء) میں اس مخطوطے کا مختصراً ذکر کیا ہے (ص ۳۵ شمارہ ۵۳۵-۵۳۶)۔یہ دو حصوں پر مشتمل تھا۔دوسرے حصے کے صفحات کی تعداد ۴۸۸ بتائی گئی ہے۔علاوہ ازیں اسی کتاب کے چند ابواب کا ایک نسخہ بھی اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھا (بحوالہ اہلوارٹ ۳: ۲۸۰ شمارہ ۳۵۱۶ و فہرست اشپرینگر، ص ۵۵ شمارہ ۸۶۹)، جو یک مجموعۂ مخطوطات میں شامل ہے (ورق ۶۲۶-۶۷۳)۔"کتاب الترغیب والترہیب" کے یہ دونو کامل اور نامکمل قلمی نسخے اب برلین (مغربی) کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔فہرست نگار کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق مکمل نسخے کے جزء اول کے اوراق کی تعداد ۹۴ ہے۔کاتب نے جلی قلم استعمال کیا ہے۔کچھ اوزاق کرم خوردہ ہیں۔متن اعراب کے بغیر ہے اور عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔سنۂ کتابت قریب ۱۰۰۰ھ/ ۱۵۹۱ء ہے (رک: اہلوارٹ ۲: ۱۴۲-۱۴۳ شمارہ ۱۳۲۹)۔ جزء ثانی کے اوراق ۱۵۳ ہیں۔قلم قدرے جلی استعمال ہوا ہے۔خط عمدہ اور صاف ہے۔عنوانات شنگرفی ہیں۔کسی اور نسخے سے موازنہ بھی کیا گیا ہے اور اختلافات نسخ حاشیوں پر درج ہیں۔بعض مشکل الفاظ اور عبارات کی حواشی پر تشریح بھی کی گئی ہے۔ابتدائی دو اوراق کاتب کے علاوہ کسی اور شخص کے تحریر کردہ ہیں۔سنہ کتابت تخمیناً قریب ۹۰۰ھ/ ۱۴۹۴ء (رک: اہلوارٹ ۲: ۱۴۳-۱۴۴، شمارہ ۱۳۳۰)۔

۱۲۔ امام رازی (م۔۶۰۶ھ......۱۲۰۹ء) کی مشہور تفسیر قرآن۔"فہرست اشپرینگر" کے مطابق اس کے

Marfat.com

صفحات کی تعداد ۲۵۰ ہے اور یہ صرف پہلی جلد ہے (ص ۲۹ شمارہ ۴۳۴)۔

۱۳۔ یہ تاریخ صفوی حکمران شاہ عباس کے عہد حکومت (۹۹۶ھ-۱۰۳۸ھ/ ۱۵۸۸ء-۱۶۲۹ء) سے متعلق ہے۔اس کے مؤلف سکندر المعروف بہ منشی نے اسے ۱۰۳۸ھ میں مکمل کیا۔ ''فہرست اشپرینگر'' کے مطابق اس قلمی نسخے کی دو جلدیں ہیں اور یہ بالترتیب ۶۹۰ اور ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔اس نسخے کی تیسری جلد بھی تھی، جو اشپرینگر کو نہ مل سکی (ص ۱۴ شمارہ ۲۰۲-۲۰۳)۔فہرست نگار برٹش نے اوراق کی تعداد ۳۴۵ لکھی ہے۔ خط نستعلیق ہے اور کاتب نے اسے ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء میں لکھا۔ (ص ۴۳۳-۴۳۴)۔اس تاریخ سے متعلق دیگر تفصیلات کے لیے رک: اسٹوری ۱:۳۰۹-۳۱۳ (مع دیگر مآخذ) و ۱۲۸۰۔

۱۴۔ مولوی میرن کا ذکر پہلے مکتوب کی تشریحات میں ہو چکا ہے۔

۴

''غریب پرور فیض رسان قدردان دام اقبالہ (۱)

مولوی غلام قادر صاحب کہ اس خاکسار سے کمال محبت اور دوستی رکھتے ہیں، نوکری سے تخفیف میں آئے اور چونکہ فضل خدا سے حضور کلکتہ میں مقرر ہوئے، تو ان کی پرورش اور نوکری کا خیال حضور کو ضرور ہے۔ حضور اہل علم کی خود قدر فرماتے اور ان کی پرورش میں سعی فرماتے ہیں۔ میں آرزو رکھتا ہوں کہ جتنا حضور کو میری پرورش کا خیال ہے اور جس قدر اس خاکسار پر نظر عنایت فرماتے، اوتنا ہی مولوی غلام قادر صاحب کی پرورش کا خیال رہے اور نظر عنایت فرمادیں کہ مولوی صاحب ممدوح میرے بہت دوست ہیں۔ جو سعی اون کے باب حضور فرمادیں گے اوس کا میں بہت شکرگذار ہوں گا (۲)۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال تابان

خاکسار برکت علی''

اس خط کی دوسری جانب:

''بنظر فیض اثر غریب پرور خداوند نعمت فیاضان ڈاکٹر اسپرینگر صاحب بہادر دام اقبالہ...''

تشریحات:

۱۔ یہ بلا تاریخ خط اشپرینگر کو اس وقت لکھا گیا جب وہ مدرسہ عالیہ (کلکتہ) میں پرنسپل مقرر ہو چکا تھا، لیکن ابھی اس کی تقرری کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، جیسا کہ خط کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔ ''چونکہ فضل خدا سے حضور کلکتہ میں مقرر ہوئے۔'' اس مدرسہ کی تعلیمی کونسل نے مارچ ۱۸۵۰ء میں حکومت

یہ تجویز پیش کی تھی کہ دوسرے مدارس کی طرح اس مدرسہ کا پرنسپل بھی انگریز ہونا چاہیے۔ اشپرینگر نسلاً انگریز نہیں تھا، لیکن وہ اس وقت کی برطانوی حکومت کا ملازم تھا، اس لیے تعلیمی کونسل کی تجویز پر عمل کرتے ہوئے حکومت نے اسے مدرسۂ عالیہ کا پہلا پرنسپل مقرر کر دیا۔ قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے حکومت کے فیصلے سے جون یا جولائی ۱۸۵۰ء میں مطلع کیا گیا۔ وہ ان دنوں موسم گرما کی تعطیلات گذارنے شملہ میں مقیم تھا، جہاں وہ وسط اکتوبر تک رہائش پذیر رہا۔ اس کے بعد وہ براستہ دہلی کلکتہ چلا گیا اور وہاں جاتے ہی اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ ان تفصیلات کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ خط جون اور اکتوبر ۱۸۵۰ء کی درمیانی مدت میں تحریر کیا گیا۔

۲۔ مکتوب نگار نے مولوی غلام قادر کو اپنا قریبی دوست بتایا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مولوی موصوف کا آبائی تعلق بھی شمالی ہند کے کسی شہر سے تھا۔ ممکن ہے، وہ بھی دہلی کالج میں برکت علی کے ہم درس رہے ہوں اور یہاں اپنی تعلیم مکمل کر کے بسلسلۂ ملازمت کلکتہ چلے گئے ہوں۔ وہ مدرسۂ عالیہ میں مدرس عربی تھے، لیکن معلوم نہیں وہ کیوں اپنی نوکری سے تخفیف میں آ گئے۔ جب برکت علی کو اس بات کا علم ہوا تو انھوں نے فوراً اشپرینگر کو یہ خط لکھا اور انھیں اپنے اصل عہدے پر بحال کرانے کی سفارش کی۔ مکتوب نگار کی یہ سفارش کارگر ثابت ہوئی اور مولوی غلام قادر نے پھر سے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مولوی غلام قادر مدرسۂ عالیہ کے شعبہ عربی کے مدرسین میں شامل تھے۔ مولانا عبدالستار نے اپنی ''تاریخ مدرسۂ عالیہ'' (ڈھاکہ، ۱۹۵۹ء) کی جلد دوم میں یہاں کے صدر مدرسین کے حالات زندگی قلمبند کیے ہیں، لیکن ان میں مولوی صاحب کا نام شامل نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس مدرسہ میں صدر مدرس نہیں تھے، بلکہ شعبہ عربی کے مدرس دوم یا سوم کے عہدہ پر فائز تھے۔

مولوی غلام قادر کے اشپرینگر سے قریبی مراسم تھے اور وہ مختلف عربی کتابوں کے متون کی تصحیح و ترتیب میں ان سے مدد لیا کرتا تھا۔ چنانچہ اشپرینگر کی مرتبہ حسب ذیل کتابوں کے معاونین میں مولوی غلام قادر بھی شریک ہیں:

الف۔ التھانوی کی کتاب ''کشاف اصطلاحات الفنون'' دو جلد۔ تصحیح مولوی محمد وجیہ و مولوی عبدالحق و مولوی غلام قادر۔ باہتمام الوئس اسپرنگر الیتر ولی و ولیم ناسولیس الایرلندی، کلکتہ ۱۸۶۲ء

ب۔ فہرست کتب الشیعۃ للشیخ الطوسی ونضد الایضاح لعلم الھدی۔'' تصحیح اسپرنگر و مولوی عبدالحق و مولوی غلام قادر، کلکتہ ۱۸۵۳ء۔

Marfat.com

ج۔ المجلد الاول من کتاب الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ۔ تالیف ابن حجر العسقلانی۔ بہ تصحیح مولوی محمد وجیہ، مولوی عبدالحق، مولوی غلام قادر وابی غترا اسپرنگر التیر ولی، کلکتہ ۱۸۵۶ء

د۔ نخبۃ الفکر۔ تالیف ابن حجر العسقلانی۔ کلکتہ ۱۸۶۲ء۔

۵

''قریب (۱) دو مہینے سے کلنٹ صاحب (۲) کلکتہ میں ہیں۔ بعضے شخص کہتے ہیں کہ اگر آپ کلکتہ میں مقرر ہوئے تو شاید کہ کلنٹ صاحب دلی کے مدرسہ کے پرنسپل ہوویں اور ہمیلٹن صاحب ہیڈ ماسٹر اکبرآباد کے لکھنؤ میں پرنسپل ہوں۔ اگر کچھ حال حضور کو معلوم ہوا اور لکھنا مناسب ہو تو اطلاع فرماویں۔

ان دنوں میں مولوی غلام قادر (۳) مدرس اول عربی لکھنؤ کی نوکری موقوف ہوئی اور مولوی عبدالصمد (۴) مدرس اول فارسی کی تنخواہ بیس روپے کم ہوئی۔ سو (۱۰۰) میں سے اسی رہے اور باقی مدرس بدستور رہے۔ یہ امر بسبب کمی طلبہ کے واسطے تخفیف خرچ کے واقع ہوا۔ اگر کبھی حضور رزیڈنٹ صاحب کو چٹھی لکھیں اور مناسب ہو تو اتنا کلمہ لکھیں کہ برکت علی پر نظر عنایت اور پرورش کی رکھنا۔ اس واسطے کہ مولوی غلام قادر کے طلبہ بھی مجھ کو ملیں گے۔ شاید میری تنخواہ میں اون کی پرورش سے کچھ زیادتی ہو جاوے۔ سب جگہ یہ دستور ہے کہ عربی مدرس کی تنخواہ فارسی مدرس سے زیادہ ہوتی ہے اور اب یہاں فارسی کی اسی اور عربی کی پچاس۔ فقط

تشریحات:

۱۔ گذشتہ خط کی طرح یہ خط بھی بلا تاریخ ہے لیکن اس کے مندرجات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سنہ تحریر ۱۸۵۰ء ہی ہے اور یہ خط نمبر ۴ کے فوراً بعد لکھا گیا۔

۲۔ C. Clint، پرنسپل مدرسۂ عالیہ، کلکتہ۔ انشاء اللہ خاں انشا کی ''کہانی رانی کیتکی اور اودے بھان کی'' کا انگریزی ترجمہ کیا تھا اور اشپرینگر نے اس پر تعارفی نوٹ لکھا تھا۔ رک: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ)، ۱۸۵۲ء۔ نیز اس ترجمہ کا دوسرا حصہ از Slater، ایضاً ۱۸۵۲ء۔

۳۔ مولوی غلام قادر کے لیے رک: سابقہ خط کی تشریحات، شمارہ ۲

۴۔ مکتوب نویس مولوی برکت علی کی طرح مولوی عبدالصمد بھی مدرسہ لکھنؤ ہی میں مدرس تھے لیکن شعبہ فارسی کے۔

Marfat.com

۶

''غریب پرور قدردان من سلامت (۱)

موافق حکم حضور کے مسمی شیخ اکبر علی واسطے تلاش کتب و اہتمام کتابت وغیرہ کے معرفت جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب کے بمشاہرہ چار روپیہ کے نوکر رکھا۔ یہ شخص تلاش کتب اغلب ہے کہ بہت کرے گا، لیکن حضور کی خدمت میں تیسرے چوتھے دن حاضر ہوا کرے گا (۲)۔

فہرست کتب کی، جس کا ذکر حضور سے آیا تھا، روانہ کی (۳) اور یہ کتابیں بڑے مجتہد صاحب کے مکان کے پاس ایک مسجد سنت جماعت کی ہے، اوس میں ہیں اور مفتی صاحب (۵)...... جانتا ہے اور جس کتاب کا ذکر میں نے کیا تھا اوس کا نام ''توضیح فی شرح الجامع الصحیح'' (۶) ہے۔ مالک کتاب کے پاس میں گیا تھا۔ اوس نے کہا کہ میں نے اس کتاب کو اور ''تفسیر مدارک'' (۷) کو واسطے بیع کر دیا ہے۔ اگر بیع نہ ہوئی ہوگی تو دلال سے واپس لوں گا۔ اور مالک کو راضی کیا ہے کہ ''تفسیر مدارک'' کے دس روپے لے گا اور ''توضیح'' کے آٹھ روپے۔ اور اگر میں چلا جاؤں گا تو معرفت سید حامد حسین صاحب بیٹے مفتی صاحب کے ملیں گی اور رسالہ تصوف کا بقیمت ایک روپیہ چار آنہ کو خرید کر خدمت میں روانہ کیا ہے۔ واسطے کتابت ''اغانی'' (۸) کے سید تقی صاحب کو میں نے آٹھ روپیہ دیئے ہیں۔ اس واسطے کہ سوا روپیہ قیمت کتاب تصوف میں خرچ ہوا اور بارہ آنہ معرفت بیٹے مفتی صاحب کے حضور کی خدمت میں پہنچیں گے۔ فقط۔ اور واسطے تلاش کتب اور کتابت ''اغانی'' وغیرہ کے میں نے سید تقی صاحب سے بہت تاکید ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ وہ بہت کوشش فرمادیں گے۔

''Barkat aly

تشریحات:

۱۔ اس خط کے آخر میں برکت علی نے صرف اپنا نام لکھا ہے اور وہ بھی انگریزی میں۔ سابقہ خطوط کی طرح اس خط کا سنہ تحریر بھی درج نہیں۔ اندرونی شہادتوں سے تو یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ خط لکھنؤ سے بھیجا گیا اور جب یہ لکھا گیا، اس وقت مکتوب نگار کہیں جانے والے تھے۔ وہ اشپرینگر کو اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے اس کے لیے دو عربی کتابوں کی قیمت طے کر دی ہے اور اگر وہ چلے گئے تو یہ کتابیں سید حامد حسین کے ذریعے اسے مل جائیں گی۔ برکت علی کے چند خطوط میں ان کا لکھنؤ سے اپنے وطن (پونڈری ضلع تھانیسر) جانے کا ذکر ملتا ہے۔ وہ اپنے ایک مکتوب (بابت ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء) میں لکھتے ہیں کہ ان کی لکھنؤ سے روانگی ۱۶ ستمبر کو ہوگی اور وہ اکتوبر کے اوائل میں دہلی پہنچ جائیں گے۔ اس سے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے موجودہ خط لکھنؤ سے اپنی روانگی یعنی ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء سے

Marfat.com

پہلے لکھا۔ ممکن ہے کہ یہ خط ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء کے خط سے چند روز قبل تحریر کیا گیا ہو۔

۲۔ اشپرینگر کے مخطوطات جمع کرنے کے کئی ذرائع تھے۔ سب سے بڑا ذریعہ تو یہی مراسلہ نویس تھے، جو تاجران کتب اور مختلف نجی کتاب خانوں سے اس کے لیے نادر قلمی کتابیں جمع کرتے رہتے تھے اور اس کے عوض اپنی دنیاوی غرض مندیوں کو پورا کرانے میں کوشاں رہتے تھے۔ زیر نظر خط سے پہلی بار اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ اشپرینگر نے مقامی علماء کی معرفت ایسے تنخواہ دار ملازم بھی رکھے ہوئے تھے، جو اس کے لیے جگہ جگہ سے مخطوطات تلاش کرتے رہتے تھے۔ انھی ملازمین میں ایک شیخ علی اکبر بھی تھا۔ اسے سید محمد تقی نے ملازمت دلوائی اور وہ تلاش کتب کے ساتھ ساتھ بعض نایاب خطی نسخوں کی نقول تیار کرانے کا بھی اہتمام کرتا تھا۔

۳۔ اشپرینگر نے اپنے متوسلین سے جن کتاب خانوں کی فہرستیں تیار کرائیں، ان میں سے بیشتر اب اس کے مجموعۂ کاغذات و دستاویزات (مغربی برلین) میں محفوظ ہیں۔ اس نے ہر فہرست کے اوپر اپنے قلم سے انگریزی میں مالک کتاب خانہ کا نام لکھ دیا ہے اور کہیں کہیں فہرست کا سنہ کتابت بھی رقم کر دیا ہے۔ ان فہارس میں وہ فہرست کتب موجود نہیں، جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔ ممکن ہے، یہ کہیں ضائع ہوگئی ہو۔

۴۔ ان سے مراد سلطان العلماء سید محمد (۱۷۹۴-۱۸۶۷ء) ہے۔ مشہور فقیہ اور مجتہد تھے۔ اودھ کے بادشاہ انھیں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور امور دینیہ میں ان کی رائے کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا۔ (تفصیل کے لیے رک: مطلع انوار، ص ۴۵۵-۴۵۹)۔

اشپرینگر کے ذاتی کاغذات میں ایک فہرست کتب موجود ہے، جس میں مخطوطات اور مطبوعات کے کوائف درج ہیں۔ اس فہرست کا ابتدائی عنوان یہ ہے:

''فہرست کتب سرکاری کہ بتاریخ نوزدہم شہر شوال ۱۲۵۶ ہجری کہ جائزہ آن گرفتہ شد بہ ترتیب حروف تہجی نوشتہ میشود''۔ باہر کے صفحہ پر بخط اشپرینگر یہ انگریزی عبارت درج ہے

Catalogue of the Mojtahid at Lucknow, 1848."

ظاہر ہے، یہ فہرست اس وقت مرتب ہوئی، جب اشپرینگر لکھنؤ میں مقیم تھا۔ اس فہرست کے ۱۱۱ اوراق ہیں اور اس کے اختتام پر یہ عبارت مرقوم ہے: ''تمام شد بتاریخ چہارشنبہ ۲۸ شہر ... ہفت کتبہ آقا رضا کشمیری''۔

فہرست کی ترتیب الفبائی ہے اور اس میں ۲۱۰ کتب کے نام دیے گئے ہیں۔ بیشتر ... [illegible]

Marfat.com

تاریخ کے موضوع پر ہیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں:
احیاء العلوم، الاتقان، دیوان مرزا سودا (دو نسخے)، رجال نجاشی، رسالہ ردسمیع مولوی، فصوص الحکم، نزہتہ اثناعشریہ تصنیف مرزا محمد مرحوم درردعبدالعزیز وغیرہ وغیرہ۔

۵۔ یہاں مفتی صاحب سے مراد مولانا مفتی سید محمد قلی خاں ہے، جو اشپرینگر کے قریبی دوست سید حامد حسن کے والد تھے۔ مفتی صاحب ۱۱۸۸ھ-۱۲۶۰ھ/۱۷۷۴ء-۱۸۴۴ء کے حالات زندگی اور تصانیف کے لیے رک: مطلع انوار، ص ۵۸۸-۵۹۱۔ اس خط میں ''مفتی صاحب'' کے الفاظ کے بعد کاغذ پھٹ گیا ہے، اس لیے عبارت پڑھی نہیں جاتی۔

۶۔ اس میں صرف ''کتاب الوضو'' کی شرح بیان کی گئی ہے۔ شارح کا نام عمر بن علی بن الملقن (م۔ ۸۰۵ھ/۱۴۰۲ء) ہے۔ سنۂ کتابت قریب ۹۰۰ھ/۱۴۹۴ء۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۱۰۹ شمارہ ۱۹۶۲۔ اہلوارٹ ۲: ص ۶۳۔ سیزگن ۱: ۱۲۰۔

۷۔ تفسیر قرآن بعنوان ''المدارک''۔ مفسر کا نام امام عمر النسفی (م، ۵۳۷ھ/۱۱۴۱ء) ہے۔ اشپرینگر کے پاس اس تفسیر کے دو نسخے تھے۔ ایک نسخہ (صفحات ۳۰۰) میں صرف دوسری سورۃ کی تفسیر تھی۔ دوسرے نسخے (صفحات ۴۰۰) میں مختلف سورتوں کی تفسیر تھی اور اس کا سنۂ کتابت ۹۴۸ھ تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۲۹، شمارہ ۴۲۴-۴۲۵)۔ حاشیوں میں توضیحی عبارات لکھی گئی ہیں۔ رک: اہلوارٹ ۱: ۳۶۹-۳۷۰ شمارہ ۹۲۴۔

۸۔ ''کتاب الأغانی'' کے جو قلمی نسخے اس وقت برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہیں، ان کے مختصر کوائف مکتوب برکت علی (شمارہ ۲) کے ذیل (تشریحات، شمارہ ۲) میں لکھے جا چکے ہیں۔
انھی دنوں ''کتاب الأغانی'' کا ایک جزو دہلی میں زیر کتابت تھا اور یہ مولوی مملوک العلی نانوتوی اور منشی اشرف علی کی نگرانی میں لکھا جا رہا تھا۔ دراصل یہ اس کتاب کا جزو ثالث تھا اور اس کی کتابت عبدالرزاق بن محمد سالم دہلوی کر رہا تھا۔ یہ جزو شوال ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں مکمل ہوا۔ رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵ (مع تشریحات ۵)۔ مکتوبات منشی اشرف علی، شمارہ ۳ (مع تشریحات ۲)
اس خط سے پتا چلتا ہے کہ ''کتاب الأغانی'' کے ایک نسخے کی کتابت لکھنؤ میں بھی ہو رہی تھی۔ یہ کام مکتوب نگار نے شروع کرایا تھا، لیکن اس کے جانے کے بعد کتابت کی نگرانی سید محمد تقی کرتے رہے۔ جس اصل نسخے کی یہ نقل تیار ہو رہی تھی، اس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کس کی ملکیت تھا۔

Marfat.com

۷

''غریب پرور خداوند نعمت قدردان سلامت (۱)

دو قطعہ مرحمت نامہ حضور کے جو بنظر پرورش اور عنایت لکھے ہوئے تھے اور تاکید واسطے خرید کتب کی فرمائی تھی، خاکسار کے پاس پہنچے اور عزت اور مرتبہ اس ذرۂ بے مقدار کا زیادہ کیا۔ میں دل و جان سے حضور کے حکم کی بجا آوری میں مصروف ہوں۔ اور جب مجھ کو کوئی کتاب نہیں ملتی تو شرمندہ رہتا ہوں اور جب کوئی کتاب حضور کے لائق ملتی ہے تو بہت خوش ہوتا ہوں۔

بعد اون دو کتابوں (۲) کے جو پہلے حضور کو اطلاع کی تھی، چار کتابیں تصوف کی حضور کے واسطے میں نے اور خریدی ہیں۔ ایک ''نصیحت العارفین'' (۳) تصنیف ولی ملوک شاہ الصدیقی کی، دویم ''سیر العارفین'' (۴) تصنیف حامد بن فضل اللہ، سویم ''تکملہ'' (۵) تصنیف عبداللہ بن اسعد الیافعی الیمنی الشافعی بعبارت عربی، چہارم ''رباعیات قدوۃ المحققین مولانا سبحانی'' (۶)۔ اور یہ چاروں کتابیں سستی ہات لگی یعنی چاروں کتابیں پانچ روپیہ دو آنہ کو۔ اور اور بھی کچھ کتابیں تصوف میں تھیں لیکن وہ سلوک میں تھیں۔ میرے نزدیک حضور کو پسند نہ آتیں۔ اس واسطے اون کو مول نہ لیا۔ اور اب تک اور کوئی اچھی کتاب ہات نہیں لگی۔ اور وہ جو حضور نے واسطے خرید نے ''سنن ابی داؤد'' (۷) کے لکھا تھا، حقیقت اوس کی یہ ہے کہ اس کتاب کو مدت دراز چھپے ہوئے ہوئی اور سب نسخہ معرض بیع میں آئے۔ میں نے ہر چند تلاش کیا، کوئی نسخہ اب تک ہات نہیں لگا۔ لیکن ایک نسخہ کہ اوس میں ۷ اورق ناقص ہیں اور شاید معرفت چراغ علی کے اوس نسخہ کو حضور نے بھی ملاحظہ فرمایا ہے۔ اوس کی قیمت میں سات روپیہ دیتا تھا۔ شاید وہ آٹھ نو روپے کو ہات آوے گا۔ لیکن چونکہ وہ ناقص ہے، اوس کے خریدنے پر جرأت نہ کی۔ اگر اوس کے واسطے حضور لکھیں گے تو خریدا جاوے گا اور اگر کوئی اس عرصہ میں اور نسخہ کامل ہات لگا تو اوس کا خریدنا کچھ ضرور نہیں، لیکن کامل نسخہ بارہ تیرہ روپے کو ملے گا۔ فقط۔

اور حضور پر روشن ہو کہ سولویں تاریخ ستمبر ۱۸۵۰ء کو یہ خاکسار بطور رخصت لکھنؤ سے دہلی کو روانہ ہوگا۔ پس اگر اس تاریخ تک حضور کا مرحمت نامہ میرے پاس پہنچ سکے تو جلد حضور مجھ کو لکھیں کہ یہ چھ جلد کتاب جو میرے پاس ہیں، کانپور میں کس کے پاس پہنچا دوں اور اگر اس تاریخ تک حضور کا سرفراز نامہ میرے پاس نہ پہنچے گا تو یہ چھ کتابیں میر حامد حسین صاحب (۸) کو سپرد کر دوں گا۔ جس جگہ حضور لکھیں گے، اوس جگہ پہنچا دیں گے۔ اور اگر لکھنؤ میں حضور کا مرحمت نامہ بسبب قلت ایام کے پہنچ نہ سکے تو ضرور ہے کہ ایک عزت نامہ میرے نام پر حضور دہلی میں بھیجیں اور انشاء اللہ تعالیٰ پہلی یا دوسری یا تیسری اکتوبر کو میں دہلی میں ہوں گا اور تین چار روز دہلی میں مقام کر کے اپنے وطن کو جاؤں گا۔ میرا دل حضور کی ملاقات کو بہت چاہتا ہے۔ اگر دلی یا کرنال یا انبالہ

Marfat.com

میں حضور کوئی مقام کریں اور مجھ کو تاریخ معلوم ہو، تو ایک روز کے واسطے شاید میں اپنے وطن سے حاضر ہوں اور میرا وطن کرنال سے بیس کوس ہے اور انبالہ سے تیس کوس اور پانی پت سے بھی تیس اور دتی سے ستر کوس، لیکن حضور ضرور لکھیں کہ شملہ سے کس تاریخ کو تشریف فرما کلکتہ کو ہوں گے۔ فقط۔

اور شاید دتی میں پہنچ کے ایک عرضی حضور کو میں اور بھی لکھوں گا۔ اور صحت اور خوشی مزاج سے بھی اطلاع بخشیں۔ اور قیمت تمام کتب کی مع کتاب ''برہان الفتوح'' (۹) کے، جو الیٹ صاحب بہادر کے واسطے خریدی گئی تھی، اٹھائیس روپے چار آنہ ہوئی۔ جب حضور کا مزاج چاہے گا، دتی میں یا لودھانہ میں بھیج دیجئے گا۔ کچھ جلدی نہیں ہے۔ آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔

عرضی

سید برکت علی

۳۰ اگست یوم جمعہ''

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار نے آخر میں اپنے نام کے ساتھ خط لکھنے کی تاریخ (یعنی ۳۰ اگست) اور دن کا ذکر تو کیا ہے، لیکن سنۂ تحریر نہیں لکھا۔ البتہ سید برکت علی اس خط کے ذریعے اشپرینگر کو یہ اطلاع دیتے ہیں کہ وہ لکھنؤ سے اپنے وطن ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء کو روانہ ہوں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خط اپنی روانگی سے تقریباً دو ہفتے قبل یعنی ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء کو لکھا تھا۔ مزید برآں جن دنوں یہ خط لکھا گیا، اس وقت اشپرینگر شملہ میں مقیم تھا۔ وہ تقریباً وسط اکتوبر ۱۸۵۰ء تک شملہ میں موجود رہا اور پھر یہاں سے کلکتہ روانہ ہو گیا۔ اس سے بھی زیرِ نظر خط کے متذکرہ بالا سنۂ تحریر یعنی ۱۸۵۰ء کی تصدیق ہوتی ہے۔

۲۔ سابقہ خط میں مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو تین کتابوں کی اطلاع دی، جو لکھنؤ کے ایک کتب فروش چراغ علی کے پاس برائے فروخت موجود تھیں، لیکن اس خط میں ''دو کتابوں'' کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ممکن ہے ان دونو مکتوبات کی درمیانی مدت میں بھی کوئی خط لکھا گیا ہو، جس میں اشپرینگر کو دو کتابوں کی اطلاع دی گئی، لیکن یہ خط سید برکت علی کے موجودہ گیارہ خطوط میں شامل نہیں۔

۳۔ اشپرینگر نے اپنی ''فہرست'' (۱۸۵۷ء) میں لکھا ہے کہ اس کتاب کا موضوع وحدت الوجود ہے اور اس کے صفحات کی تعداد تین سو ہے (صفحہ ۵۳ شمارہ ۸۲۴)۔ پرٹش نے اس نسخے کی یہ تفصیلات دی ہیں، اوراق ۱۱۹، خط شکستہ آمیز نستعلیق، کرم خوردہ اور کاتب محمد درویش (صفحہ ۲۹۸ شمارہ ۲۶۳)۔

Marfat.com

۴۔ جمالی دہلوی (م۔۹۴۲ھ/۱۵۳۵ء) کا سلسلہ چشتیہ کے اولیاء کا تذکرہ۔ اشپرینگر کے پاس اس تذکرے کے دو قلمی نسخے تھے، جو بالترتیب ۴۰۰ اور ۴۵۰ صفحات پر مشتمل تھے (ص ۲۵ شمارہ ۳۶۲-۳۶۳)۔ پرلش نے بھی ان دونوں نسخوں کا ذکر کیا ہے (ص۵۵۶-۵۵۸ شمارہ ۵۹۰-۵۹۱)۔ ان میں ایک نسخے کی تفصیل یہ ہے: اوراق ۱۵۹، عمدہ خط شکستہ، مقام کتابت لاہور، ۷ شعبان ۱۰۸۵ھ/۶ نومبر ۱۶۷۴ء (اشپرینگر نے سال کتابت ۱۰۷۵ھ لکھا ہے)۔ نیز رک: اسٹوری ۱: ۹۶۸-۹۷۲ (مع دیگر مآخذ)

۱۔ عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی الیمنی عفیف الدین (م۔۷۶۸ھ/۱۳۶۶ء)۔ ''فہرست اشپرینگر'' (۱۸۵۷ء) میں اس نسخے کا عنوان ''اطراف الایات'' مرقوم ہے اور یہ صراحت بھی کی گئی ہے کہ اس مخطوطے کے صفحات کی تعداد پانچ سو ہے اور اس میں صوفیائے کرام کی دو سو حکایات لکھی گئی ہیں (ص ۲۴ شمارہ ۳۵۷)۔ اہلوارٹ کے مطابق اس نسخہ کے ۲۱۶ اوراق ہیں۔ اس کا کچھ حصہ کرم خوردہ ہے اور بعض صفحات آب زدہ ہیں۔ سال کتابت تقریباً ۱۷۵۰ء (۷: ۲۹۱-۲۹۲)۔ اس مخطوطے کی ابتدائی عبارت درج ذیل ہے:

قال العبد الفقير الى عفوا الله و لطفه و رحمته و عطفه عبدالله بن اسعد اليافعى اليمنى الشافعى نزيل الحرمين الشريفين ... اما بعد حمد الله الذى خضع لسلطان عظمته كل شى و ذلت اعناق الجبابره من سائر الملوك والسلاطين فهذا كتاب اطراف عجائب الايات المشتملات على غرايب الكرامات التى هى من تتمته المعجزات والبراهين اردفتها على سبيل التكملة لكتابى الموسوم بروض الرياحين فى حكايته الصالحين و سيمته كتاب اطراف عجايب الايات والبراهين واردات غرايب حكايات روض الرياحين و لقبته بخلاصته المفاخر فى اختصار مناقب الشيخ عبدالقادر و جماعته من عظمة من الشيوخ الاكابر۔

ـ ''فہرست اشپرینگر'' (۱۸۵۷ء) میں مرقوم ہے کہ سحابی ۹۹۰ھ میں موجود تھا لیکن بعض ادبی مورخین لکھتے ہیں کہ وہ شاہ عباس کے دور حکومت (۱۰۵۲ھ-۱۰۷۷ھ/۱۶۴۲ء-۱۶۶۶ء) میں بقید حیات تھا۔ اشپرینگر نے اس قلمی نسخے کے صفحات کی تعداد پانچ سو لکھی ہے (متذکرہ فہرست، ص ۹۳ شمارہ ۱۵۱۱)۔ پرلش نے اس نسخے کے یہ کوائف دیئے ہیں: اوراق ۱۲۷، رباعیات کی تعداد ۱۵۰۰، عمدہ خط نستعلیق، فی صفحہ ۶ تا ۸ رباعیات۔ (ص۹۲۵-۹۲۶ شمارہ ۹۵۰) نیز او دھ کیٹلاگ (مرتبہ اشپرینگر)

Marfat.com

ص ۴۲، ۵۵۲۔

۷۔ ابو داؤد سلیمان بن الاشعث بن اسحاق الازدی السجستانی (۲۰۲ھ-۲۷۵ھ/ ۸۱۷ء-۸۸۸ء)۔
''کتاب السنن'' احادیث کا معروف مجموعہ ہے۔مکتوب نویس نے اس کتاب کے جس قدیم ایڈیشن کا ذکر کیا ہے، وہ لکھنؤ سے ۱۸۴۰ء میں طبع ہوا تھا (بحوالہ سیزگن ۱: ۱۵۰)۔اشپرینگر کو اس مطبوعہ ایڈیشن کی تلاش تھی اور اس کا خیال تھا کہ یہ لکھنؤ کے کسی کتب فروش کے ہاں سے دستیاب ہو جائے گا۔اس نے مولوی برکت علی کو لکھا، لیکن اس وقت اس ایڈیشن کو چھپے ہوئے دس سال گذر چکے تھے، اس لئے وہ بھی اس کی نایابی کے سبب کوئی نسخہ حاصل نہ کر سکے۔

اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانے میں ''سنن ابی داؤد'' کا ایک عمدہ قلمی نسخہ موجود تھا۔ اس کے تین حصے تھے اور ان میں سے دو حصے ۵۷۴ھ (صفحات ۳۶۰) اور ۷۷۴ھ میں کتابت ہوئے تھے، جب کہ تیسرے حصے کے صفحات کی تعداد ۱۴۲ لکھی گئی ہے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۴ شمارہ ۵۱۰-۵۱۲)۔اہلوارٹ کے درج کردہ کوائف کے مطابق جزء اول کے اوراق ۱۸۱ ہیں۔خط غیر واضح ہے۔حاشیوں پر توضیحی عبارات اور تصحیحات درج ہیں۔ورق ۶۹ ب پر ۹۲۶ھ/ ۱۵۲۰ء تاریخ مرقوم ہے۔''الجزء العشرون والحادی والعشرون من کتاب السنن وھو الثانی والثالث من کتاب المناسک'' کے اوراق ۲۰ ہیں اور سنۂ کتابت ۷۷۴ھ/ ۱۳۸۲ء۔تیسرے جزء کے اوراق ۷۱ ہیں اور سنۂ کتابت تقریباً ۱۱۰۰ھ/ ۱۶۸۸ء (۲: ۹۰-۹۲)۔مزید تفصیل کے لیے رک: براکلمان ۱: ۱۶۱، ذ ۱: ۲۶۶-۲۶۷، سیزگن ۱: ۱۴۹-۱۵۲۔انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (طبع جدید) ۱: ۱۱۴۔

۔ مولوی سید حامد حسین بن مفتی محمد قلی خاں کنتوری لکھنوی (۱۲۴۶ھ-۱۳۰۶ھ/ ۱۸۳۰ء-۱۸۸۸ء)۔
ان کا شمار برصغیر کے معروف شیعہ علماء میں ہوتا ہے۔انھوں نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے جواب میں ''طبقات الانوار'' لکھی، جو اہل تشیع کے دینی ادب میں بلند مقام رکھتی ہے۔

سید حامد حسین مکتوب نگار مولوی برکت علی سے عمر میں چھوٹے تھے اور جس انداز سے مولوی صاحب نے اپنے خطوں میں ان کا ذکر کیا ہے، اس سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ سید صاحب یا تو ان کے شاگردوں میں شامل تھے یا ان کے آپس میں قریبی دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ ''تذکرہ بے بہا'' کے مؤلف نے لکھا ہے کہ سید صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ جب ان کی عمر پندرہ سال تھی، تو ان کے والد انتقال کر گئے اور وہ مولوی برکت علی سے ادب پڑھنے لگے۔اسی تذکرہ میں مولوی برکت علی کے نام کے ساتھ ''سنی المذہب'' کے الفاظ درج ہیں (ص

Marfat.com

۱۳۴)، جب کہ ان خطوط میں مکتوب نگار نے اپنے شیعی مسلک کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ ممکن ہے، یہی مکتوب نگار سید حامد حسین کے استاد ہوں، جنھیں ''تذکرۂ بے بہا'' کے مؤلف نے کسی غیر مصدقہ روایت یا لاعلمی کی بنیاد پر ''سنی المذہب'' لکھ دیا ہو۔ اس خط کے سنۂ تحریر یعنی ۱۸۵۰ء میں مولوی برکت علی لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ کے شعبۂ عربی میں استاد تھے۔ شاید سید صاحب اسی مدرسہ میں ان سے ادب پڑھتے رہے یا نجی سطح پر ان کے علم و فضل سے مستفید ہوتے رہے۔

سید حامد حسین اور ڈاکٹر اشپرینگر کے مابین گہرے علمی روابط قائم تھے (مطلع انوار، ص ۱۵۹)۔ ممکن ہے، یہ تعلقات مولوی برکت علی کی وساطت سے استوار ہوئے ہوں۔ مولوی چراغ علی نے اپنی ایک انگریزی کتاب اشپرینگر کو جرمنی بھجوائی، جس کے جواب میں اس نے مولوی صاحب کو ایک طویل خط (بابت ۸ مئی ۱۸۸۴ء) لکھا۔ اس انگریزی کتاب کے مترجم مولوی عبدالحق نے اس کتاب کے ترجے بعنوان ''اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام'' کے حصہ دوئم (مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۱ء) میں اشپرینگر کے اس انگریزی خط کو بھی اردو میں منتقل کر دیا (ص ۶۵-۸۸) خط کے آخر میں مترجم نے ایک تحتی نوٹ دیا ہے، جس میں وہ سید حامد حسین اور اشپرینگر کے علمی مراسم پر یوں روشنی ڈالتا ہے۔

''بزمانہ قیام لکھنؤ جناب مولانا علامہ السید حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور سے نہایت محبت سے پیش آیا کرتے تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور بزمانہ قیام کلکتہ ہمیشہ علامہ ممدوح سے خط کتابت رہتی تھی اور طرفین سے کتب نایاب کے نقول آتے جاتے رہتے تھے اور اکثر اوقات ڈاکٹر صاحب موصوف اشعار عربی زمانہ جاہلیت کے جناب مولانا ممدوح کے پاس بغرض حل و شرح بھیجا کرتے تھے۔''

مغربی برلین کے کتاب خانے میں اشپرینگر کے نجی کاغذات کا جو ذخیرہ محفوظ ہے، اس میں ان اہم خطوط کے علاوہ معمولی سے معمولی رسیدیں تک پڑی ہوئی ہیں، لیکن حیرت ہے کہ ان کاغذات میں سید حامد حسین کی اشپرینگر کے نام کوئی تحریر موجود نہیں۔

سید حامد حسین کے تفصیلی حالات زندگی اور ان کی علمی خدمات کے لیے دیکھیے: تذکرۂ بے بہا ص ۱۳۳-۱۳۷۔ نزہۃ الخواطر ۸ (طبع عکسی، کراچی ۱۹۷۶ء) ۹۹-۱۰۰۔ میر حامد حسین تالیف محمد رضا، تہران ۱۴۰۱ھ (یہ ۱۵۹ صفحات کی کتاب ہے، لیکن حامد حسین کے حالات ص ۱۱۹ سے شروع ہوتے ہیں۔ مؤلف نے ص ۱۲۶ پر سید حامد حسین کے سوانح اور علمی آثار سے متعلق کئی مصادر کے حوالے دیئے ہیں)۔

Marfat.com

۹۔ ''برہان الفتوح'' (فارسی) کے مؤلف کا نام محمد علی بن صادق حسینی نیشاپوری نجفی برہان پوری ہے۔ یہ کتاب اودھ کے صوبیدار نواب برہان الملک سید سعادت خاں کے نام معنون کی گئی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام ''برہان الفتوح'' رکھا گیا۔ سنہ تکمیل ۱۱۴۸ھ/ ۳۵-۱۷۳۶ء۔ کئی برس بعد مؤلف نے اسے اپنے ایک اور سرپرست کے نام معنون کر دیا اور اس کا نام تبدیل کر کے ''مرآۃ الصفا'' رکھ دیا۔

اس خط میں ''برہان الفتوح'' کے جس قلمی نسخہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ مشہور مؤرخ سر ہنری ایلیٹ کے لیے خریدا گیا۔ چنانچہ ایلیٹ اپنی ''تاریخ ہند'' (بزبان انگریزی) کی آٹھویں جلد میں اس نسخے کا یوں ذکر کرتا ہے (ص ۳۰)

"The *Burhanu-l Futuh* is quite unknown. I am fortunate enough to possess autograph of the author, written in the year of composition and no doubt the identical one presented to Nawab Sa'adat Khan, and stolen from the Royal Library. I procured it in a bazar at Lucknow."

ایلیٹ نے مولوی برکت علی کی وساطت سے جو نسخہ لکھنؤ کے بازار سے خریدا، وہ اب برٹش میوزیم میں محفوظ ہے (رک: ریو ۳: ۸۹۳)۔ اس میوزیم میں اس تاریخ کے اقتباسات پر مبنی ایک اور قلمی نسخہ بھی ہے (ریو ۳: ۱۰۵۰) جو ۱۸۵۰ء کے قریب لکھا گیا۔

اشپرینگر کے ذاتی کتب خانہ میں تین مخطوطات کا ایک مجموعہ ہے۔ ان میں ایک مخطوطہ ''برہان الفتوح'' کے اقتباسات پر مبنی ہے (فہرست اشپرینگر، ص ۱۸ شمارہ ۲۶۴)۔ بقول پرٹش یہ نسخہ خط نستعلیق میں لکھا گیا اور اس کی کتابت جدید ہے (ص ۵۶۶-۵۶۸ شمارہ ۶۰۳)۔

''برہان الفتوح'' کے بارے مین مزید تفصیل کے لیے رک: ایلیٹ ۸: ۲۵-۳۶۔ جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، ۱۸۵۵ء، ص ۲۳۲ شمارہ ۲۶۔ اسٹوری ۱: ۱۳۷-۱۳۸۔

۸

''غریب پرور خداوند نعمت قدردان سلامت (۱)

نوازش نامہ حضور کا مع دو نسخہ ''ارشاد المقاصد'' (۲) کے پہنچا۔ کمال بندہ نوازی فرمائی۔ ایک نسخہ

Marfat.com

جناب سید تقی صاحب کو دیا۔ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جب خط لکھو، ہماری طرف سے بھی بہت بہت نیاز اور شکرانہ لکھو۔ فقط۔

موافق حکم حضور کے اکثر کتابوں کی تلاش میں رہتا ہوں، چنانچہ بڑی تلاش سے دیوان نعمت اللہ ولی کا بہم پہنچایا اور سات روپے کو خرید کیا اور بائع کو روپے اوس کی قیمت کے دے دیئے، لیکن احتیاطاً میں نے اوس سے اقرار لیا ہے کہ بیس روز تک ہم کو اختیار ہے کہ ہم واپس بھی کر دیں۔ یہ نسخہ تمام وکمال ہے اور خوشخط بخط فارسی جدول شنجرف اور سیاہی سے کیا ہوا قریب ۴۸ جز ہر صفحہ ۱۸ سطر لکھا ہوا ۱۰۱۱ھ کا۔ کہیں نقصان نہیں لیکن سات ورق آخر میں پیوند لگا ہے اور اوس پیوند سے چند شعر پڑھے نہیں جاتے اور باقی صحیح وسالم، کاغذ اچھا، پس اگر حضور کو پسند ہو تو بہتر، نہیں تو بیس روز تک واپس ہو سکتا ہے (۳)۔ اور ایک دیوان اور بھی معرفت عبدالاحد (۴) کے آیا تھا اور قیمت اوس کی چار روپے ٹھہری تھی، لیکن کچھ ناقص تھا اور خط اچھا نہ تھا اور غلط تھا، اس واسطے نہ لیا۔ اگر اوس کا بھی خریدنا منظور ہو، چار روپے کو ملے گا اور وہ بھی چار روپے کو کچھ گراں نہیں۔ فقط۔

دو نسخہ اور معرفت چراغ علی (۵) کی عوض بیع میں ہیں۔ ایک ''نزہتہ القلوب'' المعروف بہ ''تقویم البلدان'' تصنیف حمداللہ بن ناصرالدین بن حمد المستوفی القزوینی۔ یہ نسخہ پرانا لکھا ہوا تمام وکمال ہے اور بظاہر صحیح ہے۔ ۲۴۲ ورق ہر صفحہ میں ۲۵ سطر (۶) اور دوسرا ''تاریخ برہان الفتوح'' ہے اور یہ نسخہ مصنف کے ہات کا لکھا ہوا ہے۔ نام مصنف کا محمد علی ابن محمد صادق الحسینی النیشاپوری۔ تاریخ کتابت ۱۱۴۵ ہجری۔ یہ کتاب واسطے نواب برہان الملک سید سعادت خان بہادر جنگ کے لکھی گئی۔ اس میں حال ابتدائے آفرینش سے اس نواب کے زمانہ تک بطور اختصار کے لکھا ہے۔ اکثر پادشاہوں کا وقت تولد اور جلوس اور وفات لکھا ہے اور کچھ علماء کی تاریخ تولد اور وفات بھی لکھی اور جو حوادث عظیمہ مثل زلزلہ سخت و بارش وقحط ومحاربہ سخت دنیا میں واقع ہوئے، اون کی بھی تاریخ لکھی ہے۔ یہ کتاب تمام وکمال مصنف کے ہات کی لکھی ہوئی ہے۔ خط پختہ فارسی جدول طلائی، ۲۱۱ ورق، ہر صفحہ میں ۱۸ سطر (۷)۔ قیمت ان دونو کتابوں کی بائیس روپے کہتا ہے۔ اگر حضور کو ان میں سے کوئی نسخہ خریدنا منظور ہو، ارشاد فرمادیں۔ فقط۔

اور تین نسخہ تصوف کے عبدالاحد کی معرفت معرض بیع میں ہیں۔ ایک ''نصیحت العارفین'' معرفت میں بعبارت فارسی ہے۔ تصنیف ولی ملوک شاہ الصدیقی۔ قریب بارہ جز، خط فارسی پرانا، قیمت دو روپے (۸)۔ اور ایک ''شرح رسالہ غوثیہ'' (۹) قیمت دو روپے اور ایک ''عین المعانی فی شرح اسماء اللہ الحسنی'' (۱۰)۔ اس کتاب میں کچھ خواص اسماء الٰہی کے بیان کئے ہیں۔ عبارت فارسی میں یہ نسخہ تمام وکمال خط عربی بہت خوش خط جدول طلائی قریب ۱۳ جز، قیمت ۶ روپے ۸ آنہ۔ فقط۔

Marfat.com

ایک ایک روپیہ ''نصیحت العارفین'' اور ''شرح غوثیہ'' کا میں عبدالاحد کو دیتا تھا۔ اوس نے نہ لیا اور چونکہ ''عین المعانی'' بہت خوش خط ہے۔ تین چار روپے تک اچھی ہے، لیکن شاید حضور کے کام کی کتاب نہیں ہے۔ فقط۔

مجکو ''کتاب رجال نجاشی'' (۱۱) سے بہت شوق ہے اور سید تقی صاحب بھی آرزو اوس کے چھپنے کی کرتے ہیں۔ حضور اطلاع فرماویں کہ اس کتاب کا چھاپا شروع ہوا یا نہیں۔ فقط۔

بعض کلکتہ کے خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور شاید کلکتہ میں ریلیے صاحب (۱۲) کی جگہ مقرر ہوئے یا ہوں گے اور تنخواہ میں کچھ ترقی بھی ہوگی۔ خدا آپ کی ترقی کرے اور صحت اور عافیت سے خوش وخورم رکھے۔

اگر چہ میں حضور کا شکر ادا نہیں کر سکتا، لیکن ایک آرزو بھی باقی ہے۔ اگر حضور کی عنایت سے آرزو بر آوے، کمال پرورش ہوگی۔ مجکو لکھنؤ کی آب وہوا بہت ناموافق ہے۔ اگر دلی میں تیس چالیس روپے مہینا مجکو ہات لگے تو بہت خوشی سے پچاس روپے کی نوکری چھوڑ دوں۔ میں نے سنا ہے کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کے عہدہ کی درخواست کی ہے (۱۳)۔ اگر وہ عہدہ اون کے نام پر مقرر ہوگا تو ضرور ہے کہ ایک مدرس کی جگہ دلی کے مدرسہ میں خالی ہوگی۔ اگر چہ میرا بھی اوس مدرسہ میں حق ہے، لیکن اگر حضور کے نزدیک کسی اور کا استحقاق ہو تو اتنی پرورش کیجئے کہ اوس کو میری جگہ مقرر فرمائیں اور مجکو دلی کے مدرسہ میں بلوائیں اور یا کسی کے تقرر سے مبادلہ کروائیں اور اطلاع فرماویں کہ دیوان نعمت اللہ کا دلی میں بھیجوں یا شملہ میں اور ڈاک میں بھیجوں یا کسی کے ہات، وزن اوس میں شاید سوا سیر ہوگا۔''

تشریحات:

۱۔ یہ واحد خط ہے جس کے آخر میں مکتوب نگار نے کچھ نہیں لکھا، حتیٰ کہ اپنا نام بھی تحریر نہیں کیا۔ اس خط کے مندرجات اور اس کا انداز تحریر وہی ہے، جو برکت علی کے دیگر خطوں کا ہے، اس لیے بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیر نظر خط مولوی برکت علی ہی کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط کے مقام تحریر اور زمانۂ تحریر کے متعلق اس کی داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اس وقت لکھا گیا جب مراسلہ نگار ابھی لکھنؤ میں مقیم تھا، لیکن وہ اپنے وطن جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس خط کی آخری عبارت سے یہ پتا چلتا ہے کہ جب اشپرینگر کو یہ خط لکھا گیا، وہ شملہ میں مقیم تھا۔ اشپرینگر یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو لکھنؤ سے دہلی پہنچا۔ وہ تقریباً ڈیڑھ سال لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں میں کام کرتا رہا اور وہ اس شبانہ روز محنت سے اتنا تھک چکا تھا کہ وہ چند ماہ دہلی میں ٹھہر کے شملہ چلا گیا۔ اس کے بعض نجی کاغذات سے معلوم ہوتا

Marfat.com

ہے کہ وہ وسط اکتوبر ۱۸۵۰ء تک شملہ میں مقیم رہا اور اسے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ پرنسپلی پر اپنی تقرری کی اطلاع بھی یہیں ملی تھی۔ اس سے کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط وسط اکتوبر ۱۸۵۰ء سے پہلے لکھا گیا۔

اسی خط میں مرقوم ہے کہ مولوی مملوک العلی صاحب نے حافظ احمد کبیر کے عہدہ کی درخواست کی ہے۔ مولوی مملوک العلی نے اشپرینگر کو جو خطوط تحریر کیے، وہ سابقہ سطور میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں وہ خط، جس میں مولوی صاحب نے حافظ احمد کبیر مرحوم کے عہدۂ امین پر کلکتہ جانے کا ذکر کیا ہے، وہ ۱۶ جولائی ۱۸۵۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ مولوی مملوک العلی نے اشپرینگر کے اصرار پر حکام بالا کو طویل رخصت کی جو درخواست بھیجی، وہ ۵ ستمبر ۱۸۵۰ء کی تحریر کردہ ہے۔ مولوی صاحب بعض وجوہ سے باعث کلکتہ نہ جا سکے، لیکن ان کے متذکرہ بالا خطوط کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید برکت علی نے اشپرینگر کو یہ خط جولائی یا اگست ۱۸۵۰ء میں شملہ ارسال کیا۔

۲۔ اشپرینگر نے ''فہرست طوسی'' (کلکتہ ۱۸۵۳ء) کے انگریزی دیباچے کے آخر میں لکھا ہے کہ شروع میں اس کا ارادہ تھا کہ نجاشی یا طوسی کے ہمراہ ''ارشاد القاصد'' کو شائع کیا جائے، لیکن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے ''اصابہ'' (ابن حجر عسقلانی) کو جلد شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا، اس لیے وہ طوسی کے ساتھ ''ارشاد'' کو شامل نہ کر سکا۔ ''ارشاد' بعد میں علیحدہ شائع ہوئی۔ (ببلوتیکا انڈیکا' شمارہ ۲۱)۔

آسٹریا کے قومی کتاب خانہ (ویانا) میں راقم کی نظر سے ایک عربی کتاب گذری، جس کا کوئی دیباچہ نہیں۔ صرف عربی متن ہے اور اس کے شروع میں یہ عنوان درج ہے:

''هذا كتاب حدود النحو للشيخ الامام عبدالله الفاكهی''

ابتدائی تیرہ صفحات پر ۱۴۷ حدود ہیں اور صفحہ ۱۴ پر یہ عنوان دیا گیا ہے:

''ارشاد المقاصد الی اسنی المقاصد للشيخ شمس الدين محمد بن ابراهيم بن ساعد الانصاری الاكفانی السخاوی المتوفی سنه ۹ ۷۴ تسع و اربعين و سبعماية۔''

صفحہ ۹۹ پر یہ کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب ٹائپ میں چھپی ہوئی ہے اور یہ نسخہ وہی ہے جو کلکتہ سے طبع ہوا تھا۔

۳۔ نعمت اللہ ولی (م ۸۲۷ھ/۱۴۲۳ء) کا فارسی دیوان۔ اشپرینگر نے اس نسخے کی قدامت کا ذکر کیا ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۴۰۷ بتائی ہے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۲ شمارہ ۱۴۰)۔ اشپرینگر

Marfat.com

نے اس نسخے کا حوالہ اپنی ''اودھ کیٹلاگ'' (۱۸۵۴ء) میں بھی دیا ہے (ص ۵۱۸)۔ کتاب خانۂ مغربی برلین کے فارسی مخطوطات کے فہرست ساز پرٹش کے مطابق اس قلمی نسخے کے اوراق ۳۶۸ ہیں۔ عمدہ خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے اور اس کے آخر میں یہ عبارت ہے'' کاتب این کتاب محمود ختمی ولد خواجہ عالم شہ سہرندی ماہ محرم سنہ ۱۰۱۱'' (ص ۸۵۶-۸۵۷ شمارہ ۸۵۶)۔

اشپرینگر کے پاس اس دیوان کے دو اور قلمی نسخے بھی محفوظ تھے (بحوالہ فہرست اشپرینگر، ص ۸۲ شمارہ ۱۷۱-۱۷۲-۲)۔ پہلے نسخے (اوراق ۲۸۹، صاف خط نستعلیق) کا سال کتابت ۱۹ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ/۱۲ اکتوبر ۱۶۰۵ء ہے اور دوسرے نسخے (اوراق ۵۷۰، خط شکستہ) کے ایک درمیانی صفحہ پر ۱۷ شوال ۱۱۷۴ھ/۲۲ مئی ۱۷۶۱ء عظیم آباد مرقوم ہے اور اس کے ساتھ لفظ ''راقم'' کی ایک مہر ثبت ہے، جس میں ''محمد علی خان نعمت اللہ الحسینی'' لکھا ہوا ہے۔ رک: پرٹش، ص ۸۵۷-۸۵۸ شمارہ ۸۵۷ وص ۸۵۸-۸۶۰ شمارہ ۸۵۸)

۴۔ یہ لکھنؤ کا کتب فروش تھا اور پرانی کتابوں کا کاروبار کرتا تھا۔ اشپرینگر کے ذاتی کاغذات میں چند ایسی رسیدیں پڑی ہوئی ہیں، جن پر اس کتاب فروش کا نام لکھا گیا ہے اور ان پر زیادہ تر مختلف کتابوں کی قیمتیں وغیرہ درج ہیں۔ ان میں ایک کاغذ پر یہ عنوان لکھا گیا ہے:

''برائے مدرسہ دہلی۔ فہرست کتب مطبوعہ لکھنؤ کہ از عبدالاحد بتاریخ بستم نومبر ۴۸ خرید کردہ شد۔''

۵۔ یہ بھی لکھنؤ کے ایک تاجر کتب کا نام ہے اور اس کی بعض رسیدیں اب بھی اشپرینگر کے کاغذات میں محفوظ ہیں۔

۶۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی (م۔ ۷۵۰ھ......۱۳۴۹ء) کی معروف جغرافیائی تالیف۔ اشپرینگر نے لکھا ہے کہ یہ نسخہ قدیم اور خوش خط ہے اور اس کے صفحات ۴۸۴ ہیں (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۲ شمارہ ۱۱۸)۔ اشپرینگر کے پاس اس کتاب کا ایک اور نسخہ بھی تھا، جو صرف جغرافیائی مقامات پر مشتمل تھا (ایضاً، ص ۱ شمارہ ۴)۔ برکت علی کا خرید کردہ یہ نسخہ اب برلین (مغربی) میں موجود ہے۔ یہ خط نسخ میں لکھا گیا ہے۔ چند اوراق بعد میں لگائے گئے ہیں اور ان کا خط نستعلیق ہے۔ ''نزہتہ القلوب'' کے دوسرے نسخے کا سنۂ کتابت ۱۲۱۸ھ/۱۸۰۴ء ہے۔ اس کا خط نستعلیق ہے۔ رک: پرٹش، ص ۳۶۹ شمارہ ۳۴۷ وص ۳۷۱ شمارہ ۳۵۱۔ نیز رک: استوری ۲/۱: ۱۲۹-۱۳۱۔

۷۔ دراصل اشپرینگر کے کتاب خانے میں ''برہان الفتوح'' کا مکمل نسخہ نہیں تھا، بلکہ اس کا مملوکہ نسخہ اس کتاب کے ان اقتباسات پر مشتمل تھا جو ادبی تاریخ سے متعلق تھے۔ یہ نسخہ فارسی کی ایک اور کتاب

Marfat.com

''تحفۃ الکرام'' کے ساتھ مجلد ہے اور اس کے صفحات، کی تعداد ۴۷ بتائی گئی ہے۔ (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۱۸ شمارہ ۲۶۴)۔ نیز رک: پرنش، ص ۵۶۱-۵۶۹ شمارہ ۶۰۳۔ اشپرینگر کے اس خطی نسخے کی کتابت جدید ہے، لیکن مولوی برکت علی نے اس خط میں جس بخط مصنف نسخے کے کوائف دیئے ہیں، اسے اشپرینگر کے بجائے ہنری ایلیٹ نے لے لیا۔ ایلیٹ نے اپنی ''تاریخ ہند'' میں اس نسخے کے بارے میں جو لکھا ہے (۸: ۳۰) وہ برکت علی کی فراہم کردہ معلومات سے مطابقت رکھتا ہے۔
رک: مکتوب برکت علی ۶، تشریحات، شمارہ ۹۔

۸۔ ''نصیحت العارفین'' کے لیے رک: برکت علی کا مکتوب ۶ تشریحات ۳۔

۹۔ اشپرینگر نے اپنے کتاب خانہ کے صوفیانہ مخطوطات کی ایک طویل فہرست دی ہے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴۸-۶۰)، لیکن اس میں ''شرح رسالہ غوثیہ'' نام کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ ممکن ہے اشپرینگر نے یہ قلمی نسخہ نہ خریدا ہو۔

۱۰۔ اشپرینگر کے پاس ''اسماء اللہ الحسنیٰ'' کی عربی شروح کے متعدد نسخے تھے، جن کا حوالہ اس کی ''فہرست'' اور اہلوارٹ کی کیٹلاگ میں دیا گیا ہے، لیکن یہاں جس شرح کا ذکر کیا گیا ہے، وہ فارسی میں تھی۔ اس فارسی شرح کا ذکر نہ تو اشپرینگر نے کیا ہے اور نہ فارسی مخطوطات کے فہرست نگار پرنش نے اس کے کوائف دیئے ہیں۔ اس وقت چند اوراق کی فارسی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ کا ایک قلمی نسخہ ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہے (رک: فہرست اشپرینگر، شمارہ ۱۵۸۴۔ پرنش، شمارہ ۲۴/۱۳) لیکن یہ ''عین المعانی'' کے علاوہ ہے۔ ممکن ہے اشپرینگر نے یہ نسخہ خریدنے کا ارادہ ترک کر دیا ہو۔

۱۱۔ اشپرینگر نجاشی کی یہ کتاب شائع کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا اور اس کے کتب خانہ میں اس کا ایک خطی نسخہ بھی موجود تھا، لیکن وہ اسے مکمل طور پر نہ چھپوا سکا۔ ایک جگہ وہ یوں تحریر کرتا ہے کہ ''ابتدا میں میرا ایہ ارادہ تھا کہ طوسی کی فہرست سے پہلے اسے شائع کرایا جائے اور ۱۸۴۸ء میں جب میں لکھنؤ میں تھا، میں نے اس کا ایک نسخہ تیار کرلیا اور اس کا متن ایک قدیم مخطوطے کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا تھا۔ جب اس کتاب کی طباعت شروع ہوئی تو مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ نسخہ اتنا معتبر نہیں کہ میں اس سے زیادہ آگے بڑھ سکوں، اس لیے میں نے فی الحال اس کتاب کی طباعت ملتوی کر دی ہے۔'' (رک: مکتوب علی اکبر شمارہ ا تشریحات ۴)۔ نجاشی کی ''اسماء الرجال'' نامکمل ہی رہی اور اشپرینگر اسی موضوع سے متعلق دیگر کتابوں کے متون تیار کرنے اور انہیں چھپوانے میں مصروف ہو گیا۔

۱۲۔ ۱۸۴۳ء میں حکومت کے ایک حکم نامہ (بابت ۱۲ جولائی ۱۸۴۲ء) کی رو سے جب تعلیمی بنگال کمیٹی

Marfat.com

توڑ کر اس کی جگہ تعلیمی کونسل تشکیل دی گئی تو اس کے ساتھ ہی مدرسۂ عالیہ کی ذیلی کمیٹی بھی ختم کر دی گئی۔ اس تبدیلی کے بعد مدرسہ کا سیکرٹری براہ راست تعلیمی کونسل کے ماتحت ہو گیا۔ پہلے لومسڈن سیکرٹری تھا اور اس کے بعد کرنل ریلے اس عہدے پر مقرر رہا۔ پہلے خبر یہی تھی کہ اشپرینگر کو ریلے کی جگہ مقرر کیا جائے گا، لیکن اسے وہاں سیکرٹری کے بجائے پرنسپل بنا کر بھیجا گیا۔ رک: تاریخ مدرسۂ عالیہ ۱: ۱۰۷۔

۱۳۔ حافظ احمد کبیر کے پاس مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا عہدۂ امینی تھا۔ ان کا ۱۸۵۰ء کے شروع میں انتقال ہو گیا اور اس وقت سے ان کا عہدہ خالی پڑا ہوا تھا۔ اشپرینگر نے یہاں آتے ہی سب سے پہلے اس خالی عہدے پر کسی موزوں شخص کو ملازم رکھنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو یہ عہدہ قبول کرنے کی پیش کش کی، لیکن وہ اپنے طبعی خصائص کی بنا پر کلکتہ نہ جا سکے۔ پھر علی اکبر اس عہدے کے امیدوار کی حیثیت سے سامنے آیا۔ بالآخر اس عہدے کے لیے امتحان لیا گیا اور آگرہ کالج کے مدرس مولانا سدید الدین خاں اس عہدہ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان تینوں اصحاب یعنی مولانا مملوک العلی، علی اکبر اور مولانا سدید الدین کے مکتوبات سابقہ سطور میں شائع ہو چکے ہیں اور ان میں اس عہدے سے متعلق دیگر تفصیلات دی گئی ہیں۔

۹

''غریب پرور خداوند نعمت قدردان سلامت (۱)

بعد آداب عجز و نیاز و آرزوئے ملازمت کثیر الافادت عرض یہ ہے کہ بہت مدت ہوئی کہ حضور کا مرحمت نامہ متضمن اس مضمون کا کہ رسید یاقوت کی سید تقی صاحب نے اب تک نہیں بھیجی۔ تم جلدی سے حال رسید کا لکھو، صادر ہوا تھا، لیکن چونکہ سید تقی صاحب نے مجکو لکھا تھا کہ میں دو تین خط مشتمل رسید یاقوت مع روپے قیمت یاقوت کلکتہ روانہ کر چکا ہوں (۲)، اس واسطے کوئی عرضی ان ایام میں حضور کی خدمت میں روانہ نہ کی۔ بعد اوس کے اپنے وطن میں آیا اور بیمار ہو گیا اور مدت تک بیمار رہا۔ اب جو خدا نے صحت عطا کی، دل نے چاہا کہ اس عرضی کے وسیلہ سے حضور کا اعتدال مزاج عالی مع صاحبزادگان بلند اقبال دریافت کروں اور کچھ اپنی بھی حاجت لکھوں۔ پس امیدوار ہوں کہ آپ ایک نوازش نامہ کہ جس میں خوشخبری حضور کی صحت مزاج وہاج کی ہو، اپنے قلم مبارک سے لکھ کے روانہ فرما دیں کہ اس دور افتادہ کو اطمینان اور خوشی ہو۔

اور بڑی حاجت میری یہ ہے کہ حضور مجکو اپنی عنایت سے یاد رکھیں۔ آپ کی نوازش اور پرورش کا شکر میں ادا نہیں کر سکتا۔ آپ نے بہت چاہا کہ دہلی میں مجکو کوئی عہدہ ملے، لیکن اگر یہ میری بدقسمتی سے نہ ملا تو

Marfat.com

آپ کا کیا گلا۔ اب حضور سے عرض ہے کہ بسک صاحب بہادر (۳)، جو سابق میں لکھنؤ میں تھے اور علم وادب کی تحصیل کا شوق رکھتے تھے، اب وہ انبالہ میں اسسٹنٹ ہیں اور انبالہ میرے وطن سے قریب ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اون سے ملاقات کروں اس واسطے کہ اون کو خود بھی تحصیل علم کا شوق ہے اور کوئی عہدہ بھی اون کی سفارش سے مل سکتا ہے۔ پس اگر حضور مناسب سمجھیں ایک چٹھی سفارش اس نیاز مند کی بسک صاحب کے نام روانہ فرماویں، اور اگر حضور کچھ زیادہ نہ لکھ سکیں تو اتنا اوس چٹھی میں لکھ دیں کہ برکت علی سے اچھی طرح آپ ملاقات کریں کہ یہ شخص لائق اور مستعد ہے اور اس کے حال پر نظر عنایت کی رکھیں۔ خواہ اس چٹھی کو بسک صاحب بہادر کے پاس روانہ فرماویں اور خاکسار کو اطلاع بخشیں اور یا جو مرحمت نامہ کہ مجھ کو ارقام فرماویں، اوس میں ملفوف کر دیں اور نشان اوس مرحمت نامہ پر یہ لکھیں کہ یہ خط تھانیسر میں پہنچ کر تھانہ قصبہ پونڈری میں برکت علی کے پاس پہنچے اور یا مولوی جعفر علی کے پاس روانہ فرماویں۔ فقط۔

ان دنوں میں مجکو فرصت ہے اور جی چاہتا ہے کہ کوئی کتاب تالیف کروں یا کسی کتاب کا ترجمہ لکھوں، لیکن اگر حضور کی عنایت سے کسی کتاب کے ترجمہ یا تالیف کی اجرت بھی ملے تو خوب ہے۔ پٹنوں کے اکثر صاحب علم اخلاق میں ''اخلاق جلالی'' اور ''ناصری'' پڑھتے ہیں اور چونکہ ان کتابوں میں آیات قرآنی اور احادیث اور علم موسیقی وغیرہ کے سبب سے اشکال ہے تو اکثر صاحب مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک کتاب مختصر علم اخلاق میں، جو بہت واضح اور آسان ہو، زبان اردو میں تالیف کروں اور جو بحث کہ ''اخلاق جلالی'' اور ''ناصری'' وغیرہ میں عبث اور بے فائدہ ہیں، اون کو خارج کروں اور جو اچھی اچھی باتیں تھیں، اون کو درج کروں تا کہ سمجھنا اوس کا آسان ہو اور فائدہ اوس کا عام ہو۔ پس اس میں جو رائے حضور کی ہو، اشارہ فرماویں (۴)۔

معلوم نہیں کہ ''فہرست طوسی'' یا کوئی کتاب رجال شیعہ حضور نے چھپوائی ہے یا نہیں (۵)۔

اور اس خاکسار نے ایک چھاپہ خانہ بہ شراکت چند آدمیوں کے دہلی میں قائم کیا ہے (۶) اور بالفعل اوس کا اہتمام حوالہ مولوی خدا بخش (۷) کے کیا ہے اور شاید ایک یا دو مہینے سے یہ خانہ ... جاری ... جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ کوئی کتاب اچھی حضور کے واسطے تلاش کرے گا۔

سید تقی صاحب نے مجکو لکھنؤ میں بلایا تھا، میں نہ گیا۔ شاید سردی سے موسم فقط ملاقات سے واسطے جاؤں۔ اور نوکری لکھنؤ کی مجکو منظور نہیں (۸) اور اگر کتاب حضور کو لکھنؤ سے طلب کرنی مطلوب ہو تو حکم فرماویں تا کہ معرفت مولوی حامد حسین صاحب یا جناب سید تقی صاحب کے حضور پاس پہنچ لی۔ آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔

Marfat.com

عرضے
برکت علی
بمقام پونڈری ضلع تھانیسر''

تشریحات:

۱۔ یہ خط کب لکھا گیا، مکتوب نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا، البتہ خط کی اختتامی عبارت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ خط اپنے آبائی شہر پونڈری ضلع تھانیسر سے ارسال کیا۔ سابقہ خط (بابت ۳۰ اگست ۱۸۵۰ء) میں مولوی برکت علی اپنے مکتوب الیہ کو لکھنؤ سے یہ اطلاع دیتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مدرسہ سے رخصت حاصل کر لی ہے اور وہ لکھنؤ سے ۱۶ ستمبر ۱۸۵۰ء کو اپنے وطن روانہ ہو جائیں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''انشاء اللہ تعالیٰ پہلی یا دوسری یا تیسری اکتوبر کو میں دہلی میں ہوں گا اور تین چار روز دہلی میں مقام کر کے اپنے وطن کو جاؤں گا۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے مجوزہ پروگرام کے مطابق اکتوبر ۱۸۵۰ء کے پہلے ہفتے تک دہلی میں رہے۔ وہ غالباً اسی ماہ کے وسط میں اپنے وطن پہنچ گئے اور موجودہ خط اس تاریخ یعنی ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء کے بعد لکھا گیا۔

برکت علی وطن آئے اور یہاں بیمار پڑ گئے۔ کئی ماہ علیل رہنے کے بعد جب ان کی طبیعت کچھ سنبھلی، تو انھوں نے یہ خط اشپرینگر کو لکھا۔ چنانچہ وہ خود رقمطراز ہیں کہ ''بعد اوس کے اپنے وطن میں آیا اور بیمار ہو گیا اور مدت تک بیمار رہا۔'' اس ''مدت'' کو اگرچہ چند ماہ ہی سمجھ لیا جائے تو اس سے یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ خط ۱۸۵۱ء میں لکھا گیا اور یہ موسم گرما کے کسی مہینے میں تحریر کیا گیا، کیونکہ جب سید محمد تقی صاحب نے انھیں لکھنؤ بلایا، تو وہ جانے پر راضی نہ تھے، لیکن موسم سرما میں وہ صرف ان سے ملاقات کے لیے لکھنؤ جانے کا ارادہ رکھتے تھے، چنانچہ وہ خط لکھتے ہیں کہ ''شاید سردی کے موسم فقط ملاقات کے واسطے جاؤں۔''

اسی خط میں مکتوب نگار رقمطراز ہے کہ ''شاید ایک یا دو مہینے کے خاکسار بھی دہلی میں جائے گا'' مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو اس سے اگلا خط ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو تحریر کیا اور اس میں لکھا ہے کہ انھیں دہلی میں آئے ہوئے ایک ماہ گذر چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برکت علی کم از کم ستمبر ۱۸۵۱ء کے پہلے ہفتے میں اپنے وطن سے دہلی پہنچے۔ موجودہ خط کے حوالے سے وہ اس خط کی تاریخ تحریر سے ایک یا دو مہینے بعد دہلی جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مکتوب نگار نے اشپرینگر کو یہ خط جولائی ۱۸۵۱ء کو تحریر کیا۔ ان دنوں اشپرینگر کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کا پرنسپل تھا اور اسے

Marfat.com

یہاں آئے ہوئے تقریباً ایک سال گذر چکا تھا۔

۲۔ ممتاز العلماء سید محمد تقی (م۔۱۸۷۲ء) اس مدرسہ میں صدر مدرس تھے، جہاں برکت علی معلم عربی کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ قیام لکھنؤ کے زمانے میں وہ اشپرینگر کے قریبی احباب میں شامل تھے۔ ان کے تفصیلی حالات زندگی سابقہ سطور میں بیان ہو چکے ہیں۔ (رک: مکتوب ۳، تشریحات، شمارہ ۱۰)۔

سید محمد تقی کے سوانح نگاروں نے ان کے علمی کمالات کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا ہے، لیکن کہیں یہ نہیں لکھا کہ انہیں قیمتی جواہرات جمع کرنے کا بھی شوق تھا، البتہ ان کے والد بزرگوار سید العلماء حسین (م۔۱۸۵۶ء) کے متعلق یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ بڑے صاحب نظر جوہری تھے اور اس ضمن میں یہ واقعہ بھی مشہور ہے کہ ایک بار لکھنؤ میں کوئی شخص موتی فروخت کرنے آیا۔ ان سے بھی ملا اور انہیں کچھ موتی دکھائے۔ آپ نے پانی طلب کیا اور اس میں یہ موتی ڈالنے لگے۔ جوہر فروش گھبرا گیا اور چلنے لگا۔ آپ نے یہ کہہ کر اسے جانے کی اجازت دے دی کہ آئندہ اس شہر کا رخ نہ کرنا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے مصری کے موتی بنائے ہوئے تھے۔ (رک: مطلع انوار، ص ۱۹۶)۔ ممکن ہے، علمی دولت کے ساتھ ساتھ، نادر و نایاب جواہرات جمع کرنے کا شوق بھی انہیں اپنے والد سے ورثہ میں ملا ہو۔

۳۔ یہ صاحب لکھنؤ میں کسی بڑے عہدے پر فائز تھے اور اس دور کے ریذیڈنٹ سلیمن کے بہت قریب تھے۔ ایک بار واجد علی شاہ اختر نے ریذیڈنٹ کو بلایا، لیکن وہ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکا اور اس نے اپنی جگہ بسک کو بھیج دیا۔ یہ بسک ہی تھا جس کے مشورہ پر اختر نے اپنے تیسرے بیٹے حامد علی خاں کیواں قدر کو خلعت ولی عہدی اور نویں بیٹے ہزبر علی خاں فریدوں قدر کو خلعت جرنیلی عنایت کی۔ (رک: تاریخ اودھ از نجم الغنی رامپوری ۵:۱۷۹)

برکت علی اور نجم الغنی نے ''بسک'' ہی لکھا ہے، ممکن ہے یہ لفٹنٹ ایڈورڈ ای ایچ پاسک Lt. E. H. Paske ہو۔ ولیم آرنلڈ نے ۱۸۵۵ء میں رخصت لی اور اس کی جگہ پاسک کو قائم مقام ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن مقرر کیا گیا۔ وہ پنجاب میں انسپکٹر آف سکولز کے عہدے پر بھی فائز رہا۔ ۱۹ اگست ۱۸۵۹ء کو اس نے تعلیم سے متعلق ایک یادداشت بھی پیش کی۔ رک:

Selections from Educational Records, pt. II (1840-1859). By J. A. Richey, Calcutta 1922, p. 283.

۴۔ مولوی برکت علی ''اخلاق جلالی'' اور ''اخلاق ناصری'' کے مفید حصوں پر مشتمل ایک مختصر اور عام فہم

Marfat.com

کتاب اردو میں لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ یہ کتاب مکمل ہوئی یا نہیں اور اگر مکمل ہوئی تو کیا یہ اشاعت پذیر بھی ہوئی یا نہیں۔ ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ گارسیں دتاسی نے اپنے خطبات (مطبوعہ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء) اور ''تاریخ'' (۳: ۲۷۷-۲۷۴) میں اس دور کی سیکڑوں اردو کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، لیکن ان میں برکت علی کی اس کتاب کا ذکر موجود نہیں۔ محمد عتیق صدیقی کی کتاب ''صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء'' میں بھی برکت علی کی کسی کتاب کا نام نہیں دیا گیا، البتہ اس میں ''اخلاق جلالی'' کے ایک اردو ترجمے کا حوالہ ضرور دیا گیا ہے، جو دہلی کالج کے مطبع العلوم میں ۱۸۵۲ء تک زیر طبع تھا (ص ۱۸۹-۱۹۱) اور ۱۸۵۳ء کی فہرست مطبوعات میں شامل ہے (ص ۱۹۲)۔

۵۔ اشپرینگر نے اپنے قیام لکھنؤ (مارچ ۱۸۴۸ء-۳۱ دسمبر ۱۸۴۹ء) کے دوران میں بعض اہم شیعی مصادر کو چھاپنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان میں کچھ کتابیں تو اسے شاہان اودھ کے کتاب خانوں سے دستیاب ہوگئیں اور بقیہ کتابیں یا ان کے مستند قلمی نسخے لکھنؤ کے بعض اہل علم اصحاب نے اس کی نذر کر دیئے۔ نجاشی کی ''اسماء الرجال'' کے شروع میں اشپرینگر نے جو دیباچہ لکھا ہے، اس میں یہ وضاحت کر دی ہے کہ اس کتاب کے متن کی تدوین ۱۸۴۸ء میں شروع ہوئی، لیکن دو قدیم اور معتبر نسخوں کی فراہمی کے سبب اسے فوراً شائع نہ کیا جا سکا۔ لکھنؤ سے جاتے ہوئے اپنے اس ادھورے کام اور قلمی نسخوں کو اشپرینگر اپنے ساتھ لے گیا۔ کلکتہ میں بیٹھ کر اس نے ان کے متون ترتیب دیئے اور یہ تمام وہیں سے طبع ہوئے۔ اس خط کے سنۂ تحریر یعنی ۱۸۵۱ء تک ان میں سے کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ برکت علی کے علم میں یہ بات تھی کہ اشپرینگر ان قابل استناد شیعی مآخذ کو چھپوانا چاہتا ہے اور لکھنؤ میں خود بھی ایسے کاموں میں اشپرینگر کی معاونت کرتے رہتے تھے، اس لیے وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ اشپرینگر نے کلکتہ پہنچنے کے بعد ان میں سے کوئی کتاب شائع کرائی یا نہیں۔ برکت علی نے اپنے اس خط میں ''فہرست طوسی'' کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۸۵۳ء میں طبع ہوئی۔ ان شیعی مصادر اور ان کے قلمی نسخوں کے تفصیلی ذکر کے لیے رک: بذیل ذکر علی اکبر سونی پتی، مکتوب ۴، تشریحات ۴۔

۶۔ برکت علی کے قائم کردہ اس پریس کا کیا نام تھا اور اس کے حصہ دار کون تھے۔ یہ پریس کب تک چلتا رہا اور یہاں سے کون کون سی کتابیں شائع ہوئیں؟ ان باتوں کا ذکر نہ تو مکتوب نگار نے اپنے کسی خط میں کیا ہے اور نہ گارسیں دتاسی اور محمد عتیق صدیقی نے اپنی متذکرۂ بالا کتب میں اس کا حوالہ دیا ہے۔

۷۔ مولوی خدا بخش دہلی کالج کے طالب علم تھے۔ جنوری ۱۸۵۰ء میں وہ کوہ کسولی کے متصل سکول لارنس

Marfat.com

صاحب میں مدرس فارسی تھے۔ (رک: سطور آئندہ)

۱۔ سید برکت علی لکھنؤ کے سرکاری مدرسہ میں ملازم تھے، لیکن وہ یہاں خوش نہیں تھے اور چاہتے تھے کہ انھیں دہلی کالج یا کسی اور درس گاہ میں ملازمت مل جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ بار بار اشپرینگر کو خط لکھتے رہتے اور اس سے سفارشیں کراتے رہتے۔ ۱۸۵۰ء میں انھوں نے رخصت لی اور اپنے وطن چلے آئے۔ تقریباً ایک سال وہ لکھنؤ نہ جا سکے۔ اس دوران میں صدر مدرس سید محمد تقی انہیں بلاتے رہے، لیکن وہ ان کے بلانے پر بھی نہ گئے۔ درحقیقت انہیں لکھنؤ کی ملازمت ناپسند تھی اور وہ کسی اور مدرسے میں ملازمت کی تلاش میں تھے۔ ان کی یہ تلاش کامیاب رہی یا نہیں؟ اس سلسلے میں اشپرینگر کی سفارشی چٹھیاں کہاں تک ان کے کام آئیں اور وہ اپنی پرانی ملازمت پر لکھنؤ گئے یا نہیں؟ ان سوالوں کا فی الحال کوئی جواب نہیں دیا جا سکتا۔

۱۰

''غریب پرور خداوند نعمت! سلامت (۱)

قبل اس کے کہ ایک عرضی مع خط جناب مولوی سید محمد تقی صاحب کے حضور کی خدمت میں روانہ کی۔ اغلب ہے کہ ملاحظہ سے گذری ہوگی، لیکن معلوم نہیں کہ کوئی چٹھی در جواب خرید یاقوت کے حضور نے لکھنؤ کو روانہ فرمائی یا نہیں (۲)۔

عرصہ ایک مہینے کے لیے یہ خاکسار دلی میں آیا ہے اور حضور کے واسطے تلاش کتب چند جگہ کی ہے۔ اور ٹیلر صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ حضور کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کا خریدنا چاہتے ہیں لیکن میری رائے میں تمام کتب خانہ کا خریدنا مناسب نہیں اور اس میں نقصان ہوگا۔ اس واسطے کہ قیمت بہت مانگتے ہیں، بلکہ جو کتابیں کہ مطلوب ہوں، اون کو خرید فرماویں۔ پس اس باب میں جو رائے ہو، حکم فرماویں (۲)۔

اور ایک جگہ کچھ اور بھی کتابیں معرض بیع میں ہیں، لیکن مالک اون کا اس وقت موجود نہیں۔ ایک مہینے میں آوے گا۔ بروقت آنے کے اغلب ہے کہ کچھ کتابیں قابل حضور کے ملیں گی۔

اور کتاب ''مصابیح'' حدیث کی بخط عرب پرانی چار روپے کو میں نے خرید لی ہے۔ اگر حضور کو مطلوب ہو، روانہ کی جائے اور نہیں تو یہ خاکسار اپنے واسطے رکھے گا۔

اور آج، ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی مملوک العلی صاحب بعارضہ بخار مر گئے، تو عہدہ [illegible] ہے۔ ایک مدرس اس مدرسہ میں مقرر ہوگا۔ اگر کوئی شخص اور اون کے قائم مقام ہوگا تو ایک عہدہ نیچے کا خالی [illegible] اور جتنے حضور

Marfat.com

کے متوسل ہیں، سب نوکر ہو گئے اور یہ خاکسار امیدوار حضور کی پرورش کا ہے اور میں مدت سے چاہتا ہوں کہ دہلی میں مجکو نوکری ملے۔ اب بحسب اتفاق ایک عہدہ خالی ہوا ہے۔ اب وقت ہے کہ حضور میری پرورش کریں اور جس طرح سے مناسب ہو، میرے واسطے سفارش فرماویں (۵) اور ایک چٹھی پرنسپل کارگل صاحب بہادر کے نام تحریر فرماویں۔ اور اگر اب حضور میرے واسطے کوشش نہ فرمائیں گے تو مجکو بہت شکایت ہوگی۔ اور یہ حضور پر روشن ہے کہ اگر میں دہلی میں رہوں گا تو خرید کتب اور بجا آوری خدمات حضور میں ہر وقت مصروف رہوں گا۔ اور حضور نے وعدہ بھی فرمایا تھا کہ تیرے واسطے کلکتہ میں جا کے کوئی عہدہ تجویز کیا جائے گا (۶)۔ یہ وقت پرورش کا ہے اور جلد بدون توقف میرے واسطے سعی فرماویں اور در صورت توقف بہت سے اہل غرض اس عہدہ کے واسطے کوشش کریں گے۔ اور جواب اس عرضی کا دہلی میں مولوی جعفر علی صاحب کے پاس روانہ فرماویں۔ فقط۔ آفتاب دولت و اقبال تابان باد۔

عرضے

برکت علی

از مقام دہلی، ۷ اکتوبر

اور حضور میری لیاقت کو جانتے ہیں اور لکھنؤ میں ایک مدت میں نے طالب علم مدرس اول کے تعلیم کیا اور بعد اون کے موقوف ہونے کے قائم مقام مدرسؔ اول ہوا اور سارٹی فکٹ کلنٹ صاحب کا بھی میرے پاس ہے۔ جس طرح سے حضور فرماویں، میں درخواست کروں۔ اور کوئی سوائے حضور کے میرے واسطے کوشش نہ کرے گا۔''

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار نے خط کے آخر میں اپنے نام کے ساتھ مقام تحریر (دہلی) اور تاریخ تحریر (۷ اکتوبر) تو لکھ دی ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ موجودہ خط کا سنہ تحریر کیا ہے، لیکن اس کا تعین اس جملے سے بآسانی ہو جاتا ہے کہ ''آج ۷ تاریخ اکتوبر کو مولوی مملوک العلی صاحب بعارضہ بخار مر گئے۔'' مولوی صاحب کے فرزند مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے ''سوانح محمد قاسم نانوتوی'' میں اپنے والد کا سنہ وفات ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء لکھا ہے۔ (بحوالہ سوانح قاسمی ۱: ۲۹) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زیر نظر خط ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو لکھا گیا۔

۲۔ اشپرینگر کو اطلاع ملی کہ کلکتہ میں کسی کے پاس یاقوت ہے اور وہ اسے فروخت کرنا چاہتا ہے۔ وہ خود ایسے قیمتی پتھروں کو جمع کرنے کا شوقین نہیں تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ سید محمد تقی خاندانی طور پر جوہر شناس

Marfat.com

ہیں، اس لیے اس نے فوراً سید صاحب کو یاقوت کی خبر دی۔ وہ اسے خریدنے پر آمادہ ہو گئے اور رقم بھی کلکتہ بھجوا دی۔ وہ یاقوت کو جلد حاصل کرنا چاہتے تھے، لیکن اشپرینگر کسی وجہ سے فوری طور پر اسے ارسال نہ کر سکا۔ انھوں نے دو تین خط اشپرینگر کو لکھے، لیکن انھیں نہ جواب ملا اور نہ یاقوت۔ چنانچہ انھوں نے برکت علی کو بھی خط لکھے تاکہ ان کے ذریعے اصل حقیقت حال کا علم ہو سکے۔ برکت علی بھی اشپرینگر کو یاد دہانی کراتے رہے۔

۳۔ نواب محمد میر خاں دہلی کے علم دوست رئیسوں میں سے تھے۔ وہ ۱۳ جنوری ۱۸۴۸ء کو فوت ہوئے۔ نواب صاحب نے اپنے پیچھے بہت سی جائداد چھوڑی۔ ان کے اثاثوں میں نادر اور قیمتی کتابوں کا ایک ذخیرہ بھی تھا۔ چند برس نواب صاحب کے لواحقین کے مابین ملکیت کے جھگڑے چلتے رہے اور یہ کتاب خانہ بھی انھی تنازعوں کا شکار رہا۔ اشپرینگر اس کتاب خانے کے نوادرات سے واقف تھا اور وہ اسے خریدنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ برکت علی کے علاوہ اشپرینگر کے ایک اور مکتوب نگار منشی اشرف علی بھی اسے ۱۸۵۱ء ہی میں نواب صاحب کے کتب خانے کی یوں اطلاع دیتے ہیں ''اور در بینولا نواب محمد میر خان کے ہاں تقسیم مال کا فساد برپا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ اب اون کے ہاں کتابیں شاید بکیں۔'' اشپرینگر کے نجی کاغذات سے یہ پتا نہیں چلتا کہ نواب صاحب کا یہ کتاب خانہ فروخت ہوا یا نہیں اور اشپرینگر اپنی پسند کے مخطوطات خرید سکا یا نہیں۔ تفصیل کے لیے رک: بذیل منشی اشرف علی، مکتوب ۴، تشریحات، شمارہ ۷۔

۴۔ احادیث کا مجموعہ، جسے حسین بن مسعود البغوی (م۔ ۵۱۶ھ/۱۱۲۲ء) نے جمع کیا۔ اشپرینگر نے ''مصابیح'' کا یہ نسخہ خرید لیا۔ یہ قدیم مخطوطہ ہے اور اس کے صفحات کی تعداد ۵۳۶ ہے (بحوالہ فہرست اشپرینگر، ص ۲۵ شمارہ ۵۲۲)۔ بحوالہ اہلوارٹ اس کے اوراق ۲۷۳ ہیں۔ متعدد صفحات کرم خوردہ ہیں اور جا بجا حواشی بھی دیئے گئے ہیں۔ سنہ کتابت قریب ۱۰۰۰ھ/۱۵۹۱ء ہے (۲:۱۱۵)۔

۵۔ مولوی برکت علی مدرسہ لکھنؤ میں اپنی ملازمت سے غیر مطمئن تھے اور وہ مسلسل اشپرینگر کو لکھتے رہتے۔ انہیں کسی نہ کسی طرح دہلی کالج میں کوئی عہدہ مل جائے۔ وہ دہلی آنے کے لیے اتنے مضطرب تھے۔ جس روز مولانا مملوک العلی کا انتقال ہوا، انھوں نے اسی دن اشپرینگر کو خط لکھا اور ایک دن بھی انتظار نہ کیا۔ وہ اس بات سے بھی شاکی نظر آتے ہیں کہ اشپرینگر کے تمام متوسلین مختلف درس گاہوں میں ملازم ہو گئے ہیں اور اب صرف وہی اکیلے رہ گئے ہیں جنھیں ابھی تک کوئی مناسب ملازمت نہیں مل سکی۔ برکت علی نے دہلی کالج میں ملازمت کے لیے جو جتن کیے، ان کی تفصیل سابقہ خطوط میں درج

Marfat.com

ہے۔ ان کی یہ تمام کوششیں سودمند ثابت نہ ہوسکیں اور انھیں شعبہ عربی یا فارسی کا کوئی عہدہ نہ مل سکا۔

۶۔ اشپرینگر نے کلکتہ جانے سے پہلے ایسا وعدہ ضرور کیا ہوگا، لیکن وہاں پہنچتے ہی وہ ایسے انتظامی اور تدریسی مسائل میں گھر گیا کہ وہ برکت علی کے لیے ملازمت کا فوری بندوبست نہ کرسکا۔ اسے مدرسہ عالیہ میں سب سے پہلے جو عہدہ خالی نظر آیا، وہ عہدۂ امینی تھا، جس پر حافظ احمد کبیر فائز تھے، لیکن ۱۸۵۱ء کے شروع میں حافظ صاحب کا انتقال ہوگیا اور اس وقت یہ عہدہ خالی تھا۔ اشپرینگر کی خواہش تھی کہ مولانا مملوک العلی یہ عہدہ قبول کرلیں لیکن وہ بعض نجی وجوہ کے باعث دہلی چھوڑ کر کلکتہ نہ جا سکے۔ بالآخر مولانا سدیدالدین خاں کو یہ عہدہ تفویض ہوا۔ اشپرینگر جتنی دیر اس مدرسہ کا سربراہ رہا، وہ برکت علی کے لیے کچھ نہ کرسکا اور یوں اس کا وعدہ پورا ہونے سے رہ گیا۔

۱۱

غریب پرور خداوند نعمت فیاضان سلامت (۱)

قبل اس کے ایک عرضی روانہ خدمت حضور کے کی ہے۔ اب حال یہ ہے کہ بعد مر جانے مولوی مملوک العلی صاحب کے جلد کمیٹی ہوئی اور مولوی سید محمد بجائے مولوی مملوک العلی کے مقرر ہوئے، لیکن مولوی سید محمد کے عہدہ پر تنازع ہوا۔ مولوی حسن علی خان نے کہا میرا حق ہے اور سبحان بخش نے کہا میرا حق ہے اور مفتی صدرالدین اور سید محمد وغیرہ نے یہ چاہا کہ کوئی عہدہ اگر محمد یعقوب بیٹے مملوک العلی کو مل جائے تو اچھا ہے (۲)۔ پس یہ حکم ہوا کہ یہ تینوں شخص امتحان دیں۔ اور چونکہ استعداد محمد یعقوب کی اچھی نہ تھی تو مفتی صاحب اور سید محمد صاحب نے بپاس خاطر محمد یعقوب کے سوال بہت آسان کتابوں کے کئے کہ جس کو مبتدی اور چھوٹے لڑکے بتا سکیں، مثل منتخبات عربیہ اور شرح ملا اور قطبی کے۔ چنانچہ وہ سوالات واسطے دریافت نمبر کے حضور کی خدمت میں روانہ کئے گئے اور اس خاکسار نے بھی عرضی درخواست اس عہدہ کی وقت جلوس کمیٹی بھیج دی تھی، لیکن قبل درخواست کے کوئی ملاقات کارگل صاحب بہادر سے میں نے نہ کی تھی اور کارگل صاحب میری لیاقت سے آگاہ نہ تھے۔ اوس وقت یہ حکم ہوا کہ باہر کے آدمی کی درخواست ہم لینا نہیں چاہتے اور اب فقط ان تین شخصوں کا امتحان لیا جائے گا لیکن بعد کمیٹی کے میں نے کارگل صاحب سے ملاقات کی اور اپنا حال بیان کیا۔ کارگل صاحب بہادر میری ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور جب میں نے استحقاق دلائل سے بیان کیا تو اوس کو مانا اور فرمایا کہ اب تو صاحبان کمیٹی ان تین شخصوں کے امتحان کے واسطے حکم دے چکے ہیں۔ البتہ اگر حسن علی خان کا عہدہ خالی ہوگا تو تم اوس کی جگہ پا سکتے ہو۔ اس واسطے کہ محمد یعقوب فارسی بالکل نہیں جانتا اور یہ نہیں ہوسکتا

Marfat.com

کہ جو بالکل فارسی نہ جانتا ہواوس کو مدرس فارسی کا کیا جائے۔فقط۔

اب حضور سے عرض یہ ہے کہ اگر حسن علی خان، مولوی سید محمد یا سبحان بخش کی جگہ پر ہوگا تو حضور کی عنایت سے مجکو امید قوی ہے کہ حسن علی خان کی جگہ پر میں مقرر ہوں۔اس واسطے کہ محمد یعقوب نے اگر چہ عربی میں کچھ پڑھا ہے لیکن فارسی بالکل نہیں جانتا اور حضور از روئے منصفی کے خیال فرماویں کہ عہدہ مدرسی کا اوس شخص کو ملنا چاہیے کہ جو لیاقت رکھتا ہو اور طلبہ کو بخوبی تعلیم کرے اور اسی واسطے جب کسی مدرسہ میں کوئی عہدہ خالی ہوتا ہے تو اوس کا اشتہار دیا جاتا اور صاحبان درخواست کا امتحان لیا جاتا ہے۔جو شخص امتحان میں اچھا نکلتا ہے اوس کو وہ عہدہ ملتا ہے چنانچہ حضور نے بھی کئی دفعہ امتحان لیا اور مولوی سدید الدین خان اور ابو محسن اور مولوی علی اکبر کو مقرر فرمایا (۲) اور نہیں تو جو مدرس کہ آگرہ میں تھے اون کو وہ عہدہ ملتا۔پس اس لحاظ سے چاہیے تھا کہ صاحبان کمیٹی عہدہ دوم کے واسطے میرا بھی امتحان لیتے۔اگر میں اچھا نکلتا تو مجکو مقرر کرتے،خصوصاً مدرسہ دہلی میں کہ میرا حق اس مدرسہ میں ہے کہ میں نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی۔اور اگر صاحبان کمیٹی کو محمد یعقوب کی پرورش منظور ہو تو اوس کی پرورش ہو سکتی ہے کہ اوس کی بیس روپیہ تنخواہ اسکالری میں مقرر فرماویں۔اس واسطے کہ ابھی محمد یعقوب آٹھ نو مہینے سے اسکالروں میں نوکر ہوا اور نو روپیہ اوس کے واسطے مقرر ہوئے ہیں۔وہ بھی بپاس خاطر مولوی مملوک العلی صاحب کے اور جب محمد یعقوب مدرسہ میں اچھی استعداد حاصل کر چکے تو صاحبان کمیٹی اوس کو کوئی عہدہ دے سکتے ہیں۔پس اگر چہ حضور پر روشن ہے کہ یہ خاکسار قابل اس کے تھا کہ مولوی سید محمد کی جگہ مقرر ہوتا لیکن چونکہ مجکو بہت پسند ہے کہ میں دہلی میں رہوں،اس واسطے آرزو کرتا ہوں کہ اگر حضور کی عنایت سے مولوی حسن علی خان کی جگہ بھی مقرر ہو جاؤں تو بہت غنیمت ہے اور مجکو حضور کی عنایت سے توقع قوی ہے کہ اس باب میں حسب مقدور حضور میرے واسطے کوشش فرماویں گے اور جو تجویز میرے واسطے مناسب ہوگی وہ لکھیں گے۔فقط۔

اور ایک خط جناب سید محمد تقی صاحب کا میرے پاس پہنچا۔اوس میں لکھا تھا کہ صاحب بہادر نے اب تک کوئی عنایت نامہ ہمارے پاس نہیں بھیجا اور نہ در باب یاقوت کچھ تحریر فرمایا۔پس حضور سے امید ہے کہ ایک خط در جواب خط مولوی سید محمد تقی صاحب کے تحریر فرماویں اور اگر یاقوت ملا ہو روانہ فرماویں۔(۳) فقط۔

اگر چہ حضور کو میری عرضی کے مطالعہ سے تکلیف ہوتی ہوگی لیکن چونکہ میں آپ کو اپنا محسن جانتا ہوں تو جو جی میں آتا ہے خدمت عالی میں گذارش کرتا ہوں۔اور امیدوار ہوں کہ جواب میری عرضی کا مولوی جعفر علی صاحب کے پاس پہنچے۔فقط۔

اور اگر اس مدرسہ میں یہ خاکسار مقرر ہوگا تو اس میں یہ بھی فائدہ متصور ہے کہ جو شہر کے مبتدی شیعوں

Marfat.com

کے ہوں گے، اون کو بھی تعلیم کروں گا۔ اس واسطے کہ مولوی جعفر علی صاحب شیعہ مذہب تمام مدرسہ میں ایک ہیں اور جو مبتدی شیعہ آتے ہیں تو مشکل ہوتی ہے۔ اور مدرس شاستری بھی دو ہیں اور سنّی بھی کئی ہیں لیکن شیعہ ایک ہے اور یہ خاکسار سنّی لڑکوں کو اور شیعہ کو انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی اور باخلاق تمام تعلیم کرے گا (۵)۔ فقط۔

اور ایک جگہ شرح جامع صغیر بخط عرب معرض بیع میں ہے۔ اگر حضور کو خریدنا منظور ہو تحریر فرماویں (۶) اور واسطے کتب خانہ نواب محمد میر خان صاحب کے بھی جو منظور ہو لکھیں۔

عرضی

برکت علی''

تشریحات:

۱۔ سابقہ خط تو اسی دن لکھا گیا، جس دن مولانا مملوک العلی نانوتوی نے وفات پائی (یعنی ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء)۔ موجودہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن اس کے مندرجات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ پچھلے خط کے کچھ روز بعد تحریر کیا گیا۔ مکتوب نگار نے جس خالی عہدے پر امیدواروں کے مابین تنازعہ کا ذکر کیا ہے، اس کی کچھ تفصیلات اشپرینگر کے ایک نوجوان رفیق کار مولوی سید علی اکبر کے ایک خط میں بھی بیان ہوئی ہیں (رک: بذیل مکتوبات علی اکبر، خط نمبر ۸)۔ علی اکبر کا یہ خط ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کا مرقومہ ہے اور اس میں صرف مولوی حسن علی خاں اور مولوی سبحان بخش شکارپوری کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی کو یہ عہدہ دلانے کے لیے جن کوششوں کا اس خط میں حوالہ دیا گیا ہے، وہ علی اکبر کے خط میں موجود نہیں۔ ممکن ہے، اس عہدہ کے امیدواروں میں مولانا محمد یعقوب کا نام علی اکبر کے اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد شامل ہوا ہو۔ اس صورت میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ مولوی برکت علی نے اشپرینگر کو یہ خط ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد تحریر کیا، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خط اکتوبر ہی میں لکھا گیا۔

۲۔ اس خط میں جن لوگوں کے نام آئے ہیں، ان کے مفصل حالات زندگی مکتوبات علی اکبر کے تحت دیئے جا چکے ہیں۔ یہی مکتوب تشریحات ۱۶ (برائے مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی) اور مکتوب ۸ تشریحات ۷ (برائے حسن علی خاں)۔ مولوی سبحان بخش کے سوانح حیات ان کے خط بنام اشپرینگر سمیت آئندہ سطور میں دیئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ اس خط سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی ابتدائی زندگی سے متعلق جو نئے پہلو سامنے آئے ہیں، ان کا تفصیلی ذکر سید برکت علی کے حالات زندگی کے تحت ہو چکا ہے۔

Marfat.com

۳۔ ان تین مدرسین میں سے مولوی سدید الدین خاں اور مولوی علی اکبر کے مکاتیب ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہیں اور انہیں مفصل حواشی کے ساتھ سابقہ سطور میں شائع کیا جا چکا ہے۔ ان میں صرف ابو محسن ہی ایک ایسے شخص ہیں، جن کی کوئی تحریر اس ذخیرہ میں موجود نہیں۔ موجودہ خط سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں اصحاب کو اشپرینگر کی سفارش اور اعلیٰ مرتبہ کی وجہ سے ملازمت حاصل ہوئی۔ چونکہ ان میں سے دو اصحاب یعنی سدید الدین خاں اور علی اکبر کو آگرہ کالج کے شعبہ عربی میں عہدے تفویض ہوئے، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابو محسن کو بھی اسی کالج کے عربی شعبہ میں کوئی عہدہ ملا ہوگا۔

۴۔ سابقہ دو خطوں میں بھی یاقوت کا ذکر موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر رقم ملنے کے باوجود سید محمد تقی صاحب کو یاقوت نہ بھجوا سکا اور سید صاحب کو اس تاخیر سے تشویش لاحق تھی۔ ان کی فکرمندی بجا تھی کیونکہ اشپرینگر نے رقم کی وصولی کے بعد کوئی ایسی اطلاع نہیں دی جس سے انھیں یہ اندازہ ہوتا کہ یاقوت کب تک ان کے پاس پہنچے گا۔ اشپرینگر خطوں کے جواب بھجوانے میں دیر نہیں کیا کرتا تھا، لیکن معلوم نہیں اس مسئلے میں وہ اتنی دیر تک کیوں خاموش رہا اور سید صاحب کے متعدد خطوط اور برکت علی کی یاددہانیوں کے باوجود وہ انھیں فی الفور مطلع نہ کر سکا۔ برکت علی کے کسی اور خط یا اشپرینگر کے نجی کاغذات اور دیگر دستاویزات سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ سید صاحب کو مطلوبہ یاقوت ملا یا نہیں۔

۵۔ ابتدا میں دہلی کالج میں سنی اور شیعہ طلبہ کی تعلیم کا علیحدہ انتظام نہیں تھا، بلکہ تمام طلبہ بلا تخصیص مسلک ایک ہی جماعت میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ نواب حامد علی خاں کے پُرزور مطالبہ پر ارباب اقتدار کو اس کالج میں ایک ''شیعہ ٹیچر'' کی اسامی نکالنا پڑی اور ۱۸۴۱ء میں اس عہدے پر قاری جعفر علی جارچوی کا تقرر ہوا (تفصیل کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، بحوالہ بالا)۔ موجودہ خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاری صاحب بڑی جماعتوں کے طلبہ کو پڑھاتے تھے اور شیعہ مسلک کے مبتدیوں کی تدریس کا یہاں کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ مولوی برکت علی کا خیال تھا کہ اگر انھیں دہلی کالج میں کوئی عہدہ مل گیا تو وہ ایسے مبتدیوں کو بھی ان کے عقائد کے مطابق پڑھا سکیں گے لیکن عہدے کے حصول کے لیے ان کی یہ دلیل بھی کارگر ثابت نہ ہو سکی۔ شاید کالج کی مجلس انتظامیہ ایک سے زیادہ شیعہ استاد ملازم رکھنے پر رضامند نہ تھی۔

۶۔ ''الجامع الصغیر'' کے مؤلف جلال الدین السیوطی ہیں اور انھوں نے اس کتاب میں احادیث کو زمانی ترتیب کے مطابق جمع کیا ہے۔ اشپرینگر کے پاس اس کا ایک کامل نسخہ تھا اور دوسرے نسخے میں اس

Marfat.com

کے طویل اقتباسات دیئے گئے تھے۔ان کے علاوہ اس کے کتاب خانے میں اس کتاب کا ایک ذیل بعنوان ''الزیادۃ'' بھی موجود تھا۔تعداد صفحات ۳۵۶۔رک: فہرست اشپرینگر ص ۳۶،شمارہ ۵۳۹-۵۴۱۔''الزیادۃ'' کا سنہ کتابت ۱۰۰۵ھ/ ۱۵۹۶ء ہے (بحوالہ اہلوارٹ ۲: ۱۶۵)۔مکتوب نگار نے ''جامع الصغیر'' کی جس شرح کا ذکر ہے، ممکن ہے، وہ یہی ''الزیادۃ'' ہو، کیونکہ ''شرح جامع صغیر'' کے نام کی کوئی کتاب اس وقت برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں موجود نہیں۔

۱۲

''غریب پرور قدردان فیضان رساں سلامت!

لکھنؤ کے خط سے معلوم ہوا (۱) کہ حضور ملک شام سے کلکتہ تشریف لائے (۲)۔دریافت اس مژدہ سے کمال خوشی ہوئی۔خدا تعالیٰ حضور کو سلامت رکھے۔اور کمترین کو ملاقات سے مشرف کرے۔

اب میں دو امر کا امیدوار ہوں۔ایک تو یہ کہ حضور حال اپنی صحت مزاج کا اور صاحبزادوں کی صحت مزاج کا اور وطن میں جانے کہ جرمنی میں بھی تشریف لے گئے کہ نہیں، تحریر فرماویں۔اور یہ بھی ارشاد ہو کہ اب کلکتہ میں رہنا ہوگا یا ارادہ کسی اور جگہ کا یا خبر تبدیلی اور ترقی کی ہے کہ نہیں۔اور دوسری یہ کہ جو کتابیں حضور ملک شام سے لائے ہیں، اون کی فہرست مرحمت ہو اور اگر حضور نے فہرست اون کی سید تقی صاحب کے پاس لکھنؤ روانہ کی ہو تو بھیجنا فہرست کا کمترین کے پاس چنداں ضروری نہیں۔فقط۔

اور اگر کوئی کتاب حضور کو مطلوب ہو تو کمترین کے پاس فہرست کتب مطلوبہ کی ارسال فرماویں۔ اس واسطے کہ لاہور میں بھی ایران اور کشمیر سے کبھی کبھی کتاب اچھی مل جاتی ہے اور اگر کوئی اور خدمت جو کمترین کے لائق ہو بلا تکلف حکم کریں کہ کمترین اوس کی بجا آوری میں کوشش کرے گا۔

اور کمترین فضل خدا سے بہت خوش ہے اور عہدہ مدرس اول مدرسہ لاہور پر ممتاز ہے۔اب اس جگہ آرنلڈ صاحب بہادر (۳) ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم حاکم مدارس ہیں اور کارمکتب قریات بھی اونہیں سے متعلق ہے لیکن یہ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک پنجاب ہیں اور ریڈ صاحب ڈائرکٹر اضلاع مغربی اور آرنلڈ صاحب بہادر ابھی چند ماہ سے ملک پنجاب میں مقرر ہوئے۔کمترین کو سابق میں یہ بھی امید تھی کہ حضور ڈائرکٹر ممالک پنجاب ہوں کہ ممالک پنجاب بہ نسبت بنگالہ کے بہت سرد ہے لیکن ہماری کم قسمتی سے حضور اس ملک میں مقرر نہ ہوئے۔فقط۔

اگر جواب اس عرضی کا تحریر فرماویں، لفافہ پر یہ نشان لکھیں۔لاہور میں پاس سید برکت علی مدرس

Marfat.com

اول مدرسہ تعلیم المعلمین (۴) کے پہنچے۔ فقط۔

عرضے

کمترین سید برکت علی، مدرس اول مدرسہ لاہور

کہ درزمان سابق مدرس مدرسہ لکھنؤ بود

مورخہ ۲۲ فروری ۱۸۵۶ء"

تشریحات:

۱۔ مکتوب نگار کو اشپرینگر کے کلکتہ واپس پہنچنے کی خبر لکھنؤ سے ملی اور ظاہر ہے، انھیں یہ اطلاع دینے والا سید محمد تقی کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔

۲۔ اشپرینگر نے اپنے قیام ہندوستان کے دوران میں تقریباً دو سال مشرق وسطیٰ کے مختلف ممالک کی سیاحت کی۔ اس طویل سفر کا ایک مقصد تو ان ممالک کی مجموعی صورت حال کا جائزہ لینا تھا اور دوسرا مقصد اہم مخطوطات کی تلاش تھا۔ اس کا یہ دورہ خاصا کامیاب رہا اور اس نے ان ممالک سے بہت سے قلمی نسخے جمع کر لیے۔ وہ یہ خطی نسخے اپنے ساتھ ہندوستان نہیں لایا، بلکہ اس نے اپنے دورے کے اختتام پر انھیں بڑے بڑے صندوقوں میں بند کر کے وہیں سے جرمنی بھجوا دیا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو پہلے ہی جرمنی بھیج چکا تھا۔ اب اس کے واپس ہندوستان آنے کا ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ اس نے یہاں سے جو قلمی نسخے اور مطبوعہ کتابیں جمع کی تھیں، انھیں وہ حفاظت سے جرمنی بھجوا سکے۔ وہ غالباً جنوری ۱۸۵۶ء میں واپس کلکتہ پہنچا اور اسی سال یورپ چلا گیا اور وہاں جاتے ہی اس نے اپنے اس نادر ذخیرے کو اچھی قیمت پر فروخت کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

اشپرینگر مشرق وسطیٰ کے اس سفر پر ۱۸۵۴ء میں روانہ ہوا اور تقریباً دو سال مختلف ممالک مثلاً عراق، شام، مصر، ترکی، لبنان، یمن اور سعودی عرب میں گھومتا پھرتا رہا۔ اسے جب بھی فرصت ملتی وہ مختلف جرائد کو مضامین بھیجتا اور اپنے احباب کو خط بھی لکھتا رہتا۔ ایسے کئی [illegible] ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور جرمن اورینٹل سوسائٹی کے جرائد میں شائع ہوئے۔ [illegible] نے اپنے ایک خط بنام مولوی چراغ علی (بابت ۸ مئی ۱۸۶۴ء) میں بھی اپنی اس سیاحت کا ذکر کیا ہے۔ ([illegible])

اشپرینگر کے اس دورے کا اس کی علمی زندگی پر بڑا اثر ہوا لیکن حیرت ہے کہ اس کے سوانح نگاروں نے اس سفر کا ذکر تک نہیں کیا۔ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں اس کے کئی کاغذات اور

دستاویزات پر مشتمل جو بڑے سائز کے ڈبے پڑے ہوئے ہیں، ان میں ڈبہ نمبر ۵ میں بہت سے ایسے کاغذات محفوظ ہیں، جن پر اس نے اپنے اس سفر کی یادداشتیں اور دیگر تفصیلات قلمبند کی ہیں۔ ان کی مدد سے اشپرینگر کے مشرق وسطیٰ کے ان ممالک کی مکمل روداد تحریر کی جاسکتی ہے۔

۳۔ William Delafield Arnold (۱۸۲۸ء-۱۸۵۹ء)۔ ۱۸۴۸ء میں ہندوستان آیا اور جلد ہی پنجاب کا کمشنر مقرر ہو گیا۔ ۱۸۵۶ء میں سر جان لارنس نے اسے اشاعت علوم پنجاب کا ڈائریکٹر مقرر کر دیا (بحوالہ کوہ نور، بابت ۵ فروری ۱۸۵۶ء، ص ۹۱)۔ اس نے ''پنجابی'' کے قلمی نام سے ایک انگریزی ناول بھی لکھا، جو ۱۸۵۳ء میں دو جلدوں میں شائع ہوا۔ سنۂ وفات ۹ اپریل ۱۸۵۹ء۔ برائے تفصیل رک: ڈکشنری آف نیشنل بائیوگرافی، بذیل مادہ -ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی از بک لینڈ، ص ۱۷-۱۸۔

آرنلڈ نے پنجاب میں مغربی تعلیم کی ابتدا کے حوالے سے ایک رپورٹ بھی مرتب کی تھی، جو اب بھی اس موضوع پر ایک اہم اور بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس رپورٹ کا عنوان درج ذیل ہے:

Beginnings of Western Education in the Punjab, Mr. Arnold's Report on Public Instruction for the year 1856-57.

آرنلڈ کی پہلی (بابت ۶ جولائی ۱۸۵۷ء) اور دوسری (بابت ۲۵ جون ۱۸۵۸ء) تعلیمی رپورٹ کے اقتباسات کے لیے رک:

Selections from Educational Records, pt. II (1840-1859) by J. A. Richey. Calcutta 1922, pp. 288-306.

۴۔ الحاق پنجاب (۱۸۴۹ء) کے بعد انگریزوں نے سیاسی اور انتظامی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ شعبہ تعلیم میں بھی کئی اصلاحات کیں۔ پہلے سے موجود درس گاہوں کے نصاب اور امور انتظامیہ کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ تعلیم عامہ کا شعبہ قائم ہوا اور دور دراز علاقوں تک تعلیم کی روشنی پھیلانے کے لیے اسکول کھولے جانے لگے۔ جب ان تعلیمی پالیسیوں کے مثبت اور حوصلہ افزا نتائج سامنے آنے لگے، تو اساتذہ کی تعلیم و تربیت کی ضرورت کا بھی احساس ہوا۔ چنانچہ ایسے مدارس کھولنے کی تجویز پیش ہوئی، جہاں اساتذہ کی تربیت ہو سکے اور پھر یہ تربیت یافتہ استاد دور افتادہ علاقوں کے اسکولوں میں پڑھا سکیں۔ ان معلمین کی تربیت کے لیے ایسے مدارس کا نام نارمل اسکول

Marfat.com

تجویز کیا گیا۔ ۱۸۵۱ء-۱۸۵۲ء کی ایک انتظامی رپورٹ کا متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:

"Some special seminaries for the training of schoolmasters, such as Normal schools, should be established". (Extract from Administration Report Panjab, 1851-52. cf. G.W. Leitner's *History of Indigenous Education,* op. cit., pt. I, p. 161.

لاہور میں جو پہلا نارمل اسکول قائم ہوا، اس کو تعلیم المعلمین بھی کہا جاتا تھا۔ مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

''..... نورمل سکول یعنی تعلیم المعلمین کے جہاں معلم دیہاتی وقصباتی آ کر تعلیم وتکمیل پاتے تھے۔''

(تاریخ مخزن پنجاب، مطبع نامی منشی نولکشور لکھنو، ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء، ص ۱۵۵)

کنہیا لال ہندی اس مدرسہ کا یوں ذکر کرتا ہے:

''نارمل سکول: یہ مدرسہ بھی لاہور کے عمدہ مدارس میں سے ہے۔ تعلیم المعلمین بھی اس کو کہتے ہیں۔ اس مدرسہ میں وہ معلم تعلیم پاتے ہیں جو شہر کے باہر بڑے بڑے دیہات وقصبوں وتحصیلی مدارس میں پڑھاتے ہیں۔ علوم مروجہ کی تعلیم ان کو بخوبی دی جاتی ہے۔ جب پاس کر لیتے ہیں تو پھر مدارس میں بھیجے جاتے ہیں۔ تعلیم کے زمانے میں ان کو وظیفہ ملتا رہتا ہے۔''

(تاریخ لاہور، مطبع وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۸۸۴ء، ص ۴۳۔ طبع جدید مرتبہ کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۶۵)

لاہور کا یہ نارمل اسکول اندرون شہر موتی بازار کی ایک بڑی حویلی میں قائم کیا گیا۔ یہ حویلی راجہ لال سنگھ کا توشہ خانہ کہلاتی تھی۔ اس پہلے نارمل اسکول یا مدرسہ تعلیم المعلمین کا سنگ بنیاد ۱۸۵۶ء میں رکھا گیا۔ شروع میں یہ تمام ورنیکلر مدرسوں کے لیے اساتذہ کی تربیت کے لیے مختص تھا لیکن جب ۱۸۸۱ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج قائم کیا تو اس کا دائرہ کار صرف ورنیکلر پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کی تربیت تک محدود ہو گیا۔ انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں اس کا انتظام وانصرام سنٹرل ٹریننگ کالج کے پرنسپل کے سپرد تھا۔ ان دنوں یہاں کے زیر تعلیم اساتذہ حضوری باغ کے حجروں میں رہتے تھے۔ رک:

Lahore: Its History, Architectural Remains and Antiquities, by

Marfat.com

Syed Muhammad Latif. Ed. Jürgen W. Frembgen. Bonn: Holos Verlag, 1995.

نیز رک: نقوش (لاہور نمبر)، ص۶۹۲۔

سید محمد لطیف نے لاہور کے پہلے نارمل اسکول یا مدرسہ تعلیم المعلمین کا سنہ آغاز ۱۸۵۶ء لکھا ہے اور برکت علی کا یہ خط بھی اسی سال کے شروع میں تحریر کیا گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ مدرسہ قائم ہوتے ہی سید برکت علی کا یہاں تقرر ہو گیا اور وہ اس مدرسہ کے پہلے مدرس اول کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

منشی اشرف علی واسطی

دہلی کالج کے آغاز (۱۸۲۵ء) سے اس کی بندش (۱۸۵۷ء) تک جتنے انتظامی سربراہ یا پرنسپل مقرر ہوئے، ان میں کوئی بھی علمی اعتبار سے اشپرینگر کا ہم پلہ نہیں تھا۔ دیگر سربراہان بھی بہترین منصرم، منتظم اور ماہر تعلیم تھے۔ نیز وہ اس کالج کی تشکیل کے بنیادی مقصد سے بھی بخوبی واقف تھے، جس کے تحت یہاں کے تشنگان علم و دانش کو مغربی علوم اور افکار و خیالات سے روشناس کرانا تھا۔ وہ اپنے اس فرض کو خوش اسلوبی سے نبھاتے اور ہندوستانی ذہنوں پر مغرب کی علمی اور فکری برتری کی دھاک بٹھاتے رہے۔

جب اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل مقرر ہوا تو وہ بھی اسی راہ پر گامزن رہا، لیکن اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس نے اس پہیے کو ذرا سا الٹے رخ گھما دیا، یعنی اس نے اردو تراجم کے ذریعے مغرب کی سائنسی اور علمی ترقیوں سے اہل ہندوستان کو متعارف ضرور کرایا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی اعلیٰ علمی روایتوں اور کارناموں کی ایک جھلک بھی اہل مغرب کو دکھا دی۔ ویسے بھی علمی سطح پر شرق و مغرب کا یہ اتصال اس کا مقصد حیات تھا اور اگر بنظر غور دیکھا جائے تو اس کی زندگی کے تمام تصنیفی سرمایے میں یہی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ جب بتیس سال کی عمر میں (۱۸۴۵ء) اشپرینگر نے دہلی کالج کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تو اس کے لیے یہ نادر موقع تھا کہ وہ عہد جوانی کے عزم کو پورا کر سکے۔ چنانچہ اس نے یہاں آتے ہی کئی ایسے اقدامات کیے جو کہ اس کے طبعی میلان کی عکاسی کرتے ہیں۔ وہ خود اسکالر تھا اور علماء و فضلاء کی پہچان کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس وجہ سے اس نے تھوڑی مدت میں اپنے گرد کالج اور دہلی شہر کے ایسے چیدہ چیدہ اہل قلم و فن جمع کر لیے جن کے دم سے علمی دنیا آباد تھی۔ یہ لوگ علوم متداولہ پر گہری نظر رکھتے تھے اور جب انھیں اشپرینگر جیسے باذوق اور علم دوست شخص کی قدر افزائی نصیب ہوئی تو ان کی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں اور وہ اپنے پیچھے ایسے تصنیفی آثار چھوڑ گئے جن سے آج بھی ان کا نام زندہ ہے۔ اشپرینگر کے انھی رفیقوں میں ایک اشرف علی بھی ہیں۔

Marfat.com

کتاب لکھنا ایک مرحلہ ہے اور اس کا چھپوانا دوسرا، اور یہ دوسرا مرحلہ فنی مہارت اور تجربہ کاری کے پیش نظر کچھ کم دشوار نہیں۔ پہلے مرحلے میں تو اشپرینگر کے بہت سے ساتھی تھے، جنھوں نے اس کی فرمائش یا اشتراک سے متنوع موضوعات پر کتابوں کی تالیف و ترجمہ کا کام شروع کر دیا اور دیکھتے دیکھتے ایسی کتابوں اور ترجموں کی بڑی تعداد طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی۔ جہاں تک ان تصنیفات کی طباعت کا تعلق تھا، تو اس شعبے میں صرف ایک ہی شخص سرگرم عمل تھا اور وہ تھا اشرف علی۔ جب دہلی کالج میں ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا تو بہت سے لوگ تالیف و ترجمہ میں مصروف ہو گئے اور خاصی تعداد میں مسودات تیار ہونے لگے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان مسودات کو چھپوانے کا بھی بندوبست کیا جائے، چنانچہ اس مقصد کے لیے ایک مطبع قائم کیا گیا۔ یہ مطبع کالج سے ملحق تھا اور اس سے صرف انھی مسودات کو طبع کیا جاتا تھا، جو مذکورہ سوسائٹی تیار کرتی تھی۔ اس کے علاوہ کالج سے متعلقہ چیزیں مثلاً رجسٹر وغیرہ اور اس کالج سے جاری ہونے والے جرائد بھی اسی پریس میں چھپتے تھے۔ اس مطبع کے مہتمم اشرف علی تھے۔ ان کی انتھک محنت، جانفشانی اور طباعتی امور میں ان کے وسیع تجربہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اس شعبے میں اکیلے تھے اور اس مطبع سے سیکڑوں کتابیں اور دیگر چیزیں انھی کی نگرانی میں طبع ہوتی تھیں۔ اس قدر کتابوں کی طباعت کا انتظام و انصرام اشرف علی کا معمولی کارنامہ نہیں اور ان کا یہی کام اردو مطابع کی تاریخ میں ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

اشرف علی مطبع کے مہتمم تھے۔ ان کا بیشتر وقت کتابوں وغیرہ کی طباعت میں گذر جاتا تھا، لیکن وہ صرف طباعتی امور کے ماہر ہی نہیں تھے، بلکہ خاصے پڑھے لکھے شخص تھے۔ مختلف علوم اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی اور فارسی و اردو پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ اشپرینگر کو ان کی اس خوبی کا بھی علم تھا، چنانچہ اس کی تحریک پر انھوں نے چند کتابوں کا اردو میں ترجمہ بھی کیا۔ گو اشرف علی کی ان تالیفات کی تعداد زیادہ نہیں، پھر بھی ان کے عالمانہ ذوق کی داد دینا پڑتی ہے کہ انھوں نے اپنی طباعتی مصروفیات کے باوجود تالیف و ترجمہ کے لیے وقت نکالا۔

دیگر مکتوب نگاروں کی طرح اشرف علی کے بھی اشپرینگر سے گہرے مراسم تھے۔ اشپرینگر نادر و نایاب مخطوطات جمع کرنے کا شوقین تھا۔ اس کے رفقائے کار میں چند ایسے اشخاص بھی تھے جو اس کی مخطوطہ شناسی سے واقف تھے اور جگہ جگہ سے اس کے لیے عربی، فارسی اور اردو مخطوطات اور نادر کتب جمع کرتے رہتے تھے۔ یہ لوگ ان زبانوں سے کماحقہٗ واقف تھے اور خطی نسخوں کی اہمیت اور ان کی پرکھ کے مختلف معیاروں کا پورا علم رکھتے تھے۔ اشرف علی بھی اشپرینگر کے انھی مخطوطہ شناس ساتھیوں میں شامل تھے۔ مختلف کتب فروشوں سے ان کا رابطہ تھا اور جب بھی انہیں کسی قیمتی قلمی نسخے کی اطلاع ملتی، وہ فوراً اشپرینگر کو لکھتے اور اس کی اجازت سے

Marfat.com

اسے خرید لیتے۔ اسی طرح دہلی کے اہم نجی کتاب خانوں پر بھی ان کی نظر تھی اور جب یہ اپنے مالک کی وفات کے بعد فروخت ہوتے، تو وہ ان میں سے خاص خاص قلمی نسخے خرید لیتے۔ اشپرینگر کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جو اہم مخطوطہ وہ کسی وجہ سے نہ خرید سکتا، اس کو مستعار لے کر اس کی نقل تیار کرا لیتا تھا۔ یہ نقلیں دہلی کے خوشنویس کرتے اور ان کی تیاری اشرف علی کے ذمہ ہوتی۔ وہ نقول کی تیاری کے بعد اصل نسخے سے موازنہ بھی کرتے اور اگر کہیں سہو کتابت ہوتا تو اسے بھی درست کرتے اور یوں ان نقول کو ہر طرح سے مکمل کر کے اشپرینگر کو بھیجتے۔ اشرف علی کی ایسی تیار کردہ کچھ نقول آج بھی برلین (مغربی) کے مرکزی کتاب خانے کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہیں اور ان کے ابتدائی یا آخری صفحات پر اشرف علی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عبارتیں موجود ہیں۔ اشپرینگر کے نام اشرف علی کے جو خطوط آئندہ سطور میں پیش کیے جا رہے ہیں، ان سے اشرف علی کی زندگی کے اس پہلو سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

دہلی کالج سے متعلق اس دور کے بیشتر اساتذہ اور علماء کی طرح اشرف علی کے حالات زندگی بہت کم دستیاب ہیں۔ ان کے نوجوان ساتھی اور ہمعصر مولوی کریم الدین پانی پتی نے اپنے تذکرہ "طبقات شعرائے ہند" (دہلی، ۱۸۴۸ء) میں ان کے حالات، اوصاف اور تراجم کا اختصار سے ذکر کیا ہے (ص ۴۶۵) اور یہی مختصر معلومات مولوی عبدالحق (مرحوم دہلی کالج) اور مولانا امداد صابری نے اپنی تحریروں میں من و عن پیش کر دی ہیں۔ قاسم علی سجن لعل کے مقالہ (مشمولہ در: دلی کالج میگزین، قدیم دلی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء) اور محمد عتیق صدیقی کی کتب (ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں اور صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات) کے بعض حصوں سے اشرف علی کی صحافتی زندگی سے متعلق کچھ روشنی پڑتی ہے۔ گارسیں دتاسی نے بھی اپنی "تاریخ" میں اشرف علی اور ان کی چند تالیفات کا ذکر کیا ہے، لیکن انیسویں صدی عیسوی کے اس بنیادی ماخذ سے ابھی استفادہ نہیں کیا گیا۔ زیر نظر خطوط کی بعض عبارتیں اشرف علی کی زندگی کے بارے میں بعض اہم معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ان سب متذکرہ ماخذ سے اشرف علی کی زندگی کی جو ادھوری سی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے اور ان کے علمی کاموں کی جو تفصیل دستیاب ہوتی ہے، وہ سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

اشرف علی کہاں اور کب پیدا ہوئے؟ اس کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اشپرینگر کے نام اپنے ایک خط (سنہ تحریر ۱۸۵۱ء) میں وہ لکھتے ہیں کہ "اب میں ضعیف ہو گیا ہوں۔" اگر اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال کے قریب سمجھ لی جائے، تو قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۷۹۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ وہ اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ تھے، چنانچہ کریم الدین "طبقات" میں لکھتے ہیں کہ "قوم سے سید زیدی واسطی بڑے خاندان کا آدمی ہے" (ص ۴۶۵)۔

Marfat.com

ابتدا سے ۱۸۴۵ء تک ان کے حالات زندگی پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ ممکن ہے، وہ بھی دہلی کالج ہی کے فارغ التحصیل ہوں۔ لکھنے پڑھنے میں اپنا وقت گذارتے ہوں یا دہلی کے کسی مطبع میں ملازم ہوں۔ گارسیں دتاسی اپنی ''تاریخ'' میں اشرف علی کے ذکر کے تحت لکھتا ہے کہ وہ قدرت اللہ قاسم کے شاگرد تھے (رک: مجموعۂ نغز، ۱: ۴۴۳)۔ قاسم کے ایک دوست یا شاگرد حافظ غلام اشرف تھے، جو اشرف تخلص کرتے تھے (رک: مجموعہ نغز، ۱: ۶۳۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۵۳۔ یادگار شعراء از اشپرینگر، ترجمہ طفیل احمد، الہ آباد ۱۹۴۳ء، ص ۲۵) اور دہلی کے رہنے والے تھے۔ درحقیقت گارسیں دتاسی کو اشرف تخلص کی مماثلت سے غلط فہمی ہوئی ہے اور اسی بناء پر اشرف علی کو قاسم کے تلامذہ میں شامل کر دیا ہے۔ ناموں اور تخلصوں کی ایسی مماثلتوں نے گارسیں دتاسی کی ''تاریخ'' میں عجب گل کھلائے ہیں۔ اس نے اشرف علی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ وہ نائب سرجن تھے اور آگرہ کے طبی کالج میں استاد تھے، اپنے اس پیشے کی مناسبت سے اشرف علی نے دایا گیری پر ایک کتابچہ (اردو یا انگریزی؟) بھی تحریر کیا تھا۔ اشرف علی جتنا عرصہ دہلی کالج میں ملازم رہے یا مطبع العلوم کو چلاتے رہے، اس سے ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ وہ علم طب میں اتنی مہارت رکھتے تھے۔ مزید یہ کہ اگر انھیں اس علم پر اتنی دسترس حاصل تھی، تو وہ اشپرینگر کے نام اپنے ان خطوط میں اس بات کا ضرور ذکر کرتے۔ جبکہ وہ اتنا جانتے تھے کہ ان کا مکتوب الیہ طب سے علمی اور عملی تعلق رکھتا ہے اور وہ بحیثیت طبی ماہر ہندوستان ملازم ہو کر آیا ہے۔ دراصل گارسیں دتاسی سے یہاں بھی فروگذاشت ہوئی ہے اور اس نے اشرف نامی کسی طبی ماہر اور استاد کو بھی اشرف علی سمجھ لیا ہے۔ [1]

دہلی کالج میں اشرف علی کا تقرر بطور منشی ہوا۔ ممکن ہے، انھیں یہ ملازمت اس وقت ملی ہو، جب تھامسن رپورٹ کے مطابق اس کالج کے انتظامی اور تدریسی ڈھانچے میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اس کالج کے پہلے پرنسپل فیلکس بوترو نے ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کا سنگ بنیاد رکھا (۱۸۴۳ء) اور اس کے تحت مختلف موضوعات پر کتابیں اور ترجمے شائع کرنے کا وسیع پروگرام بنایا گیا۔ ممکن ہے اس وقت انھیں کسی ایسے شخص کی ضرورت پڑی ہو، جو طباعت اور نشر و اشاعت کا وسیع تجربہ رکھتا ہو۔ اس کے علاوہ نئے پرنسپل کو کالج کے مختلف النوع دفتری کاموں کے لیے بھی کسی موزوں شخص کی ضرورت تھی۔ اس ضرورت کو شاید اشرف علی نے

۱۔ گارسیں دتاسی نے ''شرافت'' کے تحت بھی اشرف علی کا ذکر کیا ہے اور ان کی ''تاریخ کشمیر'' کے اردو ترجمہ اور علم ریاضی کے رسالے کو اس تخلص کے شاعر سے منسوب کیا ہے (۳: ۱۱۲-۱۱۳)۔ یہ تخلص مرزا اشرف علی لکھنوی کا تھا، جو ۱۸۴۷ء میں بقید حیات تھے۔ وہ نظام الدین ممنون کے تلامذہ میں تھے (رک: مجموعۂ نغز، ۱: ۳۴۲۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۴۳)

Marfat.com

پورا کیا اور وہ اس مدرسہ کے منشی یا موجودہ اصطلاح میں آفس سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ اشپرینگر نے یہاں آتے ہی سوسائٹی کی رفتار کار اور مطبوعات کے کام کو تیزی سے آگے بڑھانے کے لیے ان کی خدمات حاصل کی ہوں۔

ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کی جانب سے جو کتابیں تیار کی جاتی تھیں، ان کو دہلی کالج ہی میں طبع کیا جاتا تھا۔ غالباً ان کتب کی طباعت اس کالج کے منشی ہی کی ذمہ داری تھی۔ جس پریس سے یہ کتابیں طبع ہوتی تھیں، وہ کالج ہی میں نصب تھا اور اس کا کوئی الگ نام نہیں رکھا گیا تھا۔ جب ۱۸۴۵ء میں اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل مقرر ہوا، اس وقت بھی سوسائٹی کی کتابیں سابقہ طریقے سے چھپتی رہیں۔ اس کے یہاں آنے کے ایک سال بعد یعنی ۱۸۴۶ء میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کے اشتراک سے مسعودی کی ''مروج الذہب'' کا جو خلاصہ بعنوان ''کتاب المختار فی الاخبار والآثار'' شائع کرایا، اس کے سرورق پر کسی پریس کا نام نہیں لکھا گیا بلکہ ''طبع فی المدرسۃ الدھلویہ'' مرقوم ہے[1]۔ اشپرینگر نے اپنے دور پرنسپلی میں جو انقلابی قدم اٹھائے، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس نے اس پریس کا نام ''مطبع العلوم'' رکھا اور منشی اشرف علی کو اس کا مہتمم مقرر کیا تاکہ کتابیں تیز رفتاری اور سلیقہ مندی سے شائع ہوں۔ اس نے اس پریس کو ایک مینڈ کمپنی بنانے کی بھی کوشش کی۔ کالج کے بیشتر اساتذہ کو اس میں شریک کیا اور انھوں نے اپنی مالی حیثیت کے مطابق اس کے حصص خریدے۔ غالباً یہ سب کچھ ۱۸۴۷ء میں ہوا، کیونکہ اس سال جو کتابیں چھپیں، ان کے سرورق پر مطبع العلوم کا نام موجود ہے جبکہ اس سے پہلے کسی کتاب پر یہ نام نظر نہیں آتا۔ جتنی مدت اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل رہا، یہ پریس [illegible] کام کرتا رہا۔ چونکہ کتابیں زیادہ طبع ہوتی تھیں اور وہ بیشتر نصابی ضرورتوں کو پورا کرتی تھیں [illegible] جلد ہی فروخت ہو جاتی تھیں اور اس کا اثر پریس کی کارکردگی پر بھی پڑتا۔ کتابوں کی فروخت سے منافع [illegible] ہوتا اور یوں اس کے شراکت داروں کو بھی مالی فائدہ ہوتا۔ اشپرینگر نے اس پریس کو [illegible] اس مقصد کے لیے تھا کہ مدرسہ کے اساتذہ اس میں شریک ہوں اور یوں ان کی مالی حالت [illegible] بعض لوگ اشپرینگر کے اس نئے طریق کار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس کمپنی کا [illegible] چکا، جب تک اشپرینگر اس کالج کا پرنسپل رہا۔ ۶ ستمبر ۱۸۴۷ء کو حکومت نے اسے یہاں سے [illegible] بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کی جگہ ٹیلر کو قائم مقام پرنسپل بنا دیا۔ اس تبدیلی سے [illegible] کمپنی کا [illegible] خطرے میں پڑ گیا۔ چنانچہ نئے پرنسپل نے آتے ہی ایک [illegible] ۱۸۴۸ [illegible]

۱۔ ''تاریخ کشمیر'' (مترجمہ اشرف علی) کے سرورق پر ''دہلی کالج پریس'' [illegible]
مطبع العلوم ۱۸۴۴ء میں قائم ہوا (رک: اورینٹل پریس ان دو ورلڈ، لاہور [illegible])

Marfat.com

فیصلہ دیا کہ چونکہ مطبع العلوم براہ راست کالج کی ملکیت نہیں، اسے نہ پریس کے امور انتظامیہ میں دخل حاصل ہے اور نہ وہ اس کے طباعتی کاموں کی نگہداشت ہی کرسکتا ہے۔ اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ اس مطبع کو جلد کالج کی حدود سے باہر منتقل کردیا جائے[1]۔ چنانچہ اسی سال مطبع العلوم کالج کی عمارت سے باہر منتقل ہوگیا۔ ان دنوں دہلی کالج کشمیری دروازہ کے قریب کتب خانہ دارا شکوہ کی تاریخی عمارت میں واقع تھا اور پریس کے لیے نزدیک ہی جگہ منتخب کی گئی۔ اس منتقلی کے بعد مطبع دارالعلوم میں جو کتابیں طبع ہوئیں، ان کے سرورق پر پریس کے نام کے ساتھ ''گذر کشمیری دروازہ'' لکھا ہوا ہے۔ جگہ کی تبدیلی اور اشپرینگر کی لکھنؤ روانگی کا اثر اس پریس کے کاروبار پر بھی پڑا۔ کالج کی کتابیں کم چھپنے لگیں۔ نئے لوگ طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے، پھر دیکھتے ہی دیکھتے دہلی میں کئی اور پریس چل پڑے اور انھوں نے نرخ بھی کم کردیے۔ ان تمام عوامل کا اثر مطبع العلوم پر بھی پڑا اور رفتہ رفتہ اس کا کاروبار مندا پڑ گیا۔ منافع کم ہوا تو حصہ داروں کو بھی تشویش ہوئی اور وہ اپنے حصص اونے پونے بیچنے لگے۔ منشی اشرف علی ابتداء ہی سے اس پریس کے مہتمم تھے۔ انھوں نے پریس کی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے کی بہت کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ بالآخر ۱۸۵۲ء میں وہ اس سے الگ ہوگئے اور ان کی جگہ کریم بخش مہتمم مقرر ہوئے[2]۔ محمد عتیق صدیقی نے ۵۳ کتابوں کی فہرست دی ہے، جو ۱۸۴۹ء-۱۸۵۱ء

ا۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء)۔ مرتبہ محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۸۶

۲۔ رک: سلیکشنز فرام دی ریکارڈز آف گورنمنٹ، این ڈبلیو پی۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۴ء۔ ''دہلی اردو اخبار'' (جلد ۱۵ شمارہ ۳۲، بابت ۷ اگست ۱۸۵۳ء) میں اطلاع دی گئی ہے کہ مطبع العلوم (مدرسہ دہلی) کے مہتمم سید اشرف علی نے عامۃ الناس اور اپنے شراکت داروں کو پریس کے حساب کتاب کی تفصیلات بتائیں۔ اس کے کہنے کے مطابق اس شعبہ میں مسابقت بڑھ گئی ہے، اس لیے آمدنی خاصی کم ہوگئی ہے۔ تاہم گیارہ اور انیس روپے کے شیئر کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود حصہ داروں نے ایک اور شیئر کا مطالبہ کیا، جو دگرگوں حالات کے باعث ممکن نہیں۔ اشرف علی مزید بتاتا ہے کہ مدرسہ آگرہ کا پریس مطبع العلوم سے پرانا ہے لیکن اب تک کسی حصہ دار کو ایک پائی کی ادائی بھی نہیں ہوئی۔ اس نے پریس کی آمدنی اور اخراجات کا گوشوارہ پیش کیا۔ اب تک جن حصہ داروں نے اپنے شیئرز کی رقم وصول کرلی ہے، ان میں مولوی مملوک العلی، پروفیسر رام چندر اور مولوی سبحان بخش شامل ہیں۔ جولائی ۱۸۵۲ء تک ۱۰/۷/۵۳۴ روپے مالیت کا اسٹاک موجود ہے۔ اب تک جن اصحاب نے پریس کو واجبات ادا نہیں کیے ان میں حاجی مصطفیٰ، مولوی سید جعفر علی، میر سید، پرنسپل مدرسہ آگرہ، پروفیسر رام چندر، وزیر خاں، مولوی قادر علی، ذوالفقار علی وغیرہ شامل ہیں۔ آخر میں وہ مطبوعات کے عنوان، (جاری)

Marfat.com

کے مابین مطبع العلوم سے شائع ہوئی تھیں یا زیر طبع تھیں (۱)۔ تین سالوں میں اتنی کتابوں کی طباعت اشرف علی کی اعلیٰ کارکردگی کا بیّن ثبوت ہے۔ (۲)

اشپرینگر ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہوا اور اسی سال اس نے ''قران السعدین'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار دراصل اشپرینگر کی دیرینہ خواہش کا عملی اظہار تھا۔ وہ اس کی ترتیب اور طباعت پر خصوصی توجہ دیتا تھا۔ اسے اپنی اس کاوش پر فخر تھا، چنانچہ اس نے سیرت پر جو تین جلدوں میں بزبان جرمن کتاب لکھی، اس کی پہلی جلد (برلین ۱۸۶۱ء) کے دیباچے میں اس اخبار کا خصوصی ذکر کیا۔ منشی اشرف علی ۱۸۵۰ء میں اس اخبار کے مدیر مقرر ہوئے اور ایک سال ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اشپرینگر کی عدم موجودگی کے باعث یہ اخبار رو بہ زوال تھا۔ اشرف علی کے دورِ ادارت میں اس کے خریدار انیس تھے اور ان میں دس یورپین تھے۔ کل اکتیس کاپیاں چھپتی تھیں (۳)۔ اتنی کم اشاعت میں ایک اخبار کہاں تک چل سکتا ہے، چنانچہ چند سال بعد ''قران السعدین'' بند ہو گیا۔

اشرف علی دہلی کالج کے منشی، ہفتہ وار اخبار ''قران السعدین'' کے مدیر اور مطبع العلوم کے مہتمم تھے اور ان کے مختصر حالات انھی حوالوں سے دستیاب ہیں۔ معلومہ مآخذ سے ان کے متعلق یہ آخری اطلاع ملتی ہے کہ وہ ۱۸۵۱ء کے اختتام تک مطبع کے مہتمم رہے۔ اس کے بعد وہ کہاں گئے اور کیا کرتے رہے؟ ان سوالوں کا کوئی تشفی بخش جواب موجود نہیں۔ ۱۸۵۰ء میں متذکرہ تینوں عہدے ان کے پاس تھے، لیکن ۱۸۵۱ء کے آخر تک نہ وہ اخبار کے مدیر رہے اور نہ مطبع کے مہتمم، صرف کالج کے منشی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ جیسا کہ انھوں نے خود ایک خط میں لکھا ہے کہ وہ کام کرتے کرتے تھک چکے ہیں اور بوڑھے بھی ہو چکے ہیں، اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ وہ بطور منشی کالج میں چند برس اور کام کرتے رہے اور ۱۸۵[illegible]ء سے قبل جلد وفات پا گئے۔

منشی اشرف علی ان لوگوں میں ہیں، جو اپنی محنت کے بل بوتے پر ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ ان کے سپرد جو کام بھی کیا گیا، اسے انھوں نے بڑی ذمہ داری اور مستعدی سے انجام دیا۔ [illegible]

تعداد کتب اور فہرست کتب اور [illegible] کی تفصیل [illegible]

اہمیت'' (انگریزی) از [illegible] (مجلہ [illegible]) [illegible] ۱۹۵۰ء، ص ۶۳)

۱۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۲-۱۹۱

۲۔ اشرف علی نے اشپرینگر کے نام اپنے خط میں مطبع العلوم کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچا ہے۔

۳۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۴۱، ۱۱۰، ۱۱۱

Marfat.com

پاس متذکرہ تینوں عہدے تھے، ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں۔ صبح سے سہ پہر تک وہ کالج میں کام کرتے، یہاں سے فراغت ہوتی تو اخبار ''قران السعدین'' کی ترتیب اور طباعت میں مصروف ہو جاتے۔ ساتھ ساتھ مطبع دارالعلوم کی بھی نگرانی کرتے رہتے۔ چند سال قبل کام کی زیادتی کی وجہ سے اس مطبع کے تین مہتمم تھے، لیکن اب صرف وہی اکیلے رہ گئے، لیکن وہ تنہا اس مطبع کو چلاتے رہے۔ وہ لوگوں کو خطوط لکھتے اور مختلف کتابوں کا موازنہ بھی خود ہی کرتے۔ پھر مطبع کے حساب کتاب کا بھی خیال رکھتے۔ چونکہ اس میں بہت سے لوگ حصے دار تھے، اس لیے حساب فہمی میں بڑی احتیاط برتنا پڑتی تھی۔ یہ بھی کام اشرف علی خود ہی کرتے۔ ان دنوں وہ عمر کے آخری حصے میں تھے، لیکن ان کی ہمت اور حوصلہ ابھی جوان تھا۔ وہ شب و روز محنت کرتے رہے اور یہ ان کی لگن اور بلند ہمتی ہی کا نتیجہ تھا کہ انھیں جو بھی کام سونپا گیا، اسے احساسِ ذمہ داری سے پورا کیا۔

مولوی کریم الدین پانی پتی انھیں قریب سے جانتے تھے اور غالباً ان کے نوجوان احباب میں شامل تھے۔ وہ اشرف علی کے متعلق لکھتے ہیں ''بہت ذہین اور زکی آدمی ہے۔ اردو زبان بہت پاک وصاف اور اچھی مہارت فارسی کی اون کو حاصل ہے...... یہ شخص بہت خلیق اور متواضع، کشادہ پیشانی، ہنستی صورت، ظریف و ادیب اور عقل مند آدمی ہے۔ دوستی میں بھی صاف اور بے لگاؤ ہے۔ یار وفادار اور با مروت ہے۔''(۱)

منشی اشرف علی عالم شخص تھے۔ اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ عربی اور فارسی مخطوطات کی پہچان کا وسیع تجربہ رکھتے تھے۔ فارسی اور اردو پر عالمانہ دسترس حاصل تھی۔ علمی کاموں کی مکمل استعداد کے مالک تھے، لیکن ان کی انتظامی مصروفیات اور طباعتی سرگرمیوں نے انھیں اتنی مہلت نہ دی کہ وہ تصنیف و تالیف کی جانب زیادہ توجہ دے سکتے۔ اس وقت ان کی تالیفات میں چند تراجم کے نام ملتے ہیں، ذکر سطور ذیل میں کیا جاتا ہے:

۱۔ تاریخ کشمیر (یا ''واقعات کشمیر''):

یہ تاریخ فارسی میں لکھی گئی۔ مؤلف کا نام خواجہ محمد اعظم دیدہ مری بن خیر الزمان خان کشمیری مجددی (۲) (ولادت انداز ۱۱۰۱ھ یا ۱۱۰۲ھ، وفات ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء) ہے۔ اس کا دوسرا نام ''تاریخ اعظمی'' ہے۔ ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں یہ تاریخ مکمل ہوئی۔ اس میں کشمیر کی تاریخ (ابتداء سے ۱۱۶۰ھ تک) بیان کی گئی

۱۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۵

۲۔ رک: خزینۃ الاصفیا: ۶۸۲۔ تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی)، فارسی متن، ص ۱۸۰۔ ریو: ۳۰۰، ۱۰۸۴-۱۰۸۵۔ تذکرہ شعرائے کشمیر مرتبہ سید حسام الدین راشدی، تکملہ، جلد اول، کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۹۱-۹۸۔

Marfat.com

ہے اور ساتھ ہی اس علاقہ کے صوفیا، شعراء اور علماء کے حالات دیئے گئے ہیں [1]۔ اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ دانش گاہ پنجاب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے [2] اور ایک نسخہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے کتاب خانے میں بھی موجود تھا۔ [3]

منشی اشرف علی نے محمد اعظم کی اس فارسی تاریخ کا اردو میں ترجمہ کیا۔ انھوں نے یہ ترجمہ اشپر ینگر کی فرمائش پر کیا۔ یہ ترجمہ پہلی بار دہلی سے ۱۸۴۶ء میں شائع ہوا۔ اشپر ینگر نے مشہور انگریز تاریخ دان ہنری ایلیٹ کی وفات کے بعد اس کی مملوکہ کتب اور مخطوطات کی ایک فہرست تیار کی تھی، جس میں ''تاریخ کشمیر'' کے اس اردو ترجمہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اشپر ینگر کے بیان کردہ کوائف کے مطابق اس ترجمہ کے کل صفحات ۳۵۷ اور ۸۵ بیت (غالباً فی صفحہ) ہیں [4]۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشرف علی نے منظوم ترجمہ کیا تھا [5]۔ اس ترجمے کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

''چونکہ در ینولا صوبہ کشمیر جنت نظیر عنایت قادر قدیر سے''۔

اس طبع اول کے بارے میں کریم الدین لکھتے ہیں:

''ایک تاریخ کشمیر کی، جو فارسی میں تالیف کی ہوئی محمد اعظم کی تھی، بموجب حکم صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ دہلی کے اردو میں انھوں نے ترجمہ اوس کا کیا ہے۔ بہت اچھا ترجمہ ہے۔'' [6]

منشی اشرف علی کا یہ ترجمہ اس قدر مقبول ہوا کہ تین سال بعد یعنی ۱۸۴۹ء میں اسے دوسری بار شائع کیا گیا [7]۔ اس کا ایک نسخہ اشپر ینگر اپنے ساتھ جرمنی لے گیا اور وہاں جاتے ہی اس نے اپنے کتاب خانے کی جو فہرست مرتب کی (مطبوعہ گیسن، ۱۸۵۷ء)، اس میں اس ترجمے کو بھی شامل کیا۔ [8] ''قران

۱۔ اسٹوری ۱:۱ (طبع عکسی، ۱۹۷۰ء)، ص ۲۶۳-۲۸۴۔ مارشل ص ۳۰۸، شمارہ ۱۱۲۵ (مع دیگر مآخذ)

۲۔ فہرست مخطوطات شیرانی مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین، جلد سوم، لاہور ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۳۔ مکتوبہ محی الدین، بتاریخ ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء۔ مطبوعہ لاہور بعنوان ''تاریخ کشمیر اعظمی'' ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء۔

۳۔ مکتوبہ ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء۔ رک: فہرست مخطوطات شفیع، تالیف ڈاکٹر محمد بشیر حسین، لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۵۹-۶۰ (مع دیگر مآخذ)

۴۔ رک: جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۲۳، شمارہ ۳ (۱۸۵۴ء)، ص ۳۵، شمارہ ۵۵

۵۔ گارسیں دتاسی ۱: ۲۴۴

۶۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۵

۷۔ گارسیں دتاسی ۱: ۲۴۴

۸۔ ص ۱۷، شمارہ ۲۴۰۔ طبع اول کی طرح اس ایڈیشن کے بھی ۳۵۷ صفحات تھے، لیکن یہاں سہواً ۳۵ چھپ گیا ہے۔

Marfat.com

السعدین'' کے ایک شمارے میں ''حال تاریخ کشمیر'' کے تحت اس ترجمے (طبع اول) کے متعلق یہ تفصیلی نوٹ بطور اشتہار دیا گیا ہے:

''تاریخ کشمیر جس کا حال لکھا جاتا ہے، پہلے زبان فارسی میں تھی اور اس کو محمد عظیم (۱) نے تالیف کیا تھا۔ اس کتاب کو بموجب حکم جناب سپرنجر صاحب سکتر سوسائٹی علوم کے منشی اشرف علی صاحب، کہ زبان اردو اور فارسی سے اچھی آگاہی رکھتے ہیں، زبان اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ اس کے تین سو چھپن صفحہ ہیں اور ہر صفحہ میں پندرہ سطریں (۲)۔ اس کتاب کا کاغذ سرام پوری ہے اور خط کاتب کا رسمی نستعلیق۔ مؤلف نے اس کتاب کو ایک مقدمہ، تین قسم اور ایک خاتمہ میں تقسیم کیا ہے۔ مقدمہ میں اجمالاً حال کشمیر کا ہے۔ اول میں حال اوس عملداری کا ہے، جو پہلے غلبۂ اسلام سے تھی۔ قسم دوم میں حال اون سلاطینوں کا ہے جو بعد فروغ سلطنت اہل اسلام کے کشمیر میں مشہور ہوئے۔ قسم سوم میں حال غلبہ چغتائیہ تیموریہ کا بیان ہے اور خاتمہ میں عجایب وغرایب شہر کشمیر کا ذکر ہے۔ اور روئیدگی وغیرہ کا حال لکھا ہے۔ یہاں کا بیان صاف صاف ہے اور زبان مترجم کی بہت سلیس الّا ایک آدھ جگہ بُو ترجمہ کی پائی جاتی ہے...... قسم اول یہاں کا ترجمہ بہت اچھا ہے اور طرز تحریر بہت شگفتہ اور محاورات اردو بہت موقع پر کام آئے ہیں۔ واسطے تصدیق اس امر کی ہم کئی فقرہ کتاب سے نقل کرتے ہیں...... غرضیکہ یہ کتاب بہت اچھی ہے اور قابل سیر ہے اور اس کی تین روپیہ قیمت ہے۔ یہ کتاب اس مطبع میں طبع ہوئی ہے۔ جس کسی صاحب کو اس کے لینے کی ضرورت ہو، اپنی درخواست مہتمم اخبار ہذا کے پاس مع قیمت کے بھیج دے۔'' (۳)

۲۔ رسالہ اصول حساب: یہ رسالہ لندن یونیورسٹی کے پروفیسر آگسٹس ڈی مورگن (Augustus de Morgan) کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ دراصل یہ ترجمہ لالہ ہردیو سنگھ خلف بسنتی رام نے کیا تھا۔ مترجم دہلی کالج میں منشی گری انگریزی پر مامور تھا (۴) اور ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر

۱۔ اصل نام محمد اعظم ہے۔ اسپرنگر نے اس اردو ترجمہ (طبع اول) کے سرورق کی جو انگریزی عبارت دی ہے اس میں بھی محمد عظیم ہی مرقوم ہے (حوالہ مذکور، ص ۶۸۴)

۲۔ اشپرینگر نے صفحات کی تعداد ۳۵۷ لکھی ہے۔ یہاں فی صفحہ سطور درج ہیں لیکن اشپرینگر نے ۸۵ بیت (فی صفحہ) لکھا ہے (بحوالہ مذکور) مولوی کریم الدین کے تذکرہ اور اس اقتباس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ منظوم نہیں، بلکہ نثر میں تھا۔

۳۔ قران السعدین، جلد ۲، نمبر ۲، بابت ۱۱ جنوری ۱۸۴۷ء، ص ۱۹-۲۰۔ (مخزونہ قومی کتاب خانہ، برلین)

۴۔ غالباً دہلی کالج میں بیک وقت دو منشی ہوا کرتے تھے، ایک شعبہ انگریزی میں اور دوسرا شعبہ علوم شرقیہ میں۔ (جاری)

Marfat.com

اٹھائیس برس تھی[1]۔ منشی اشرف علی نے اس ترجمہ میں ہردیو سنگھ کی مدد کی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشرف علی انگریزی سے اردو ترجمہ کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے تھے اور انھیں علم حساب کی مبادیات کا بھی علم تھا۔ یہ ترجمہ مطبع العلوم ہی سے پہلی بار ۱۸۴۵ء میں طبع ہوا[2]۔ ۱۸۴۷ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا[3]۔ کریم الدین اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "اور رسالہ اصول حساب میں بابو ہردیو سنگھ کی مدد دی ہے۔"[4] اور ہر دیو سنگھ کے تحت وہ رقم طراز ہیں کہ "ایک رسالہ اصول حساب میں ڈیمورگن صاحب کا بھی اوس کی تالیف سے ہے، مگر اس رسالہ کی اصلاح اردو اور تصحیح میں منشی اشرف علی منشی مدرسہ نے کوشش کی ہے۔"[5]

۳۔ کریم الدین اپنے تذکرہ میں اشرف علی کے ذکر کے تحت لکھتے ہیں کہ "بریف سروے ہسٹری کے ترجمہ میں بھی اونھوں نے تصحیح اور اصلاح جاری کی ہے۔"[6] انگریزی میں یہ کتاب کس نے لکھی۔ اس کا ترجمہ کس نے کیا اور یہ ترجمہ کب اور کہاں سے شائع ہوا؟ ان سوالوں کے متعلق محولہ بالا مآخذ کوئی جواب نہیں دیتے۔

۴۔ تاریخ افغانستان: اس کا مؤلف یا مترجم موتی لال دہلی کالج کے شعبۂ انگریزی کا ذہین طالب علم تھا۔ ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر انیس سال تھی[7]۔ وہ اشپرینگر کے ہفتہ وار اخبار "قران السعدین" کا مدیر بھی

اشرف علی دوسرے شعبہ میں منشی گری کرتے تھے۔

۱۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۲۔ گارسیں دتاسی ۱: ۵۷۴

۲۔ فہرست تالیفات، ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی در: جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۱۴، حصہ ۲، بابت ۱۸۴۵ء، ص ۷۸ (رومن)

۳۔ بقول گارسیں دتاسی اس ترجمہ میں ہردیو سنگھ کی اعانت منشی اشرف علی کے علاوہ اجودھیا پرشاد نے بھی کی تھی۔ اس کے خیال میں یہ وہی رسالہ ہے، جس کا ذکر ایچ ایس ریڈ نے اپنی رپورٹ میں کیا ہے۔ مطبوعہ آگرہ ۱۸۵۴ء، ص ۵۵ ("تاریخ" ۱: ۵۷۵)۔ محمد عتیق صدیقی نے ایک کتاب "اصول علم الحساب" (نظر ثانی شدہ) کا حوالہ دیا ہے، جو بریلی کے مطبع عمدۃ الاخبار سے ۱۸۴۹ء میں طبع ہوئی تھی۔ (صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۶۸)

۴۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۵

۵۔ ایضاً، ص ۴۶۲

۶۔ ایضاً، ص ۴۶۵

۷۔ ایضاً، ص ۴۶۷

Marfat.com

رہا۔ گارسیں دتاسی نے اس تاریخ کا ذکر اشرف علی کے تحت کیا ہے، لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ انھوں نے اس کتاب کی تالیف یا ترجمے میں کیا مدد کی[1]۔ ایک اور جگہ موتی لال کے حالات کے ضمن میں اشرف علی کا نام اس تاریخ کے ناشر کے طور پر لکھا ہے۔[2]

۵۔ ہدایت المبتدی: گارسیں دتاسی نے اسے بھی اشرف علی کی تالیفات میں شامل کیا ہے۔ یہ کتاب اردو سیکھنے والوں کے لیے لکھی گئی، بنارس سے ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی (صفحات ۸۰)۔ اس کے بعد بھی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔[3]

۶۔ ایک مجموعۂ واسوخت میں اشرف علی کے چند واسوخت شامل ہیں اور ایک کتاب ''گلزار نشاط'' کے اختتام پر ان کی کہی ہوئی دو تاریخیں موجود ہیں[4]۔ ممکن ہے، یہ واسوخت اور تاریخیں اشرف تخلص کے کسی اور شاعر کی ہوں، جنہیں گارسیں دتاسی نے حسب عادت منشی اشرف علی سے منسوب کر دیا ہے۔

اس مجموعۂ مکاتیب میں اشپرینگر کے نام تحریر کردہ اشرف علی کے چھے خطوط ہیں۔ یہ تمام بلا تاریخ ہیں، لیکن اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ یہ سب ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۲ء کے مابین لکھے گئے۔ مکتوبات معہ تشریحات درج ذیل ہیں:

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

نیاز مند اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے، حضور کا سرفراز نامہ درباب نقل حال رجال ''روضۃ الطاہرین'' (۲) سے نیاز مند کے پاس پہنچا۔ چنانچہ کتاب مذکور معرفت جناب ٹیلر (۳) صاحب بہادر کی منگوا کر خواجہ شمس الدین (۴)، سے جس قدر حال اوس میں دستیاب ہوا، لکھا کر اوس کو حضور میں بھیجتا ہوں، ملاحظہ سے گذرے گا۔

اور ایک دو ورقہ ''صحیح ترمذی'' (۵) کا، جو کہ مطبع العلوم میں چھپ رہی ہے، اس کو حضور ملاحظہ کریں

۱۔ گارسیں دتاسی ۱:۲۴۳۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس تاریخ کا نیا ایڈیشن ۱۸۵۱ء میں زیر طبع تھا۔

۲۔ ایضاً، ۲:۳۴۱

۳۔ ۱:۲۴۴۔ محمد عتیق صدیقی نے بھی اسی عنوان کی درسی کتاب کا ذکر کیا ہے، جو ۱۸۵۰ء میں بنارس کے مطبع باغ و بہار سے طبع ہوئی (صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۷۲)

۴۔ گارسیں دتاسی ۱:۲۴۴

Marfat.com

کہ یہ کیسی چھپتی ہے۔ جناب عالی! دلّی میں کاتب خوشنویس نہیں بہم پہنچتا۔ والّا نہ اہل لکھنؤ ایسا کیا کرتے ہیں جو حضور کے اقبال سے ہم نہ کر سکیں۔ اور اب بھی اقبال خاوندی سے اس کی چھپائی سوداگر بہت پسند کرتے ہیں۔

اور حضور کی عنایت سے اب مطبع میں اتنی چیزیں شروع ہیں "تحفۃ المومنین" (۶)، "صحیح ترمذی"، "الفاظ الادویہ" (۷)، "تاریخ روم" (۸)، "کتاب ہیئت" (۹) اور کاغذ اخبار (۱۰) وغیرہ۔ اب تک تو عنایت ایزدی سے کار مطبع کا رونق پر ہے اور کیوں نہ رونق پر ہو جب آپ جیسے مربی اس کا خیال رکھتے ہوں اور مسٹر ٹیلر صاحب بہادر اس کی درستی میں کوشش فرماتے ہوں۔

عریضہ

نیاز مند اشرف علی"

اس خط کی دوسری جانب یہ دو سطریں لکھی ہوئی ہیں:

"دوسری عرض یہ ہے کہ حضور مولوی علی اکبر (۱۱) کو حکم دیں کہ جو میر حسین علی (۱۲) بابت قیمت سنگ پالش کے اون سے طلب کریں۔ وہ اپنے پاس (سے) دے کر مجھ کو اطلاع دیں۔ یہاں میں علی اصغر (۱۳) کو دے دوں گا۔"

تشریحات:

۱۔ اس خط پر سنہ تحریر درج نہیں، لیکن اس میں درج چند باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۴۹ء میں لکھا گیا۔ شواہد درج ذیل ہیں:

الف۔ اس خط میں دو بار ٹیلر کا اس انداز سے ذکر ہوا ہے کہ وہ ان دنوں دہلی کالج کا نگران اور مطبع کا بہی خواہ تھا۔ دراصل اس وقت ٹیلر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل تھا۔ قبل ازیں وہ برسوں اس کالج کے معاملات میں دخیل رہا اور بطور سربراہ اس کالج کے سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ جب کالج کے لیے پرنسپل مقرر کرنے کی تجویز پیش ہوئی تو اسے ہٹا کر بوترو کو پہلا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۴۵ء میں اشپرنگر عہدۂ پرنسپلی پر فائز ہوا۔ جب وہ ۱۸۴۹ء کے اوائل میں اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی حیثیت سے لکھنؤ چلا گیا تو ٹیلر کو اس کی جگہ قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ اشپرنگر ۱۸۵۰ء کے شروع میں لکھنؤ سے اپنا کام ختم کر کے دہلی واپس آیا تو ٹیلر کی قائم مقامی کا دور ختم ہو گیا۔ اس سال کے وسط میں اشپرنگر کی خدمات بنگال منتقل کر دی گئیں تو دہلی کالج کے پرنسپل کے لیے کارگل کو منتخب کیا گیا۔ اس طرح اگر دیکھا جائے تو ٹیلر اتنی دیر تک دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل رہا، جب تک اشپرنگر لکھنؤ کے شاہی کتب خانوں کی فہرستیں تیار کرتا رہا۔ اشپرنگر کو یہ کام ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء کو سونپا گیا۔ وہ ۳ مارچ ۱۸۴۹ء [illegible]

Marfat.com

پہنچا اور وہاں سے یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو واپس دہلی روانہ ہوا۔ یوں اشپرینگر دہلی سے تقریباً پونے دو سال غیر حاضر رہا اور اتنی مدت کے لیے ٹیلر دہلی کالج کا سربراہ رہا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ خط ۱۸۴۸ء یا ۱۸۴۹ء میں لکھا گیا، لیکن ۱۸۴۸ء (مارچ کے بعد) زیادہ قرین قیاس ہے۔

ب۔ اشپرینگر نے لکھنؤ میں عمدہ خط میں چھپی ہوئی کچھ کتابیں دیکھیں، تو اس کی تعریف بذریعہ خط اشرف علی سے کی۔ اشرف علی نے جواباً لکھا کہ اگر دہلی میں ماہر خوش نویس ہوں، تو یہاں اس سے بھی اچھی کتابیں شائع کی جاسکتی ہیں۔ خط کی اس عبارت سے کہ ''اہل لکھنؤ ایسا کیا کرتے ہیں جو حضور کے اقبال سے ہم نہ کرسکیں۔'' یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب اشرف علی نے یہ خط لکھا، اشپرینگر لکھنؤ میں تھا۔ سطور بالا میں اشپرینگر کے قیام لکھنؤ (۳ مارچ ۱۸۴۸ء تا یکم جنوری ۱۸۵۰ء) کا ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ یہ خط بھی اسی دوران میں تحریر کیا گیا۔

ج۔ جب یہ خط لکھا گیا، مطبع العلوم سے ''صحیح ترمذی'' طبع ہو رہی تھی۔ اشرف علی اس خط میں لکھتے ہیں کہ ''ایک دو ورقہ ''صحیح ترمذی'' کا، جو کہ مطبع العلوم میں چھپ رہی ہے، اس کو حضور ملاحظہ کریں کہ یہ کیسے چھپتی ہے۔'' یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں زیر طبع تھی، چنانچہ مولانا مملوک العلی نانوتوی اپنے ایک مکتوب (بابت ۱۹ اکتوبر ۱۸۴۸ء) میں اشپرینگر کو لکھتے ہیں کہ ''ترمذی انشاء اللہ تعالیٰ تین مہینے میں یا کچھ زیادہ میں تمام ہوگی۔ دو ورق روز چھپتے ہیں۔'' (مکتوبات مملوک العلی، حوالہ مذکور، مراسلہ نمبر ۲، تشریحات)۔ ان تصریحات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۴۸ء میں لکھا گیا۔

۲۔ ''روضۃ الطاہرین'' کا دوسرا نام ''تاریخ طاہری'' بھی ہے۔ یہ تاریخ فارسی زبان میں لکھی گئی اور اس میں ابتدائے آفرینش سے ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء تک کے واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ مؤلف کا نام طاہر محمد بن عمادالدین حسن بن سلطان علی بن حاجی محمد حسین سبزواری ہے اور یہ دربار اکبری سے منسلک تھا۔ رک: ایلیٹ: تاریخ ہند، ۶: ۱۹۵-۲۰۹۔ ریو ا: ۱۱۹-۱۲۱ (مع دیگر مآخذ)۔ اسٹوری ۱/۱ (طبع عکسی، ۱۹۷۰ء)، ص ۱۲۲-۱۲۳۔

اس تاریخ کا ایک قلمی نسخہ اب بھی ذخیرۂ اشپرینگر (برلین) میں محفوظ ہے۔ اوراق ۴۸۹، عمدہ خط شکستہ۔ یہ دراصل مختلف قلمی نسخوں کا مجموعہ ہے، جس میں ایک نسخہ ''روضۃ الطاہرین'' کا بھی ہے۔ یہ نسخہ مکمل نہیں، بلکہ یہ قسم اول (اس تاریخ کی کل پچاس اقسام یعنی باب ہیں) کا ایک حصہ ہے۔ یہ ناقص الطرفین ہے اور بحالت موجودہ سکندر اعظم کے حالات پر ختم ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے رک: فہرست کتابخانہ اشپرینگر (گیسن، ۱۸۵۷ء)۔ پرنٹش، ص ۴۰۶، شمارہ ۴۱۵۔

Marfat.com

۳۔ فریڈرک ٹیلر۔ ۱۸۲۵ء میں دہلی کالج کا سربراہ مقرر ہوا تھا۔ چند سال بعد اُسے ہیڈ ماسٹر کا عہدہ تفویض ہوا (۱۶ اگست ۱۸۲۹ء، تنخواہ چار سو روپے)۔ جب ۱۸۳۹ء میں جنرل کمیٹی نے یہ سفارش پیش کی کہ کالج کا ایک مستقل پرنسپل مقرر کیا جائے، تو اسے ہٹا کر فیلکس بوترو کو پہلا پرنسپل بنایا گیا (۱۰ فروری ۱۸۴۱ء)۔ مارچ ۱۸۴۸ء میں اشپرینگر لکھنؤ چلا گیا، تو ٹیلر کو اس کی عدم موجودگی میں کالج کا قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔ اشپرینگر کی واپسی (ابتداء ۱۸۵۰ء) تک وہ اسی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ اسی سال کے وسط میں اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور دہلی کالج کے عہدۂ پرنسپلی پر جے، کارگل کا تقرر ہوا۔ ۱۸۵۴ء میں کارگل کے جانے کے بعد پھر ٹیلر کو قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا اور اس کے بعد ۱۸۵۷ء تک وہی اس حیثیت سے کام کرتا رہا۔ وہ اسی سال کے ہنگاموں میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے ڈرامائی واقعہ کی تفاصیل محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے حالات کے تحت ملتی ہیں۔ رک: راقم کا مقالہ بعنوان ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، حوالہ مذکور)

۴۔ یہ کوئی خوشنویس معلوم ہوتے ہیں، جن سے اشرف علی نے ''روضۃ الطاہرین'' نقل کروائی۔ گارسیں نے شمس الدین نامی ایک شخص کا ذکر کیا ہے، جس نے ''لٹھ شریعت'' کے عنوان سے ایک مختصر سا کتابچہ لکھا تھا، مطبوعہ دہلی، ۱۸۶۸ء (۳: ۱۰۹)۔ دہلی کالج کے طلبہ کے ایک رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) میں مملوک العلی نانوتوی کی جماعت اول (عربی) میں شمس الدین نام کا طالب علم موجود تھا، جس کی عمر پچیس سال تھی اور وہ ساڑھے چھے سال سے یہاں زیرِ تعلیم تھا۔

۵۔ یہ ۱۸۴۸ء میں مطبع العلوم سے چھپنا شروع ہوئی اور ۱۸۵۲ء میں مکمل ہوئی۔ رک: مکتوبات مولانا مملوک العلی نانوتوی، مکتوب نمبر ۲، مع تشریحات نمبر ۷۔

۶۔ یہ محمد مومن خاں حسینی کی طبی کتاب ہے، جس کا موضوع مخزن ادویہ ہے۔ سنہ تالیف ۱۶۹۹ء۔ اس کی طباعت ۱۸۴۹ء میں مکمل ہوئی (صفحات ۶۶۸) رک: صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۸ مع تحقیقی نوٹ۔ فہرست اشپرینگر میں مطبوعہ نسخہ کے علاوہ ایک مخطوطہ کا بھی ذکر کیا ہے (ص ۱۰۵، شمارہ ۱۹۰۲)۔ نیز اس کتاب پر اشپرینگر کا نوٹ بذیل ''لٹریری انٹیلی جنس'' ... جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، جلد ۲۰، شمارہ نمبر ۷، بابت ۱۸۵۱ء، ص ۶۲۔

۷۔ اس کی طباعت ۱۸۴۹ء میں مکمل ہوئی (صفحات ۲۸۹)۔ اس کے حاشیہ پر محمد اکمل خاں کی ''تالیف شریف'' چھاپی گئی، جو ہندوؤں کے علم طب سے متعلق تھی (بحوالہ فہرست اشپرینگر، ص ۱۰۵، شمارہ ۱۹۰۱)۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی اپنے ایک مکتوب بنام اشپرینگر (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) میں

Marfat.com

لکھتے ہیں ''الفاظ الادویہ کے مقدمہ میں یہ معلوم ہوا کہ سید محمود صاحب نے بشرکت کسی اور صاحب کے چھپوائی تھی اور سب کی سب حاجی رستم علی سوداگر کے ہاتھ بیچ دی تھی۔ لیکن بازار میں تلاش سے مل سکتی ہے۔ انشاء اللہ ایک نسخہ حضور کے واسطے خرید کر کے اور جلد بندھوا کر ہمراہ رکھوں گا۔''

(مکتوبات مملوئ العلی شمارہ ۵، تشریحات شمارہ ۶)۔

''الفاظ الادویہ'' کے کل دو سو نسخے چھپے تھے۔ قیمت فی نسخہ دو روپے تھی اور جس سال یہ کتاب طبع ہوئی (۱۸۴۹ء)، اسی سال اس کے ڈیڑھ سو نسخے فروخت ہو گئے۔

(رک: صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۸۸)۔

۸۔ مولوی عبدالحق نے ''مرحوم دہلی کالج'' میں ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے تراجم وتالیفات کی ایک جامع فہرست دی ہے (ص ۱۳۹-۱۴۵)۔ اس کے شمارہ ۱۴ پر ''تاریخ روما'' کا عنوان لکھا گیا ہے۔ شاید یہ وہی تاریخ ہو۔ اگر عنوان کے ساتھ مؤلف یا مترجم کا نام ہوتا، تو مزید معلومات حاصل کرنے میں مدد ملتی۔ محمد عتیق صدیقی نے مطبع العلوم کی مطبوعات (مابین ۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء) کی طویل فہرست نقل کی ہے (صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۸۶-۱۹۲)، لیکن اس میں ''تاریخ روم'' نام کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ بہرحال اشرف علی کے اس خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ ۱۸۴۸ء میں مطبع العلوم ہی سے طبع ہو رہی تھی۔

۹۔ مولوی عبدالحق اور محمد عتیق صدیقی کی متذکرہ بالا کتابوں میں اس کا حوالہ موجود نہیں۔ دہلی کالج کے استاد اور مشہور ریاضی دان، ماسٹر رام چندر نے ایک رسالہ بعنوان ''اصول علم ہیئت'' لکھا تھا، جو دہلی سے ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔ رک: نمونۂ منثورات (تاریخ نثر اردو) مرتبہ احسن مارہروی، علی گڑھ ۱۹۳۰ء، ص ۱۳۵۔ ماسٹر رام چندر مؤلفہ ڈاکٹر سیدہ جعفر، حیدرآباد دکن ۱۹۶۰ء، ص ۲۶ (صدیق الرحمٰن قدوائی نے اپنی کتاب ''ماسٹر رام چندر'' مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۱ء میں اس رسالے کا حوالہ نہیں دیا)۔ شاید ''کتاب ہیئت'' ماسٹر رام چندر کے اس رسالہ کی طبع ثانی ہو۔

۱۰۔ مراد ''قران السعدین''، جو ہفتہ وار اخبار تھا اور دہلی کالج کے دیگر اخباروں کی طرح مطبع العلوم ہی سے شائع ہوتا تھا۔

۱۱۔ اشپرینگر کے خاص رفیق کار، مدرسہ آگرہ کے مدرس اول (عربی)۔ وفات ۲۵ جون ۱۸۵۲ء۔ ان کے مکتوبات بنام اشپرینگر مع حالات آئندہ سطور میں پیش کیے جائیں گے۔

۱۲۔ حکیم محمد اکبر نے طب پر ایک فارسی کتاب بعنوان ''میزان الطب'' تالیف کی تھی۔ اس کا اردو ترجمہ

Marfat.com

حسین علی نے کیا تھا، جو مطبع العلوم سے ۱۸۵۱ء میں طبع ہوا تھا (صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۰)۔ شاید یہ وہی مترجم ہوں۔

۱۳۔ علی اکبر کا چھوٹا بھائی تھا۔ دونو بھائی مولانا مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ ۱۸۴۷ء میں علی اصغر مولانا کی جماعت اول عربی کے فریق دوم کا طالب علم تھا۔

۲

''غریب پرور سلامت (۱)

والا نامہ حضور کا پہنچا۔ موجب ہزاروں شکر کا ہوا۔ در ینولا چار کتابیں میرے پاس اس تفصیل سے پہنچی ہیں۔ ''مروج الذہب'' مصنفہ مسعود[ی] بخط عرب، چنانچہ عبارت اول جلد کے آخر کی اس کاغذ پر ثبت کی ہے (۲)۔ ''مختار نامہ'' (۳) و ''سفینۃ الاولیاء'' (۴)، ''در یک جلد'' ''تذکرہ حسینی'' (۵) ناتمام مجلد بخط فارسی۔ ''تاریخِ دُرِّ بے بہا'' خط فارسی۔ قیمت ''مروج الذہب'' کی پچیس روپے، قیمت ''مختار نامہ'' و ''سفینۃ الاولیاء'' دس روپے ''تذکرہ حسینی'' تین روپے، ''تاریخ دُرِّ بے بہا'' (۶) تین روپے۔ ان میں سے جون سی کتاب حضور کو منظور [ہو]، اوس سے مطلع فرمائیں، تاکہ میں خریدلوں۔

اور یہ نیاز مند اکثر اوقات حضور کی یاد میں رہتا ہے۔ اور حضور کی ترقی مرتبہ سے نہایت خوشی ہوئی، کیونکہ حضور کی خواہش کے موافق ہوا (۷)، مگر حضور کی مفارقت کا البتہ رنج ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے آپ کو خوش رکھے کیونکہ آپ کی ذات ہم غریبوں کی پشت پناہ ہے۔ بخدمت میم صاحبہ آداب و صاحبزادہ با (۸) دعا میگویم

فدوی اشرف علی''

اس خط کے دائیں جانب ''نقل صفحہ آخر مروج الذہب'' درج ہے۔ ''و وجدت فی بعض الکتب التواریخ فی اخبار الحسن ... ثم بعدلسید الوصین فجر اللہ تلک المصنہ رضی اللہ'' اور نیچے خط میں مذکورہ مخطوطات کے اوراق اور فی صفحہ سطور لکھی گئی ہیں۔ ''مختار نامہ'' (۲۱۱ ورق، سطور فی صفحہ ۱۰، حروف فی سطر تخمینا ۴۸)، سفینۃ الاولیا (۱۳۰ ورق، سطور فی صفحہ ۱۹، حروف فی سطر ۵۲ تخمینا)۔ یہ دونو قلمی نسخے ایک ہی جلد میں ہیں۔ ''تذکرہ حسینی'' (۱۰۹ ورق، سطور ۱۷، حروف ۴۶)، تواریخ دُرِّ بے بہا'' (۲۰۹ ورق، سطر ۱۱، حروف ۳۹)۔ اس خط کی دوسری جانب بخط اشرف علی:

''اور ایک قطعہ چٹھی در باب ''تاریخ یمینی'' (۹) کے میرے نام پر ہوا اوس کو حضور سے ملاحظہ سے

Marfat.com

واسطے بھیجتا ہوں۔ جو اس باب میں حکم ہو، عمل میں لاؤں۔''

اس کے مقابل یہ دوسطری فارسی عبارت:

''بخدمت مولوی سید علی اکبر صاحب بعد از سلام و دعا واضح میکنم کہ سید محمد ہاشم (۱۰) حسب الایماء الصاحب بوطن اندو اینجا بہمہ وجوہ بخانۂ شما خیریت ہست و مولوی مملوک العلی صاحب ہستم برائے شادی محمد یعقوب (۱۱) عازم وطن شدہ اندو با مر خیریت است۔'' (۱۲)

تشریحات:

۱۔ یہ خط ۴ جولائی ۱۸۵۰ء کو لکھا گیا۔ ۴ جولائی کا علم اگلے خط کی ابتدائی عبارت سے ہوتا ہے، جو اس کے بعض مندرجات کی یاددہانی کے طور پر لکھا گیا۔ ۱۸۵۰ء کا تعین زیرِ نظر خط کے اس جملے سے ہوتا ہے۔ ''حضور کی ترقی مرتبہ سے نہایت خوشی ہوئی۔'' مئی ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور ''ترقی مرتبہ'' کا اشارہ اسی تقرری کی جانب ہے۔

۲۔ مسعودی (م۔ ۳۴۵ھ/۹۵۶ء) کی ''مروج الذہب'' سے اشپرینگر کو خاص لگاؤ تھا۔ اس نے ہندوستان آنے سے قبل اس کا انگریزی ترجمہ شروع کیا تھا، جس کی پہلی جلد لندن سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اشپرینگر اپنی دیگر مصروفیات اور ہندوستان روانگی کے سبب یہ ترجمہ مکمل نہ کر سکا۔ ہندوستان آنے کے بعد اس کی ''مروج الذہب'' سے دلچسپی کم نہ ہوئی اور اس نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کے اشتراک سے اس کی تلخیص بعنوان ''کتاب المختار فی الاخبار والآثار'' (مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۶ء،) شائع کرائی۔ (رک: بذیل تالیفات مملوک العلی، ص ۴۰-۴۱)۔

جب اشپرینگر ہندوستان سے روانہ ہوا، تو ''مروج الذہب'' کے دو قلمی نسخے اس کی ذاتی ملکیت تھے۔ ان میں سے ایک محمد یوسف بن مرتضیٰ قلی افشار کا مکتوبہ تھا۔ سنۂ کتابت شوال ۱۰۸۹ھ/۱۶۷۸ء۔ اوراق کی تعداد ۴۶۵۔ دبیز کاغذ لیکن کہیں کہیں سے کرم خوردہ۔ مخطوطے کی مجموعی حالت اچھی تھی۔ بعض صفحات کے حواشی پر متن کی تصحیح بھی کی گئی تھی۔ تفصیلات کے لیے رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴، شمارہ ۴۶۔ اہلوارٹ ۹ (۱۸۹۷ء): ص ۴۱، شمارہ ۹۴۲۸۔ لیکن اس خط میں ''مروج الذہب'' کے جس قلمی نسخے کا ذکر کیا گیا ہے، وہ دو جلدوں میں تھا اور ہر اعتبار سے مکمل تھا۔ پہلی جلد کے ۵۴ اورق تھے۔ فی صفحہ ۳۳ سطور۔ جگہ جگہ سے کرم خوردہ۔ ابتدائی صفحہ پر ''کتاب مروج الذہب المسعودی'' مرقوم ہے۔ سنۂ کتابت اندازاً اواخر سترھویں صدی عیسوی۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴، شمارہ ۴۷۔ اہلوارٹ ۹: ص ۴۱، شمارہ ۹۴۲۹۔ جلد دوم کے صفحات کی تعداد ۸۷۹ ہے۔ ۲۱ سطور فی صفحہ۔ پہلے صفحہ

Marfat.com

پر ''الجزء الثانی من مروج الذہب وعقود الجوہر'' منقول ہے۔ یہ جلد معاویہ بن ابوسفیان کے زمانہ خلافت سے شروع ہوتی ہے۔ سنہ کتابت جمادی الثانی ۱۰۸۴ھ/۱۶۷۳ء۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص۴: شمارہ ۴۸۔ اہلوارٹ، محولہ بالا۔ سیٹر گن ۱: ۳۴۴۔

۳۔ اس کا دوسرا نام ''قصہ مختار'' (فارسی) ہے۔ یہ ذخیرۂ اشپرینگر کے ایک مجموعہ مخطوطات میں شامل ہے۔ اس مجموعہ میں تین قلمی نسخے ہیں اور ''مختار نامہ'' ان میں سب سے پہلے کتابت ہوا ہے (مکتوبہ ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) اس مجموعہ کے اوراق ۴۴۲ ہیں۔ خوشخط نستعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ''مختار نامہ'' کی ابتدائی عبارت یہ ہے:

''الحمد لله رب العالمين والعاقبت (كذا) للمتقين و صلى الله على محمد و اله اجمعين امابعد تسلی دل مومنین وراحت جان مجردھان۔ ملخص قصہ مختار است''۔

اور آخری عبارت یوں ہے:

الحمد للہ کہ مختار نامہ بتاریخ بیست و پنجم رجب سنہ ۴ جلوس محمد اکبر پادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ تمام شد۔

رک: فہرست اشپرینگر، ص ۱۱، شمارہ ۱۶۱۔ برٹش، ص ۵۴۵-۵۴۷، شمارہ ۶۷۵۔ اسٹوری ۱: ۲۲۰، شمارہ ۲۱۴۔

۴۔ داراشکوہ (م۔ ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء) کی مشہور کتاب۔ یہ قلمی نسخہ اسی مجموعہ میں شامل ہے، جس میں ''مختار نامہ'' موجود ہے۔ رک: متذکرہ بالا ماخذ و اسٹوری ۱/۲ (۱۹۵۳ء): ۹۹۸۔

۵۔ میر حسین دوست بن سید ابوطالب سنبھلی اس کے مؤلف ہیں۔ سنہ تکمیل ۱۱۶۳ھ ۱۷۴۹ء۔ اس میں تقریباً دو سو قدیم اور جدید شعراء اور کچھ صوفیائے کرام اور شہزادوں کے حالات قلمبند کئے ہیں۔ (مطبوعہ لکھنو، ۱۸۷۵ء)۔

اشپرینگر کا یہ نسخہ ناقص الآخر ہے۔ اوراق کی تعداد ۱۰۲۔ خط نستعلیق ایک مہر ''محمد رضا ...'' ''میرزا حاجی محمد بن میرزا عالیجاہ'' کے نام کی ثبت ہیں۔ اشپرینگر نے ''فہرست ... جلد اول، کلکتہ ۱۸۵۴ء) میں اس کتاب کے ایک قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے۔ جو موتی محل میں موجود تھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا ایک خطی نسخہ اس کے ذاتی کتاب خانہ میں بھی محفوظ ہے (ص ۱۳۵)۔ اشپرینگر کی ملکیت میں جو نسخہ تھا، وہ حرف ''س'' پر ختم ہو جاتا ہے۔ رک: فہرست اشپرینگر ... ۳۴۴۔ برٹش، ص ۶۲۰-۶۲۱، شمارہ ۶۵۴۔ اسٹوری ۱/۲: ۸۳۳۔ تذکرہ نویسی فارسی ... پاکستان ...

Marfat.com

نگارش دکتر سید علی رضا نقوی، تہران ۱۹۶۴ء، ص ۳۱۷-۳۲۲۔

۶۔ مؤلف کا نام محمد واسع ہے، جو محمد اکبر شاہ ثانی کے دور حکومت (۱۲۲۱ھ-۱۲۵۳ھ/۱۸۰۶ء-۱۸۳۷ء میں موجود تھا۔ اس کتاب میں حضور اکرمؐ اور پہلے دو خلفائے راشدین کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

اسٹوری نے اس تاریخ کے صرف ایک ہی قلمی نسخے کی نشاندہی کی ہے، جو اس وقت برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں محفوظ ہے (۱/۱:۲۰۲) اوراق کی تعداد ۲۲۸۔ فی صفحہ ۱۱ سطریں؛ خوشخط نستعلیق۔ کاتب کے علاوہ کسی اور شخص نے ''دُرِ بے بہا'' اور ''تواریخِ بے بہا'' کے عنوانات بھی لکھ دیے ہیں۔ کتاب کا نام اس شعر میں بتایا گیا ہے۔

بتصنیف ایں نسخہ پرداختم مسمی دُرِ بے بہا ساختم

ترقیمہ یہ ہے: تمام شد ایں نسخہ درِ بے بہا بتاریخ دوز دہم (کذا) شہر جمادی الاول در عہد بادشاہ ملا یک سپاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ مطابق ہجری مقدسہ ۱۲۳۰ و سن (کذا) جلوس ۱۰ معلّٰی رک: فہرست اشپرینگر، ص ۷، شمارہ ۹۲۔ پرٹش، ص ۵۳۴-۵۳۵۔

۷۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر کے عہدہ میں جو ترقی ہوئی، وہ اس کی خواہش کے مطابق تھی۔ اشپرینگر کو ۱۸۵۰ء کے وسط میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور ''ترقی مرتبہ'' سے اس کے اسی تقرر کی جانب اشارہ ہے۔ اشپرینگر اور دہلی کالج کے سابقہ سربراہ فریڈرک ٹیلر کے مابین کچھ اختلافات تھے اور کبھی کبھار ان کا کھل کر اظہار بھی ہوتا تھا۔ (تفصیل کے لیے رک: راقم کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، حوالہ مذکور)، لیکن اشپرینگر کا یہ تبادلہ کسی شخصی اختلاف یا سازش کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ یہ اس کی منشا کے مطابق ہوا۔

۸۔ اس صیغۂ جمع سے معلوم ہوتا ہے کہ اشپرینگر کے ایک سے زیادہ بیٹے تھے اور ان کی ولادت زیرِ نظر خط کے سنۂ تحریر یعنی ۱۸۵۰ء سے قبل ہوئی تھی۔ اشپرینگر کے خاندانی کاغذات و دستاویزات کی جو فائل برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں موجود ہے اس میں اشپرینگر کے صرف دو بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ یہ دونو اس کی وفات (۱۸۹۳ء) کے بعد بھی زندہ رہے۔ ان میں سے ایک کا نام ڈانیل اشپرینگر تھا اور دوسرے کا نام انٹونی اشپرینگر۔ یہ دونو بیٹے اپنے باپ کے نقشِ قدم پر نہ چل سکے، البتہ انھیں اپنے والد کے بیش بہا ذخیرۂ کتب اور دیگر دستاویزات کی اہمیت کا علم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں اپنے والد کی تمام نجی کاغذات اور مطبوعات کو اس کتاب خانہ

Marfat.com

کے سپرد کر دیا۔

- اس کا تفصیلی ذکر مولانا مملوک العلی نانوتوی کے تحت ہو چکا ہے۔
- دہلی کالج کے رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) کے مطابق مولوی سید محمد کی جماعت دوم (عربی) میں ایک طالب علم کا نام محمد ہاشم تھا۔ اس وقت اس کی عمر ۱۷ برس تھی اور پانچ سال سے یہاں زیر تعلیم تھا۔
- مولانا محمد یعقوب نانوتوی (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، خلف مولانا مملوک العلی نانوتوی) کی یہ پہلی شادی تھی، جو شعبان ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو شیخ کرامت حسین دیوبندی کی دختر نیک اختر عمدۃ النساء سے ہوئی۔ رک: سیرت یعقوب و مملوک، ص ۳۸-۳۹۔ مولانا محمد احسن نانوتوی از محمد ایوب قادری، ص ۱۹۷۔ بیاض یعقوبی بحوالہ سیرت یعقوب و مملوک۔
- اس فارسی عبارت کا قلم منشی اشرف علی کے قلم سے مختلف ہے۔

۳

''غریب پرور سلامت (۱)

چوتھی جولائی کو ایک عرضی متضمن حال کتب کے میں نے لکھ کر بھیجی ہے مگر اب تک اوس کا جواب نہ آیا۔ احتیاطاً پھر لکھتا ہوں۔ ''مختار نامہ''، ''سفینۃ الاولیاء'' در یک جلد، ''تاریخ دُرِ بے بہا''، ''مروج الذہب'' در دو جلد۔ اور ''اغانی'' کا ٹکڑا عبدالرزاق کاتب لکھتا ہے (۲) عنقریب تمام کر دے گا۔

اور حضور نے مولوی مملوک العلی صاحب کے خط میں لکھا تھا کہ ''الفاظ الادویہ'' میرے واسطے بھیجی گئی یا نہیں (۳)۔ بندہ نواز جب وہ چھپ چکی تھی، میں نے ایک نقل اوس کی لکھنؤ میں بھیج دی تھی۔ ایسی کوئی کتاب طب کی نہیں جو یہاں چھپی اور آپ کے واسطے میں نے نہ بھیجی ہو۔

اگرچہ حضور کی ترقی سے دل بہت خوش ہوا لیکن رنج اس امر کا ہوا کہ سایہ حضور کا ہمارے سر پر نہ رہا۔ اگرچہ مجھ کو بھروسا حضور کا بہت ہے۔ خدا حضور کو خوش رکھے۔

اور در باب ''تاریخ یمینی'' کے ایک چٹھی ولایت سے اس مضمون کی آئی تھی کہ میرے پاس تمہاری ۲۵ جلدوں میں سے ایک بھی نہیں پہنچی، چنانچہ اوس کی نقل بھی میں حضور کے پاس اوسی عرضی کے ساتھ بھیج چکا ہوں۔ اس باب میں جیسا حضور کو منظور ہو ویسا فرمائیں۔ کیونکہ ۲۵ جلدیں ہیں اور یہ جلدیں ۲۶ جنوری ۱۸۴۸ء کو معرفت اسٹل صاحب کے ولایت کو گئی تھیں (۴)۔

اور ان کتابوں میں جون جون سی حضور کو لینی منظور ہوں، اون سے مطلع فرمائیں۔

Marfat.com

مروج الذہب بخط عرب در دو جلد

مختار نامہ ۳۱۱ ورق سطور فی صفحہ ۱۵ فی سطر ۴۸ خط فارسی خوش خط۔

تاریخ دُرِّ بے بہا ۲۰۹ ورق، فی صفحہ سطر ۱۱ حروف ۳۹

سفینۃ الاولیاء ۱۳۰ ورق فی صفحہ ۱۹ سطر حروف فی سطر ۵۲ دریک جلد

تذکرہ حسینی ۱۰۹ ورق فی صفحہ سطر ۱۷

شرح صراط المستقیم شیخ عبدالحق دہلوی (۵)

عرضی

نیازمند اشرف علی''

تشریحات:

سابقہ خط کی طرح منشی اشرف علی نے اس خط میں بھی اشپرینگر کی ترقی کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ سطور بالا میں لکھا گیا ہے کہ اس ترقی سے مراد اس کی مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے عہدۂ پرنسپلی پر تقرری ہے۔ اس عہدہ پر اشپرینگر کا تقرر وسط ۱۸۵۰ء میں ہوا۔ اس اعتبار سے یہ خط بھی اسی سال کا تحریر کردہ ہے۔ پچھلا خط ۴ جولائی کو لکھا گیا اور غالباً یہ خط بھی اسی ماہ کے آخری ہفتے میں ارسال کیا گیا۔ اشرف علی حسب معمول اشپرینگر کے لیے ''کتاب الأغانی'' کے ایک جزو کی کتابت کرا رہے تھے۔ اشپرینگر کتابت کے معیار اور رفتار کے متعلق معلوم کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو لکھا کہ وہ اشرف علی سے معلوم کر کے کتابت کی صحیح صورت حال سے اسے مطلع کریں۔ انھوں نے اشرف علی سے پوچھ کر اشپرینگر کو بذریعہ خط (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) یہ اطلاع دی:

''منشی اشرف علی صاحب سے حال نقل کروانے ''کتاب الأغانی'' کا پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا تھوڑی سی باقی رہتی ہے۔ چند روز میں تمام ہو جائے گی''

(رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵)

مولانا مملوک العلی کے اس خط کے فوراً بعد اشرف علی نے بھی اشپرینگر کو ''کتاب الأغانی'' کی کتابت کی صورت حال سے آگاہ کیا۔ ان دونو مکتوب نگاروں کی اطلاعات میں اتنی مماثلت ہے کہ ان کے ایام تحریر میں زیادہ فرق معلوم نہیں ہوتا۔ اسی سے یہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ اشرف علی کا یہ خط مولانا مملوک العلی نانوتوی کے خط (بابت ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء) کے تھوڑے دنوں بعد ہی بھیجا گیا۔ اس

Marfat.com

کی تصدیق اس تاریخ سے بھی ہوتی ہے، جو ''اَغانی'' کے اس جزو کے آخر میں درج ہے، یعنی شوال ۱۲۶۶ھ جو اگست ۱۸۵۰ء کے مطابق ہے۔ جب اشرف علی نے یہ خط لکھا تو اس جزو کی کتابت قریب الاختتام تھی۔

۲۔ ''کتاب الأغانی'' کا یہ ٹکڑا اور اصل اس کا جزء ثالث ہے اور اسے کاتب عبدالرزاق بن محمد سالم دہلوی نے شوال ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں مکمل کیا۔ اوراق کی تعداد ۳۲۰ ہے۔ یہ جز اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود تھا۔ (فہرست اشپرینگر، ص ۴۳، شمارہ ۱۱۸۰) اور اب برلین (مغربی) کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ (اہلوارٹ ۶: شمارہ ۷۳۹۸)۔ تفصیل کے لیے رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵، تشریحات ۵۔

۳۔ ''الفاظ الادویہ'' کا ایک نسخہ فوری بھجوانے کے لیے اشپرینگر نے مولانا مملوک العلی نانوتوی کو جو خط لکھا، اس کا جواب انھوں نے ۲۲ جولائی ۱۸۵۰ء کو دیا (رک: مکتوبات مملوک العلی، شمارہ ۵ مع تشریحات، شمارہ ۶) اور ایک نسخہ خرید کر بھجوانے کا وعدہ کیا۔

۴۔ ''تاریخ یمینی'' اشپرینگر اور مولانا مملوک العلی نانوتوی کے اشتراک سے مرتب ہوئی تھی اور اسے اشرف علی نے مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں شائع کرایا تھا۔ اشپرینگر اس کتاب کو یورپ کے علمی حلقوں میں بھی متعارف کرانا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے مطبع کے مہتمم اشرف علی کو اس کے پچیس نسخے یورپ بھجوانے کا حکم دیا۔ یہ نسخے کسی انگریز اشل صاحب کی معرفت ۲۶ جنوری ۱۸۴۸ء کو ارسال کیے گئے۔ ان کتابوں کے مرسل الیہ کا نام معلوم نہیں۔ سال ڈیڑھ سال گذر گیا، لیکن ان کتب کے ملنے یا نہ ملنے کی کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی۔ بالآخر اشرف علی نے نامعلوم مرسل الیہ کو خط لکھا، تو پتا چلا کہ وہ جلدیں ابھی تک اس شخص کو نہیں پہنچیں۔ اشرف علی نے اصل خط اشپرینگر کو بھیج دیا، تاکہ وہ ان کتابوں کی گمشدگی کا پتا چلائے۔ اشرف علی کے کسی اور خط سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ''تاریخ یمینی'' کے یہ نسخے دستیاب ہوئے یا نہیں۔

۵۔ صاحب ''قاموس'' شیخ مجدالدین فیروزآبادی (م۔ ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء) کی ایک کتاب ''سفر السعادت'' ہے جس میں رسول اکرم کی عبادات اور احوال و معاش سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کا دوسرا نام ''صراط مستقیم'' بھی ہے۔ اس کے شارح عبدالحق محدث دہلوی خود لکھتے ہیں کہ:

''نام ایں کتاب در اصل سفر السعادت است و مشہور میان مردم بصراط مستقیم شدہ۔''

بعض فہرست سازوں نے بھی اس کا یہی عنوان یعنی ''صراط مستقیم'' دیا ہے۔ (رک: فہرست

Marfat.com

مخطوطات عربی، فارسی وترکی در کتاب خانہ شاہی، ویانا۔ مرتبہ فلیوگل، جلد سوم ۱۸۶۷ء، ص ۴۴۹)۔

عبدالحق محدث دہلوی (م۔۱۰۵۲ھ) نے اس کتاب کی فارسی شرح لکھی تھی۔ اشرف علی کے اس خط سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے دیگر مخطوطات کی طرح یہ شرح بھی خرید کر اشپرینگر کو بھیج دی ہوگی، لیکن اس کی اپنی فہرست اور برلین (مغربی) کے کتاب خانہ میں یہ شرح موجود نہیں۔ استوری نے اس شرح کے متعدد قلمی نسخوں کے حوالے دیئے ہیں۔ (۱/۱: ۱۸۰-۱۸۱) ان میں ایک نسخہ کلکتہ مدرسہ کے کتاب خانہ میں موجود ہے۔ (شمارہ ۱۱۰، ص ۶۳، مکتوبہ ۱۱۹۴ھ) ان دنوں اشپرینگر اس مدرسہ کا پرنسپل تھا، ممکن ہے، اس نے یہ نسخہ خود نہ لیا ہو اور اسے اپنے مدرسہ کے کتاب خانے کے لیے خرید لیا ہو۔

عبدالحق محدث دہلوی کی اس شرح کے لیے رک: مرآۃ الحقائق از منشی برکت علی، رامپور: مطبع عزیزی، ۱۳۲۲ھ، ص ۵۶۔ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی از خلیق احمد نظامی، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۱۷۲-۱۷۵۔

اس شرح کا ایک قلمی نسخہ مولوی محمد شفیع مرحوم کے ذاتی کتاب خانہ میں موجود تھا (رک: فہرست مخطوطات شفیع، تالیف دکتر محمد بشیر حسین۔ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۴۱۷-۴۱۸، مع دیگر مآخذ)

۴

''آقائے نامدار سلامت (۱)

نیاز مند اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے، حضور کا والا نامہ در باب خرید لینے ''ربیع الابرار'' (۲) اور ایک جلد ''سکندر نامہ'' (۳) صحیح و خوشخط و محشی کے پہنچا۔ اس نیاز مند کو سربلند کیا۔

جناب عالی! ''ربیع الابرار'' میں بعد تمام دیکھنے کتاب کے ایک نقصان نکلا اور وہ نقصان یہ ہے کہ پینتالیس ورق اخیر میں اوپر کی طرف کونے میں یعنی حاشیہ کی طرف کی سطور میں نقصان اتنے اتنے حروف کا تخمیناً ہے۔ سطر اول میں ۴۸ حروف، سطر دوم میں ۵۱، سوم میں ۵۸، چہارم میں ۵۹، پنجم میں ۵۷ حروف کا ہے۔ مگر ۱۶ ورق اخیر میں نو سطر کا نقصان دیکھا لیکن کاریگر نے جوڑ ایسا خوبصورتی سے کاغذ ہمرنگ کا لگایا ہے اور جدول طلائی بھی بدستور کر دی ہے۔ الا محتاجگی دوسری کتاب کی ضرور پڑی تا کہ وہ درست ہو۔ اس سبب سے میں نے اوس کو نہیں لیا اور بیچنے والے سے کہا اگر تو پانچ روپیہ چھوڑ دے تو میں لیتا ہوں اور نہیں تو نہیں لیتا، مگر وہ راضی نہیں ہوتا۔ بیان کرتا ہے کہ یہ کتاب مجھ کو ساٹھ میں سید ابراہیم (۴) نے لگا دی ہے۔ مگر دو روپیہ چھوڑ

Marfat.com

دوں گا۔ سواگر حکم حضور کا ہوتو میں لے لوں، مگر اوس کی درستی پر تین چار روپیہ سے کم نہیں صرف ہوگا۔

اور ''سکندر نامہ'' میرے پاس کئی آئے لیکن اکثر جاء سے غلط پائے اور پرانے بھی کم تھے، لیکن اکثر دلالوں سے کہہ رکھا ہے۔ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ بھیجوں گا۔

اور حضور نے ارشاد کیا تھا کہ ایک صاحب بطریق سیر دہلی آتے ہیں۔ وہ صاحب ہماری کتابیں لائیں گے۔ سو آج تک نہیں آئے۔ کیونکہ حضور کی کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔

اور لالہ رادہ کشن (۵) بعد آداب کے عرض کرتے ہیں کہ حضور کی میرے حال پر پرورش ہوگی کہ مولوی سدید الدین خان صاحب کی طرف دو سو چالیس روپیہ مع اصل اور سود کے ہیں۔ حضور کی ادنیٰ توجہ سے وصول ہو سکتے ہیں۔ (۶) اور مجھ کو امید ہے کہ ''تاریخ یمینی'' کا بھی حضور کو خیال ہوگا (۷)۔

اور درینولا نواب محمد میر خان (۸) کے ہاں تقسیم مال کا فساد برپا ہے۔ اغلب ہے کہ اب اون کے ہاں کی کتابیں شاید بکیں۔ مگر یہ نیاز مند ہمیشہ خیال میں رہتا ہے کہ کوئی پرانی کتاب تاریخ کی مجھ کو ملے اور حضور کے واسطے خرید لوں، لیکن مجھ کو امید ہے کہ ایک فہرست اون کتابوں کی، جو کہ حضور کو لینی منظور ہیں، میرے پاس بھیج دیں زیادہ حد ادب۔

بخدمت خداوند نعمت جناب میم صاحبہ مخدومہ کے آداب اور صاحبزادوں کو دعا دیتا ہوں۔

جناب عالی! ایک پرچہ مکند لعل (۹) کے نام کا عرضی کے سات ہے۔ از راہ خاوندی کے اون کو عنایت کر دیجئے گا۔''

تشریحات:

۱۔ اشرف علی کے دیگر مکاتیب کی طرح یہ خط بھی بلا تاریخ ہے، بلکہ اس کے آخر میں مراسلہ نویس نے اپنا نام تک نہیں لکھا۔ اشرف علی نے اس خط کی ابتدا ہی اپنے نام سے کی ہے اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ان کا لکھا ہوا ہے۔

اس خط میں اشرف علی نے مولانا سدید الدین خاں کا ذکر کیا ہے اور اشپرینگر سے سفارش کی ہے۔ وہ اپنے اثر و رسوخ سے مولانا سے ۲۴۰ روپے (مع اصل اور سود) کی رقم وصول کرا دے۔ سدید الدین خاں دہلی کالج کے پرانے طالب علم اور استاد تھے۔ اشپرینگر کی ذاتی کوشش سے انھیں آگرہ کالج میں مدرس اول (عربی) کی ملازمت حاصل ہوئی اور وہ چند سال یہاں پڑھاتے رہے۔ جب اشپرینگر نے مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا تو اس نے عہدۂ امنی کے لیے سدید الدین خاں کو منتخب کر لیا (۹ جنوری ۱۸۵۱ء) اور وہ فوراً آگرہ کی ملازمت چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے (مولانا کے تفصیلی

Marfat.com

حالات معہ خطوط سطور بالا میں درج کیے جا چکے ہیں)۔ غالباً یہ خط اس وقت لکھا گیا، جب سدید الدین خاں مدرسۂ عالیہ میں ملازم ہو چکے تھے۔ چونکہ وہاں اشپرینگر ہی کے ماتحت کام کر رہے تھے اسی لیے مکتوب نگار نے رقم کی وصولی کے لیے اس سے رجوع کیا۔ اس بناء پر یہ بات قرین قیاس ہے کہ زیر نظر خط اسی سال یعنی ۱۸۵۱ء میں لکھا گیا۔

- زمخشری کی کتاب ہے۔ اس قلمی نسخہ کے ۳۵۱ ورق ہیں اور یہ بارھویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۴۷، شمارہ ۱۱۸۷۔ اہلوارٹ ۷ (۱۸۹۵ء): ص ۳۳۳-۳۳۷، شمارہ ۸۲۵۱۔
- نظامی گنجوی کی مشہور کتاب۔ اشپرینگر کے قیام ہندوستان کے دوران میں اس کتاب کے جتنے ایڈیشن کلکتہ (۱۸۱۲ء مع شرح بدر علی و ۱۸۵۲ء) لکھنؤ (۱۸۴۹ء) اور بمبئی (۱۸۴۵ء مع شرح) سے شائع ہوئے تھے، وہ سب اس کے ذاتی کتاب خانے میں موجود تھے (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۲، شمارہ ۱۴۷۷-۱۴۸۰)۔

''سکندر نامہ'' کا دوسرا اور تیسرا حصہ ''سکندر نامۂ بحری'' کہلاتا ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے ذخیرۂ اشپرینگر میں موجود تھے۔ (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۲، شمارہ ۱۴۸۳-۱۴۸۴)۔ اشپرینگر نے ''خرد نامہ اسکندری مسمیٰ بہ سکندر نامۂ بحری'' آغا محمد شوستری کے اشتراک سے ترتیب دیا۔ اس کا پہلا حصہ کلکتہ سے ۱۸۵۲ء میں طبع ہوا۔ غالباً دوسرے حصے کی اشاعت کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حصہ اول کے متعلق ایک اہم اقتباس درج ذیل ہے:

"The *Sikandernama* has been printed to the extent of nearly one-half, the other half will fill about one fasciculus. The mss. available for this portion are correct, and as soon as Dr. Sprenger has compared them with a printed copy lately brought by him from Baghdad, it should be carried through the press under the superintendence of a competent Mawlawi."

(Report of the Philological Sub-Committee to the Council of the Asiatic Society, in: *JASB, Proceed.*, Vol. XXV (1856), p. 463)

Marfat.com

۴۔ رادھا کشن دہلی کالج کا طالب علم تھا۔ برلین (مغربی) کے کتاب خانے میں اشپرینگر کے جو ذاتی کاغذات و مسودات پڑے ہوئے ہیں، ان میں بڑی تقطیع کا ایک رجسٹر بھی موجود ہے۔ اس رجسٹر میں ان تمام طلبہ کے نام درج ہیں، جو ۱۸۴۷ء میں زیر تعلیم تھے (اس رجسٹر کا تفصیلی ذکر مکتوبات مملوک العلی کے تحت ہو چکا ہے)۔ اس رجسٹر میں رادھا کشن کا اندراج ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر ۲۱ سال تھی اور اسے دہلی کالج میں پڑھتے ہوئے ساڑھے چھے سال گذر چکے تھے۔ وہ اس سال جماعت دوم (عربی) کا طالب علم تھا اور اس کے استاد مولوی سید محمد تھے۔ اس رجسٹر میں رادھا کشن کے نام کے ساتھ یہ نوٹ درج ہے ''صرف علم ریاضی سیکھا۔ روڑکی بھیجا جاوے گا۔'' اسے روڑکی بھیجا گیا یا نہیں، اس کے متعلق ہم عصر ماخذ خاموش ہیں۔ علم ریاضی سے اسے خاص لگاؤ تھا۔ چنانچہ یہی شوق اسے دہلی کالج کے استاد ماسٹر رام چندر کے قریب لے آیا اور اسی مضمون کے حوالے سے ان دونو میں استاد اور شاگرد کا تعلق استوار ہو گیا۔ ان دونو نے مل کر واند کے علم ریاضی پر ایک انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا، جو مطبع دہلی اردو اخبار سے ۱۸۵۱ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمہ کا عنوان ''ہندسہ بالجبر'' ہے'' (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۸۳۔ اس کتاب کے مؤلف نے ''رادھا کرشن'' نام لکھا ہے)۔ صدیق الرحمٰن قدوائی نے بھی اس ترجمہ کو ماسٹر رام چندر کی تالیفات میں شامل کیا ہے۔ اس کا ایک نسخہ حیدر آباد دکن کی اسٹیٹ لائبریری میں موجود ہے۔ سرورق غائب ہے، اس لیے مترجمین کے نام معلوم نہیں ہوتے۔ البتہ صفحہ اول پر ''رام چندر'' مرقوم ہے (رک: ماسٹر رام چندر، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۸۲-۸۳)۔ محمد عتیق صدیقی نے ایک کتاب ''علم عادات'' کا حوالہ دیا ہے، جو ۱۸۵۱ء میں مطبع العلوم سے رادھا کشن کے لیے چھاپی جا رہی تھی (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۰)۔

منشی دیبی پرشاد بشاش نے رادھا کشن نام کے دو اشخاص کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک کا تخلص حاضر ہے۔ خلف منشی برج لعل، قوم کائستھ، ساکن پرگنہ نواب گنج (کانپور)۔ اردو شعر گوئی کا ذوق تھا (تذکرہ آثار الشعرائے ہنود، دہلی، ۱۸۸۵ء، ص ۴۸)۔ دوسرے کا تخلص مشہور تھا اور وہ حافظ قطب الدین مشیر کا شاگرد تھا (ایضاً، ص ۱۲۱)۔

۵۔ اشرف علی مطبع العلوم کے مہتمم اور لالہ رادھا کشن اس کے خزانچی تھے۔ یہ مطبع ایک لمیٹڈ کمپنی کی طرز پر چل رہا تھا اور دہلی کالج کے بیشتر اساتذہ اور ملازمین اس کے حصہ دار تھے۔ ان میں ایک مولانا سدید الدین خاں بھی تھے۔ اسی شراکت داری کے حوالے سے مولانا کے ذمہ کچھ رقم نکلتی تھی، جس کی وصولی

Marfat.com

کے لیے رادھاکشن تقاضا کرتا رہتا تھا۔ بالآخر اس نے منشی اشرف علی کی وساطت سے اشپرینگر کو کہلوایا کہ وہ اس رقم کی وصولی کے لیے اس کی مدد کرے۔

٦۔ سابقہ خط میں اشرف علی نے اس تاریخ کے پچیس نسخوں کا ذکر کیا تھا، جو اشپرینگر کے حکم کے مطابق انھوں نے ۱۸۴۸ء میں یورپ بھجوائے تھے، لیکن دو سال گذرنے کے باوجود ان کی وصولیابی کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ یہاں پھر مکتوب نگار نے اشپرینگر کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کرائی ہے۔

٧۔ دہلی کے روٴسا میں شمار کیے جاتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳ جنوری ۱۸۴۸ء کو ہوا۔ ایک ہمعصر اخبار میں ان کی وفات کی خبر یوں چھپی:

''نواب محمد میر خان، کہ ایک بڑے نامی رئیس دہلی تھے، اس دار فانی سے تیرہویں تاریخ ماہ حال کو رحلت کر گئے۔ اوصاف حمیدہ اس بزرگ کے ایسے تھے کہ زبان قلم اون کے بیان سے عاجز ہے۔''

(قران السعدین، جلد ۳ نمبر ۳، بابت ۱۷ جنوری ۱۸۴۸ء، ص ۳۴۔ مخزونہ مغربی برلین)

دہلی میں ان کے نام پر ایک بازار بھی تھا، جس میں زیادہ تر چمڑے کا کاروبار ہوتا تھا۔

(آثار الصنادید، طبع کراچی ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۴)

بشیر الدین احمد نے ''واقعات دار الحکومت دہلی'' کی جلد دوم میں ایک بڑی تقطیع کا نقشہ دہلی دیا ہے، اس میں حویلی میر خان کی نشاندہی بھی کی گئی ہے (مطبوعہ دہلی، ۱۹۱۹ء)

اشرف علی کے اس خط سے پتا چلتا ہے کہ نواب میر خاں کا ایک ذاتی کتاب خانہ بھی تھا، جس میں نادر قلمی نسخے جمع کیے گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مال ومتاع کی تقسیم پر جھگڑے شروع ہوگئے اور یہ کتب خانہ بھی انھی تنازعات کی نذر ہوگیا۔ اس خط کے سال تحریر یعنی ۱۸۵۱ء تک یہ کتب خانہ منتشر نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد اس پر کیا گذری، کچھ معلوم نہیں۔

٨۔ یہ بھی دہلی کالج کے اساتذہ میں شامل تھا۔ متذکرہ بالا رجسٹر کے مطابق ۱۸۴۷ء میں یہ جماعت دہم کو پڑھاتا تھا اور اس جماعت کے طالب علموں کی تعداد چالیس تھی۔

۵

''آقائے نامدار من سلامت (۱)

جناب عالی حسب الارشاد کے ''احیاء العلوم'' (۲) کو مولوی جعفر علی (۳) صاحب کو دکھلایا۔ چنانچہ مولوی صاحب نے دیکھ کر بہت پسند کیا اور کہنے لگے کہ کیا کروں میرے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ اس کتاب کو لے

Marfat.com

لوں۔ اور ایسا ہی شوق مولوی سید محمد صاحب (۴) نے بیان کیا، بلکہ وہ تو یہ کہنے لگے کہ بڑا تعجب ہے کہ اب اس قیمت کو یہ کتاب بکی، کیونکہ اس کتاب کی قیمت تو ہم ہمیشہ دوسو روپیہ سنا کرتے تھے۔ اور حق ہے کہ اس کتاب کا جواب اس شہر میں نہیں۔ جب اس نیاز مند نے واسطے کی قیمت کے چودھری بختاور سنگھ (۵) صاحب کو معرفت لالہ رادہ کشن صاحب (۶) کے بیچ میں ڈالا، مالک کتاب نے نہ مانا اور جواب دیا کہ والد ماجد نے اس کتاب کو دوسو روپیہ کو خریدا تھا، مجھ کو تو آدھی قیمت بھی اس کی نہ ملی۔ ناچار ہو کر لالہ رادھا کشن سے نوہ روپیہ دلوا کر کتاب لے لی۔

اور ''حبیب السیر'' (۷) کا یہ حال ہے کہ اب جو حضور نے سرخیاں لکھیں تو معلوم ہوا کہ وہ جزو ثالث اور مجلد ثالث کی ہیں نہ کہ جزو ثانی کی۔ اور یہ نیاز مند موافق لکھنے حضور کے جزو ثانی میں تلاش کرتا تھا اور بار بار دیکھتا تھا اور کہیں ٹھکانا نہ لگتا تھا۔ احتیاطاً میں نے خیال کیا کہ جزو ثالث کو بھی دیکھوں۔ جب جزو ثالث کو دیکھا تو سب سرخیاں اور ٹھکانا مل گیا۔ تو اب میں نے حساب کر کے کاتب سے دریافت کیا، چنانچہ کاتب اس بات پر راضی ہوا ہے کہ بارہ روپیہ میں تمام کتاب تک لکھ دوں گا اور دو روپیہ میں شنجرف اور کاغذ کا خرچ ہو جا[ئے] گا۔ تو اس صورت میں چودہ روپیہ اصل کتاب کی تیاری میں صرف ہوں گے۔ اگر ارشاد ہو تو لکھوا دوں اور کاغذ بانس ہوگا۔

اور تذکرہ حکیم عزت اللہ خان کا یہ حال ہے کہ مولوی سید محمد نے کہا کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں میرا بہت بہت آداب لکھنا اور یہ عرض کرنا کہ جناب عالی! وہ تذکرہ حکیم عزت اللہ خان کا نہیں بلکہ حکیم قدرت اللہ خان (۸) کا ہے، جو عزت اللہ خان (۹) کے والد تھے اور اوس کی نقلیں شہر میں اس قدر نہیں کہ معرض بیع میں ہوں۔ مگر اون کے ہاں سے لے کر نقل تو کروا دی جائے گی۔ اس باب میں جیسا حکم ہو عمل میں لاؤں۔

اور ''ربیع الابرار'' اب تک مجکو دوسری نہیں ملی کہ اوس کی ترمیم ہو۔ سو جناب عالی! ایک نسخہ ''ربیع الابرار'' کا مولوی مؤید الدین، جو کہ مولوی سدید الدین خان کے بھائی ہیں، اون کے ہاں میں نے [illegible] ہے۔ تو اب یہ عرض ہے کہ حضور ایک خط مولوی سدید الدین کا اون کے نام اس عرضی کے جواب کے ساتھ بھجوا دیں تاکہ اوس کی درستی کروں۔ زیادہ حد ادب۔ عرضی مولوی جعفر علی صاحب کی بھی حضور میں پہنچی ہے۔

عرضی

نیاز مند اشرف علی''

Marfat.com

تشریحات:

۱۔ اس خط میں ایک بار پھر مولانا سدید الدین خاں کا نام آیا ہے اور سابقہ خط کی طرح اسی حوالے سے موجودہ خط کے سنۂ تحریر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ منشی اشرف علی نے اشپرینگر کے لیے زمخشری کی ''ربیع الابرار'' کا قلمی نسخہ حاصل کیا، لیکن وہ جگہ جگہ سے ناقص نکلا۔ اس نقص کی تفصیل پچھلے خط میں لکھی جاچکی ہے۔ اشرف علی اس کتاب کے کسی دوسرے نسخے کی تلاش میں تھے، تاکہ اس سے خرید کر وہ نسخے کی تصحیح کرلی جائے۔ بالآخر انھیں پتا چلا کہ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ سدید الدین کے بھائی مؤید الدین کی ذاتی ملکیت ہے۔ چنانچہ انھوں نے اشپرینگر کو لکھا کہ وہ مولانا سدید الدین سے اپنے بھائی کو خط لکھوائیں تاکہ وہ ان دونو خطی نسخوں کا مقابلہ کرکے اپنے مخطوطہ کے ناقص حصوں کی تصحیح کرسکیں۔ ان دنوں مولانا سدید الدین مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) میں عہدۂ امینی پر فائز تھے۔ انھیں یہ ملازمت اوائل ۱۸۵۱ء میں حاصل ہوئی تھی۔ غالباً یہ خط بھی اسی سال کا تحریر کردہ ہے۔

۲۔ امام غزالی کی ''احیاء العلوم'' کا یہ قیمتی خطی نسخہ دہلی کے کسی رئیس کے کتاب خانے کا معلوم ہوتا تھا۔ بائع خود کہتا ہے کہ اس کے والد نے یہ نسخہ دو سو روپے میں خریدا تھا۔ ظاہر ہے، اتنی زیادہ قیمت پر مخطوطہ خریدنے والا شخص اس زمانے کا کوئی رئیس یا نواب ہی ہوسکتا ہے۔ سابقہ خط میں دہلی کے نواب محمد میر خاں کے اثاثوں کی تقسیم کا حال لکھا گیا ہے اور اس خدشے کا بھی اظہار کیا گیا ہے کہ شاید یہ جمع کردہ کتب فروخت ہوں۔ ممکن ہے، ''احیاء العلوم'' کا یہ نسخہ اسی کتاب خانہ کا ہو، تقسیم جائداد کے بعد ان کے بیٹے نے اس کے بیش بہا قلمی نسخوں کو فروخت کرنا شروع کردیا ہو۔

اس وقت برلین (مغربی) کے ذخیرۂ اشپرینگر میں ''احیاء العلوم'' کے مختلف حصوں کے پانچ قلمی نسخے موجود ہیں۔ ان میں ہر ایک کے صفحہ اول پر ''المہلکات من احیاء العلوم'' درج ہے۔ ہر جلد کی تفصیل یہ ہے:

الف۔ ورق ۳۵۰، مشتمل بر فصل ۲۱ تا ۳۰۔ (فہرست اشپرینگر، ص ۴۸، شمارہ ۴۹۷۔ اہلوارٹ ۴ (۱۸۸۹ء) ص ۳۰۶، شمارہ ۱۶۸۲)

ب۔ ورق ۵۷۹، مشتمل بر فصل ۳۱ تا ۴۰۔ بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں کتابت ہوئی۔ (ایضاً ص ۴۸، شمارہ ۵۰۷۔ ایضاً ص ۳۰۷۔ ۳۰۸، شمارہ ۱۶۸۵)

ج۔ ورق ۱۱۷، مشتمل بر فصل ۲۶ تا ۲۹۔ مکتوبہ ۱۰۷۲ھ۔ (ایضاً ص ۴۸، شمارہ ۵۱۷۔ ایضاً، ص ۳۰۹ - ۳۱۰ شمارہ ۱۶۹۳)

Marfat.com

د۔ ورق ۱۵۵، مشتمل بر فصل ۳۰ تا ۳۲۔ بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر کا مکتوبہ۔ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۵۲ ۷۔ ایضاً ص ۳۱۰، شمارہ ۱۶۹۵)

ہ۔ ورق ۶۰، صرف فصل ۳۶۔ نویں صدی ہجری کا مکتوبہ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۵۳ ۷۔ ایضاً، ص ۳۱۱، شمارہ ۱۷۰۰)

ان کے علاوہ اشپرینگر کے پاس ''منتخب احیاء العلوم'' کا بھی ایک نسخہ تھا۔ اسے شرف الدین بن برہان الدین البخاری نے ۸۱۴ھ/ ۱۴۱۱ء میں لکھا تھا۔ اوراق ۱۷۱ (فہرست اشپرینگر، ص ۴۸، شمارہ ۵۴ ۷۔ اہلوارٹ ۲: ص ۳۱۴، شمارہ ۱۷۰۹)۔ اسی کتاب کا ایک خلاصہ بھی اس کی ملکیت تھا۔ اوراق ۱۸۷ (ایضاً، ص ۴۸، شمارہ ۵۵ ۷۔ ایضاً، ص ۳۱۵، شمارہ ۱۷۱۲)

یقین سے یہ کہنا مشکل ہے کہ ''احیاء العلوم'' کے ان تمام نسخوں میں وہ کون سا نسخہ ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے اتنی دوڑ دھوپ کی گئی اور پھر اسے اتنے مہنگے داموں خریدا گیا۔ اس قلمی نسخے کا دہلی کے علمی حلقوں میں چرچا تھا۔ وہ اسے خریدنا تو چاہتے تھے، لیکن قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ ان کی قوت خرید سے باہر تھا۔ ممکن ہے، یہ نسخہ پانچ حصوں میں ہو اور ان سب کو اکٹھے فروخت کیا گیا ہو۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست میں ان پانچوں جلدوں کا ذکر ایک ہی عنوان کے تحت کیا ہے۔

۳۔ قاری جعفر علی جارچوی، جو دہلی کالج میں شیعہ طلبہ کے استاد تھے۔ ان کے سوانح حیات اور محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر کے مابین مذہبی تنازعہ کی تفصیلات کے لیے رک: راقم الحروف کا مقالہ ''آزاد اور ان کے والد'' در: مطالعۂ آزاد، بحوالہ مذکور)

۴۔ دہلی کالج میں عربی کے مدرس دوم تھے۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ عربی کی جماعت دوم کو پڑھاتے تھے۔ مولوی رشید الدین خاں کے شاگرد تھے۔ ''مجموعۂ نغز'' کے مؤلف حکیم قدرت اللہ قاسم کے قریبی اعزہ میں تھے۔ ۱۸۵۴ء میں بعمر ۵۷ سال فوت ہوئے۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ان کا تخلص تعشق تھا۔ رک: دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، دہلی ۱۹۷۲ء، ص ۹۱-۱۹ ''دہلی کے چند شاعر''۔

۵۔ یہ دہلی کی کوئی بااثر شخصیت معلوم ہوتی ہے، جس سے لالہ رادھا کشن کی جان پہچان تھی۔ ''احیاء العلوم'' کے نسخے کو خریدنے کے لیے اس کی کوششیں بھی بار آور ثابت نہ ہوئیں۔

گارسیں دتاسی نے اپنی ''تاریخ'' میں راو بختاور سنگھ کا ذکر کیا ہے، جس کی ''تاریخ بدایوں'' ۱۸۶۸ء میں الہ آباد اور بدایوں سے شائع ہوئی تھی (۱۔ ۲۸۷)۔

Marfat.com

دیبی پرشاد بشاش نے ''تذکرہ آثار الشعرائے ہنود'' میں منشی بختاور سنگھ فائز خلف دھرم داس، متوطن دہلی، سررشتہ فوجداری فرخ آباد کا ذکر کیا ہے (مطبوعہ دہلی، ۱۸۸۵ء، ص ۱۰۸)

۶۔ دہلی کالج کے طالب علم لالہ رادھا کشن کا مفصل ذکر سابقہ خط کی تشریحات (شمارہ ۴) کے تحت کیا گیا ہے۔ اس عبارت سے اس کے متعلق ایک اور بات کا علم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اپنی کم عمری کے باوجود دہلی کے پڑھے لکھے اور بامروت افراد سے اس کی خاصی جان پہچان تھی۔ مزید یہ کہ اس نے اس اہم قلمی نسخے کی قیمت (نو روپے) خود ادا کی، جو بعد میں اس نے اشپرینگر سے وصول کر لی ہوگی۔ ان دنوں رادھا کشن مطبع العلوم کا خزانچی تھا۔ ممکن ہے، اس نے یہ رقم اسی مطبع کے فنڈ سے ادا کی ہو اور پھر اشپرینگر سے لے کر اس مطبع کے مہتمم منشی اشرف علی کو لوٹا دی ہو۔

۷۔ خوند میر کی معروف تاریخی کتاب۔ اشپرینگر نے اپنی فہرست میں لکھا ہے کہ اس کتاب کے مخطوطے کی تین جلدیں اس کے کتاب خانہ میں موجود ہیں اور تیسری جلد کے دو نسخے الگ ہیں۔ (ص ۵، شمارہ ۷۴-۷۷)۔

بحالت موجودہ یہ مخطوطہ حضرت علیؓ کی وفات تک ہے۔ جلد اول کے اوراق ۲۸۸ ہیں اور اس کا سنۂ کتابت ۱۰ صفر ۱۱۵۰ھ/ ۹ جولائی ۱۷۲۵ء ہے۔ جلد دوم کے اوراق ۴۰۴ اور جلد سوم کے ۳۹۸ ہیں۔ جلد سوم کے دوسرے نسخے کے اوراق کی تعداد ۲۹۴ ہے۔ رک: برٹش، ص ۳۹۹-۴۰۱، شمارہ ۴۰۰، ۴۰۴، ۴۰۶، ۴۰۷۔ استوری ۱/۱: ۱۰۶۔

۸۔ حکیم ابوالقاسم میر قدرت اللہ متخلص بہ قاسم (م-۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء) کے تذکرہ شعرائے اردو بعنوان ''مجموعۂ نغز'' (تاریخ اختتام ۱۲۲۱ھ) کی جانب اشارہ ہے۔ اشپرینگر قاسم کے بیٹے حکیم عزت اللہ خاں کو اس تذکرے کا مؤلف سمجھتا تھا، جس کی تصحیح مولوی سید محمد نے کر دی۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ حکیم عزت اللہ کے پاس اپنے باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود تھا۔ اس تذکرے کو پہلی بار حافظ محمود شیرانی نے مرتب کر کے لاہور سے ۱۹۳۳ء میں چھپوایا تھا (طبع عکسی، دہلی ۱۹۷۳ء)۔ اس کا متن محمد حسین آزاد کے قلمی نسخے پر مبنی ہے، جو اس وقت دانش گاہ پنجاب (لاہور) میں موجود ہے۔ غیر واضح عبارتوں کی تصحیح کے لیے مرتب نے انڈیا آفس کے نسخہ کو بھی استعمال کیا۔ ان دو کے علاوہ مرتب نے کسی اور قلمی نسخے سے استفادہ نہیں کیا۔ مرتب نے جس نسخے پر مطبوعہ متن کی بنیاد رکھی، اس میں جا بجا درستی اور اضافے کیے گئے ہیں۔ ان کی بنا پر مرتب نے دیباچے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ یہ مصنف کا خودنوشتہ نسخہ ہے۔ ممکن ہے، یہ وہی نسخہ ہو، جو قاسم

Marfat.com

کے بیٹے کے پاس تھا اور وہ کسی طرح محمد حسین آزاد کے ہاتھ لگ گیا اور وہ اسے اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔

اشپرینگر کو اشرف علی کی وساطت سے ''مجموعۂ نغز'' کا نسخہ بخط مصنف مستعار مل گیا۔ اس نے فوراً اس کی نقل تیار کرا لی۔ اس سے قبل اسی نسخے کی ایک نقل تذکروں کے انگریز شائق جناب بال نے بھی حاصل کر لی تھی۔ (رک: فہرست شاہان اودھ، ۱۸۵۴ء، ص ۱۸۶)۔ بال کی نقل کے صفحات تقریباً آٹھ سو ہیں اور اس میں پندرہ سطریں فی صفحہ ہیں۔ اشپرینگر کی نقل کے اوراق ۲۰۸ ہیں۔ خط نستعلیق اور فی صفحہ ۲۳ سطور ہیں۔ رک: فہرست اشپرینگر، ص ۲۴، شمارہ ۳۴۶۔ برٹش، ص ۶۷۴، شمارہ ۶۶۹۔ اسٹوری ۱/۲: ۸۸۲-۸۸۳۔

۹۔ یہ شاعر بھی تھے اور عشق تخلص کرتے تھے۔ قاسم نے اپنے بیٹے کا ذکر ''مجموعۂ نغز'' میں یوں کیا ہے:

''برخوردار کامگار فرزند سعادۃ نشان دلبند راحت رسان محب اہل اللہ میر عزت اللہ مدعمرہ وزاد قدرہ۔ وے جوانے است صالح خدایاد نیک طبیعت درویش نہاد عقبیٰ دوست دنیا دشمن پاکیزہ جان عاشق تن فتوۃ منش محبت التیام مروۃ روش شیریں کلام سلیم الطبع مستقیم مزاج سراسر سرور سر بسر ابتہاج حافظ قرآن شریف صاحب طبع ظریف۔ در فن طبابت ید طولیٰ دارد بمعالجہ مرضیٰ مسیحائی با بروے کار آرد از علوم ضروریہ بقدر کفائت فائدہ یاب و بہرہ اندوز است و بر تجوید وجودہ قراۃ کلام الٰہی تعالیٰ شانہ منصور و فیروز بصحبت اہل اللہ و صاحب دل بسیار متوجہ و مائل است و از ہم نشینی متمولاں و اہل دول خیلے متنفر و بے دل خدا شاہد است و کفی باللہ شہیدا کہ قلم حقائق رقم ہر چہ از پارسائیش برنگارد در دیدۂ اہل انصاف بسیار کم نماید و زبان حقیقت ترجمان ہر قدر کہ از تقویٰ شعاریش بیان نماید بگوش نصفت نیوش منصفان یکے از ہزار واند کے از بسیار در آید رجا زارحم الراحمین جل جلالہ و غفور المذنبین عم نوالہ ۔ عصیان این عاصی نامہ تباہ را بو ے بخشد و از جرم این مجرم موسفید رو سیاہ بفاتحہ خوانیش درگزرد [illegible] از اشعار آبدارش پیدا است و قوت سخنوری وے از کلام صحت نظامش ہویدا ایک صد [illegible] شطرے است از اشعار آبدارش و مشتے است از انبار لآلی شاہوار نتائج طبع [illegible] بارش [illegible] شد'' (۱: ۳۸۵-۳۸۶)

اس کے بعد عشق کا اردو کلام درج کیا گیا ہے (ص ۳۸۶-۳۹۸)۔ گارسیں دتاسی کے مطابق عشق کا انتقال ۱۸۴۰ء کے لگ بھگ ہوا (۳۹۰۲) اور کریم الدین پانی پتی اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (مطبوعہ ۱۸۴۸ء) میں لکھتے ہیں کہ عشق ''قریب پانچ یا سات برس سے [illegible] فوت

Marfat.com

ہوئے۔''(ص ۳۷۶)۔

۶

''آقائے نامدار سلامت (۱)

نیاز مند اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے کہ تذکرہ ابوالقاسم حکیم قدرت اللہ خان (۲) کا قریب الاختتام ہے یعنی بائیس جزو تو اوس کے کاتب لکھ چکا ہے اور گیارہ جزو کا مقابلہ اس نیاز مند نے باوجود عدم فرصت کے کیا ہے۔ اور میری عدم فرصتی کا حال حضور پر بخوبی روشن ہے کیونکہ مطبع کا کام فقط میں ہی کرتا ہوں (۳) اور مدرسہ میں بھی دس بجے سے چار بجے تک حاضر رہتا ہوں (۴)۔ انشاء اللہ تعالیٰ باقی اجزا کا بھی بہت جلد مقابلہ کر کے اور جلد بندھوا کر حضور میں روانہ کروں گا۔

خداوندا میں نے در بینولا بشراکت احمد علی سوداگر (۵) کے کتاب ''بہار عجم''، جو کہ اصطلاحات زبان عجم میں ہے، چھپوانا شروع کیا ہے۔ امید ہے کہ باقبال حضور وہ اختتام کو پہنچے گی۔ جناب عالی! یہ بہت بڑی کتاب ہے یعنی ''تفسیر عزیزی'' (۶) سے زیادہ ہے۔ اور یہ وہ ''بہار عجم'' ہے، جو کہ خاص مسودہ ٹیک چند بہار سے صاف ہوئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بروقت تیاری کے ایک نقل حضور میں روانہ کروں گا۔ امید رکھتا ہوں کہ حضور از راہ بندہ پروری کے اس کا ذکر شایقین زبان فارسی سے فرمائیں گے (۷)۔

اور جناب عالی! مرزا محمد علی منصف فتح پور (۸) نے اس نیاز مند کو واسطے ''احیاء العلوم'' اور ''فتوحات مکیہ'' (۱۰) کے لکھا ہے، چنانچہ نیاز مند نے اون کو یہ جواب لکھا کہ اس شہر دہلی میں فقط ایک نقل نواب محمد امیر خان کے کتب خانہ میں تھی۔ اوس کو میں نے اپنے خداوند نعمت جناب ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کے واسطے نو روپیہ کو خرید لیا اور صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیج دیا۔ اب میں صاحب ممدوح کی خدمت میں عرضی لکھوں گا۔ اگر صاحب کو منظور ہو گا تو اوس کو علیحدہ کریں گے اور تو کہیں اوس کا نشان مجھ کو معلوم نہیں ہوتا۔ سو اس واسطے حضور میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حضور کو منظور ہو تو میں منصف مذکور کو لکھوں اور بعد اوس کے حضور میں عرض کروں۔

اور جناب عالی! ایک ''مجموعہ بہادر خانی'' (۱۱) اس نیاز مند کو درکار ہے۔ اگر حضور کے اقبال سے مقام کلکتہ سے دستیاب ہو، تو اوس کی قیمت حضور میں بھیج دوں۔

اور جناب عالی (۱۲)! جس روز سے حضور یہاں سے تشریف لے گئے تو شرکائے مطبع نے مثل مولوی مملوک العلی مرحوم اور مولوی سبحان بخش (۱۳) اور مولوی امام بخش (۱۴) اور میر سید محمد خوشنویس (۱۵)

Marfat.com

اور اکثر طلبہ وغیرہ نے قریب پچاس حصوں کے بعض نے پورے پر اور بعض نے کچھ کم پر بیچ دیئے۔ در صورت لاچاری واسطے جاری رکھنے چھاپہ خانے کے اس نیاز مند نے قریب تیس حصوں کے اور قریب بیس حصوں کے لالہ رادہ کشن خزانچی نے خرید لیے (۱۶)۔ [کاغذ کا دایاں کونا الگ ہو کر گر گیا ہے]۔ حصہ داروں کو ادا کر دیا۔ اب جناب عالی! اس شہر میں بیس چھاپہ خانہ (۱۷) [دایاں کونا موجود نہیں] اس چھاپہ خانہ کی اور پرانے چھاپے خانوں کی رونق گھٹ گئی اور باہر کی چھپائی اور سوسیٹی کی چھپائی، کہ جس کے سبب سے بڑی آبادی تھی، وہ بسبب نہ تشریف رکھنے حضور کے مطلق نہیں ہوتی۔ ناچار قرض وام کر کے چھاپہ خانہ ہی کی کتابیں چھاپنی شروع کیں۔ تو اب یہ چھاپہ خانہ دو ہزار روپیہ کا قرض دار ہو گیا ہے اور آئندہ کو امید نفع کی بسبب کثرت چھاپہ خانوں کے نہیں معلوم ہوتی۔ اس صورت میں باقی شرکاء کی یہ رائے ہے کہ جو روپیہ اور شریکوں کا باقی ہے، وہ بھی یہ نیاز مند ادا کر دے اور کل قرض بھی اپنے ذمہ قبول کرے یعنی پانچ ہزار روپیہ کو خرید کرے۔ سو جناب عالی! یہ آپ کا نیاز مند بہت گھبراتا ہے کیونکہ میں نے ساری عمر میں قریب ڈھائی ہزار کے روپیہ جمع کیا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں تو ایک گوشہ میں بیٹھ رہوں، لیکن اب یہ صورت ہے، سو اس واسطے یہ نیاز مند آپ کے حضور میں عرض کرتا ہے کہ مجھ سے چھ سو روپیہ سوسیٹی کا اور ڈیڑھ سو روپیہ حضور کا یعنی سات سو پچاس روپیہ لیا جاوے، جیسا کہ پہلے شرکا لے چکے ہیں، تو اس نیاز مند پر حضور کا بڑا احسان ہو گا اور مجھ کو آپ کی فیاضی سے امید ہے کہ یہ میری عرضی حضور قبول کر کے ٹیلر (۲۰) صاحب کو لکھ بھیجیں گے کہ اشرف علی سے سات سو پچاس روپیہ بابت حصص سوسیٹی اور ہمارے کے لیا جاوے۔ اور جناب عالی! اگر سوسیٹی اس کارخانہ کو خرید لیوے تو بڑی ہی بندہ پروری ہے۔ کیونکہ یہ نیاز مند کام کرتے کرتے تھک گیا ہے۔ حضور پر روشن ہے کہ اس چھاپہ خانہ میں تین مہتمم تھے (۲۱) اور اب میں فقط اکیلا ہوں۔ اہتمام اخبار کا اور تمام کتابوں کا مقابلہ اور خطوط کا لکھنا اور سارے کارخانہ کا حساب لکھنا میرے ہی ذمہ پر ہے۔ بسبب تنہائی کے اور بھی گھبراتا ہوں (۲۲)۔ زیادہ حد ادب۔ آفتاب دولت کا روشن رہے۔

نیاز مند

اشرف علی"

تشریحات:

۱۔ یہ خط اشرف علی کے ان خطوں میں سب سے طویل ہے اور سب سے اہم بھی۔ اس میں انھوں نے اپنی نجی زندگی کے متعلق بعض ایسے مفید اشارے کیے ہیں، جن کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ دہلی کالج میں بطور منشی اور مطبع العلوم میں بحیثیت مہتمم ان کی مصروفیات کیا تھیں؟ اور وہ عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اپ

فرائض کو کتنی محنت اور ذمہ داری سے نپٹاتے تھے؟ ان باتوں کا اندازہ بھی زیرِ نظر خط سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بعض کتابوں مثلاً ''بہارِ عجم'' کی اشاعت اور اس کے مسودے کے بارے میں نئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مکتوب نگار نے مطبع العلوم کے مہتمم کی حیثیت سے اس پریس کی زبوں حالی کا جو نقشہ کھینچا ہے اور اس کی جو وجوہ بیان کی ہیں، ان سے اردو مطابع کی ابتدائی تاریخ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

اشرف علی کے دیگر پانچ خطوط کی طرح ان کا اشپرینگر کے نام یہ آخری خط بھی بلا تاریخ ہے۔ اس کے حتمی سنہ تحریر کا تعین تو نہیں کیا جا سکتا، البتہ بعض اندرونی شہادتوں کی بنا پر یہ امر قرین قیاس ہے کہ یہ خط اکتوبر ۱۸۵۱ء کے بعد یا ۱۸۵۲ء کے کسی مہینے میں لکھا گیا۔ ان دو سنین میں اول الذکر زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس سنہ کے تخمینی تعین کے لیے یہ حوالہ ہی کافی ہے کہ زیرِ نظر خط میں مطبع العلوم کے شراکت داروں میں مولانا مملوک العلی نانوتوی کے نام کے ساتھ ''مرحوم'' لکھا گیا ہے۔ مولانا کا انتقال ۱۱ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/ ۷ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو ہوا تھا۔ رک: بذیل مکتوبات مملوک العلی۔

۲۔ قاسم کا تذکرہ شعرائے اردو بعنوان ''مجموعۂ نغز'' (رک: گذشتہ خط، تشریحات، شمارہ ۸)۔ پچھلے خط میں مکتوب نگار نے اشپرینگر سے اس تذکرے کی نقل تیار کرانے کی اجازت مانگی تھی۔ اجازت ملنے پر اشرف علی نے اس تذکرہ کے مخطوطہ (بخط مصنف) کی نقل شروع کرا دی، جو اس خط کے سنہ تحریر تک قریب الاختتام تھی۔ اشرف علی اشپرینگر کو مختلف قلمی نسخوں کی نقول فراہم کرنے میں کس قدر احتیاط برتتے تھے، اس کا اندازہ موجودہ خط سے ہو جاتا ہے۔

۳۔ مطبع العلوم جب شروع ہوا تھا، تو اس کے تین مہتمم تھے اور ان میں ایک اشرف علی بھی تھے۔ جب مطابع کی کثرت کی وجہ سے اس مطبع کا کام مندا پڑ گیا اور نفع کے بجائے نقصان ہونے لگا، تو پھر دو مہتمم فارغ کر دیئے گئے اور اکیلے اشرف علی ہی اس کا انتظام چلاتے رہے۔

۴۔ اشرف علی دہلی کالج میں منشی تھے، استاد نہیں تھے، جیسا کہ مولوی عبدالحق (مرحوم دہلی کالج، ص ۱۵۴) اور مولانا امداد صابری (دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۵۹) نے لکھا ہے۔ کالج میں ان کے منشیانہ فرائض کی تفصیل نہیں ملتی۔ ممکن ہے، وہ یہاں مراسلہ نویسی اور دفتری نوعیت کے انتظامی کاموں کے نگران ہوں۔ بہرحال وہ روزانہ یہاں آتے اور چھ گھنٹے مسلسل کام کرتے تھے۔

۵۔ یہ دہلی کے کوئی تاجر تھے۔ اسی نام کے ایک صاحب دہلی کالج میں فارسی کے استاد تھے اور دوسرے اس دور کے معروف عالم احمد علی محدث سہارنپوری ہیں۔ یہ صاحب ان دونو سے الگ کوئی شخص ہیں، جو مطبع

Marfat.com

العلوم کی بعض کتابوں کی طباعت میں شریک تھے۔

''تفسیر عزیزی'' یا ''فتح العزیز'' از شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۸ھ، ۱۲۴۹ھ-لکھنؤ ۱۲۶۸ھ-مطبوعہ ۱۲۵۹ھ، مقام اشاعت نامعلوم۔ اس تفسیر کے ایک جزء کا قلمی نسخہ برلین میں موجود ہے (رک: اسٹوری ۱/۱: ۲۴)۔ اشرف علی کے زیر اہتمام مطبع العلوم سے اس تفسیر کی جلد اول ۱۸۵۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کے تین سو نسخے طبع ہوئے تھے اور فی نسخہ دو روپے قیمت تھی۔ جلد دوم کے بارے میں معلوم نہیں، کہ وہ کب اس مطبع سے شائع ہوئی۔ (رک: صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۹۰)

فارسی کی مشہور اور ضخیم لغت، جسے ٹیک چند بہار نے ترتیب دیا۔ بہار کا سنۂ وفات ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء ہے، لیکن اشپرینگر ایک جگہ لکھتا ہے کہ ۱۸۵۴ء میں اس کی ملاقات بہار کے پوتے سے ہوئی تھی اور اس نے بتایا کہ بہار کا انتقال تقریباً چالیس سال قبل ہوا تھا (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۸۵)۔ اس فرہنگ کی تاریخ اتمام ۱۱۶۲ھ ہے۔

''بہار عجم'' پہلی بار اشرف علی کے زیر اہتمام چھپنا شروع ہوئی۔ طباعت کے لیے مرتب فرہنگ یعنی ٹیک چند بہار کے خودنوشت نسخہ کو بنیاد بنایا گیا۔ منشی دیبی پرشاد نے اس لغت کے ایک قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۱۸۲ھ) کا حوالہ دیا ہے، جو بہار کے شاگرد اندرمن نے تیار کیا تھا اور اس کا دیباچہ خود مرتب نے تحریر کیا تھا (رک: تذکرہ آثارالشعرائے ہنود، دہلی ۱۸۸۵ء، ص ۲۲-۲۳)، لیکن اشرف علی نے طباعت کے لیے جو نسخہ استعمال کیا، وہ اس مخطوطہ سے مختلف معلوم ہوتا ہے۔

طباعت سے قبل بھی یہ فرہنگ مقبول خاص وعام تھی اور فارسی کے اساتذہ اور علماء اس سے استفادہ کرتے رہتے تھے۔ مشہور فارسی داں اور دہلی کالج کے استاد (شعبہ فارسی) امام بخش صہبائی نے بھی اس لغت کے مشکل الفاظ کی ایک شرح لکھی تھی۔ اس کے متعلق مولوی کریم الدین پانی پتی رقم طراز ہیں کہ ''ایک شرح الفاظ مشکلہ ٹیک چند بہار کی بھی اون کی تالیف سے درمیان اس سال یعنی ۱۸۴۷ء کے چھپی ہے'' (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۵)۔ ممکن ہے یہ شرح بھی مطبع العلوم ہی سے چھپی ہو۔

مطبع العلوم سے ''بہار عجم'' کی پہلی جلد ۱۸۵۲ء میں طبع ہوئی۔ اس کے صفحات ۸۱ تھے اور فی صفحہ ۲۸ سطور تھیں۔ اس کی طباعت کی خبر دہلی کالج کے ہفتہ وار اخبار ''قران السعدین'' (مہتمم کریم بخش) میں شائع ہوئی (بحوالہ گارسیں دتاسی ۱: ۲۸۲)۔ اشرف علی نے اس خط میں اشپرینگر سے وعدہ کیا تھا کہ اس لغت کی اشاعت کے فوراً بعد اس کا ایک نسخہ اسے بھیجا جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے جلد اول کا ایک

Marfat.com

کاپی اسے ارسال کردی۔ ان دنوں اشپرینگر کلکتہ میں تھا اور وہاں کی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے انگریزی مجلّہ میں ''لٹریری انٹیلی جنس'' کے زیرعنوان تازہ مطبوعات پر تبصرہ لکھتا تھا۔ یہ جلد موصول ہوتے ہی اس نے اس پر بھی ایک تبصرہ لکھا، جو اسی رسالہ میں شائع ہوا (جرنل، جلد ۲۲، شمارہ ۴، بابت اپریل ۱۸۵۳ء، ص ۴۰۴-۴۰۵)۔ سطور ذیل میں یہ تبصرہ پیش کیا جاتا ہے:

"The *Qiran alsa'dayn*, a Dilly periodical in Hindustany, announces the publication at Dilly, of the first volume of a Persian Dictionary which has the title مصطلحات بہارعجم ; it comprises 817 pages of 28 lines. The author of this important work is Tek Chand, whose takhalluc was Bahar - a Khatry of Dilly. He flourished in the second half of the last century, after he had completed the first copy of his work, continued his lexicographical labours and made numerous additions and improvements, and found himself compelled to write out a second copy, and even here his lexicographical researches did not stop. He made successively seven copies or editions of his work, of which the last is of course the most perfect. At the time of his death the autograph of the seventh edition was in the hands of one of his pupils, whose name is Inderman, and he made an abridgment of it, and it is this abridgment which is now generally known to India as the *Bahare 'ajam*, and is considered the best Persian Dictionary that exists. Ye it is only the shadow of the work of which now the first volume has been published. Tek Chand had critically studied the whole Persian literature, and had travelled in

Marfat.com

Persia in order to make himself fully master of the Persian language and its dialects. The spoken language of Persia is simple enough, and so are some of their prose writers. To understand these writers, or the *'urf* of the language, almost any dictionary is sufficient, but in their great poets there occur many verses which are perfectly unintelligible, and though the copies of their works agree generally very well, you find almost in every copy a different reading. We have very few ancient commentaries on Persian poets (the only very valuable books on this subject are the بحر الابرار by A'dzory, and Abu-l-Hasan's commentary on Anwary, a few other commentaries known in India have much critical volume), and it is therefore only by very extensive and critical reading that these difficulties can be cleared up. They consist, sometimes in allusions which have become hackneyed among poets, like نعل در آتش sometimes in the use of rare and absolute words, and sometimes in the use of strange idioms. All doubt on these subjects can only be removed when we have critical editions of the principal Persian authors: in the meantime however the Bahar Dictionary is, by far, the most valuable book of reference on these points, because, as the term مصطلحات in the title implies, it is expressly designed to meet these difficulties, and his immense reading and intercourse with the most learned Persian scholars both in

Marfat.com

India and Persia, enabled hiim to collect and make bear on the difficulties a number of passages from classical Persian authors. For a European lexicographer this Dictionary will not only be valuable in furnishing him with explanations which he finds nowhere else, but, what is much more valuable, it enables him to strike out many absurd meanings, which are given to words in Richardson and even in the *Burhane Qati*, and which rest on misunderstood passages of poets."

(*JASB*, vol. XXII, No. 4, 1853, pp. 404-05, "Literary Intelligence")

''بہارِ عجم'' کی طباعت اشرف علی نے شروع کی اور اس کی پہلی جلد انھیں کے زیر انتظام شائع ہوئی۔ ۱۸۵۲ء کے آخر میں ان کی جگہ کریم بخش کو مطبع العلوم کا مہتمم مقرر کیا گیا اور اس لغت کی دوسری جلد نئے مہتمم نے ۱۸۵۳ء میں شائع کرائی۔ اس کے دو سو نسخے شائع ہوئے اور یہ اسی سال فروخت ہو گئے (رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۱۹۲)۔ یہ دونوں حصے ایک ہی جلد میں مجلد تھے اور یہ ''مصطلحات بہارِ عجم'' کے عنوان کے تحت شائع ہوئے تھے۔ بقول گارسیں دتاسی اس فرہنگ کے ایک اور ایڈیشن (صفحات ۱۲۳۰، فی صفحہ ۲۴ سطور) کا اشتہار ''اخبار عالم'' (میرٹھ، بابت ۵ دسمبر ۱۸۶۷ء) میں بھی شائع ہوا تھا (۱:۲۸۲)۔

ٹیک چند بہار اور اس کی لغت ''بہارِ عجم'' کے متعلق مزید تفصیلات ان مآخذ سے حاصل کی جا سکتی ہیں:

فہرست شاہان اودھ (۱۸۵۴ء)، ص ۲۱۱۔ فہرست اشپرینگر، ص ۸۵، شمارہ ۱۵۳۷-۱۵۳۸۔ گارسیں دتاسی ا: ۲۸۱-۲۸۲۔ ریو ۲: ۵۰۲-۵۰۳۔ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ مؤلفہ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، دہلی ۱۹۴۲ء، ص ۱۶۴-۱۷۰۔ ہندوؤں میں اردو از سید رفیق مارہروی، حصہ اول (نظم)، لکھنؤ ۱۹۵۸ء (؟)، ص ۱۱۹-۱۲۲۔ فرہنگ نویسی فارسی در ہند و پاکستان تالیف دکتر شہریار نقوی، تہران ۱۳۴۱ ش، ص ۱۵۲-۱۵۷۔

Marfat.com

۸۔ شاید یہ بھی کوئی نادر قلمی نسخوں کو جمع کرنے کے شوقین تھے، جنھوں نے ''احیاء العلوم'' اور ''فتوحات مکیہ'' جیسی کتابوں کو خریدنے کے لیے اشرف علی سے رابطہ قائم کیا۔ ان دونو کتابوں کے خطی نسخے دہلی کے نواب محمد امیر خان کی نجی ملکیت تھے اور اشرف علی انہیں اشپرینگر کے لیے حاصل کر چکے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کی تحریر کے وقت یہ نسخے ابھی دہلی میں ان کے پاس تھے اور ان کا خیال تھا کہ اگر اشپرینگر اس قیمت (نوے روپے) پر خریدنے پر رضامند نہ ہو، تو وہ انہیں منصف محمد علی کو بھیج دے، لیکن اشپرینگر نے ان نسخوں کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور فوراً کلکتہ منگوالیا اور اب یہ اسی کے ذخیرہ میں برلین (مغربی) کے کتاب خانہ کی زینت ہیں۔

۹۔ تفصیل کے لیے رک: گذشتہ خط کی تشریحات، شمارہ ۲۔

۱۰۔ ابن العربی کی معروف زمانہ کتاب، جس کا کچھ سال پہلے ایک قدیم ترین نسخہ، جس پر ابن العربی کے دستخط بھی موجود ہیں، دریافت ہوا۔ اس نسخے کو ابراہیم مدکور اور عثمان یحییٰ نے ترتیب دیا اور اب یہ حکومت مصر کے مالی اشتراک سے شائع ہوگیا ہے۔ (رک: راقم کا مقالہ ''فتوحات مکیہ'' در: معاصر (لاہور)، ۱۹۸۰ء، ۳۳۷-۳۸۱)۔

اشپرینگر نے لکھا ہے کہ ''فتوحات مکیہ'' کا جو قلمی نسخہ اس کے پاس ہے، وہ چار جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کے کل صفحات ۲۵۰۰ ہیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب کے مختلف ابواب پر مشتمل دو اور قلمی نسخے بھی اس کی ملکیت میں تھے۔ (رک: فہرست اشپرینگر، ص ۵۰، شمارہ ۷۷-۷۸۲)۔

''فتوحات مکیہ'' کے ان نسخوں (مخزونہ قومی کتاب خانہ، برلین) کے مختصر کوائف یہ ہیں:

جلد اول: اوراق ۲۵۴، فی صفحہ ۲۲ تا ۲۳ سطور۔ صفحہ اول پر ''الجزء الاول من فتوحات المکیۃ'' مرقوم ہے۔ عمدہ خط، قدرے جلی قلم۔ عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ حواشی پر تصحیحات اور اختلافات نسخ دیئے گئے ہیں۔

جلد دوم: اوراق ۳۴۱، سنۂ کتابت رمضان ۱۰۰۷ھ۔ کاتب کا نام محمد بن محمد بن محمود بن محمد بن علی بن یوسف الحنفی ہے۔

جلد سوم: اوراق ۲۲۰، فی صفحہ ۲۹ سطور، بارھویں صدی ہجری کے نصف دوم کا مکتوب ہے۔

جلد چہارم: اوراق ۳۸۰۔

نسخۂ دیگر: اوراق ۱۴۴، فی صفحہ ۱۷ سطور۔ پہلے صفحے کے کونے میں ''من الفتوحات المکیہ'' بطور عنوان لکھا گیا ہے۔

Marfat.com

ایضاً: اوراق ۳۵۶، فی صفحہ ۳۳ سطور، مکتوبہ قریب ۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء۔ بعض اضافوں کے تحت ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء لکھا گیا ہے۔ اس نسخے کی اختتامی عبارت یہ ہے:

غیر ضالین ولا مضلین قال الشیخ رہ انتھی الباب بحمد اللّٰہ بانتھا الکتاب علی ما امکن من الایجاز والاختصار و ھذا ھو الاصل بخطی فانی لا اعمل التصنیف من تصانیفی مسودۃ اصلا والحمد للّٰہ رب العالمین۔

(رک: اہلوارٹ ۳ (۱۸۹۱ء): ص ۲۶-۲۸، ۳۰-۳۱، شمارہ ۲۸۵۶۔۲۸۵۷، ۲۸۶۴، ۲۸۶۶-۲۸۶۸، ۲۸۶۹۔

''فتوحات مکیہ'' کے ان مخطوطات کے علاوہ بھی ذخیرۂ اشپرینگر میں اس کتاب کے مختلف اجزاء پر مشتمل متعدد نسخے موجود ہیں۔

رک: اہلوارٹ ۳: ص ۳۲-۳۳، ۱۵۸-۱۵۹، شمارہ ۲۸۷۲-۲۸۷۳، ۳۳۱۹، ۲۸۷۳۔ عثمان یحییٰ کی مرتبہ تالیفاتِ ابن العربی پر فرانسیسی کتاب (مطبوعہ دمشق، دو جلد، ۱۹۶۴ء)

۱۱۔ اسی کتاب کا اصل عنوان ''جامع بہادر خانی'' ہے، جس کے مؤلف کا نام ابوالقاسم المشتہر بہ غلام حسین بن فتح محمد کربلائی جونپوری ہے۔ اس کا سنۂ آغاز ۱۵ صفر ۱۲۴۸ھ/۱۴ جون ۱۸۳۲ء اور سنۂ تکمیل ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ/ ۲۹ اکتوبر ۱۸۳۳ء ہے۔ فارسی زبان میں علم ہندسہ، علم الابصار، علم حساب، علم ہیئت، اجرام علویہ و بسائط صفلیہ وغیرہ پر ایک جامع کتاب ہے (صفحات ۷۲۰)

'جامع بہادر خانی'' کلکتہ سے ۱۸۳۵ء میں طبع ہوئی اور منشی اشرف علی کو اسی مطبوعہ ایڈیشن کے ایک نسخے کی ضرورت تھی۔

اس کتاب کی اشاعت کے دو سال بعد ایک انگریز جان ٹائیٹلر نے اس پر ایک مفصل مضمون لکھا تھا، جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں شائع ہوا۔ (جلد ۴ بابت ۱۸۳۷ء، ص ۲۵۴-۲۷۲)۔

نیز رک: فہرست مخطوطات فارسی مخزونہ کرزن کلیکشن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (بزبان انگریزی) مرتبہ ڈبلیو، ایوانوف، کلکتہ ۱۹۲۶ء، ص ۴۰۲-۴۰۳، شمارہ ۵۸۰۔ استوری ۲/۱ (۱۹۵۸ء): ۱۹-۲۰۔

۱۲۔ اشرف علی نے اس کے بعد مطبع العلوم کی زوال پذیری کا جو حال بیان کیا ہے، اس کی تصدیق ان کے ایک اور خط (بابت دسمبر ۱۸۵۲ء) سے بھی ہوتی ہے۔ یہ خط دراصل ایک اپیل ہے، جو انھوں نے مطبع کے باقیماندہ شرکاء سے کی۔ غالباً ان کی یہ استدعا منظور ہوگئی اور اسی مہینے ان کی جگہ کریم بخش کو اس پریس کا مہتمم بنا دیا گیا۔ اشرف علی کی یہ اپیل موجودہ خط کے اندراجات سے خاصی ملتی جلتی ہے، چنانچہ

Marfat.com

اس کا مکمل متن مندرجہ ذیل سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

"یہ نیاز مند اشرف علی مہتمم مطبع العلوم کا سب شرکاء کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اب اس شہر میں کثرت چھاپہ خانوں کی ایسی ہوئی ہے کہ جو کتاب ایک روپے میں تیار ہوتی تھی اس کو دوسرے چھاپے خانے والے چار آنے میں بدون مآل اندیشی کے کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ اگر چہ انجام ان کا بخیر نہیں ہوتا اور آخر کار پشیمانی اٹھاتے ہیں، لیکن اس صورت میں بہت نقصان مطابع قدیم کا ہوتا ہے کیونکہ جو نرخ ان مطابع میں مقرر تھا، اب تاجروں کے نزدیک بہت گراں معلوم ہوتا ہے۔ تو اس سبب سے کوئی تاجر بیرونی اس مطبع میں نہیں چھپواتا اور صورت ناچاری قرض دوام کر کے کتب ملکیت مطبع سے چھپوائی جاتی ہیں۔ اور ان کتب کو بضرورت اجراء کار تاجروں کو بوعدہ برس روز کے دی جاتی ہیں۔ اور ان سے بڑی دقت سے کچھ وصول ہوتا ہے اور کچھ ڈوبتا ہے۔ اور یہاں بیاج بھرتے بھرتے دم ناک میں آتا ہے۔ اور جو صاحب کہ کچھ چھپواتے ہیں، اس کی چھپائی برسوں تک نہیں دیتے اور لیت و لعل میں گذارتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجز نقصان کے کوئی صورت نفع کی معلوم نہیں ہوتی۔ اور شرکاء کہتے ہیں کہ ہر ششماہی ہر سال پر نفع بانٹا کرو۔ اور تقسیم نفع کے واسطے مجھ کو تنگ کرتے ہیں۔ اگر چہ اس مطبع مدرسۂ دہلی میں دو دفعہ نفع نقصان تقسیم ہو چکا ہے، یعنی فی حصہ گیارہ گیارہ روپیہ پہنچ چکا ہے۔ اور اب فی صدا نیس انیس روپیہ لگتا رہا ہے۔ اور مطبع مدرسہ آگرہ میں، جو کہ اس سے پہلے کا ہے، آج تک ایک دفعہ بھی نفع تقسیم نہیں ہوا ہے اور بلکہ شرکاء ہی سے مدد چاہی جاتی ہے اور یہی حال چھاپہ خانہ مدرسہ بریلی کا ہے کہ واں جس روز سے مقرر ہوا ہے، ایک خرمہرہ بھی شرکاء نفع کے نام سے نہیں جانتے لیکن یہاں جو دو دفعہ ہو چکا ہے، اس واسطے مجھ کو زیادہ تنگ کرتے ہیں۔ اور اس سے پہلے اکثر شرکاء نے اپنے اپنے حصے یعنی مولوی مملوک العلی صاحب مرحوم نے، ماسٹر رام چندر نے، مولوی سبحان بخش، میر سید محمد خوشنویس اور اکثر طلبا کا دن باون حصہ کے بعض نے برابر پر اور بعض نے کچھ کم پر بھی بیچ دیے اور روپیہ اپنے اپنے حصوں کا لے لیا۔ تو اب سب صاحبوں کی خدمت میں، جو کہ حصہ دار باقی ہیں، عرض کرتا ہوں کہ بعد ملاحظہ حساب مطبع کے جس صاحب یعنی شریک کو منظور ہو وہ صاحب بعد ادا کرنے قرض واجب الادا اور زر حصص کے اس مطبع کو مع اشیا موجودہ کے اپنے قبضے میں کر لے۔"

(دتی کالج میگزین، قدیم دتی کالج نمبر، ۱۹۵۳ء، "قدیم دلی کالج کے کچھ حالات" از قاسم علی سجن لال)۔

نیز رک: ہندوستانی اخبار نویسی از محمد عتیق صدیقی، ص ۲۳۱۔ دہلی کی یادگار ہستیاں از امداد صابری، ص

Marfat.com

۵۹-۶۱ (مولانا امداد صابری نے اس خط کو بلا حوالہ اپنی کتاب میں شامل کیا ہے)۔

منشی اشرف علی نے اشپرینگر کے نام اپنے اس خط میں مطبع العلوم کے حصہ داروں میں ماسٹر رام چندر کو شامل نہیں کیا، جبکہ اس اپیل میں ان کا نام دیا گیا ہے۔ رام چندر کے معتبر سوانح نگاروں مثلاً ڈاکٹر سیدہ جعفر (ماسٹر رام چندر اور اردو نثر کے ارتقاء میں ان کا حصہ، حیدرآباد دکن ۱۹۶۰ء) اور صدیق الرحمٰن قدوائی (ماسٹر رام چندر، قدیم دہلی کالج کی ایک اہم شخصیت، دہلی ۱۹۶۱ء) میں ماسٹر صاحب کی اس شراکت داری کا ذکر نہیں کیا۔

۱۳۔ دہلی کالج میں جماعت سوم (عربی) کے استاد تھے (بحوالہ رجسٹر، متذکرہ بالا، بابت ۱۸۴۷ء)۔ ۱۸۴۷ء میں ان کی عمر قریب چالیس برس تھی (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۶۶)۔ ''محاورات ہند'' ان کی مشہور کتاب ہے اس مجموعۂ مکاتیب میں ان کا ایک اردو خط بنام اشپرینگر محفوظ ہے۔

۱۴۔ مولوی امام بخش صہبائی (م۔ ۱۸۵۷ء)۔ ۱۲۶۱ھ میں ان کی عمر قریب چالیس برس تھی اور ۱۸۴۰ء میں وہ دہلی کالج میں فارسی کے مدرس اول مقرر ہوئے تھے (طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۵)۔ اس وقت ان کی تنخواہ تیس روپے ماہوار تھی، لیکن جنرل کمیٹی نے اپنے خط بنام گورنر جنرل (مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۴۰ء) میں سفارش کی کہ یہ تنخواہ دگنی کردی جائے، لیکن اس میں صرف دس روپے اضافہ کیا گیا اور امام بخش صہبائی برسوں چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر کام کرتے رہے۔ (رک: جی ڈبلیو لائٹنر کی دیسی تعلیم پر انگریزی کتاب، مطبوعہ کلکتہ ۱۸۸۲ء، ضمیمہ سوم)۔ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر کے مطابق وہ اس سال بھی شعبۂ فارسی کے مدرس اول تھے۔ اس وقت ان کی جماعت کے فریق اول میں چھ طلبہ اور فریق دوم میں ۱۵ طلبہ پڑھتے تھے اور صہبائی انہیں فارسی (شاہنامہ، مینا بازار اور پنج رقعہ) کے علاوہ اقلیدس، جبر و مقابلہ اور تاریخ کے مضامین پڑھاتے تھے۔

امام بخش صہبائی نے فارسی قواعد پر ''رسالہ علم نحو'' قلم بند کیا، جو ۱۸۴۹ء میں مطبع مہاراجا ہلکر (اندور) سے شائع ہوا تھا۔ ان کے ''رسالہ قواعد اردو'' کا پہلا ایڈیشن سید محمد خاں، مالک سید الاخبار (دہلی)، کے مطبع سے ۱۸۴۵ء میں شائع ہوا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۹ء میں اشرف علی کے زیر اہتمام طبع ہوا۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

''باہتمام سید اشرف علی مطبع العلوم واقع دہلی گذر کشمیری دروازہ میں چھپا۔''

صہبائی فارسی کے مدرس، مصنف اور شاعر تھے، لیکن کبھی کبھار اردو میں بھی شعر کہتے تھے۔ ''بحر الفصاحت'' میں نجم الغنی رامپوری نے ان کے دو اردو شعر نقل کیے ہیں (بحوالہ دہلی کی یادگار ہستیاں از

Marfat.com

امداد صابری، ص ۹۸-۹۹)۔

تفصیل کے لیے رک: طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۳-۴۱۶۔ گارسیں دتاسی ۳: ۲۲-۲۶۔ صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۶۴، ۱۸۶ مع تحتی نوٹ۔

۱۵۔ دہلی کالج میں ایک خوشنویس کی بھی اسامی تھی، جو طلبہ کو خوشخطی سکھاتا تھا۔ ۱۸۴۰ء میں خوشنویس کی تنخواہ بیس روپے ماہوار تھی اور جنرل کمیٹی نے اس میں چار روپے تخفیف کی سفارش کی۔ ۱۸۴۲ء کی رپورٹ کے مطابق ''رائٹنگ ماسٹر'' کے طور پر سید محمد کا نام ملتا ہے۔ اس وقت ان کی تنخواہ بیس روپے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رپورٹ مرتب کرنے والی کمیٹی نے تنخواہ میں کمی کی تجویز کو منظور نہیں کیا۔

(رک: جی ڈبلیو لائٹنر کی مذکورہ بالا انگریزی کتاب کا ضمیمہ سوم)

میر سید محمد شاعر بھی تھے اور غافل تخلص کرتے تھے۔ وہ خوشنویسی سکھانے کے علاوہ طلبہ کو ناگری بھی پڑھاتے تھے۔ دہلی سوسائٹی کے سرگرم رکن تھے۔ اس کے اجلاسوں میں مضامین پڑھتے تھے۔ ۲۸ جون ۱۸۷۲ء کے جلسے میں ایک مضمون ''حاکم ومحکوم کی موانست'' پڑھا۔ ۴ اگست ۱۸۷۴ء کے جلسے میں ایک نظم ''صفت سرما'' پڑھی۔ حل لغات ناگری میں ایک مبسوط کتاب ''مفتاح اللغات'' لکھی اور علم حساب میں لیلاوتی کا اردو ترجمہ کیا۔ (رک: دہلی کی یادگار ہستیاں، ص ۸۹-۹۰؛ دہلی کالج کے چند شاعر'')۔ مطبع العلوم سے ۱۸۵۱ء میں ان کے لیے ایک ہندی لغت چھاپی گئی (رک: صوبہ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ص ۱۹۰)۔

سرسید احمد خاں ان کے محاسن خوش قلمی کو یوں داد تحسین دیتے ہیں:

''یہ جناب سادات کبار سے ہیں۔ خط نستعلیق کو اس جزو زماں میں آپ کی قلم کی صدائے صریر نے مثل صور مانی کے دوبارہ زندہ کیا۔ ہر دائرہ حروف کا ان کے اوصاف حمیدہ کے ذکر میں سراپا دہان اور مدات الفاظ کی ان کے محامد حمیدہ کے بیان میں سراسر زبان ان کی خوش نویسی سے ... قلمی پر اعتماد نہیں رہا اور ان کی صانعی کے زمانہ میں آغا رشید بندہ ہو گیا۔ باوجود ... شکستہ نستعلیق میں کوئی ان کا نظیر نہیں جس پر ہاتھ ان کا ایسا سبک ہے کہ قلم والے آج تک ... اس خوبی کے ساتھ کچھ گراں نہیں۔''

(آثار الصنادید، طبع کراچی، ص ۳۶۲)

''عزیز آبادی کی حویلی کے مقابل اور شیدی فولاد خاں کے بنگلہ کے متصل جانب دست راست سید محمد امیر خوشنویس کا مکان ہے اور اوس پر بہت خوشخط ''عاقبت بخیر آباد'' لکھا ہوا ہے اور اس کے پاس تھانہ

Marfat.com

بھوجلا پہاڑی ہے''۔

(ایضاً، ص ۱۷۰۔ نیز واقعات دارالحکومت دہلی، مصنفہ بشیر الدین احمد، حصہ دوم، آگرہ ۱۹۱۹ء، ص ۱۸۹)۔

''قران السعدین'' کے ایک شمارے میں ''اظہار'' عنوان کے تحت یہ عبارت درج ہے:

''واضح ہو کہ چند ہفتہ سے دو قطعے متضمن بسال ورود جناب لفٹنٹ گورنر بہادر کے نتائج فکر میر سید محمد خوش نویس مدرسہ سے، کہ جو طبع رسا اور ذہن اعلیٰ رکھتے ہیں اور جن کو خوش نویسی انگریزی اور ناگری اور نستعلیق میں خوب ہی دست قدرت ہے اور علاوہ ازیں زبان فارسی اور انگریزی سے بھی آگاہ ہیں، ہمارے پاس آئے ہوئے تھے مگر بسبب قلت جگہ اور کثرت مضامین علمی اور ملکی کے، کہ جن کا مندرج ہونا اہم اور ضرور تھا، درج اخبار نہیں ہوئے۔ اب واسطے انشراح خاطر ناظرین اخبار کے درج ہوتے ہیں۔ قطعہ اول سے سال ورود جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کا دہلی میں معلوم ہوتا ہے اور دوسرے قطعہ سے پانچویں تاریخ ماہ فروری کی اور ۱۸۴۸ عیسوی کے واضح ہوتی ہے۔

قطعہ تاریخ

کیا لفٹنٹ گورنر نے نزول اجلال — کیوں نہ دہلی سے اوڑے طائر اندوہ و ملال
گر فزوں مصرع ثانی پہ صد و شصت و سہ سال — عیسوی سے ہو عیاں ماہ و سال ورود

کیا لفٹنٹ گورنر نے نزول اجلال — کیوں نہ دہلی سے اوڑے طائر اندوہ و ملال
سی و شش یوم پہ افزوں ہو صد و شصت و سہ سال — دوسرے مصرع سے تاریخ عیاں ہووے اگر

(قران السعدین، جلد ۳ نمبر ۹، بابت ۸ فروری ۱۸۴۸ء، ص ۱۰۴، مخزونہ برلین)

۱۶۔ لالہ رادھا کشن کے بارے میں کچھ تفصیلات سابقہ خطوط کی تشریحات میں درج ہو چکی ہیں۔ اشرف علی کے صرف اسی خط سے یہ نئی اطلاع ملتی ہے کہ رادھا کشن مطبع العلوم کا خازن تھا۔

۱۷۔ اس خط کے سنہ تحریر یعنی ۱۸۵۱ء (یا ۱۸۵۲ء) میں دہلی میں بیس چھاپہ خانے تھے۔ محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب ''صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات (۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء)'' میں دہلی کے صرف چھ مطابع کا ذکر کیا ہے (ص ۱۸۱-۱۹۹)۔ باقی چودہ مطابع کے نام کیا تھے اور وہاں سے کیا کیا کچھ طبع ہوتا تھا؟ اس کے متعلق فی الحال معلومات دستیاب نہیں۔

۱۸۔ مراد ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی، جس کی کتابیں مطبع العلوم سے طبع ہوتی تھیں۔ ۱۸۴۸ء میں مطبع کو دہلی

Marfat.com

کالج سے علیحدہ کر دیا گیا اور یہ کالج کی حدود سے باہر منتقل ہو گیا۔ اس منتقلی کے باوجود سوسائٹی کی کتب اسی پریس سے شائع ہوتی تھیں۔ یہ مطبع سوسائٹی کا مقروض تھا اور اس میں یہ قرض اتارنے کی سکت نہیں تھی، چنانچہ اشرف علی نے ایک یہ بھی تجویز پیش کی کہ پیشتر اس کے کہ مطبع مستقلاً بند ہو جائے، سوسائٹی اسے خرید لے اور نئی انتظامیہ کے تحت اسے چلائے۔ یہ تجویز نامنظور ہوئی اور اشرف علی خود ہی اس سے الگ ہو گئے۔

۱۹۔ یہ رقم وہ تھی، جو اشپرینگر نے اشرف علی کو پیشگی ادا کر رکھی تھی۔ اس کا یہ طریق کار تھا کہ وہ اشرف علی جیسے مخطوطہ شناس رفیقوں کے پاس پیشگی رقمیں محفوظ کرا دیتا تھا، تاکہ جب انھیں کہیں سے کوئی اہم قلمی نسخہ دستیاب ہو، وہ اس کی اجازت حاصل کرتے ہی اسے خرید لیں اور یوں لین دین میں زیادہ وقت صرف نہ ہو۔ یہ رفقاء پائی پائی کا حساب رکھتے تھے اور بعد میں اشپرینگر کو رسیدیں بھیج دیتے تھے۔ اس کے ذاتی کاغذات میں ایسی بہت سی رسیدیں موجود ہیں، جن پر قلمی نسخوں اور مطبوعہ کتابوں کی قیمتیں اور میزان درج ہیں۔

۲۰۔ ٹیلر ۱۸۵۰ء کے وسط تک دہلی کالج کا قائمقام پرنسپل مقرر کر دیا گیا اور وہ ۱۸۵۴ء تک اس عہدہ پر فائز رہا۔ اشرف علی نے جب یہ خط لکھا، اس وقت ٹیلر پرنسپل نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود رقم کی وصولی کے لیے اس کا نام تجویز کیا گیا۔ ممکن ہے، ٹیلر اس وقت بھی کم از کم سوسائٹی کے معاملات میں دخیل ہو یا مطبع العلوم سے کسی طرح کا تعلق رکھتا ہو۔ اگر اس مسئلہ کے حل کے لیے پرنسپل کی مداخلت ضروری ہوتی، تو پھر مراسلہ نویس ٹیلر کے بجائے کارگل کا نام تجویز کرتا، لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے ٹیلر کے دہلی کالج سے تعلق کا ایک اور رخ سامنے آتا ہے۔

۲۱۔ یہ مطبع العلوم کے ابتدائی زمانہ کی بات ہے۔ اشرف علی کے ہمراہ دوسرے دو مہتمم کون تھے؟ ان کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا۔

۲۲۔ ان دنوں اشرف علی مطبع میں اکیلے تھے۔ شاید یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے، وہ اپنی خانگی زندگی میں بھی اکیلے ہوں یا اگر وہ عیال دار تھے، تو ان کے بیوی بچے دہلی کے بجائے کسی اور شہر میں مقیم ہوں اور وہ روزگار کے لیے یہاں اکیلے رہائش پذیر ہوں۔ چونکہ ان کے حالات گوشۂ گمنامی میں ہیں، اس لیے حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس صورت میں صرف قیاسات کے سہارے ہی کڑیاں ملانے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی

ڈاکٹر اشپرینگر خود عالم تھا اور اہل علم اصحاب کا قدردان بھی تھا۔ وہ علمی جوہر کی پہچان رکھتا تھا اور جس کسی میں اس جوہر کی جھلک اسے نظر آتی، وہ اسے جلا دینے میں کوشاں رہتا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ جن دنوں وہ ہندوستان میں مقیم تھا، اس وقت یہاں کے برطانوی ارباب بست وکشاد میں کوئی ایسا علم دوست شخص نظر نہیں آتا، جو علوم اسلامیہ پر اشپرینگر جیسی گہری نظر رکھتا ہو یا جو خلوص نیت سے ان علوم کی ترقی کا خواہاں ہو۔ اس دور میں جن چند نمایاں ناموں کا ذکر ملتا ہے، وہ یا تو تاریخ دان ہیں یا ماہرین لسانیات، یا پھر شعبۂ تعلیم کے وہ مقتدر لوگ، جن کا ان علوم سے سطحی تعلق تھا۔ ان کے برعکس اشپرینگر یورپ کی معروف علمی دانش گاہوں اور اداروں سے اکتساب علم کر چکا تھا اور اس دور کی مشہور علمی ہستیوں کا تربیت یافتہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مختلف طریقوں سے دائرۂ علم کو وسیع کرتا رہا اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کو بھی تلاش کرتا رہا جو اس راہ علم پر گامزن تھے۔ جب اشپرینگر کو ۱۸۴۵ء میں دہلی کے قدیم اسلامی مدرسہ دہلی کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا اور اس حوالے سے شمالی ہند کی بعض دوسری درسگاہوں کے انتظام وانصرام میں اس کا عمل دخل بڑھ گیا، تو ایسے علم دوست اصحاب کی کثیر تعداد اس کے گرد جمع ہوگئی۔ ان اصحاب میں اہل ذوق، شرفاء، ادباء، علماء اور شعراء، نیز دہلی کالج کے اساتذہ اور ذہین طلبہ شامل تھے۔ اس کے ان احباب، مقربین اور متوسلین میں ایک نام منشی محمد ابوالحسن کا بھی ملتا ہے، جو اپنی علمی ترقی کو اشپرینگر کے ''فیض تربیت'' کا ثمر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کا ''درپردہ'' اور ''آوردہ'' گردانتے ہیں۔ سطور ذیل میں اشپرینگر کے اس نوجوان تربیت یافتہ شخص کے حالات اور علمی آثار کی تفصیل درج ہوگی اور اس کے بعد ان کے دو اور دو مراسلات بنام اشپرینگر مع تشریحات پیش کیے جائیں گے۔

اشپرینگر کے اس مکتوب نویس یعنی منشی محمد ابوالحسن کے حالات زندگی بہت کم دستیاب ہیں اور جو

Marfat.com

ملتے ہیں، ان کا واحد ماخذ مرزا قادر بخش صابر دہلوی کا تذکرہ ''گلستان سخن''(۱) ہے۔ عہد حاضر میں اردو صحافت کے مؤرخین امداد صابری اور محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتابوں میں ان کے متعلق جو معلومات اختصار سے قلمبند کی ہیں، وہ اسی تذکرے سے اخذ شدہ ہیں۔ ذیل میں اس مراسلہ نگار کے جو سوانح دیے گئے ہیں، ان کا بڑا ماخذ بھی یہی تذکرہ ہے، لیکن اس کے ساتھ ان کے زیر نظر دو اردو مکتوبات اور بعض دیگر کتابوں سے معلومہ حالات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

منشی محمد ابوالحسن(۲) کی ولادت فرید آباد میں ہوئی۔ کب پیدا ہوئے؟ اس کے بارے میں کچھ کہنا

۱۔ آغاز تالیف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء اور اختتام ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء۔ مرتبہ خلیل الرحمن داؤدی، لاہور، ۲ جلد، ۱۹۶۶ء۔ متعلقہ صفحات ۲: ۸۸-۹۲۔ اس تذکرے میں محمد ابوالحسن کے جو حالات درج ہیں، وہ مستند ہیں، کیونکہ تذکرہ نگار اور یہ مکتوب نویس ایک ہی استاد یعنی مولوی امام بخش صہبائی کے تلامذہ میں شامل تھے اور اس تعلق سے وہ ایک دوسرے کو بڑے قریب سے جانتے تھے۔

۲۔ اس دور میں ایک اور ایسی علمی ہستی بھی موجود تھی، جس کا یہی نام تھا اور جن کا تخلص بھی وہی تھا، جو [illegible] اس مراسلہ نگار نے شروع میں رکھا، لیکن بعد میں اسے ترک کر دیا یعنی حسن۔ انیسویں صدی عیسوی کی یہ [illegible] شخصیت تھی مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی۔ یہ ان دونوں کے اسمی التباس اور ایک جیسے تخلص کا نتیجہ ہے کہ مولانا کاندھلوی کے خاندان کے ایک فرد جناب نورالحسن راشد کاندھلوی نے ان کے جو احوال تحریر کیے ہیں، ان میں منشی ابوالحسن فرید آبادی کے حالات بھی شامل ہو گئے ہیں اور ان کی چند تصنیفات کو انھوں نے اپنے خاندانی بزرگ کے آثار علمی میں شامل کر دیا ہے۔ (رک: ضمیمہ امداد المشتاق مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی، مرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی: مکتبہ برہان، ۱۹۸۱ء، ''حضرت حاجی امداد اللہ کے اساتذہ''، متعلقہ صفحات ۳۴۲-۳۵۱)۔

مولانا ابوالحسن کاندھلوی دینی عالم اور قادرالکلام شاعر ہیں، جن کا تذکرہ مولوی کریم الدین پانی پتی نے اپنے تذکرہ ''طبقات شعرائے ہند'' (طبع علمی لکھنؤ ۱۹۸۳ء) میں کیا ہے (ص ۳۳۲-۳۳۳) [illegible] اون کی درمیان ۱۸۴۷ء کے تخمیناً ساٹھ برس سے ہوگی'' (ص ۳۳۳)۔ وہ مفتی الٰہی بخش [illegible] اور سرسید احمد خاں کے استاد مولانا نورالحسن (م۔ ۱۸۶۹ء) کے والد تھے۔ وہ [illegible] ۱۲۰۰ھ [illegible] ۱۲ [illegible] ہوئے اور ۲۱ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ/ ۲ مارچ ۱۸۵۳ء کو کاندھلہ میں وفات پائی۔ اپنے والد سے تعلیم حاصل کی اور پھر میرٹھ میں منصب [illegible] سے وابستہ رہے۔ ملازمت ترک کر کے کاندھلہ آ گئے اور [illegible]۔ شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ مثنوی مولانا روم کا منظوم ترجمہ، چند عارفانہ مثنویاں، چند قصائد اور ایک [illegible] جہادیہ ان کی یادگار ہے۔ ان کے حالات کے لیے راشد کاندھلوی کے متذکرہ بالا مضمون اور [illegible] (جاری)

Marfat.com

مشکل ہے۔ قیاساً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۲۰ء اور ۱۸۲۵ء کے مابین پیدا ہوئے۔ اس قیاسی استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ ابوالحسن کے حالات کے معتبر راوی صابر نے اپنے تذکرہ ''گلستان سخن'' میں ان کے آغاز شباب اور جوانی کا بار بار ذکر کیا ہے مثلاً ''باوجود سن شباب کے جزو ناری کو خاک تواضع میں داب رکھا ہے۔'' (ص ۸۹) اور ''اس آغاز شباب میں متانت پیراں اور اس جوانی میں وقار کہن سالاں......'' (ص ۸۹)۔ یہ تذکرہ ۱۸۵۴ء میں اختتام پذیر ہوا۔ اگر اس وقت ابوالحسن کی عمر پچیس تیس برس مان لی جائے، تو اس سے تخمیناً اسی سال ولادت کا استخراج کیا جا سکتا ہے، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

ابوالحسن نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر فرید آباد ہی میں حاصل کی اور ابھی ان کی عمر کچھ زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ دہلی چلے گئے۔ اس نقل مکانی کی کوئی وجہ تو معلوم نہیں۔ ممکن ہے انھوں نے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے یا اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یہ سفر کیا ہو۔ دہلی پہنچے تو فارسی ادبیات کے ماہر مولانا امام بخش صہبائی (م۔ ۱۸۵۷ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ بقول صابر دہلوی ''......شاہ جہان آباد میں وارد ہو کر علم فارسی اور عروض و قافیہ کو مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں بالاستیعاب حاصل کیا۔'' (ص ۸۹)، کیونکہ مولوی کریم الدین پانی پتی لکھتے ہیں کہ ''عروض اور زبان فارسی اور قافیہ میں اون کو کمال ہے۔''[1] ان دنوں صہبائی امرائے دہلی کے بچوں کو پڑھا کر اپنی گزر اوقات کرتے تھے۔ اس مصروفیت سے جو وقت بچ جاتا، وہ ابوالحسن جیسے تہی دست اور غریب الدیار طالب علموں کو پڑھانے میں صرف ہو جاتا۔ اس کے علاوہ وہ ضرورت پڑنے پر ایسے نادار طلبہ کی مالی اعانت بھی کرتے رہتے تھے۔[2]

مصادر کے علاوہ رک: گلشنِ بے خار از شیفتہ (طبع عکسی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء)، ص ۵۹-۶۰۔ یادگار شعراء از اشپرینگر ترجمہ طفیل احمد (الہ آباد ۱۹۴۴ء، ص ۲۷)۔ گلستان بے خزاں از باطن (طبع عکسی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء، ص ۴۷)۔ عمدۂ منتخبہ از سرور (مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۲۱۵)۔ سخن شعراء از نساخ (لکھنؤ ۱۸۷۴ء، ص ۱۲۹)۔ شمیم سخن از سید علی حسن خاں (آگرہ ۱۸۸۱ء، ص ۱۴۱)۔ گلشن ہمیشہ بہار از نصر اللہ خاں خویشگی (کول ۱۸۵۳ء)۔ نزہتہ الخواطر از عبدالحئی (حیدرآباد دکن، جلد ۷، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰-۱۱)۔ حالات مشائخ کاندھلہ از محمد احتشام الحسن کاندھلوی (نئی دہلی ۱۹۵۷ء، ص ۱۳۴-۱۴۴)۔ نور الحسن راشد کاندھلوی: مختصر تذکرہ بحر العلوم، خاتم مثنوی مولانا روم، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (مطبوعہ کاندھلہ، ۸۶ صفحات)۔ ایضاً: مولانا مملوک العلی نانوتوی، متذکرۂ بالا ص ۱۰۹-۱۱۳۔

۱۔ طبقات شعرائے ہند۔ محولہ بالا ص ۴۱۳۔

۲۔ خواجہ محمد حامد: امام بخش صہبائی (در: نوائے ادب، بابت جنوری ۱۹۶۳ء، ص ۱۴-۳۲)۔ محمد انصار اللہ: صہبائی۔ ایک تعارف، علی گڑھ ۱۹۸۶ء۔

Marfat.com

انھی دنوں صہبائی کے مستقل روزگار کی صورت پیدا ہوگئی اور وہ یوں کہ لفٹیننٹ گورنر ٹامسن کے ایماء پر دہلی کالج میں مدرس اول (فارسی) کی اسامی نکلی۔ اس کو پُر کرنے کے لیے صدرالدین آزردہ نے مرزا غالب اور مومن سے رجوع کیا۔ جب وہ رضامند نہ ہوئے تو مولانا صہبائی کو یہ پیشکش کی گئی۔ انھوں نے فوراً اسے قبول کر لیا۔ چنانچہ ۱۸۴۰ء میں چالیس روپے ماہوار تنخواہ پر وہ دہلی کالج میں فارسی کے مدرس اول مقرر ہوئے۔[1] بعض شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جونہی مولانا صہبائی کی اس کالج میں تقرری ہوئی، انھوں نے اپنے چند ذہین اور ہونہار شاگردوں کو بھی فارسی جماعت میں داخلہ دلوا دیا۔ ان طالب علموں میں ایک منشی ابوالحسن بھی تھے۔ اس طرح ان کا اپنے استاد سے رشتہ منقطع نہیں ہوا اور اب وہ گھر کے بجائے کالج کے باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے ان سے کسب فیض کرتے رہے۔

ان دنوں کالج کے تمام طلبہ کو مختلف مالیت کے وظائف دیئے جاتے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ غریب اور بے وسائل لیکن ذہین نوجوان کسی مالی فکر مندی کے بغیر اپنی تعلیم جاری رکھ سکیں۔ منشی ابوالحسن بھی ان وظیفہ خواروں میں سے ایک تھے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کے وظیفے کی رقم کتنی تھی۔ صابر دہلوی تو یہی بتاتے ہیں کہ ''چند مدت مدرسہ شاہ جہان آباد میں وظیفہ یابان سرکار انگریزی کی سلک میں منسلک ہو کر علم ہندسہ اور ریاضی میں رشک امثال واقران ہوا۔''[2] جب ابوالحسن اس کالج میں زیر تعلیم تھے، اس وقت یہاں کا شعبۂ فارسی تین جماعتوں میں منقسم تھا۔ ہر جماعت کے استاد الگ تھے اور ان میں پڑھائے جانے والے مضامین بھی مختلف تھے۔ دہلی کالج کے جس رجسٹر بعنوان ''مجموعہ فہرست ہائے طلبہ مدرسہ عربی و فارسی'' (۱۸۴۷ء) کا متذکرہ بالا سطور میں حوالہ دیا گیا ہے، اس کے مطابق فارسی کی جماعت سوم کے استاد مولوی احمد علی تھے اور اس میں صرف دستور الصبیان اور حساب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مولوی حسن علی خاں جماعت دوم کو درس دیتے تھے اور مضامین میں یوسف زلیخا (نصف اخیر)، جغرافیہ اور حساب شامل تھے۔ جماعت اول امام بخش صہبائی پڑھاتے تھے اور اس کے دو فریق تھے۔ پہلے فریق کے مضامین میں شاہنامہ، مینا بازار، تاریخ تیمور، اقلیدس، جبر و مقابلہ اور تاریخ شامل تھے، جبکہ دوسرے فریق میں شاہنامہ، مینا بازار، تاریخ تیمور، سکندر نامہ اور بہار دانش پڑھائی جاتی تھیں اور جبر و مقابلہ کی جگہ جغرافیہ نصاب میں شامل تھا۔ اس فریق میں اقلیدس اور تاریخ نصاب سے خارج تھا۔ منشی ابوالحسن بحیثیت طالب علم فارسی کی ان تمام جماعتوں میں کامیاب ہوتے رہے اور یوں ان کے اساتذہ میں مولانا صہبائی کے علاوہ مولوی احمد علی اور مولوی حسن علی خاں بھی شامل ہو گئے

۱۔ طبقات شعرائے ہند، ص ۴۱۳۔

۲۔ گلستان سخن ۲: ۸۹

Marfat.com

سکتا ہے۔انھوں نے فارسی کے ساتھ ساتھ عربی مین بھی کمال حاصل کرلیا۔آگرہ کالج میں اپنی تقرری کے لیے جوامتحان دیا تھا،اس میں عربی کاامتحان بھی شامل تھا۔اس کے بعد جب وہ اس کالج میں تعینات ہو گئے،تو وہ شعبہ عربی کے ایک استاد کی عدم موجودگی میں چارمہینوں تک درجہ اول (عربی) کے طالب علموں کو درس دیتے رہے۔

دہلی کالج میں ابوالحسن تقریباً پانچ برس متعلم رہےاور غالباً ۱۸۴۶ء میں یہاں سے فارغ ہوئے، کیونکہ ۱۸۴۷ء کے محولہ بالا رجسٹر میں فارسی جماعتوں کے طلبہ میں ان کا نام شامل نہیں۔بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ وہ اس وقت یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے، جب اشپرینگر دہلی کالج کا پرنسپل مقرر ہو چکا تھا۔ اشپرینگر ۱۹مارچ ۱۸۴۵ءکواس درس گاہ کا پرنسپل مقرر ہوااوراوائل دسمبر ۱۸۴۸ءتک وہ اس عہدے پرفائز رہا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ مولانا صہبائی کی وساطت سے اشپرینگرکواس ہونہار طالب علم کی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا علم ہواہوگااور یوں انھیں اس معارف پرورسربراہ مدرسہ کےقریب آنے کا موقع ملا ہوگا۔ان کے درمیان قریبی تعلقات کاایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ابوالحسن کوآگرہ کالج میں ملازمت دلوانے میں اشپرینگر نے بڑی مدد کی اوراس کی اعانت کااعتراف انھوں نے اپنے ان خطوط میں کیا ہے چنانچہ وہ اپنے دوسرے خط کےشروع میں رقم طراز ہیں''......جس درجہ پر، کہ حضور کی عنایت سے نصیب ہوا تھا، اوس کی ترقی میں مصروف رہتا ہوں۔'' اسی خط میں آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ''بدون ذریعہ کے کوئی شخص اپنے مقصود کونہیں پہنچتااور میرا ذریعہ سواذات حضور کے اور کوئی نہیں کہ ابتدائے حال سے آج تک جوترقی اور بہبود، کہ مجھے حاصل ہوئی، صرف عنایت اور پرورش حضور سے ہوئی۔''

ابھی محمدابوالحسن نے دہلی کالج میں اپنی تعلیم مکمل کی تھی کہ آگرہ کالج میں فارسی کے مدرس اول کی اسامی نکلی۔ان دنوں کسی استاد کی تقرری سے قبل تحریری امتحان لیا جاتا تھا اور جو امیدوار سب سے زیادہ نمبر حاصل کرتا تھا،اسی کوملازمت ملتی تھی۔ایسےامیدواروں کےممتحنوں میں اشپرینگر کانام ضرورشامل ہوتا تھا، بلکہ کسی استاد کےانتخاب میں اس کی رائے کومعتبر سمجھا جاتا تھا۔آگرہ کالج کی اس اسامی کے ابوالحسن بھی امیدوار تھے۔انھوں نے امتحان دیااور کچھ اپنی ذہانت وقابلیت اور کچھ اشپرینگر جیسے ممتحن کی عنایت سے انہیں یہ عہدہ حاصل ہوگیااور غالباً ۱۸۴۷ء کے اوائل میں وہ آگرہ کالج میں مدرس اول (فارسی) کی حیثیت سے پڑھانے لگے۔ان کی تنخواہ ساٹھ ستر روپے تھی، چنانچہ صابر دہلوی لکھتے ہیں کہ''مہین داور مدرسہ نے علوم مذکورہ میں بے مثل اورفن فارسی میں یگانہ دیکھ کرمدرسہ اکبرآباد کامدرس مقرراور ساٹھ ستر روپے کا مشاہرہ معین کیا۔''(ص ۸۹)

Marfat.com

ابوالحسن فارسی اور عربی زبان وادب پر گہری نظر رکھتے تھے۔علوم جدیدہ سے بھی واقف تھے۔اس پر مستزاد یہ کہ ان کے علمی اور ادبی ذوق کو نکھارنے میں مولانا صہبائی کی تربیت اور خصوصی توجہ کا بڑا عمل دخل تھا۔ اس کے علاوہ وہ اپنے تدریسی فرائض سے بڑی محنت اور احساس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتے تھے اور ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان کے طلبہ امتحان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کریں اور یوں انھیں افسران بالا کی خوشنودی حاصل ہو۔ان دنوں آگرہ کالج کا پرنسپل مڈلیٹن تھا۔وہ ابوالحسن کی معلمانہ اہلیت کا معترف تھا۔دیگر اساتذہ بھی ان کی قابلیت اور ذہانت کے مداح تھے۔آگرہ کے''اسعد الاخبار''(بابت ۱۸ اگست ۱۸۴۸ء) کا مندرجہ ذیل اقتباس اس بات کا شاہد ہے کہ ابوالحسن ان اساتذہ میں سے تھے،جن پر درس گاہ کو فخر تھا۔متعلقہ عبارت یہ ہے:

''مدرسہ سرکاری امتحان شش ماہی تمام ہوا۔صاحبان کمیٹی نے از راہ قدردانی و جوہر شناسی کے منشی محمد مصلح الدین صاحب فتح پوری مدرس اول درجہ اردو کے مشاہرہ معینہ سابقہ پر دس روپیہ اضافہ کیا۔الحق منشی صاحب ممدوح کی جتنی قدر و منزلت بڑھائی جائے، لائق و بجا ہے کہ از روئے استعداد علمی اور اخلاق حسنہ کے اپنے اقران و امثال سے سبقت لے گئے ہیں۔مدرسہ کو انہیں دو تین صاحب کے وجود افادات امور سے بڑی رونق اور علم کو ترقی حاصل ہے۔مولوی سدید الدین خاں صاحب دہلوی، منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول و منشی درجہ اول فارسی، منشی محمد مصلح الدین صاحب موقوف کمالات وہی و کسبیہ ان صاحبوں پر ختم ہے۔''(۱)

آگرہ کالج میں ابوالحسن کا تقرر بحیثیت مدرس اول (فارسی) ہی ہوا تھا، لیکن ان کی انتھک محنت اور تندہی کے پیش نظر انہیں اسی شعبے کا میر منشی بھی بنا دیا گیا۔کالج کے نامور اساتذہ میں ان کا شمار ہوتا ہی تھا، لیکن اس کے ساتھ وہ شہر کی ایک معزز علمی شخصیت بھی تسلیم کئے جاتے تھے۔چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۸۵۰ء کو معززین شہر کا ایک وفد لفٹیننٹ گورنر سے ملنے گیا اور اس وفد میں ابوالحسن بھی شامل تھے۔''اسعد الاخبار''(بابت ۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء) لکھتا ہے:

''خبر دربار نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر: جناب معتشم الیہ کا دربار ہوا اور اشخاص مفصلہ ذیل باریاب ہوئے۔مولوی مفتی حافظ محمد ریاض الدین خاں صاحب مفتی عدالت آگرہ، شیخ محمد شفیع صاحب [illegible] صدر، راجہ بلوان سنگھ، مرزا بہادر بیگ وکیل راجہ پٹیالہ، مولوی محمد [illegible] احمد خاں صاحب [illegible] مولوی سدید الدین خاں صاحب مدرس عربی، منشی ابوالحسن صاحب مدرس فارسی، پنڈت [illegible] مدرس ہندی، قاضی باقر علی خاں صاحب قاضی شہر''(۲)

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو از مولانا امداد صابری، جلد اول، دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۳۴۴-۳۴۵

۲۔ تاریخ صحافت اردو، ص ۳۴۵

Marfat.com

ابوالحسن شعبۂ فارسی سے متعلق تھے، لیکن ایک بار انھیں چھ ماہ کے لیے عربی جماعت کے طالب علموں کو بھی پڑھانا پڑا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ اس زمانے میں اس کالج کے صدر مدرس (عربی) مولوی سدید الدین خاں تھے۔ جب اشپرینگر نے ۱۸۵۰ء کے وسط میں مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالا، تو اس نے مولوی صاحب کو کلکتہ آنے کی پیش کش کر دی۔ اس وقت حافظ احمد کبیر کی وفات (ابتدا ۱۸۵۰ء) کے باعث اس مدرسے میں عہدۂ امینی خالی پڑا ہوا تھا اور اشپرینگر کی یہ خواہش تھی کہ مولوی صاحب اس عہدے کو آ کر سنبھالیں۔ چنانچہ مولوی صاحب نے یہ پیش کش قبول کر لی اور وہ ۱۸۵۱ء کے شروع میں آگرہ کالج کو چھوڑ کر کلکتہ روانہ ہو گئے۔[1] ان کے جانے کے بعد کسی اور کو مدرس اول (عربی) نامزد نہ کیا گیا، بلکہ اس کالج کی انتظامی کمیٹی کے ارکان نے یہ تجویز پیش کر دی کہ یہ عہدہ ختم کر دیا جائے اور عربی جماعت کے طلبہ کو فارسی کے مدرس اول پڑھایا کریں اور اس زائد کام کی وجہ سے ان کی تنخواہ میں بیس روپے اضافہ کر دیا جائے۔ کمیٹی کی یہ تجویز دو ماہ تک افسران بالا کے زیرِ غور رہی، لیکن اس دوران میں ابوالحسن جماعت فارسی کے ساتھ ساتھ جماعت عربی کے طلبہ کو بھی پڑھاتے رہے۔ بالآخر کمیٹی کی متذکرہ سفارش نامنظور ہو گئی اور مدرس اول (عربی) کی خالی جگہ پر مولوی علی اکبر کا تقرر ہو گیا۔ یہ بھی اشپرینگر کے مقربین میں سے تھے اور ان کی تقرری میں بھی اشپرینگر ہی کا ہاتھ تھا۔ علی اکبر نوجوان تھے، لیکن آگرہ آتے ہی ان کی طبیعت بگڑنے لگی۔ جب کچھ افاقہ نظر نہ آیا تو انھوں نے رخصت لی اور واپس دہلی چلے گئے۔ وہیں ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔[2] انتقال سے قبل وہ چار ماہ رخصت پر رہے اور ان کی غیر حاضری میں عربی جماعت کے طالب علموں کو حسب سابق ابوالحسن ہی پڑھاتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ علی اکبر کی وفات سے جو عہدہ خالی ہوا، اس کے دو اور امیدواروں (مولانا محمد احسن نانوتوی اور مولانا کریم الدین پانی پتی) کے علاوہ وہ بھی اس عہدے کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے اور اپنا استحقاق بھی جتاتے رہے کہ وہ پہلے سے اس جماعت کے استاد رہے ہیں، اس لیے انھیں یہ عہدہ ملنا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ اشپرینگر کو بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لائے اور انھیں یہ عہدہ دلانے میں حسب سابق مدد دے۔ مدرس اول (فارسی) ہونے کے باوجود مدرس اول (عربی) کے عہدے کو حاصل کرنے میں ابوالحسن نے جو تگ و دو کی، اس کی بظاہر یہی وجہ نظر آتی ہے کہ اس سے انھیں کوئی مالی فائدہ پہنچنے کی توقع ہو گی۔ ان تینوں امیدواروں یعنی مولانا محمد احسن نانوتوی، مولوی کریم الدین پانی پتی اور محمد ابوالحسن مین سے کون اس عہدے پر فائز ہوا، اس کے متعلق کچھ پتا نہیں چلتا، البتہ اس مجموعۂ

۱۔ تفصیل کے لیے رک: مکتوبات مولوی سدید الدین خاں۔ سطور بالا۔

۲۔ تفصیل کے لیے رک: مکتوبات علی اکبر، سطور بالا۔

Marfat.com

مکاتیب کے بعض خطوط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آگرہ کالج میں خالی ہونے والی اس اسامی پر ان تینوں امیدواروں میں سے کوئی بھی نامزد نہ ہو سکا۔ محمد احسن نانوتوی بنارس اور پھر بریلی چلے گئے۔ مولوی کریم الدین پانی پتی آگرہ کالج ہی کے شعبۂ اردو سے منسلک رہے اور ابوالحسن بھی اپنے ہی کالج میں شعبۂ فارسی کے طلبہ کو درس دیتے رہے۔ ان کے قریبی دوست تذکرہ نگار صابر دہلوی کے تحریر کردہ حالات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس تذکرہ یعنی ''گلستان سخن'' کے سنۂ اختتام ۱۸۵۴ء تک آگرہ کالج میں مدرس اول (فارسی) کے عہدے پر فائز تھے۔ اس تذکرے کی متعلقہ عبارت یہ ہے ''عنایت الٰہی سے اب تک اسی شہر میں اسی عہدے پر ماموراور نہایت خوش اوقاتی و بلند نامی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔'' (ص ۸۹-۹۰)

اس کے بعد ابوالحسن اسی کالج سے منسلک رہے، چنانچہ منشی نولکشور نے ان کی کتاب بعنوان ''تحفۃ العراقین'' کے بارے میں اشتہار لاہور کے ایک اخبار ''کوہِ نور'' میں شائع کرایا تھا (بابت ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء) جس میں مؤلف کے نام کے ساتھ ''مدرس اول فارسی آگرہ کالج'' کے الفاظ درج ہیں۔ اس کے بعد ابوالحسن کے حالات پر گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ مزید کتنے سال اس کالج میں پڑھاتے رہے۔ کب یہاں سے ریٹائر ہوئے اور کون سے سنہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کے واحد سوانحی ماخذ ''گلستان سخن'' میں جو تفصیلات درج ہیں، ان کے مطابق وہ اس تذکرے کے سنۂ تالیف (۱۸۵۳ء-۱۸۵۴ء) کے وقت نوجوان تھے۔ اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کے بعد برسوں آگرہ کالج میں فارسی کی تعلیم دیتے رہے ہوں گے اور غالباً ان کی وفات بھی انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں ہوئی ہوگی۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ منشی ابوالحسن کے ۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات کسی تذکرے وغیرہ میں دستیاب نہیں، اس لیے تعین کا تعین ممکن نہیں۔

ابوالحسن آگرے کی جانی پہچانی علمی شخصیات میں سے تھے۔ آگرہ کالج میں طلبہ اور ان کے رفقائے کار ان کی بڑی عزت وتکریم کرتے تھے، بلکہ کالج کا پرنسپل مڈلیٹن بھی ان کی علمی صلاحیتوں کا معترف تھا۔ کالج کے باہر بھی علماء، ادباء اور اعلیٰ منتظمین شہر ان کی قدر کرتے تھے اور وہ علمی و ادبی ذوق سے بہرہ ور حلقوں میں بھی مقبول تھے۔ اس ''بلند نامی'' میں ان کے علم وفضل کے ساتھ ساتھ چند دیگر [illegible] کا بڑا عمل دخل تھا۔ ان کے ایسے طبعی خصائص کا صابر دہلوی یوں ذکر کرتا ہے ''اس نیک نہاد کے اخلاق پسندیدہ کے اوصاف حد بیان اور اندازۂ بیان سے خارج ہیں۔ حلم اور خلق اس مرتبے تک ہے کہ باوجود ان شباب کے [illegible] ناری کو خاک تواضع میں داب رکھا ہے۔'' (ص ۸۸-۸۹)۔

انھی دنوں ابوالحسن کی ملاقات ایک باعمل صوفی بزرگ سے ہوئی، جو آگرہ کے نواح میں مقیم تھے۔

Marfat.com

اس بزرگ کی ذات اور بات میں کچھ ایسی کشش تھی کہ وہ اُدھر کو کھچتے ہی چلے گئے۔ بالآخر انھوں نے اس درویش کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور عملاً سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔ ان پر ''اسرارِ غیب'' اور ''رموزِ خفیہ'' منکشف ہونے لگے۔ صوفیانہ تعلقات کو یوں اپنے عمل میں ڈھالنے سے ان کے حلم اور خلق میں مزید نکھار پیدا ہوگیا۔ متانت اور نیک اطواری بڑھتی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی کم عمری کے باوجود اس راہِ سلوک میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ بہت سے عمر رسیدہ راہروانِ طریقت کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ ان کے صوفیانہ مقام کا ذکر صابر دہلوی یوں کرتے ہیں:

''ہنوز اس گل زمین (آگرہ) میں اچھی طرح جائے گرم نہیں کی تھی کہ ناگہاں مژدۂ اقبالِ ابدی پہنچا اور نوید سعادت سرمدی سامعہ نواز ہوئی، یعنی اسی نواح میں ایک درویش صافی ضمیر اور روشن دل آفتاب تنویر کی خدمت سراسر افادت میں نیاز حاصل اور اس بزرگ کے جذبہ باطن سے دل دوام ملازمت کی طرف مائل ہوا۔ ایک دو صحبت کے بعد اعتقادِ راسخ کی تحریک سے شرفِ بیعت سرمایۂ تحصیل کمال ہوا اور اوہام باطلہ کا موجب زوال، فی الواقع صحبت اہل اللہ اکسیر سے کم نہیں۔ چند روز میں ضمیر اعتقاد تخمیر کو ایسی صفائی بہم پہنچی کہ اسرارِ غیب اس آئینے میں مثل عکس ظاہر ہونے لگے اور رموزِ خفیہ اس جام گیتی نما میں باہر۔ اس آغاز شباب میں متانت پیراں اور اس جوانی میں وقار کہن سالاں جو اس گروہ ارباب سعادت کو حاصل ہے، شاذ و نادر رہے۔'' (ص ۸۹)

منشی ابوالحسن فارسی کے صرف معلم ہی نہیں تھے، بلکہ اس زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ پہلے ان کا تخلص حسن تھا، لیکن پھر اسے تبدیل کر کے شیدائی تخلص رکھ لیا۔ شاید اس تبدیلی کی وجہ یہ ہو کہ ان کے معاصر ہم نام فارسی شاعر اور مترجم مولانا ابوالحسن کاندھلوی بھی یہی تخلص (یعنی حسن) کرتے تھے۔ منشی ابوالحسن اپنے دور کے معروف شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ انھوں نے آگرہ میں پندرہ روزہ مجالس شعری منعقد کرنے کا اہتمام کر رکھا تھا، جس میں شہر اور نواحِ شہر کے سبھی نامور فارسی اور اردو کے شاعر آتے اور اپنا کلام سناتے۔ بعد میں وہ اس کلام کو اپنے جاری کردہ گلدستہ ''معیار الشعراء'' میں شائع کر دیا کرتے تھے۔ اس رسالے میں وہ بالالتزام فن عروض پر مختصر مضامین بھی لکھتے رہتے تھے، جس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہیں فن شعر گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ ان کے اب تک جو اشعار دستیاب ہوئے ہیں، وہ سب فارسی میں ہیں، حتیٰ کہ ان کے متعلق واحد مستند ماخذ ''گلستان سخن'' کے مؤلف صابر دہلوی نے بھی ان کے فارسی اشعار ہی نقل کیے ہیں اور وہ بھی حافظے کی بنیاد پر۔ تذکرہ نگار نے ان کی شاعری پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

Marfat.com

''اشعار فارسی کا فکر بیش تر دامن گیر شوق اور تہذیب کلام دری کی توجہ اکثر رہبر ذوق ہے۔ خوبی مضامین اور متانت عبارت اور چستی تراکیب اور تازگی طرز کی توصیف دائرہ امکان سے خارج ہے۔'' (ص ۸۹)

ابوالحسن کی فارسی شاعری کا دیوان یا کوئی مستقل شعری تصنیف نہیں ملتی۔ ان کے اب تک جو اشعار دستیاب ہیں، وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۸۴۸ء میں لفٹیننٹ گورنر آگرہ کالج کے دورے پر آیا۔ اس کی آمد پر کالج میں جو استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی [illegible] ابوالحسن نے ایک قصیدہ کہا تھا، جو دہلی کالج کے رسالے ''قران السعدین'' (بابت ۵ جون ۱۸۴۸ء) [illegible] اس قصیدے کے یہ پانچ شعر نقل کیے جاتے ہیں:

غم گساران مژدہ کاخر وقت شادی در رسیدہ
جانب بیت شرف شاہنشہ خاور [illegible]

[illegible] اختر از دم ماہی بجست
[illegible] در [illegible] برہ سوئے آخور رسید

[illegible] نقطہ زر [illegible]
در [illegible] لاجوردی ہاں گل [illegible]

[illegible] چو [illegible] زر برکف نہاد
[illegible] بزم چمن [illegible]

[illegible]
[illegible] جا [illegible] (۱)

تذکرہ ''گلستان سخن'' [illegible] ۹۲-۹۰) یہ ہے:

[illegible] بر کف
[illegible] نوجوانی [illegible]

ایں طفل اشک [illegible] آشکار [illegible]
در دل ہر آں چہ بود ز عشقت نہاں مرا

ساقی کفایت است ز چشم تو [illegible]
دیگر میاز مای [illegible] رطل گراں مرا

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو از امداد صابری ج ۱ ص ۳۴۲-۳۴۳؛ گلدستۂ صحافت از امداد صابری، دہلی ۱۹۶۰ء، ص ۱۲۶

Marfat.com

ے زاں ہد ایاے کہ در پاے عزیزاں افگند
جز سرے بر کف نہ باشد تحفہ مقدور ما
نیست ایں سر لایق پایش یقیں دارم حسنؔ
می برد پاے ملخ پیش سلیماں مور ما

ے بہ ہجر خون جگر می خور و غذا مطلب
ز نعمت دو جہاں درد امتلا مطلب
اگر تو معتکف کعبہ دلی ، زنہار
بہ طوف کعبہ مرو وز صفا صفا مطلب
نیاز مند مسیحا مشو بہ عشق بتاں
بہ ذوق لذت غم جاں دہ و دوا مطلب
بہ ہجر عشق تلاطم گرت ز جا ببرد
تنت سپار بہ طوفان و ناخدا مطلب

ے صاحب نظراں را نہ کشد دل بہ سوئے خلد
روے تو در جنت و ابروت کلید است
ہند است بہشتے کہ گرو بردا ز طوبا
آں سرو بلندے کہ ازیں باغ دمید است

ے گرز تاب عکس رویت آب دریا آتش است
از تف داغ دل من خاک صحرا آتش است
عکس روئے دوست افتاد است و رنگش می زند
بر غلط بستند یاراں ایں کہ صہبا آتش است
فیض جنت اہل عشرت را چو دوزخ می گزد
نونہالان چمن را باد سرما آتش است
ایں قدر فہمیدہ ام از بحث کفر و دیں حسنؔ
روئے خوباں جنت است و خوئے آں ہا آتش است

Marfat.com

ے دیگرم با چشمہ زمزم حہ کار
من کہ از سرچشمہ چشم وضو ست
یک نگہ کردی و کردی بسملم
یار دیگر یک نگاہم آرزو ست

ے نے غم راحت مرا نے بیم رنج
ہرچہ بر من می رسد شادم کزوست

ے گم کردگان راہ بہ منزل رسیدہ اند
شور در است باطل و بانگ جرس عبث
گر ہندو است خال تو ہر زاست خوف وزد
در شب رواست زلف تو پاس عس عبث

ے رفتم بہ زیر خاک و زدم در کفن صبوح
زاں رو کہ خوش تر است بہ صبح وطن صبوح
عمرے تلف بہ کعبہ نمودیم بعد ازیں
مائیم و برکف بتک برہمن صبوح

ے یا رب آناں کہ نہ دارند بہ عشقت معذور
رگ جان شاں بزند نشتر مژگانے چند
نیم باز است ہمہ نرگس خاکم کہ شدم
کشتۂ نرگس دزدیدہ نگاہانے چند
قدر سرمستی لعل تو حسن می داند
جرعہ چند بہ کارم کن و احسانے چند

ے یاد آں زماں کاندر غمت سرداشت سودائے دگر
ویں دیدۂ خوں بارمن از اشک دریائے دگر
رفتم بہ طوف کعبہ و افتادم اندر مے کدہ
شوق تو از جائے مرا آورد در جائے دگر

Marfat.com

سوز ہا گل کرد و آخر در سراپایم گرفت
من کہ در طفلی بہ دل از عشق اخگر داشتم

صحبت یاران رنگیں طبع مارا زندہ کرد
ورنہ شیدائی دل پژمردہ در برداشتم

ابوالحسن کی شاعری کی طرح ان کی نثری تالیفات بھی بہت کم دستیاب ہیں اور جو ہیں، ان کا زیادہ تر تعلق فارسی طلبہ کی درسی ضرورتوں سے ہے۔ ان کی جن چند کتابوں کے نام ملتے ہیں، وہ یہ ہیں:

ا۔ شرح قصائد وقطعات انوری:

اس شرح کے لکھنے کا خیال انھیں اس وقت آیا، جب ۱۸۴۹ء میں انوری کے قصائد کو آگرہ کالج کی جماعت اول (فارسی) کی نصابی کتابوں میں شامل کیا گیا۔ نصاب میں شامل ہونے کی وجہ سے طلبہ کو اس کتاب کے معانی و مفاہیم جاننے کی ضرورت پڑتی تھی، چنانچہ انھوں نے اس ضرورت کے پیش نظر بعض شروح کے ساتھ اس کتاب کی تصحیح و تحشیہ کا فیصلہ کیا۔ اوائل ۱۸۵۰ء میں انھوں نے یہ کام شروع کیا اور چند ماہ میں ان کی یہ شرح طبع ہوگئی۔ آگرہ کے ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۱ مئی ۱۸۵۰ء) میں اس کا یہ اشتہار شائع ہوا:

''اہل علم و ہنر سب جانتے ہیں کہ حکیم اوحد الدین انوری زبان فارسی کا ایک بڑا مشہور شاعر ہے اور کلام اس کا بہت متین اور لطیف مگر نہ ایسا کہ ہر شخص اس کو حاشیہ یا شرح بدون سمجھ سکے۔ لہٰذا جناب منشی محمد ابوالحسن صاحب مدرس اول درجہ فارسی مدرسہ آگرہ کے نے شرح اس کے قصائد اور قطعات کی تالیف کی، مگر اس نہج سے کہ جہاں جہاں چاہیے، حل مقامات کیا ہے...... ایسی شرح مفید کثیر الحجم کے صرف تین روپے فی جلد مقرر ہوئے ہیں۔''(۱)

۲۔ تحفۃ العراقین:

یہ حکیم افضل الدین خاقانی کی کتاب ہے، جو منشی ابوالحسن کی تصحیح کے ساتھ مطبع مدرسہ اکبر آباد سے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی تھی (۲)۔ اس کے حاشیہ پر شیخ عبدالسلام بن شیخ کبیر کی شرح دی گئی تھی۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ مطبع سفیر آگرہ کے مہتمم منشی نولکشور کو بھیجا گیا، جن کا اس کتاب کے متعلق ایک اشتہار لاہور کے ''کوہ نور'' میں شائع ہوا۔ اس اشتہار سے ''تحفۃ العراقین'' کے متعلق مزید کوائف کا علم ہوتا ہے۔ مکمل اشتہار

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو ا: ۳۵۶

۲۔ بعد میں اس کتاب کا ایک ایڈیشن کانپور سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم مرتبہ ایڈورڈ ایڈورڈز، لندن ۱۹۲۲ء، کالم ۲۸۲

Marfat.com

درج ذیل ہے:

''کتاب تحفۃ العراقین خوش تقطیع خوش خط محشی، جس پر شرح شیخ عبدالسلام بن شیخ کبیر کی چڑھی ہوئی ہے، اور جناب منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول فارسی آگرہ کالج کی تصحیح سے چھاپی گئی ہے اور اس کے گرد متن کے تہیری جدول اور حاشیہ کے گرد اکہری جدول کھینچی گئی ہے، مہتمم مطبع سفیر آگرہ کے پاس موجود ہے۔ صفحہ اوس کے ۲۲۲ اور چند صفحہ اوس کے آخر میں تتمہ حاشیہ کے ہیں۔ قیمت اوس کی فی جلد ڈھائی روپے۔ جن صاحبوں کو شوق اوس کی خریداری کا ہو، قیمت اوس کی معہ ایک آنہ محصول ڈاک فی جلد کے بذریعہ خط پوسٹ پیڈ مہتمم مذکور کے پاس روانہ فرماویں۔ انشاء اللہ تعالیٰ کتاب مذکورہ اون کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

الراقم نول کشور مہتمم مطبع سفیر آگرہ''[1]

۳۔ سوانح حیات مظفر علی شاہ الٰہی:

ابوالحسن نے جس شخصیت کی یہ سوانح قلمبند کی، وہ آگرہ ہی کے رہنے والے تھے۔ یہ سوانح حیات لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں طبع ہوئی[2]۔ صفحات ۱۲۲۔ برٹش میوزیم میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔[3]

۴۔ تاریخ روس:

یہ تاریخ انگریزی میں لکھی گئی۔ مورخ کا نام Sir D. Mackenzie Wallace تھا، جو وائسرائے ہند اور گورنر جنرل کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ انگریزی تاریخ کا فارسی ترجمہ مولوی ابوالحسن نے کیا، جو منشی نولکشور کے مطبع نامی (لکھنؤ) سے ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا۔ وثوق سے یہ کہنا مشکل ہے کہ مترجم [illegible] کے مدرس فارسی منشی ابوالحسن ہی ہیں، کیونکہ اس ترجمے میں مترجم مولوی ابوالحسن کے نام کے ساتھ ''سابق تحصیلدار'' مرقوم ہے۔ منشی ابوالحسن کے متعلق یقین سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۵۶ء تک [illegible] پڑھاتے رہے۔ ممکن ہے ان کی ملازمت ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کی نذر ہو گئی ہو [illegible] تحصیلداری جیسی انتظامی ملازمت اختیار کر لی ہو۔ اس ترجمے کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

''حسب ایماے منشی نولکشور، بہ پایۂ طبع مولوی ابوالحسن [illegible]

۱۔ کوہ نور (لاہور)، بابت ۱۳ مئی ۱۸۵۶ء، ص ۳۱۰

۲۔ بحوالہ اسٹوری ۱/ ۲: ۱۱۸۴ (۳۵)

۳۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم، کالم ۲۲۳

Marfat.com

فارسی ترجمہ فرمودند۔"

نولکشور نے اس ترجمہ کی اجازت مؤلف سے طلب کی اور اس کے لیے انھوں نے ایک انگریزی خط تحریر کیا۔ میکنزی نے اپنے جوابی خط (بابت ۱۴ جولائی ۱۸۸۶ء، بمقام شملہ) میں اس ترجمے کی اجازت دے دی اور اس کے بعد نولکشور نے مولوی ابوالحسن کو ترجمے کا کام سونپ دیا۔ نولکشور اور میکنزی کے یہ دونو انگریزی خطوط اس فارسی ترجمے میں شامل کیے گئے ہیں۔ نولکشور کے مکتوب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں مولوی ابوالحسن مکتوب نگار کے "اودھ اخبار" سے منسلک تھے۔ اس خط کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"When I first formed the project of bringing out a translation of this book, I was in some doubt as to who would be the best person to be employed as a translator. I finally decided on entrusting the task to Moulvi Abul Hasan connected with the "Oudh Akhbar" and I am glad to find that his translation has been approved by competent judges."

۵۔ مثنوی تحفۂ طہران:

اس مثنوی کے مؤلف کا نام منشی محمد ابوالحسن ہے اور یہ بھی حکومت برطانیہ میں تحصیلدار کے عہدے پر فائز رہے۔ صفحات ۸۰۔ یہ مثنوی لکھنؤ سے ۱۸۹۳ء میں طبع ہوئی۔ (۱)

۶۔ مثنوی خنجر عشق:

سعادت یار خاں رنگین کی ایک مثنوی "چار باغ" ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں دہلی کے مطبع مصطفائی سے شائع ہوئی (صفحات ۸)۔ اس کے حاشیے پر مولوی ابوالحسن کی یہ مثنوی یعنی "خنجر عشق" چھپی تھی۔ ان دونوں کے سرورق کی عبارت یہ ہے:

"تصنیف سعادت یار خاں رنگین مسمی بہ چار باغ و دیگر مثنوی طبع زاد مولوی ابوالحسن صاحب معروف بہ خنجر عشق حسب فرمایش..... حافظ محمد نظام الدین سوداگر، ساکن کول، در مطبع مصطفائی۔ محمد حسین خاں طبع نمود ۱۲۶۸ھ۔"

مولوی ابوالحسن کی یہ مثنوی اردو میں ہے، حالانکہ ان کی بہت کم تحریریں اس زبان میں ملتی ہیں۔ مح

۱۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم۔ کالم ۴۴۳

Marfat.com

عتیق صدیقی نے مثنوی ''خنجر عشق'' کو مدیر ''معیار الشعراء'' یعنی منشی ابوالحسن مدرس فارسی (آگرہ کالج) کی تصنیف قرار دیا ہے[۱]، جبکہ نورالحسن راشد کاندھلوی اسے مولانا ابوالحسن حسن کاندھلوی کی تصنیفات میں شامل کرتے ہیں[۲]۔

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے:

پہلے ہے حمد خداوند جہاں ‏ ‏ ‏ جس نے سب پیدا کیا کون و مکاں[۳]

۷۔ مطلع الانوار مؤلفہ امیر خسرو:

شرح بر حاشیہ: محمد ابوالحسن۔ صفحات ۲۱۷۔ شرح سمیت ''مطلع الانوار'' کا یہ ایڈیشن لکھنؤ سے ۱۸۸۴ء میں طبع ہوا تھا۔[۴]

معیارالشعراء

اردو شاعری میں مشاعرے کی روایت خاصی پرانی ہے اور یہ روایت چلتے چلتے ہماری تہذیبی زندگی کا بھی حصہ بن گئی۔ ایک زمانہ تھا، جب صاحبانِ ذوق کے گھروں میں طرحی اور غیر طرحی مشاعرے ہوتے تھے۔ ان میں شعراء اپنا تازہ کلام سناتے اور سامعین سے داد وصول کرتے۔ کچھ دیر تک یہ کلام لوگوں کی زبان پر رہتا، پھر ذہنوں میں محفوظ ہوتا، اور رفتہ رفتہ بھول جاتا۔ بعد میں اگر کسی شاعر کا دیوان یا کلیات طبع ہوتا تو اس میں مشاعروں میں پڑھا جانے والا کلام بھی شامل کر دیا جاتا۔ چنانچہ مشاعروں کے ایسے کلام کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے انیسویں صدی عیسوی کے وسط سے چند سال پیشتر یہ اہتمام کیا گیا کہ اسے شعراء کے یک سطری تعارف کے ساتھ مختصر رسالے کی شکل میں طبع کیا جانے لگا۔ عام طور پر ایسے رسالے کو اردو ادب کی تاریخ میں گلدستہ کا نام دیا جاتا ہے۔

اس انداز کا پہلا گلدستہ جاری کرنے کا سہرا مولوی کریم الدین پانی پتی کے سر ہے۔ ان کے گلدستہ کا عنوان ''گل رعنا'' تھا، جو انہوں نے دہلی (مطبع رفاہ عام حوض قاضی) سے ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں جاری کیا[۵]۔ یہ پندرہ روزہ تھا اور اس کے صفحات کی تعداد ۳۲ تھی۔ مولوی کریم الدین اپنے [illegible]

۱۔ صوبہ شمالی مغربی کے اخبارات و مطبوعات، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۱۹۹ [illegible]

۲۔ ضمیمہ امداد المشتاق، متذکرہ بالا، ص ۳۲۹

۳۔ ڈاکٹر گیان چند جین: اردو مثنوی شمالی ہند میں، علی گڑھ ۱۹۶۹ء، ص ۵۰۲

۴۔ رک: فہرست مطبوعات فارسی، برٹش میوزیم۔ ص ۳۳۶

۵۔ ''گل رعنا'' اردو کا غالباً پہلا گلدستہ ہے، جس کو مولوی کریم الدین نے ۱۸۴۵ء میں [illegible] (بیان)

Marfat.com

محفل مشاعرہ منعقد کراتے۔ اس میں جو شعراء شریک ہوتے اور اپنی تازہ فارسی یا اردو غزلیں پیش کرتے، وہ انھیں ہر شاعر کے مختصر تعارف کے ساتھ اس گلدستہ میں شائع کر دیتے۔ ان کے ایک ایسے ہی مشاعرے پر مرزا فرحت اللہ بیگ نے ''دہلی کا ایک یادگار مشاعرہ'' جیسی کتاب کی بنیاد رکھی۔ مولوی کریم الدین خرابی حالات کے باعث چار ماہ سے زیادہ یہ محفل مشاعرہ جاری نہ رکھ سکے اور اس گلدستے کے سات یا آٹھ شمارے نکالنے کے بعد اسے بند کر دیا۔[1]

مولوی کریم الدین کے جاری کردہ ''گل رعنا'' کے بعد جو گلدستہ شائع ہوا، اس کا نام ''معیار الشعراء'' تھا۔ اس کے اجراء کنندہ یہی منشی ابوالحسن فرید آبادی، مدرس شعبہ فارسی (آگرہ کالج) تھے۔ اردو کا اولیں مجموعۂ اشعار ''گل رعنا'' اس وقت اشاعت پذیر ہوا، جب منشی ابوالحسن دہلی کالج میں زیر تعلیم تھے۔ ممکن ہے انھیں ایسے گلدستے کی اشاعت کا خیال ''گل رعنا'' ہی سے ذہن میں آیا ہو، لیکن وہ اپنے اس خیال کو اس وقت عملی صورت دے سکے، جب آگرہ کالج میں ان کے قدم مضبوطی سے جم گئے اور وہاں کے علمی و ادبی حلقوں میں ان کا نام متعارف ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے بھی مولوی کریم الدین کے تتبع میں اپنے ہاں محفل مشاعرہ منعقد کرانے کا اہتمام کیا۔ یہ محفل بھی پندرہ روزہ تھی اور اس میں شہر کے تمام جانے پہچانے فارسی اور اردو شعراء شریک ہوتے اور اپنا تازہ کلام سناتے۔ یہ مشاعرے بالعموم طرحی ہوتے تھے اور ہر محفل کے اختتام پر اگلے مشاعرے کے لیے فارسی اور اردو کے طرحی مصرعے دے دیئے جاتے۔ آگرہ کے علاوہ دیگر نواحی شہروں میں جو معروف شعرائے کرام تھے، ان سے بھی اپنا کلام بھیجنے کی فرمائش کی جاتی۔ ان کی ارسال کردہ غزلیں بھی ان مشاعروں میں پڑھ کر سنائی جاتیں۔ ان مشاعروں میں موجود سامعین تو ان شعراء کے کلام سے لطف اندوز ہو سکتے تھے، لیکن جو اصحاب شریک نہیں ہو سکتے تھے، وہ اس سے محروم رہ جاتے تھے۔ چنانچہ ان غیر موجود لوگوں تک مشاعرے میں پڑھے جانے والے کلام کو پہنچانے کے لیے منشی ابوالحسن نے اس گلدستے کی اشاعت کا اہتمام کیا۔

ابوالحسن نے اس طرح کی پہلی محفل مشاعرہ آگرہ میں اپنے گھر پر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو منعقد کی اور اس میں جو فارسی اور اردو غزلیں پڑھی گئیں، انھیں ''معیار الشعراء'' کے پہلے شمارے میں شائع کر دیا۔ ابھی تک تاریخ صحافت اردو کے محققین اس گلدستے کے پہلے شمارے کے سنۂ اجرا کا تعین نہیں کر سکے۔ ابوالحسن اسے ا

جاری ضرور کیا۔'' (رک: ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں از محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۵۷ء، ص ۲۸۷)۔

۱۔ رک: گلدستۂ صحافت (۱۸۵۰ء سے ۱۸۸۸ء تک کے کچھ گلدستوں کے حالات اور ان کے سیکڑوں شعراء کی غزلوں کے منتخب اشعار اس کتاب میں درج ہیں) از امداد صابری، دہلی ۱۹۸۴ء، ص ۹۴-۱۱۷

Marfat.com

نومبر ۱۸۴۸ء کو شائع کرانے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے اور یہ گلدستہ پہلی بار ۲۱ نومبر کے بجائے ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء بروز یکشنبہ جاری ہوا۔ اس سے قبل ابوالحسن گلدستہ کا نام، اس کے مندرجات، اس کی قیمت اور اس کے مطبع کا فیصلہ کر چکے تھے اور اس کے متعلق چند معاصر اخبارات میں اس کا اشتہار بھی دے چکے تھے۔ دہلی کالج کے اخبار ''فوائد الناظرین'' (بابت ۱۷ نومبر ۱۸۴۸ء) میں جو اشتہار طبع ہوا، وہ درج ذیل ہے:

''واضح ہو کہ تفریح طبائع کے واسطے پندرویں روز مجلس مشاعرہ راقم کے مکان میں منعقد ہوتی ہے، چونکہ سب اضلاع کے رئیس اس سے حظ حاصل نہیں کر سکتے، لہٰذا راقم کو یہ منظور ہے کہ ہر مشاعرہ کی غزلیں ایک دو ورقہ [پر] مثل اخبارات کے طبع ہوا کریں۔ اور چونکہ بعض شعراء علم عروض و قافیہ سے کم ماہر ہوتے ہیں، اس لحاظ سے نصف اخیر صفحے میں اس کا بیان ہے [تا] کہ خریدار علم عروض و قافیہ سے واقف ہو جاویں اور رفتہ رفتہ ایک تذکرہ شعرائے حال کا، بہ سبب اس کے کہ شروع غزل میں حال مختصر شاعر کا مندرج ہوگا، تیار ہو جائے گا اور بہ نظر رفاہ عام چار آنے ماہواری جو کہ صرف کاغذ اور چھپائی کے واسطے تھا، قیمت اس کی مقرر کی۔ ہاں اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور پرچہ اس قدر بڑھ جاوے کہ اس کے صرف کے واسطے وہ قیمت کافی نہ ہو، تو فی ورق کچھ مناسب قیمت زیادہ کرنی پڑے گی اور مصرع طرح مشاعرہ آئندہ کا اس کے اخیر میں طبع ہوگا۔ لہٰذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو اس پرچہ موسوم بہ ''معیار الشعراء'' کا خریدنا منظور ہو تو درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ آگرہ میں ارسال فرماویں اور محصول ذمہ خریدار ہوگا۔ یہ پرچہ بتاریخ ۲۱ نومبر بروز سہ شنبہ سے طبع ہوگا۔ مورخہ ۱۱ نومبر ۱۸۴۸ء۔ فقط۔ العبد ابوالحسن مدرس فارسی مدرسہ آگرہ۔''[1]

اس اشتہار کے نیچے ''فوائد الناظرین'' کے مہتمم ماسٹر رام چندر نے زیر عنوان ''رائے مہتمم'' یوں اظہار خیال کیا ہے:

''حقیقت میں یہ پرچہ مسمی معیار الشعرا، جو مولوی صاحب کی کوشش سے جاری ہوگا، نہایت خوب ہوگا۔ اور اس علم کے در باب میں اب تک کوئی پرچہ نہیں نکلا تھا۔ اور قیمت بھی انہوں نے نہایت مقرر کی ہے..... حقیقت یہ ہے کہ مولوی ابوالحسن صاحب مہتمم اس پرچہ کے بہت عاقل اور سنجیدہ آدمی ہیں ... صاحب کو اس پرچہ کی خریداری منظور ہو تو ایک درخواست بنام مولوی صاحب مدوح ... یا اس نیاز مند کے پاس بھیج دیں۔ فقط الراقم مہتمم فوائد الناظرین۔''[2]

آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے یہ گلدستہ طبع ہوتا تھا۔ ''اسعد الاخبار'' میں بھی متذکرہ بالا اشتہار

۱۔ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، مذکورہ بالا، ص ۶۹۔ تحتی نوٹ

۲۔ ہندوستانی اخبار نویسی کمپنی کے عہد میں، مذکورہ بالا، ص ۲۱۹

Marfat.com

سے ملتا جلتا اشتہار شائع ہوا (بابت ۱۸ نومبر ۱۸۴۸ء)، جو درج ذیل ہے:

''خلاصۂ اشتہار

مرسلہ جناب منشی محمد ابوالحسن میر منشی مدرسۂ اکبرآباد، مدرس اول درجہ فارسی۔

واضح ہو کہ ایک مجلس مشاعرہ کی پندرہویں روز راقم کے مکان پر ہوتی ہے اور اکثر غزلیں شعراء کی، اور اضلاع سے بھی مشاعرہ میں آتی ہیں۔ راقم نے یہ تجویز کیا کہ وہ نتائج وافکار تازہ شعرا جو مشاعرے میں پڑھے جاتے ہیں، قالب طبع میں بھی آیا کریں، تاکہ سخن سنجان امصار و دیار اوس کے ملاحظہ سے محظوظ ہوا کریں اور ہر ایک شاعر کی طباعی کا حال ہر کہ و مہ کو معلوم ہو۔ اور چونکہ بعضے شاعر علم عروض و قافیہ سے کم واقف ہوتے ہیں، اس نظر سے اوس کے اخیر صفحہ کے آخر میں اوس کا بھی بیان ہو۔ اور چار آنہ ماہواری اوس کی قیمت صرف کاغذ اور چھاپہ کے لئے مقرر کی۔ آئندہ اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور اس دو ورقہ جو بالفعل مطبوع ہو کر تقسیم ہوا کرے گا، اون کی گنجائش نہ ہوگی تو پرچہ کا حجم زیادہ کیا جائے گا اور اوراق زائدہ کی بابت فی ورق کچھ قیمت بڑھادی جائے گی۔ اور مصرع طرح مشاعرۂ آئندہ کا اوس کے آخر میں چھاپا جائے گا کہ ناظرین اور خریدار بے تکلف اوس سے اطلاع پا کر اوس زمین میں غزل کہہ کر بھیج دیا کریں۔ اور غزل و خط بھیجنے میں طریقہ پوسٹ پیڈ بھیجنے کا مسلوک رکھیں، ورنہ راقم کو ہر بزرگوار کے خط و غزل کا محصول دینے میں بڑی زیرباری ہوگی اور اس کا متحمل نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا یہ اشتہار دیا جاتا ہے کہ جس صاحب کو خریدنا اوس پرچہ موسوم بہ ''معیار الشعراء'' کا منظور ہو، درخواست اپنی راقم کے پاس مدرسہ اکبرآباد میں ارسال کریں۔ اور محصول اوس پرچہ کا خریدار کے ذمہ ہوگا۔ اور وہ پرچہ لطافت آمیز مطبع اسعد الاخبار میں چھپا کرے گا۔

العبد محمد ابوالحسن مدرس اول فارسی مدرسہ اکبرآباد''[1]

منشی ابوالحسن نے ''معیار الشعراء'' کے پہلے شمارے میں جو غزلیں شامل کیں، وہ اس محفل مشاعرہ میں پڑھی گئیں، جو انھوں نے اپنے گھر پر ۱۹ نومبر ۱۸۴۸ء کو منعقد کی تھی۔ اس مجلس کی روداد ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء) میں یوں بیان ہوئی ہے:

''۱۹ نومبر کو وقت شب منشی سید ابوالحسن صاحب مدرس اول درجہ فارسی مدرسہ آگرہ کے مکان پر محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ آگرہ کے اکثر اہل سخن عالی طبع جمع ہوئے اور سب نے اپنا کلام سنا کر اہل محفل کو محظوظ کیا۔ ایک عجیب جلسہ جانفزا تھا اور کلام شعرا نہایت دلربا۔ پرچہ ''معیار الشعراء'' جو ہفتہ آئندہ میں طبع ہوگا، اس کے ملاحظہ سے ہر سخن فہم حظ وافر اٹھائے گا۔ فقط''[2]

۱۔ صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، مذکورہ بالا، ص ۷۰۔ تحتی نوٹ

۲۔ تاریخ صحافت اردو ا: ۳۴۴۔ مؤلف ''تاریخ'' نے ''اسعد الاخبار'' کے ساتھ ۱۱ نومبر اور اقتباس میں ۹ نومبر کی

Marfat.com

''معیار الشعراء'' کا پہلا شمارہ ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء کو منظرِ عام پر آیا اور اس کے ایک دن بعد یعنی ۲۷ نومبر کو ''اسعد الاخبار'' میں اس کے متعلق یہ خبر شائع ہوئی:

''مطبع اسعد الاخبار: مجموعہ اشعار موسوم بہ معیار الشعراء جو منشی ابوالحسن صاحب مدرس اول مدرسہ سرکاری نے واسطے ترقی شوق نظم و نثر کے جاری فرمایا ہے، کل کے دن ۲۶ نومبر کو اس مطبع سے بہ اجازت منشی صاحب موصوف چھاپا گیا۔ یہ ایک عجیب مجموعہ سرور افزا ہے۔ جو دیکھتا ہے، بڑا حظ اٹھاتا ہے۔ فقط۔''(۱)

اردو صحافت کے محققین اور مؤرخین بالخصوص مولانا امداد صابری صاحب(۲) اور محمد عتیق صدیقی(۳) نے ''معیار الشعراء'' کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں۔ وہ ثانوی مآخذ پر مبنی ہیں، یعنی انہیں ہم عصر اخبارات (فوائد الناظرین، قران السعدین اور اسعد الاخبار) یا اس دور کی سرکاری رپورٹوں سے جو تفصیلات حاصل ہوئیں، ان کی بنیاد پر انھوں نے اس گلدستے کے متعلق چند باتوں کا ذکر کیا ہے۔ انھیں باوجود کوشش کے اس گلدستے کا کوئی بھی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا، چنانچہ مولانا امداد صابری صاحب خود بھی اس کا یوں اقرار کرتے ہیں:

''۱۸۴۸ء میں آگرہ سے ایک دوسرا گلدستہ ''معیار الشعراء'' کے نام سے ظہور پذیر ہوا جو مہینے میں دو بار نکلتا تھا۔ میرا یہ کہنا اصول تحقیق کے مطابق نہیں ہے کہ ''معیار الشعراء'' آگرہ کا دوسرا گلدستہ ہے۔ ممکن ہے کہ ''گل رعنا'' کے بعد ۱۸۴۷ء تک ملک کے کسی حصہ میں گلدستہ نکلا ہو۔ ''معیار الشعراء'' گلدستہ کی بھی صورت ہم نے نہیں دیکھی۔''(۴)

راقم کو اپنے اولیں سفر یورپ (۱۹۸۲ء) کے دوران میں قدیم فارسی اور اردو اخبارات (قبل

تاریخیں لکھی ہیں۔ یہ دونوں تاریخیں محل نظر ہیں۔ یہ امر مسلم ہے کہ ابوالحسن نے اپنے گھر پر پہلی محفل مشاعرہ ۱۹ نومبر کو منعقد کرائی تھی اور ظاہر ہے اس کی روداد ۲۰ نومبر کے ''اسعد الاخبار'' میں شائع ہوئی ہوگی۔ ۲۰ نومبر ۱۸۴۸ء کا ''اسعد الاخبار'' پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی کی نظر سے گزرا تھا۔ (رک ہندوستانی اخبار نویسی محولہ بالا، ص ۲۸۷)

۱۔ ایضاً: ۳۴۰-۳۴۱

۲۔ تاریخ صحافت اردو، ۱: ۳۳۹-۳۴۴؛ روح صحافت، دہلی ۱۹۶۸، ص ۷۵-۷۶؛ عہد ... ص ...

۳۔ ہندوستانی اخبار نویسی، کمپنی کے عہد میں، ص ۲۸۹-۲۹۰؛ صوبہ شمالی مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۶۹-۷۱

۴۔ گلدستہ صحافت، ص ۱۹، بذیل ''سبب تالیف''۔

Marfat.com

۱۸۵۷ء) کا ایک نادر ذخیرہ دستیاب ہوا تھا۔ اس مجموعے میں ''معیار الشعراء'' کا پہلا شمارہ (بابت ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء) بھی شامل ہے۔ اس پہلے شمارہ کے کچھ کوائف قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔

یہ شمارہ دو ورق یعنی چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دائیں بائیں ''نمبر اول، دیوان اول'' درج ہے۔ اس کے ساتھ سنۂ اجرا یعنی ''مورخہ ۲۶ نومبر ۱۸۴۸ء روز یکشنبہ'' مرقوم ہے اور اس کے نیچے یہ صراحت کی گئی ہے کہ ''یہ پرچہ مہینے میں دو بار چھپتا ہے، قیمت اوس کی چار آنہ ماہواری اور محصول ڈاک بذمہ خریدار''۔

ابتدا میں زیر عنوان ''اظہار'' یہ عبارت درج ہے:

''واضح ہو کہ تقدیم و تاخیر شعرا کے کلام کی باعتبار حروف تہجی اون کے تخلصوں کے معتبر کی گئی۔ اس واسطے کہ اگر اون کے کلام کے رتبہ پر نظر کی جاتی تو ترتیب میں ہر ایک کی گفتگو باقی رہتی۔ جو صاحب کہ فہیم اور ذکی الطبع ہیں، ہر ایک کے مرتبہ شاعری کو اوس کے کلام سے دریافت کرلیں گے اور اس پرچہ میں غزل غیر طرح مطبوع نہ ہوگی۔ مگر جب کہ کوئی ضرورت خاص اہل کمیٹی اور مہتمم کی رائے میں متصور ہو۔''

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس گلدستے کی ادارتی ذمہ داریاں تو ابوالحسن ہی کے پاس تھیں، لیکن اس کے انتظام و انصرام، مختلف شعراء سے کلام کے حصول اور اس کی ترتیب جیسے امور کے لیے ایک کمیٹی بھی بنائی گئی تھی۔ اس کمیٹی کے کون کون سے ارکان تھے، اس کے متعلق موجودہ شمارے سے کوئی مدد نہیں ملتی۔

اس کے بعد ان فارسی اور اردو شعراء کی غزلیں درج ہیں، جو ۱۹ نومبر کے اس مشاعرے میں شریک ہوئے، جو ابوالحسن نے اپنے گھر پر کرایا تھا یا جن شعراء نے ابوالحسن کی فرمائش پر اپنا کلام بھیجا تھا۔ فارسی شعراء میں سید جعفر علی بیتاب اکبر آبادی طالب علم مدرسہ آگرہ، رائے ہرگوپال تفتہ متوطن سکندر آباد، مرزا محمد اکبر خاور سیستانی' سید سعادت علی سعید اکبر آبادی، حافظ رحیم اللہ صبا اکبر آبادی، چرنجی لال طالع فرخ آبادی منشی اردو آگرہ کا، قمر الدین خاں قمر اکبر آبادی مہتمم اسعد الاخبار، منشی بچھی چند مدہوش بریلوی وکیل صدر دیوانی، رائے درگا پرشاد نشاط سکندر آبادی اور منشی سہائے وقفی متوطن میرٹھ وکیل صدر دیوانی شامل ہیں، جبکہ اردو شاعروں میں مرزا احمد علی بیگ اعظم الہ آبادی محرر صدر دیوانی، عبدالرحمٰن انصاف اکبر آبادی ملازم راجہ بنارس، بیتاب، حافظ بلاقی زرا اکبر آبادی سادہ کار، سعید، طالع، مشتاق حسین مشتاق شاگرد و مرید حضور والائے دہلی، مرزا احمد علی بیگ مشفق اکبر آبادی، امین الدین مشکل اکبر آبادی ملازم مدرسہ آگرہ اور مرزا کلب حسین خاں نادر الہ آبادی ڈپٹی کلکٹر اناوہ کے نام شامل ہیں۔ فارسی غزلیات کے حصے میں ابوالحسن نے ایک مختصر تعارفی نوٹ کے ساتھ اپنی یہ فارسی غزل بھی درج کی ہے:

Marfat.com

''شیدائی، ابوالحسن متوطن فرید آباد ضلع دہلی۔

کوفتہ بہ سینۂ کز تیغ عشقش چاک نیست — خونچکاں بہ دیدۂ کو در غمش نمناک نیست
گو سر خود گیر و غیر از عشق بازی پیشہ جو — ہر کہ در میدان عشقش ہمچو گو چالاک نیست
می طپد در سینہ ام دل تا چرا چون دیگراں — از کشاد تیر مژگانش طپاں بر خاک نیست
عاشقاں را میدہد فتراک قاتل آبرو — خاک باد آں سر کہ آب درویش از فتراک نیست
خرقہ ام از بادہ گر آلودہ شد عیبم مکن — قدسیاں را نیز در میخانہ دامن پاک نیست
گر نیابی بوسہ از دشنام تلخش روستاں — زہر او اندر مذاق ما کم از تریاک نیست
تیغ خونریز اجل گو ہست مشہور جہاں — ہمچو ترک غمزہ ات مردم کش و بیباک نیست
مے پرستی بود شیدائی کہ از دنیا گذشت — زانکہ بر خاک مزارش سبزۂ جز خاک نیست''(۱)

اردو غزلیات کے خاتمے پر یہ نوٹ تحریر کیا گیا ہے:

''محفل مشاعرہ ہذا ۱۹ نومبر بروز یکشنبہ کو منعقد ہوئی تھی اور مشاعرہ آئندہ نویں ماہ دسمبر کو شام کو ہوگا۔ اور ضرورت ایک ہفتہ زیادہ کرنے کی روز معین سے اس واسطے ہوئی کہ روز مشاعرہ عشرہ محرم الحرام میں داخل تھا۔''

اس کے ساتھ ہی اگلے مشاعرہ کے لیے فارسی اور اردو کے یہ طرحی مصرعے دیے گئے:

ع رزق زمیں کند ستم آسماں مرا

ع ایک چکر ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں

منشی ابوالحسن نے معاصر اخبارات میں ''معیار الشعراء'' کا جو اشتہار چھپوایا تھا اس میں یہ وضاحت بھی کی گئی تھی کہ ہر شمارے کے آخری صفحے کے نصف حصے پر علم عروض و قافیہ کے بارے میں بنیادی معلومات درج کی جائیں گی۔ اس پہلے شمارے میں ''علم عروض'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس کے تحت اس علم کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ سطور ذیل میں منقول ہے۔ ظاہر ہے، یہ مضمون مہتمم یعنی منشی ابوالحسن کا تحریر کردہ ہے اور اسے ان کی ایک نایاب اردو تحریر کی حیثیت سے من و عن یہاں پیش کیا جا رہا ہے:

''شعر منطقیین کے نزدیک کلام مخیل موزوں ہوتا ہے اور جمہور شعراء کی اصطلاح میں شعر کلام موزوں مقفی کو کہتے ہیں اور کلام اون الفاظ کو کہتے ہیں کہ حروف سے مرتب ہوں اور باعتبار وضع کے معنی مقصود

۱۔ یہ غزل اس کلام میں شامل نہیں، جو صابر دہلوی نے اپنے تذکرہ ''گلستان سخن'' میں نقل کیا ہے۔ [illegible] میں درج کیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

دلالت کرتے ہوں اور شعر کو بغیر الفاظ کے تصور نہیں کر سکتے اور اگر کوئی تکلف سے غیر ملفوظ فعل کو (جیسے حرکت ہاتھ یا آنکھ کی مثلاً) جزء شعر کا گردانے تو اوس فعل کا حکم ایسا ہی ہوگا جس طرح کہ حکم الفاظ کا اس سبب سے کہ اوس فعل سے آواز پیدا ہوتی ہے یا خیال اوس کا ہوتا ہے۔ جس سے کچھ مراد سمجھی جاتی ہے اور اسی طرح الفاظ بے معنی کو، اگر چہ وزن و قافیہ رکھتے ہوں، شعر کی قبیل سے نہیں جانتے۔ اور وہ بیہودہ کلام اہل ہزل کا کہ الفاظ مہمل کے ساتھ اوس کو نظم کرتے ہیں، الفاظ با معنی کے حکم میں داخل ہے۔ اس واسطے کہ اون کی مراد الفاظ مذکورہ سے موافق قصد کے ہوتی ہے۔ پس کلام شعر اور غیر شعر کے واسطے بجائے جنس کے ہے اور تخیل تاثیر سخن کو کہتے ہیں، جو دل میں پیدا ہوتی ہے خواہ کسی طرح کی ہو۔ مثلاً خوشی یا رنج یا قبض یا بسط۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ غرض شعر سے تخیل ہوتی ہے کہ دل میں اوس کا حصول کسی فعل کے سرزد ہونے کا موجب ہووے مثلاً ایک کام پر آمادہ ہونا یا اس سے باز رہنے یا کسی ہیئت کے ظاہر ہونے کا وہ سبب ہووے جیسے رضامندی یا غصہ یا کسی قسم کی لذت اور لطف کہ مطلوب ہو۔ مگر حکمائے یونان نے تخیل کو ماہیت شعر کے اجزا میں شمار کیا ہے۔ اور شعرا عربی اور فارسی کے اوس کو اسباب جودت اور خوبی شعر سے گنتے ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ موافق قول یونانیوں کے تخیل شعر کی فصول سے ہوگی اور ان شعرا کے نزدیک اغراض اور غایت کی قبیل سے۔ فقط۔ باقی پرچہ آئندہ میں۔''

اس کے بعد اختتامیہ عبارت یہ ہے:

''باہتمام تصحیح و ترتیب منشی ابوالحسن مدرس اول مدرسہ فارسی آگرہ مطبع ''اسعد الاخبار'' میں قمر الدین خان نے چھاپا۔''

چند ماہ تک ''معیار الشعراء'' زیر ادارت منشی ابوالحسن شائع ہوتا رہا۔ اس عرصے میں ان کے مکان پر محافل مشاعرہ برپا ہوتی رہیں اور ان میں پڑھا جانے والا کلام اس پرچے میں باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ ابوالحسن اس گلدستے کے اجرا کنندہ ضرور تھے، لیکن وہ زیادہ دیر تک اس گلدستے کے مہتمم نہ رہ سکے اور غالباً وسط ۱۸۴۹ء میں ان کی جگہ سید مدد علی تپش اکبرآبادی [1] کو اس کا مدیر مقرر کر دیا گیا۔ بظاہر اس تبدیلی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے، منشی ابوالحسن کی مدرسانہ مصروفیات اس راہ میں حائل ہو گئی ہوں یا مالی دشواریوں کے باعث وہ اس سے الگ ہو گئے ہوں۔ ''معیار الشعراء'' کا پہلا شمارہ آگرہ کے مطبع اسعد الاخبار سے طبع ہوا تھا۔ اس مطبع کے مالک قمر الدین خاں قمر اکبرآبادی تھے۔ اس پرچے کی ادارت میں جو تبدیلی ہوئی، اس کے

۱۔ گارسیں دتاسی نے دہلوی لکھا ہے (رک: تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی، بزبان فرانسیسی، طبع جدید، نیویارک ۱۹۶۸ء (۱۸۷۰ء)، جلد سوم، ص ۲۲۱)۔ تپش کے حالات اور کلام کے لیے رک: تاریخ صحافت اردو ا: ۲۴۷-۲۴۹

Marfat.com

بعد بھی یہ اسی مطبع سے چھپتا رہا۔ شاید قمر اکبرآبادی نے یہ پرچہ منشی ابوالحسن سے لے لیا ہو اور انھوں نے نئے مدیر کی نگرانی میں اسے جاری رکھا۔ ''معیار الشعراء'' میں اس تبدیلی کی اطلاع ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۵ جون ۱۸۴۹ء) کے اس اقتباس سے ملتی ہے:

''پرسوں شب کو مشاعرہ ہوا۔ اکثر شعراء اکبرآباد اور بعض سخنوران عجم تشریف لائے۔ ہر ایک کے کلام فصیح سے حاضرین بزم مشاعرہ محظوظ ہوئے۔ وے شایقان سخن جو مشاعرے میں تشریف نہ رکھتے تھے، بہ ملاحظہ معیار الشعرا، جو اس مطبع میں چھپتا ہے اور سید مددعلی تپش اس کی تہذیب و ترتیب کا انتظام کرتے ہیں، محظوظ ہوں گے۔ مشاعرہ بڑی زیب و زینت کا ہوتا ہے اور پرچہ معیار الشعرا عجب لطف خیز مطبوع ہوتا ہے۔ ہر شاعر کی غزل منتخب ہو کر لکھی جاتی ہے اور قیمت اس کی چار آنہ ماہواری اس کے لطف و خوبی کے آگے بہت کم ہے۔ اس کے خریدار بکمال شوق اسے خریدتے ہیں اور اس قیمت پر بہت ارزاں جانتے ہیں۔ جن صاحب کو اس کے ملاحظہ و مطالعہ کا شوق ہو، سید مددعلی تپش کے پاس بہ محلہ زین خان یا بہ مطبع ہذا درخواست بھیج دیں۔''[1]

بعض شواہد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۴۹ء کے بعد ''معیار الشعراء'' کی مقبولیت کم ہوتی گئی اور اس کا اثر اس کی تعداد اشاعت پر بھی پڑنے لگا۔ اس دور کی سرکاری رپورٹوں سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۵۱ء میں اس رسالہ میں جدید شعراء کے ساتھ ساتھ قدیم شعراء کا کلام بھی شامل ہوتا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ پندرہ روزہ مجالس مشاعرہ بند ہوگئی ہوں اور مدیر اس کمی کو پورا کرنے کے لیے پرانے شاعروں کی غزلیں منتخب کر کے اس میں چھاپ دیتے ہوں۔ ۱۸۵۱ء کی سرکاری رپورٹ بتاتی ہے کہ یہ پرچہ اب بھی پندرہ روزہ ہے۔ اشاعت انتہائی محدود ہے۔ صرف پندرہ پرچے چھپتے ہیں۔ خریداروں کی تعداد تین رہ گئی ہے۔ ان تین کے علاوہ باقی بارہ پرچے مفت تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ۱۸۵۲ء کی رپورٹ بھی چھپ گئی ہے اور ۱۸۵۳ء کی رپورٹ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچے میں پرانے شعراء کا کلام چھاپا جاتا ہے۔ کبھی کبھار ایسے جدید شعراء کی غزلیں بھی شائع کر دی جاتی ہیں، جو شاعر کہلانے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔[2] اس کے بعد گارساں دتاسی نے اپنے پانچویں خطبے (بابت ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء) میں ''معیار الشعراء'' کا مختصر ذکر کیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب تپش بھی اس کے مہتمم نہیں رہے، بلکہ یہ مطبع اسعد الاخبار کے مالک منشی قمر الدین قمر اور [illegible] کی تحویل میں چلا گیا ہے۔ گارساں دتاسی کا متعلقہ اقتباس یہ ہے:

''معیار الشعراء قدیم و جدید شعرا کا کلام ہے، جو [illegible] سے منشی قمر الدین قمر [illegible] خان [illegible] میں

۱۔ بحوالہ تاریخ صحافت اردو ۱:۲۴۱

۲۔ رک: صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات، ص ۶۹-۷۱

Marfat.com

دو بار شائع کرتے ہیں۔''(۱)

غالباً ان دونو اصحاب کی زیرنگرانی یہ پرچہ ۱۸۵۶ء تک جاری رہا۔ اس کے ایک سال بعد ۱۸۵۷ء کے ہولناک ہنگاموں کے باعث تباہی و بربادی کی ایسی لہریں اٹھیں کہ بہت سے تہذیبی آثار کو بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گئیں۔ اس طوفان خیزی میں ایسے بہت سے رسالے اور اخبارات ختم ہو گئے۔ جن مطابع سے یہ شائع ہوتے تھے، وہ بھی تباہ ہو گئے اور ان کے مالکان ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہوئے۔ متعدد اخبارات و جرائد ایسے معدوم ہوئے کہ پھر ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہا، لیکن بعض رسائل ایسے سخت جان ثابت ہوئے کہ ایک دو برس غائب رہنے کے بعد پھر جاری ہونے لگے۔ انھی سخت جان پرچوں میں ایک ''معیار الشعراء'' بھی تھا، لیکن اب اس کا مطبع اور مالک دونو تبدیل ہو چکے تھے۔ ابتداء سے ۱۸۵۷ء تک یہ گلدستہ منشی قمرالدین قمرہی کے مطبع اسعد الاخبار سے چھپتا رہا۔ تقریباً نو برس کے اس عرصے میں مہتمم تو بدلتے رہے، لیکن پریس وہی رہا۔ اب یہ آگرہ کے ایک اور مطبع مفید الخلائق سے چھپنا شروع ہوا۔ شاید مطبع اسعد الاخبار جنگ آزادی کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا اور قمر اکبرآبادی میں اتنی سکت نہ رہی کہ وہ اسے دوبارہ شروع کر سکیں۔ مطبع مفید الخلائق کے مالک کا نام منشی شیونرائن آرام تھا۔ اسی مطبع سے ایک رسالہ ''تاریخ بغاوت ہند'' بھی شائع ہوتا تھا، جس کے ایک شمارے (بابت جولائی ۱۸۵۹ء) میں ''معیار الشعراء'' کا یہ اشتہار دیا گیا:

''مخفی نہ رہے کہ اس مطبع سے ایک پرچہ اشعار پندرہویں روز جاری ہوتا ہے۔ اس میں غزل ہائے طرح مشاعرہ جو آگرہ میں ہوتا ہے اور غرطرح اور استادان حال و قدیم کی طبع ہوتی ہیں۔ قیمت اس کی چار آنہ ماہواری ہے اور خریداران مفید الخلائق کو نصف قیمت پر ملتا ہے۔ جو صاحب شوق خریداری رکھتے ہوں، اپنی درخواست مطبع مفید الخلائق میں روانہ کریں۔''(۲)

منشی شیونرائن آگرہ کے رہنے والے تھے۔ دہلی کالج کے فارغ التحصیل تھے اور انھیں مرزا غالب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے ''معیار الشعراء'' غالب کے پاس پہنچتا تھا۔ اس میں کبھی کبھار غالب کے مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔ غالب نے اپنے دو مراسلات (بابت ۱۲ جون ۱۸۵۹ء، ۱۷ اگست ۱۸۵۹ء) میں اس گلدستے کا حوالہ بھی دیا ہے۔

اردو کا یہ دوسرا گلدستہ ''معیار الشعراء'' نومبر ۱۸۴۸ء میں جاری ہوا اور ۱۸۵۹ء کے بعد تک شائع ہوتا رہا۔ اس کا اجرا منشی ابوالحسن جیسے ذی علم شخص کے ہاتھوں ہوا۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کے چند ماہ ہی مہتمم

۱۔ خطبات گارسیں دتاسی، مطبوعہ اورنگ آباد ۱۹۳۵ء، ص ۱۱۳

۲۔ تاریخ صحافت اردو ا: ۳۴۳

Marfat.com

رہے، لیکن اس مختصر سے عرصے میں انھوں نے ایک ایسا معیار قائم کر دیا کہ برسوں بعد بھی وہ اسی پر قائم رہا۔ اس کی ضخامت، قیمت، قدیم و جدید استادان فن کا منتخبہ کلام، مشمولہ شعراء کے بارے میں مختصر نوٹ، طرحی غزلیں غرضیکہ سبھی کچھ وہی رہا، جس کا آغاز منشی ابوالحسن نے کیا تھا۔ بلاشبہ اردو کا پہلا گلدستہ ''گل رعنا'' ہے۔ جسے مولوی کریم الدین پانی پتی نے دہلی سے ۱۸۴۵ء میں جاری کیا تھا، لیکن یہ چار مہینوں سے زیادہ نہ چل سکا اور ابھی اس کے سات یا آٹھ شمارے ہی نکلے تھے کہ بند ہوگیا۔ اس اعتبار سے ''معیار الشعراء'' اردو کا ایسا گلدستہ ہے، جو مدیران کی تبدیلی کے باوجود اتنے سال چھپتا رہا اور وہ بڑی پامردی سے اس راہ پر گامزن رہا، جو روز اول سے اس کے لیے متعین کر دی گئی تھی۔ (۱)

اس مجموعۂ مکتوبات میں اشپرینگر کے نام منشی ابوالحسن کے دو خط ملتے ہیں۔ پہلا خط تو بلا تاریخ ہے، بلکہ اس کے آخر میں مکتوب نگار کا نام بھی موجود نہیں، لیکن اس خط کے مندرجات سے یہ واضح ہے کہ یہ منشی ابوالحسن ہی کا تحریر کردہ ہے اور یہ اوائل ۱۸۵۰ء میں اشپرینگر کو لکھا گیا۔ دوسرے خط کے آخر میں تاریخ موجود ہے، یعنی ۷ جولائی ۱۸۵۲ء۔ اب یہ دونو مکتوبات مع ضروری حواشی سطور ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

۱

''غریب پرور سلامت (۱)

حضور کی عنایت اور پرورش سے میں مرفہ الحال اور خوش رہتا ہوں اور آپ کی ترقی اور جان و مال کے واسطے دعا کرتا ہوں۔

امسال اقبال حضور سے فدوی کے درجہ کا امتحان بہت اچھا ہوا اور اس میں اپنی بہبود اور آپ کی نیک نامی سمجھتا ہوں۔ اور تعلیم طلبا میں دل و جان سے سعی کرتا ہوں تا کہ روز بروز ترقی اس درجہ کی ہو اور سرکار گورنمنٹ کی خوشنودی حاصل کروں۔

''قصاید عرفی'' اور ''توقیعات کسروی'' اور ''قصاید بدر چاچ'' وغیرہ دو سال گذشتہ میں درس دیا اور بعد امتحان کے ایک کتاب نثر میں یعنی ''اخلاق جلالی'' اور دوسری نظم میں یعنی ''قصاید انوری'' کتب درسیہ جماعت اول فارسی میں داخل ہوئیں۔

اور بعد تلاش اور تحقیق کے معلوم ہوا کہ اس شہر اکبر آباد میں کتابوں کا قحط ہے۔ بالفعل چند نسخہ اخلاق

۱۔ مزید تفصیل کے لیے رک: انیسویں صدی میں اردو گلدستے: تاریخ و تحقیق از رفاقت علی شاہد۔ مقالہ نصوصی برائے ڈاکٹریٹ، شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۷ء، ص ۳۹-۴۳، ۱-۷-۲۔

Marfat.com

جلالی'' کے میسر آئے اور اوس کو پڑھتا ہوں اور بباعث نایاب ہونے کے ''قصاید حکیم انوری (۲)'' اب تلک شروع نہیں ہوئے اور محض اس غرض سے کہ اس کتاب کو طالب علم تحصیل کریں کیونکہ وہ بہت اچھی کتاب ہے، کلام قدما میں سے فدوی نے اہتمام اوس کی تصحیح اور تحشیہ کا بعض شروح سے اپنے ذمہ لے کر اوس کا اشتہار دیا تھا کہ بعد درخواست جمع ہونے کے اوس کو طبع کروائے۔ اور بنظر اس کے کہ اس میں سرکار گورنمنٹ بھی مدد کرے، وہ اشتہار بذریعہ چٹھی جناب مڈلیٹن صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ کے جناب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، مگر عرصہ ہوا کہ اوس کا جواب سرکار سے حاصل نہیں۔ غالب ہے کہ اوس کے باب میں حضور سے رائے لی گئی ہو۔ جبکہ آپ اوس کتاب کو ملاحظہ فرما کر کلام کی خوبی پر نظر کریں گے، تو مجھے یقین ہے کہ اس درجہ کی تعلیم کی مناسب سمجھ کر پسند کریں گے۔ اور اوس میں اعانت کے واسطے رائے لکھیں اور فدوی کو غرض اس قدر کہ میرے درجہ کے طالب علم، جو لیاقت اور استعداد اوس کی تحصیل کی رکھتے ہیں، اوس کو پڑھیں اور متقدمین کے کلام سے بھی متمتع ہوں۔ قریب چار سو کے اوس کے صفحہ ہیں اور چونکہ محرک سلسلہ طبع کا افادہ طالبین ہے، لہٰذا چار روپے (۴) فی کتاب، جو مطبع میں دینے ضرور ہیں، قیمت اوس کی مقرر کی گئی۔

جناب پرنسپل صاحب مدرسہ آگرہ کا بہت شکر گذار ہوں کہ اپنی قدر دانی سے میرے حال پر بہت عنایت رکھتے ہیں اور اس سبب سے کہ مجھے کسی طرح کی تکلیف نہیں۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔ آفتاب دولت واقبال تاباں رہے۔''

تشریحات:

۱۔ اس خط پر مکتوب نگار کا نام اور سنہ تحریر درج نہیں، لیکن اس کے مندرجات کے پیش نظر بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ خط منشی ابوالحسن کا تحریر کردہ ہے اور یہ غالباً اشپرینگر کو اس وقت لکھا گیا، جب وہ مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل کا عہدہ سنبھالنے کلکتہ جا چکا تھا۔ اس مراسلہ کی تاریخِ تحریر کا تعین یوں ہو سکتا ہے کہ اس میں مکتوب نگار نے لکھا ہے کہ ترتیب و تحشیہ اور شرح کے ساتھ اس نے ''قصائد انوری'' کا جو مسودہ تیار کیا ہے، اس کا اشتہار دیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے، یہ اشتہار متعدد اردو اخبارات میں طبع ہوا ہو، لیکن اس کے متعلق جو تعارفی نوٹ چھپا، وہ آگرہ کے ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۱ مئی ۱۸۵۰ء) میں طبع ہوا تھا۔ یہ نوٹ سابقہ سطور میں منقول ہے۔ معاصر اخبار کی اس اطلاع سے یہ بات قرین قیاس ہے کہ زیر نظر خط ۱۸۵۰ء ہی میں لکھا گیا، لیکن ۲۱ مئی کے بعد۔

۲۔ ''قصائد و قطعات انوری'' ۱۸۴۹ء میں آگرہ کالج کی جماعت اول (فارسی) کے نصاب میں شامل

Marfat.com

ہوئی۔ان دنوں یہ کتاب بہت نایاب تھی، اس لیے طلبہ کو اس کے حصول میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔طلبہ کی اس مشکل کو حل کرنے کے لیے منشی ابوالحسن نے اس کتاب کو تصحیح، ضروری حواشی اور بعض اشعار کی شرح کے ساتھ شائع کرنے کا ارادہ کر لیا۔انھوں نے یہ کام ۱۸۵۰ء کے اوائل میں شروع کیا اور چند ماہ کی شبانہ روز محنت کے بعد اس کا مسودہ تیار کر لیا۔اس مسودے کی طباعت کے لیے ان کی خواہش تھی کہ حکومت سے کچھ رقم بطور اعانت مل جائے اور یوں وہ اس کتاب کے طباعتی اخراجات برداشت کرنے کے متحمل ہو سکیں۔ پہلے تو انھوں نے کچھ اخبارات میں اس کتاب کے بارے میں ایک اشتہار چھپوایا۔اس کے بعد انھوں نے اپنے کالج کے پرنسپل مڈلیٹن کا تعاون حاصل کیا اور ان کی سفارشی چٹھی سمیت یہ اشتہار حکام بالا کو بھجوا دیا۔ان حکام میں لازماً اشپرینگر بھی شامل ہوگا، کیونکہ ایسے معاملات میں اس کی رائے کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔مراسلہ نگار نے یہ خط اس مقصد کے لیے لکھا تھا کہ اس ضمن میں اشپرینگر ان کی مدد کرے اور یوں حکومت کی مالی معاونت سے یہ کتاب شائع ہو جائے۔
یوں لگتا ہے کہ منشی ابوالحسن کی یہ تمام کوششیں بارآور ثابت نہ ہو سکیں اور وہ اس کتاب کو کسی جگہ سے بھی چھپوانے میں ناکام رہے۔ محمد عتیق صدیقی نے اپنی کتاب ''صوبۂ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات'' میں آگرہ سمیت شمالی ہند کے تمام شہروں کے مطابع اور ان کی ایسی مطبوعات کی فہرستیں دی ہیں، جو ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۳ء کے درمیان طبع ہو چکی تھیں یا زیرِ طبع تھیں۔ان فہرستوں میں ''قصائد و قطعات انوری'' نام کی کوئی کتاب شامل نہیں۔ ممکن ہے، ابوالحسن نے اس کتاب کا جو مسودہ تیار کیا تھا، وہ کسی وجہ سے زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا ہو۔

۳۔ ''اسعد الاخبار'' (بابت ۲۱ مئی ۱۸۵۰ء) میں اس کتاب کے جو کوائف دیے گئے ہیں، ان میں اس کی قیمت تین روپے دی گئی ہے۔

۲

''غریب پرور سلامت

حقیقت حال اس فدوی کی یہ ہے کہ جس درجہ پر، کہ حضور کی عنایت سے نصب ہوا تھا، اوس کی ترقی میں مصروف رہتا ہوں اور نتیجہ میری محنت اور سعی کا اوس مرتبہ کو پہنچا کہ اس درجہ میں جو کتابیں، کہ دفعہ اولیٰ پڑھتے تھے، اس دفعہ ادنیٰ تحصیل کرتے ہیں۔

اور ابتدائے ۵۱ء میں جب کہ مولوی سدید الدین خان صاحب یہاں سے کلکتہ کو تشریف لے

Marfat.com

گئے (۱)، صاحبان کمیٹی نے چاہا کہ درجہ عربی کو تخفیف میں لا کر چند طلبہ کو، جو باقی ہیں، اس فدوی سے متعلق کریں اور بعوض اس خدمت کے بیس روپیہ اضافہ فرمائیں، چنانچہ اسی طرح بندوبست کر کے رپورٹ اس کی سرکار دولت مدار کو کیا۔ دو مہینے تک اوس رپورٹ کا جواب نہ آیا اور اس عرصہ میں حسب الحکم سرکار فدوی درجہ عربی کو پڑھاتا رہا اور اوس کا بندوبست بوجہ احسن رکھا۔

بعد مدت دو مہینے کے معلوم ہوا کہ جناب لفٹنٹ گورنر بہادر دام اقبالہ کو اس عہدہ کی تخفیف منظور نہیں۔ لہٰذا اوس عہدہ پر مولوی علی اکبر (۲) مقرر ہوئے۔ وہ یہاں آ کر اتفاقات سے گرفتار مرض رہے۔ آخر مجبور ہو کر برخصت پانچ مہینے کی دہلی کو علاج کے واسطے تشریف لے گئے اور اون کے درجہ کا پڑھانا اور انتظام سرکار دولت مدار نے پھر اس فدوی کو مفوض کیا۔ چنانچہ فیض تربیت حضور سے اس درجہ اول عربی اور اپنے درجہ اول فارسی کو چار مہینے تک نیک انتظامی سے پڑھایا گیا۔ حضور کی عنایت سے کسی طرح کا خلل اور فتور واقع نہ ہو۔ چنانچہ اس بات کو یہاں کے پرنسپل بہادر خوب جانتے ہیں۔ مجھے شکر گذاری حق تعالیٰ کی بہت واجب ہے کہ یہ دونو بڑے درجہ، جیسا کہ چاہیے، میرے ہاتھوں سے منتظم رہے اور کسی طرح کا اعتراض میرے اوپر بلکہ میرے مدرسہ دہلی اور آقائے نامدار یعنی حضور کی نسبت نہ پہنچا۔

اب قضائے الٰہی سے مولوی علی اکبر نے اوس مرض میں انتقال کیا (۳) اور وہ عہدہ خالی رہ گیا۔ ازاں جا کہ فدوی نے وقت تقرر کے سوائے فارسی کے عربی میں بھی امتحان دیا تھا اور باعتبار نمبر مدرسہ آگرہ کے بھی میں اس عہدہ کا مستحق ہوں اور یہی چھ مہینے اوس عہدہ کا کام بخوبی سرانجام دیا۔ باآں کہ یہ سب حقوق ثابت ہیں، لیکن بدون ذریعہ کے کوئی شخص اپنے مقصود کو نہیں پہنچتا اور میر ذریعہ سوا ذات حضور کے اور کوئی نہیں کہ ابتداء حال سے آج تلک جو ترقی اور بہبود، کہ مجھے حاصل ہوئی، صرف عنایت اور پرورش حضور سے ہوئی۔ لہٰذا اس وقت میں کہ موقع بلکہ استحقاق میری ترقی کا ہے، حضور سے اعانت اور امداد چاہتا ہوں اور مجھے یقین واثق ہے کہ حضور اس بات پر کہ میں پروردہ اور آوردہ حضور ہی کا ہوں، نظر فرما کے اس مقدمہ میں سعی فرمائیں گے اور مجھے اس عہدہ پر مقرر کرائیں گے (۴)۔ منتظر جواب حضور کا ہوں کہ اطمینان ہو۔ فقط۔

جو واجب تھا سو عرض کیا۔ آفتاب دولت و اقبال کا تاباں رہے۔

فدوی ابوالحسن از آگرہ کالج

۷ جولائی ۵۲ء"

تشریحات:

۱۔ جب اشپرینگر مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل مقرر ہوا، اس وقت یہاں کا عہدۂ امینی خالی تھا۔ قبل ازیں

Marfat.com

اس عہدے پر حافظ احمد کبیر کام کررہے تھے جو ۱۸۵۰ء کی ابتدا میں انتقال کر گئے۔ اشپرینگر کو اس عہدہ کے لیے کسی موزوں شخص کی تلاش تھی۔ اس سلسلہ میں مولوی مملوک العلی نانوتوی سے بھی رابطہ قائم کیا گیا، لیکن وہ اسے قبول نہ کرسکے۔ بالآخر اس عہدے کے لیے آگرہ کالج کے مدرس اول (عربی) محمد سدید الدین خاں کو منتخب کرلیا گیا اور وہ مدرسۂ عالیہ کے امین کی حیثیت سے کلکتہ چلے گئے۔ تفصیلات کے لیے رک: بذیل مکتوبات سدید الدین خاں۔

۲۔ مولوی علی اکبر سونی پتی دہلی کالج کے فارغ التحصیل اور اشپرینگر کے قریبی رفیق کار تھے۔ اشپرینگر شاہان اودھ کے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات (جلد اول، کلکتہ، ۱۸۵۴ء) کے دیباچے میں اس کی ترتیب وتدوین میں علی اکبر کے تعاون اور اس کی صلاحیتوں کا کھل کر اعتراف کرتا ہے۔ رک: بذیل مکتوبات علی اکبر۔

۳۔ علی اکبر کا انتقال ۲۵ جون ۱۸۵۲ء کو دہلی میں ہوا۔ اس وقت اُس کی عمر تیس سال سے بھی کم تھی۔

۴۔ منشی ابوالحسن کے علاوہ اس عہدے کے دو اور بھی امیدوار تھے اور ان دونو کا تعلق بھی آگرہ کالج ہی سے تھا۔ ایک شعبہ فارسی میں مدرس تھے اور دوسرے شعبہ اردو میں۔ اول الذکر شعبہ کے استاد مولانا محمد احسن نانوتوی نے اس عہدے یعنی مدرس اول (عربی) کے حصول کے لیے سب سے پہلے اشپرینگر کو خط لکھا۔ ان کے خط (بابت ۲ جولائی ۱۸۵۱ء) کا متعلقہ اقتباس یہ ہے:

''تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال افسوس ہوا۔ چونکہ اون کا عہدہ خالی ہوا، اس واسطے اس احقر نے درخواست اوس کی آگرہ میں بھیجی'' (رک: بذیل مکتوبات محمد احسن نانوتوی)۔ شعبۂ اردو کے جو استاد اس عہدہ کے خواہش مند تھے، وہ مولوی کریم الدین پانی پتی تھے۔ انھوں نے بھی ۴ جولائی ۱۸۵۲ء کو اشپرینگر کو خط لکھا، جس کا ایک اقتباس یہ ہے:

''اب کی بار پھر عہدہ مدرس اول عربی کا مدرسہ آگرہ میں فوت ہونے علی اکبر کے خالی ہوگیا ہے۔ چونکہ حضور پر روشن ہے کہ مدت سے خواہاں اس عہدہ کا ہوں اور اسی عہدہ کے واسطے میں نے مدرسہ کی نوکری اختیار کی تھی اور میری استعداد اور لیاقت کا حال بھی حضور خوب جانتے ہیں۔''

(رک: بذیل مکتوبات مولوی کریم الدین پانی پتی)

آگرہ کالج کا یہ عہدہ یعنی مدرس اول (عربی) ان تین امیدواروں میں کس کو منتقل ہوا، اس کے بارے میں کچھ پتا نہیں چلتا۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ یہ عہدہ ان تینوں میں سے کسی کو نہیں ملا۔ شاید

Marfat.com

اس عہدے پر کوئی اور مدرس تعینات ہو گیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس عہدہ کو سرے سے ختم ہی کر دیا گیا ہو اور شعبۂ عربی کے طلبہ کو منشی ابوالحسن ہی پڑھاتے رہے ہوں۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

مولوی خدا بخش

انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم کے علماء اور شعراء کے تذکروں، معروف دینی مدارس اور تعلیمی درس گاہوں کی تواریخ اور فن رجال کے ماہرین کی تحریروں میں مولوی خدا بخش کا کہیں نام تک نہیں ملتا اور اس کے حالات زندگی سے برملا لاعلمی کا اظہار کیا جاتا ہے (بحوالہ راشد کاندھلوی: مولانا مملوک العلی مجولہ بالا، ص ۵۲۶)۔ اس صورت حال میں وہ چند باتیں اہم ہیں جن کا اس نے خود ان دو خطوں میں ذکر کیا ہے مثلاً وہ دہلی کالج میں قاری جعفر علی جارچوی کی جماعت عربی کا طالب علم تھا۔ شیعی مسلک کا پیروکار تھا۔ جب قاری جعفری مناقشہ عروج پر تھا، تو اس کی ہمدردیاں اپنے استاد یعنی قاری موصوف کے ساتھ تھیں۔ نیز وہ دہلی کالج کے پرنسپل اشپرینگر کے چہیتے طالب علموں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان دنوں یہ درس گاہ بھی گروہی سیاست کا شکار تھی اور اس کے سربراہوں نے اساتذہ اور طلبہ میں اپنے حمایت یافتگان کے حلقے بنا رکھے تھے۔ عربی کے بعد اس نے اسی کالج سے فارسی امتحانات میں بھی کامیابی حاصل کی۔ یہاں سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہ "اسکول الارنس" (متصل کوچہ سولی) میں فارسی پڑھانے لگا۔

ان دو مکتوبات کے بعد متذکرۂ بالا رجسٹر (۱۸۴۷ء) بعنوان "مجموعہ فہرست [illegible] فارسی [illegible]" میں جو کوائف درج ہیں، ان کے مطابق وہ اس سال یعنی ۱۸۴۷ء میں قاری جعفر علی [illegible] جماعت اول (عربی) میں زیر تعلیم تھا۔ اس وقت خدا بخش کی عمر پچیس سال تھی۔ [illegible] ۱۸۲۲ء قرار دی جاسکتی ہے۔ دہلی کالج میں مدت تحصیل ساڑھے تین برس بتائی گئی ہے یعنی وہ ۱۸۴۰ء [illegible] میں یہاں داخل ہوا۔ جنوری سے اکتوبر ۱۸۴۷ء کے عرصہ میں اس کی حاضریوں کی تعداد ۱۹۶ ہے۔ [illegible] پانچ دن رخصت پر رہا۔ عربی کی اس جماعت اول کے مضامین شرح [illegible]، معالم الاصول، تاریخ یمینی، دیوان حماسہ، جامع التواریخ، جزئیات کلیات، علم ہیئت، علم مثلث اور جواب مضمون شامل تھے۔ اور ان میں اس سے

Marfat.com

حاصل کردہ نمبر بالترتیب ۵۰، ۴۶، ۵۰، ۴۰، ۴۲، ۵۰، ۵۰، ۵۰ اور ۴۰ تھے۔

اس نادر مجموعۂ مکاتیب میں ایک مراسلہ نویس برکت علی نے اشپرینگر کے نام اپنے مکتوب (بلا تاریخ، اندازاً ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۰ء کے بعد) میں خدابخش کا حوالہ دیا ہے:

''اس خاکسار نے ایک چھاپہ خانہ بہ شراکت چند آدمیوں کے دہلی میں قائم کیا ہے اور بالفعل اوس کا اہتمام حوالہ مولوی خدابخش کیا ہے۔''

(رک: مکاتیب برکت علی، سطور بالا، مکتوب نمبر ۸)

عمومی تعلیمی رپورٹ (بذیل ۳۰ اپریل ۱۸۵۰ء) کے مطابق خدابخش ایک یتیم خانہ میں بطور فارسی استاد پڑھا رہا تھا۔ رک:

General Report on Public Instruction in the North-Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1849-50. Agra 1851.

ایک تعلیمی رپورٹ سے مکتوب نگار سے متعلق یہ اطلاع ملتی ہے کہ اسے سینئر اسکالر کی حیثیت سے اٹھارہ روپے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ (یکم مارچ ۱۸۴۸ء)۔ بحوالہ عمومی رپورٹ برائے تعلیم عامہ...... بابت ۱۸۴۷ء-۱۸۴۸ء، (مطبوعہ آگرہ، ۱۸۴۹ء)۔ اس کے بعد کسی اور رپورٹ میں خدابخش کا نام نہیں ملتا۔

خدابخش کے دو مکتوبات بنام اشپرینگر درج ذیل ہیں:

۱

''غریب پرور، عدل گستر، منصف دوراں و نوشیرواں زماں، دستگیر محتاجاں، سر دفتر فضلاء کرام سرآمد علمائے عظام جناب اسپرنگر صاحب دام اقبالہ!

جناب عالی! جس روز سے حضور یہاں تشریف فرما ہوئے ہیں (۱)، ہم کو محمد باقر (۲) کے ہاتھ سے انواع واقسام کی تکلیفیں پہنچی ہیں۔ اگر میں اون کا بیان کروں تو ایک کتاب بن جائے۔ شمہ اون میں ایک یہ ہے کہ میرے مدرس مولوی سید جعفر علی صاحب (۳) کی بدنامی اپنے اخبار میں سترہ مہینہ سے چھاپتا ہے۔ خصوصاً برس روز سے تو نہایت تنگ کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اون کی بدنامی پرچہ میں چھاپی اور خود اس کاغذ کو لے کر مدرسہ میں آن موجود ہوا اور ہر ایک مدرس اور طالب علم کے روبرو اوس کو پڑھنا شروع کیا اور مضحکہ کیا (۴) کیونکہ وہ قایم مقام پرنسپل (۵) کے مصاحب ہیں اور عہدۂ پرنسپلی کو اپنا عہدہ جانتے ہیں اور اکثر

Marfat.com

زبان پر لاتا ہے کہ ڈاکٹر اسپرنگر تو نہیں ہیں، اب میں جو چاہوں سو کروا سکتا ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اول تو یہ کیا کہ اپنے بیٹے (۶) کو مدرس صاحب موصوف کی جماعت سے بدلا یا (۷) اور بعد اوس کے اور طالب علموں کا نکالنا چاہا، چنانچہ مشتاق علی (۸) طالب علم کو بھی بدلوایا۔ اور طالب علموں کو بہت ورغلایا مگر اس کے بہکانے میں کوئی نہ آیا۔ پھر اون کو دھمکا کر کہا کہ امتحان پر میں سب کو خارج کروا دوں گا۔

جناب عالی! حضور نے از راہ نوازش کے میرے مدرس کی جماعت کی بڑی ترقی کی تھی یعنی پندرہ طالب علم وظیفہ دار تھے اور ان طالب علموں نے ''شرح مأۃ عامل'' اور ''ہدایت النحو'' پڑھ کر ''شرح ملا'' میں ہر مہینہ میں مفتی صدر الدین صاحب کو امتحان دیتے رہے اور ہمیشہ مفتی نے ۴۸، ۴۵ بعضوں کو ۵۰ کا نمبر دیا اور کبھی کسی کی شکایت یا جرمانہ نہ کیا اور مسدودی وظیفہ کا حکم نہ دیا (۹)۔ اب اونہیں طالب علموں میں سے پرنسپل حال نے نو آدمی موقوف وظیفہ سے باغوائے محمد باقر کے کر دیئے، باوجودیکہ ایک کا غذ امتحان میں کسی کا نمبر ۴۸، کسی کا ۴۴، کسی کا ۴۵ ہے اور وہ طالب علم خارج ہوئے۔ غرض کہ ان جماعت کا جس کو حضور نے بنایا تھا، بالکلیہ برباد کر دیا۔ اب مدرس ہمارے نہایت تنگ ہیں اور حضور کے آنے کی دعا مانگتے ہیں تاکہ دشمن کے ہاتھ سے نجات پاویں۔

اور اس فدوی نے ہر چند قایم مقام پرنسپل صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ میعاد میری ایک برس اور زیادہ ہو جاوے، جس طرح کہ شمس الدین (۱۰) طالب علم کی میعاد ایک برس زیادہ ہوگئی ہے اور اوس کو ''کتاب قاموس'' (۱۱) انعام بھی ہوئی تھی، قایم مقام صاحب نے میرے معروضہ کو قبول نہ کیا، نہ میعاد بڑھائی اور نہ کوئی کتاب ہی عنایت فرمائی۔ اب میں سرکار سے امیدوار انصاف نوشیروانی کا ہوں کہ سرکار قدر شناس ہیں۔

واجب جان کر عرض کیا۔ فقط

فدوی خدا بخش

طالب علم جماعت اول مولوی جعفر علی صاحب مدرس اول مذہب شیعہ

معروضہ ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ عیسوی

تشریحات:

۱۔ ہنری ایلیٹ کے ایماء پر اشپرینگر کو شاہان اودھ کے تین کتاب خانوں (موتی محل، توپخانہ اور فرح بخش) کے مخطوطات اور مطبوعات کی فہرست سازی کی ذمہ داری سونپی گئی اور وہ ایلیٹ اسسٹنٹ رزیڈنٹ کی حیثیت سے ۳ مارچ ۱۸۴۸ء کو لکھنؤ پہنچا۔ تقریباً دو سال کی قلیل مدت میں وہ اپنے اس فرض

Marfat.com

منصبی کو نپٹا کر دہلی واپس آیا (یکم جنوری ۱۸۵۰ء)۔

۲۔ مولوی محمد باقر (قریب ۱۸۱۰ء-۱۸۵۷ء) والد محمد حسین آزاد۔ تفصیل کے لیے رک: راقم السطور کا مقالہ بعنوان ''آزاد اور ان کے والد'' (در: مطالعۂ آزاد، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۵۵-۸۷؛ ''مولوی محمد باقر'' از آغا محمد باقر (نبیرۂ آزاد) در: آزاد اور خانوادۂ آزاد مرتبہ محمد اکرام چغتائی، لاہور ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۱-۲۰۱۔

۳۔ قاری جعفر علی جارچوی (۱۸۱۲ء-۱۸۹۶ء)، دہلی کالج کے ''شیعہ ٹیچر۔'' برائے تفصیل رک: آزاد اور ان کے والد'' (حوالۂ مذکور)۔

۴۔ ''پرچہ'' سے مراد مولوی محمد باقر کا اجراء کردہ ''دہلی اردو اخبار'' ہے۔ اس دور کے اردو اخبارات کے متعلق ایک قدیم رپورٹ (بلا تاریخ قبل ۱۸۵۰ء) میں اس اخبار کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

''دہلی اردو اخبار ایک دریدہ دہن اخبار ہے، جو ذاتیات سے بھرا رہتا ہے۔ ذی اثر مقامی شرفا، جو اس اخبار کے اڈیٹر کے مذہبی خیالات سے اختلافات رکھتے ہیں، وہ ان کی پگڑیاں اچھالا کرتا ہے۔''

(صوبۂ شمالی ومغربی کے اخبارات ومطبوعات، ۱۸۴۸ء-۱۸۵۳ء) مرتبہ محمد عتیق صدیقی، علی گڑھ ۱۹۶۲ء، ص ۳۵)

اسی اخبار (بابت ۱۸۴۸ء) پر رائے:

''دہلی کالج کے اول عربی مدرس جعفر علی جو شیعہ ہیں، ان کے متعلق ایک خط اس اخبار میں شائع ہوا ہے، جس میں جعفر علی کو نا اہل اور اس عہدے کے لیے نامناسب گردانا گیا ہے۔'' (ایضاً)

یہی اخبار (بابت ۱۸۵۲ء) پر تبصرہ:

''اڈیٹر اپنی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے دہلی کالج کے ایک استاد مولوی جعفر علی پر انتہائی دریدہ دہنی سے ہتک آمیز حملے کرتا رہتا ہے۔ مذہبی مباحث میں بھی وہ اکثر الجھ جاتا ہے۔''

(ایضاً، ص ۱۰۰)

اور اسی اخبار (بابت ۱۸۵۳ء) پر رائے:

''یہ ایک گندہ اخبار ہے جو ذاتیات سے بھرا رہتا ہے۔ مقامی باعزت شرفاء جو اڈیٹر کے مذہبی خیالات سے اختلاف رکھتے ہیں یا جن سے کسی اور وجہ سے وہ ناراض ہے، ان پر

Marfat.com

اپنے اخبار کے صفحات میں وہ براہ راست یا بالواسطہ حملے کیا کرتا ہے۔" (ایضاً ص ۱۰۱)

نیز اس اخبار پر قاسم علی سجن لال کا انگریزی مقالہ، در: اسلامک کلچر، جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۴۴؛ قران السعدین (دہلی)، بابت ۱۵ مارچ ۱۸۴۷ء۔

۵۔ فریڈرک ٹیلر (م۔ ۱۸۵۷ء)، جو پہلے دہلی کالج میں مدرس اول اور "ہیڈ ماسٹر" کے عہدوں پر فائز تھا اور اشپرینگر کے لکھنؤ جانے کے بعد اسے قائم مقام پرنسپل بنا دیا گیا۔

۶۔ مراد محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء)

۷۔ یعنی محمد حسین آزاد، جنہیں "شیعہ ٹیچر" قاری جعفر علی جارچوی کی جماعت سے بدلوا کر مولوی سید محمد، استاد سنّی طلبہ کی جماعت میں بٹھا دیا گیا۔ اس باقری و جعفری مناقشہ کی تفصیل کے لیے راقم سطور کا متذکرۂ صدر مقالہ "آزاد اور ان کے والد"۔ نیز رک: دہلی اردو اخبار، جلد ۱۴ شمارہ ۴۳، بابت ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۲ء۔

۸۔ بحوالہ حاضری رجسٹر متعلقہ دہلی کالج (۱۸۴۷ء) مولوی جعفر علی کی "جماعت اول عربی اہل تشیع" کے فریق سوم کا طالب علم تھا۔ درج کردہ کوائف کے مطابق اس وقت مشتاق علی کی عمر چودہ سال تھی اور یوں اس کا سال ولادت ۱۸۳۳ء قرار پاتا ہے۔ دہلی کالج میں اس کی "مدت تحصیل" دو سال دس ماہ بتائی گئی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۸۴۴ء کے اواخر میں دہلی کالج میں داخل ہوا۔ ان دنوں اس فریق سوم میں ہدایت النحو، منتخبات عربی، جبر و مقابلہ، تحریر اقلیدس اور جغرافیہ کے مضامین پڑھائے جاتے تھے اور ان میں اس نے بالترتیب ۴۰، ۴۰، ۴۹، ۴۴ اور ۵۰ نمبر حاصل کیے تھے۔

۹۔ عمومی تعلیمی رپورٹ (بابت ۱۸۴۸ء-۱۸۴۹ء) میں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کا بطور ممتحن ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

The written replies were looked over by Moofti Sudduruddin, who likewise examined the Junior Classes in their Arabic studies. The papers of the Arabic Classes were also examined by Dr. Sprenger, who considered the numbers assigned by the Moofti high and relatively correct. The Persian Classes were also examined by the Moofti, who considered their performances to be

Marfat.com

exceedingly creditable......

Sixty-two out-door candidates for Scholarships in the Persian and Arabic Classes were examined on the 2nd and 4th December 1848 by Moofti..., and six of them were found qualified....

Monthly examinations of the Arabic and Persian Classes had been held by Moofti Mohammad Sudduruddin Khan, who had usually devoted two days in every month to this purpose. His self-imposed duty had been conducted with much care and intelligence, and had been productive of the best results."

۱۰۔ بحوالہ حاضری رجسٹر (مذکورہ بالا) جماعت عربی جعفر علی کا طالب علم۔ ۱۸۴۷ء میں اس کی عمر پندرہ سال بتائی گئی ہے۔ یوں اس کا سال ولادت ۱۸۳۲ء برآمد ہوتا ہے۔ گیارہ ماہ سے وہ دہلی کالج میں زیر تعلیم تھا۔ مضامین میں منشعب اور حساب شامل تھے۔

اسی نام کا ایک اور طالب علم مولوی مملوک العلی مدرس اول کی جماعت اول عربی میں زیر تعلیم تھا۔ عمر پچیس برس (یعنی سالِ پیدائش ۱۸۲۲ء)۔ مدت تحصیل ساڑھے چھے برس۔ ۱۸۴۸ء کی عمومی تعلیمی رپورٹ کے مطابق وہ لفٹنٹ میکلاگن (روڑکی) کے منشی کے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔

۱۱۔ القاموس المحیط (عربی لغت) تالیف فیروز آبادی (م۔ ۸۱۶ھ)، ۲ جلد، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۱۷ء (رک: فہرست اشپرینگر، ۱۸۵۷ء، ص ۱۴۱، شمارہ ۹۵۰-۹۵۱)۔ طبع نو، بیروت ۱۹۹۸ء۔

۲

''غریب پرور سلامت

جناب عالی! فدوی نے مدت مدید مدرسہ دہلی میں تحصیل علوم کی اور فارسی میں کتب درسیہ ابوالفضل اور ''سکندر نامہ'' اور ظہوری اور ''پنج رقعہ'' وغیرہ تک پڑھیں اور عربی میں کتب تحصیلہ ''دیوان متنبی'' اور ''مقامات حریری'' اور ''تاریخ تیموری'' اور ''تاریخ یمینی'' اور ''دیوان حماسہ'' وغیرہ تک تحصیل کی (۱) اور کتب

Marfat.com

فنون ریاضیہ جو کہ ۱۸۴۹ء تک انگریزی سے ترجمہ ہوئیں، سب پڑھیں (۲) اور بسبب حسن سعی اپنی کے ہمیشہ عربی اور فارسی میں عہدہ سکالری اعلیٰ پر ممتاز رہا اور اپنے ہمسروں میں وقت امتحان کے ہمیشہ اچھا رہتا تھا، چنانچہ حضور نے خود اکثر میرا امتحان لیا ہے، زبانی بھی اور لکھوا کر بھی۔ ہر امتحان میں اپنے حسن کوشش اور پرورش حضور سے اچھا برآیا اور اسی سبب سے حضور خود خوب واقف ہیں میری استعداد سے اور چونکہ بالفعل حضور کے مدرسہ میں عہدہ مولوی احمد علی صاحب مدرس سویم فارسی کا خالی ہے اور میعاد اون کی رخصت کی منقضی ہو چکی ہے، اس واسطے امیدوار ہوں کہ فدوی کو ازراہ پرورش خاوندانہ کے عہدہ مذکور پر ممتاز فرماویں (۳)۔ فقط۔ واجب تھا عرض کیا۔

آفتاب دولت تاباں باد

فدوی خدا بخش

مدرس فارسی، اسکول لارنس صاحب

کہ متصل کوچہ سوئی واقع است

معروضہ ۱۹ جولائی ۱۸۵۰ء

تشریحات:

۱۔ یہ تمام عربی اور فارسی کتب دہلی کالج کے شعبۂ علوم مشرقیہ کے نصاب میں شامل تھیں۔ ان میں سے بیشتر کے متون اس کالج کے اساتذہ نے تیار کیے تھے اور یہ کالج ہی میں قائم کردہ مطبع العلوم سے شائع ہوئے تھے مثلاً ''تاریخ یمینی'' وغیرہ۔

۲۔ انگریزی سے یہ اردو تراجم ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام شائع ہوئے۔ یہ سوسائٹی دہلی کالج کے پہلے پرنسپل فیلکس بوترو (Félix Boutros) نے اپنی تقرری (۱۰ فروری ۱۸۴۱ء) کے فوراً بعد قائم کردی تھی اور اس کا بنیادی مقصد مغرب کے ''علوم مفیدہ'' کو اردو میں منتقل کرنا تھا۔ طلبائے دہلی کالج سے متعلقہ رجسٹر بابت ۱۸۴۷ء (حوالہ مذکور) کے مطابق ان دنوں عربی اور فارسی طلبہ کو جزئیات وکلیات، علم ہیئت، علم مثلث، جبر و مقابلہ، علم طبیعی اور تحریر اقلیدس پڑھائے جاتے تھے۔ ان کتب کا ترجمہ دہلی کالج کے اساتذہ کی کاوشوں ہی کا نتیجہ ہے بالخصوص اس عمل میں ماسٹر رام چندر نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ رک: ماسٹر رام چندر از صدیق الرحمن قدوائی، دہلی ۱۹۶۱ء۔

۳۔ اس عہدہ کے دہلی کالج کے فارغ التحصیل کچھ اور طلبہ بھی امیدوار تھے، جن کی تفصیلات ان کے مکاتیب کے ذیل میں درج ہو چکی ہیں۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

دیگر مکتوب نگار

Marfat.com

محمد حسین [آزاد]

محمد حسین آزاد (۱۸۳۰ء-۱۹۱۰ء) کے مفصل حالاتِ زندگی، تصنیفات اور دیگر متعلقہ موضوعات کے لیے راقم کی درج ذیل کتابوں سے رجوع فرمائیے:

الف) محمد حسین آزاد (نئے دریافت شدہ مآخذ کی روشنی میں)۔ تعارف، ترتیب و عکسی طباعت۔ لاہور: سنگِ میل، ۲۰۰۷ء

ب) محمد حسین آزاد اور خانوادۂ آزاد۔ لاہور: کواپرا، ۲۰۱۰ء

ج) مطالعۂ آزاد (مجموعۂ مقالات)۔ لاہور: دی تُروتھ سوسائٹی، ۲۰۱۰ء

د) محمد حسین آزاد (شاگردوں، ملاقاتیوں اور معاصرین کی نظر میں)۔ لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۱ء

ہ) محمد حسین آزاد اور تنقید و تحقیق کا دبستانِ لاہور۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء

و) Muhammad Husain Azad--a reputed littérateur. Life, Works and Influence. Lahore: Co-opera, 2011

یہ تمام کتابیں آزاد کی صد سالہ برسی (۲۰۱۰ء) کے موقع پر شائع ہوئیں۔

ابھی تک محمد حسین آزاد کی قبل ۱۸۵۷ء کی تحریریں دستیاب نہیں ہو سکیں۔ ایک علمی ادبی خانوادے کا فرد ہونے کے ناطے ان کا قلم بچپن ہی سے چل پڑا تھا۔ زمانۂ طالب علمی میں وہ اساتذہ کے منتخب کردہ موضوعات پر مضامین لکھتے رہتے تھے اور اکثر ان کی مضمون نویسی کی پذیرائی انعامات کی صورت میں کی جاتی تھی۔ یہ تمام مضامین دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئے، البتہ معاصر تعلیمی رپورٹوں میں ان کے حوالے مل جاتے ہیں۔

اس دوران میں وہ اپنے والد مولوی محمد باقر کے ''دہلی اردو اخبار'' میں بھی وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ لکھتے رہے ہوں گے، لیکن اس دور کا یہ اخبار کہیں دستیاب نہیں، اس لیے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دہلی کالج سے اپنی تعلیم

Marfat.com

مکمل کرنے کے بعد وہ اس اخبار سے منسلک ہو گئے اور بطور ناشر بھی ان کا نام مطبع دہلی اردو اخبار کی شائع کردہ کتابوں پر چھپنے لگا تھا، لیکن اس دور کے اخبار کی نایابی اور مطبوعات کی کمیابی کے باعث آزاد کی تحریری سرگرمیوں کا کچھ زیادہ علم نہیں ہوتا۔ اس صورت حال میں آزاد کا یہ پہلا رسیدی خط ہے، جو قبل ۱۸۵۷ء کا تحریر کردہ ہے اور یہ ان کے زمانۂ طالب علمی سے تعلق رکھتا ہے۔

''ہو العلی الاعلیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

میں جو محمد حسین (۱) طالب علم جماعت دویم عربی ہوں۔

دو جلدیں کتاب ''حبیب السیر'' (۲) کی عوض میں مبلغ تیس روپیہ مشاہرہ مسٹر ڈاکٹر اسپرنگر کے ہاتھ میں میرے ہاتھوں بکیں اور مبلغ مذکور میں نے پائے۔ لہٰذا یہ چند کلمہ بطریق قبض الوصول کے لکھے گئے کہ عند الحاجت بکار آوے۔ فقط

تحریر فی التاریخ ۲۳ مارچ ۱۸۵۰ء

العبد

محمد حسین عفی عنہ''

نوٹ: اس خط کے اوپر دائیں کونے میں اشپرینگر کے ہاتھ کا انگریزی نوٹ، جس میں مرقوم ہے کہ ''حبیب السیر'' کا قلمی نسخہ تیس روپے میں خرید اگیا۔

تشریحات:

۱۔ محمد حسین آزاد فروری ۱۸۴۵ء میں دہلی کالج کی ''جماعت عربی اہل تشیع مفوضہ مولوی جعفر علی میں داخل ہوئے۔ محولہ بالا رجسٹر برائے طلبائے دہلی کالج (بابت ۱۸۴۷ء) میں وہ اس جماعت کے فریق دوم میں زیرِ تعلیم تھے اور اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔ یوں ان کا سال ولادت ۱۸۳۳ء قرار پاتا ہے اور اس کالج میں ان کی مدت تحصیل ۲ سال ۱۰ ماہ بتائی گئی ہے۔ اسی سال ان کے والد مولوی محمد باقر اور استاد قاری جعفر علی جارچوی کے مابین تنازعہ شدت اختیار کر گیا اور اس کے نتیجے میں آزاد کے والد نے انھیں شیعی طلباء کی جماعت سے اٹھوا کر مولوی سید محمد کی سُنّی طلباء کی جماعت میں لا بٹھایا۔ جونہی اشپرینگر کا لکھنؤ تبادلہ ہوا (۶ دسمبر ۱۸۴۷ء)، اس کی جگہ ٹیلر کو دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کیا گیا، تو

Marfat.com

یہ باقری جعفری مناقشہ مزید زور پکڑ گیا اور کالج کے تعلیمی ماحول اور انتظام و انصرام پر بھی اس کے اثرات پڑنے لگے، کیونکہ ٹیلر اور مولوی محمد باقر کے انتہائی قریبی مراسم تھے (رک: مولوی خدا بخش کا مراسلۂ اول، متذکرہ بالا)۔ اس دور کے ''دہلی اردو اخبار'' کے شمارے اس تنازعہ کی تلخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ ظاہر ہے، آزاد بھی اس نزاع کی تلخیوں سے ضرور متاثر ہوئے ہوں گے بلکہ ممکن ہے، کچھ دیر کے لیے ان کا تعلیمی سلسلہ بھی منقطع ہو گیا ہو اور انھیں اپنی تعلیم مکمل کرنے میں ضرورت سے زیادہ وقت صرف کرنا پڑا ہو۔

جب تک ٹیلر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل رہا (اوائل جنوری ۱۸۵۰ء)، مولوی محمد باقر یہاں کے تدریسی معاملات میں دخیل رہا، لیکن جونہی اشپرینگر نے لکھنؤ سے واپسی کے بعد پھر سے اس کالج کے سربراہ کی ذمہ داریاں سنبھالیں (۱۴ جنوری ۱۸۵۰ء)، مولوی موصوف کا اثر و رسوخ ماند پڑ گیا، لیکن چند ماہ بعد اشپرینگر خرابیِ صحت کے باعث شملہ چلا گیا (۱۹ اپریل ۱۸۵۰ء) اور اس کے اگلے ماہ اس کو مدرسۂ عالیہ کلکتہ کا پرنسپل مقرر کر دیا گیا (مئی ۱۸۵۰ء)۔ اس کے بعد فی الفور ہیڈ ماسٹر یعنی ٹیلر کو ایک بار پھر دہلی کالج کا قائم مقام پرنسپل مقرر کر دیا گیا اور اضافی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر اس کی تنخواہ میں ایک سو روپیہ اضافہ بھی ہو گیا۔ چند ماہ بعد جے کارگل (J. Cargill) کو مستقل پرنسپل تعینات کر دیا گیا۔ (یکم جولائی ۱۸۵۰ء)

آزاد کی یہ تحریر اشپرینگر کے دوبارہ عہدۂ پرنسپلی پر فائز ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد لکھی گئی۔ ان دنوں وہ جماعت عربی کے فریق دوم کا طالب علم تھا اور نایاب قلمی نسخوں کے حصول میں اس کی معاونت بھی کرتا تھا۔ ممکن ہے، ان دنوں باقری جعفری تنازعہ کی شدت قدرے کم ہو گئی ہو اور مولوی محمد باقر کے اشپرینگر سے تعلقات میں بہتری پیدا ہو گئی ہو۔ برلین (مغربی) میں محفوظ اشپرینگر کے نجی کاغذات میں ایک کتاب کی خریداری سے مولوی محمد باقر کی تحریر کردہ ایسی ہی ایک رسید محفوظ ہے۔ قرین قیاس ہے کہ اشپرینگر کے دیگر مکتوب الیہوں کی مانند یہ دونو باپ بیٹا بھی نادر و نایاب کتب کے حصول کرنے میں اس کی مدد کرتے ہوں۔

آزاد دہلی کالج سے ۱۸۵۱ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ انھوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی (تقریباً سات برس) میں مضمون نویسی میں خاصا نام کمایا تھا، چنانچہ اس دور کی سالانہ عمومی تعلیمی رپورٹوں میں آزاد کا جابجا ذکر ملتا ہے، یہاں بخوفِ طوالت چند متعلقہ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:

"Of the Essays written by the Oriental Classes Mohammed

Marfat.com

Husain's was considered the best. Much of the importance displayed by him was derived from other works than those studied by the Class to which he belonged. This was accounted for by his connection with the "Dehlie Oordoo Ukhbar", owing to which he had been in the habit of reading the native newspapers, and had thus put himself in possession of much useful knowledge. The fact is valuable as a proof of the benefit conferred by some of the Oordoo newspapers in diffusing correct and valuable information among the native community."

(cf. *General Report on Public Instruction in the North Western Provinces of the Bengal Presidency, for 1847-48*. Agra 1849)

گبنز (J. Gubbins) نے سالانہ مضمون نویسی کا موضوع ''اسلامی اور برطانوی ادوار میں تصور آزادی کا فرق'' تجویز کیا۔ تحریر کردہ اردو مضامین میں آزاد کے مضمون کو سب سے بہتر قرار دیا گیا۔

(رک: ایضاً)

آئندہ برس (۱۸۵۰ء) کی رپورٹ کے مطابق آزاد کو مضمون نویسی کے مقابلہ میں صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کے ہاتھوں تمغا حاصل ہوا:

"The Medal offered by Moftee Suduruddin, for the best Urdoo Essay on the following subject, "Truth being always one, what are the causes which prevent men from going all in the right way, and why are the opinions of men so various?" was awarded to Mohammed Husain, a pupil of the 2nd Arabic class, the Mooftee himself having examined the Essays of the competitors."

Marfat.com

(Ibid....., for 1848-49. Agra 1850)

اس آخری اقتباس کی طرح آزاد کی زیر نظر تحریر میں بھی ''طالب علم جماعت دویم عربی'' ہی مرقوم ہے۔

- از خوندمیر۔ اس کا ایک قلمی نسخہ (مشتملبر ۳ جلد) اور جلد دوم کی نقل الگ سے اشپرینگر کی ذاتی ملکیت تھی۔ (رک: فہرست، ۱۸۵۷ء، ص ۵ نمبر ۴۷-۷۷)۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

''غریب پرور سلامت

موافق حکم حضور کے ''احیاء العلوم'' (۱) کوئی مقام سے دیکھا تو مقامات مذکورہ کو صحیح پایا۔ چونکہ کتاب مبسوط ہے، اگر کہیں کہیں سے غلط ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اور خط کتاب مذکور کے کئی ہیں، لیکن سب اچھے ہیں۔ نسخۂ مذکورہ نایاب ہے۔ اس شہر میں دستیاب ہونا ایسے نسخہ کا دشوار ہے۔''

عرضے

سید جعفر علی'' (۲)

تشریحات:

۱۔ الغزالی (م۔۵۰۵ھ/۱۱۱۱ء) کی اس کتاب ؎ کے پانچ متفرق حصے (قلمی) اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں محفوظ تھے (رک: فہرست، ۱۸۵۷ء، ص ۴۸، نمبر ۷۴۹-۷۵۳)۔

۲۔ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قاری جعفر علی جارچوی ہیں، جو دہلی کالج کی جماعت عربی (اہل تشیع) کے مدرس اول تھے۔ خدا بخش کے متذکرہ صدر مکتوب سے تو یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب باقری جعفری تنازعہ زوروں پر تھا، تو بطور پرنسپل اشپرینگر کی ہمدردیاں قاری صاحب کے ساتھ تھیں۔ برلین (مغربی) میں محفوظ ذخیرۂ اشپرینگر میں اس مختصر عریضہ کے علاوہ قاری جعفر علی کی کوئی اور تحریر موجود نہیں۔

Marfat.com

''غریب پرور سلامت

بعد ملاحظہ عرضی فدوی کے حضور سے ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب کے پاس حاضر ہو۔ کمترین حسب الارشاد بجا لایا، لیکن مولوی صاحب نے کچھ کارفرمائی مجھ سے نہیں کیا(۱)۔ وظاہر ہے کہ کاتب کی ضرورت سرکار میں رہتی ہے۔ رہبری طالع سے فدوی بصد کوشش وتلاش حضور میں بار یاب۔ عرض فدوی کی یہ ہے کہ بہر کیف دامن دولت سے لگا رہوں اور جو کوئی نسخہ مختصر یا مطول لکھنے کی اجازت ہو، بقدر استعداد اس کی صحت عبارت وصفائے خط میں اہتمام بلیغ کروں۔ آیندہ جو مرضی مبارک ہو۔ نظر دوربین حضور کی محک امتحان جوہر قابلیت ولیاقت ہے۔ زیادہ کی حاجت نہیں۔ اللهم اوصله الى رقصى المقاصد والمرام و خلد ظلا له علىٰ مفارق الانام الیٰ یوم القیام۔

غریب الوطن میو لعل محرر''(۲)

تشریحات:

۱۔ یہ مولوی کون تھے، جن سے اشپرینگر نے مراسلہ نگار کو ملنے کو کہا؟ یہ مکتوب بلا تاریخ ہے، اس لیے وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ان مولوی صاحب کا تعلق دہلی کالج سے تھا، تو یہ مملوک العلی نانوتوی ہو سکتے ہیں، جو اشپرینگر کے لیے نایاب خطی نسخوں کی نقول تیار کراتے تھے اور اگر یہ مدرسہ عالیہ (کلکتہ) کے اساتذہ میں شامل تھے، تو وہ مولوی سدید الدین خاں ہو سکتے ہیں، جو اشپرینگر کے لیے یہ فرائض (یعنی کتابت وغیرہ) بطریق احسن انجام دیا کرتے تھے۔

۲۔ ان دنوں یہ ''غریب الوطن'' کاتب کسی ایسے شہر میں مقیم تھا، جو دہلی اور کلکتہ سے دور تھا، یونکہ اشپرینگر قیام ہندوستان کے دوران مین زیادہ تر انھی دو شہروں میں رہائش پذیر رہا۔

Marfat.com

''بعد عرض بندگان عالی متعالی خداوند نعمت فا (کذا) فرمان عادل دوران دام اقبالہ وحشمتہ (۱)

عرصہ کئی مہینے کا ہوا کہ خیریت مزاج بندگان عالی سے سرفراز نہیں ہوا اور نہ کوئی پروانہ حضور کا متضمن صحت مزاج صادر ہوا۔ اس سبب سے طبیعت فدوی کی نہایت متردد ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور کو بہر حال خوش وخورم رکھ کر مراتب اعلیٰ پہونچاوے کہ سب طرح ترقی ہم خیر خواہی کی متصور ہے۔

اور حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ بوقت خالی ہونے کسی جگہ کے کسی ضلع میں پرورش تمہاری میں تحریک کی جائے گی، فدوی اب تک منتظر ہے۔ یقین ہے کہ حضور فدوی کی فکر سے غافل نہ ہوں گے۔ صرف واسطے یادداشت کے عرض کیا۔ آرزوئے دلی یہ ہے کہ بلاتعین روزگار حضور کی ملازمت در فاقت میں رہے۔ اس سبب سے کہ ایسے حاکم قدردان خوبی قسمت سے ملتے ہیں۔ امیدوار خاوندی سے یہ ہے کہ ہمیشہ خیریت مزاج حضور سے سرفراز ہوں۔ آفتاب دولت واقبال کا روشن رہے۔ فقط۔

خادم شرع سید محمد ضامن علی خاں خاص پرگنہ ہنگام
ضلع فتح پور۔ معروضہ ۱۵ مارچ ۱۸۴۹ء'' (۲)

مہر

تشریحات:

۱۔ اشپرینگر کو یہ خط اس وقت لکھا گیا، جب وہ لکھنؤ کے شاہی کتاب خانوں کی فہرست سازی میں مصروف تھا۔ اس نے مراسلہ نگار کو کہیں ملازمت دلانے کا وعدہ ضرور کیا تھا، لیکن ان دنوں وہ ایک اہم منصوبہ معینہ مدت میں ختم کرنے میں کوشاں تھا، اس لیے کسی درسگاہ میں کسی کو ملازم رکھوانے کا اختیار بھی اس کے پاس نہیں تھا۔

۲۔ متذکرۂ صدر رجسٹر (بابت ۱۸۴۷ء) میں مکتوب نویس کے نام کے کسی طالب علم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ممکن ہے وہ اس سے قبل دہلی کالج سے اپنی تعلیم مکمل کر کے ضلع فتح پور ہی میں کہیں ملازم ہو گیا ہو۔ اس خط کے آخر میں جو مہر ثبت ہے، اس میں مکتوب نگار کے نام کے ساتھ ''حسینی الواسطی'' بھی مرقوم ہے۔

Marfat.com

''حضور فیض معمور ین ملازمان والاشان جناب پرنسپل صاحب دام اقبالکم کے عرض کرتا ہے کہ یہ فدوی الٰہی بخش محنت شاقہ وتکلیف سخت سے مدرس چہارم کے درس میں ایک سال تک تحصیل علوم کر کے سالانہ امتحان دیا اور ممتحن نے ''الف لیلہ'' میں محمد بشیر اللہ اور فدوی کو انعام لکھا۔ چونکہ محمد بشیر اللہ (۱) کو جا گیر مشاہرہ کی ہوئی، اس سبب انعام اس کا حسب ضابطہ ساقط ہوا۔ بعد اس کے فدوی مستحق ہے۔ اب تحقیقات سے معلوم ہوا کہ فدوی کا نام انگریزی رپورٹ میں نہیں ہے۔ عدالت پناہ! جس حالت میں کہ ممتحن کی رپورٹ میں فدوی کو انعام لکھا گیا اور ممتحن اب تک بھی اقرار کرتے ہیں اور مدرس کہ جن کے دستخط اسی رپورٹ میں ہوا ہے، موجود ہیں۔ پس ہم کو بلاوجہ ساقط کرنے کی کیا وجہ ہے، اس لئے حضور میں فریاد کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ ممتحن کی فارسی رپورٹ کو ملاحظہ فرمایا جائے تا کہ فدوی اپنے حق کو پہنچے۔ زیادہ آفتاب دولت تاباں ودرخشاں رہے۔

عرضی فدوی

الٰہی بخش طلبہ متعلق مدرس دوم'' (۲)

تشریحات:

۱۔ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا طالب علم۔

۲۔ یہ بلا تاریخ مکتوب اشپرینگر کو اس وقت لکھا گیا، جب وہ مدرسۂ عالیہ (کلکتہ) کا پرنسپل تھا، یعنی ۱۸۵۱ء یا اس کے بعد۔

Marfat.com

''صاحب والا مناقب مصدر فیوض نامتناہی سلامت!

بعد گذارش مراسم اشتیاق حصول ملاقات کے التماس یہ ہے کہ میں ارادہ تشریف لانے حضور کا واسطے معالجہ اس اخلاص کیش کے سن کر کمال مرہون و ممنون ہوا۔ حق تعالیٰ آپ کو اس خوش خلقی اور اخلاص شعاری کے ساتھ زیادہ تر مراتب علیا پر فائز کرے۔

اور حال میرا یہ ہے کہ دو روز سے پھر بخار رفع ہو گیا ہے اور اب میں بخوبی آرام سے ہوں۔ سو اس جہت سے بالفعل آپ کو تکلیف دینا خلاف آدمیت اور ادب کے سمجھ کر ڈاک بٹھانے سے متوقف ہوا اور بلکہ میرا خود ارادہ ہے کہ اگر کچھ طاقت حاصل ہو جا[ئے] تو میں خود بعد چند روز کے دہلی میں آ کر اور حضور سے ملاقات کر کے مورد نوازش و کرم کا ہوں(۱)۔

اور جو کچھ کار کہ لایق اس دیار کے ہو، بلا توقف اوس سے مجھ کو مطلع فرماؤ۔ زیادہ چہ۔ فقط

بہادر جنگ خان

مورخہ ۱۵ شوال ۶۲[۱۲]ھ

[مطابق ۱۸۴۵ء]''

تشریح:

۱۔ مکتوب نویس دہلی کے علاوہ کسی اور شہر میں مقیم تھا۔ اشپرینگر کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت بالکل مختلف تھی یعنی وہ اس کا معالج تھا۔ اشپرینگر بنیادی طور پر شعبۂ طب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے مقالۂ خصوصی کا موضوع عربوں کا علم طب تھا اور وہ ایک ڈاکٹر ہی کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ یہاں اس کی زیادہ تر مصروفیات کا تعلق علم و ادب اور تعلیم و تدریس سے رہا، لیکن جب کبھی ضرورت پڑتی، وہ مریضوں کے دوا دارو یا اپریشن کا انتظام کر دیا کرتا تھا۔ قیام لکھنؤ کے دوران میں اس نے شاہی خاندان کے کئی افراد کا علاج کیا۔ اس کے اجراء کردہ اخبار ''قران السعدین'' کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''اس ہفتہ میں بھی اسپتال دہلی سرکاری میں ایک عمل جراحی باوسیلہ ایتھر کے روبرو ڈاکٹر اسپرنجر صاحب

Marfat.com

پرنسپل مدرسہ اور گبنس صاحب جج دہلی اور ڈاکٹر روس صاحب کے بہ کامیابی ہوا......راقم اخبار کو بھی اتفاق دیکھنے اس عمل کا ہوا۔ جو آنکھوں سے دیکھا لکھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ڈاکٹر روس صاحب نے مریض کو ایک پھکنہ میں ایتھر ڈال کے دیا اور اوس کو کہا کہ تو اس میں کی ہوا پی۔ اور تھوڑی دیر کے اثر ہوا سے مریض پر آثار بے ہوشی کے نمودار ہوئے اور جب بالکل بے ہوشی چھا گئی تو ڈاکٹر سپر نجر صاحب نے اس کے ہاتھ میں کانٹا آہنی چو بھویا، لیکن اوس نے نہ حرکت کی اور نہ آہ بھری۔''

(بابت ۱۳ دسمبر ۱۸۴۷ء)

Marfat.com

''بجناب فیض مآب فلک انتساب خدام بارگاہ نواب صاحب والا مناقب عالیجاہ مرجع علم وکمال
مرکز دائرۂ ہنر وافضال دامت حشمتہم!

عرضہ ہے ظاہراً دریافت ہوا کہ عہدۂ مدرسی عربی کالج آگرہ کا خالی ہے(۱)۔ لہٰذا یہ کمترین ملتمس ہے کہ جو اس خاکسار کو علوم عربیہ اور فارسی میں مہارت حاصل اور تدریس جملہ علوم مدونہ ومروجہ کے اپنے مدرسہ واقعہ قلعہ بریلی میں کرتا ہوں، چنانچہ حال لیاقت علمی اور ریاست میرے سے مستر تریگر صاحب (۲) بہادر افسر کالج بریلی اور مسٹر فلمنٹ ولیمس صاحب (۳) بہادر کلکٹر ضلع بریلی کو بخوبی واقفیت ہے اور ذات منکا (کذا) بحضور مرجع فیض اور قدر افزائی اہل علم ہے، اس واسطے امیدوار ہوں کہ اگر توجہات عالیہ اوپر حال اس خاکسار کے بہ تقرری عہدہ مذکورہ ......انواع مقامبذول ہووے۔ کمال ذرہ نوازی ہے فقط۔ امام اقبال روز افزوں ہو۔

کمترین مولوی محمد یعقوب علی خان
مدرس مدرسہ واقعہ قلعہ بریلی
معروضہ ۲۵ جولائی ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ اشپرینگر کے منشی مولوی علی اکبر سونی پتی کی وفات پر یہ عہدہ خالی ہوا۔

۲۔ Tregear، رک: سطور بالا

۳۔ F.W. Williams

Marfat.com

''عالی متعالی صاحب عالیشان فیما فرمان (کذا) دام اقبالہ

کے بعد عرض کرتا ہے کہ شکر انعامات خداوندی حضور والا انداز حوصلہ تقریر اور تحریر سے افزوں ہے کہ ساتھ ایسی شان عالی اور مرتبہ برتر کے براہ ذرہ نوازی اور متوسل پروری کے سرفراز نامہ عنایت فرمایا، مُو بہ مُو مشکور اور ممنون ہوا۔ بعد ارسال یک جلد نسخہ ''مغازی''، (۱) ''ابن ہشام''، (۲) ''اصابہ'' (۳) چار جلد حضور میں بھیجا ہے۔ بسبب ایام بارش کے تردد ہے۔ خدا کرے بخیریت پہنچ جائے۔ بعد پہنچنے کے اور کتابیں مطلوب حضور بحضور ملازمان والا روانہ کرے گا۔ جوں پہونچے غریب خانہ کے بعد ایام صوم آ گیا، لہٰذا طیاری فہرست میں توقف ہوا۔ اب کہ فہرست کتابوں کی جو دولت خواہ کی مکسوبہ ہیں، حضور میں روانہ کرتا ہے۔ اور فہرست کتب موروثی کی اور کتابیں جو مولوی سخاوت علی (۴) کے کتب خانہ میں ہیں، معہ فہرست اون کتابوں کے جو غازی پور میں کہ زاید تین ہزار سے ہوگی، طیار کر کے بعد ازیں روانہ کرے گا اور باوجود تاکید اور کمال مبالغہ کے اب تک ''تاریخ طبری'' (۵) میرے ہاتھ نہیں آئی کہ اوس کا حال حضور میں عرض کرے اور حضور سے ارقام ہوا کہ فدوی کے بیٹے اور دوسرے اقربا سب بہت اچھے ہیں، سوائے احمد حسین کے مگر بمقابلہ دوسرے امیدواران کے یقین ہے، اون کا امتحان بالا ہوگا، خصوص زبانی تقریر میں مقام امتحان نہایت مشکل ہے اور حضور بملاحظہ پڑھنے ''ہدایہ'' کے اس کو پسند کیا تھا اور وعدہ عطائے ڈپلومہ کا اوس کوں ہوا تھا۔ اور فدوی بہ قسم اوس کی لیاقت اور ہوشیاری پر حضور میں گواہی دیتا ہے۔ وہ کسی طرح سے بے لیاقت نہیں اور سب سے زیادہ وہ عزیز فدوی کا ہے۔ اوس کی پرورش ضرور ہے۔ زیادہ اس سے کیا عرض کرے۔

عرضی فدویان محمد شکور، محمد ظہور (۶)

معروضہ ۲۴ جولائی ۱۸۵۲ء''

تشریحات:

۱۔ الواقدی (۱۳۰ھ–۲۰۷ھ/ ۷۴۷ء–۸۲۲ء) سے منسوب متعلقہ غزوات۔ ر۔ک انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، جلد ۱۱، لائیڈن ۲۰۰۲ء، ص ۱۰۱–۱۰۳ (مقالہ از S. Leder)۔

Marfat.com

۲۔ اشپرینگر نے ذاتی کتاب خانہ میں موجود "سیرت ابن ہشام" کے درج ذیل قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے:

الف۔ سیرت ابن اسحٰق (م۔۱۵۱ھ) مع توضیحات ابن ہشام (م۔۲۱۳ھ) کا حصہ اول۔ اس مخطوطہ کے متعلق وہ خود لکھتا ہے:

"This is the most carefully written Arabic Ms. I have ever seen."

اس کتاب کا ایک اور قدیم اور مستند خطی نسخہ

ب۔ اسی "سیرت" کا حصہ ثانی (مکتوبہ ۹۳۵ھ)۔ اسی حصے کا ایک اور نسخہ (مکتوبہ ۵۴۸ھ)۔ انتہائی صاف اور عمدہ۔

ج۔ ابن ہشام کا حصہ دوم، مع تفسیر سُہیلی کے اقتباسات (مکتوبہ ۸۳۶ھ)۔ ناقص الاول

د۔ تلخیص سیرت النبیؐ (سنہ تالیف ۷۰۷ھ)۔ دو نسخے

(رک: فہرست مطبوعہ ۱۸۵۷ء، محولہ بالا، ص ۷)

اس "سیرتؐ" اور ابن اسحٰق پر اشپرینگر کے انگریزی اور جرمن زبانوں میں تحریر کردہ یہ تین مقالات:

i) On the earliest Biography of Muhammad (*JASB*, 20 (1851), pp. 395-397)

ii) Muhammad's journey to Syria, and Prof. Fleischer's opinion thereon (with texts and translations from al-Tirmidhi and Ibn Ishaq.

(Ibid., 21(1852), pp. 556-592)

iii) Ibn Ishaq ist kein redlicher geschichtsschreiber [Ibn Ishaq is not an honest historian]

(*ZDMG* 14(1860), pp. 288-290)

۳۔ ابن حجر العسقلانی کی معروف کتاب بعنوان "الأصابة فی تمیز الصحابة"۔ اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں اس کا جو مکمل قلمی نسخہ تھا، وہ چار جلدوں پر مشتمل تھا (صفحات تین ہزار)۔ جلد سوم کے دو نسخے تھے۔

(رک: فہرست مذکورہ، ص ۱۹)

اشپرینگر نے محمد وجیہ اور عبدالحق کے اشتراک سے اس کو طبع کرایا۔ ۸ جلد، مطبوعہ کلکتہ

Marfat.com

۱۸۵۳-۱۸۸۸ء۔

۴۔ سعادت علی خان نے اشپرینگر کو فروخت کردہ کتابوں کی جو رسید (بزبان فارسی) بھجوائی تھی (بتاریخ ۱۸ جمادی الاول ۱۲۶۶ھ/ ۱۸۴۹ء)، وہ ذخیرۂ اشپرینگر (برلین) میں محفوظ ہے۔ آخر میں سعادت علی خان نے نام کے بجائے اپنی مہر لگادی ہے۔ اس رسید کا عکس آئندہ صفحات میں شائع کیا جارہا ہے۔

۵۔ اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ میں محفوظ "تاریخ طبری" کے قلمی نسخے:

الف) "تاریخ طبری" کی جلد چہارم، مشتملبر احوال سیرت۔ اس کے ساتھ اسی "تاریخ" کی جلد اول کے ایک قدیم ترین مخطوطہ کے منتشر اوراق، جو اسے دہلی سے دستیاب ہوئے۔

ب) "تاریخ طبری" کی جلد نہم (آغاز ۳۲ھ سے ہوتا ہے)۔ سنہ کتابت ۴۴۷ھ۔ مع گیارہویں جلد (مکتوبہ ۷۱۹ھ) کے آخری آٹھ اوراق۔

ج) "مختصر تاریخ الطبری" (بغیر اسناد کے)۔ ۶۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ قدیم اور خوبصورت نسخہ

د) "تاریخ طبری" کا فارسی ترجمہ از بلعمی (در ۳۵۲ھ)۔ دو جلد (صفحات ۱۷۰۰)۔ غالباً اسی کا عربی ترجمہ (صفحات ۵۰۰)

(رک: فہرست مذکورہ، ص ۴)

انھی قلمی نسخوں پر اشپرینگر کے یہ انگریزی اور جرمن مقالات:

i) Bal'amy's translation of the history of Tabary, and Ghazzaly's history of the prophets.

(*JASB*, 17/ii (1848), pp. 437-471)

ii) Notice of a copy of the fourth volume of the original text of (the history of) Tabary, (with the texts of Tabary and that of Bokhary to enable the reader to compare them).

(Ibid., 19 (1850), pp. 108-135)

iii) Über zwei arabische Handschriften (al-Tabari and Ibn Wallad).

Marfat.com

[On the two Arabic mss.]

(*ZDMG*, 31 (1877), pp. 750-757)

٦۔ ان دونو اصحاب کے سوانحی کوائف دستیاب نہیں ہو سکے، البتہ یہ امر مسلمہ ہے کہ وہ اشپرینگر کے لیے قدیم مخطوطات اور کتب فراہم کرتے رہتے تھے اور جب ضرورت پڑتی تھی، تو اس سے سفارشیں بھی کراتے رہتے تھے۔

❖ ❖ ❖

Marfat.com

تصاویر و عکسی نقول

Marfat.com

Marfat.com

دہلی کالج —

(تصاویر، اخبارات، حاضری رجسٹر (۱۸۴۷ء) کے چند صفحات)

Marfat.com

Marfat.com

ہندوستان کا دل دلّی، دلّی کا دل، دلّی کالج

مختلف نام: مدرسۂ غازی الدین، مدرسۂ دہلی، دہلی کالج، اینگلو عربک کالج اور (حال) ذاکر حسین کالج (بیرون اجمیری گیٹ)۔

۱۷۹۲ء میں اس مدرسہ کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے ایک فوجی عہدہ دار نواب غازی الدین فیروز خاں نے اس کا سنگ بنیاد رکھا (بیرون اجمیری گیٹ، ۱۷۰۲ء)۔ اس نواب کی وصیت کے مطابق قائم کردہ وقف سے اس مدرسہ میں بزبان فارسی علوم اسلامیہ پڑھائے جاتے رہے۔ کمیٹی برائے پبلک انسٹرکشن کی تجویز پر اسی مدرسہ کو دہلی کالج کا نام دیا گیا (یکم جون ۱۸۲۵ء)، لیکن نام کے علاوہ یہاں کے نصاب وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ لکھنؤ کے نواب اعتماد الدولہ نے ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی خطیر رقم بطور عطیہ پیش کی (۱۸۲۹ء) اور یہاں انگریزی جماعت کا اجراء کیا گیا۔ صوبجات شمال مغربی کے لیفٹیننٹ گورنر جیمز تھامسن نے دہلی کالج میں بعض انتظامی تبدیلیاں تجویز کیں، جن کے مطابق اس کے سربراہ کو ہیڈ ماسٹر کے بجائے پرنسپل کہا جانے لگا (۱۸۳۹ء)۔ ڈاکٹر الوئس اشپرینگر اس کالج کا دوسرا پرنسپل مقرر ہوا، لیکن اس کے زمانہ پرنسپلی (۱۸۴۵ء-۱۸۴۷ء) میں یہ کالج بیرون اجمیری گیٹ سے کتاب خانہ داراشکوہ (بیرون کشمیری گیٹ) منتقل ہو گیا۔ اس کالج میں فارسی کے بعد ذریعۂ تعلیم اردو تھا (۱۸۳۹ء)، اور یہاں مشرق وغیرہ کے علوم ''مفیدہ'' کی اہم ترین کتابوں کو براہ راست اردو میں ترجمہ کرنے کے لیے ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم کی گئی (۱۸۴۳ء)۔

دیگر مدارس اور تعلیمی اداروں کی طرح دہلی کالج بھی ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں کی نذر ہو گیا۔ ۱۸۶۴ء میں اسے کھولا گیا (پرانی دہلی کے ٹاؤن ہال میں)۔ ۱۸۶۵ء میں انٹرمیڈیٹ، ۱۸۶۶ء میں ڈگری اور ۱۸۷۱ء میں ایم اے کی کلاسیں شروع کی گئیں۔ ۱۸۷۲ء میں چاندنی محل (عربک مڈل اسکول) میں اینگلو عربک اسکول کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اعتماد الدولہ فنڈ کا کچھ حصہ بھی اس کو منتقل کر دیا گیا۔ ۱۸۷۷ء میں یہ کالج بند کر دیا گیا۔ ۱۸۸۹ء میں اینگلو عربک اسکول بحال ہوا اور کلکتہ، آگرہ اور پنجاب کی یونیورسٹیوں سے اس کا الحاق کر دیا گیا۔

Marfat.com

بالآخر یہ دہلی یونیورسٹی سے منسلک کر دیا گیا (۱۹۲۸ء)۔ تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) کے بعد اس کالج کا نام ذاکر حسین کالج رکھ دیا گیا (۱۹۷۴ء) اور تب سے یہ کالج اسی نام سے قائم ودائم ہے۔

دہلی کالج کے پرنسپل: فیلکس بوترو، الوئس اشپرینگر، ٹیلر، جے کارگل، مرزا محمود بیگ (۱۹۴۸ء-۱۹۵۲ء)، بشیر الدین احمد (مؤرخ)، ڈاکٹر سلمان ہاشمی (۱۹۹۱ء)۔

دہلی کالج کے اساتذہ: مولوی رشید الدین خاں، مملوک العلی نانوتوی، امام بخش صہبائی، ماسٹر رامچندر، قاری جعفر علی جارچوی، مولوی سید محمد، یونس جعفری (۱۹۳۰ء-)

دہلی کالج کے طلباء: محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، مولوی ذکاء اللہ، پیارے لال آشوب، نند کشور، پنڈت رام کشن، کریم الدین پانی پتی، موہن لال کشمیری، پنڈت موتی لال کاٹجو، لالہ مکند لال، رائے حکم چند، ضیاء الدین خاں، جمیل الدین عالی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔

مسیحیت قبول کرنے والے: ماسٹر رام چندر، چمن لال

معروف شخصیات: محمد مجیب (وائس چانسلر، جامعہ ملیہ)۔ پروفیسر محمد حبیب (مؤرخ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)

ممتحن: صدر الصدور مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی

پریس: مطبع العلوم

رسائل: قران السعدین، محب ہند، فوائد الناظرین، تحفۃ الحدایق، دتی کالج میگزین

دار الترجمہ: ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی

کالج کی مجلس انتظامیہ کے اراکین (قبل ۱۹۴۷ء): قائد اعظم محمد علی جناح، نواب زادہ لیاقت علی خاں وغیرہ

* * * * *

Marfat.com

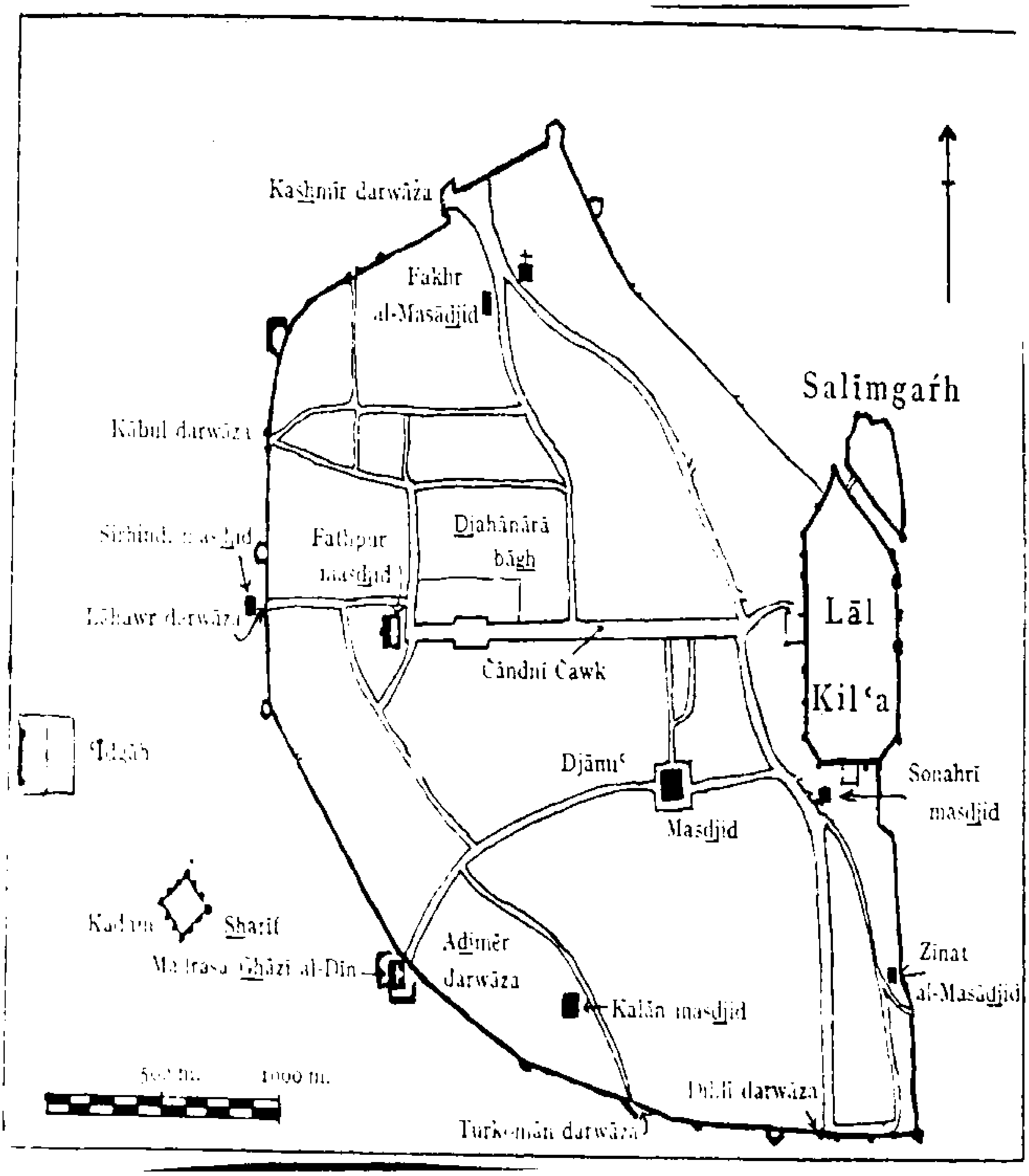

شاہجہان آباد

(مدرسہ غازی الدین اور کشمیری دروازہ)

Marfat.com

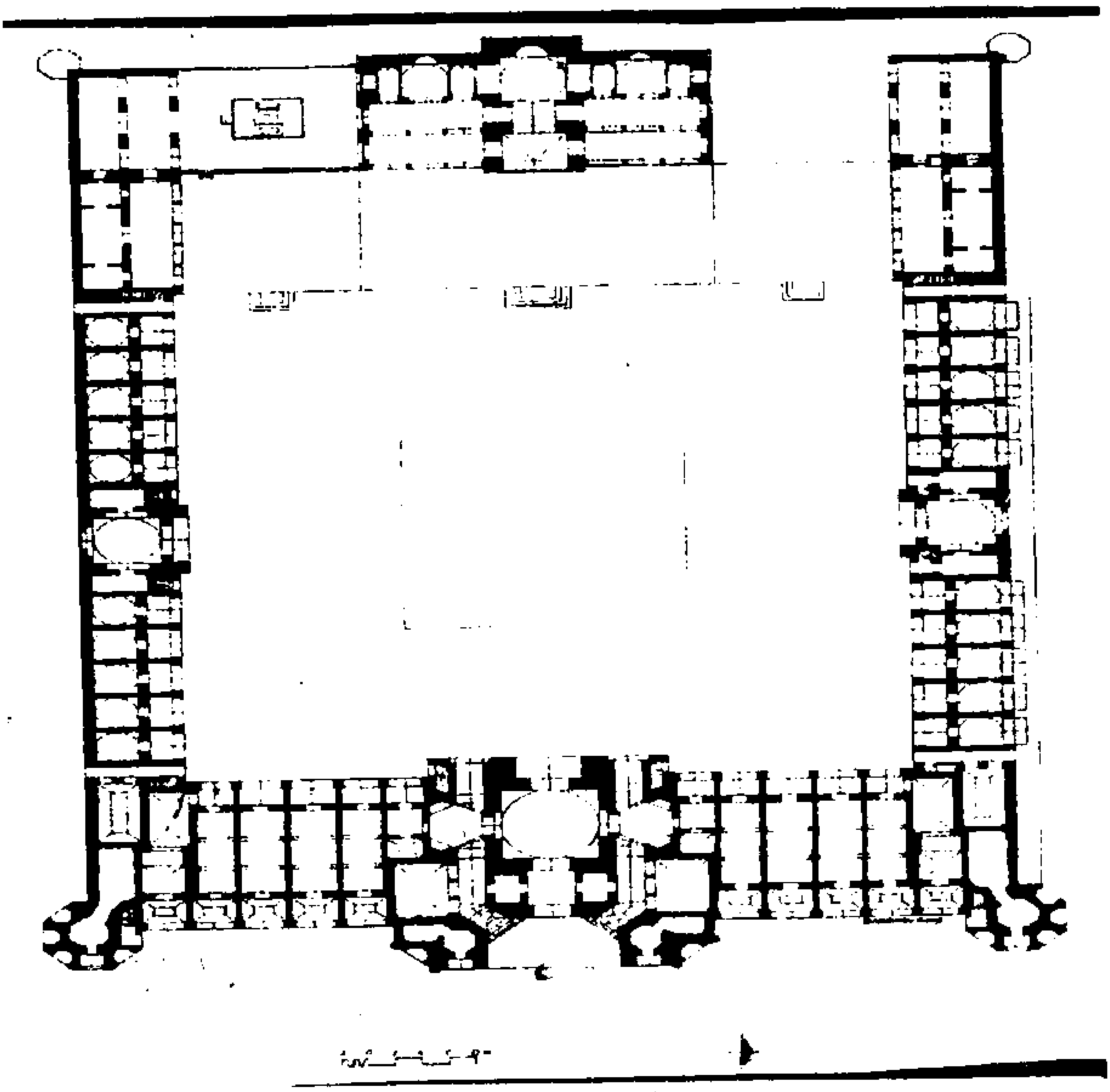

مدرسۂ غازی الدین (گراؤنڈ پلان) - ۲۰۰۵ء
(بشکریہ ایبا کوخ)

Marfat.com

دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا جنوب مشرقی دروازہ
(بشکریہ ایبا کوخ Ebba Koch)

Marfat.com

دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کے سامنے کا ایک حصہ

Marfat.com

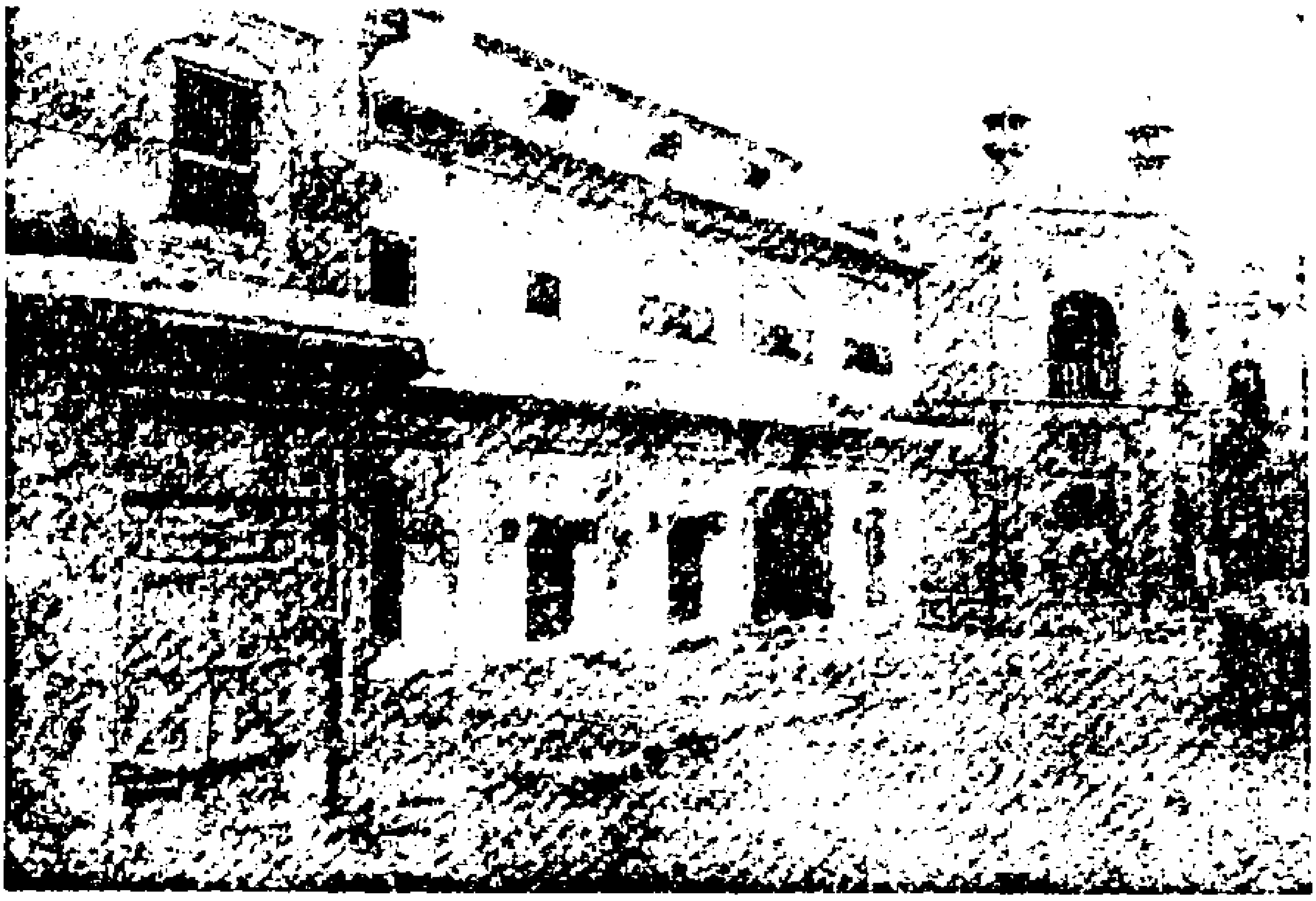

دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا جنوب مشرقی دروازہ
(بشکریہ ایبا کوخ)

Marfat.com

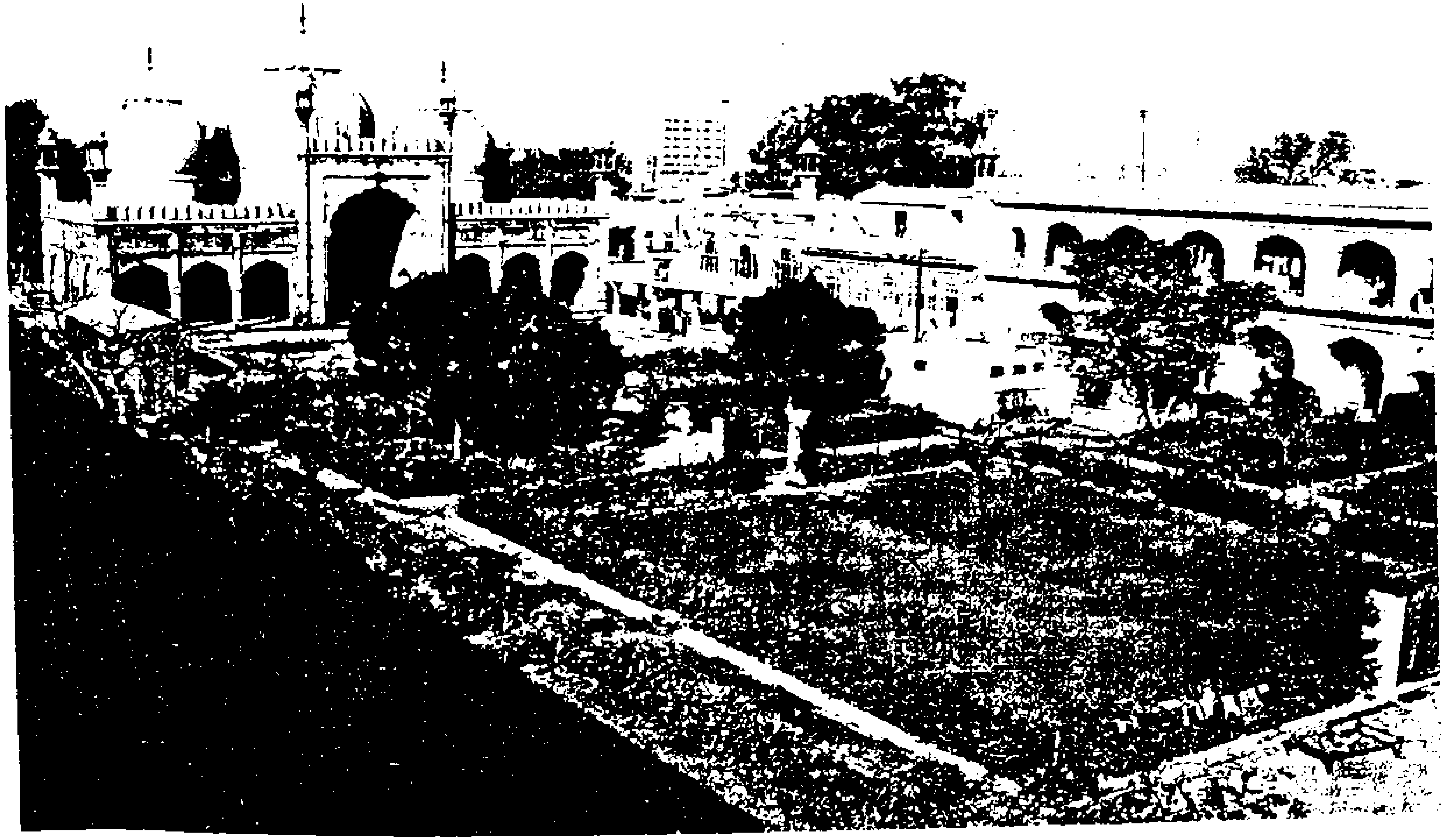

دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا اندرونی حصہ مع مسجد
(بشکریہ ایا کوخ)

Marfat.com

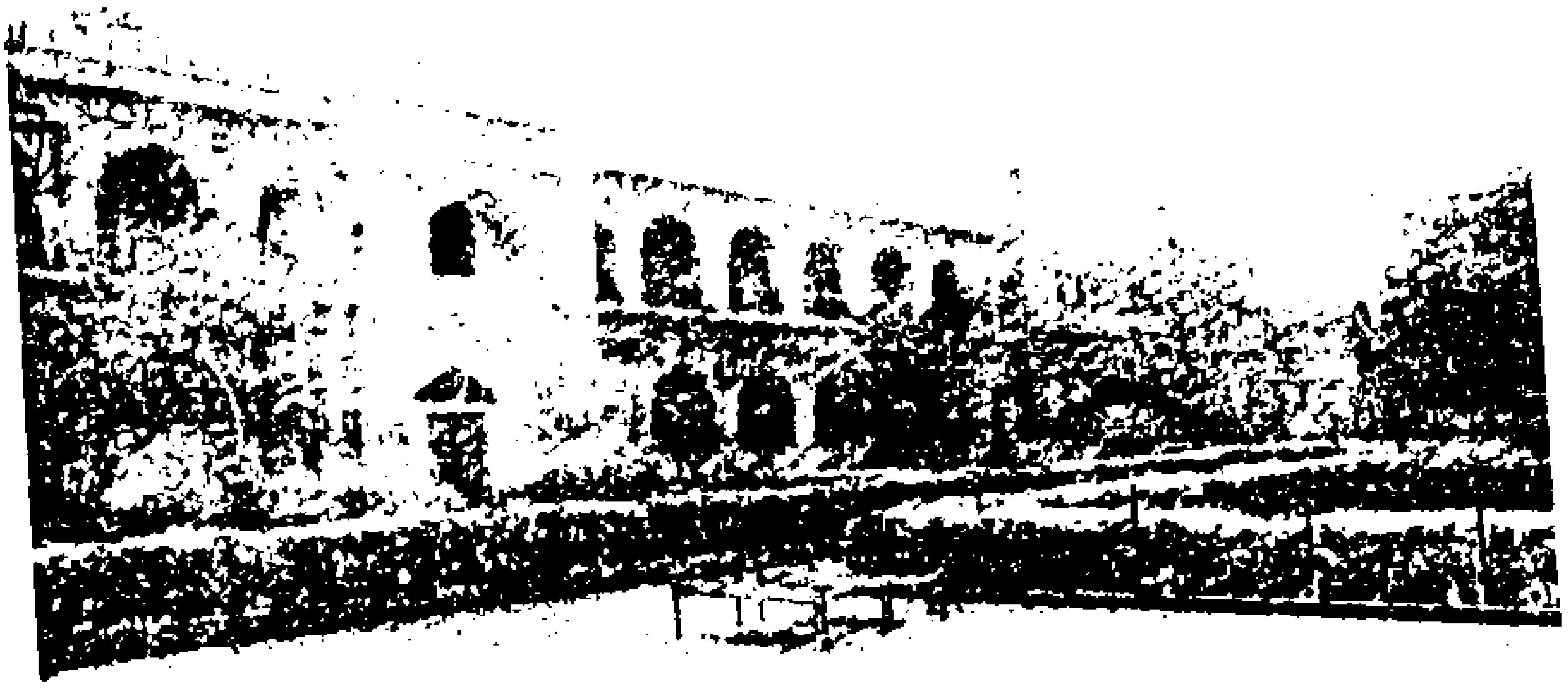

دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کا جنوبی اور صحن کا کچھ حصہ
(بشکریہ ایبا کوخ)

Marfat.com

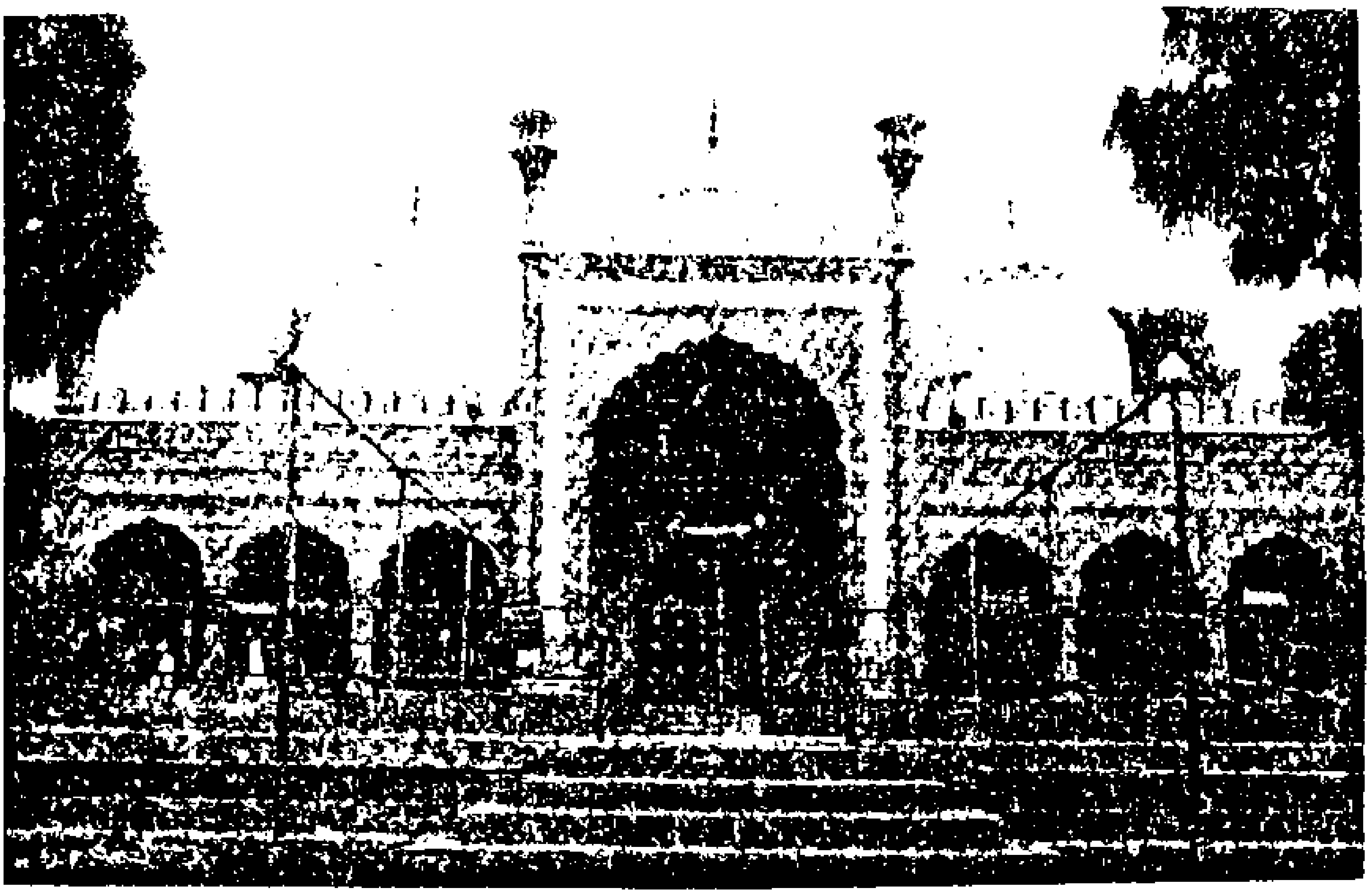

مسجد دہلی کالج (بجانب مشرق)
(بشکریہ ایباکوخ)

Marfat.com

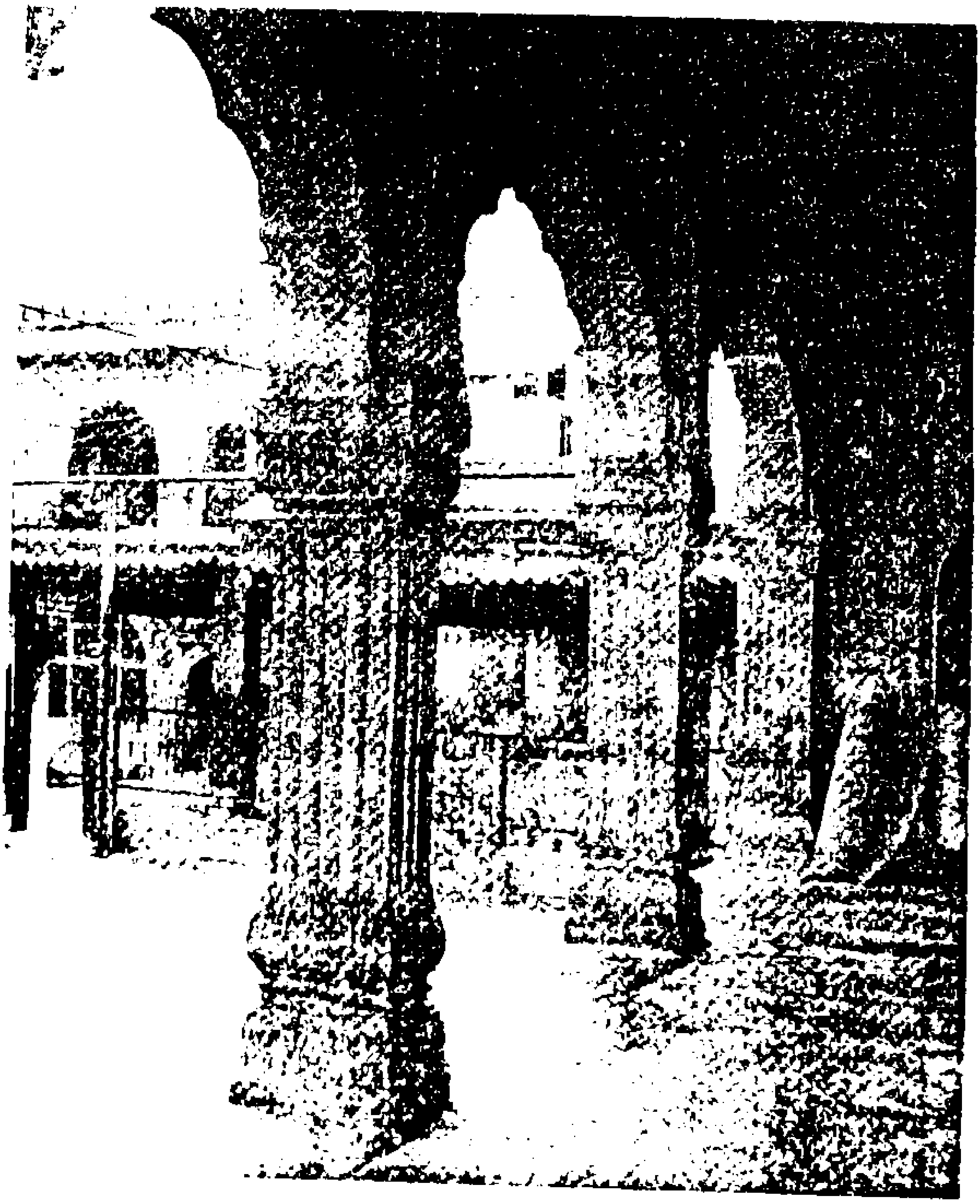

مسجد دہلی کالج (بیرون اجمیری گیٹ) کے اندرونی ستون

(بشکریہ ایاکوش)

Marfat.com

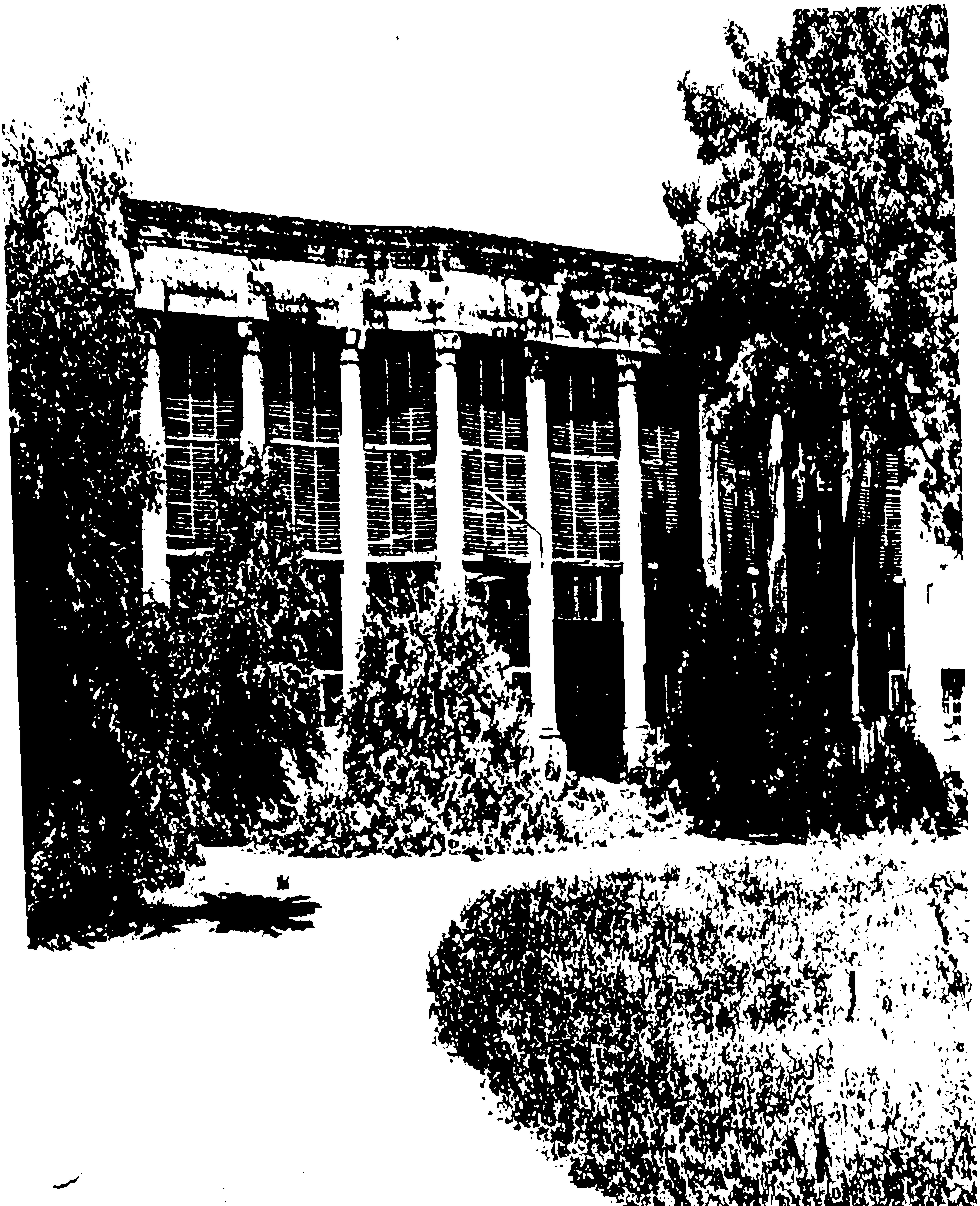

دہلی کالج (داراشکوہ لائبریری، بیرون کشمیری گیٹ)

(بشکریہ ایبا کوخ)

Marfat.com

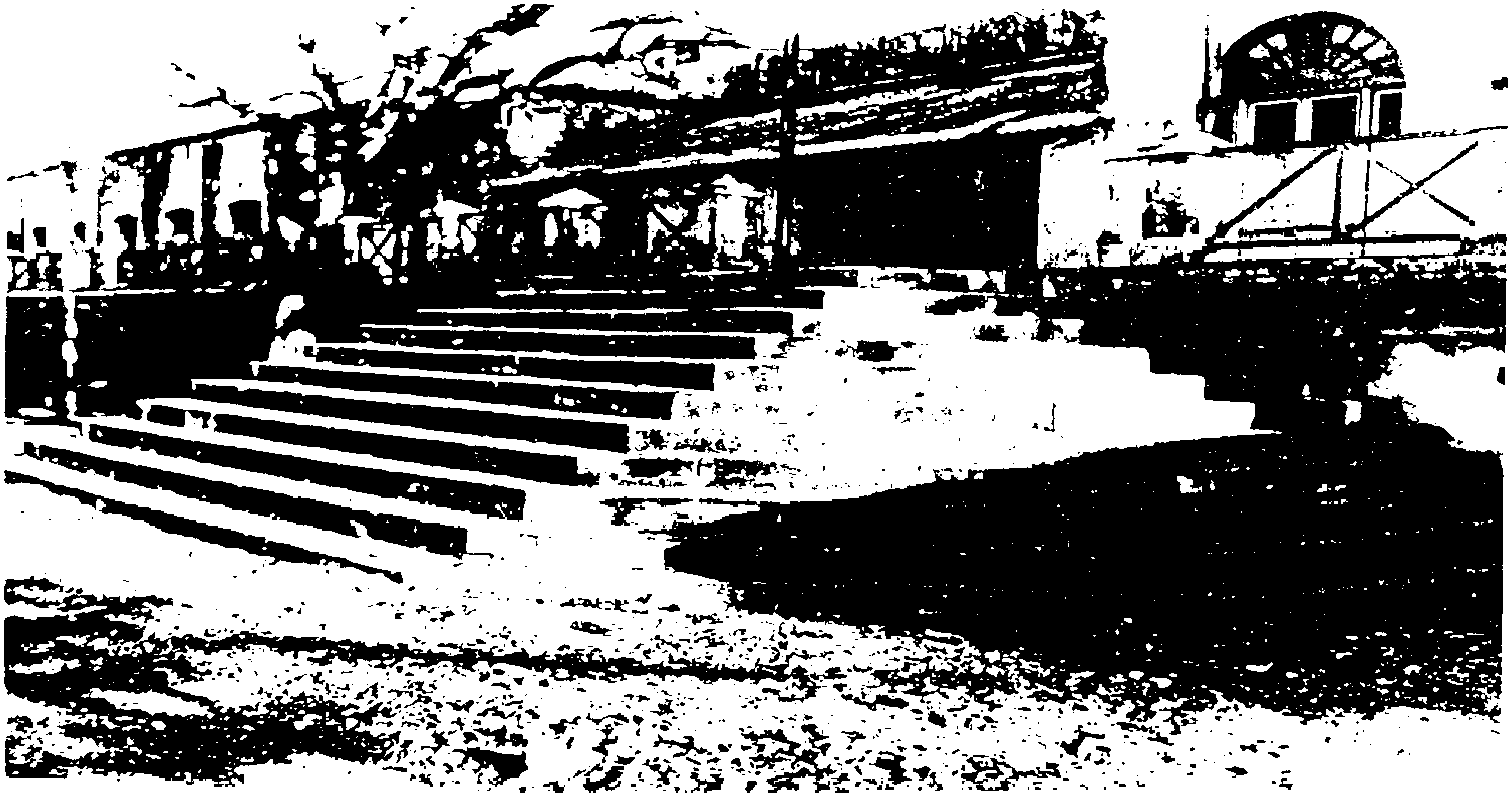

کتاب خانہ داراشکوہ (بیرون کشمیری گیٹ)

Marfat.com

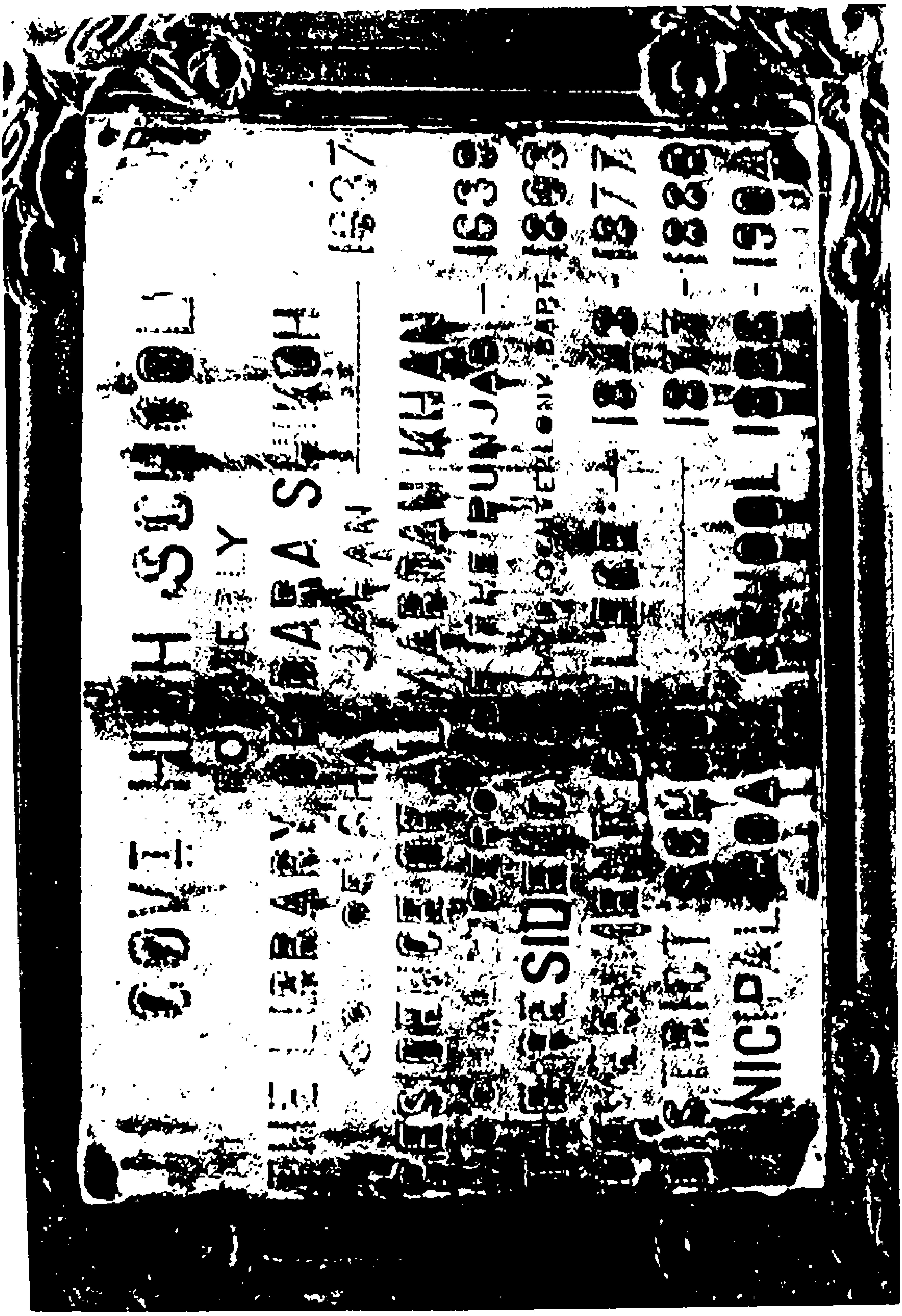

کتاب خانہ دارا شکوہ (بیرون کشمیری گیٹ) کے باہر نصب شدہ کتبہ

Marfat.com

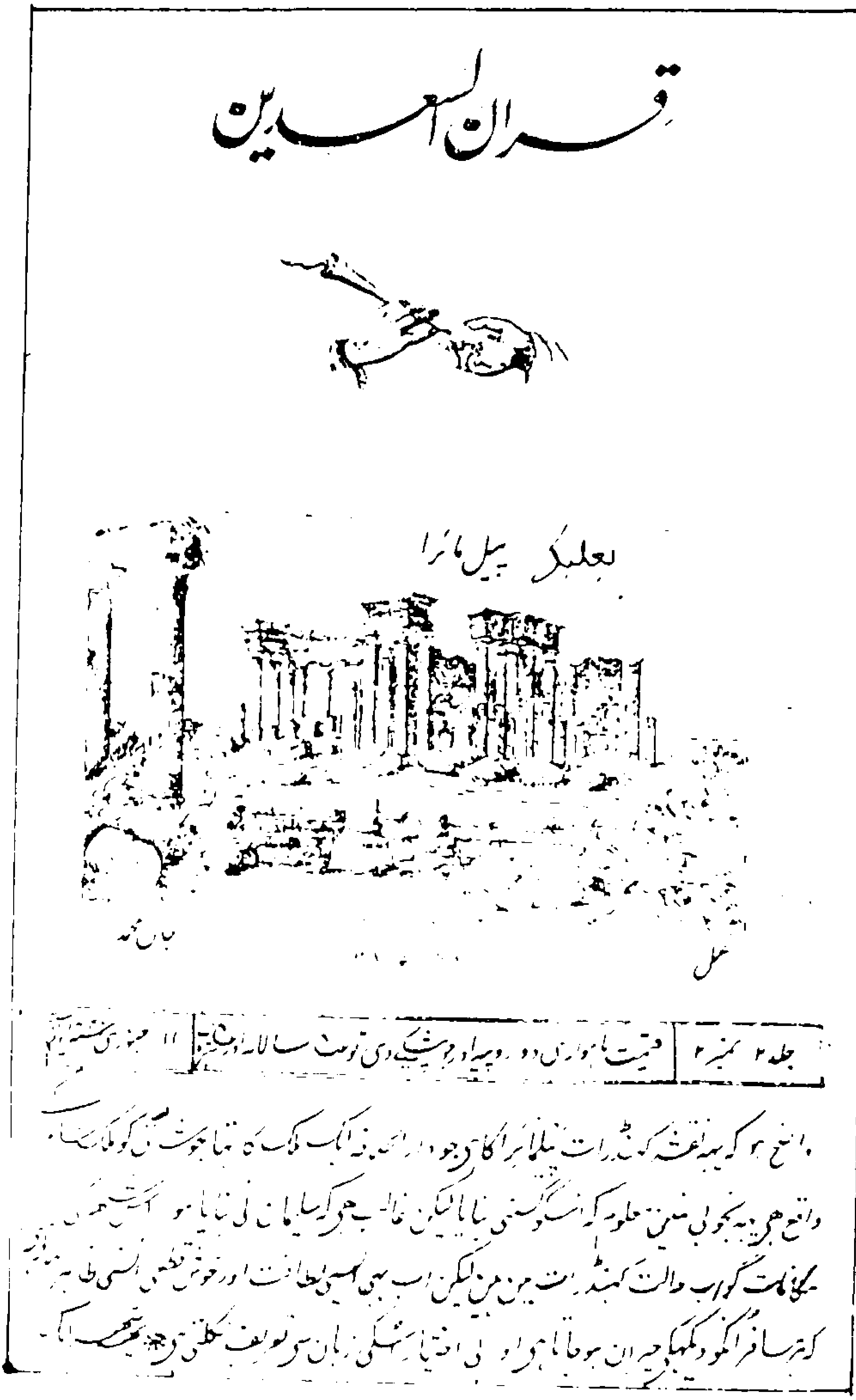

قران السعدین

بعلبک

۱۱ جنوری سنہ ۱۸۴۷ء	قیمت ماہواری دو روپیہ اور پیشگی دس روپیہ سالانہ	جلد ۲ نمبر ۲

واضح ہو کہ یہ نقشہ کھنڈرات بعلبک کا ہے جو [illegible]
واقع ہے یہ [illegible]
[illegible] کھنڈرات [illegible] لیکن اب بھی [illegible] اور خوش [illegible]
کہ مسافر انکو دیکھکر حیران ہوتا ہے [illegible] زبان سے تعریف نکلتی ہے [illegible]

"قران السعدین" (دہلی ۱۱ جنوری 1847ء) کا ابتدائی صفحہ۔ تصویر میں "بعلبک" کا لفظ اشپرینگر کا لکھا ہوا ہے۔

Marfat.com

دہلی ماہ مارچ | جلد اکتیسوین بابت ماہ فروری سنہ ۱۸۵۰ع | سنہ ۱۸۵۰ عیسوی

قیمت اس رسالہ کی ایک روپیہ جاری ہوتا ہے مہینہ مین ایکبار محصول ڈاک بذمہ خریدار

Mohib-i-Hind or Monthly Urdoo Magazine By

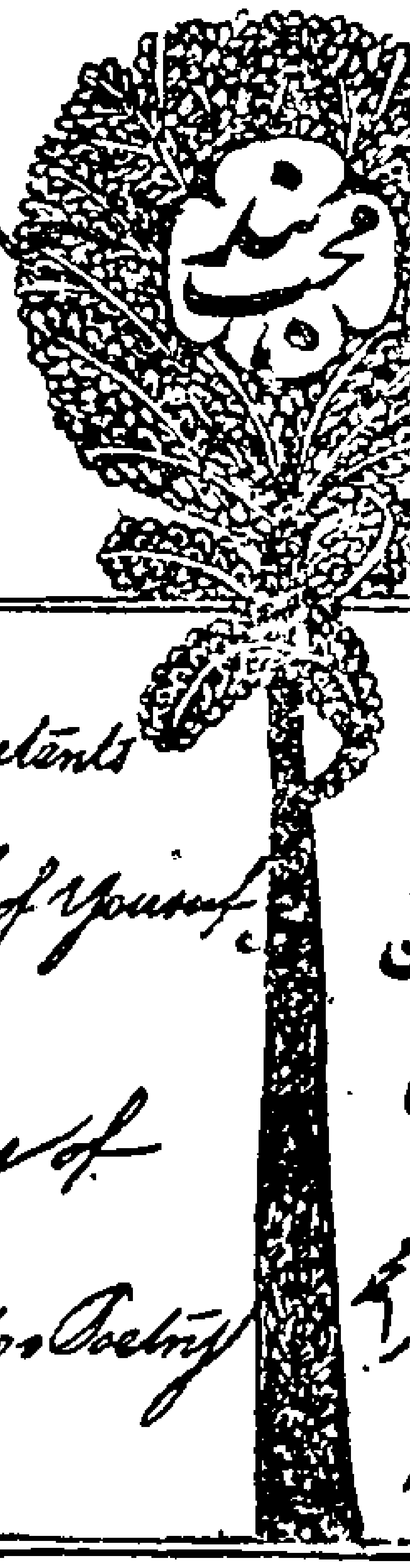

Ramchundra 1st Teacher of European Sciences in the Delhi College

Table of Contents

1st Travels of Yousuf Khan.

2d History of China.

3d Urdoo Poetry

فہرست مضامین رسالہ ہذا

(۱) بقیہ حال سفر یوسف خان کمل پوش کا انگلستان مین

(۲) تاریخ ملک چین

(۳) نسخہ فسانہ عشاق تصنیف مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر دام اقبالہ

رامچندر مدرس علوم انگریزی مدرسہ دہلی کی اہتمام سے مطبع العلوم دہلی مین مطبوع ہوا

دہلی کالج کا ایک مجلّہ ”محب ہند“ (فروری ۱۸۵۰ء) زیرادارت ماسٹر رام چندر

Marfat.com

نمبر ۴۳ نمبر سیونتالیسوان | فوائد الناظرین | جلد سویم ۳

مطبوعہ سیزدہم ماہ نومبر ۱۸۴۸ع عیسوی روز دو شنبہ

قیمت اس پرچہ کی چار آنہ ماہواری علاوہ محصول ڈاک کے ذمہ خریدار

کرہ زمین کا حال

یہ ہم اوس نقشے میں کہ اہل فرنگ کے تحقیقات سے یہ بات بالکل تحقیق ہوئی ہے کہ شکل زمین کی گول مثال نارنگی کی ہے جیسا کہ کرہ زمین کے شکل دوسرے صفحہ پرچہ پر لکھی جاتی ہے اور چونکہ شکل زمین کے تصویر میں گول نہیں لکھی جا سکتی ہے اسلئے کرہ کو دو ٹکڑے کرکے لکھنے میں سطح پر جیسا کہ ایک نارنگی کو دو ٹکڑے کرکے رکھ دینے میں اہل فرنگ کے تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ زمین انیس کروڑ ستر لاکھ سو کتیس ہزار چھ سو تیرہ مربع میل ہے اور زمین کے تین حصے میں جنمیں سے دو حصے پانی ہے اور ایک حصہ خشک ہے اس نقشہ زمین پر بڑے بڑے ملک لکھے ہیں اور ایک بڑی سطح پر جو پانی ہے اوسکو بحر کہتے ہیں اور ایک بڑی سطح زمین کو بر کہتے ہیں جس سمندروں کا جدا جدا نام لکھا ہے وہ اور زمین دریا کے پانچ سبلنگ نامے نقشہ کرہ زمین کو دو آدھے آدھے کرکے لکھنے میں ایک طرف ایک کرہ زمین پر ملک فرنگستان اور ایشیا اور ملک افریقہ ہے اور مغربی آدھے کرہ میں جنوبی اور شمالی امریکا ہے یعنے نئی دنیا ہے جو کہ قریب تین سو چالیس برس سے لوگوں پر ظاہر ہوئی ہے ملک امریکا ملک فرنگستان اور افریقہ سے بحر اٹلانٹک سے علیحدہ کیا گیا ہے اور یہ بحر تین ہزار میل چوڑا ہے اور ملک ایشیا ملک امریکا سے بحر پاسفک سے جدا ہوا ہے بعضے صاحب ملک ایشیا کو ہند سمجھتے ہیں مگر جاننا چاہئے کہ ملک ایشیا

ص ۱۵ اسکو ایسا کہ اوسکے دو اونکی لکیر سیدھی کرہ زمین پر بڑی ہوئی

مراد ملک ہندوستان ایران کابل چین تاتار روم شام عرب وغیرہ ہے اور اس نقشہ کو ملاحظین کو ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اکثر نام آئے جنوب میں ایشیا کے بحر ہندوستان واقع ہے اور دونو قطبون پر جنوبی اور شمالی سمندر واقع میں چھوٹے چھوٹے حصہ زمین کے جو کہ چاروں طرف سمندر سے گھرے ہوتے ہیں جزیرے کہلاتے ہیں جنوبی ایشیا کے سمت پر جزیرہ سماترا جاوا بورنیو اور جزیرہ لنکا اور مڈگاسکر اور سسلی اور انگلستان اور جزیرہ ویسٹ انڈیز وغیرہ ہیں اور مغربی کرہ زمین میں اور اوسکو شمالی اور نیوزیلینڈ اور نیو ساؤتھ ویلز اور مغربی سمت ہندوستان کے جزیرہ وہیں فقط

حال آغا محمد شاہ ایرانکا

ایران میں بڑا بادشاہ گذرا ہے اور یہ ہی بادشاہ تھا جو کہ خواجہ تھا اور جب آغا محمد بادشاہ ایران کا ہوا تو عراق اور فارس اور کرمان اور استرآباد اور مازندران اور گیلان کا مالک ہوگیا اور لطف علی خان شاہ سابق جسکے دلمیں بہت ہمت تھی آیا تھا پہلے طرف کرمان کے اور بعدہ طرف خراسان کے خیر عافیت سے چلا گیا اور آخرکار اوسکے بعد سے یہ گزرنے کے ایک گروہ نے فوج کو جمع کرکے شہر کرمان کو ملا کرکے لے لیا اور یہاں آپنے یہ ایک مدت تک بادشاہت کو حاصل کیا لیکن تمام اوسکے کار سے نمایاں ہیں یہ اخیر فتح تھی آغا محمد نے

Marfat.com

مجموعه فهرستهای طلبه مدرسه عربی و فارسی

اور شاستری اور انگریزی اقسام دہلی کالج بابت امتحان ع سنہ ۱۸۴۸ ۴۹

باہتمام سید اشرف علی مطبع العلوم مدرسہ مسلمین چھاپا گیا

Marfat.com

نقشہ جماعت اول عربی متعلقہ مولوی ملک العلما صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں — سال	ماہ	حاضری از عرصہ ماہ اکتوبر تک — حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	[illegible]	تاریخ یمینی	جامع التواریخ	دیوان الحماسہ	حریریات مقامات	رسالہ ہئیت	علم شلک	جواب مضمون
علی اکبر	۲۲	۶	۶	۱۹۸	٠	٠	۳	۴۸	۴۹	۵٠	۵٠	۴۳	۲۵	۴۸	۳۵
عبدالرحمن	۲۳	۶	۶	۱۹۸	٠	۱	۲	۴۶	۴۸	۴٠	۴۴	۳۶	٠	۴۷	۳۶
شمس الدین	۲۵	۶	۶	۱۹۸	٠	٠	۳	۳۹	۴۶	۴٠	۴۵	۳٠	۲۵	۴۶	۴٠
عدد مساوی	۲۳ ۲/۱۲	۶ ۶/۱۲		۳	٠	٠	۱/۳۵	۴۴	۴۸	۴۳	۴۶	۳۶	۱۷	۴۷	۳۷
فریق دوم	٠	٠	۔	٠	٠	٠	٠	ہدایہ	[illegible]	دیوان متنبی	جامع التواریخ	ایضاً	،،	۔	۔
ریاض الدین	۲۱	۵	۳	۲٠۱	٠	٠	٠	۵٠	۴۹	۵٠	۴۸	۳٠	۲۵	۴۶	۳۴
کریم بخش	۲٠	۴	۷	۱۹۸	٠	۳	۱	۴٠	۴۲	۳۹	۴۶	۲۹	۳٠	۴۹	۳٠
علی اصغر	۲٠	۶	۶	۱۹۶	٠	۴	۱	۴۲	۴۵	۴۱	۴۱	۲۲	۲۵	۴۸	۳۶
عدد مساوی	۲٠ ۲/۱۲	۵ ۵/۱۲		۳	٠	٠	٠	۴۴	۴۵	۴۳	۴۵	۲۴	۲۷	۴۸	۳۱

Marfat.com

نقشہ جماعت اول عربی اہل تشیع مفوضہ مولوی جعفر علی صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک: حاضر	رخصت	[illegible]	بیمار	شرح لمعہ	معالم الاصول	تاریخ یمینی	دیوان [illegible]	جامع [illegible]	[illegible] کلیات	[illegible]	[illegible]	جواب [illegible]
خدا بخش	۴۰	۶	۶	۱۹۶	۰	۰	۵	۵۰	۵۰	۴۶	۵۰	۴۰	۳۲	۵۰	۵۰	۴۰
جماعت دوم	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
محمد حسین	۱۴	۲	۱۰	۱۹۷	۰	۰	۴	۵۰	۵۰	۴۹	۴۲	۲۷	۳۴	۴۰	۵۰	۰
محبوب علی	۱۶	۲	۷	۱۰۵	۰	۰	۳۶	۴۱	۳۵	۴۳	۴۵		۲۶	۴۰	۴۰	
منور حسین	۲۲	۲	۵	۱۸۲	۰	۰	۱۹	۴۱	۴۰	۴۳	۲۹	۲۹	۲۰	۱۹	۳۴	۲۳
عدد متوسط	[illegible]	[illegible]		[illegible]			[illegible]	۴۴	۴۲	۴۵	۳۸	۳۰	۲۷	۳۳	۴۱	۲۳
فرقہ سوم	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	جغرافیہ				
محمد جعفر	۱۷	۶	۶	۱۵۶	۰	۰	۴۵	۴۷	۵۰	۰	۴۳	۴۰				
مشتاق علی	۱۴	۲	۱۰	۳۰۰	۲	۰	۱	۴۰	۴۰	۴۹	۴۴	۵۰				
حسین بخش	۱۴	۲	۱۰	۳۰۱	۰	۰	۰	۴۹	۴۶	۴۰	۴۰	۴۶				
امیر مرزا	۱۵	۶	۶	۱۹۵	۰	۰	۶	۴۶	۴۸	۴۸	۱۸	۴۵				
اعجاز حسین	۱۵	۱	۷	۱۷۵	۰	۶	۱۹	۴۹	۵۰	۲۱	۱۲	۴۰				
میر محمد حسن	۱۳	۳		۱۹۷	۰	۰	۲۴	۳۸	۳۸	۲۹	۰	۲۰				
مرزا محمد حسن	۱۴	۲	۱۰	۱۰۵	۰	۲۰	۷۶	۲۵	۱۵	۵۰	۰	۳۰				
عدد متوسط	[illegible]	۳ [illegible]		۶		[illegible]	[illegible]	۴۱	۴۱	۳۴	۳۱	۴۰				
فرقہ چہارم	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	[illegible]		[illegible]	حساب	[illegible]				
علی نقی	۱۳	۲	۴	۱۹۷	۰	۰	۴	۵۰		۵۰	۳۶	۵۰				
محمد مرزا	۱۵	۳		۱۹۰	۰	۹	۶	۵۰		۴۲	۳۳	۴۴				
جعفر علی	۱۶	۶		۱۷۵	۰	۵	۲۱	۳۲		۲۶	۳۳	۴۴				
عنایت حسین	۱۵	۲	۱۰	۱۹۳	۰	۱	۱۶	۴۰		۲۰	۳۰	۲۸				
علی محمد	۱۲	۲	۱۰	۱۸۳	۰	۰	۱۸	۳۸		غیر حاضر	۳۰	۵				
تجمل حسین	۱۳	۲	۱۱	۱۷۴	۰	۱۰	۱۷	۵		۲۱	۲۸	۳۶				
عدد متوسط	۱۴	[illegible]		[illegible]		[illegible]	[illegible]	۳۸	۴	۳۲	۳۱	۳۴				

Marfat.com

نقشہ جماعت دوم عربی مفوضہ مولوی سید محمد صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	شرح ملا نصف	شرح ... تمام	... نصف آخر بسوری	قدوری نصف اول	علم مثلث	تاریخ	جبر مقابلہ	مساحت	تحریر	جواب مضمون
خواجہ ضیاء	۱۱	۶	۶	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۵۰	۴۵	۵۰	۴۵	۳۶	۴۰		۳۱
محمد تقی	۱۹	۲	۷	۱۸۱	۰	۰	۳۰	۵۰	۵۰	۴۲	۴۳	۵۰	۳۴	۴۲	۳۰	۰	۲۰
محمد ہاشم	۱۷	۵		۱۹۲	۰	۰	۵	۴۸	۴۸	۴۳	۴۴	۵۰	۲۳	۲۵	۲۰		۲۳
محمد ...	۱۹	۲	۶	۲۰۰	۰	۰	۱	۴۰	۴۴	۴۹	۴۸	۵۰	۳	۳۰	۳۳	۴۳	۲۰
علی احمد	۱۳	۱		۲۰۰	۰	۰	۱	۴۸	۴۸	۴۸	۴۸	۰	۳۱	۳۰	جغرافیہ ۴۰	۴۹	۳۴
نذیر احمد	۱۲	۱	۳	۱۹۹	۰	۰	۲	۴۲	۴۰	۴۸	۴۸	۰	۳۰	۰	جغرافیہ ۲۰	۳۰	۲۵
رحمت شاہ	۲۰	۲	۸	۱۸۴	۰	۰	۱۷	غیر حاضر	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ
سعید الدین	۲۰	۵		۱۹۳	۰	۰	۶	ش	۰	۰					۰	۰	۰
رادھا کشن	۲۱	۶	۶	۱۸۱	۲۳	۰	۷	مرض ... سبب ... [illegible]									
عدد مساوی	۱۸ ۱/۱۲	۴ ۱/۱۲		[illegible]	۳/۲۵	۰	۹/۲۵	۴۶	۴۶	۴۲	۴۲	۵۰	۳۵	۳۲	۳۰	۴۰	۲۵
فریق دویم								کافیہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	تاریخ	جبر مقابلہ	مساحت			
ضیاء الدین	۱۰	۴	۶	۲۰۶	۰	۰	۱	۵۰	۵۰	۵۰	۱۵	۴۸	۳۱	۵۰			
... بیگ	۱۹	۶		۱۸۸		۱	۵	۲۸	۳۳	۴۰	۲۸	۴۰	۳۵	۵۰			
سراج الدین	۱۷	۲		۱۹۴		۱	۲	۳۱	۳۰	۳۱	۳۰	۴۰	۳۵	۴۱			
عبد الرزاق	۱۷	۱		۱۹۴		۳	۴	۴۶	۴۵	۵۰	جغرافیہ ۲۵	۲۰	حساب ۲۰				
کریم الدین	۱۵		۷	۸۰			۱۱	۴۳	۴۱	۴۳							
حفیظ الدین	۱۲	۲	۶	۱۶۱	۰	۰	۲۳	بیمار	بیمار	بیمار	۰	۰	۰	۰			
عدد مساوی	۱۴	۲ ۱/۱۲		[illegible]	۰	۲/۴۰	۶/۲۵	۴۳	۴۱	۴۴	۳۴	۳۷	۴۰	۲۱			

Marfat.com

نقشہ جماعت ۱ فارسی مدرسہ [illegible]

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسے میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	فارسی تحریر، شاہنامہ	اقلیدس	جبر و مقابلہ	تاریخ
کدار ناتھ	۱۹	۵	۱۱	۱۸۶	۰	۰	۱۴	۴۹	۵۰	۳۰	۵۴
دہرم داس	۱۸	۲	۳	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۳۰	۴۰
بہاری لال	۱۷	۲	۷	۱۶۳	۳۳	۰	۵	۵۰	۴۵	۴۰	۴۴
رام سہائے	۱۶	۲	۷	۱۳۶	۳۲	۰	۳۲	۴۷	۴۸	۳۰	۳۰
ذکاء اللہ	۱۵	۲	۹	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۴۵	۵۰
رستم [illegible]		۲	۱۰	۱۵۵	۰	۰	۴۶	۱۳ر	۲ر	۲ر	۰ر
عدد متوسط	۱۶ ۸/۱۲	۲ ۷/۱۲		۰ ۵/۲۵	۶/۲۵		۱۲/۲۵	۴۹	۴۸	۳۵	۴۱
فریق دوم	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	سکندر نامہ، بہار دانش	۰	جغرافیہ	
قاسم علی	۱۵	۲	۸	۱۹۹	۰	۰	۲	۴۹	۴۵	۵۰	
مرزا [illegible]	۱۲	۳		۱۹۲	۰	۰	۹	۴۰	۴۹	۴۵	ریڈر نمبر دوم ۴۰
سکندر علی	۱۶	۲	۱۰	۱۸۴	۰	۰	۱۷	۴۸	۳۶	۵۰	
آغا علی	۱۶	۳	۱۱	۱۹۶	۰	۰	۵	۵۰	۴۴	۳۵	
محمد رسا	۱۶	۳	۳	۱۹۵	۰	۰	۶	۴۸	۴۰	۳۵	
کشن	۱۴	۳	۸	۱۹۱	۰	۴	۶	۳۲	۳۰	۵۰	ریڈر نمبر سوم ۳۶
حسین خان / بیر علی	۱۵ / ۱۶	۳ / ۲	۶ / ۶	۲۰۱ / ۱۷۱	۰ / ۱۵	۰ / ۱۵	۰	۳۸ / ۲۵	۱۰ / ۳۹	۱۰ / ۳۶	
حکما	۱۶	۳	۸	۱۰۴	۰	۰	۲	۴۰	غیر حاضر	۳۶	
چھوٹی لال	۱۵	۲	۷	۱۸۰	۰	۹	۱۲	۳۰	۳۳	۳۵	
سعد الدین	۱۶	۲	۱	۱۷۰	۰	۱۶	۱۵	۳۰	۴۰	۲۰	
کریم الدین	۱۶		۶	۵۹	۰	۰	۲۳	۳۸	۰	۰	
دینا ناتھ	۱۴	۲	۱۰	۱۷۱	۰	۵	۲۵	۲۵	۱۸	۱۰	
رحیم بخش	۱۵		۴	۷۳	۰	۰	۲۰	۳۲	غیر حاضر	غ	
ولی اللہ	۱۷	۳	۵	۱۸۵	۰	۰	۱۶	۱۴۰	۱۵	۳۴	
عبد الرزاق	۱۲		۲	۳۶	۰	۰	۰	۳۰		۰	
	۱۳ ۷/۱۴	۲ ۰/۱۴		۱۱ ۱۶/۲۵		۷/۲۵	۲۰/۲۵	۳۶	۳۰	۳۴	

Marfat.com

نقشہ جماعت سوم [illegible]

نام	عمر	مدت تحصیل در مدرسہ ہٰذا: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری: حاضر	غائب	رخصت	بیمار	شرح ملا جامی تمام	[illegible] تمام	[illegible]	کلید [illegible]	تحریر	جغرافیہ	[illegible]	حساب	
پیرالٰہی	۱۹	۴	۴	۱۰۷	۰	۱۷	۲۳	۳	۳	۳	۳	۰	۰	۱۰	۰	۰
مسیح اللہ	۱۷	۲	۱۰	۱۸۸	۰	۰	۱۳	۳۵	۳۵	۲۵	۱۰	۴۰	۲۰	۲۰	۳۵	
محی الدین	۱۵	۱	۱۱	۱۹۰	۰	۱	۲	۴۹	۴۰	۳۵	۲۰	۴۴	۳۵	۳۰	۳۵	
رحیم بخش	۱۶	۳	۲	۱۹۳	۰	۰	۸	۴۹	۳۳	۳۰	۴۰	۵۰	۴۵	۳۰	۳۵	
عدد مساوی	[illegible]	[illegible]		[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	۳۴	۲۸	۳۲	۱۸	۴۴	۳۳	۲۵	۳۵	
فریق دوم	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	جغرافیہ	[illegible]	[illegible]	
اصغر علی	۱۵	۱		۱۳۷	۰	۴۶	۱۹	غیر حاضر	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ	غ
عبدالرحمٰن	۱۸	۳	۶	۱۰۳	۰	۱۸	۳۰	۳۵	۴۰	۴۸	۴۰	۴۴	۴۰	۲۰	۳۵	
عبدالعزیز	۱۴	۱	۱۰	۱۹۵	۰	۰	۶	۳۹	۵۰	۵۰	۴۰	۴۰	۳۰	۲۰	۳۵	
غلام حیدر	۱۵	۲	۳	۱۹۶	۰	۲	۲	۳۸	۴۰	۴۵	۳۰	۴۸		۴۰	۴۰	غ
مظفر حسین	۱۵	۱	۱۰	۱۹۷	۰	۲	۲	۲۸	۲۶	۳۵	۲۵	۲۰	۹	غ	۱۵	
عدد مساوی	[illegible]	[illegible]		[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	۳۵	۳۹	۴۴	۳۵	۳۱	۲۶	۲۷	۳۱	
فریق سوم	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	میزان	[illegible]	تحریر	جغرافیہ	[illegible]	[illegible]			
عبدالرحمٰن	۱۷	۲	۶	۲۰۱	۰	۰	۰	۵۰	۵۰	۴۵	۳۲	۴۰	۴۵			
عبداللہ	۱۳	۲	۶	۲۰۰	۰	۱	۰	۵۰	۴۵	۳۴	۳۶		۳۶			
نورالحسن	۱۵		۱	۱۷	۰	۰	۰	۴۸	۴۰	۴۶	۳۳		۴۳			
پیر بخش	۱۸	۶	۶	۱۹۴	۰	۰	۷	۴۰	۳۰	۳۶	۳۰	۳۵				
موہن لال	۱۴	۶	۶	۱۹۰	۰	۵	۶	۳۵	۰	۴۰	۴۰	۲۰	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
خواجہ بخش	۱۶	۱		۱۷۶	۰	۰	۱۲	۴۸	۴۵	۳۵	۲۰		۳۰			
ابراہیم	۱۴	۱	۱۰	۱۱۴	۰	۵۸	۲۶	۱۰	۳۵							
سلطان بخش	۱۱	۱	۳	۱۳۱	۰	۳۴	۳۶	غیر حاضر								
عدد مساوی	[illegible]	[illegible]		[illegible]	۰	[illegible]	[illegible]	۴۰	۴۱	۳۵	۳۳	۳۲	۳۷			
[illegible]	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	میزان [illegible]	[illegible]							
[illegible]	۱۵	۱/۲		۱۱	۰	۰	۰	[illegible]								
[illegible]	۱۵	۱/۲		[illegible]	۰	۰	۰	۲۲	۲۵							
[illegible]	۱۵	۳		۱۰	۰	۰	۰	۲۰	۳۰	[illegible]						
عدد مساوی	۱۵	[illegible]		[illegible]				۲۰	۲۵							

Marfat.com

نقشہ جماعت سوم فارسی مفوضہ مولوی احمد علی صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں: سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک: حاضر	رخصت	بلاسبب	بیمار	دستور الصبیان	حساب
مرزا علی	۱۳	۳	۰	۱۹۵	۰	۰	۶	۵۰	۴۰
علی بخش	۱۱	۱	۹	۱۹۶	۰	۰	۵	۴۸	۴۰
کا لکا	۱۳	۱	۶	۲۰۱	۰	۰	۰	۴۴	۴۸
علی حسین	۱۴	۱		۲۹۲	۰	۰	۹	۴۱	۴۳
جانکی	۱۳	۲	۱۱	۱۹۳	۰	۰	۸	۴۰	۳۸
نراین	۱۶	۰	۵	۷۲	۰	۰	۱۰	۴۰	۳۷
نانک چند	۱۲		۷	۱۳۱	۰	۰	۰	۴۳	۱۹
ابراہیم	۱۵	۱		۱۷۶	۰	۷	۸	۴۰	۲۴
محمد حفیظ	۱۳		۶	۱۳۱	۰	۰	۱۳	۴۴	۱۵
قادر داد خان	۱۳	۳	۸	۱۷۵	۰	۰	۲۶	۴۰	۳۰
آغا میر	۱۵	۲	۸	۱۹۹	۰	۰	۲	۳۵	۴۲
رحمت اللہ	۱۶	۴		۱۹۲	۰	۰	۹	۳۰	۴۷
رحیم بخش	۱۳	۱	۹	۱۹۳	۰	۰	۹	۳۸	غیر حاضر
نوبت	۱۳	۰	۳	۶۰	۰	۰	۱۲	۳۶	۲
نراین داس	۱۵		۳	۶۰	۰	۰	۱۲	غیر حاضر	۱۳
حبیب الحسن	۱۵		۶	۱۱۱	۰	۰	۱۸	بیمار	بیمار
بچن	۱۳		۸	۱۱۶	۰	۱۰	۲۱	غیر حاضر	۲۶
عبدالکریم	۱۵		۶	۷۳	۳۳	۰	۳۰	غیر حاضر	غیر حاضر
عبدالرزاق	۱۵	۱		۱۱۰		۵۰	۴۰	غیر حاضر	غیر حاضر
[illegible]	۱۳ ۹/۱۳	۱ ۷/۱۲	۔	۱۳[illegible]	۳/۲۰	۲/۲۰	۱	۴۲	۳۳

Marfat.com

نقشہ جماعت دویم فارسی مفوضہ مولوی محسن علی خاں صاحب

نام	عمر	مدت تحصیل اس مدرسہ میں — سال	ماہ	حاضری و غیر حاضری جنوری سے اکتوبر تک — حاضر	رخصت	بلا سبب	بیمار	زلیخا نصف اخیر	جغرافیہ	حساب
علی حسن	۱۴	۱		۱۶۵	۱	۱۰	۲۵	۴۵	۰	۴۲
محمد یحییٰ	۱۷	۱		۱۹۱	۰	۰	۱۰	۴۶	۰	۰
شیوراج	۱۷	۲	۱۱	۱۹۰	۰	۰	۱۱	۳۹	۵	۴۳
درگا	۱۷	۲	۸	۱۵۹	۰	۲۰	۲۲	۴۴	۵	۳۳
نجم الدین	۱۳	۲		۱۹۶	۰	۱	۴	۳۶	۰	۳۵
نراین داس	۱۵	۳	۷	۱۴۱	۰	۵	۵۵	۳۰	۱۰	۳۵
علی بخش	۱۸		۱	۱۷	۰	۰	۰	۳۶	۰	۰
وزیر علی	۱۴	۲	۱۱	۱۷۷	۳	۰	۲۱	غ	۰	۲۲
غلام رسول	۱۷		½	۸	۰	۰	۰	۴۶	۰	۰
عبد الرحمن	۱۶		½	۸	۰	۱	۰	۳۶	۰	۰
عدد مساوی	۱۵ ۱۰/۱۲	۱ ۹/۱۲		۷ ۲/۲۵		[illegible]/۲۵	۱۷/۲۵	۳۲	۷	۲۸

Marfat.com

Marfat.com

مکتوب نگار

(ڈاکٹر اشپرینگر کے نام مراسلات کی عکسی نقول)*

۱۔	مولانا مملوک العلی نانوتوی	(سابقہ صفحات ۳۳-۷۸)
۲۔	مولانا محمد احسن نانوتوی	(ایضاً، ۷۹-۹۰)
۳۔	مولانا محمد مظہر نانوتوی	(ایضاً، ۹۲-۱۰۲)
۴۔	مولانا ذوالفقار علی دیوبندی	(ایضاً، ۱۰۳-۱۱۳)
۵۔	مولوی کریم الدین پانی پتی	(ایضاً، ۱۱۴-۱۴۶)
۶۔	مولوی محمد سدید الدین خاں	(ایضاً، ۱۴۷-۱۶۱)
۷۔	مولوی سید علی اکبر سونی پتی	(ایضاً، ۱۶۲-۲۳۹)
۸۔	مولوی سید برکت علی	(ایضاً، ۲۴۰-۳۰۴)
۹۔	منشی اشرف علی واسطی	(ایضاً، ۳۰۵-۳۵۱)
۱۰۔	منشی محمد ابوالحسن فرید آبادی	(ایضاً، ۳۵۲-۳۸۲)
۱۱۔	مولوی خدا بخش	(ایضاً، ۳۸۳-۳۸۹)
۱۲۔	متفرقات (محمد حسین آزاد وغیرہ)	(ایضاً، ۳۹۰-۴۰۶)

* (الف) ان نقول کی ترتیب سابقہ صفحات کے مطابق رکھی گئی ہے (دیکھئے، ص ۳۳-۴۰۶)۔

(ب) مطبوعہ متن کی طرح ان خطوط کی نقول کو بھی زمانی ترتیب سے درج کیا گیا ہے۔

(ج) یہاں ہر مکتوب نگار کے نام کے ساتھ قوسین میں مطبوعہ خطوط کے صفحات نمبر لکھ دیئے گئے ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

عزیز برادر سلامت

کتاب اصطلاحات مصنف کی ہے تھی کہ جسکا ذکر میں
حضور میں کیا تھا نام اوسکا کتاب اصطلاحات الفنون ہے احقر کے گمان میں
مقدار اوسکی قاموس سے کم نہیں اور وہ کتاب وطن میں بعض دوستوں کے
پاس ہے اگر خدا چاہے اب کی بار امتحان کے بعد جو وطن کو جاؤنگا
اوس کتاب کو مالک سے مستعار لیکر اپنے ہمراہ لاؤنگا بعد ملاحظہ کے صاحب کو
نقل اوسکی لکھوانی کا اختیار ہے واجب تھا عرض کیا فقط

Marfat.com

غریب پرور سلامت ۱

پروانہ حضور کا بھی سربلند کیا مضمون اوسکا مولوی محمد منیر کو
لکھہ بھیجونگا خط مولوی صاحب موصوف کا لکھا ہوا ۲۶ شوال کا آیا تھا لکھا تھا کہ بسبب کثرت
بارش کی چھپنا قاعدہ کا نہیں ہو سکتا شاید ۱۵ ذیقعدہ تک چھپنا ہو اغلب ہے کہ اب تو
قاعدہ چھپ لیا ہوگا لیکن اور خط نہیں آیا لکھا تھا کہ بسبب گران فروشی اور بے پروائی تاجر
کی اور نیز بسبب پرانی مکان کی میں خرید لیے ہیں کتب کی انتظار جواب کا نکر سکا اور میں
اول دہلی میں اور بعد ازاں وطن میں اور بعد اوسکی بہار میں بھیجونگا خلاصہ مضمون
خط کا یہ تھا لیکن وہ خط اوپر کی والد یا میں بھیج دیا اس سبب سے نقل اوسکی نہیں لکھی بھی آپ
جو حضور نے واسطے طلب بخاری شریف اور جامع ترمذی کی حکم بھیجا تھا احقر نے جامع ترمذی
نیر صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجی تھی اور واسطے نہ دینی بخاری شریف کی عذر کیا تھا کہ اگر
کوئی لکھنؤ میں اسکی نقل چھاپی تو ہمارا نقصان متصور ہے صاحب بہادر نے فرمایا کہ ڈاکٹر
صاحب بہادر اقرار کرتے ہیں کہ ہم وہ کتاب کسی کو نہ دینگے تو ناچار سیپارہ بخاری شریف
کی بھی جسقدر چھپے تھی صاحب بہادر کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنا عذر بھی عرض کیا تھا سو
انہوں نے آپ کو لکھا ہوگا ترمذی انشاء اللہ تعالی تین مہینے میں یا کچھہ زیادہ میں تمام ہوگی دو دور
در چھپتی ہیں اور چھپنا بخاری شریف کا ابھی ملتوی ہے بعد تمامی اس کتاب کی شروع ہوگا جب حضور
تشریف لاوینگی ملاحظہ سے گذریگا احقر کو ہر وقت خیال عنایات اور اخلاق حضور کا رہتا ہے
اور زبان پر آتا ہے اللہ تعالی جلد تر ملاقات نصیب فرماوے واجب تھا عرض کیا فقط

عرضی [illegible] ۹ [illegible]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

[illegible] کا [illegible] مکان [illegible]

[illegible] حضرت [illegible] لکھا ہے [illegible] کی [illegible]

[illegible] مکان جانب شرقی میں [illegible] بالفعل [illegible]

[illegible] ایک [illegible] میں [illegible] طرف [illegible]

[illegible] مکان [illegible] میں [illegible] سے [illegible]

[illegible] میں [illegible] حجرہ ہے [illegible]

[illegible] زیارت [illegible] ہیں اور [illegible]

[illegible] میں [illegible] اب بھی [illegible]

[illegible] معلوم نہیں اور [illegible]

بالفعل [illegible] کی کتابوں میں [illegible]

معلوم ہے حضرت [illegible] صحیح [illegible] اکثر [illegible]

[illegible] زبان [illegible]

[illegible]

... بندہ نے حضور کا بھیجا خط مولوی علی اکبر کی بابت ...

ہوا تو اس وقت میں ... مستند خرید کتب کی بابت محمد علی کتاب فروش کی ... بھیجا

بھیجے اور فہرست کتب ... کے ہی حسب ہدایت ... معین ہوئی ... صاحب ...

... ان دنوں دہلی میں ... لیتے ہیں ... مصالحہ کا ... ہوا ہی

... ان کو چلیا ہوا ... حسب ... حسبِ ... ملک ...

ہوا اور تاریخ ... حسب ... کی ... ہو کر ... خط ... عرض ...

میں ... کہ ہم کو ... ہمارے ... کلکتہ کو ... [illegible]

مناسب ہی ہوا ... حضور ... ہی اگر چلیا ... معیت حضور کی ہو ...

زمانے حضور کے ... کی صورت نکلی تو مناسب تر تھا ... تھا ...

... حضور کے کلکتہ میں ان کی ... نسبت بہت اچھا ہی ہے ... حضور نے ... [illegible]

لکھا تھا کہ ہمیں تیری طرف سے ... لکھ بھیجی ہے ... کر رہا ... خوشنود

... اور قرین کلام حضور کی ہی اس مطلب پر ... حضور ...

منظوری یا عدم منظوری ... لکھ بھیجنا ... کا ... کرو ... خوشنود

... میں حکم ہوا ہو ... مجھی اطلاع ہو تا کہ عرض معروض مناسب ...

... عرض اس عرض سے ... کہ اس عرض کے جواب ... حال مفصل کو ...

اور حسب ... دہلی میں ... حال ایسا ... کرونگا اور حسب ... حصہ

... صورت ... زیادہ ... اشتیاق ملاقات ... کری فقط

Marfat.com

باقی عرض یہ ہے کہ مولوی محمد مظہر [illegible] درپیش حضور کے دہلی میں موجود ہیں
اگر حضور کو ان کا خیال رہیگا تو بندہ نوازی اور پرورده پروری سے ہو
ہوگا اس سے زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں کہ [illegible] بندہ پروری [illegible]

[illegible]

Marfat.com

غریب پرور سلامت

عنایت نامہ حضور کا دستخطی مورخہ چھٹی سے ہوا صاحب بہادر سکریٹری کو
مدارس کی معرفت ملا صاحب بہادر کا بیسویں جولائی کو حضور کی پاس بھیجا معروض [illegible] جیسا کہ حضور نے
ارشاد فرمایا اگر آپ کی رای میری رای کی موافق ہو تو اپنی درخواست معہ عرضی جلدی
بھیجی سو یہ ناچیز حضور کی نزدیک بہت مناسب ہے کہ بعد حصول جواب اس عرضی کی عرضی آخر
اگست تک حضور کی خدمت میں اپنی درخواست معہ حضور کی چٹھی کی بھیجوں گا اور وہ جو [illegible]
پہنچی حضور کی اور آخر اکتوبر کی اور بھیجا اور وسط نومبر میں ارقام ہوا ہے حضور کی عرضی
میں بھیجا اور کلکتہ بعد اس لیے حضور کی مناسب ہے آئندہ جو حکم ہو گا تعمیل میں آوے گا حضور
طرح سے خیال معیشت کی خوش و خرم ہیں لیکن ایک امر سے جو خلجان طبیعت کا ہوتا ہے وہ
یہ ہے کہ آدمی کو اپنی مزاج کا حال بہ زبان انگریزی کی معلوم نہیں ہوتا تو خوف اس امر کا ہے کہ
مبادا بعد پہنچنے کلکتہ کی بسبب عدم موافقت آب و ہوا کی یا اور کسی امر کی حضور کو [illegible]
چھوڑنا پڑے اور اس صورت میں [illegible] رہے گا کہ حضور کی واسطے [illegible] ہو رہی
ہاتھ سے جاتا ہے تو واسطے رفع اس خوف کی اور حصول اپنی اطمینان کی حضور کی عنایت
اور مہربانی سے امید رکھتا ہوں کہ حضور [illegible] اور کوشش فرماویں کہ گورنمنٹ سے حضور کی
لیے حکم ہو جاوے کہ مجھے اختیار رہے دو برس تک اگر چاہوں پھر اپنی عہدہ پر دہلی کی
میں آ جاؤں اور جو کہ حضور کی حقیقت [illegible] برس سے دہلی میں [illegible] کی خدمت کی ہے اور اگر
دو برس میں [illegible] کا دستور ہوتا تو استحقاق پنشن کا حاصل کیا ہے تو حضور کی حق میں بجا ہے
کی ہونا اس حکم کا کہ اس مدت میں جب چاہوں اپنی عہدہ پر آ جاؤں بعید
مناسب سے نہیں اور بدون مدت دو برس کی حال موافقت آب و ہوا کا
معلوم ہوتا دشوار ہے اس لیے کہ بدون ایک برس کی جو چار موسموں پر
مشتمل ہے اور ہر موسم کی ہوا کا مزاج جدا ہے موافقت آب و ہوا کی مزاج سے معلوم
نہیں ہو سکتی اور بالجملہ جبکہ [illegible] جاتی ہیں اور ایک وجہ سامان سفر وغیرہ
میں صرف ہوتا ہے تو اس لیے بدون اجازت مدت دو برس کی اطمینان طبع
حاصل نہیں اور بدون سعی و سفارش حضور کی اس شرط کی اجازت حضور
سے نہیں ہو سکتی [illegible] اور جواب اس عرضی کا بھی منشی اشرف علی صاحب سے
حال نقل کروانے کتاب اللہ خانی کا پوچھا گیا انہوں نے کہا تھوڑی سی باقی رہی ہے چند
روز میں تمام ہو جاوے گی اور الفاظ الادویہ کی مقدمہ میں یہ معلوم ہوا کہ سید محمود صاحب
نے شرکت کسی [illegible] صاحب کی چھپوائی تھی اور سب کی سب [illegible] علی [illegible] کی ہاتھ
بیچ دی ہے لیکن بازار میں [illegible] مل سکتی ہے انشاء اللہ کتاب ایک نسخہ حضور کی
واسطے خرید کر کے اور جلد بندھوا کر ہمراہ رکھوں گا اور ہمراہ لیجانا مناسب [illegible] ہوگا
اللہ آباد تک جہاں تک [illegible] کا [illegible] عمل میں آوے گا اطلاع [illegible] کیا فقط

Marfat.com

عزیز برادر سلامت

حسب ایمای حضور کے جو مولوی علی اکبر کا خط سے معلوم ہوئی تھی عرضی
دربارہ رخصت کے موقوفی عہدہ صاحب بہادر کی دی تھی اور صاحب بہادر نے بسبب عرضی اور ہونے خفا حضور کی سفارش
بھی کی اور کچھ دلیلیں بھی لکھیں لیکن نہایت افسوس ہے کہ وہ درخواست منظور نہوئی اور صاحب بہادر
کو بھی اس امر کا افسوس ہوا لیکن اسباب رائے اور جمیع کاغذوں کی نقل میں اس صورت میں رخصت
ایک سال کی بھی نہو چھوڑیا اور کہ ریزیڈنٹی کا واسطے درخواست عہدہ کلکٹری کی مناسب نہیں اور
اعلیٰ بھی اونکی رائے تھی ان سب کی رائے کی موافق ہوئی اور حضور کو نہ پہنچی درخواست کی منظوری کو عدد
تصور فرماوینگے اور آپ نے اپنی عنایت نامہ میں ارقام فرمایا ہے مجھی اس قدر میں سفارش کر سکتا
اختیار نہیں ورنہ بہر طور متکلف اس امر کا ہوتا ہے واسطے ایک ہی برس کی حضور رخصت فرماویں
تا کسی طرح حضور ہمراہ اپنے حضور سے بچھڑتے ہی لیکن اس امر سے حسرت اور افسوس کی کیا عرض کروں واجب تھا عرض

[illegible]

Marfat.com

غریب پرور سلامت

ارشادات حضور کے زبانی ڈپٹی صاحب بہادر کے احقر نے سنی
اس موقع اور بجا ہیں حسب الارشاد عرضی درخواست رخصت کی ما تحت ہذا بحیثیت رخصت کے
کی ملفوف ہے اگر کچھ عبارت کی کمی بیشی منظور ہو تو اصلاح فرما کے مولوی علی اکبر سے
اور عرضی لکھوا لیں اور احقر نے بلحاظ اس امر کے کہ شاید بسبب طول مدت کے رخصت
منظور نہ ہو ایک ہی سال کی رخصت کی درخواست لکھی ہے لیکن بدون ایک سال
کی رخصت کے حال آب و ہوا کا معلوم نہیں ہو سکتا امیدوار ہوں کہ جب حضور نے
میری پرورش کے لیے ہی اور بوجہ سفارش کا اٹھایا تو واسطے رخصت
ایک سال کی سفارش کیجیے یعنی میری درخواست اسی عرضی کی بموجب منظور کروا دیجیے
شاید حضور کو گمان ہوا کہ احقر نے درخواست رخصت کے واسطے عذر کیا ہے اس میں
یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر احقر کو عذر منظور ہوتا تو عذر اور بہت تھے آپ اگر انصاف
سے نظر فرماویں گے تو احقر کو اس امر میں معذور جانیں گے مجھ جیسے کو اگر روزگار
کا چھوٹ جائے تو پھر ویسا روزگار کہاں میسر ہو سکتا ہے اس جہت سے بھی جانتا
ہوں کہ دستور جاری کا لکھ کر دیکھنا جمع حاصل ہے اور جب تھا عرض کیا احقر کو آج ہی ارشاد
حضور کا پہنچا آج ہی عرضی لکھ کر واسطے جلدی کی منظوری ... کے روانہ بھی کی

مسند

غریب پرور

بسبب خالی ہونے عہدہ امینی مدرسہ کلکتہ ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر

احقر نے زبانی درخواست اوس عہدہ کی کی تھی اور مرکوز اس احقر کو یہ تھا کہ بروقت منظوری
درخواست کے مدرسہ دہلی سے رخصت حاصل کرکے کلکتہ کو روانہ ہونگا اب جو صاحب بہادر نے
وہ مقدمہ تقرر احقر کی اس عہدہ پر ڈاکٹر مواٹ صاحب بہادر کی خدمت میں سفارش کی
اور واسطے بھیجنے درخواست کی احقر کو کہا تو احقر نے واسطے حصول رخصت کی معرفت ٹیلر صاحب بہادر
قائم مقام پرنسپل مدرسہ دہلی کی درخواست اپنی کمیٹی مدرسہ دہلی میں گذرانی صاحبان کمیٹی نے
اوس درخواست کو نامنظور کیا اور احقر کو بابت حاصل کرنے رخصت کا مدرسہ دہلی سے یہ نہی کہ
آدمی کو حال آئندہ کا معلوم نہیں اگر بعد پہونچنے کلکتہ کی آب ہوا اوس شہر کی میری مزاج کے
مخالف ہو یا اور کوئی سبب باعث ہوئی کہ مجھے ترک روزگار کلکتہ کا منظور ہو تو اس صورت میں
میں بالکل روزگار سے محروم ہو جاؤن اس لئے آپ کی عنایات اور مہربانی سے کہ اوپر سب
پڑھنے لکھنے والوں کی مبذول رہتی ہے امیدوار ہوں کہ آپ میری سفارش گورنمنٹ سے کرکے
اجازت اس امر کی حاصل کروا دیں کہ مجھے بعد پہونچنے کلکتہ میں ایک برس تک اختیار رہے
اگر کسی سبب سے چاہوں پھر اپنے عہدہ پر آؤں واجب تھا عرض کیا الٰہی کوکب اقبال کا سرسبز رہے

[illegible]

Marfat.com

غریب نواز سلامت

الطاف نامہ حضور کا پہنچا سربلند کیا موجب حکم کی
تین نسخہ موطا شریف کی بنام قائم مقام ڈاکٹر مورٹ صاحب کی بدستخط سرسل
بہادر کی جو بلحاظ تحریر حضور کی ادہولی کردی کل کی تاریخ میں روانہ کیے
یہہ عرض اس نظر سے کہ حضور نے ارشاد کیا کہ دو نسخہ واسطے مدرسہ کی
خرید کریں اور ایک نسخہ بطور ہدیہ کی اپنی خدمت میں رکھیں پہلی سے لکھہ
بھیجی مولوی سدید الدین خان قریب لہ آباد کی پہنچی خط اونکا آیا تہا بسبب مخالفت
ہوا کی بجرہ سواری کا کم کم چلتا ہے احقر امیدوار ہے کہ گاہ بیگاہ بلطف نامہ
سے جو کار وبار لایق اپنی کی سربلند اور سرفراز ہوتا رہے واجب تہا عرض کیا فقط
قیمت فی نسخہ پانچ روپیہ مقرر ہیں واسطے اطلاع کی عرض کیا فقط

عرضی [illegible] محمد [illegible] ۱۵ [illegible]

Marfat.com

[illegible]

در جواب [illegible] مولوی محمد [illegible] رسید و در [illegible]

[illegible] درخواست [illegible] مدرسه کلکته [illegible] مولوی حافظ محمد [illegible]

کالج [illegible] خدمت [illegible] فرموده [illegible]

[illegible] جناب ممدوح عرض [illegible] حسن لیاقت [illegible]

[illegible] مدرسه کلکته [illegible] خدمت [illegible] امید که [illegible]

فرموده شود و [illegible] الفاظ خوشنودی خود [illegible] از مولوی [illegible]

و حسن لیاقت [illegible] برای عهده مذکوره [illegible] خواهد فرمود و نمیدانم که این

این درخواست [illegible] عرض میکنم [illegible] این [illegible] پرنسپل کالج [illegible]

ملاحظه فرمایند [illegible] مولوی صاحب [illegible]

[illegible] اگر [illegible] روانه شده باشند [illegible]

[illegible] باشند [illegible]

و گلشن اقبال شکفته و ریان باد

[illegible]
محمد حسن [illegible] مدرس [illegible]
[illegible]

غریب پرور سعد گستر جناب ڈاکٹر سپرنگر صاحب بہادر دام اقبالہم

تاریخ ۲۵ جون کو جمعہ کے دن

مولوی علی اکبر مدرس اول مدرسہ آگرہ نے دہلی میں انتقال کیا اور کمال
افسوس ہوا چونکہ اونکا عہدہ خالی ہوا اسواسطے اس احقر نے درخواست
اوسکی آگرہ میں بھیجی ہے لیکن بے توجہ حضور پرنور کے کچھ نہیں ہوسکتا
اور ہم لوگونکو اور کوئی ذریعہ ظاہری بھی نہیں اسی واسطے امیدوار
ہون کہ جتنا جلد ہوسکے احقر کے واسطے یا مولوی محمد مظہر صاحب کے
واسطے سعی فرما دیں تاکہ اپنی مراد کو پہونچکر حضور کے شکر میں رطب
اللسان رہیں اس امر میں عنایت اور شفقت ضرور ہے فقط

آفتاب دولت تابان رہے

[illegible]

Marfat.com

عرضی روز سعادت اندوز بحضور جناب ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر دام اقبالہم

جناب مڈلٹن صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ

آگرہ کی چٹھی جو اجمیر میں گئی تھی معلوم ہوا کہ بموجب حکم لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر کے
سب درخواستیں جو عہدہ آگرہ کی واسطے گذری تھیں حضور والا کی خدمت میں روانہ ہوئی
ہیں بس اگر ان درخواستوں میں درخواست مولوی ذوالفقار علی مدرس مدرسہ بریلی کی بھی ہو
تو میں کچھ عرض نہیں کرتا کیونکہ حضور والا نے سابق انکو چٹھی رحمت فرمائی ہی لیکن
اگر انکی درخواست نہووے تو امیدوار ہوں کہ اس فدوی خاص کی درخواست منظور
فرماکر عہدہ آگرہ پر مقرر فرماویں اور احقر اس شہر میں اکثر بیمار رہتا ہے اور چاہتا ہے
کہ کسی طرح اضلاع مغربی میں ناخن بندی ہو جاوے اگر حضور کی توجہ سے یہ مراد بر آوے
تو بقیہ عمر وطن کے قریب بسر کرکے دعاء دولت ابد پیوند میں مصروف رہوں اور چند
اشعار عربی کے جو اس وقت بلاتکلف قلم برآئے تھے خدمت فیضدرجت میں بھیجتا ہوں
امید ہے کہ الطاف مربیانہ فرماکر قبول کی جاویں اور دعاگو کو ممتاز و سرفراز فرماویں
واجب تھا عرض کیا آفتاب دولت تابان رہے

[illegible]

غریب پرور سلامت

این احقر را مدت چهار سال است که مدرس اول عربی مدرسه

مدرسه پیشاور بوده است و در روپیه بحسب منظوری صدر و خوبی لیاقت خویش مقرر شده بود اوایل سنه ۱۸۴۶ع

برای استسعاد شرف استلام عتبات منیفه بیت الحرام رخصت گرفته و برادر خود را بجای خود گذاشته بعد جد و جهد

بسیار گوهر مقصود بکف آورده مراجعت خواست در وقت فرود آمدن از جهاز و وارد شدن بمبئی رخصت گزینی

مولوی حافظ احمد کبیر صاحب امین مدرسه کلکته از اینجهان فانی تاریخ ... شد نوشت عرضی متضمن حوال خود

و درخواست عهده امینی مدرسه مسطوره بذریعه ڈاکٹر سپرنگر صاحب بهادر پرنسپل مدرسه روانه خدمت حضور فیض گنجور

کرده بودم از آنکه در اثنای راه هستم یقین کلی حاصل شدن عرض بخدمت ... رسیده ... چون جناب معلی القاب

ڈاکٹر سپرنگر صاحب بهادر پرنسپل مدرسه دهلی هم از حال لیاقت و کارکردگی احقر بخوبی آگاهی دارند درخواست من

بذریعه جناب ممدوح الیهم ارسال خدمت فیضدرجت کردم امیدوار است که بحسب انتظام خدمات علمیه و ثبوت مستحق ...

پرورش احقر بعهده مذکوره فرموده شود تا بقیه حیات بلب نان رسیده ...

و حوال کارکردگی و حسن لیاقت فدوی از تسطیر جناب ڈاکٹر صاحب معظم الیهم دریافت فرموده شد ...

گلشن دولت سرسبز باد

[illegible]

Marfat.com

ا

غریب پرور سلامت

جناب عالی فدوی اب تک بیکار ہی اگرچہ
حضور کی سعی اور پرورش بہت ہی لیکن اپنی طالع سے لاچاری ارادہ
مولوی علی اکبر صاحب کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونیکا مصمم معلوم ہوتا ہی
اسواسطے فدوی بھی تمنا رکھتا ہی اگر کوئی خلاف وہاں فدوی کے واسطے بھی ممکن
ہو تو ہمراہ مولوی صاحب حضور کی خدمت عالی میں حاضر ہوں باقی جو حضور کے
نزدیک مناسب ہو عمل میں لاوں کتاب انسان العیون حسب ارشاد موجود ہے
حاضر روانہ کروں بالفعل دیکھی بیع کا ارادہ نہیں ہی لیکن اگر بہت ضرورت
ہوگی لاچار بیع کرونگا اور حضور کو اطلاع دونگا اگر ہمراہی جریدے ادھر

علی اکبر صاحب کی اس سفر میں ہونے نہایت خوشی اور آرزو بھی دعا
واجب جانکر عرض کیا آفتاب دولت تا چمکتا رہے

محمد مظہر

Marfat.com

[illegible]

[illegible] صحیح لکھا ہی اگر خاکسار کو اس مصرع پر سرفراز فرمایئے تو

[illegible] کیا بہتر نہیں تو ایک [illegible] فلک جبین حال اور

اور احقر کو [illegible] مندرج ہو عنایت فرمائیگا اور مولوی [illegible]

میں بندہ [illegible] صدر الصدور کے مقرر ہوئے میں احقر

[illegible] صاحب کے [illegible] میں آیا ہی غالب مصرع [illegible]

[illegible]

Marfat.com

کہ نام ہوگیا ہے مولوی عطا اکبر ہے بسبب اسکے کہ دستے شمولہ قلیل ہیں سو ردیہ

ہیں رہ محنت بہت ہو درخواست نہیں دی — انشا ان العیون لیے

باب میں مجھکو رنج نہیں ہوا اگر احقر کو وہاں طلب فرمائینگے

تو ہمراہ لیکر حاضر ہونگا نہیں تو اگر آپ حکم کریں یا داخل

بھیج دونگا میری یہی آرزو ہے کہ آپ کی خدمت میں رہتا مگر افسوس

کہ میسر نہیں ہوتی ہے اگر کوئی اور مقصد مدرسہ کا وہاں حاصل

ہو یا اردو ترجمہ بخاری شریف وغیرہ کا وہاں پڑھایا جاوے تو بھی

حضور ہم لوگوں کو یاد رکھیے گا جواب اس عریضہ کا موقوف

پر عنایت ہوگا اور جو کام احقر لائق ہو اس سے ہمیشہ سرفراز

فرمائیگا فقط آداب عرض ہے تو باقی کا لکھا ہے

Marfat.com

غریب پرور سلامت

جب سے کمترین خدمت فیضدرجت سے جدا ہوا ہر چند بظاہر اتفاق لکھنے عریضہ کا
باعث سیر و سفر حضور کے کم ہوا ہے مگر بباطن اکثر اوقات بلا دائی شکریہ الطاف و عنایات کریمانہ کے جو قدیم سے نسبت
حقیر مندول ہوئی ہیں مصروف رہتا ہے اور حقیقت میں احسانات جناب عالی کی منہ پر اسقدر ہیں کہ اگر عمر بھر
شکر اونکا کیا جاوے ادا نہو سکیں ۔ اولیتنا من فضلک المنن التی فعلت بنا فعل السحب
بالربی اللہ تعالی عوض میں ان توجہات کے آپکو کامیاب دارین رکھے ان دنوں میں بڑی یافت خبر فرحت اثر یعنی تقرر
حضور کے اوپر عہدہ منتظمہ انتظام کل مدارس کلکتہ کی سجدات شکر درگاہ باریتعالے میں کی گئی خدا تعالی آپکو اس سے
بڑے عہدہ پر سرفراز فرماوے اور ہمیشہ کام روای اہل مطالب رکھے ایک قصیدہ عربی بطور مبارکباد مدح حضور میں
ملفوف عرضی ہے ۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف ۔ یکم دسمبر سے امتحان طلبہ مدرسہ ہذا شروع ہے اور جاری
کہ ۱۷ جنوری تک جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر رونق افروز اس شہر کی ہونگی باقی حالات مدرسہ بدستور
اور احقر کو اشتیاق قدمبوسی حضور از بس خدا تعالی کوئی تقریب پیدا کری کہ ملازمت حاصل ہو [illegible]

امیدوار [illegible] بندہ [illegible]

[illegible] ذوالفقار علی [illegible]

متعلق بہ فہرست

بعد گزارش تسلیمات مؤدبانہ یہ عرض ہے کہ الطاف نامہ حضور کا جواب میں
بھیجی گئی اور موجب عزت و افتخار ممنون کا ہوا اس کے بعد حضور کے پاس بوڈلین کا مطبوعہ فہرست بھیجا گیا
راجہ صاحب بہادر کے حسب ارشاد ختم ہو چکی ہے جس کی نسبت جناب نے فہرست میں دیکھا ہوگا کہ مصنف کے حالات بھی درج ہیں
مجموعہ مطالب اور مقدار صفحات درج کئے گئے ہیں تا کہ ہر نسخہ کی پوری کیفیت معلوم ہو اور جو فہرست
تیار کی جاتی ہے اس میں فہرست ہذا کی ترتیب اور طرز کا لحاظ رکھا گیا ہے اور اس کی تکمیل جلد ہو جائے گی
کتب خانہ کی حالت روشن نہیں ہوتا اور اس میں بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن کی نسبت حضور سے ہدایت درکار ہے
اور فہرست حسب دلخواہ ایک جلد میں کتاب کی طرح چھپ جائے تو بہتر ہے اور مقدمہ میں مختصر حالات
فہرست مطالب میں لکھے جائیں گے اور کتب خانہ مذکور کا سابق میں قبضہ رہا ہے راجہ صاحب کے تحت
ہوا اور سرکار سے دیگر نام زوجہ صاحب راجہ کی طرف سے فہرست تیار ہوئی
ظاہر ہے کہ یہ مقدمہ کتب خانہ کا اور حضور کا منظور ہوگا امید ہے کہ توجہ حضور اس
کار روائی کی نسبت شرف رہے زیادہ آداب باقی

Marfat.com

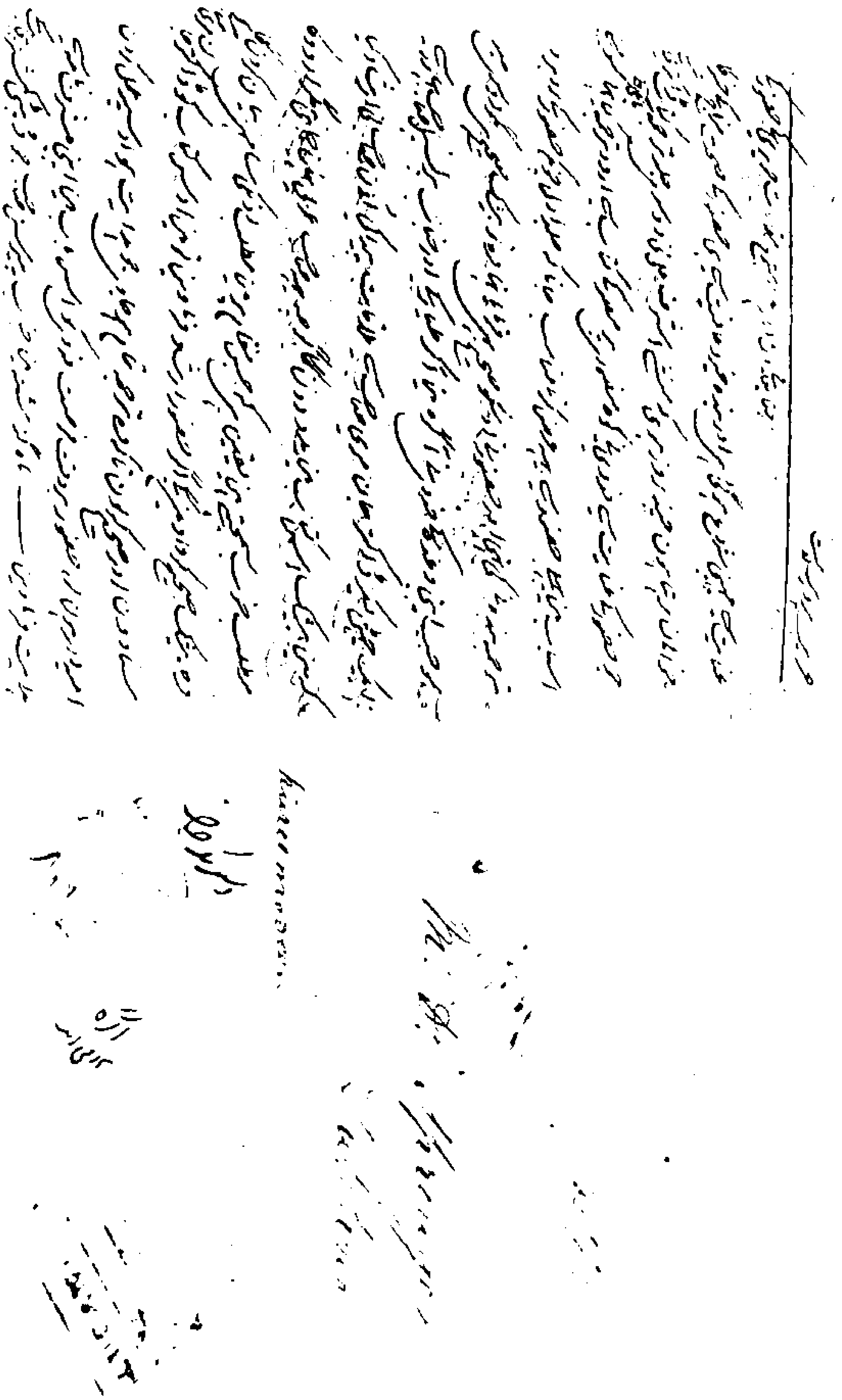

Marfat.com

[illegible]

کیسے ادا ہو سکتا ... سرگشتہ دار دنیا کا گیا ہوا مردہ ... ہمہ جا [illegible]

کر سکتا ... ایک عرصہ ... داخل ہو ... [illegible]

رسالہ ... یقین ہے کہ ... روزگار مشغول ... [illegible]

حضور کے جو عنایت ... حال پر ہے اوسکا شکریہ ادا نہیں کر سکتا ہوں

یہی دعا ہر نماز کے بعد کرتا ہوں ... حضور کی خدمت میں بھیجونا

اگر حضور کو کوئی کتاب تذکرہ شعرا اردو ... میں چھپی ہو تو بندہ کو اوسکی

اطلاع فرمادیجئے گا اور حضور کے کتب خانہ میں کوئی کتاب اصطلاحات

یا ضرب الامثال یا محاورات عربیہ پر ... ہو تو اوسکا نام

بھی اطلاع فرمادیں ... کہ کتاب حضور کے پاس ہی ... فقط

زیادہ ادب

خدمت جناب میم صاحبہ بہت ادب سے بندہ کی طرف سے سلام نیاز ...

اور بابا صاحب کو بھی سلام پہنچے فقط والعبد

کریم الدین ۱۰ [illegible]

Marfat.com

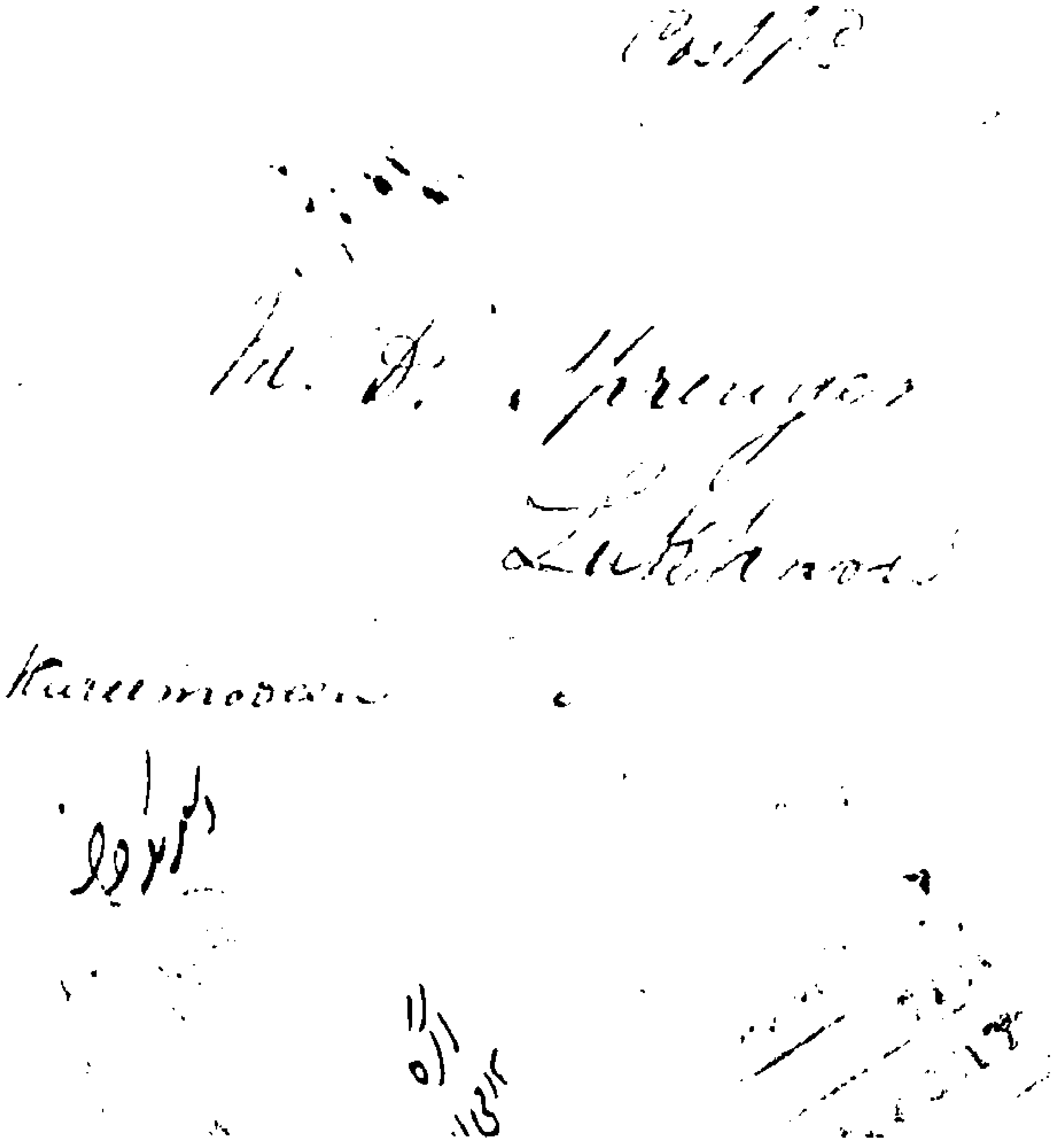
Dr. Sprenger
Lucknow

Marfat.com

چنانچہ بہت دنوں سے ارادہ کرتا تھا کہ حضور کی خدمت

میں ایک عرضی بصورت شکر گذاری اور اپنے حال کے لکھوں مگر حضور سفر میں تھے اور دورہ [illegible]

چونکہ تشریف لیگئے تھے اس سبب سے مجبور رہا اب سنا ہے کہ حضور کا ارادہ [illegible]

ہر چند اگرچہ حضور سے بہت دوری حاصل ہے مگر ہم ہمیشہ بلحاظ شفقت و عنایت حضور کے

اپنے تئیں قریب ہی جانتا ہوں اور جب سے حضور سے جدا ہوا ہوں شکر گذاری میں مصروف ہوں

اور حضور کی عنایت سے اگرچہ میں نے اگر سے زبان سنسکرت تحصیل کی اور اسکی بابت شرح لغات

حریری اچھی طرح پر طیار کرتا ہوں چنانچہ آخر مقاموں کی شرح بہت مختصر اور بہت سے

طور لغت کے چھوڑ دیے ہیں اسکی بابت زمانہ کی کمی اور از سر نو لغت مستعمل کی شرح چھوڑ دی

اور لغت مشہور بہت کثیر ہیں اور بعض مقام پر بیان اچھا کیا ہے مجمل چھوڑ کر مفصل لکھا ہے

یقین ہے کہ اسکی بابت حضور ملاحظہ فرمائینگے تو بہت خوش ہونگے جو جو نقص [illegible]

درمیان ما حضور [illegible] کر دی [illegible] نکال ڈالی ہے اور اسکی [illegible]

طیار کرانی چاہئے اگر حضور [illegible] اور اسکا دیکھنے کو طلب فرماوینگے تو میں عرض [illegible]

Marfat.com

مگر جانتا ہوں ان آپکی عنایت قدیمانہ اور مربیانہ سے اگلی سال گورنمنٹ بنگال مزید مدد
اسکی طبع میں مثل مدد دینی سال گذشتہ گورنمنٹ اگرہ کا دین تو مدد بردی ہوگی
اور یہیں بموجب آپکی وعدہ کے ایک رسالہ حصول درجات میں جنکی اب ہند میں
تشریف رکھتے ہیں لکھ کر بھیجتا ہوں — اور ان دنوں میں بندہ نے سامی
مولوی سید بدالدین خان کو حضور نے مولوی احمد کبیر صاحب مرحوم کی جگہ پر مقرر فرمایا
چنانچہ وہ ابھی سے یہی بیان کرتا ہے کہ میں سوا کرایہ ہو تو بندہ مستحق مدد
عزیز کمال اگرہ کالج حضور کو اطلاع اسکی فرما دیں تاکہ میں گورنمنٹ سے درخواست کروں
کہ وہ سطح پر سید بدالدین یہاں کی بلا حرج سے یہاں کا قسمت کا متولی کر چکی ہیں اور
کر دستکیات رادوری میں سفر کرونگا — ان ایام میں بموجب حکم رینڈ صاحب جنرل وزیر
اضلاع گورنمنٹ اگرہ کی ایک ڈکشنری اردو اور ہندی کی اسطور پر اول خانہ
میں لفظ عربی یا فارسی جو اردو میں مستعمل لکھا ہے اور دوسری خانہ میں اسکی معنی
ہندی بھاشا میں سے طیار کی ہے — اور ایک تاریخ کو بہار ہندی اور اردو کا
اسطرح اس ایک صفحہ پر اردو اور ایکا جو کہ ہر سطر میں دلیل کی لکھی ہیں اور دوسری صفحہ
میں ہندی میں الفاظ مشکل کو حل کیا ہے یہ ہر سہ دونو طیار کیا ہے اور اسکول میں
دونوں کتابیں بموجب حکم گورنمنٹ دیا جاری ہونگا — اگر آپ بنگال میں جاری کرنا چاہیں
تو حضور آپکی ٹیپ میں بھیجوا دینگے تو ان اضلاع کا ...

Marfat.com

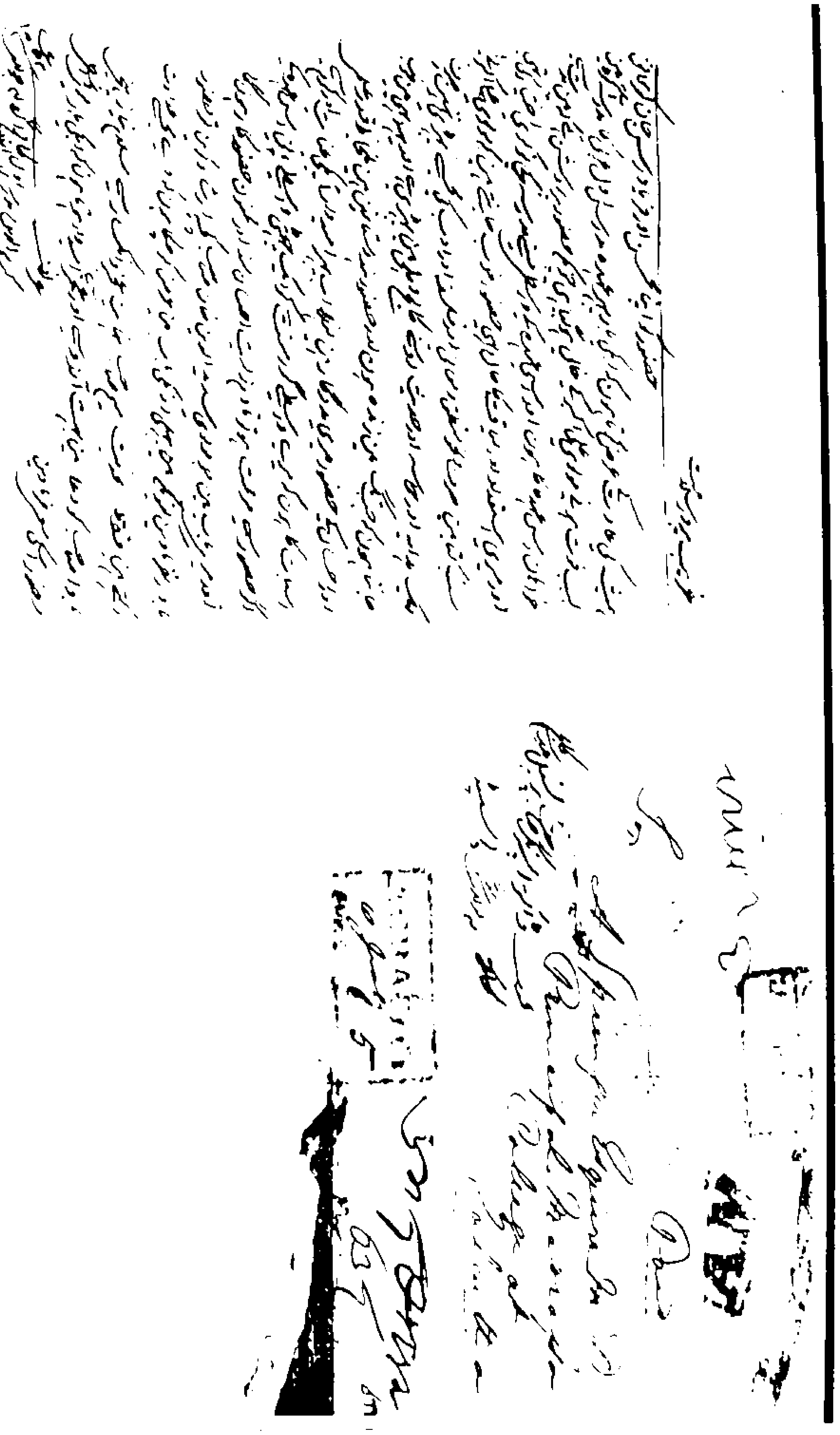

Marfat.com

A History

of

Hindoo Poets

Chiefly Translated from

Garcin de Tassy's Histoire de la

Literature Hindoui et Hindoustani

[illegible]

Delhi College

1848

Price [illegible] Rupees

تاریخ

شعرائے اردو [illegible] شریف فیلن صاحب بہادر [illegible] مولوی کریم الدین [illegible] کی تاریخ

[illegible] عیسوی میں ترجمہ کیا اور [illegible] اردو [illegible] شعرا اور [illegible] کی

دواوین مختلفہ میں سے منتخب کر کے [illegible] مندرج کیا گیا

باہتمام سید اشرف علی مطبع العلوم مدرسہ دہلی چھپی

قیمت چار روپیہ

۱۸۴۸

''طبقات شعرائے اردو''از مولوی کریم الدین پانی پتی (۱۸۴۸ء) باہتمام سید اشرف علی واسطی

[illegible]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

ل

بندہ کا تعالیٰ شانہ متعالی عزت پرور معدلت گستر خداوند نعمت دام اقبالہم

سلامت

بعد عرض نمکخوار قدیمی بہت عجز و نیاز سے آداب و تسلیمات
بجا لا کر عرض کرتا ہے کہ پروانہ کرامت نشانہ حضور کا مورخہ ۳ ستمبر ۱۸۶۵ء فدوی کے پاس ۱۶ ستمبر ۱۸۶۵ء کو
پہونچا سرفراز اور ممتاز کیا فدوی حضور کے تفضلات اور مکارم کی شکرگذاری کیونکر کرے حضور کی
پرورش اور مہربانی اس قدر ہے کہ فدوی جس قدر سپاس گذاری کرے وہ تھوڑی ہے اللہ تعالی حضور کو سلامت رکھے فدوی کی غرض
حضور ہی کا متوسل ہے اور ۷ تاریخ ماہ ستمبر ۱۸۶۵ء کو فدوی نے اپنی درخواست معہ چٹھی سفارش حضور کی روانہ کلکتہ کی
کردی جیسے فدوی کو اپنی تعریف کی اور امید ہے اطلاع ہوگی بہت جلد عزم روانگی کلکتہ کا فدوی نے کیا اور ساتھ
کتاب اصطلاحات الفنون ہے مولوی کریم الدین سے لیکر اپنے ساتھ کلکتہ میں لاکر خدمت فیض درجت حضور میں حاضر کرونگا
اور تمام راہ میں بعض دوستوں سے جو کوئی ہے کتاب تاریخ یا کسی اور فن کی بہم پہونچی گی دیکھی حضور کے لیے لیتا آونگا زیادہ دولت
افضال آفتاب باد

ل

غریب پرور معدلت گستر نوشیروان زمان حاتم دوران ملاذ بیکسان دام اقبالہم

بہت عاجزی سے آداب اور تسلیمات بجالا کر

فدوی عرض پرداز ہے ہزار ہزار شکر ہے کہ صرف حضور کی پرورش سے فدوی مدرسہ کلکتہ میں ایسے بڑے عہدہ پر
مقرر ہوا اور حضور ہی کی مہربانی سے فدوی کی یہ ترقی ہوئی رات دن دل سے حضور کی دعا میں مشغول ہوں
اور حضور کی مہربانی کا بہت شکر گذار اور احسان مند ہوں نویں تاریخ ماہ جنوری ۱۸۶۲ کو فدوی کے پاس چٹھی
درباب تقرر فدوی کی اوپر عہدہ اسسٹنٹی مدرسہ کلکتہ کی پہونچی چونکہ عمل درآمد اس میں بسبب امتحان کی تعطیل کی
اور پرنسپل مدرسہ آگرہ واسطے سیر و شکار کی آگرہ سے بھرت پور کی طرف تشریف لے گئے ہیں اکتیسویں تاریخ ماہ حال کو
مدرسہ کھولیگا جب صاحب پرنسپل بھی آگرہ میں تشریف لاوینگے اوس وقت فدوی مدرسہ آگرہ کا کار اون کے سپرد کر کے
فوراً روانہ بطرف کلکتہ ہوگا اور فدوی نے بموجب ایما کے پہلے ہی سے سامان سفر کا طیار کر رکھا ہے روانگی میں کچھ توقف نہیں
اور حضور کی عنایت سے یہاں سب لوگوں میں فدوی کی آبرو رہ گئی واگرنہ یہاں سب لوگ فدوی سے کہتے تھے
کہ وہ عہدہ تمکو نہیں ملے کا ناحق طیاری سفر کلکتہ کی کر کے اپنا نقصان کیا بالفعل جو فدوی کے پاس اوس عہدہ کی اوپر

Marfat.com

مقرر ہوئی کی سند آ گئی وہ سب طیاری سفر کی ہیں جلدی روانگی کے لیے مفید ہوئی اور دن

جس دن بیان کا کار سپرد کریں آگرہ سے کلکتہ کی طرف روانہ ہونگا اپنی روانگی سے ایک ہفتہ پیشتر

عرض اطلاع حضور کی پاس روانہ کرونگا اور بہت جلد کلکتہ میں پہونچونگا اور جو کوئی کام حضور ارشاد کریں

اوسکو بھی بجا لاؤں اگرچہ یاد ہیں حضور کی کتابوں کا صندوق اب تک روانہ ہوا ہو تو مجھے مطلع کیجئے

کہ ہمارے حفاظت سے ہندی اپنے ساتھ کلکتہ میں لادے اور حضور کی عنایت کا بہت شکریہ عرض

کرتا ہوں اللہ تعالی حضور کو سلامت رکھے زیادہ حد ادب

الٰہی آفتاب دولت و اقبال تابان باد

Marfat.com

بندہ کا نواں استعفا ہی دیدم ایما

بموجب حضور کی ارشاد کی بندہ نے تعمیل کی اور جو طالب علم

کہ مدرسہ میں آتا گیا اوسکو فوراً مدرسہ سے خارج کیا مگر اس وقت سب طالب علم

متفق ہوکر لکریاں ہاتھ میں لیکر اپنی اپنی مکانوں میں چلی آئی اور کہتی ہیں کہ ہمکو

کوئی نہیں نکال سکتا اور نہ ہماری نکال دینا حاکم کی اختیار میں ہے بلا حکم کونسل کی ہمکو

نکال نہیں سکتے اب ہم نہیں نکلیں گے اگر پولیس کے آدمی ہمکو نکالنے آوینگے تو ہم اونکو بھی

ماریں گے مگر نکلیں گے نہیں بہت آدمی متفق ہوکر یہ بات کہتی ہیں کہ اگر پولیس کی آدمی ہمکو

نکالنے آوینگے تو ہم فوجداری کریں گے مگر نکلیں گے نہیں بالفعل غور اور تامل سے حضور جناب

ارشاد ہوئیں اوسپر عمل کیا جاوے بندہ بعد حضور کی حکم کی فوجداری سے بھی نہیں ڈرتا

العارض روزن نابان

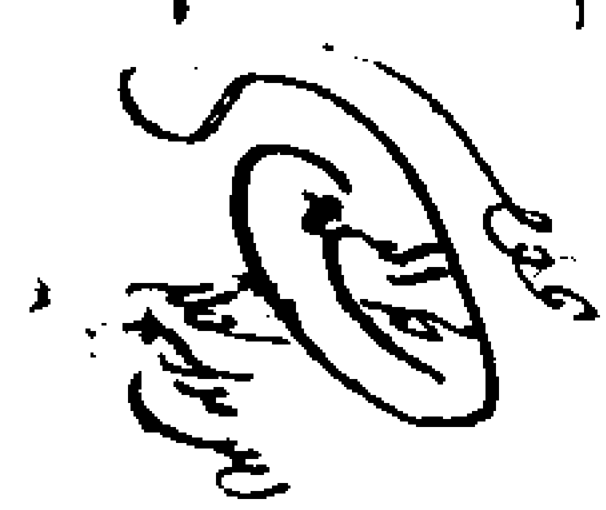

Marfat.com

هو الغنی

بحضور پرنسپل صاحب بہادر مدرسہ کلکتہ دام اقبالہم

عبدہ

Marfat.com

[illegible]

کرتا ہی کہ فدوی کو بہت ضروری امر حضور سے عرض کرنا ہی

اور فدوی کا [illegible] میں حاضر ہونا بجز جمعہ کے نہیں ممکن ہی اور حضور نے

ارشاد نہیں فرمایا تھا [illegible] مدرسہ میں [illegible] حال میں تشریف فرما ہونگے

اگر حضور بالفعل [illegible] میں تشریف لاویں [illegible] حضور کا [illegible]

[illegible]

Marfat.com

اور جو کچھ حضور پر نور ارشاد فرماتے ہیں کہ بعد خط کا جواب جلد لکھا منشی محمد حسن مرحوم

بیٹی کے پاس ندوی کو لکھنا ہی اور عذر دریافت کریں حضور کے

یہ بات ٹھیک نہیں ہے جیسا کہ وجہ ترنیب کے بعد ہی ...

سے محمد حسن خان مرحوم کا نام پور میں رہتی ہیں اور وہ

... لکھنؤ میں بھیجا تھا لکھنؤ سے وہ خط ... کا نام پور میں گیا

... ادھر ہی پاس اٹھو تھا اور جواب حاصل ہوا اور حضور

... تھوڑے عرصے میں مرحوم کے لڑکی نے ... حضور کو ... عرضی

... کر ندوی پر جواب اور اسکا لکھنا ہے اور ...

... اگر حضور کو تکلیف ... دی ... فورا

... کے پاس ... ہر ... خط ... جلد

... ...

... ...

Marfat.com

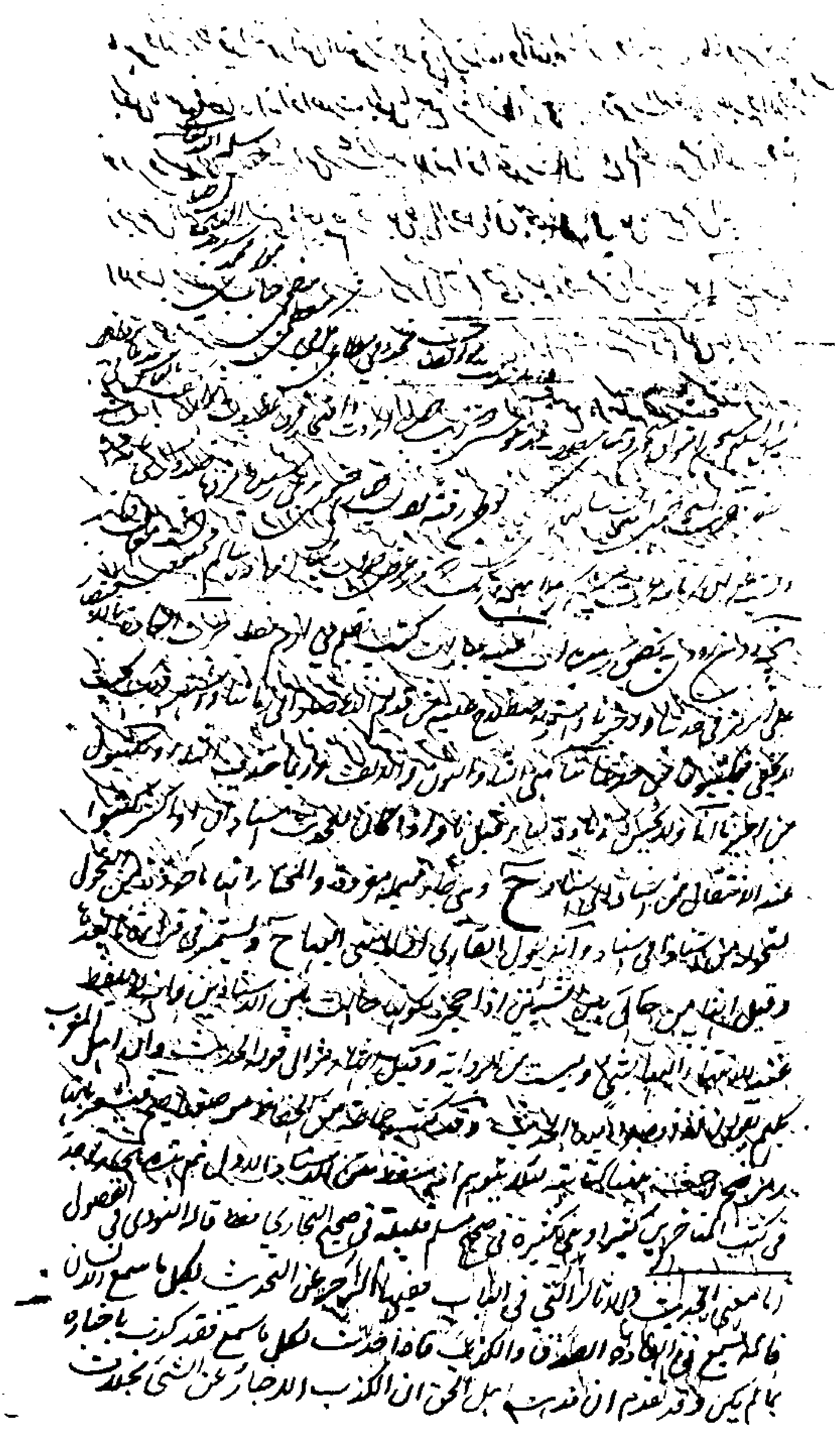

مکتوب احمد علی سہارنپوری بنام مولوی محمد سدید الدین خاں

Marfat.com

ما هو ولا يشترط فيه التعمد لكن التعمد شرط في كونه اثما والله اعلم واما قوله ولا يكون اماما وهو يحدث
بكل ما سمع فمعناه انه اذا حدث بكل ما سمع كثر الخطأ في روايته وترك الاعتماد عليه والاخذ عنه
و در وسيله صاحب [illegible] اين حديث نوشته لانه اذا تحدث بكل ما سمع لم يخلص من الكذب وهذا
زجر عن التحديث بشيء لم يعلم صدقه بل على الرجل ان يبحث في كل ما سمع من الحكايات و
الاخبار خصوصا من احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يعلم صدقه من كذبه ۱۲ شيخ عبد الحق
در ترجمه مي‌نويسند وعنه وهم از ابو هريره است قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كفى بالمرء كذبا
بس است مرد را از روي دروغ گفتن ان يحدث بكل ما سمع اينكه حديث كند وبگويد
هر چيز را كه بشنود يعني اگر كسي هيچ دروغ نگويد ليكن هرچه بشنود بي تحقيق وتفتيش روايت
كند همين قدر بس است در دروغ گفتن زيرا كه هر گاه اين كس البته در دروغ افتد چه
غالب است كه هر چه بشنود راست نخواهد بود ومقصود بهر دو منع است از تحديث بخبر كه
معلوم نيست صدق آن انتهى ومولانا قطب الدين [illegible] مظاهر حق [illegible]
بكے جھوٹ نہ بولتا ہو لیکن سنی بات ذکر کرتا ہو جو کچھ سنے بے تحقیق روایت کر دی تو
[illegible] جھوٹ بولنے میں کیونکہ [illegible] البتہ جھوٹ میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] واذا [illegible] واذا [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ثنا با همه ایزد پاک را   سزا داده نازم پاک را

که خورشید را صورت جام ازوست   شراب شفق در خم خام ازوست

درین ایام ناملایم انجام عجب سانحه هوش ربا حیرت افزا جان گزا

نمودار گردید که عالمی از رنجهای موج خون بارد بر جای خود است قرار

از درون هنرمندان برون رفت و کمر همت اهل علم شکست

در ترتیب علم و هنر و فضل و کمال مفقود بلکه کان کم گشتی ما گوارا بود

چه ترقی علم و اهل هنر از ذات والا صفات اعلیحضرت بود

انجای چون آن والاجناب نواب معه شریفی از تند هندوستان

برباد و ویران شد   چه متاع علم و هنر و فضل و کمال دست برد و غارت و نهب جهال و حقه شد

''افضل العلما مولانا الویس ڈاکٹر اسپرنجر الترولی'' کی خدمت میں پیش کردہ ایڈرس

(منجانب محمد سدید الدین خاں ودیگر)

Marfat.com

لهذا خارخار درد والم و تملک واضطراب پیرامون خاطر عاطر یافت

که الویه علوم متعارفه و فنون مروّجه متداوله که از حسن سعی و مرمی ملاذ ما

جناب سپهر نظام گشته بود باز سرنگون خواهند شد و تفصیل این اجمال

بدین منوال که چون از قدردانی و عرف زیری و حسن تربیت و تعلیم ائتوالی

جناب فاضل کامل جهبذ الحلاحل واقف رموز معقول و منقول

کاشف دقایق فروع و اصول ملاذ العلما کهف الفضلا اخبر العلامه

والنبیل الفهامه عالی همم پاینده نغم خورشید علم عطارد رقم

بانی قصور فنون ادبیه مشید ارکان علوم عربیه رب البراعه

وامامها عین السماحة وهمامها صاحب الحکم النقابیة والفصاحة حب السحابیة

والمنح البرکتیة المسیح الفاوشته مهذب الاخلاق وحید العصر فی الآفاق

هو الذی انتشر ... العنوان فی الاقطار انفذ ریاض العلم بالاذهار

افضل الاعالم مولانا الوسیل الکریم ... الیه فی حدایق

حدائق علوم تازه و ریان شدند و از سحاب مکارم و امطار توجه عالیه
خیابان فنون غریبه سرسبز و شاداب شدند و متاع علوم غالیة الاثمان
و فصوص هنر مستفیده الارکان شدند آوازه نیکنامی و قدردانی
آویزه گوش اشتهار گشت و جمله علما و فضلا رجوع بر در دولت نمودند و برکت
متاع خود را در مبلغ علم را احیا نمود و حسب لیاقت و استعداد خودها مستفیض
و کامیاب و فائز مرام است پس جمله اهل علم و ارباب کمال پرورده نعمت
این قدردان اهل فضل و کمال و غریق بحار مکارم و لجج فضل و نوال
و پابند کمند امتنان و احسان اند آری گفته اند

قدر اهل هنر کسی داند که هنر نامه‌ها بسی خواند

این اندرس مشتمل بر توالف صاحب ممدوح و محاسن و محامد و اقتصاد آیات

نه آنکه از مبالغه و اغراق بعض صفات غیر واقعیه را نیز همراه صفات
حقیقی و بعضی امورات حقیقیه را با مبالغه بیشتر ساخته اندرین می‌نگارند
یا از خوش‌آمد راستی و صفای قلب را بلد نشده‌اند یا بجهت استرضا
و استمزاج حکام اکابر دنیا اباطیل را هم درج اندرین کرده خاطر شعرا را
خورسند می‌سازند و در داستانها محامد و مناقب خلاف واقع را نه خیلی
بعید از عقل و فهم بلندی می‌سازند چنانچه تمام جاها که این اندرین بمثابه
آن باشد یا حرفی خلاف واقع یا بلندی مبالغه و اغراق با این درین باشد
راست راستی بی کم و کاست آنچه حقیقت حالست همه کردم و با
از حسن سعی او شاخ کارهای نمایان که بمنصه شهود جلوه گر شدند
و از مفارقت صاحب ممدوح سوز و گداز و رنج و الم و حسرت و افسوس در دلم

اتما.

Marfat.com

انجا در نهم بر زبان می آرم و حکایت مطالب کلی نموده این مجمل حال

بر سبیل ایجاز و اختصار ثبت می‌کنم تا بعض این همه حال سید و کریمان صدا نشنیده

و التزام اینمعنی کرده ام که سابقه را بوجه من الوجوه دخلی نباشد صدق

سانح باشد اگرچه بلحاظ اینمعنی که شنیده ام تر ... اگر مهربان تر مساعی جمیله

و مبرا ما نه اکمال احسان و امتنان نموده اند که در بر آن بقدر که شکریه قرار داد

و سپاس گذاری از زبان بیان بصد زبان بیان سازم از عهده آن بر آیم

اما این حال انچه بر تمام جمله اهل اسلام و معمور گذارد و حسرت

و افسوس و رنج مفارقت و دریغ بر زوال دولت اسلام و بعد از آن

مردمان انجا را جمیع اهل علم را احباب و معمور فغان

در هر کوی و برزن عیان است انجمله حوالهٔ قلم می سازم و داد صداقت میدهم

Marfat.com

اولاً صاحب ممدوح در مدرسهٔ دهلی و دیگر فنون مروّجه و علوم عربیه

متعارفه متداوله را که در بازار آن شهر رونق داشت اندوختند و فوراً

بمجرد ورود خود در اینجا مسیحائی کردند و احیاء اموات نمودند

که دار جهل را دار العلم ساختند و منبع علوم و معدن فنون و مرکز ارباب کمال

شدند در اندک زمانه از حسن تعلیم و انتظام جمیل صاحب ممدوح علوم عقلیه

نقلیه و فنون ریاضی و هیئت و هندسه و تاریخ و فن ادب

و ریاضی و فلسفه وغیره چنان ترقی و رونق بازار پذیرفت که محصلین

و اصاغر اینجا از اکابر علمای دیگر بلاد گوی سبقت ربودند

و طلبه اینجا نثر عربی بدین خوبی‌ها می‌نوشتند که خط نسخ بر عبارات کاملین

سابقین کشیدند و در نظم عربی و قصاید عربی موجب رشک شعرای نامدار شدند

و دست‌ها به کلام ابن سرتا پا تحلل فصاحت و بلاغت سپرده

و بجواهر زواهر براعت و نکات آراسته و دیباچه نگار

در مجمع اکابر فضلا به بانگ بلند و زمزمه های ملکوتی سرودند و آوازه تحسین و آفرین از هر چهار طرف می شنیدند و غلغله فضل و کمال و شعر و علم و هنر صاحب ممدوح ورد زبان و گوشواره جان عالمیان شد و جوهر قدردانی ارباب فضل و کمال و مراعات شرفا و معالی دودمان بر همه جا بخوبی هویدا شد و علوم و فنون را ترقی به درجه اعلی و مرتبه اقصی داده شد و اهل علم را از نعمت و حکمت چنانچه باید و شاید به عمل در آوردند هنرورانی که به جهت ناقدردانی ها در زوایای خمول سر فرو برده بودند باستماع این آوازه قدردانی و کامیابی آن ها بیرون آمدند و داد هنروری ها در دادند فایز مرام و کامیاب مطالب شدند و سخن سنجان دوربین که آشیانه بر کاخ معنی می ساختند

Marfat.com

برادر دولت حاج احمد خان کامیاب شده‌اند که اتصال آمال حقیقت عملی خود را

و کمند نتیجه استند به تمکن دیر محروم ازین بارگاه چه روی سعید و چه بخت سیاه که

با تحقق اقتناص قلوب عالمیان و دروان جهانیان بغیر از کمند حسن اخلاق

و دوام مزید التفات و وفور مراعات متصور نیست ازین رو عالمی را

دیدم که بصدق دل و خلوص نیت شیفتهٔ محبت و اهل تفضلات والا

و محاسن اخلاق کرامی در کمند احسان صاحب ممدوح گرفتار و حاضر و غایب

در محامد و محاسن صاحب عالیشان رطب اللسان و در سپاس گزاری فراوان

مکارم منت اللسان اند چند ا اخلاق صاحب ممدوح که چون شرفا و اهل علم را

می بینند دست بدست جمع میگیرند و بلطف و کرم و شگفته پیشانی

پرسان حالش می‌شوند و تعظیم و تکریم و حسن التفات خاطرش را خورسند می‌سازند

و در اقران و اتراب پایهٔ آنش را با وج مهر می‌رسانند و حاضر و غایب

ظاهر و باطن بر نهج واحد مراعات احباب ملحوظ می‌دارند

Marfat.com

دوام در پی اتصال نفع بهر کس سرگرم می باشند سیما با چنین اخلاق

وصدق و وداد و مزید اتحاد احیای دیگران می دهند حق گو حق پسند

نیکو خصال ملاذ ارباب کمال طویل الباع در جمیع فنون نعمیده

و سنجیده سلیم الطبع انصاف پسند حایز کمالات ممکن لنوع الانسان

منبع محاسن بی پایان عالی دودمان والاشان رئیس بزرگ در سرکار

در عهد همایون ریاض علوم از سر نو سرسبز و شاداب شدند و گلستان

غنچه های آمال اهل دقت و کمال از نسیم قدردانی او وا شدند

سیما کتب عجیبه و غریبه همه فنون بصدها نخریدند و باختصار والتقاط پرداختند

بانعام دیگر بصد ها آن را طبع نموده شایع و ذایع فرمودند که بالی حظی وافر

از آن برداشت و فنون را جان تازه درداد و رساله های عجیب و غریب

Marfat.com

از حسن سعی جناب ممدوح لبریز شدند و عقود از اشکال عویص به انامل

افکار او منحل شدند و گلستان کمالات از هر فنون در عهد همایون او شگفته

و خندان شدند علم ادب و فن تاریخ عربی و حدیث شریف

و تفسیر و فقه و اصول فقه و اصول حدیث و فصاحت و بلاغت

و منطق و حکمت و اسماء الرجال و سیر و غیره همه خیلی رواج

در روز بازار یافت و بحسن تعلیم و تربیت جناب ممدوح تاریخ متنبی

و حماسه و شروح آن ورد زبان هر طلبه مدرسه دهلی و استحضار مطالب

جمله علوم و فنون متکلم اختیار بر همه کس عیان چه الحمد که از اهل علم

و ارباب کمال در اینجا انعقاد می یافت و بهما علما و فضلا و از بیان

نزد خود فراهم آورده بودند که اگر منورش جلال الدین اکبر شنیدم

حقیقت را مجاز شنیده باشم و همه علما و فضلا نزد من

به فنون اکبر
شده بود شخص کامل فاضل
و عالم بزرگ قرار از هر دهه طلبه بنزد خود
جمع کرده و زر
در تعلیم داده

Marfat.com

استدعا هر امر یکه میکردند بحسب مدارج و مراتب خصوصها عالم مرام می شدند
و در جمله علوم و فنون امتحان فضلا و علما میگرفتند و سوالات فنون مروجه
و علوم متعارفه از کتب متداوله جدا جدا نهایت مناسب و برای ادراک
لیاقت هر یکی وافی و کافی تا نشد نمی دادند و قدر و مرتبت اهل هنر و علم و فضل می کردند
و استعداد و لیاقت هر کس را بمیزان عقل میسنجیدند و بحسب
مدارج و مراتب هر کس را سر جدا ما مشترک ممتاز میفرمودند در کمالی شهرهای اکنون
از حسن تعلیم و تربیت و ذوق و رغبت ممدوح جمله تحصیل مدارس معمور شدند
که علم و هنر را موجب ترقی و اهل علم را باعث بهبودی شده چنانچه
شور علم و شوق کسب و هنر در میان عالمیان در افتاد و مدارس اکره
و مدارس هر ملک و شهرها و غیره که تمام علوم عربیه خیلی کم شده بود در ترقی آنها
کمر همت محکم بسته علما و فضلا و اولاد این کار در آن مدارس معمور کردند
که علوم را ترقی در همه جا بدان پایه رسید که آوازه کارگزاران شعار دنیوی را

Marfat.com

در عوض الحوادث درایت بازی کابر داد از انجا الی پونا بندا
آویزه گوش استماع ساختند و چون هر کار بمردی ذی استعداد آن را
در هر آن کار مقرر کردند حیات علوم غریبه را ترقی شد که قبل از این عشر عشیر آن
فی ازمنه من الازمان از قوه بفعل نیامده بود با این همه ملازمین فرنگی
کم استعدادان انجا نیز معطل و بیکار نشدند همه مردم با کار و بی کار
چه کامیاب و با کام خوش رسیده ماندند و عالمی را بر لب نان رسانیدند
و گاهی ناکامی و بدگویی را نه پسندیدند از حیات و ممات و کلیه مراحل
بعید ماندند اگر چند از جهت حرکتی خلاف طبع صادر شد اگر همان دم
جهت تحریک آن آرزو داشتند بعد سعی بوضع معمول از نگاه مقام
و نزاید الطاف دلش را خیلی خورسند و مسعود چه ادنی و چه اعلی و از
السنه مختلفه واقف و ماهر اردو و فارسی تا کری عربی و انگریزی
و در هر زبان درجه می رسند و در فن ادب و سیر و تهذیب اصول

Marfat.com

ودر تفسیر و اسماء الرجال توجه تامه می داشتند ایشان زین را
بقدر طاقت خود امانت ها نمودند اصابه فی احوال الصحابه.
و تفسیر اتقان فی علوم القرآن و کشاف اصطلاحات الفنون
و فهرست طوسی در اسماء الرجال را بطبع رسانیدند و بخوبی در تصحیح آن
کوشیدند رسالهٔ شمسیه را در انگریزی ترجمه نمودند تذکره شعرای اردو
و فارسی و اسامی کتب را فهرستی نادر تالیف نمودند که بحیثیت ملک
هم والا خوبی کتابی ندیده باشد دیگر تصنیفات و تالیفات کثیر دارند
و علوم و فنون را چنانچه باید و شاید مروج زبان را و کتب نادره را
بقالب طبع درآوردند ذات مجمع حسنات صاحب ممدوح از علم و فضل
و حسن اخلاق و قدردانی ارباب فضل و کمال و شرافت و عالی دودمان و
مراعات احباب و پاس اتحاد و اخلاص و تنفر از نفاق و رغبت با تفاق
و اجتناب از تعصب و عناد و سینه بی کینه دل صاف راست گو را بشنید

Marfat.com

معدن مروت مصدر احسان ممارق الوداد ظاهر و باطن یکسان

بعید از مداومت زیر بستان دشمن محبت نگر وید باشد دور از [illegible]

و خواری یاران بیش و [illegible] بیکسان شریک حال بی کسان و رفعا جوی

هر سه ان خیر خاطر شکسته دردمان تسلی ده خاطر پریشان [illegible] التفات الی

لا یعد و لا یحصی جامع و مصنف [illegible] اگر بخدا [illegible] تطهیر

مقصد و مشید [illegible] شرح آن بر دارم و [illegible] تحریر [illegible]

بر سبیل اختصار و اختصار بر [illegible] قدر اکتفا نماید [illegible] نعمت [illegible]

بعد زوال [illegible] (از بیرون ملهم) [illegible] تفریح [illegible]

[illegible] و [illegible] علم [illegible]

[illegible] آمد و [illegible]

[illegible] تمام [illegible]

[illegible] ذلک و [illegible]

Marfat.com

و عجب دیگر اینکه دیدیم در نادیه اهل علم گویا محکمهٔ فوجداری یا دار الظلم
دار مجانین شده بود که هردم درشتی و تندی و سرکه جبینی و کینه وری
و سخن کلامی موجود نبود شرفا بدتر و کمتر از رذل بر تر و سرور و جهال
مقبول و اهل علم مردود هر رذل و سفله و نا اهل بذریعه تمامی مقبول بارگاه شد
همه کار شرفا بر هم و بنیاد سر رشته علم بر هم زمین با آسمان و آسمان زیر زمین
گویا مضمون سعدی بود از مزید بی آبروی علمای سابق تجربه کار ترک حد
کرده کناره نشستند و مجلس درس بعض رو بعزا نهادند گلستان علم ویران
و برباد و قصور و قصور و قرب الانهدام و ورقه علم قریب الغرق و مروت معدوم
و رعایت مقصود حق تلفی شایع تا انصاف ذرایع در باب حقیقت حال واقعی بحالی
دور باش عالمیان بر آسمان بود و قدر نعمت وجود باجود ما ی همه را
در آن وقت حاصل شد و الاشیاء تعرف باضدادها چون از فضل ایزد تعالی [illegible]
بیمن حضور پر نور حضرت باز مراجعت فرمودند گلستان آباد را ویران دیدند و جهال را اسیر کار
تر و رذل را صاحب اختیار و علما و فضلا را ذلیل و خوار دیدند

Marfat.com

بجان رنجیدند و باز عرق ریزی فراوان فرمودند که در اندک زمانه احسن سیاسی

رونق تازه و ترقی بی اندازه نوبنو درآمد و آب از جو رفته باز آمد

و هنگامه فضل و هنر که برهم شده بود باز اجتماع پذیرفت و قلوب

جمله مسلمانان در کمند الطاف سامی گرفتار گردیدند همه ها را محبت صادقه

و موالات صافی سامی در دل نشست تمامی علما و فضلا چه قریب و چه بعید جامع و عامه

در محامد و مناقب سامی گرم و بذر محبت غائبانه می بارند حالا که جناب

ترک خدمت کرده به وطن خود تشریف می برند حال دل ما دردمندان

چگونه بیرون آورد تمامی اهل اسلام شعوراً اسیر با درد و الم

و حسرت و افسوس جانگاه از مفارقت سامی یا از بدبختی خود و

ز بربادی اقلیم علم یا الیم یا از بربادی خودها و هنگامه قرار همه ها برهم شکست

و کم همتی مایان شکست و طاقت از دست رفت همگی کاده انام نخچیر

اهل اسلام را بدین پایه رنج و تردد و اضطراب و ملال و حزن متحیر

و دردمندی و بیچارگی بی پایانی از رفتن تحکیک صاحب ابو منابد ارواحهم

لاحق شده بعد افسوس صد افسوس که علم و هنر نمانده است

Marfat.com

و قدر و منزلت اهل فضل و کمال از دست رفت در سواد هندوستان
هیچ ملازمان ایشان احدی در بین نوع انقلاب نماند هر دم و نیز شنیدیم
تا کجا حال دردمندی و سوز و گداز خود را بر زبان آریم الحال که با سمت مبارک را
در بارگاه عالی جاه هستیم بصدق دل و کمال محبت و اخلاص و بسیار مشتاق
و حضور بندی از شما رخصت می شویم و شما را رخصت میکنیم اگرچه دلی غمگین
و دردمند از مفارقت و جدائی شما هستیم اما مدام محبت و مودت و موالات
و اخلاص شما در دل ما جاگزین و خاطر نشین خواهد ماند و یک دم
از یاد شما غافل و عاطل نخواهیم شد و مطلوب ما هر دم بسوی طرف شما مایل
و محاسن اخلاق و حسن اشفاق و مروت و خوبی های شما بخوبی خاطر نشین
ما مان آمد ... بخیر و خوبی ... صحت و سلامتی بمنزل مقصود
رساناد و مدام خوش و خرم و دقایق بر مرام و کامیاب داراد در حفظ و امان الله
السلام علیکم و علی لائکمت نه برلوح نقش ما بر دیگ جز ای عمل نامه و نامه ×

× تمت بالخیر ×

Marfat.com

المعبد الکتب محمد سعید الذی [illegible] مدرس [illegible] [illegible]

المسکین
محمد وحید الدین
عفی عنه

العبد
فقیر مولوی عبد الله

Marfat.com

[illegible]

عرض بندہ درگاہ نعمت کریم گستر دام اقبالہ

پروانہ مرحمت نشانہ حضور فیض گنجور کا یعنی مفخر و ممتاز فرمایا
حضور کے بندہ پروری اور غریب نوازی کا میں شکر ادا نہیں کر سکتا
علی الخصوص کہ اعلیٰ حضرت حضور نے سعی فرمائی نہایت کرم گستری ہے
کمترین نے یکم فروری کو خدمت کتب خانہ سے محمد حسن سے فراغت
حاصل کی اگرچہ اپنی دانست میں کوئی دقیقہ کتاب بینی کا
فروگذاشت نہیں کیا لیکن ظاہر ہے کہ چشم بارک بین حضور کی سے
میں نمانے سے بدولت کل دوم فروری کو روانہ ہو کر ۱۱ یا ۱۲ کو
ان شاء اللہ حاضر خدمت فیض درجت ہونگا چار کتابیں اسماء الرجال کا [illegible]

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

[illegible]

غریب پرور سلامت

۹ اکتوبر ۱۸۹۱ [illegible] اور [illegible]

نیاز [illegible] بموجب ارشاد حضور کے کرنل صاحب سے [illegible]
فرمادیا ہے مولوی [illegible] آوینگے — لیکن حاصل ہونا اس [illegible] میری اختیار
کو مانع نہیں ہی میں منتظر جواب با صواب ہوں اور [illegible] — پہلی حضور نے ارشاد
فرمایا تھا [illegible] کشتی میں [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] دلی [illegible] بیان سے [illegible]
اس سبب سے میں شرف [illegible] حضرت [illegible]
حق میں [illegible] جب تک میری [illegible] حضور [illegible] تجویز
فرمائیں میں یہاں اقامت کروں اور دیر تک [illegible] یہاں سے رخصت
ہو کر شرف پابوسی کا حاصل کروں غالبا [illegible] حضور کی [illegible]
ہوگا — مجھکو بسبب [illegible] کی نسبت [illegible] غالب ہے کہ کوئی
مدرس صاحب [illegible] اور [illegible] سے [illegible]
مرحمت ہوگا [illegible]
خود [illegible] فرمائینگے [illegible]
ملفوف ہے [illegible] عرضی [illegible] علاقہ [illegible]
بعد [illegible] لیکن [illegible]
ثابت ہو گیا [illegible] علاقہ [illegible]
اقبال سے حاصل ہوا ورنہ مجھکو [illegible] چنانچہ [illegible] صاحب [illegible] تو یہ [illegible] تھا
[illegible] مجھکو [illegible] اور [illegible] — اس سبب سے [illegible]
لکھا اور سوا [illegible] اور کچھ نہیں ہوتا اگر مولوی [illegible] اور [illegible] صاحب
میں اتفاق ہوتا تو شاید علاقہ [illegible] کیونکہ [illegible] اور رای بالکل ان
دونوں میں [illegible] صاحب کو حاصل ہے لیکن مولوی صاحب ایسے عقلمند ہیں کہ [illegible] صاحب
ناحق [illegible] اور خلاف [illegible] ہو سکے [illegible] منظور ہوا

Marfat.com

مخدوم من [illegible] آمد و رفت مولوی [illegible] کی [illegible] بالکل ترک ہو گئی ہے
اور [illegible] مولوی [illegible] اونکا ہر بات میں خلاف کرتے ہیں — چند اجزا [illegible] تاریخ
ابن حبان کی حضرت کی پاس ہیں [illegible] مطلب کی بھی [illegible] یاد نہیں اور
نہ [illegible] سے [illegible] وقت یاد آئی مولوی صاحب [illegible] کہتے ہیں کہ مجھکو بروقت تشریف [illegible]
اور [illegible] یاد نہیں لیکن [illegible] اور [illegible]
[illegible] مولوی صاحب کا ارادہ ہے کہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
اور [illegible] حال [illegible] کچھ نہیں [illegible]
[illegible] حال [illegible]
— [illegible] ارادہ [illegible]
مارچ تک [illegible]
[illegible] مقام [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
اور [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ملاحظہ شد

قبالہ

بنظر فیض اثر بندگان عالی جناب [illegible] رسید [illegible]

والسلام علی اکبر [illegible] مورخہ [illegible]

[illegible]

غریب پرور سلامت

فدوی اقبال احمد [illegible] عرض [illegible]

ذات خجستہ صفات بندگان عالی کو ابدالآباد سلامت رکھے [illegible]

فدوی کو عہدہ نظارت کچہری [illegible] کا بابت [illegible] بسبب [illegible]

[illegible] کا بابت [illegible] ۳۵ روپیہ مرحمت [illegible] نظارت [illegible]

ہمیشہ روپیہ سے کام [illegible] اور تمام [illegible]

انتظام [illegible] ضمانت تین ہزار روپیہ کی [illegible] جائداد کی [illegible]

مجھ سے انتظام ضمانت نہو سکا لاچار [illegible] اگر ضمانت [illegible]

علاقہ مولوی احمد علی [illegible] وہاں سے [illegible]

Marfat.com

عہدہ زیادہ عزت و کمی محنت و فرحت حکومت کا تھا اور میں اوس نہایت خوش تھا
لیکن بخیر صاحب نے گھٹا کر دیا اگرچہ عہدہ نظارت بہت بہتر و اعلیٰ ہی لیکن عہدہ
تعلیم کو اس سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔ یہ ارادہ دخل مولوی مملوک العلی کا ہی راہ باقدم
ہے میں دخل کر کر نہ اپنا رکھا نہ میرا۔ مجھی کھلا ایک بڑا افسوس اور ہوا ہی حسرت
بڑی شکایت۔ خیر جو ہوا سو ہوا اب آخر نوبت اوس عہدہ کی امتحان تک پہنچی
چنانچہ کل ۹ نومبر سیکرٹری صاحب نے مجھے کچہری میں کہلا بھیجا کہ اوس عہدہ کی بابت امتحان
ہوگا مگر ہوشیار رہنا چاہیے — غریب پرور ذرہ گستر اصلاً ... ایک
اوس نے ڈسمس نام مدرسین متفرق آگرہ و دہلی وغیرہ بطالب امتحان دیکھا۔ جو بدیں
ہمین دیکھی پڑھاتی تھیں اوکو یاد ہوتا ہی اور میں مدت دراز سی پڑھانا چھوڑ
دیا ہوں خصوصاً معانی و فقہ و اصول فقہ چھوڑ رکھا ہی البتہ اگر ادبی کتب ہے۔ تو
پڑھا سکتا ہوں کیونکہ پڑھانی کو حسن استعداد کافی ہی کتب درسی نقل کی
واسطی یاد ہونا شرط ہی۔ مسائل فقہیہ یا اصول فقہ میں کہ بالکل منقولات کی استعداد
سے علاقہ نہیں۔ علم ادب میں شاید کچھ ہو سکی تو ہو سکی اگرچہ میرا دل تھی

دینی پر راضی نہیں لیکن صرف بموجب حکم والا جاہ حضور و باندلین نیازمندی

بہ کمال جناب فیضمآب جسطرح ہو سکا اتنی ان دنوں — لیکن لنسبت حصول عہدہ

نظارت اگر وہ عہدہ اتنی نا میری واسطے تجویز ہوا مجھکو مطلق رنج نہوگا البتہ اگر الطاف

حضرت سے بھی نہ ملی اور نہ امینی ملی بلکہ صرف عہدہ [illegible] میسر آیا اس صورت میں رنج

مالا کلام حاصل ہوگا — لیکن اوسکا اندیشہ کہ حضور کے اختیار میں اگر دستگیری اگر

کسی فوت عہدہ مدرسے اول ہو گئی یا کلکتہ کی تنخواہ اوسکی عہدہ [illegible] بھی زیادہ ہی

خالی ہو اور بہ سفارش حضرت کے نصیب اس خاکسار کے ہو سکی تو اوس سے زیادہ

خوشی کی بات نہیں — فقط صاحب جج نے سرشتہ دار و ناظر صدر الصدور کو

بعلت رشوت ستانی موقوف کردیا اور حکم دیا کہ اہل مدرسہ کو جو معتبر ہیں

عہدہ دیے جاویں اس سبب سے ہم دونوں کو دی گئی — اور ایک عرضی متضمن

اپنی حالات کے حضور کے خدمت فیضدرجت میں روانہ کی ہی پہنچی ہوگی

عرضی

فدوی [illegible] معروضہ ۳۰ نومبر

غریب پرور سلامت

فدوی اقبال حضور سے بخیریت و صحت ہے
حضور کے دعاء دولت زیادہ میں مصروف ہے۔ یہاں ۹ نمبر جا آدمیوں کے جیسے
مولوی سمیع اللہ خان محمد مظہر و فیض الحسن (جنسے موقوف مولوی احسن کو حضرت آغا
مستعار لے تھی) اور ایک شخص نے امتحان دیا۔ سوالات بہت آسان تھے
اپنی دانست میں سوالات کے جواب جو لکھے تمام اپنی ہمسروں سے بہتر لکھے ہیں لیکن فوق
کل ذی علم علیم بہت ہے لہٰذا اس کے امتحان دینے والوں نے مجھ سے بہتر لکھا ہوگا
— اندنوں میں فدوی کا نظارت گدی صدر الصدور دہلی سرانجام دیتا ہے
اگرچہ یہ عہدہ بنسبت مدرسی کے من کل الوجوہ یعنی مشاہرہ و عزت
دکھلونا ہر اپنی بہتر ہے لیکن اطمینان قیام و استقلال نہیں اس لئے کہ
فدوی اور محمد مظہر کو مفتی صاحب نے بموجب حکم صاحب جج کی مقرر کیا ہے
جبکہ صاحب جج کہ بدل جاویں گے یا وہ بات کہ جاویں گے فوراً سر رشتہ دار یا ناظر سابق کو

Marfat.com

نتیجہ یہ ہے علمی اور نفسی تہذیب نہایت مفلوک اور ناقدردان ہیں
چنانچہ یہ امر مشہور و معروف ہے اسی واسطے مولوی محمد منظور حسن صاحب کو
ہمارے زر و مال کی کوتاہی کی تنخواہ پر میلاد خان صاحب پاس ۱۶ روپیہ ماہانہ
چلے آئے — بناءً علیہ ملتجی ہوں اور عرض رسا ہے کہ جب کوئی عہدہ قابل فدوی
... فدوی کو یاد فرما کر ممتاز و سرفراز فرماویں — اب یہاں فدوی
... اور انکی عہدہ ... لڑکا مقرر ہو گیا
... ہو کر مدرسہ میں ملازم ہو گئے ... مجبوراً
... کے رخصت ۲ مہینے کی لی ہے

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

کرلیا [illegible] جواب یہ ہی کہ بروقت تبدیل صاحب جج کے ناظر حال کو موقوف کرکر ناظری
بھرجاوے کروینگے - سلہٹ میں نہ کلکتہ کا رہا نہ آگرہ کا نہ دہلی کا - حیران ہوں کر کیا
کروں جو امید و توقع رکھتا تھا سب درہم برہم ہوگئیں - اگر حضور صاحب جانیں ایک
چٹھی جناب لارڈ صاحب بہادر یا ایل کمپنی کو اس مضمون کا ارقام فرماویں کہ تخفیف عہدہ ہمارے
[illegible] ارقام فرماویں - [illegible]

[illegible]

عہدہ [illegible] دیگر حاصل ہو یا نہو فقط - سلہٹ میں [illegible] حال کی [illegible]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

[illegible] ہو اور یہی اُن جناب کے [illegible] التفصیل [illegible] علیحدہ [illegible]

[illegible] جواب نہیں [illegible] عرض کرتا بلکہ [illegible] متصل [illegible] عرض کرتا [illegible]

[illegible] استقلال اس عہدہ کا [illegible] تو فدوی [illegible] [illegible] کیونکہ

[illegible] حالت استقلال [illegible] ترقی [illegible] [illegible]

اور کچھ بھی اس خیال سے کو حاصل نہ ہوگا اور اگر استقلال کا یقین ہو تو چند روز تک توجہ جلد

تک کہ استقلال کا یقین حاصل ہو یا کوئی دوسرا عہدہ خالی ہو تو فدوی توقف کرے

اس واسطے کہ صاحب جج بہادر بھی [illegible] حاصل [illegible] اور جنکے

[illegible] حکم سے مفتی صاحب نے مجھکو [illegible] چند سال تک [illegible] سکے [illegible] نہیں

مفتی صاحب [illegible] نہیں دی [illegible] بلکہ عنقریب [illegible] اس

[illegible] کوئی عہدہ [illegible] حاصل [illegible] حضور [illegible]

اس عہدہ اور کیفیت تقرر رخصت سے فدوی کو [illegible] اطلاع [illegible] اگر استقلال

یقینی ہو اور [illegible] فدوی کو رخصت [illegible] مہینے تک ۵ روپیہ ملیں اور

دو مہینے کے [illegible] فدوی [illegible] ہو جاوے تو فوراً [illegible] حضور [illegible]

[illegible] نہ ٹھہروں [illegible] فدوی کو [illegible] کہ حضور کو [illegible] [illegible]

حاضر ہونا نہیں [illegible] اور [illegible] عرض کرتا ہے کہ حصول

خدمت عالی کو تمنائے عظیم [illegible] تصور کیا جاتا ہے مگر [illegible] عہدہ [illegible]

[illegible] دل میں توقف ہوتا ہے [illegible] درخواست فدوی [illegible] بموجب حکم [illegible]

عریضہ [illegible] [illegible]

فدوی کی یقینی [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible]

اطاعت حضور سے [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] اور [illegible]

[illegible] ۵ [illegible] —

غریب پرور سلامت

سابق میں فدوی نے ... مضمون خدمت میں

بندگان عالی کے بھیجی تھیں بھیجی ہونگی اب عرصہ دراز سے کوئی عرضی خدمت حضور میں نہ بھیجی

نہیں بھیجی سبب اسکا یہ تھا کہ قریب تین مہینے کے ہو گئے کہ شہر میں درد ... [illegible]

[illegible] درخواست ... مدرسہ ... موقوف ہوئی اسی ... منصل ... [illegible]

چنانچہ ... کا معالجہ جاری ہے اور ... میں ... [illegible]

ہو گیا ... سے بہت تکلیف ... [illegible]

مدرسہ میں ... [illegible]

... مدرسہ کا آئندہ حضور کی خدمت میں ... [illegible]

بندگان عالی کی خدمت میں ... امیدوار ہوں کہ ... فدوی ... [illegible]

... حضور ... [illegible]

... [illegible]

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کا انتقال کیا اور کمیٹی نے

[illegible]

[illegible]

اسی عہدہ کی ہیں اور مولوی حسن علیخان میں تنازع ہوا اسواسطی کمیٹی نے واسطی اس عہدہ کی امتحان تجویز
کیا ہی اور یہ تجویز کیا کہ کاغذ امتحان کی واسطی ترتیب نمبر کی بندگانعالی کی خدمت میں بہیجی جاویں
غالب ہی کہ ملاحظہ عالی سے گذری ہونگی — میں نہیں جانتا کہ کیوں کمیٹی نے امتحان تجویز کیا ہی مولوی
سبحان بخش میں اور مولوی حسن علیخان میں آسمان زمین کا فرق ہی حضور کو خوب یاد ہوگا کہ حضور نے جبکہ
میں مولوی سبحان بخش کو ایک چٹہی اس مضمون کی عنایت فرمائی تہی کہ یہ شخص یعنی مولوی سبحان بخش مستحق عہدہ
مدرسی دویم عربی کی ہیں جب کبہی خالی ہو — اور کیوں مستحق نہوں کہ ایسی بڑی عالم ہیں رات دن پڑہنے
پڑہانے میں مصروف رہتے ہیں اپنے مکان پر بہی چرچا رکہتے ہیں اور مدرسہ میں تو اس کام کی نوکری پاتے
ہیں اور سوا اسکی کتابیں تحصیل اونکو خوب یاد ہیں ابتدا سے لیکے انتہا تک کئی بار پڑہایا ہی فی الحقیقت بڑی استعداد
کامل رکہتے ہیں سوا اسکی بڑی بات یہ ہی کہ جو طالب علموں پر بڑی محنت کرتے ہیں اور اونسی بہت محنت لیتے
ہیں خواندگی سنتے ہیں اور ترکیب عبارات عربی کی لکہواتے اور جواب مضمون کا لکہواتے اور انمیں اصلاح دیتے تمام دن اونکا
انہیں باتوں میں جاتا ہی چاہئے کہ کوئی دم ذرا آپ دم لیں یا طالب علم کو دم لینے دیں کیا ممکن حقیقت حال یہ
ہی کہ طالب علم کیا انہیں کی جماعت میں آن کر استعداد درست ہوتی ہی وجہ اسکی یہ ہی کہ آپ بہی شوق سی
پڑہاتے ہیں اور طالب علموں کو بہی شوق دلاتے ہیں اور محنت پر برانگیختہ کرتے ہیں پس طالب علم خواہ مخواہ استعداد
درست کر لیتا ہی برخلاف مولوی حسن علیخان کی کہ اونکو ذرا شوق نہیں رات دن اونکا وقت بیکاری میں
کٹتا ہی اور مدرسہ میں جو تشریف لاتے ہیں تو سوا سو رہنے کی اور کچہہ کام نہیں کرتے اسیواسطی اونکی طالب علم نہایت خراب
اور بالکل بے استعداد و بے شوق ہیں اور اگر کوئی ایک آدہ طالب علم بروقت امتحان کی اچہا بہی نکل آیا تو وجہ اسکی یہ ہوتی ہی کہ وہ
شہر میں باہر کسی سے پڑہ آتا ہی انکی محنت کو اوسمیں کچہہ دخل نہیں — اب اگر خدانخواستہ ایسا شخص عربی کا مدرس دویم ہو جاوی؛

Marfat.com

تو طالب علم سختی سے نا آشنا محض ہو جاوینگے اور جو اسکا بالکل بھول جاوینگے اور استعدادین خراب
ہو جاوینگی جو کچھ کہ علم اور استعداد اونسے پہلے کی جماعت مین حاصل کیا ہوگا وہ بھی انکے ہان آن کر کھو دیگا
جو کچھ کہ یہ حال کمترین نے مولوی حسین علیخان کا لکھا اوسکی بنا پر جناب مولانا مولوی محمد سعید الدین خان صاحب بھی ہین
حضور اسکو بخوبی دریافت کر سکتے ہین — ہر چند کمترین کو یہ یارا نہین کہ اسطرحسے خداوندگار تعالی مین عرض کرے

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

Marfat.com

غریب پرورا سلامت

پروانہ حضور فیض گنجور کا مع کتاب گلستان کے

مشرف و ممتاز فرمایا جو احکام کہ پروانہ عالی مین مندرج تھے اون سبکا فدوی کو بسبب حسن خیال اور اشتیاق تھا لیکن بسبب نملنی کتابونکی اس شہر مین کچھہ نہوسکا اب جا بجا اس شہر مین کتابون کا پتا لگاکی اونکی دیکھنی کی تدبیر کر رہا ہون ان شاء اللہ آج کل مین دیکھکے جلدتر حضور کو عرض اطلاع کرتا ہون غالب کہ کچھہ نکچھہ کتابین بھی ملینگی مگر یہانکی لوگ کتابمین نہایت بخل کرتی ہین اسوقت فدوی بسبب جلدی کی زیادہ عرض نکر سکا عنقریب تمام حال بالتفصیل خدمت بندگانعالی مین عرض کرونگا

دولت و اقبال تابان و مسعود باد

Marfat.com

[illegible]

مین دو کتابین انتخاب کی تہین ایک مطلع الانوار لغات احادیث مین کہ خلاصہ ہی نہایہ جزری کا اور دوسری قول النقی فی رد اقوال ابن عربی یہ کتاب گرچہ بہت ہی مفید نہین مگر چونکہ اس مین تذکرہ علما کی نام کا اور انکی تصنیفات اور وفیات کا پایا جاتا ہی اس سبب سی مفید ہے چنانچہ فدوی نی ان دونکو بائیس روپیہ کو خرید ای اطلاعا بندگانعالی مین عرض کیا کہ اگر پسند خاطر فیض ناظر ہووے تو ارسال حضور کری اور ایک رسالہ مصنفہ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار کا بہی دیکہنی مین آیا ہی کہ اوسنے اپنی عصر تک جتنی علما کہ ہوی ہین سبکے نام لکہی ہین اور ہر ایک کی وفیات اور بعض تصنیفات بہی ہین اندازا کرہ ۱۲ ورق کا ہی مختصر نہین ہو سکتا اصلی اوسکی نقل کرا کی ارسال حضور کرونگا اور جو ارشاد ہوا تہا کہ تذکرہ کریم الدین مین اگر مصنفات نہ لکہی ہون تو اوسکا تتمہ لکہنا چاہی فی الواقع اوس تذکرہ مین مصنفات کا ذکر اصلا نہین ہی اور قابل تتمہ لکہنی کی ہی مگر چونکہ وہ کتابین کہ جس سی تتمہ لکہا جاوی دستیاب نہین ہو سکتین اور علاوہ اسکی فدوی دس پندرہ دن سی بشدت علیل ہی اور علالت بہت ہی التزام اس امر کا نہین ہو سکتا انشاء اللہ بعد حصول صحت خوب سعی کرونگا اکثر کو ایک مرض بہگندر سی جسکو انگریزی مین فسچولا ان کہتی ہین رہائی نہین ہوتی ہے اور بواسیر کا حال خراب ہو جاتا ہی ضعف اسقدر ہے

کہ اپنی ہاتہ سے عرضی بہی نہ لکہ سکا — صرف دستخط اپنا لکہا [illegible]
موقوف ہے — کاغذ [illegible] اور مفادات [illegible] جناب میور صاحب کے پاس
واسطے ترتیب تحریر کے گئی تہی صاحب ممدوح نے بہی اپنی رپورٹ میں نہایت تعریف لکہا ہے
جناب [illegible] صاحب کے خدمت میں ارسال [illegible]

Marfat.com

اول مطلع الغاية

الحمد لله الذي انطق الانسان بلغات مختلفة ليعبر بها عما في الضمير فاختصر مبسوطات الكلام وافية المعاني للتعبير
اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له شهادة ثقيلة في الميزان خفيفة على اللسان واشهد ان
سيدنا محمدا عبده ورسوله الذي اختصر له الحديث اختصارا صلى الله عليه وسلم وعلى اله وصحبه الذين في
قصر مدتهم استحقوا اجور من عمروا اعمارا وبعد فيقول العبد الفقير الى الله علي بن حسام الدين الهندي الشهير
بالمتقي هذا مطلع الغاية في اختصار النهاية وكتبت فيه جميع معانيها الا مادة مشهورة ما كانت تلك
الغرابة وهي قليلة جدا وتركت فيه اسم الراوي وبعض طريق الحديث ايجازا وربما ذكرت اسم
الراوي والحديث لطول التوقف المقصود على ذلك وما كانت مادته مشتملة على معان متعددة
تنتهي الى عشرة فصاعدا او دون ذلك اعلمت على كل معان بالرقم الهندي ثم ضبطت فذلكة تحت المادة
اشارة الى هذه المادة او زادت على كذا وما كان فيه بعض تطويل من بحث لفظي او شيء غير ضروري على ظني
تركته وبينت ان فيه اسقاطا وذكر في النهاية وما غرضت الى الابواب بحروف الهجاء

[illegible]

Marfat.com

لپ

اشتہار

اس کمترین سید علی اصغر سونی پتی مدرس دوم درجہ اردو مدرسہ آگرہ کا یہ اشتہار دیتا ہی کہ اندرون میں اس کمترین نے شرح دیوان حماسہ کی دسون باب کے اول سے آخر تک ہر ہر شعر پر لکھی ہی اور نہایت خلاصہ ہے اوس شرح کا جسکو صاحب والا مناقب جناب ڈاکٹر اسپرنگر صاحب بہادر پرنسپل مدرسہ کلکتہ نے واسطے طلبہ مدرسہ دہلی کی لندن سے منگا دی تھی اس کمترین نے جو اس شرح کو اول سے آخر تک کئی دفعہ دیکھا تو بہت طویل پایا اور بہت سی ایسی باتیں اسمیں پائیں کہ طالب علم ادب کو اون سے علم ادب میں کچھ نفع نہیں ہوتا چنانچہ ذکر انساب شعرا اور بیان اشتقاق اسمائے شعرا کہ لا طائل تحتہ ہی اسمیں بہت ہی اور بہی زوائد لفظی ہی سوا لئے اس کمترین نے اس شرح کو بطور خلاصہ کیا کہ سوای تحقیق لغت اور ترکیب نحوی اور معنی شعری کے سب کو ترک کیا اور تحقیق لغت از سر نو کی گئی اسواسطے کہ اکثر اشعار کے معنی لغت میں فرق پایا یا معنی مرادی اور ہیں اور لکہدیے ہیں اور اعراب بہی بہت صحت کے ساتھ ضبط کیا ہی اور چونکہ شارح نے ہر قصیدہ پر صرف نام بحر اور ضرب اور قافیہ لکہدیا ہی اور اوسکا کچھ بیان نہیں کیا تو اسواسطے اس کمترین نے ایک رسالہ ایسا بنایا ہی کہ جسمیں ہر ایک قصیدہ کی بحر اور تقطیع اور عروض اور قافیہ کا بیان بالتفصیل ہوگا یہ تصنیف اوس شرح کے ساتھ منضم کر دیا ہی اب یہ کمترین اس دیوان نایاب عزیز الوجود کو مع اس خلاصہ کے بطرز عرب کے چہپوایا چاہتا ہی اس صورت کہ متن میں اشعار کہ ہر صفحہ میں بیس شعر سے زیادہ ہونگے اور حاشیہ پر شرح ہر شعر کی لکہی جاویگی غالب ہے کہ تمام اجزا اس کتاب کے بیس سے زیادہ ہونگے یہ صورت مرقومہ بالا بہت مطبوع اور پسندیدہ ہی جو کوئی دیکھیگا پسند کریگا اور نہایت ابتدی سے

اشتہار از سید علی اصغر سونی پتی برادر خورد سید علی اکبر سونی پتی (منشی اشپرینگر)

Marfat.com

یہ شرح ایسی معنی [illegible] بیان کی تیار ہوئی ہے کہ جو طالب شخص علم ادب سے ادنیٰ مناسبت بھی رکھتا ہو وہ اسکو سمجھ سکتا
ہے [illegible] اور ایسے ابیات میں محتاج غیرے نہ رہیگا کوئی کسی طرح کی مشکل نہیں رہی کہ جو مسئلہ حل کیا ہو بغرض یہ
شرح عجب وغریب تیار ہوئی ہے جب چھپ کر تیار ہوگی اور ملاحظہ سے گذریگی غالب ہے کہ نہایت ہر دلعزیز
سے مقبول و مرغوب طبع خلائق ہوگی [illegible] اسکا جانبے طالب و مشتاق ہوگا بس جو صاحب کہ اسکو خریدا چاہیں
وہ [illegible] جمع جلد درخواستیں اس عاجز کی پاس بھیج دیویں تاکہ یہ کتاب [illegible] قیمت
تیار [illegible] دستیاب ہووے [illegible] طبع [illegible] دستیاب ہوگی اور یہ قیمت اس کتاب [illegible]
[illegible] اسکو خرید سکیں [illegible]

Marfat.com

غریب پرور فیاض زمان مدد آن سلامت

مدت ہوئی کہ ایک عرضی مشتمل حال کتاب سیبویہ وغیرہ حضور کی خدمت مین
لندن کی طرف روانہ کی تھی لیکن اب تک اوسکا جواب سے سرفراز نہوا اور
فہرست کے واسطے مولوی میر احمد صاحب قبلہ سے حکم لے لیا ہی لیکن چونکہ مین بیمار ہوگیا
تھا اسواسطے توقف ہوا انشاء اللہ تعالی اب جلد خدمت عالی مین روانہ کرونگا
اور حضور اطلاع فرماوین کہ کب لکھنو مین رونق افروز ہونگے تا کہ کچھ کتابین
جو معرض بیع مین ہون حضور کے ملاحظہ کے واسطے طیار کر رکھون منقطع
بڑا سبب اس عرضی کے لکھنے کا یہہ ہوا کہ کلنت صاحب بہادر کی زبانی معلوم ہوا
کہ کونسل کلکتہ نے کرنیل رچمنڈ صاحب بہادر رزیڈنٹ لکھنو کو واسطے مقرر
کرنے مدرس مدرسہ کے اختیار دیا پس اب جو مدرس مقرر ہوگا رزیڈنٹ صاحب بہادر
کی پسند پر موقوف ہی اب حضور سے یہہ امید ہی کہ جسطرح ہو سکی میری
حقمین سعی فرماوین خواہ بڑے صاحب کو لکھین خواہ معرفت ڈاکٹر لوکین صاحب بعد کرنیل ولکاکس
اور ربیوس صاحب کی سفارش کرین کہ حضور کے لکھنے کا بڑا اعتبار ہی اور بنظر انصاف
بھی اس عہدہ کا مین مستحق ہون اسواسطے کہ مدرس شیعہ ہوگا اور مینے سرکار کمپنی کے
مدرسہ مین تعلیم پائی اور اب بھی سرکار کے مدرسہ مین نوکر ہون اور سوا عربی اور فارسی کے
علوم انگریزی بھی تحصیل کئی لکھنو مین ان علوم سے کوئی واقف نہین — وہ جو حضور نے
بنظر پرورش سرٹیفکٹ مرحمت کی تھی مینے اوسکو زیادہ اعتماد کے واسطے
بجنسہ درخواست کی ساتھ کلکتہ کو روانہ کیا اب میرے پاس کوئی حضور کی
سرٹیفکٹ نہین کہ درخواست کے ہمراہ رزیڈنٹ صاحب کے خدمت مین گذرانون
اگر جلد ایک سرٹیفکٹ اوسی مضمون کے بنظر پرورش مرحمت فرماوین
تو حضور کا بڑا شکر گذار ہون چونکہ حضور کو ہر طرح سے میری پرورش منظور ہی
اور حضور کے مدرسہ کا طالب علم ایسے عہدہ جلیل پر مقرر ہو اسمین حضور کی بھی نیکنامی
زیادہ ہوگی لیکن جلد مناسب ہی فقط — امید قوی ہی

[illegible]

امیدوار

غریب نواز قدردان [illegible] سلامت

حکم نامہ حضور کا واسطے ادا کرنے ایک روپیہ بابت کرایہ بنگلہ کی عزت افزائی کا ہے

ہوا حسب الحکم ایک [illegible] ڈال گھر میں دیا گیا اور رسید اوسکے حضور کی خدمت میں بھیجتی

اور ایک روپیہ [illegible] بندے کی طرف سے [illegible]

اور کتاب اغانی میں سات روپیہ اس بار [illegible] حسب کو دینی جائز

[illegible] آٹھ روپیہ بھی موافق [illegible]

اب اس روپیہ بھی دیا گیا بس امیدوار ہوں

بعد روانگی حضور کے ایک بیرکی کتابوں کا نیلام ہوا تھا لیکن معلوم نہ تھا کہ حضور کو کونسی

کتاب مطلوب ہے اسواسطے خرید میں جرأت نہ کی البتہ اگر کسی کتاب کی ضرورت ہو تو [illegible] موقت ابھی

کتاب بابت [illegible] خدمت عالی میں اطلاع کرو [illegible] فقط

عریضہ [illegible]

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] بہت [illegible]

[illegible] طرح [illegible]

[illegible] دونوں مر گئی اور ان کی اب

[illegible] میں [illegible]

[illegible] دیکھا تھا اب اوسکے وارثوں میں

Marfat.com

جھگڑا ہے اغلب کہ ان کتابوں کا نیلام ہوگا لیکن میں نہیں جانتا کہ
حضور کو کون کون کتاب مطلوب ہوگی اور فہرست کتابوں کی ہاتھ
نہیں آتی اگر فہرست ہاتھ آگئی تو حضور کی خدمت میں بھیجونگا
اور سنا جاتا ہے کہ کتب تواریخ [illegible] کی جلدوں سے وزیر نے
[illegible] کے ہیں شاید ایک صاحب [illegible] کے واسطے نقل اور [illegible]
[illegible] اگر اونکی فہرست
[illegible] نیلام [illegible] کتاب [illegible]
[illegible] نقل اور ایک [illegible] علوم [illegible]
[illegible] کے واسطے [illegible]
[illegible] روانہ فرماویں
[illegible] اور اوسکی
قیمت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Marfat.com

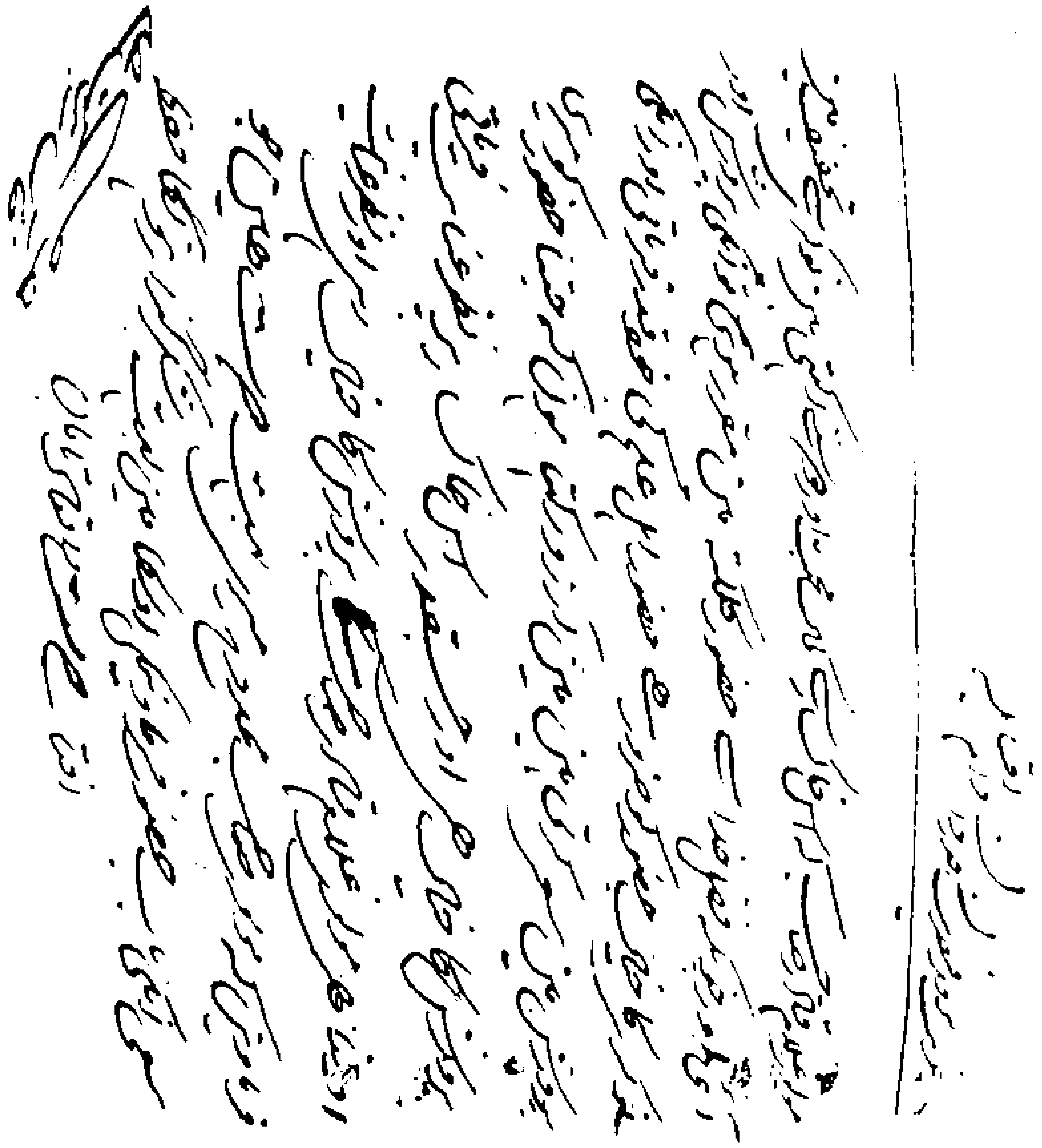

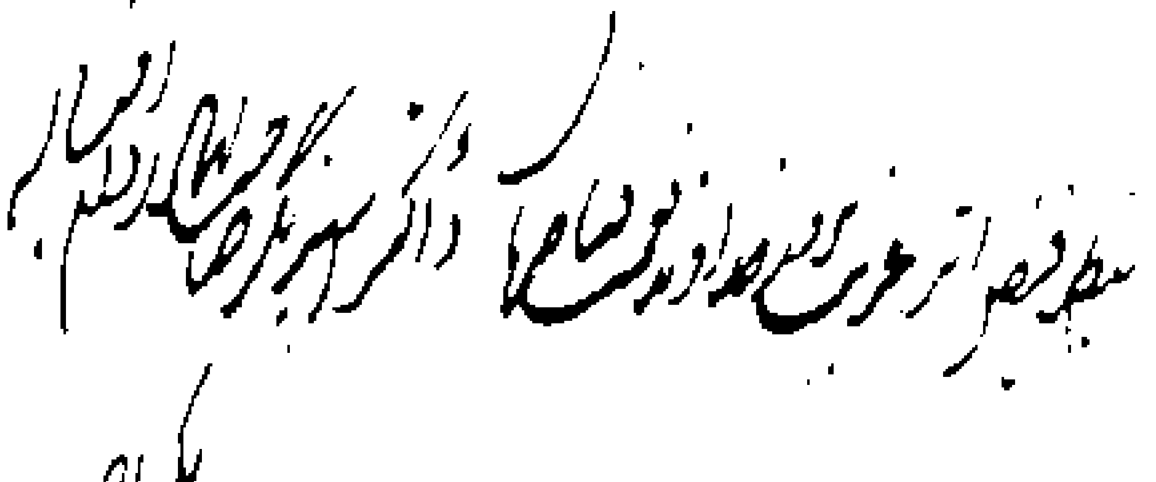

Marfat.com

قریب دو مہینے سے کلکٹر صاحب کلکتہ میں ہیں بعضے
شخص کہتے ہیں کہ اگر آپ کلکتہ میں مقرر ہوئے
تو سنا ہے کہ کلکٹر صاحب دلی کے مدرسہ کے
پرنسپل ہوویں اور ہملٹن صاحب ہیڈ ماسٹر
اکبر آباد کی کالج میں پرنسپل ہوں اگر کچھ حال
حضور کو معلوم ہو اور لکھنا مناسب ہو تو اطلاع دیجیےگا
ان دنوں کمیٹی ہوکر علاوہ جدید مدرس اول عربی لکھنؤ
کی نوکری موقوف ہوئی اور مولوی عبد الصمد
مدرس اول فارسی کے تنخواہ پچاس روپیہ کم ہوئی
تنخواہ میں سے اسی رہی اور باقی مدرس بدستور
رہا یہ درست کہ طلبہ کی درس میں تخفیف
خرچ کی واقع ہوا اگر کبھی حضور زیب ... کو

Marfat.com

چھٹی لکھیں اور مناسب ہو تو اتنا کلمہ لکھیں
کہ بر تقدیر شمول لطف عنایت اور پرورش علما
رکھنا آسودہ ہوگا کہ مولوی غلام قادر کے طلبہ سے
مجھکو ملیں گی۔ شاید میری تنخواہ میں اور بھی پرورش کے
سے کچھ زیادتی ہو جاوے۔ بہت جگہ یہ دستور ہے
کہ عربی مدرس کی تنخواہ فارسی مدرس سے
زیادہ ہوتی ہے اور بعد ازاں یہاں فارسی کی
بیشی ہے اور عربی کی بجا ... فقط

[illegible]

Marfat.com

غریب پرور قدردان منشی سلامت

موافق حکم حضور کے مسمی شیخ اکبر علی واسطے تلاش کتب و اہتمام کتابت دعوی کے

معرفت جناب ممتاز العلماء سید تقی صاحب کے بمبئی مع چار روپیہ تنخواہ کے نوکر

رکھا۔ یہ شخص تلاش کتب میں عجب ہے کہ بہت سی ملیگا لیکن حضور کی خدمت میں

تیسرے چوتھے دن حاضر ہوا کریگا — فہرست کتب کی جنکا ذکر چند

سی بابت ہو رہا تھی اور یہ کتابیں بڑی مجتہد صاحب کے مکان پاس یہ

مسجد سنت جماعت کی ہی لکھی ہیں اور مفتی صاحب

جانتا ہی اور جس کتاب کا ذکر میں کیا تھا اوسکا نام توضیح فی شرح الجامع الصحیح

ہی مالک کتاب کے پاس میں گیا تھا اوسنے کہا کہ میں اس کتاب کو اور

تفسیر مدارک کو واسطے بیچنے لیا ہے اگر بیع نہوئی ہوگی تو دلال سے

واپس لونگا اور مالک کو راضی کیا ہی کہ تفسیر مدارک کے دس روپیہ

لیگا اور توضیح کے آٹھ روپئی اور اگر میں چلا جاؤنگا تو معرفت

سید حسین صاحب بیتی مفتی صاحب کی [illegible] ملینگی اور رسالہ نعوذ

قیمت ایک روپیہ چار آنہ کو خرید کر خدمت میں روانہ کیا ہی

واسطے کتابت افسانہ کی سید تقی صاحب کو میں آٹھ روپیہ دی ہیں

اور کہا کہ سوا روپیہ قیمت کتاب ... میں خرچ ہوا اور باقی ... معرفت

بیٹے مفتی صاحب کی حضور کی خدمت میں بھیجا گیا فقط

Marfat.com

سید تقی صاحب منشی [illegible] وغیرہ کی فراہمی اور ترتیب کتب تلاش میں [illegible]
فرماوینگے [illegible] کو [illegible] انشاء اللہ تعالیٰ [illegible] امید کی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

[illegible] تصنیف [illegible] الحرمت

اور قطعہ مرغوب بنانے میں حضور کے جو بعض بزرگ [illegible] دعا سے لکھی ہوئی اور [illegible] حرم

کتب کے فرمائی تھی وہاں کس کے پاس سے ملی اور عرصہ تک [illegible] اس ذرہ بے مقدار کا [illegible]

میں لکھا جانا ہے حضور کے حکم کی بجا آوری میں مصروف ہوں اور جب مکمل ہو تو کتابت بھی

ملتی تو [illegible] تھا [illegible] اور جب [illegible] حضور کی [illegible] کی نوبت جو

میرا ہونا [illegible] جو حضور [illegible] کی لکھی جا رہی ہیں [illegible] کی

حضرت [illegible] تصنیف [illegible]

تصنیف [illegible] تصنیف [illegible]

چہارم رباعیات قدوۃ المحققین خواجہ [illegible] کی اور [illegible] کتابیں [illegible]

چاروں تصانیف [illegible] پانچ [illegible] تصرف [illegible] سلوک پر

تھی [illegible] حضور کو [illegible] اور [illegible]

بات [illegible] حقیقت

زندگی [illegible] کہ اس کتاب کو [illegible] چھپی ہوئی اور [illegible] نسخہ [illegible]

[illegible] کتاب کوئی نسخہ [illegible] لیکن ایک نسخہ [illegible]

[illegible] معرفت [illegible] اس نسخہ کو حضور نے ملاحظہ فرمایا [illegible]

Marfat.com

سات روپیہ دیتا تھا سو وہ نسخہ نو روپیہ کو ہاتھ آویگا لیکن چونکہ وہ ناقص اوسکی خریدنے کی
جرأت نہیں اگر اوسکے واسطے حضور لکھیں گے تو خرید جائیگا اور اگر کوئی اس عرصہ میں اور
نسخہ کامل ہاتھ لگا تو اوسکا خرید کچھ ضرور نہیں لیکن کامل نسخہ بارہ تیرہ روپیہ کو ملیگا فقط
اور حضور پر روشن ہو کہ سولہویں تاریخ ستمبر ۱۸۵۸ کو تین ماہ کی رخصت لیکر یہاں سے روانہ وطن
کو ہونگا پس اگر اس تاریخ تک حضور کا مرحمت نامہ میرے پاس پہنچ سکے تو جلد حضور مجھکو لکھیں
کہ یہ چھ جلد کتاب جو میرے پاس ہیں کانپور میں کس کے پاس بھیج دوں اور اگر اس تاریخ
تک حضور کا سرفراز نامہ میرے پاس نہ پہنچیگا تو یہ چھ کتابیں [illegible] صاحب کو سپرد
کر دونگا جس جگہ حضور لکھیں گے [illegible] اور اگر لکھنؤ میں حضور کا مرحمت نامہ
[illegible] کہ ایک عرضی [illegible] میرے نام پر حضور دہلی
میں [illegible] اور ان شاء اللہ [illegible] دہلی میں ہونگا اور
چار روز دہلی میں مقام کر کے اپنے وطن کو جاؤنگا [illegible] حضور کی ملازمت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

Marfat.com

[illegible]

عرب [illegible] اور [illegible] قدردان [illegible]

[illegible] نسخہ [illegible] فرمائی ایک نسخہ جناب [illegible]

[illegible] بہت [illegible] اور [illegible] تھا [illegible] اور [illegible] لکھو [illegible]

موافق حکم حضور [illegible] تلاش میں رہتا ہوں [illegible] دیوان [illegible]

[illegible] اور [illegible] کی [illegible]

[illegible]

Marfat.com

بفور خنقا جیسے لکھا ہے اکثر بابت ہونکا وقت تولد اور جلوس اور وفات لکھا ہے اور کچھ علماء کی
تاریخ تولد اور وفات بھی لکھی اور جو حوادث عظیمہ مثل زلزلہ سخت بارش قحط
دمعارہ سخت دنیا میں واقع ہوئی ان کی بھی تاریخ لکھی ہے یہ کتاب تمام کمال مصنف کی ہاتھ کی
لکھی ہوئی ہے خط پختہ فارسی صدول جلد کی ۲۱۱ ورق ہر صفحہ میں ۱۸ سطر قیمت
اس قدر تو کتاب نہیں تا بیس روپے کہتا ہے اگر حضور کو اسمیں سے کوئی نسخہ خریدنا منظور ہو
ارشاد فرمادیں فقط اور تین نسخہ تصوف کے عبدالاحد کی معرفت معرض بیع میں ہیں
ایک نصیحۃ العارفین معرفت میں بعبارت فارسی تصنیف ولی ملوک شاہ القدسی
قریب بارہ جز خط فارسی پرانا قیمت دو روپے
اور ایک عین المعانی فی شرح اسماء الحسنی اور ایک شرح رسالہ غوثیہ قیمت دو روپے
اس کتاب میں کچھ خواص اسماء الہی کی بیان
کئی ہیں عبارت فارسی میں یہ نسخہ تمام کمال خط عربی بہت خوشخط صدول جلد کی
قریب ۱۳ جز قیمت ۶ روپے ۸ آنہ فقط ایک ایک روپیہ نصیحۃ العارفین اور شرح
غوثیہ کا میں عبدالاحد کو دیتا ہوں ارشاد ہو اور چونکہ عین المعانی بہت خوشخط ہے
تین چار روپے تک اچھی ہی لیکن شاید حضور کے کام کی کتاب نہیں ہے فقط مجھکو
کتاب رجال کی نسخے بہت شوق ہی اور سید تقی صاحب بھی آرزو اس کی چھپنی کی رکھتی ہیں
حضور الملاحظہ فرماویں کہ اس کتاب کا چھاپنا شروع ہوا یا نہیں نقط بعض کاغذ کے
خطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے مدرسہ کلکتہ میں ریلی صاحب کی جگہ مقرر ہوئے یا ہونگے
روزینہ خوارہ میں کچھ ترقی بھی ہوگی خدا ہمیشہ ترقی کرے اور صحت اور عافیت سے خوش و خرم رکھے
اگرچہ میں حضور کا شکر ادا نہیں کر سکتا لیکن ایک تمنا دل میں باقی ہے اگر حضور کی عنایت سے
یہ آرزو بر آوے کہ کچھ پرورش ہوگی مجھکو لیکن اب ضرورت نامر بوط ہی اگر دلی میں
تیس چالیس روپے مہینا مجھکو بات لگی تو بہت خوشی ہے بجاس ریلی کی نوکری چھوڑ دلا
مینی شناسی کہ مولوی محمد اعلیٰ صاحب نے حافظ احمد کبیر کی عہدہ کی درخواست کی ہی
اگر یہ عہدہ اونکی نام پر مقرر ہوگا تو ضرور ہی کہ ایک مدرس کی جگہ دلی کی مدرسہ خالی ہوگی
اگر چہ میرا بھی اس مدرسہ میں حق ہی لیکن اگر حضور کی توجہ ہوئی اور کام اتفاق ہو تو اتنی
بر مدرس کیجئے کہ اس کو میرے واسطے مقرر فرماتی اور مجھکو دلی کی مدرسہ میں بلوائیں اور باقی تکرار سماعت

[illegible]

Marfat.com

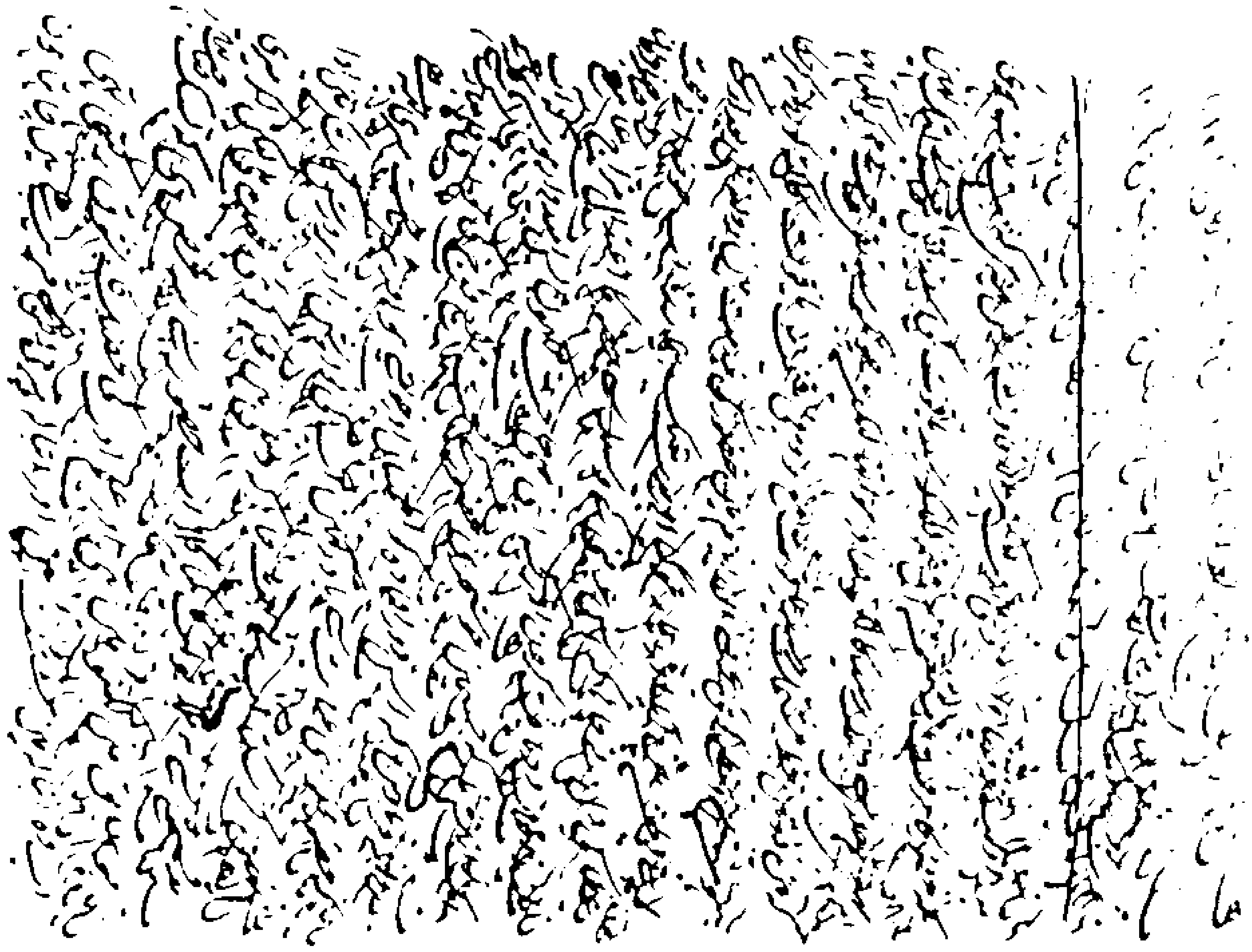

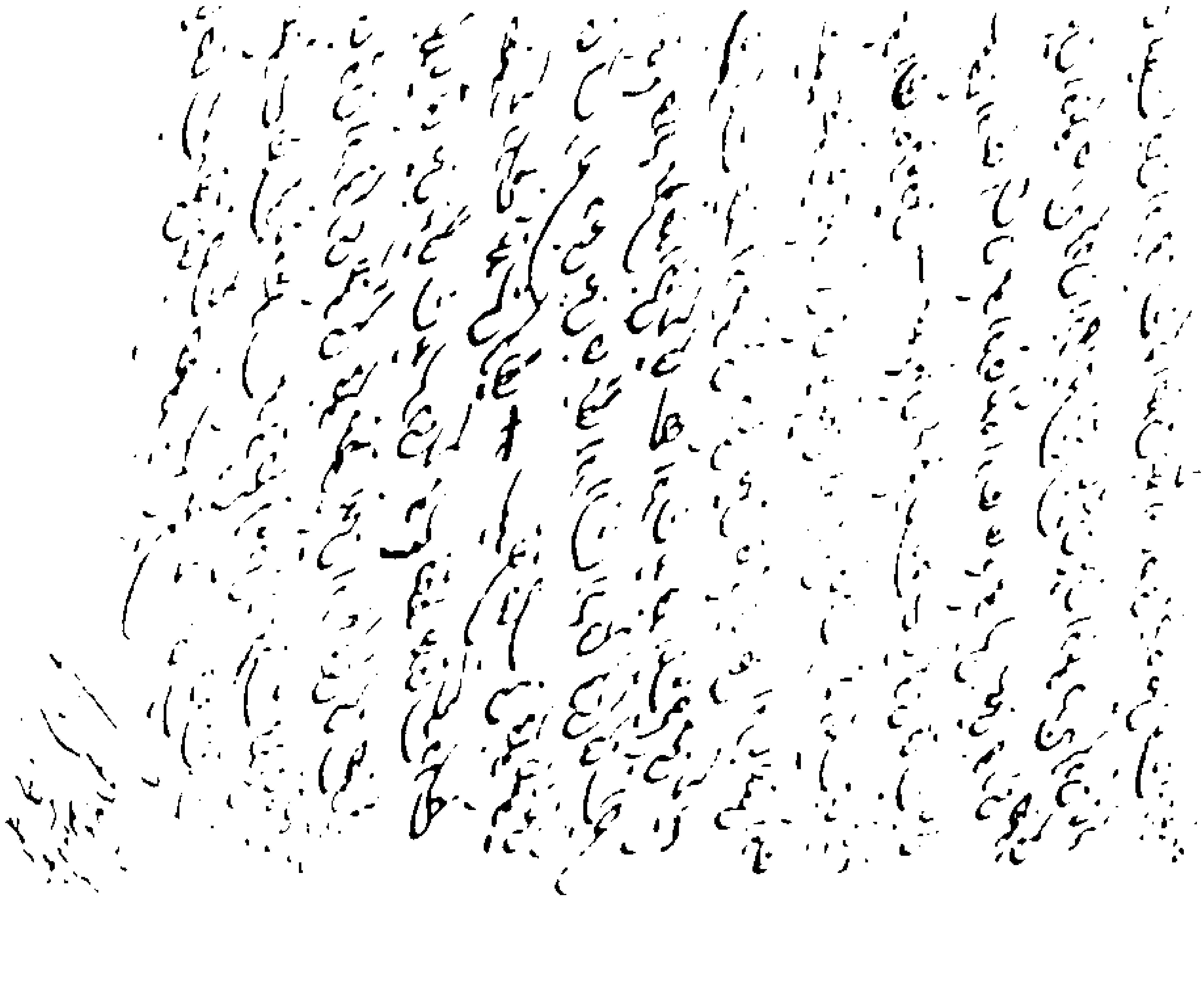

Marfat.com

بطور اختصار کے لکھا ہے اکثر بادشاہوں کا وقت تولد اور جلوس اور وفات لکھا ہے اور کچھ علماء کی
تاریخ تولد اور وفات بھی لکھی اور جو حوادث عظیمہ مثل زلزلہ سخت و بارش و قحط
و محاربہ سخت دنیا میں واقع ہوئے ان کی بھی تاریخ لکھی ہے کتاب تمام و کمال مصنف کے ہاتھ کی
لکھی ہوئی ہے خط پختہ فارسی جدول طلائی ۲۱۲ ورق ہر صفحہ میں ۱۸ سطر قیمت
ان کی جو قرار دی گئی ہے بائیس روپے کہتا ہے اگر حضور کو ان میں سے کوئی نسخہ خریدنا منظور ہو
ارشاد فرماویں فقط اور نیز ایک نسخہ تصوف کے عبد الاحد کی موقت معروض ہے اس میں
ایک نصیحۃ العارفین موقت میں [illegible] فارسی ہے تصنیف ولی ملوک شاہ الصدیقی
قریب بارہ جز خط فارسی پرانا قیمت دو روپیہ
اور ایک شرح رسالہ غوثیہ قیمت سے دو روپیہ
اور ایک عین المعانی فی شرح اسماء اللہ الحسنی اس کتاب میں کچھ خواص اسماء الٰہی کی بیان
کئے ہیں عبارت فارسی میں نسخہ تمام و کمال خط عربی بہت خوشخط جدول طلائی
قریب ۱۳ جز قیمت ۶ روپیہ ۸ آنہ فقط ایک ایک روپیہ لکھے [illegible]
[illegible] منشی عبد العزیز کو [illegible] اور چونکہ عین المعانی بہت خوشخط ہے
تین چار روپیہ [illegible] حضرت کے کام کی کتاب نہیں ہے فقط مکرر
[illegible] صاحب [illegible] اور [illegible]
مضمون [illegible] فرماویں کہ اس کتاب [illegible] کی کرنی ہے
[illegible] سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت [illegible] نقل بعض [illegible]
[illegible] میں کچھ [illegible] صاحب کی جگہ مقرر ہوئی یا نہ ہوگی
اگرچہ [illegible] حضرت [illegible] سے خورش [illegible]
[illegible] اگر حضرت کی عنایت سے
[illegible] چالیس روپیہ [illegible] اگر دلی میں
[illegible] منشی [illegible] صاحب [illegible]
اگر [illegible] عمدہ [illegible] کی درخواست کی ہے
اگر [illegible] ہوگا تو [illegible] جگہ دلی کی [illegible]
[illegible] اگر [illegible] اور [illegible] اتفاق ہو تو اس کی
[illegible] اور [illegible] میں بلوائیں اور [illegible]

[illegible]

Marfat.com

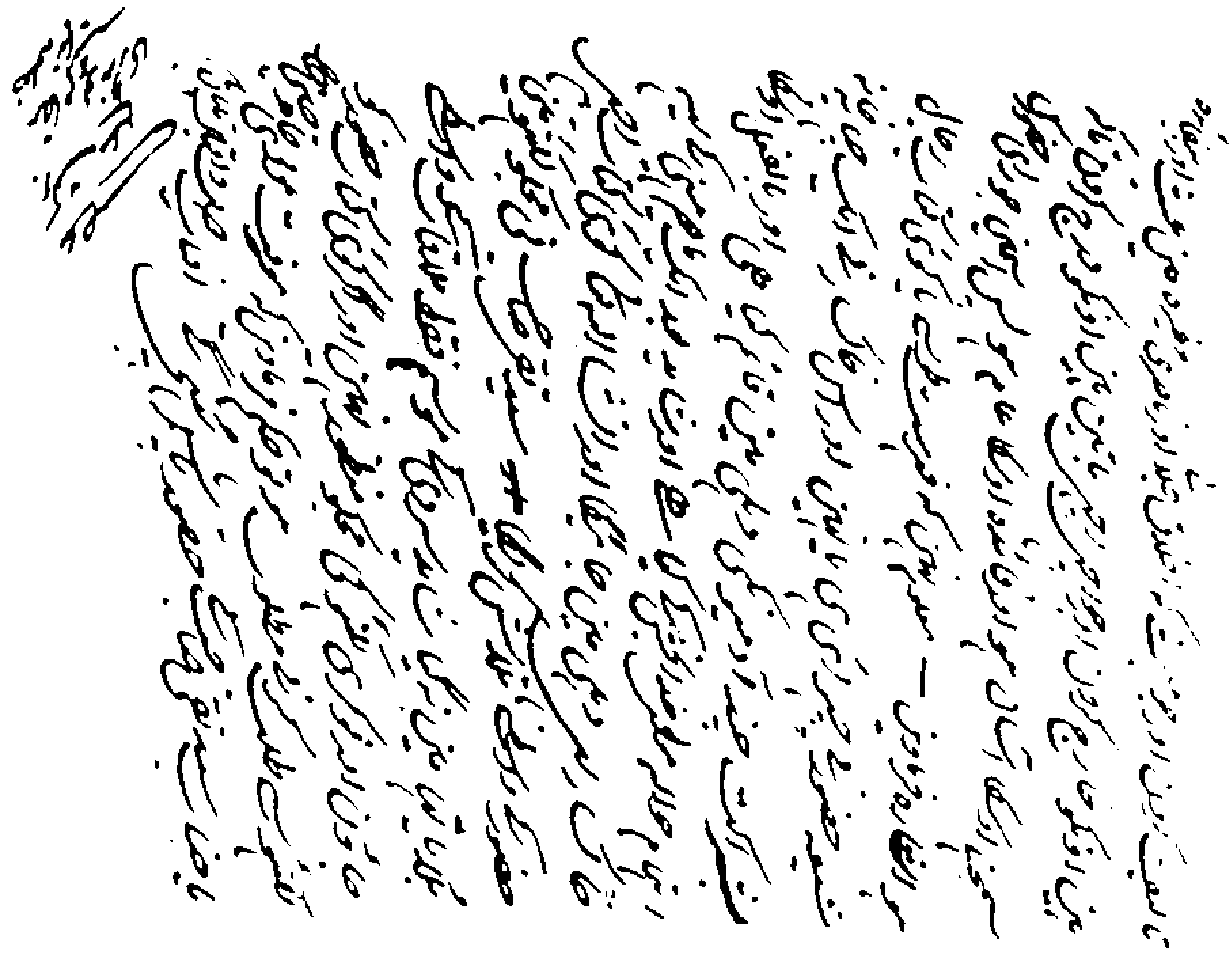

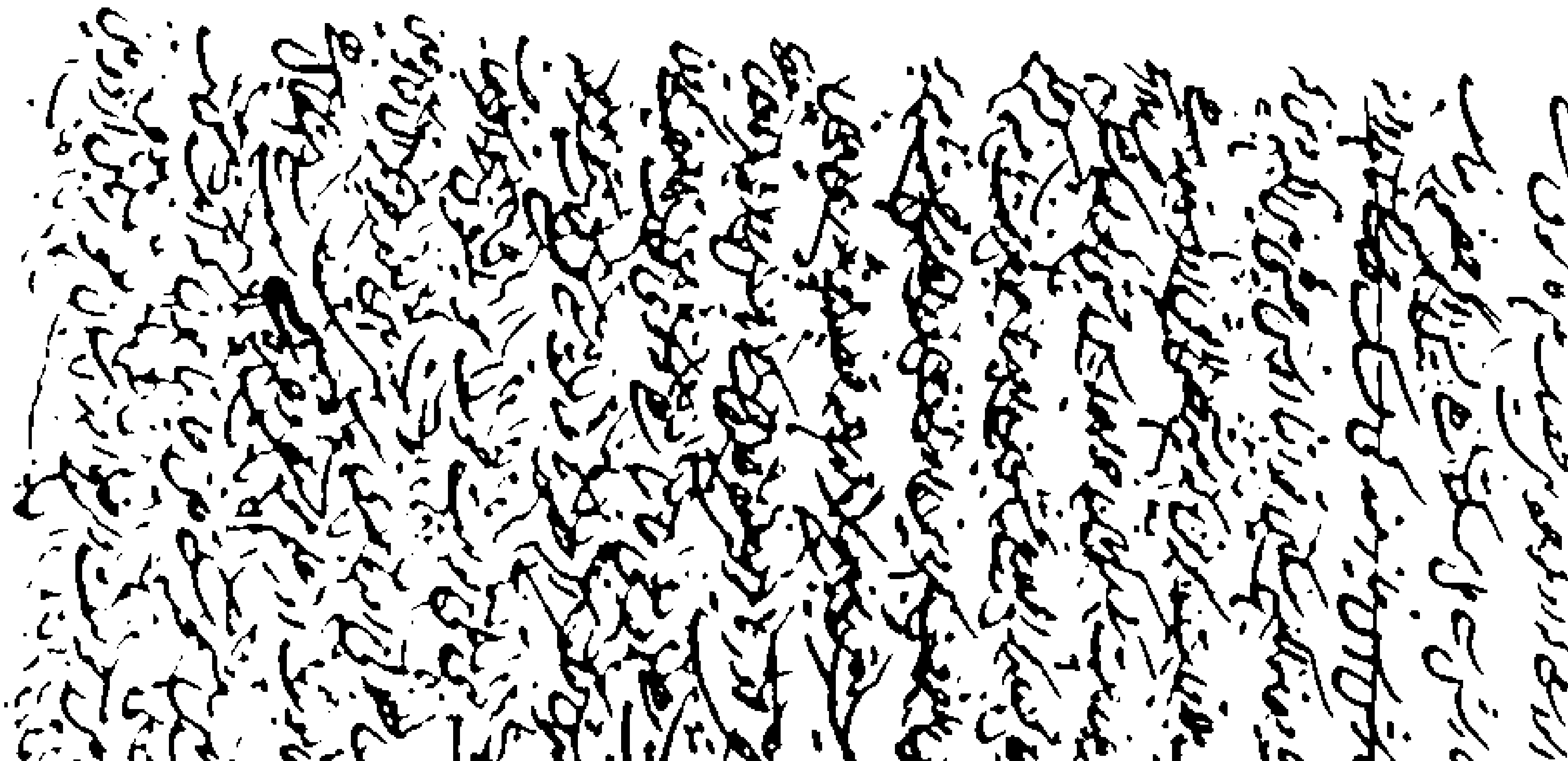

Marfat.com

[illegible]

[illegible] سید محمد نقی صاحب کا حضور کی خدمت میں
پہنچا [illegible] عرضی مع خطوط [illegible]
[illegible] ملاحظہ سے گذریگا [illegible] معلوم ہوتا ہے کہ کوئی [illegible]
[illegible] ایک [illegible]
خرید یاقوت کے حضور نے لکھنؤ کو روانہ فرمائی [illegible]
یہ حال کہ دلی میں آیا ہے اور حضور [illegible]
[illegible] معلوم ہوا کہ حضور [illegible] محمد [illegible]
جاتے ہیں لیکن [illegible] میں تمام [illegible]
نقصان ہوگا [illegible] قیمت بہت [illegible]
خرید فرماویں پس [illegible]
کتابیں [illegible]
[illegible]
اور کتاب مصابیح [illegible]
[illegible] حضور کو [illegible]
[illegible] تاریخ اکتوبر کو مولوی [illegible]

Marfat.com

تو ضرور ہے کہ ایک مدرس اس مدرسہ میں مقرر ہوگا اگر کوئی شخص

انکی قایم مقام ہونگے تو ایک عہدہ نیچے کا خالی ہوگا اور اور جتنے حضور کی

متوسل ہیں سب نوکر ہو گئے اور یہ خاکسار امیدوار حضور کی پرورش کا ہے

اور بہت مدت سے چاہتا ہوں کہ دہلی میں کچھ نوکری ملے اب حسب اتفاق

ایک عہدہ خالی ہوا ہے اب وقت ہے کہ حضور میری پرورش کریں

اور جس طرح سے مناسب ہو میری واسطے سفارش فرماویں اور ایک

چٹھی پرنسپل کالج صاحب بہادر کے نام تحریر فرماویں اور اگر حضور میری [illegible]

[illegible]

Marfat.com

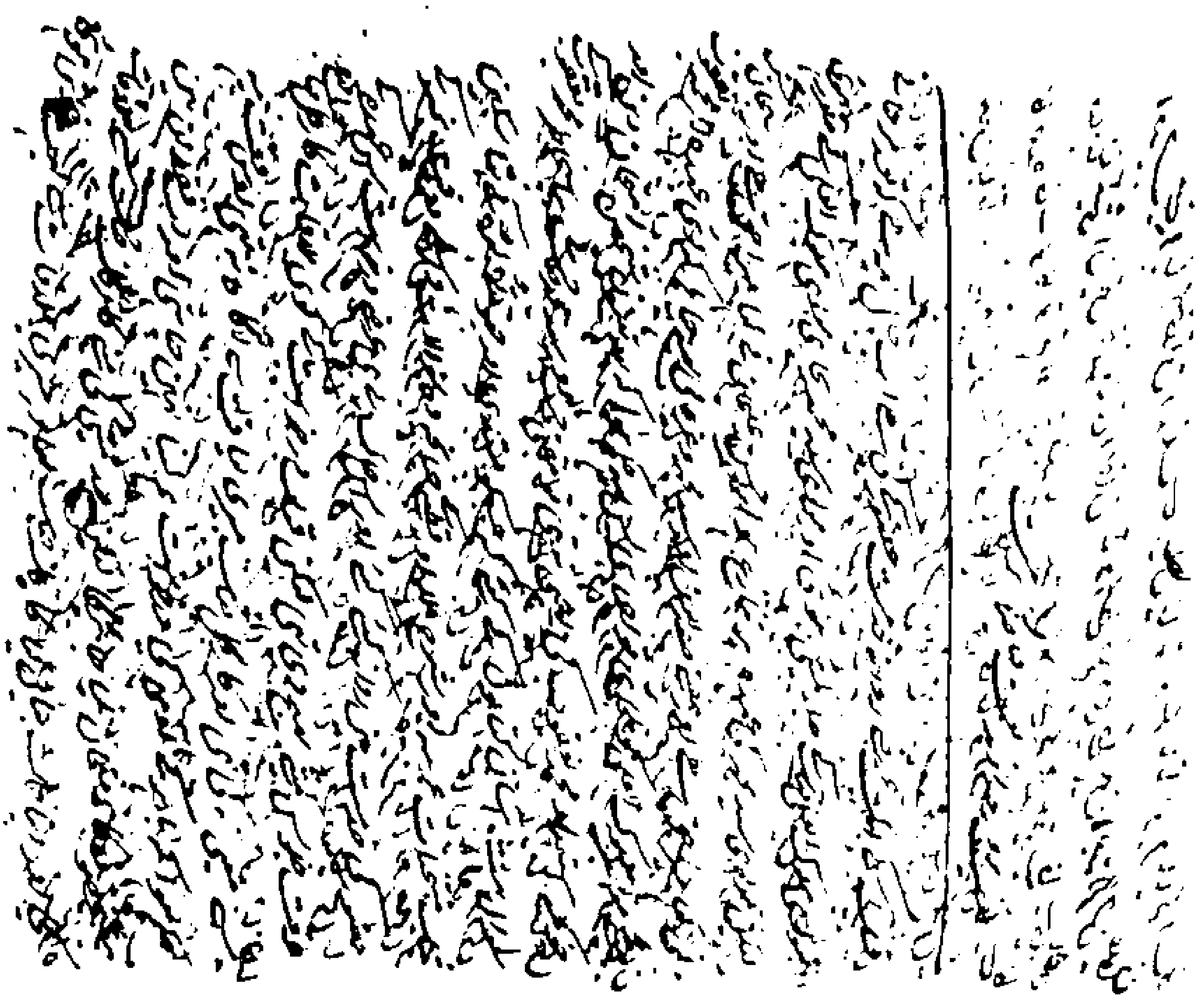

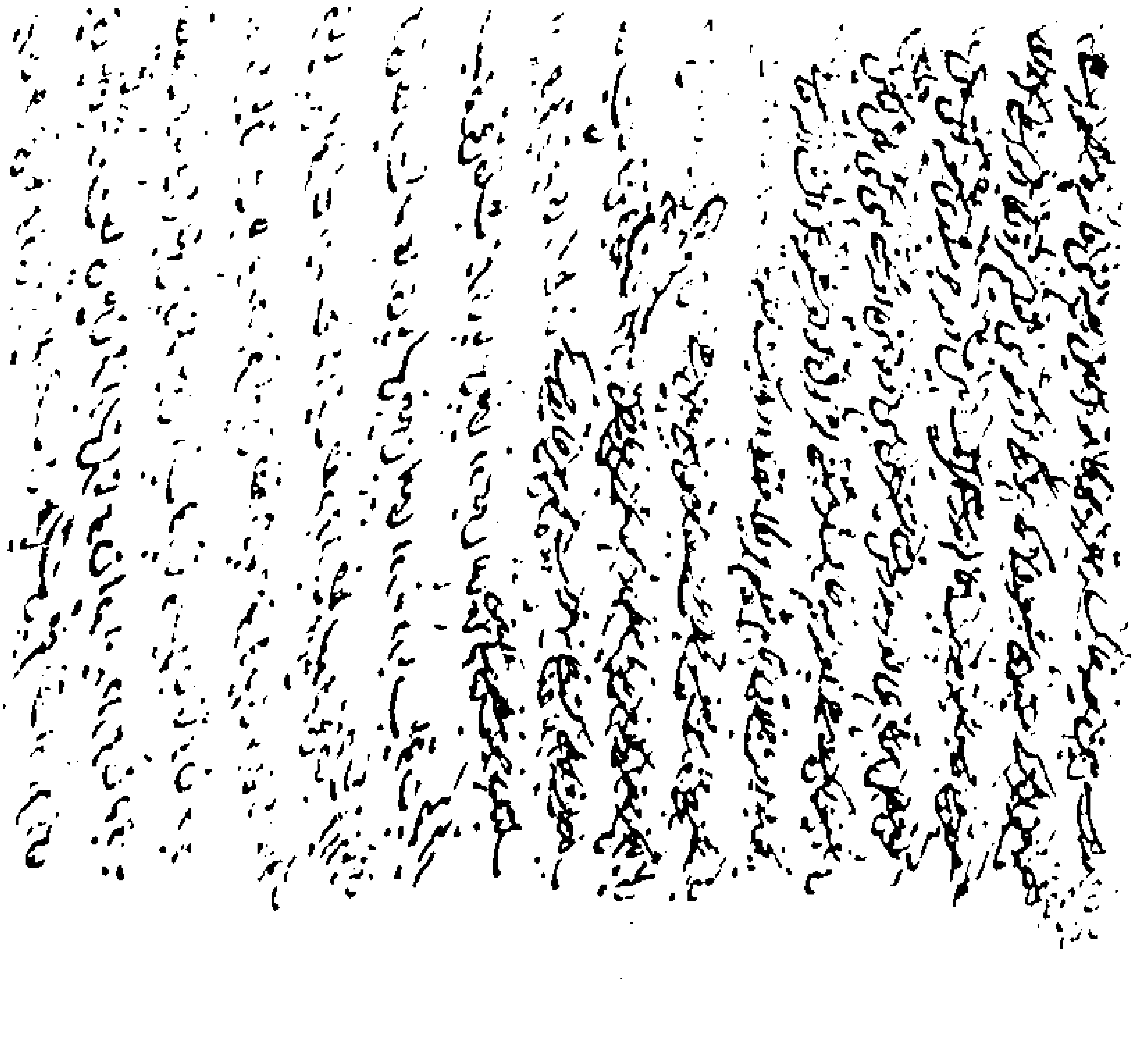

Marfat.com

اور جب ... [illegible]

... [illegible] ... البتہ اگر ... [illegible]

کا عہدہ خالی ہوگا تو تم اس کی جگہ پا سکتے ہو ... کہ محمد یعقوب ... [illegible] بالکل

نہیں پاتا اور یہ نہیں ہو سکتا کہ جو بالکل ... [illegible]

کیا جاوے فقط ... [illegible] ... غرض یہ ہے کہ اگر حسن علی ... [illegible]

... [illegible] ... حضور کی عنایت سے ... [illegible]

[illegible]

حسن علی ... [illegible]

[illegible]

Marfat.com

Marfat.com

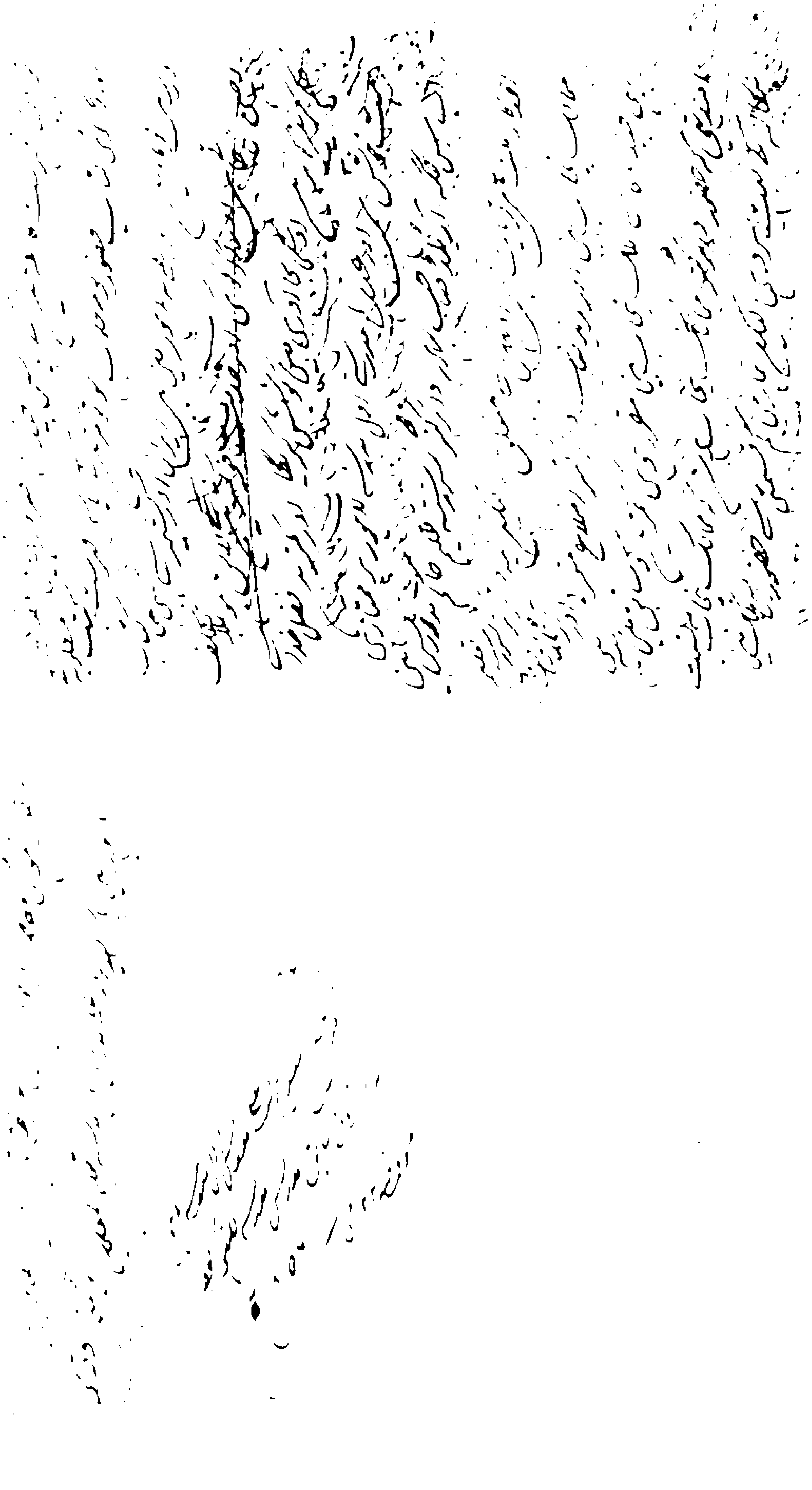

Marfat.com

عرض بردار سلامت

نیازمند اشرف علی بعد آداب زینہاری کی عرض کرتا ہے

حضور کا سرفرازنامہ درباب نقل حال رجال روضۃ الطاہرین سے نیازمند کے پاس پہنچا چنانچہ کتاب نزار
معرفت جناب ٹیلر صاحب بہادر کی سنگوا کر خواجہ شمس الدین سے جسقدر رجال اوسمیں سے دستیاب ہوا لکہا کر
اوسکو حضور میں بہیجا ہوں ملاحظہ سے گذریگا اور ایک دو ورقہ صحیح ترمذی کا جو کہ مطبع السلام میں
چہپ رہی ہے اسکو حضور ملاحظہ کرینگے اگر یہہ کیسی چہپتی ہے جناب عالی میں کاتب خوشنویس
نہیں ہم بہیجا واللہ اہل لکہنؤ ایسا کیا کرتے ہیں جو حضور کی تعمیل حکم اقبال کا کر سکیں اور اب بہی اقبال
خداوندی سے اسکی چہپائی سوداگر بہت پسند کرتے ہیں اور حضور کی عنایت سے اب مطبع میں
اتنی چیزیں شروع ہیں تحفۃ المومنین صحیح ترمذی الف لیلہ دیہ تاریخ روم کتاب بیت اور کاغذ
اخبار وغیرہ اسلئے تو عنایت ابتدای سے کار مطبع کا رونق پر ہے اور آئیندہ رونق پر ہو جب آپ جیسے
مربی اسکا خیال رکہتے ہوں اور مسٹر ٹیلر صاحب بہادر اسکی درستی میں کوشش فرماتے ہیں

دوسری عرض یہ ہے کہ حضور مولوی علی اکبر کو حکم دیں کہ جو میر حسین علی بابت قیمت سنگ بالشت سے ان سے طلب کریں وہ اپنی پاس سے دیکر مجکو اطلاع دیں یہاں ہم نے علی اصغر کو دیدونگا

Marfat.com

نقل [illegible] من الذہب

و وجدت فی بعض [illegible] مع الخبر عن [illegible]

[illegible]

رجعت محمد بن جریر الطبری [illegible] عن محمد بن اسحق [illegible] الفضل بن [illegible]

قال [illegible] علی معاویة قال [illegible]

[illegible]

مات بن سید المرسلین [illegible]

[illegible]

[illegible] ثم بعد السید [illegible]

[illegible]

مختار نامہ	سفینۃ الاولیا	تذکرہ حسینی ناتمام	تواریخ [illegible]
۱۱۲ ورق سطر فی صفحہ ۱۵	۱۳۰ ورق سطر [illegible]	۱۰۹ ورق سطر ۱۲ حروف ۳۶	۲۰۹ ورق سطر ۱۱ حروف ۳۶

[illegible]

والا نامہ حضور [illegible] موجب [illegible] شکر [illegible]

دو روز ہوئے [illegible] تفصیل [illegible] مروج الذہب [illegible]

عبارت اول جلد کا آخری [illegible] مختار نامہ و سفینۃ الاولیا [illegible] تذکرہ

حسینی ناتمام [illegible] تاریخ [illegible] مروج الذہب

[illegible] مختار نامہ و سفینۃ الاولیا | تذکرہ حسینی | تاریخ [illegible] [illegible]

کتاب حضور [illegible] اور [illegible]

حضور کی یاد [illegible] اور حضور کی ترقی مرتبہ سے نہایت خوشی ہوئی

کیونکہ حضور کی [illegible] اگر حضور کی مفارقت کا البتہ رنج ہے

اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے آپ کو خوش رکھے کیونکہ آپ کی ذات ہم غریبوں کی پشت و پناہ ہے

بعد [illegible] ادب [illegible] دعا میگویم

[illegible]

Marfat.com

Marfat.com

غریب نواز سلامت

جو تحفہ مجھے روسی کرائیگر سے تعزیہ حال نسب کی بیگی للیبر

بھیجی ہے مگر ابتک اسکا جواب نہیں آیا احتیاطاً پھر ایک نسخہ حدیقہ سفینۃ الاولیاء ایک جلد

تاریخ ورنہ بھا مروج الذہب پر دو جلد اور اغانی ابوالفرج اصفہانی کا انتخاب لکھتا ہی

منتخب تمام کر دیا اور حضور پر نور کی ملک کی اصلی صاحب کی خط میں لکھا تھا کہ انشاء اللہ وہ بھی

واسطی بھیجی تھی یا نہیں بندہ نواز جب وہ چھپ چکی تھی میں ایک نقل اوسکی ولکنسن صاحب کو بھیجی تھی

ایسی کوئی کتاب چھپی کی نہیں جو یہاں چھپی اور اپکے واسطی بہی نہ بھیجی ہو — اگرچہ

حضور کی ترقی سے دل بہت خوش ہوا لیکن رنج اس کا ہوا کہ اب یہ حضور کا ہماری سرپر نہ

اگرچہ مجکو بہروسہ حضور کا بہت ہی خدا حضور کو خوش رکہی اور در باب تاریخ بیہقی کی ایک

جیمس ورڈریٹ سے اس مضمون کی آئی تہی کہ میری پاس تمہاری ۵۰ جلد میں سے ایک بھی

نہیں بھیجی چنانچہ اوسکی نقل بھی میں حضور کی پاس اوسی عرضی کی ساتھ بھیجتا ہوں

اسباب میں جیسا حضور کو منظور ہو ویسا فرمائیں کیونکہ یہ جلدیں ہیں

اور رسید بھی ۲۶ جنوری ۱۸۶۳ کو معرفت اسٹل صاحب کی ولایت کو گئی تہیں

اور ان کتابوں میں جون جون سے حضور کو لینی منظور ہوں اوسی مطلع فرمائی

Marfat.com

مروج الذہب مخطوب
ورق ۲۵

مختار نامہ
۱۳۱ ورق سطر فی صفحہ ۱۵
حروف فی سطر ۲۰
خط فارسی خوش خط

سبع الاولیا
۱۳۰ فی صفحہ ۱۹ سطر
حروف فی سطر ۲۵
در یک جلد

تاریخ دربار
۳۰۹ ورق
فی صفحہ سطر ۱۱
حروف ۲۹

تذکرہ حسینی ناقص
۱۰۹ ورق
فی صفحہ سطر ۱۷

شرح صراط المستقیم
شیخ عبدالحق دہلوی

Marfat.com

آقای نامدار من سلامت

نیازمند اشرف علی بعد آداب و نیاز کی عرض کرتا ہے

حضور کا والا نامہ درباب خرید یعنی ربیع الابرار اور ایکجلد سکندر نامہ صحیح و خوشخط و محشی کے
بھیجا اس نیازمند کو سربلند کیا جناب نے ربیع الابرار میں بعد تمام دیکھنے کتاب کے ایک نقصان نکلا اور وہ
نقصان یہ ہے کہ پینتالیس ۴۵ ورق اخیر میں اوپر کی طرف کونے میں نیچے حاشیہ کیطرف کی سطر میں
نقصان اتنی حروف کا تھا ہے سطر اول میں ۴۸ حروف سطر دوم میں ۵۱ سوم میں ۵۸ چہارم میں ۵۹
پنجم میں ۵۷ حروف کا ہے مگر ۱۶ ورق اخیر میں نو ۹ سطر کا نقصان دیکھا لیکن کاریگر نے جوڑ
اب خوبصورتی سے کاغذ ہمرنگ کا لگایا ہے اور جدول طلائی بھی بدستور کر دی ہے الا مختصر یہ کہ
دوسری کتاب کی ضرور پڑی تا کہ وہ درست ہو اس سبب سے میں نے اوسکو نہیں لیا اور بھیجنے والے سے
کہا اگر تو پانچ روپیہ چھوڑ دے تو میں لیتا ہوں اور نہیں تو نہیں لیتا مگر وہ راضی نہیں ہوتا
بیان کرتا ہے کہ یہ کتاب مجھکو سات روپیہ میں سید ابراہیم نے لگادی ہے مگر دو روپیہ چھوڑ
دونگا سو اگر حکم حضور کا ہو تو میں لیلوں مگر اوسکی درستی میں چار روپیہ سے کم نہیں صرف ہوگا

Marfat.com

اور سکندر نامی میری پاس کئی آئی تھیں اکثر جا بجا سے غلط پائی اور پرانے بھی کم تھی لیکن
اکثر دلالوں سے کہہ رکھا ہے عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ بھیجونگا اور حضور نے ارشاد کیا تھا
کہ ایک صاحب بطریق سیر دہلی کو آئے ہیں وہ صاحب ہماری کتابیں لاوینگے سو آج تک نہیں آئے
کیونکہ حضور کی کتابیں میری پاس موجود ہیں اور ارادہ کس بعد اداب کے عرض کرنی میں
کہ حضور کی میری حال پر بڑی پرورش ہوئی کہ مولوی اسد اللہ صاحب کی طرف دو سو چالیس
روپیہ مع اصل اور سود کے ہیں حضور کے ادنیٰ توجہ سے وصول ہو سکتے ہیں اور جو وقت
گلستانیں یہ بھیجی گئے اونکو فقط اونکی پہنچنے پر خوش کیجائیگی اور مجھکو امید ہے کہ
تاریخ بھیجونگا بھی حضور کو خیال ہوگا اور مرحوم نواب محمد میر جان کے ہاں تقسیم مال کا
فساد برپا ہے اغلب ہے کہ اب اونکی ہاں کی کتابیں شاید بکیں مگر یہ بندہ مستمند
ہمیشہ خیال میں رہتا ہے کہ کوئی بڑی اچھی کتاب تاریخ کی مجھکو ملے اور حضور کے واسطے
خرید لوں لیکن مجھکو امید ہے کہ ایک فہرست اون کتابوں کی جو کہ حضور کو لینی منظور ہیں
میری پاس بھیجیں زیادہ حد ادب بخدمت خداوند نعمت جناب میم صاحبہ محمودہ کے آداب
اور صاحبزادوں کو دعا دیتا ہوں جناب عالی ایک پرچہ مکند لعل کے نام عرضی کے ساتھ
از راہ خداوندی اونکو عنایت کر دیجیے

[illegible]

تو وہ جیسا تم نے لوا کر کتاب لی اور حبیب السیر کا مطالعہ کیا تو آپ جو حضور نے
سرخیاں لکھی تھیں ان سے معلوم ہوا کہ وہ جزو ثالث از مجلد ثالث لکھے ہیں
نہ کہ جزو ثانی کی اور نیز یہ بھی معلوم ہوا موافق لکھنے حضور کے جزو ثانی میں تلاش کرتا تھا

Marfat.com

اور بار بار دیکھتا تھا اور کہیں ٹھکانا نہ لگتا تھا احتیاط میں خیال کیا اگر جزو ثالث کو
بھی دیکھوں جب جزو ثالث کو دیکھا تو سب سے خیال اور ٹھکانا ملگیا تو اب یہی
حساب کر کے کاتب سے دریافت کیا چنانچہ کاتب اس بات پر راضی ہوا ہے
کہ بارہ روپیہ میں تمام کتاب تک لکھ دونگا اور دو روپیہ میں شنجرف اور کاغذ کا خرچ
ہو جاویگا تو اس صورت میں چودہ روپیہ اصل کتاب کے تیار ہونے میں صرف ہونگے اگر ارشاد ہو
تو لکھوا دوں اور کاغذ پاس ہوگا اور تذکرہ [illegible] کا یہہ حال ہے کہ مولوی سید محمد
کہتا کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بہت بہت آداب لکھنا اور یہہ عرض کرنا
کہ جناب [illegible] وہ تذکرہ [illegible] اللہ [illegible] قدرت [illegible] حروف سے
[illegible] اور وہ [illegible] نقل [illegible] مگر
[illegible] تو کر [illegible] جب [illegible]
[illegible] ربیع الابرار [illegible]
ایک نسخہ ربیع الابرار کا مولوی [illegible]
[illegible] سنا ہے [illegible]
[illegible]
[illegible] زیادہ [illegible]
حضور [illegible]

[illegible]

Marfat.com

آقای نامدار سلامت

نیاز رسیدہ اشرف علی بعد آداب و نیاز کے عرض کرتا ہے کہ تذکرہ ابو القاسم حکیم قدرت اللہ خان کا قریب الاختتام کے ہے
یعنی باستھ ۲۲ جزو ترا اوسکی کاتب لکھ چکا ہے اور گیارہ جزو کا مقابلہ اس نیاز مند نے باوجود عدم فرصت
کیا ہے اور میری عدم فرصتی کا حال حضور پر بخوبی روشن ہے کیونکہ کام مطبع کا فقط میں ہی کرتا ہوں اور
مدرسہ میں بھی دس بجے سے چار بجے تک حاضر رہتا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ باقی اجزا کا بھی بہت جلد مقابلہ
کرکے اور جلد بند ہوا کر حضور میں روانہ کرونگا خداوندا میرے دوست منشی احمد علی سوداگر کے کتاب
بہار عجم جو کہ اصطلاحات زبان عجم میں ہے چھپوانا شروع کیا ہے امید ہے کہ باقبال حضور وہ اختتام کو پہنچیگی جناب عالی
یہ بہت بڑی کتاب ہے یعنی تفسیر عزیزی سے زیادہ ہے اور یہ وہ بہار عجم ہے جو کہ خاص مسودہ ٹیکچند بہار
صاف ہوئی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ بروقت تیار ہونے کے ایک نقل حضور میں روانہ کرونگا امید رکھتا ہوں کہ حضور
از راہ بندہ پروری کے اسکا ذکر شائقین زبان فارسی سے فرمائینگے اور جناب عالی مرزا محمد علی مصنف
فتح پور نے اس نیاز مند کو واسطے احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ کے لکھا ہے چنانچہ نیاز مند نے اونکو یہ جواب لکھا
کہ اس شہر دہلی میں فقط ایک نقل نواب محمد امیر خان کے کتب خانہ میں تھی اوسکو میری اپنی خواہش تو نعمت جناب
ڈاکٹر اسپرنگر صاحب کیواسطے نوے ۹۰ روپیہ کو خرید لیا اور صاحب ممدوح کی خدمت میں بھیجدیا اب میں
صاحب ممدوح کی خدمت میں عرضی لکھونگا اگر صاحب کو منظور ہوگا تو اوسکو علیحدہ کر دینگے اور
ترکیب اوسکے انتخاب کی مجکو نہیں معلوم ہوتا ہے اسواسطے حضور میں عرض کرتا ہوں کہ اگر حضور کو منظور ہو
تو میں مصنف مذکور کو لکھوں اور بعد اوسکے حضور میں عرض کروں اور جناب عالی ایک مجموعہ بہادر خان کا
اس نیاز مند کو درکار ہے اگر حضور کے اقبال سے مقام کلکتہ سے دستیاب ہو تو اوسکی قیمت حضور میں
بھیجدوں اور جناب عالی جس روز سے حضور یہاں سے تشریف لے گئے تو شہر کا مطبع نے مثل
مولوی مملوک العلی مرحوم اور مولوی سبحان بخش اور مولوی امام بخش اور میر سید محمد خوشنویس
اور اکثر طلبہ وغیرہ نے قریب پچاس ۵۰ حصوں کی بعض نے پوری اور بعض نے کچھ کم بر
بھیجدی در صورت لاچاری واسطے جاری رکھنے چھاپہ خانے کے اس نیاز مند نے قریب
بیس حصونکی لالہ رادہ کشن خزانچی نے خرید لیئے اسد
تیس ۳۰ حصونکی اور قریب
حصہ داروں کو ادا کر دیا اب جناب عالی اس شہر میں بیس ۲۰ چھاپہ خانہ
ہیں اس چھاپہ خانے کی اور اور پرانی چھاپہ خانوں کی رونق گھٹ گئی

Marfat.com

اور باہر کی چھپائی اور سوسیٹی کی چھپائی کہ جسکے سبب سے بڑی آبادی تھی وہ بسبب نہ تشریف
رکھنے حضور کی مطلق نہیں ہوتی ناچار قرض دام کرکے چھاپہ خانہ ہی کی کتابیں چھاپنی
شروع کیں تو اب یہ چھاپہ خانہ دو ہزار روپیہ کا قرضدار ہوگیا ہی اور آئندہ کو امید نفع
کی بسبب کثرت چھاپہ خانونکی نہیں معلوم ہوتی اس صورت میں باقی شرکا کی یہ رائی ہی
کہ جو روپیہ اور شریکونکا باقی ہی وہ بھی یہ نیازمند ادا کردیا اور کل قرض بھی اپنی
ذمہ پر قبول کرلے یعنی پانچہزار روپیہ کو خرید کریں سو جناب عالی یہ آپکا نیازمند بہت
گھبراتا ہی کیونکہ میں ساری عمر میں قریب ڈھائی ہزار کے روپیہ جمع کیا تھا اور یہ
چاہتا تھا کہ اب میں ضعیف ہوگیا ہوں تو ایک گوشہ میں بیٹھ رہوں لیکن اب
یہ صورت ہی اسواسطے یہ نیازمند آپکے حضور میں عرض کرتا ہی کہ مجھے
چھ سو روپیہ سوسیٹی کا اور ڈیڑھ سو روپیہ حضور کا یعنی سات سو پچاس روپیہ لیا
جاوے جیسا کہ پہلی شرکا لے چکی ہیں تو اس نیازمند پر حضور کا بڑا احسان
ہوگا اور مجکو آپ کی فیاضی سے امید ہی کہ یہ میری عرض حضور قبول کرکے مٹیلر صاحب کو
لکھہ بھیجینگے کہ اشرف علی سے سات سو پچاس روپیہ بابت حصص سوسیٹی اور ہماری
لیا جاوے اور جناب عالی اگر سوسیٹی اس کارخانہ کو خرید لیوی تو بڑی ہی بندہ پروری ہی
کیونکہ یہ نیازمند کام کرتے کرتے تھک گیا ہی حضور پر روشن ہی کہ اس چھاپہ
خانہ میں تین مہتمم تھے اور اب میں فقط اکیلا ہوں انتمام اخبار کا اور تمام
کتابونکا مقابلہ اور خطوط کا لکھنا اور ساری کارخانہ کا حساب لکھنا
میری ہی ذمہ پر ہی بسبب تنہائی کے اور بھی گھبراتا ہوں زیادہ حد ادب

آفتاب دولت کا روشن ہی

Marfat.com

A Grammar of the
Urdoo Language
Urdoo by Moulvee
Imambux of the
Dehlee College
1849

رسالہ قواعد اردو

مشتمل اوپر چار باب کے باب اول علم صرف مین ÷ باب دوم علم نحو مین ÷ باب سوم
لغات زبان اردو مین ÷ باب چہارم امثال ہندی مین تالیف کیا ہوا مولوی امام بخش
صاحب مدرس اول مدرسہ فارسی کا

باهتمام سید اشرف علی واسطی مطبع العلوم واقع دہلی گذر کشمیری دروازہ مین چھپا سنہ ۱۸۴۹ء

رسالہ قواعد اردو از مولوی امام بخش صہبائی (۱۸۴۹ء) باہتمام سید اشرف علی واسطی

Marfat.com

عزیز یار سلامت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

اس کی تفصیل تو لکھنے میں نہیں آ سکتی ہے اور منقطع میں کی حد سے آگے متمتع ہوں جو صاحب چشم ہو وہ ادراک کچھ تو

اور جو کچھ لکھنا ہے وہ مطلع کا اور مطالعین کی نظر آ جائے گی بغیر کتاب کے مطلع میں دنیا مزار میں تقریب ایسا

نفرت کی جب لکھیں صاحب موصوف اور کتابت سکتا ہوں آپ کو فرصت ہو تو اس سے پیری حال برکت مقامات کے ہیں

اور سب سے اچھے اسلوب کا تکلف نہیں فقط والسلام مخلص محمد اقبال لاہور

Marfat.com

[illegible]

حقیقت حال اس فدوی کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

[illegible] جناب [illegible] صاحب [illegible] دام اقبالہ

[illegible] علمائے عظام [illegible] فضلائے کرام [illegible] محتاجان [illegible] نوشیروان [illegible] منصف دوران [illegible] عدل گستر

~~جناب عالی [illegible] انگریزی [illegible]~~

[illegible] نہایت تنگ کر رکھا

یہاں تک کہ [illegible] بدنامی [illegible] طالب علم [illegible] شروع کیا [illegible]

[illegible] پرنسپل صاحب [illegible] ڈاکٹر [illegible]

[illegible] طالب علموں کا نکالنا [illegible]

طالب علم [illegible] طالب علم [illegible] امتحان [illegible] خارج کر دو [illegible] جناب عالی [illegible]

نوازش کی [illegible] جماعت [illegible] ترقی کی [illegible] طالب علموں [illegible]

[illegible] امتحان [illegible] ۲۵ ۳۴ [illegible] ۵۰ [illegible] شکایت [illegible]

اب [illegible] پرنسپل [illegible] موقوف وظیفہ سے [illegible] امتحان [illegible]

[illegible] طالب علم خارج [illegible] غرض [illegible] جماعت [illegible] بالکلیہ برباد کر دیا [illegible] نہایت تنگ [illegible] آپ کی

[illegible] پرنسپل صاحب کی خدمت میں عرض کی [illegible] ایک برس [illegible]

طالب علم کی [illegible] کتاب فارسی انعام [illegible] قبول [illegible]

اور نہ کوئی کتاب [illegible] عنایت فرمائی [illegible] نوشیروان [illegible] انصاف [illegible] قدر شناس [illegible]

فدوی خدا بخش طالب علم [illegible]

مورخہ ۲۶ دسمبر [illegible]

''مکتوب خدا بخش، بابت ۲۶ دسمبر ۱۸۴۸ء''

Marfat.com

غریب پرور سلامت

جناب کے فدوی نے بمدت مدید مدرسہ دہلی میں تحصیل علوم کی

اور فارسی میں کتب درسیہ ابوالفضل اور سکندرنامہ اور ظہوری اور پنج رقعہ وغیرہ تک

پڑھیں اور عربی میں کتب قصیدہ دیوان متنبی اور مقامات حریری اور تاریخ تیمور

اور تاریخ یمینی اور دیوان حماسہ وغیرہ تک تحصیل کیں اور کتب مشہور ریاضیہ

جو ترجمہ شدہ انگریزی سے ترجمہ ہوئی سب پڑھیں اور اس حسن سعی

آپ کے بسبب عربی اور فارسی میں عمدہ لیاقت بہم پہنچا کر رہا

اور ایسی ہمیشہ وقت امتحان کے بسبب اچھا رہا ہوں جب [illegible]

اگر [illegible] امتحان [illegible] زبانی لیا اور [illegible] امتحان میں اسی [illegible]

اور پرورش حضور کے اچھا برآیا اور اسی سبب سے حضور خود خوب واقف

ہیں میری استعداد سے اور چونکہ بالفعل حضور کے مدرسہ میں عہدہ مولوی سید علی کا

مدرسی سوم فارسی کا خالی ہے اور [illegible] کے منصب ہوتا ہے

اس واسطے امیدوار ہوں کہ مدد یکو از راہ پرورش [illegible] کے

عہدہ مذکور پر ممتاز فرماویں زیادہ حد ادب [illegible]

[illegible] نامدار

[illegible]

Marfat.com

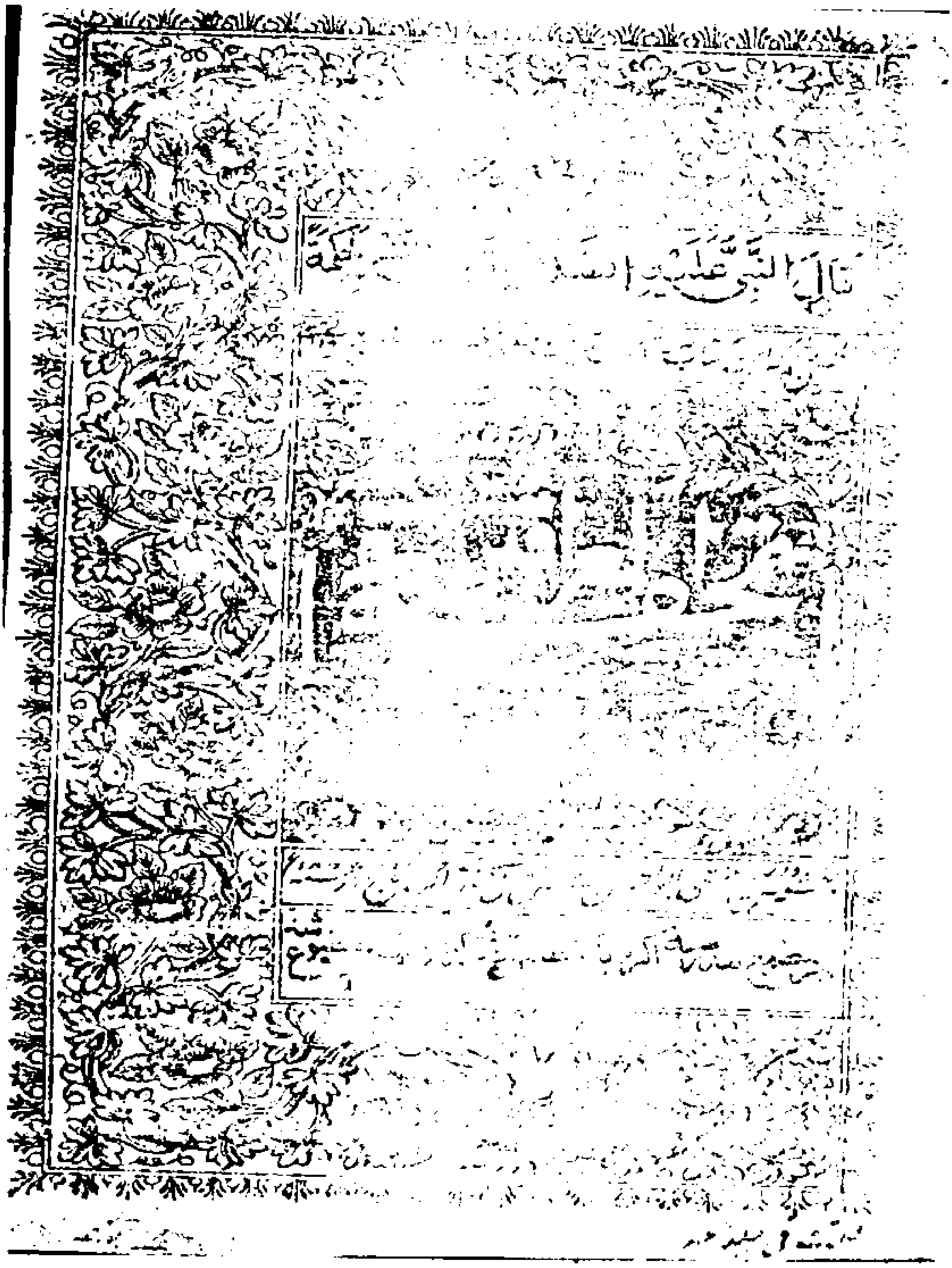

تحفۃ العراقین (بہ تحشیہ و تصحیح منشی ابوالحسن فرید آبادی)، ۱۸۵۵ء

Marfat.com

دیگر مکتوب نویس

Marfat.com

Marfat.com

هو العلی الاعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

میں جو محمد حسین طالب علم جماعت دوم عربی کا

دو صدی نسخہ حبیب السیر کی عوض میں مبلغ خمسین روپیہ

مسٹر ذاکر حسین نگر صاحب کی ہاتھ میری ہاتھوں

بیچ لیا ہے اور مبلغ مذکور مجھ پائی اس لیے چند کلمہ بطریق قبض الوصول کے لکھ دئی

کہ عند الحاجت بکار آوے فقط

تحریر فی التاریخ ۲۳ ماہ ربیع الثانی

محمد حسین

Marfat.com

غریب پرور سلامت

موافق حکم حضور کی احیاء العلوم کو

کئی مقام سے دیکھا تو مقامات مذکورہ کو ویسے ہی پایا چونکہ نسخہ

مبسوط ہے یہ کہیں کہیں سے غلط ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور

خط کتابت مذکور کئی ہیں لیکن سب اچھی ہیں یا نسخہ مذکورہ بالا

اس شہر میں دستیاب ہونا ایسے نسخہ کا دشوار ہے

[illegible]

Marfat.com

غریب پرور سلامت

بعد ملاحظہ عرضی فدوی کے حضور سے ارشاد ہوا کہ مولوی صاحب کے پاس حاضر ہو کمترین حسب الارشاد بجا لایا
لیکن مولوی صاحب نے کچھ تکرار فرمایا مجھ سے نہیں کیا و ظاہر ہے کہ کاتب کے ضرورت سرکار میں نہیں ہے
پر بہری طالع سے فدوی بندہ کوشش و تلاش حضور میں باریاب ہوا آرزو فدوی کی یہی ہے کہ ہمیشہ
دامن دولت سے لگا رہوں در جو کوئی نسخہ مختصر یا مطول لکھنے کو اجازت ہو بندہ بسعی
اوسکی صحت عبارت و حسن خط میں تمام بلیغ کروں آئندہ جو مرضی مبارک تو نظر دوربین
حضور کی محک امتحان جوہر قابلیت و لیاقت سے زیادہ عرض کی حاجت نہیں اللہم اوصله
الی اقصی المقاصد والمرام و خلد ظلاله علی مفارق الانام الی یوم القیام

[illegible]

Marfat.com

ان آفتاب درخشندہ

سے ایسی نعمت فرمانروان عادل و دوران دام

بہ عرض ... معاحد ادمد مرسلہ

مرصع کی پہنچی کا ہوا کہ خیریت مزاج ہر کا تعالی سے سرفراز نہیں ہوا اور نہ کوئی بروبر حضور کا منعقد صحبت سے ...

اس سبب سے طبیعت فدوی کی نہایت تردد میں ہے اللہ تعالی حضور کو بحال خوش و خورم رکھے ... عالی ہمت

کہ سب طرح ترقی ہم خیرخواہوں کی تصور ہے اور حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو بہت خالی ہوئی کسی جگہ کی

کہ ضلع میں پرورش تمہاری میں تحریک کی جاوے گی فدوی اب تک منتظر ہے بعینہ حضور فدوی کی فکر سے

غافل نہ ہونگے صرف واسطے یاددہانی کے عرض کیا آرزو ذریعہ ہے کہ بالفعل کار حضور ملاوت و رفاہ میں ... رہی

اس سبب کہ ایسے حاکم قدردان حضور کی قسمت سے ملتے ہیں امیدوار جاوندی کا ہے کہ بہ خدمت ... حضور

سرفراز ہوں آفتاب دولت و اقبال کا بہ روشن رہے

حضور فیض گنجور میں ملازمان والا شان جناب پرنسپل صاحب دام اقبالکم کے یہ عرض کرتا ہے

کہ یہہ فدوی الٰہی بخش محنت شاقہ و تکلیف سخت سے مدرسہ چہارم کے درجہ میں ایک سال تک

تحصیل علوم کر کے سالانہ امتحان دیا اور ممتحن نے الف لیلہ میں محمد بشیر اللہ اور

فدوی کو انعام لکھا چونکہ محمد بشیر اللہ کو جاگیر شاہی کی ہوئی اس سبب انعام اسکا

حسب ضابطہ ساقط ہوا بعد اسکے فدوی مستحق تھا اب تحقیقات سے معلوم ہوا کہ

فدوی کا نام انگریزی رپورٹ میں نہیں ہے عدالت پناہ جس حالت میں کہ ممتحن نے

رپورٹ میں فدوی کو انعام لکھا گیا اور ممتحن اب تک بھی اقرار کرتے ہیں اور مدرس کہ

جنکے دستخط اس رپورٹ میں ہیں موجود ہیں پس ہمکو بلا وجہ ساقط کریگی کیا وجہ ہے

اس لئے حضور میں فریاد کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ ممتحن کے فارسی رپورٹ کو

ملاحظہ فرمایا جاوے تاکہ فدوی اپنے حق کو پہنچے زیادہ اقبال دولت دو بالا و درخشان رہے

فدوی عاصی

الٰہی بخش طالب علم مدرسہ درجہ دوم

Marfat.com

سلامت

صاحب والا مناقب مصدر فیوض نامتناہی

بعد کہ ارشاد مراسم اشتیاق حصول ملاقات کی التماس ہے

کہ میں ارادہ تشریف ارزانی حضور تا دراصل معاملہ اسی خلوص شکر

سنکر کمال مرہون و ممنون ہوا حق تعالی آپکو اسی خوبی خلقی

اور اخلاص شعاری کے ساتھ زیادہ تر مراتب علیا پر فائز کرے اور حال

یہ ہے کہ دو روز سے ایک بخار زکام کے باعث ہی اور اب بھی تحریک

آرام سے ہوں صحت سے با الفعل آپکو تکلیف دینا خلاف

ادب اور ارادہ کیا سمجھ کہ ڈاک بنگلہ تک موقف مرا اور ملکہ

خود ارادہ ہے کہ اگر کچھ طاقت حاصل ہو جاوے تو میں خود [illegible]

دہلی میں اگر ادر حضور سے ملاقات کے لیے [illegible] گزارش [illegible]

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

عالی متعالی جناب عالیشان فیض فرمان دام اقبالہ

بعد عرض کی عرض کرتا ہی

کہ شکر انعامات خداوندی حضور والا انداز حوصلہ تقریر اور

تحریر سے افزون ہی کہ ساتھ ایسے شان عالی اور مرتبہ بہتر کی

ذرہ نوازی اور متوسل پروری کی سرفرازنامہ سے فدوی کو

مشکور و ممنون ہوا بعد ارسال یک جلد نسخہ مغازی بابت

چار جلد حضور میں بھیجا ہی بسبب بارش کی تردد ہی

خدا کرے خیریت سے پہنچ جاوے بعد پہنچنے کتاب و کتابیں مطلوب حضور

حضور ملازمان والا روانہ کرینگا جون پہونچی مہربانی کی بعد

مہربانی طلب اطباری فہرست میں توقف ہوا آپ کے

نسخہ کی دولت خواہ کی مکسوفیں حضور میں روانہ کرتا

اور فہرست کتب روشنی کی اور کتابیں مولوی سخاوت علی کی

معرفت کتابیں خوب ہو گئیں زائد میں ہزار سے ہو گی طیار کرکے بعد

روانہ کرینگا اور جلد لسید اور مجمل مبادی کی تاریخ طبری کی تیار نہیں ہی

مقابل حضور میں عرض کرتی اور حضور سے سب انجام ہوا کہ فدوی تیار ہی اور

جہاں سے جس محمد حسین کو معاونت میری سید امام کے یقین نسخہ

اسی نالائق حضور حسن کی تقریر میں علما مقام تحقیق ناسخ کل ہی اور

حضور والا حضرت سے ایک سکوت ہو گیا تھا اور وعدہ علم کا

اور فدوی نقشہ اور سکی لیا اور ہوشیار حضور میں گواہی

دوسری طرح تسلی کیا وقت نہیں اور سب سے زیادہ عزیز فدوی کا

پرورش پرور ترقی زیادہ سے کیا عرض کری فدوی

منتخب فارسی خطوط

بنام

اشپرینگر

Marfat.com

Marfat.com

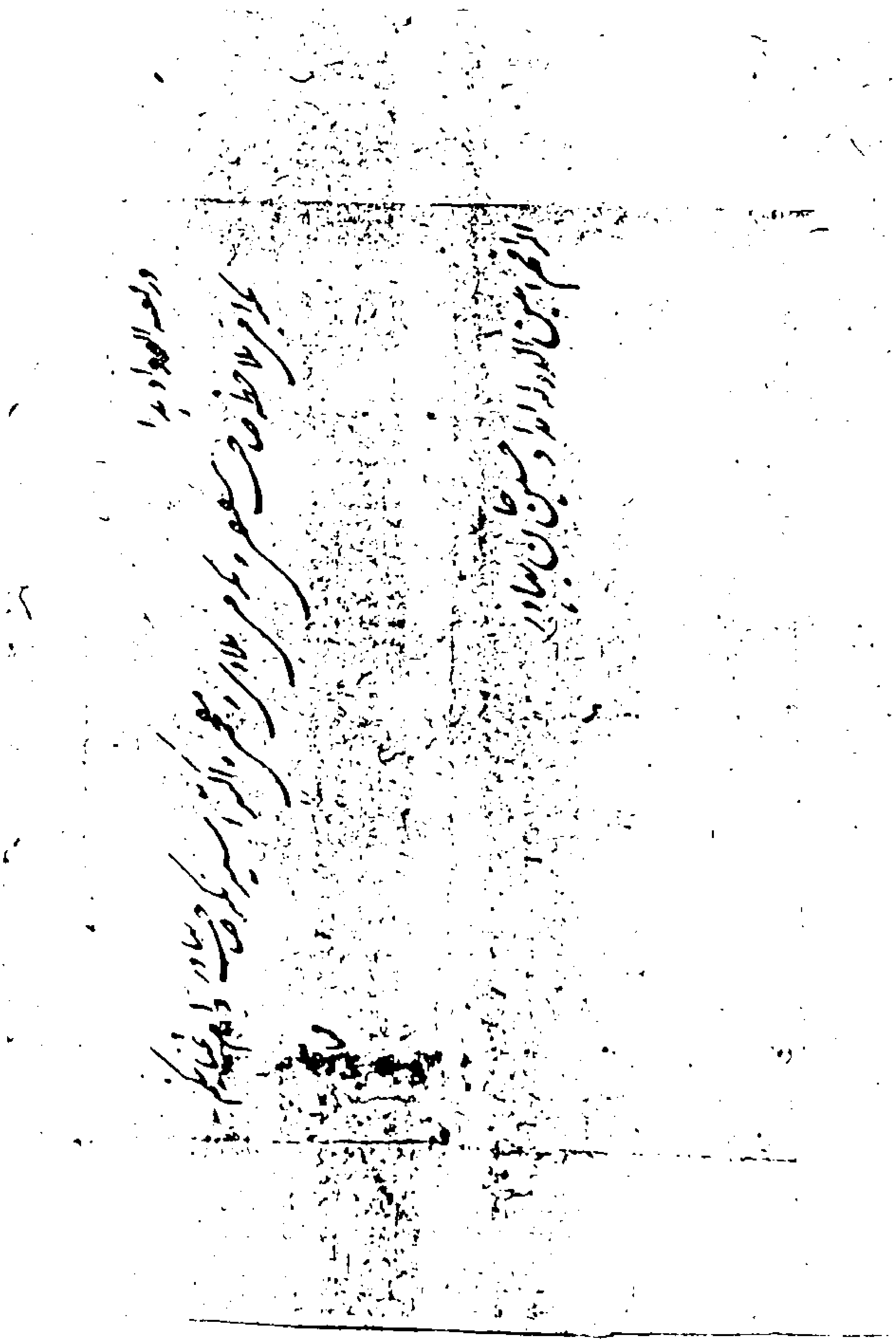

Marfat.com

صاحب مشفق مکرم ملاذ و معظم والاگهر سلامت
دام عنایتکم

بعد از تمنای مواصلت کثیر البهجت نشان آنکه از وقوف
ناسازی مزاج گرامی رنجیدگی والم کرده بدجارح [illegible]
تحریر و تقریبات شافی بحال صحت کامل و شفای
عاجل عطا فرماید و تشریف بردن سامی بجای اکستان
بهواست کاسه بور بسیار شخص بل احسن جای
واقع است بعد شکر ملاقات مع الصحة والعافیت
مراجعت فرمایند و حلقه حیات القلب تجدید است
کسانیکه رسید حافظ سامی جمع باد زیاده بجز
شوق و عزم ملاقات چه برطراز و فقط
مورخه پنجم شهر شوال ۱۲۶۵ [illegible]

Marfat.com

Marfat.com

مهربانا

صاحب مشفق مستر اسپرنگر صاحب

بعد از اظهار مدارج نیازمندیها مکشوف ضمیر منیر
مودت تخمیر میدارد که اولا از مزاج وهاج مسرت
ابتهاج اطلاع فرمایند که اشتیاق اینجانب
از تحریر و تقریر متضاعف است و ثانیا زمانی که
منصب علیای شما شنیده شد که مستر بارت صاحب
بسیار در آداب عربی و فارسی شایق اند
و بموجب ایما و اصرار ایشان موصوف اینجانب
خطی از جانب خود مشتمل بر شوقیه می نگارد
جزو از مصنفات اینجانب که دکشنری لغت
فارسی و غیره که ترتیب داده ام و هنوز بمقابله
صحت نرسیده همراه خط بتاریخ ... می فرستم
ذاک بنام مستر بارت فرستادم که ...
از طرف ما جواب آن ... تا کمال جواب خط از او
نرسید و احیانا ضرورت آن جزو را دارم
زیرا که از ترتیب کتاب دکشنری فارغ شدم
حالا تصحیح آن مابقیست و جزو اول ...
... موقوف است و بسیار حرج ...
... شدم ...

Marfat.com

حضرت شیخ الاسلام [illegible]

بعد از آنکه در [illegible] ملازمت [illegible] برکات الٰهی [illegible]

[illegible] رسید [illegible]

[illegible]

آمد [illegible]

[illegible] علم قرآن [illegible]

و آنچه حال [illegible]

[illegible]

شاید گویند [illegible]

[illegible]

Marfat.com

[illegible]

صاحب [illegible] علما [illegible]

بعد [illegible] آنست [illegible] تفسیر [illegible] بسیار [illegible]

[illegible] محمد [illegible] مرحوم [illegible]

[illegible] است [illegible]

الا [illegible] ترجمه [illegible] قدیم است [illegible]

[illegible] و فواید [illegible] است [illegible] ترجمه [illegible]

منتشر کرده اید [illegible] تفسیر [illegible]

[illegible]

صاحب عالیجناب فیع الشان مشفق مهربان کرم فرمای مخلصان سلامت

بعد شوق ملاقات کثیر البهجت که اعظم تمنیات است بیان که بر ضمیر وقایع نمای محبت مودت و وداد

و مواد بوستان سرای مصادقت و اتحاد و نظر اطراف صحایف خلت و ولا

و سواد خوان دفاتر صفوت و صفا کار من العرش الی الفلک نمای است و الانیست

بزرگی شریف و یگانگی مخلص صداقت شعار مخلص و دوستان

حاکمان گلستان کن کنکان بود نیاف بین ملوک به مصالحت و وحدت

و مصادقت و مصافات اموری که بر وفق آن آرزو بیش تر به فرق باز دقیق حیات

لی رب و بین فرحی عیش و عین فرحش که این ... خصوصیت ... مود

را التجای مخلص با اخلاق ... روشن شده در اعلان لوازم این قول ...

و اطمینان مرسوم ... که دولت جاوید گوش و دعا دائم المجابات یکی ... شود

دیگری را جواب علی الخصوص سرزده ... عالی ... لکالزم ... طریقه ... دلالت

و مراعات این مراسم که از ... البرم مجلس صفا سیرت و ... شناسا

صورت ... تمام ... مجدداً لهذا الحکمون خاطر بود ...

کنایتی ... شرح ... محصول ... وعده

... در باب ... حساب ... عقله ... جلد ... و ... المجد

... امید است ... عطا ... تعویض ... و ... ما ... ظاهرا

[illegible]

Marfat.com

[illegible] مقرب الخاقان [illegible]

[illegible] از صبح [illegible] رسید [illegible]

رسید [illegible] ضعیف [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] و بعضی [illegible]

[illegible] و خود [illegible]

[illegible] از [illegible] مستغنی [illegible] وحدت

[illegible] عقول و همه [illegible] نسیم لطف [illegible]

[illegible] صحبت [illegible] جاه

[illegible] گروه [illegible] باده [illegible] صهبای [illegible]

جلوه [illegible] محروم باشند [illegible] الله تعالی [illegible] طریقه [illegible]

[illegible] کلام

[illegible] سخن [illegible]

[illegible] کتاب [illegible]

[illegible]

Marfat.com

تعرض بندگان عالی

می‌رساند

حکم عالی شرف نفاذ یافته که درس کتب فن حکمت یعنی میبذی و صدرا موقوف گردد این معنی باعث وقوع انواع ضرر دینیست

چه مخفی نیست که اگرچه بعض مسائل حکمیه مخالف شرع شریف است [illegible] الاجسام که در درس بحث [illegible] منافع بسیار است

دارا موقوف علیه اکثر علوم عربیه کتب فارسیه چنانچه اصول و عقاید و اخلاق ناصری و جلالی وغیره میتوان گفت

وعلی الخصوص برای تشحیذ اذهان و تزکیه [illegible] نفعیست و بدین لحاظ درس کتب حکمت جمیع مدارس هندوستان

وغیره نیز ملاحظه جاریست و [illegible] درس اکثر مطولات کتب حکمت جاری بود هرگاه آن [illegible] بعض مدارس

گردید نوبت بدینجا [illegible] بر اکثر حصول [illegible] موقوف [illegible] استعداد

طلبه [illegible] گردد و [illegible] تحصیل علی [illegible] کمال [illegible] لهذا امیدوار [illegible] حکم [illegible] شرف نفاذ یابد

[illegible]

غلام ربانی [illegible] محمد یحیی حسن [illegible] [illegible]

محمد ناظم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ۱۸۹۵ [illegible]

ذوالفقار علی [illegible]

Marfat.com

صاحب والا مناقب مشفق مهربان دام اقباله

معروض جناب [illegible]

چون از روی [illegible] صحت [illegible]

[illegible] عریضه [illegible]

[illegible] ذو المجد والا مناقب [illegible]

روانه کرده ام چون الی الان خلاف عادت [illegible]

جواب ننوشته اند [illegible]

[illegible] این عریضه [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

[illegible]

خداوند نعمت عالی [illegible] بار [illegible] درباره [illegible] فدوی [illegible] که بوده اند

مگر از بابت [illegible] خانه [illegible] فدوی [illegible] فدوی [illegible]

چند [illegible] از کارهای [illegible] الامر [illegible] جناب عالی

و عرض [illegible] حضور [illegible]

که [illegible] فدوی [illegible]

و کارگزار [illegible]

و صدر الصدور [illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

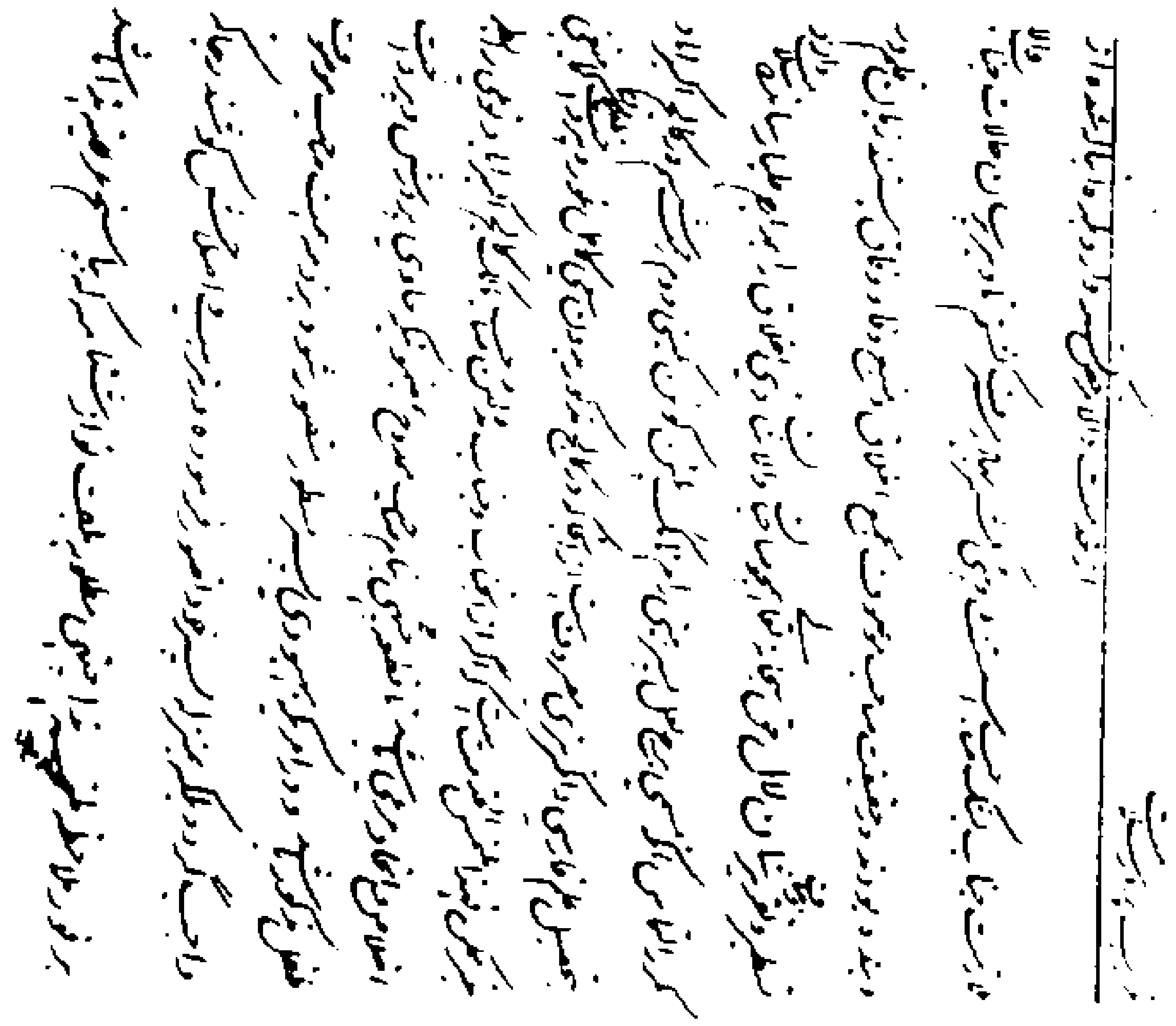

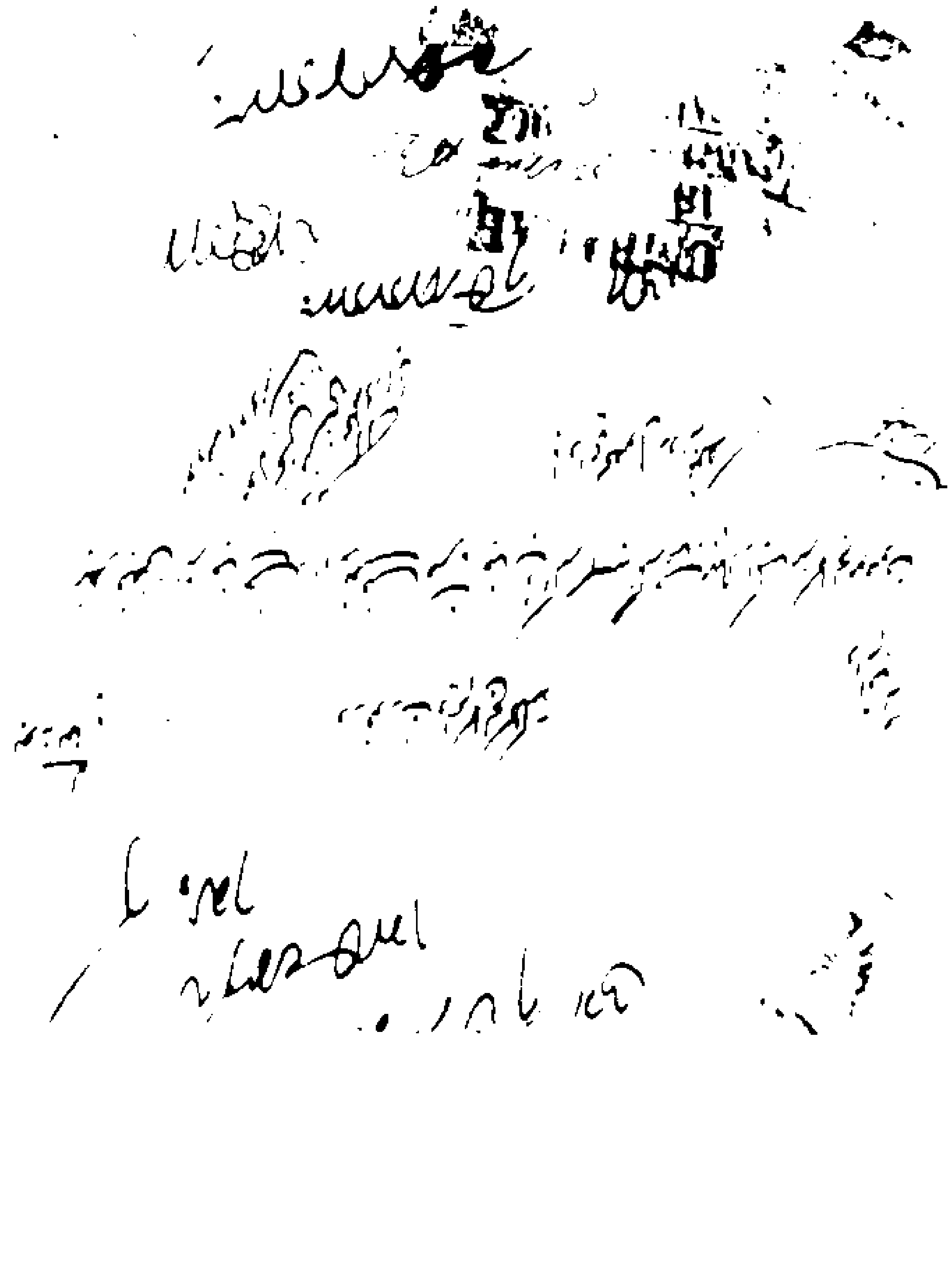

Marfat.com

نی مهربان رقیمه نیاز ارسال فرمایند از توجهات صمیمی و عنایات قلبی

امیدوار بود و هر وقت حصول شکاک رنز و زنگ مذکور خواهم فرستاد

و بنده را منتظر و نگران تصور نفرمایند زیاده جسارت است ایام ... باد

[illegible]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

جناب والامناقب عالیشان [illegible] مخلصان [illegible]

بعد از اظهار مراسم اشتیاق ملاقات [illegible] الحمد لله [illegible] کتاب

[illegible] نواب [illegible] مخلصی [illegible] مقربان بار [illegible]

قلم [illegible] تا [illegible] از اینجا

آمدن مطهر شده [illegible] الصدور [illegible] دارم [illegible]

[illegible] اتفاق [illegible] علم القرآن [illegible] فروختن [illegible]

والله حالا [illegible] که در [illegible] هیچ کس [illegible] متعلقات

[illegible] باشد [illegible] شده

شاید گوینده سخن [illegible] گفته باشد [illegible]

Marfat.com

دوستان دام مجدهم

صاحب والامناقب سلالة الانجاب معدن

بعد تقدیم مدارج اشتیاق و ابتهال دارد ... شرف ملاطفت

ملاطفت کثیرالالتفات عرضه رسید بدانکه نامه‌ای سوار

ولی محتوی بر ترسیل دو جلد کتاب خلاصة الاقوال

روضه از آن خاک پاک بالا داشت و نیز عزم بالجزم تاریخ

بجهه ایران سمت گوشه شد و تاکید ترسیل عریضه بالصراحت

درود الطاف فرموده، بعد چندی کتب مذکوره

بخاک ... رسید الحمد ... جمعه بنده

دام اقباله

جناب صاحب معظم الشأن رفیع المکان قدر افزای اهل علم و کمال

بعد از اظهار [illegible] ملاقات بهجت آیات [illegible] العباد [illegible] و راز شوق

[illegible] عالیه عربیه و انگلیسی [illegible] اتم است و در این روزها از زبان بعضی صاحبان

کلکته معلوم شد که جناب مطبع خاص صرف برای کتب عربیه جاری فرموده اند

و انهم مستفید [illegible] که [illegible] و لله الالطاف و [illegible] این تحریری

و غیره کتب در مطبع جناب [illegible] و [illegible] کتب طلب کردن مشکل است

لهذا عرض می نماید که تا حال کتابی که در مطبع حکم و [illegible] فهرست [illegible] کتب تاریخ و حدیث

و تفسیر و غیره علوم عربیه و انگلیسی از ابتدای تقرر مطبع طبع شده باشد مع قیمت وزن و

ارسال فرمایند که هر که مطلوب [illegible] خواهد بود با ارسال هندوی طلب خواهم کرد فقط

و اگر ارسال فهرست کتب مطبوعه جناب [illegible] که از [illegible] شده باشد مشعر فرمایند [illegible]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

مخدوم و مکرم من جناب مولوی صاحب دام لطفکم [illegible]

[illegible] بالفعل [illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

[illegible] قیمت [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

Marfat.com

کتب مطبوعه مطبع ... خصوصاً قرآن‌ها باشند الملتمس ... ...
ارسال ... کتب مطبوعه مطبع ... ...
لیکن کتب مطبوعه مطبع ... ...
این صاحبان خوب واقف اند ... قیمت ... ... زیاده
میدارند و ... ...
در ... ...
و قیمت ... روپیه ... ... قیمت ... ...
تا ... روپیه ... روپیه ... ... قیمت ... ...
... ... روپیه ... ... روپیه ...
... ... روپیه ... ...
... ...
و ... ...
... ...
... ... والسلام ... ...

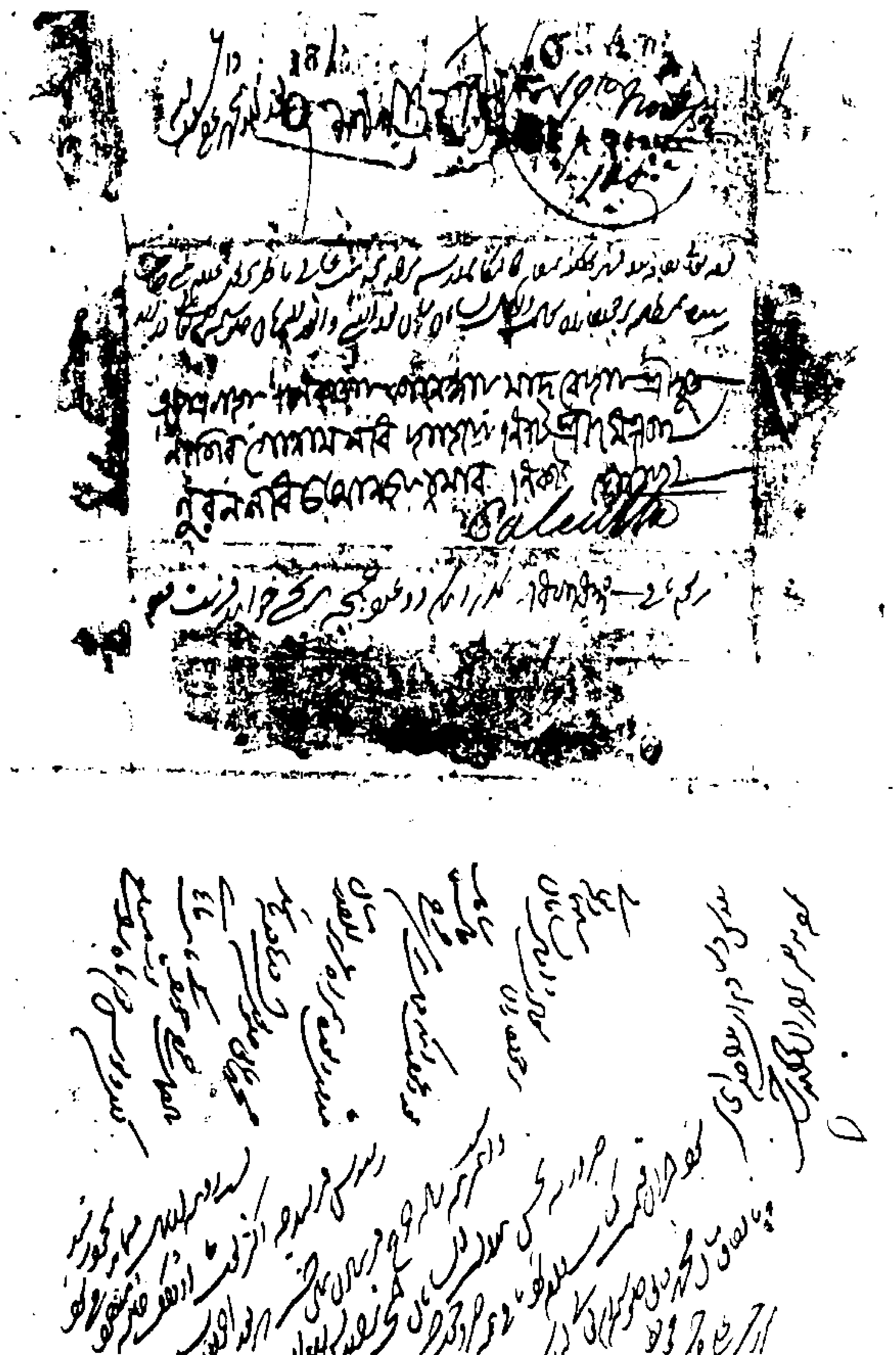

Marfat.com

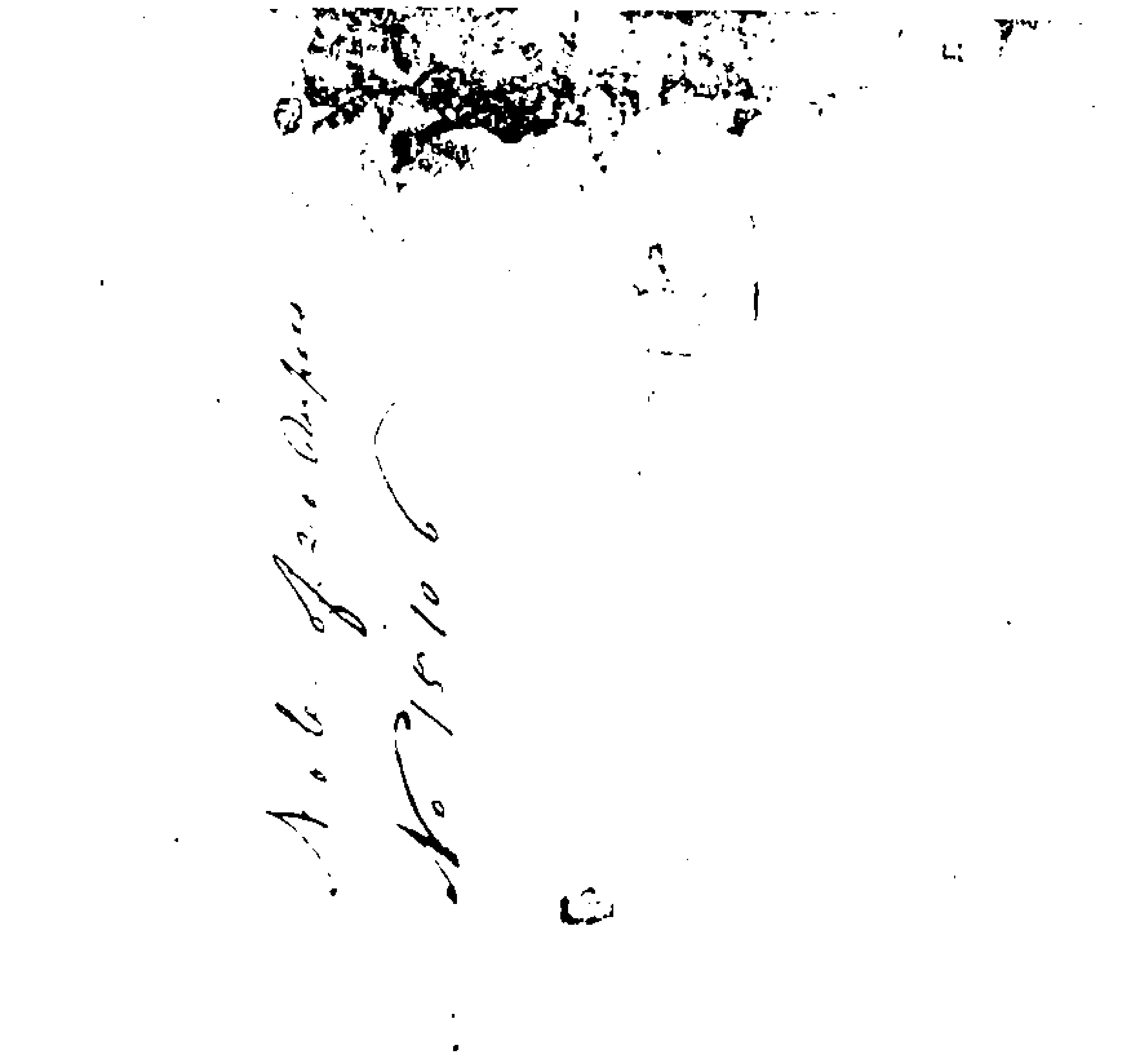

Marfat.com

اشپرینگر کے خرید کردہ مخطوطات کی رسیدیں

Marfat.com

Marfat.com

— Moh. [illegible] Mustafa Khan

دام شفقته

صاحب عالیشان ذو الکرم والاحسان

از خاکسار بنده یزدان محمد مصطفی خان بعد سلام نیاز

آنکه مشفقه عالی در مضمون کتب جدیده رسید چون

هست کتب کلان که از عرصه دراز در عوض

طبع است هنوز تیار نشده و هر رساله

که خورد خورد تیار شد بجا بجا در شهرهای دیگر

برای فروش رفته است ان شاء الله تعالی

اکنون هر رساله که تیار خواهد شد بعرض

عالی خواهم رسانید زیاده بجز تسلیم چه نگاشته آید

STAA[illegible]
PREUSSIS[illegible]
BERLIN
Signatur.

Marfat.com

به جناب زمان‌های بازرسید آقا مصطفی نمایند حبیب عزیز

از غالب اگر بعد از گذارش سلام و نیاز عرض اینکه امروز رسید

شما شرح قرار ثابتی صاحب ساله را دیدم خوشحالم

که گم شده و بدست نمی‌رسد اما جای ما در نزد همت فرموده اند

که احتیاطا همه در بین است یا رسید بگذارید فرمائید یا رسید شادی می

مهری مرحمت شود تا اینکه کمیته‌یان چک شش لعنه

التماس اینکه رسیدها دستخطی صاحب ساله یا رسید مهری گزارش

تا ملک رفیق نبود الا مکرمت فرمائید زیاده زحمت ندارد

Marfat.com

کتاب تاریخ فیروزشاهی که اسپرنگر صاحب بهادر رسید داده
بطریق مستعار طلب فرموده بودند کتاب مذکور را پس فرستاده
چنانکه کتاب مذکور داخل کتبخانه سرکار تحویل خود نموده رسید
دستخطی صاحب موصوف که بالفعل در کتاب ثبت شده معلوم نیست
که در کجا افتاده هم و برهم شده اگر تا حال رسید مذکور

برآید از صاحب مذکور هیچ مواخذه نیست فقط

Marfat.com

عدد ۱۶

مبلغ بیست و هشت روپیه

در وجه قیمت یک نسخه بیضاوی شریف

چاپه ولایت مدرسه جناب نفیس صاحب

بهادر بمبئی عجب لطیف می واط کینی [illegible]

عالیه کلکته رسید محرره فی التاریخ لستة و عشر

ماه [illegible] ۱۲۵۳

Marfat.com

بعز عرض بندگان عالی متعالی اینکه

بنده عبدالواحد جهت التماس ملازمت ملازمان بدر دولت

حاضر آمده امیدوار است که بحصول ملازمت مشرف و سرفراز گردد

زیاده آفتاب دولت تابان و درخشان باد

کمترین فدوی عبدالواحد

Marfat.com

او

منکه اشرف دفتری باشندهٔ ضلع فریدپور

از منعم مبلغ [illegible] روپیه بابت جلد بست

عدد کتب از [illegible] امین صاحب فهمیده

یافتم بنابرین چند کلمه بطریق رسید نوشته

دادم تاریخ ۱۶ ماه اکتوبر سنه ۱۸۵۲ ع

Marfat.com

منکه عبدالغنی ساکن محال کلکته ام

چون من مقرر مبلغ بیست روپیه بابت مشاهره ماه جنوری سنه ۱۸۵۳ع

از دست جناب امین صاحب وصول یافتم بنا بر ان

این چند کلمه بطریق رسید نوشته دادم تا عند الحاجت بکار آید

تحریر تاریخ [illegible] فروری سنه ۱۸۵۳ع

العبد عبدالغنی

Marfat.com

بطریق یادداشت ابجد کلمه نوشته می شوند
تا که آینده را موجب استدلال شوند و آن است
که اجزای کتب تاریخ اسحاق و تاریخ القدس
// از ملکیت اینجانب بودند در استنبول از رضا
و رغبت خود از تفسیر بیضاوی // ملکیت ڈاکٹر
سپرنگر صاحب بود از جناب ممدوح معرفت
حاجی محمد مصطفی صاحب مبادله کردم لهذا ابجد
کلمه بطوع خود نوشته دادم فقط

[illegible]

Marfat.com

ز

اقرار میر حسن رضوی مهتمم مطبع حسنی آنکه
چون مبلغ مفصله الذیل بابت فروخت کتب مطبوعه مطبع خود
از جناب ڈاکتر اسپرنگر صاحب بهادر وصول کردم لهذا
بسبیل رسید نوشته دادم تا سند باشد
کل قطعه ۱۳ [illegible] سیزده [illegible]

دفعه اول [illegible] | دفعه دوئم [illegible]

العبد

[illegible]

تحریر تاریخ ۱۶ ماه صفر ۶۵ [illegible]

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] شد فقط

[illegible] ۱۲۶۶ [illegible]

[illegible] ۱۸ [illegible]

Marfat.com

به عرض عالی جناب آقای نامدار (دام اقباله)
می‌رساند

که این بنده ... بدل از شنبه به درد سر و اوجاع شکمی و تب خفیف

مبتلا است اما از دیروز در هر دو افاقه و تخفیف دست داده

و امروز مسهل خفیف که حال منضج دارد گرفته‌ام اگر

خدا ... فردا البته بوسیله حاضر خواهد شد و ادب ...

فدوی عبدالغنی

عربی، فارسی اور اردو منظومات

(در تعریف و توصیف اشپرینگر)

Marfat.com

Marfat.com

قال العبد الضعيف محمد احسن يمدح داكتر اي سبرنجر صاحب بهادر

بسم الله الرحمن الرحيم [illegible]

من للحزين بان يبلغ شوقه — عنه الى حبر [illegible]

[illegible] اللوذعي [illegible] — [illegible] من قبله [illegible]

من للكئيب بان يقوم مرامه — يجابه في احسن الاوقات

يا سائلا لا تضطرب [illegible] — يغنيك عن كرب وعن [illegible]

ابنيت [illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

كرم لو ان [illegible] — [illegible]

بحر الفضائل والمعارف والهدى — [illegible]

كنز [illegible] — شمس [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]

[illegible]

مدحیہ نظم از محمد احسن نانوتوی مع اردو ترجمہ (رک: سابقہ صفحات ۸۸-۹۰)

Marfat.com

يزهو ببدائعه بالمفاخر والنهى   مثل الشموس بأكبر الصحوات

مات الكمال بموت سحبان وقد   أحياه هذا الحبر بالنفحات

أين البليغ الأصمعي ومن حذا   من سابقي القصبات في الطرقات

وأبو عبيدة والحريري الذي   فاق الإمام بأبلغ اللفظات

والبحتري ودعبل وأبو نواس   ذوي خطى وبدائع الأبيات

حتى يروا شأن الفصاحة عنده   تحيي القلوب بأفصح الكلمات

موج تفجر من أصابع مصقع   فطن وصبح تجلي الظلمات

مسك يفوح لمسك الخلوات علت   من أسوته الأمر التي في الحسنات

تزري بفصحاء الزمان بيانه   لرشاقة الألفاظ والفقرات

يا مادحا مهلا فإن مديحه   لتحيرني لا أبلغ الغايات

نال المنى من كل شرف دائما   جنبه رب العرش بالبركات

يا من تشنف عن جماهير كلامه   أبدوا نهوا على لامع أولي الدرجات

عش ما جلت ما غرست تمرة   وترقى الغصون بأفصح السجعات

تمت بالخير

Marfat.com

محمد علی

بشرى لقد جاد البلاد سماء — على الصبا ولخضرت الغبراء
ضرب الربيع خيامه فوق الربى — وله الزهور كتيبة خضراء
وتفتق الانوار اطراف الضحى — فالدهر منها روضة غناء
يا صاح ماهذا المطال وقد ترى — راق الزمان ورقت الصهباء
قم روق الراح العتيق وهاتها — من كل نسيك علاه رياء
هات اسقنيها واذكرن صفاتها — لينال من لذاتها الاعضاء
واستجلها صرفا واترع كأسها — من ريحها تتعطر الاحياء
طابت بذكر مترف فكأنه — اخلاق غطريف جواد حياء
بحر الندى سيد بحر الجدى — حاز الثناء له يد بيضاء
علامة جمع المكارم همة — فيها مدى يتمنى اليه ذكاء
شهم همام بارع منفرد — يثنى عليه العلم والعلماء
الجهبذ الجحجاح قرم مقرم — الاريحي الالمعي الوضاء
للمجد غوث للمكارم موئل — للفضل غيث للسخاء سماء
شمس المعالي لا كسوف لفضلها — بدر العلى لا يعتريه خفاء
انسان عين المجد احمد عصره — بحر الندى ري الصدى داماء
يا مقصد الطلاب يا مولى الورى — عش دائما نفسي عليك فداء
ولئن حللت بظاهر مولاي في — كلكتة فالمدن منك علاء
ولانت اعلمهم وافضلهم لذا — بك يفخر العلماء والفضلاء
سبحان من سحبان يطوق جا — ولسحبا قد اذعن الفصحاء
حمدا فهذا المدح شيء هين — ولقد تقاصر عن علاك ثناء

واسلم ودم في صحة من ربه
ما غردت في ايكها الورقاء

مدحیہ قصیدہ مع اردو ترجمہ (رسالہ ... ص ۱۰۵ تا ۱۰۹)

Marfat.com

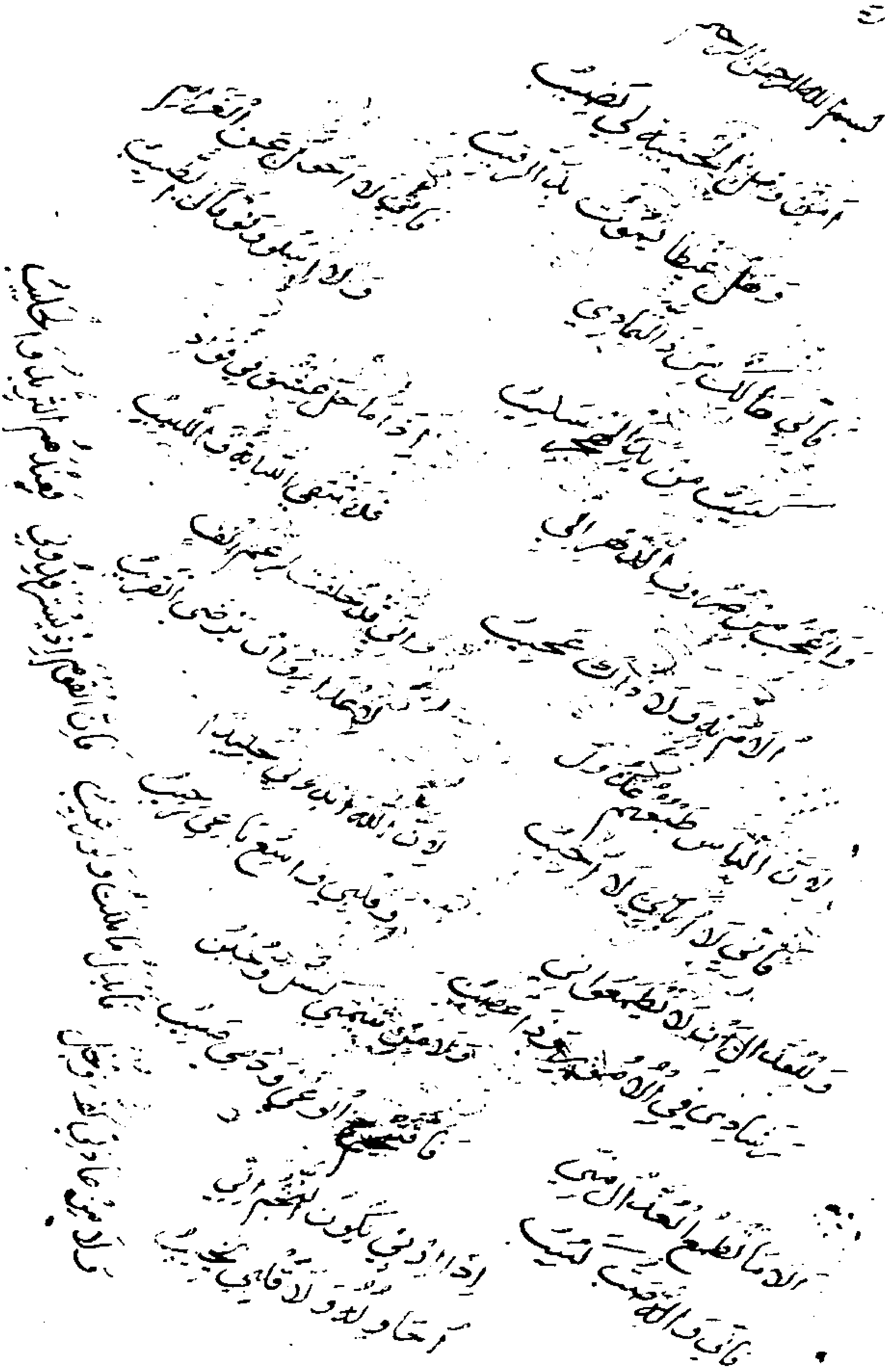
بسم الله الرحمن الرحيم

شاعر نامعلوم الاسم (مخزونہ در: ذخیرۂ اشپرینگر، برلین)

Marfat.com

فلا تفخر بما لك في بنيك ما أديب
فليس الخير إذا أمست سحائب

فإن شئت مهجة بالقلب منسبا
أترضى غطاء بما كان ينسب

فإذا تحيط من الربيع
فلا تتشبه بالرسا عن الزبيب

وتلك الحمرة إلا الزهر زروق
إذا أصاحت عليها تنسب

فإن لك الفواكه ما تروق
وتنبت من الفواكه ما تطيب

فإن تمسلها الحلو حسنا
فقد خرجت ما حرج الغضب

وإن تلك الثياب الخضر تدنو
تحلى الأشجار في الفصل الرطيب

تصافي زينت
ولم تر مثله حيا الغيث

فإن لا تختلط في تلك الثياب
فتوجد أنها غصن رطيب

فأنا فقد
تمت

Marfat.com

لما بلغ حكام الفرنج فساد الهنود في دورهم ودیارهم
واحیاء الضیم واماتة السداد في بلادهم ومعابرهم
وضيق تلك الارض من بواديها وحضارها
وشبوق اشكال النهب والغارة على اترتها وتجارها
وعتو اوشابها وجموح دعارها ❊ ارسلوا
اليهم ان تصلحوا الفساد ❊ ويرحموا البقاع
والبلاد ❊ ويضموا اليها الشراد ❊ فما زادهم
الانفورا ❊ وما افادهم الا غرورا ❊
حتى احتشد واللقتال من النواحي والاطراف
واجتمعوا للجدال من الضواحي والاكناف ❊
والتفوا للنزال من ارجاء البلاد والجبال ❊
واحتفوا للنضال من انحاء الاطواد والتلال ❊
وحلفوا على ان لا يرتدوا على الاعقاب من المجالد
ولا يغضوا عن الاسلاب والاحمال ❊
فتطاير رسل الفرنج ورسائلهم الى عمال البلاد
للاستتباب بالعدد والعدد والانجاد ❊
والاستعداد بما لديهم من الجنود والامداد ❊
فانضم زهاء ستين الاف رجال من قومهم و
الابطال ❊ وكماة مستبسلين ❊ واثبات
مستلامين ❊ جلوا عن ضراغم حلية وخفية
ممعقة متهم رعال من رزيته ❊ وسمتهم
دهاة منسية ❊ بسترتهم علم اباه
وحمية ❊ لمعانهم اشد لبنية ❊ وانهم

بلاروية ❊ وصيقل قوا [illegible] فيصل مفند
وتهنية ❊ صبوحهم التصبيح على الاقران
والامثال ❊ وغبوقهم شن الغارات
في الاموال والاحمال ❊ شعر
انغامرون اذا دعوا البلية ❊
والفارسون اذا دعوا الحمام ❊
قعود والتبيت في خنور السيوف
ليا ليا والقتل في الايام ❊
نار والكتائب رضراحة كالزعازع ناجية
وبيض مهتزة بالذعاف المقشب منتشرة
ومران مرتاحة ❊ للبات والاكباد متاحة
فطووا منزلا فمنزلا ❊ وارتحلوا من حلائم مرحلا
حتى وصلوا الى حلبة الضرب والقتال ❊
ولحقوا في دار الحرب والجدال ❊ واما الهنود
فلما اجتمع شملهم وشتاتهم ❊ وشكت ذموريهم
واثباتهم ❊ وحرضتهم ذحولهم وتراتهم ❊
وما كان عليهم من نزرات النائي والخلل ❊
ويشفي الغليل ويشفي العلل ❊ حملوا ثورة الجهود
على جنود الهنود ❊ لا يبالون بدافع الضرر
المستعرة الضارية ❊ ولا يكترثون بالسهام
المصماة الضارمة ❊ حتى انتهوا الى جفنهم
كالضبارمة ❊ فالتقى الفريقان ❊ في حلقة
الطعان ❊ فطلعت شمس الحرب عليهما ❊

قصیدہ علی اکبر سونی پتی مع اردو ترجمہ (رک: سابقہ صفحات ۱۸۴-۱۹۱)

Marfat.com

فاقتسماها فيما بينهما ٭ فحصل الفرج منها
على نور الفرح والبشر ٭ ووصل الهنود على
نار الترح والعسر ٭ فاحمرت الارض
تقضيها وقضيضها ٭ وعمت القتلى في نجدها
وحضيضها ٭ ولم تقشع عجاج الحرب وان
انهل صبير الدم في الصباح والمساء ٭ ولم
تبح المصابيح وان جاد وبل النجيع وجد
في الاطفاء ٭

شعر

استلحموا وتلببوا وتناصلوا فخلا الاجسام
من ارواحها والقصد من جسد ٭
واستخرموا وتناوشوا فتكا فما تركوا ٭
بيضا على راس ولا راسا على جسد ٭

حتى صار الجساد على الاجساد ٭ والاكباد
في الاكباد ٭ وصعد ورالعوالي في الصعداء
فسالت البحور من النحور ٭ والانهار من الدمار ٭
كالانهار من السماء ٭ فلما رأى الهنود ان غشاهم
ما غشاهم ٭ وستر وجه الارض قتلاهم
ورانت على حصيد الضروب جرحاهم
وخارت فخارهم ودعواهم ٭ وآن اوانهم
للهوان ٭ وحان حين الحين والامتهان ٭
وتمحوا في الفزع والاضطرار ٭ وتمتعوا بالفرار
والادبار ٭ ونشوا انسهم بالكفاح والنطاح ٭
ولم يبق والمساء من الصباح ٭ اهلوا الحارة
والجدال ٭ وغادروا النزال وكسيوف الاصول
وطارت هامة النخوة من هاماتهم ٭ وتغيرت الخيلاء
من مشاعرهم وكلماتهم ٭ فتبدل عنادهم
بالعناد ٭ والصباح بالمساء ٭ والجبر بالكسر ٭
واليسر بالعسر ٭ والحلو بالمر ٭ والبرد بالحر ٭
والاكثار بالاقلال ٭ فبالجملة صار احسن حالهم
اخس الاحوال ٭ حتى نبذوا اعلامهم وراء ظهورهم
وركبوا باسرهم على خسرهم ٭

شعر

ان الاله كذلك يجعل جهد قوم في التخيب وخشيتهم
كالذايم ٭ وشجاعتهم نكسا وصعقهم لمبدا
جابلا وهمامهم كطعام ٭

فتلطخت ادبارهم
اذا دبروا ٭ ووجوههم من قبل في الاقدام
وركبوا على البلايا لما تولوا ٭ فالبعض صحح ادبارهم
حتى تشوب ما دبا بدمائهم ٭ وتلاقت الاقدام بالاقدام
فعبرت طائفة منهم بالركض والاسراع
وتخلصوا بارواحهم بالسعي والاهراع ٭
واما الاخرى فانقض الجسر عليها فابتلعها امواج
تلاطمها البحران الماء والدمار ٭ فتحتها البلايا
وفوقها اللاداء ٭ فانمحت جثتهم [illegible]
في النار لازمة ٭ ودار واضحهم طافية على الماء
فصارت الداهية دايمة ٭ والبلية [illegible]

شعر

ساق الحياة لاسراهم وموتهم
فيها الهم فلق في ذواتهم حرق ٭

بسم الله الرحمن الرحیم

[illegible]

اولاً حمد خدای لایزال / ثانیاً نعت رسول باکمال

گویم از دل هم بگویم از زبان / تا که بینم از لطیفش این جواب

بعد از آن گوشم به مدح حاکمی / گوش گر تر شد ز لطف آن جلال

حاکم با هیبت و با عدل و داد / وصف او بیرون شد از وهم و جهد

در سخاوت تا نشین حاتم بود / در دلش هرگز نمی آید ملال

گر رود اعدای ره مطلبی / خود برآرد مقصدش وقت سوال

زین سبب حاضر شد اندر اعلی / تا که یابد بهره از بحر نوال

یعنی کاران این مدرسه / بی نظیر و بی شبیه و بی مثال

مدت یکسال بیت بالای آن / منقضی شد در جناب این عمال

کرام الله علی
[illegible]

Marfat.com

زهی زمانه که اندر قضای حاجاتی — نکوتمیز مکرّان نسب عبد قربانی

بجان نثار شوم در ثنای ای سنجر — که بهر خلق بود ماحث تن آسانی

ز عدل و نصفت او شاکر اند اهل جهان — جو اوست مظهر الطاف در جهانبانی

بعهد دولت او مور و مار رفته بهم — ز خوف او بکند گرگ میر چوپانی

بعلم و فضل نزاد نظیر و همتای — ز بود که لیسا دت ز نوع انسانی

همیشه بر در او میر و شد اهل مراد — جو اوست مصدر احسان و حاتم ثانی

رسم بکام دل خود ز بس عطایش — شود بدشمن او دام پنهانی

اسداد علمای انصاف حضور انست که بسرم محمد علی خان از طلبه مدرسه الحمد در عربیه و انگریزی امتحان داده مورد الطاف ... کردد

قطعه در تهنیت روز کلان

شکر خدا که روز کلان جلوه گر شده　　خورشید در جدی شده طالع سحر شده

از مرکز محیط زمین تا باوج چرخ　　شاداب و سبز باغ جهان سر بسر شده

از خرمی و بهجت و شادی و انبساط　　شاخ امید اهل طرب پر ثمر شده

از هر طرف بلند شده آواز تهنیت　　هر کوچه از نشاط و خوشی پر اثر شده

ای مهربان بخوان ز اشعار تهنیت
بیننش نه شمع معنی ز مهرش نگر شده

Marfat.com

ای چشم مردمی سر احسان ور وجود | ای طبع تو شکفته چو گلها ز بوی جود
شانت بزرگ رای تو روشن دلت سلیم | داری تو هر زمان بزبان گفتگوی جود
باری بحضرت تو رسیدم بصد امید | چون بو کشیده بر دم آرزوی جود
درخواستم بنام حج ضلع هوگلی | از حضرت تو خط سفارش ز روی جود
فرموده‌ٔ ز لطف که جونس برای من | نامه نویسد و گذارد بکوی جود
جونس نه مونس آمد و نی دیگری مرا | دستی گرفت و جرعه داد از سبوی جود
این گه بگو که یا بنشینم خموش و یا | یابم سفارشی ز تو ای آبروی جود
یا بی سفارشت بفرستم به پیش حج | دل خویش و ترک کنم جستجوی جود
خود راضیم بهر چه تو فرمائیم که گر | شد چاک + هم ترا است مجال رفوی جود
وجه الله است پیش تو سر بر خط رضا | ای ابر فیض و بحر عنایات و جوی جود

وجه الله اسلام آبادی
احقر کمترین بندگان درگاه

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[illegible]
[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

ا

بمدح جناب گورنر [illegible]

[illegible]

نہ ہو جے شفقت کا انکو گمان کیونکر — کہ ہیں سراسر رحمت و مروت نمونہ
بمدح حضرت کے جو ہوئے ہیں — [illegible]

مجھے [illegible] کہ ہے حضرت کا — ہمیشہ [illegible]
کہاں کلیم [illegible] — [illegible]

کہ ہر [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

[illegible] — [illegible]
اگر [illegible] — [illegible]

اگر خیال غضب [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

نگاہ فیض [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

سلف میں گرچہ تھا مشہور حاتم طائی — مگر کمال میں [illegible] عالم گیر
[illegible] — [illegible]

زبان [illegible] — [illegible]
ہمیشہ گلشن اقبال و جاہ کا [illegible] — [illegible]

اور انتخاب [illegible] کا بفضل خدا — رہے جگ میں ہمیشہ نہال بدر منیر

دلا بالمن قصیدہ انعام تو — فلک با همه سرکشی رام تو
فصیح عجم بوسہ گیر درت — ادب گاه اهل [illegible]

زبان حسن خلق کرد آشکار — شنید مرجع خاص و عام تو
بود بندہ باشد گان [illegible] — کرم [illegible]

بحکومت [illegible] — بزرگ جہان است از نام تو
بفضل و کرم کرد کار جہان — کنند [illegible] آغاز و انجام

امیدم چنین است از درگہت — کہ باشم مکرم باکرام تو
سرفراز باشم بہمتائی خود — [illegible]

[illegible]

Marfat.com

جی

نبیؐ

حمد پروردگار و نعت رسول
علم منقول بین وہ بیانی

وصف اصحاب و آل بتول
علم منقول بین ای ایابی · معقول

ان اوردوں کروں دل و جان سے
جمہور الطف سکو طبیعت ہے · معقول

ہوئی کار اوسکی فضلت مقبول
خلق سے ای قدیم سے

بزبانی جناب سبحانی · مشغول
غرض امداد علی ای سیہی اپنی

سر فصاحت مینا ہی سدا
سرمہ مرادی ابنی ہو مند دل

بعنی کوئی سبیل بہتر سی
بادی اپنی مراد اور مامول

ارام اکمل علی

Marfat.com

مکتوب الیہ

ڈاکٹر الوئس اشپرینگر

(۱۸۱۳ء-۱۸۹۳ء)

—تصاویر (جوانی، ادھیڑ عمری اور بڑھاپا)

— کتارینا میولر (بیوی)

— مجسمہ (۱۹۱۳ء، ۱۹۲۸ء، ۱۹۹۳ء)

— آبائی گاؤں نا سیرائیٹ (آسٹریا)، وابرن (سوئٹزرلینڈ)، وائن ہائیم اور ہائیڈل برگ (جرمنی)

—اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کا اندراج

—اشپرینگر کی ولادت اور انتقال کے موقع پر صد سالہ تقریبات

—والدہ اور بھائی کے نام خطوط کا اردو ترجمہ

—تصانیف کے سرورق

—انگریزی اور جرمن کتب و مقالات کی فہرست

—فہرست اردو مخطوطات و مطبوعات

—ذخیرۂ اشپرینگر اور اس میں محفوظ چند مخطوطات کے عکس

—اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ کی فہرست (۱۸۹۶ء) کا سرورق

Marfat.com

Marfat.com

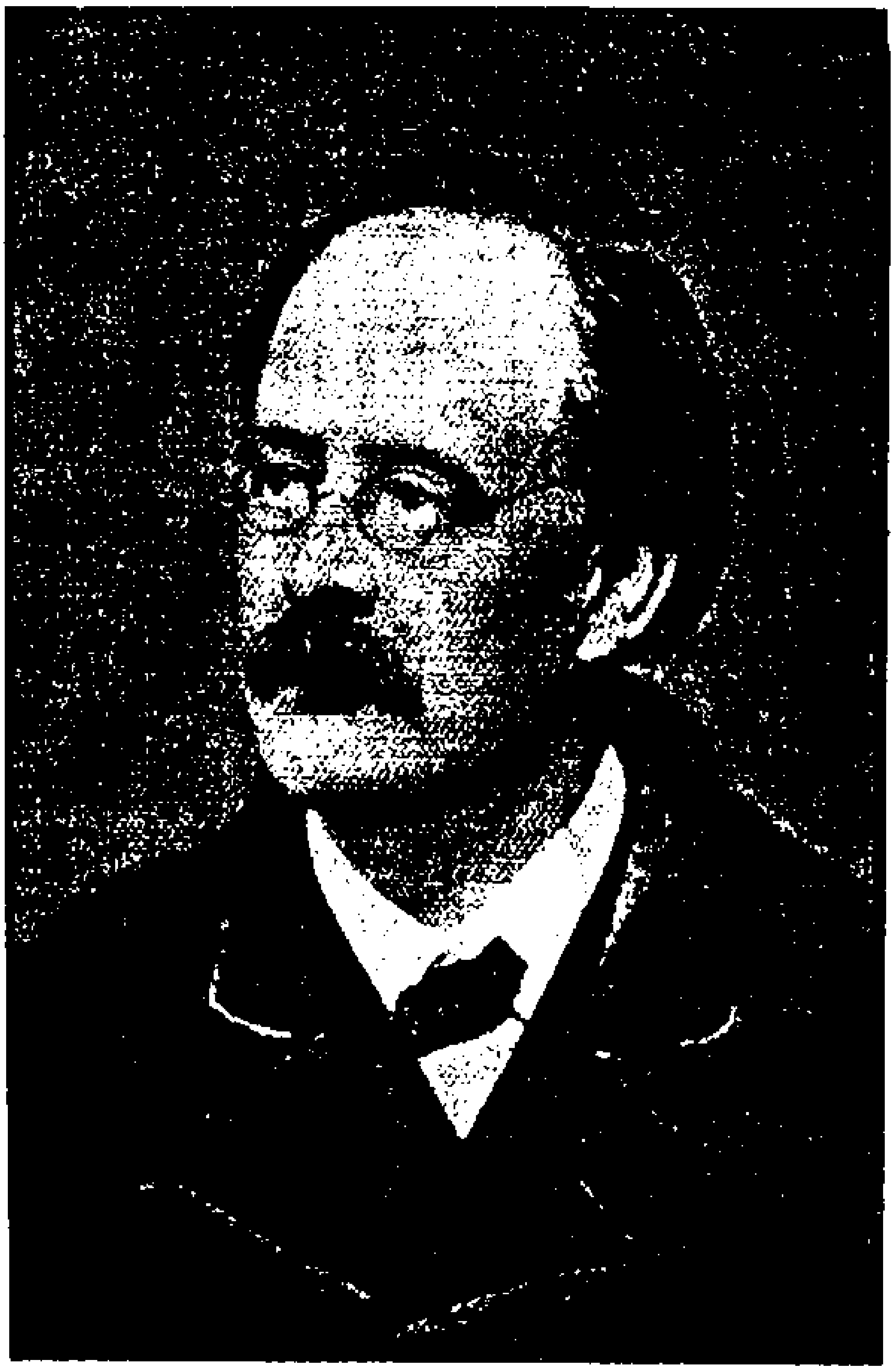

اشپرینگر (جوانی میں)

Marfat.com

اشپرینگر (ادھیڑ عمری میں)

Marfat.com

اشپرینگر (بڑھاپے میں)

Marfat.com

کتارینا میلر (Katharina Müller) زوجہ اشپرنگر

Marfat.com

اشپرینگر کا مجسمہ (اس کے آبائی گاؤں ناسیرائیٹ میں)

Marfat.com

نا سیرائیٹ میں اشپرینگر کا مجسمہ اور قریب ہی آتش زنی (۲ مارچ ۱۹۲۸ء) میں تباہ شدہ اس کا آبائی گھر

Marfat.com

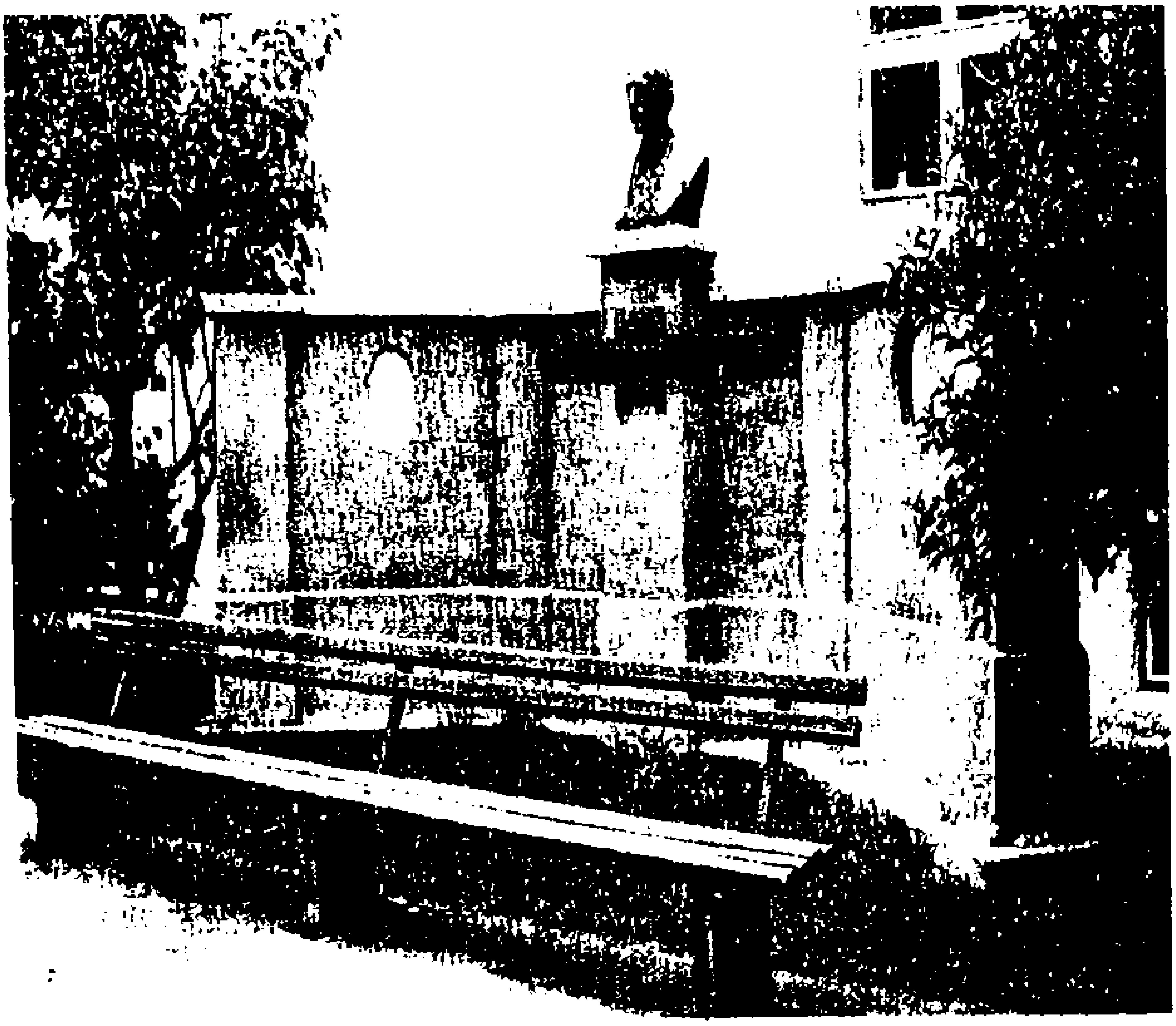

نا سیرائیٹ میں اشپرینگر کے مجسمے کی موجودہ جگہ

Marfat.com

اشپرینگر کا آبائی گھر (تاسیرائیٹ)،موجودہ حالت میں

Marfat.com

اشپرینگر کا آبائی گھر (ناسیرائیٹ، نزد انسبرک۔آسٹریا)، جو آگ کی نذر ہو گیا (۲ مارچ ۱۹۲۸ء)

Marfat.com

وابرن (سوئٹزرلینڈ) میں اشپرینگر کا گھر (۱۹۵۸ء)

Marfat.com

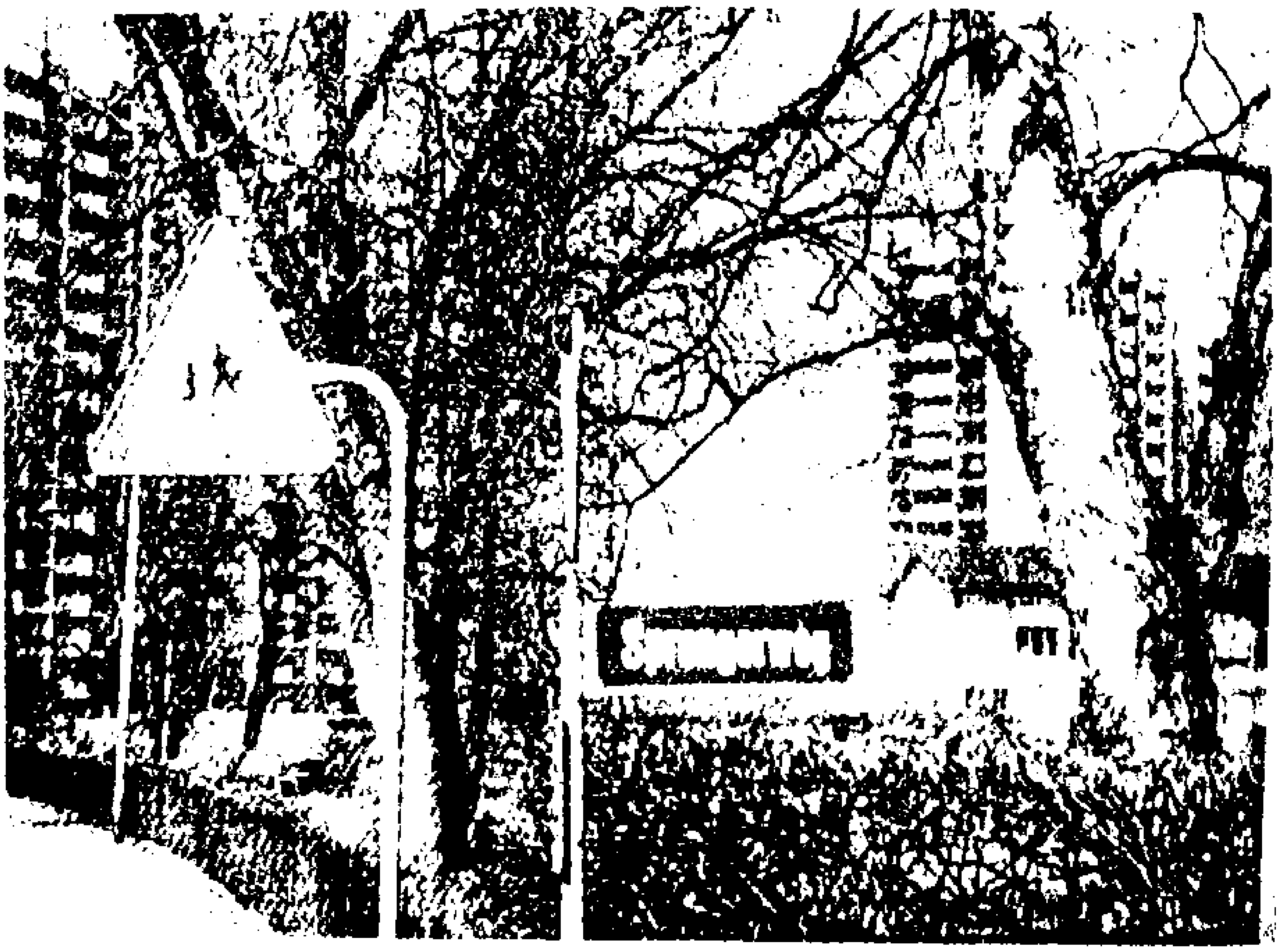

شاہراہ اشپرینگر (واربرن، سوئٹزرلینڈ)

Marfat.com

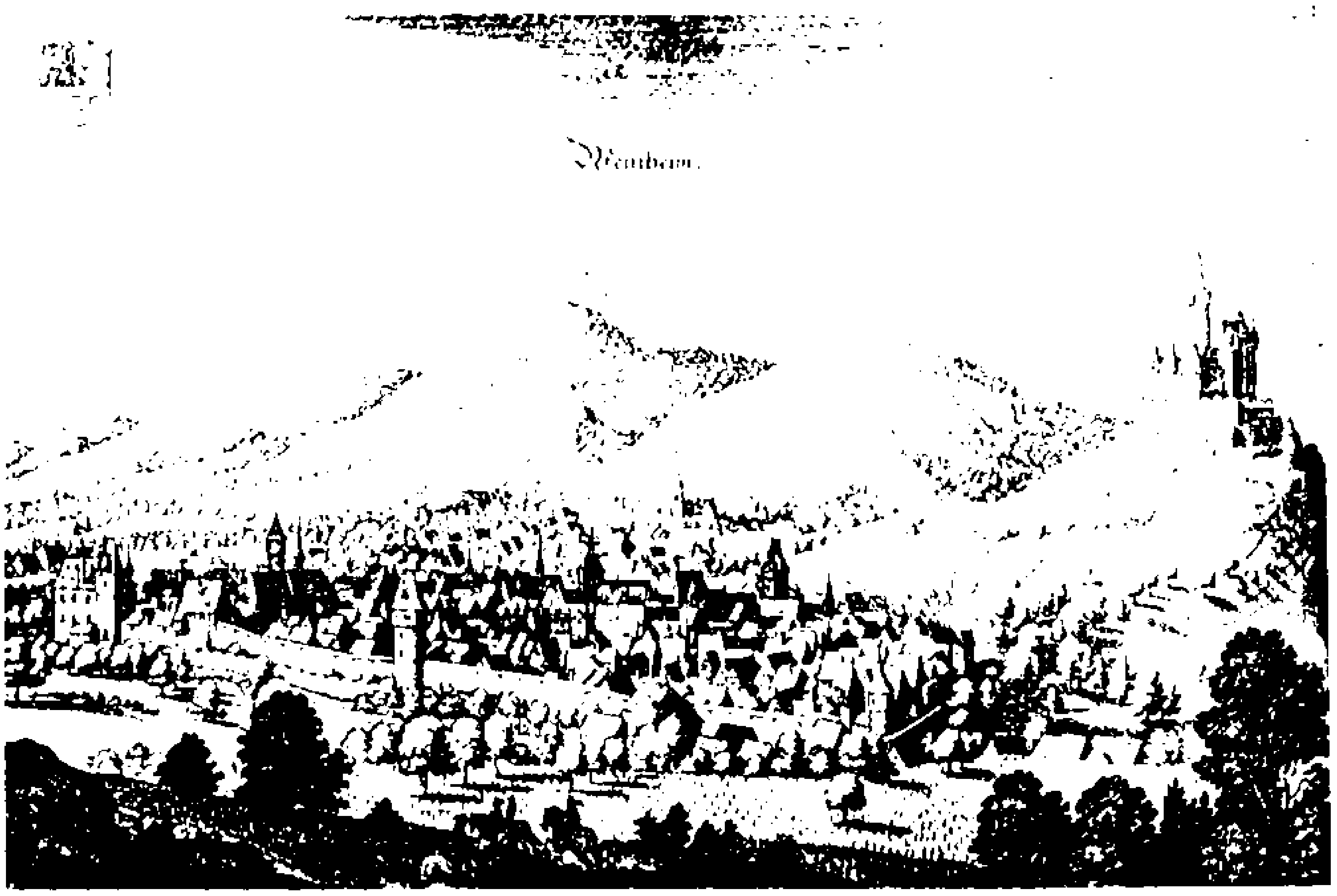

وائن ہائیم (نزد ہائیڈل برگ، جرمنی)، جہاں اشپرینگر برسوں رہائش پذیر رہا۔

Marfat.com

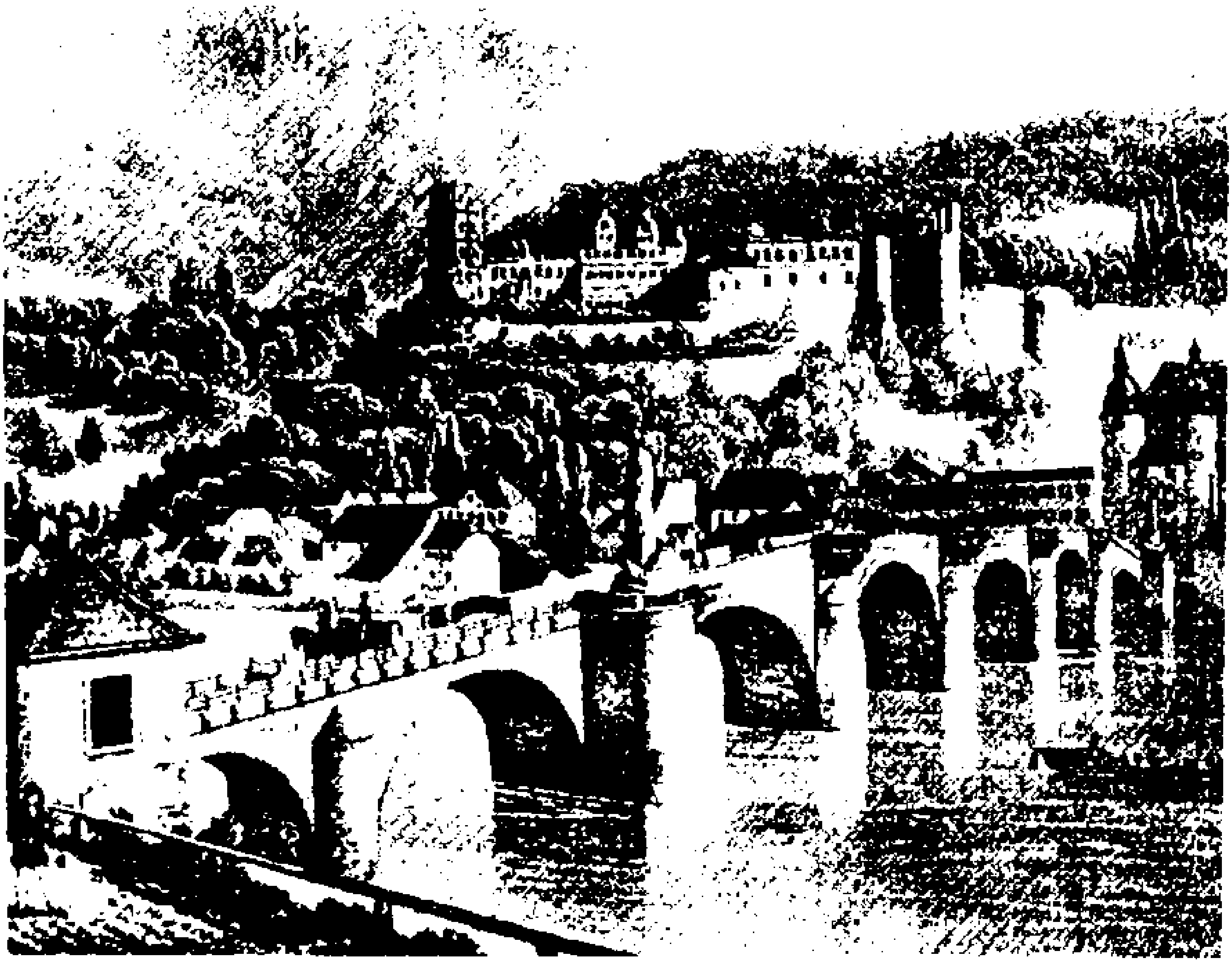

ہائیڈل برگ جہاں اشپرینگر کا انتقال ہوا۔

Marfat.com

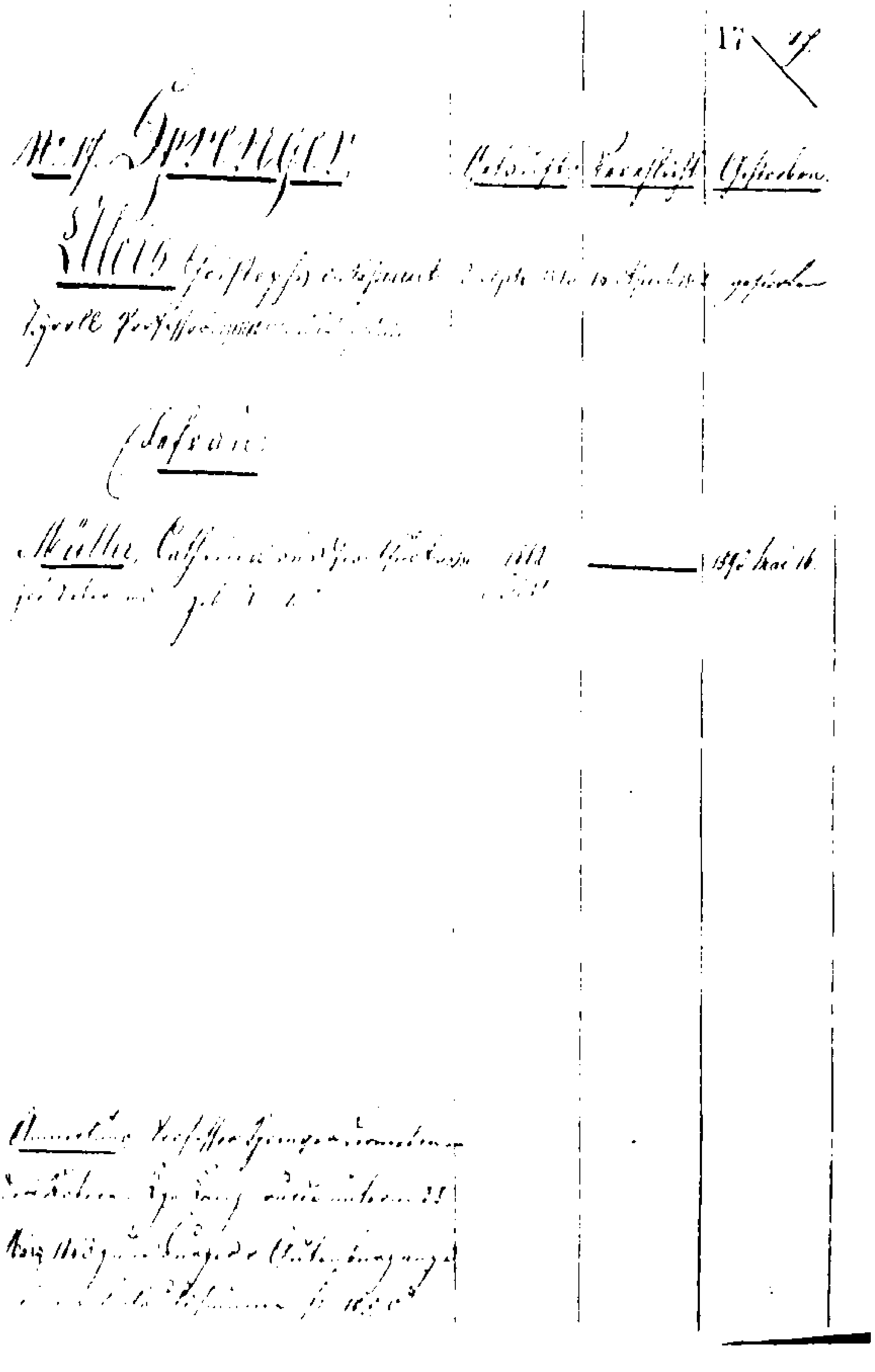
Sprenger
Alois
Müller

اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کا متعلقہ رجسٹر میں اندراج

Marfat.com

Aloys Sprenger

Ein Tiroler Orientalist

Zur Enthüllung des Sprenger - Denkmales in Nassereith
am 19. Oktober 1913

Innsbruck
Verlag der Wagner'schen k. k. Universitäts - Buchhandlung.

اشپرینگر کے صد سالہ یوم ولادت (۱۹۱۳ء) کے موقع پر شائع کردہ کتابچے کا سرورق

Marfat.com

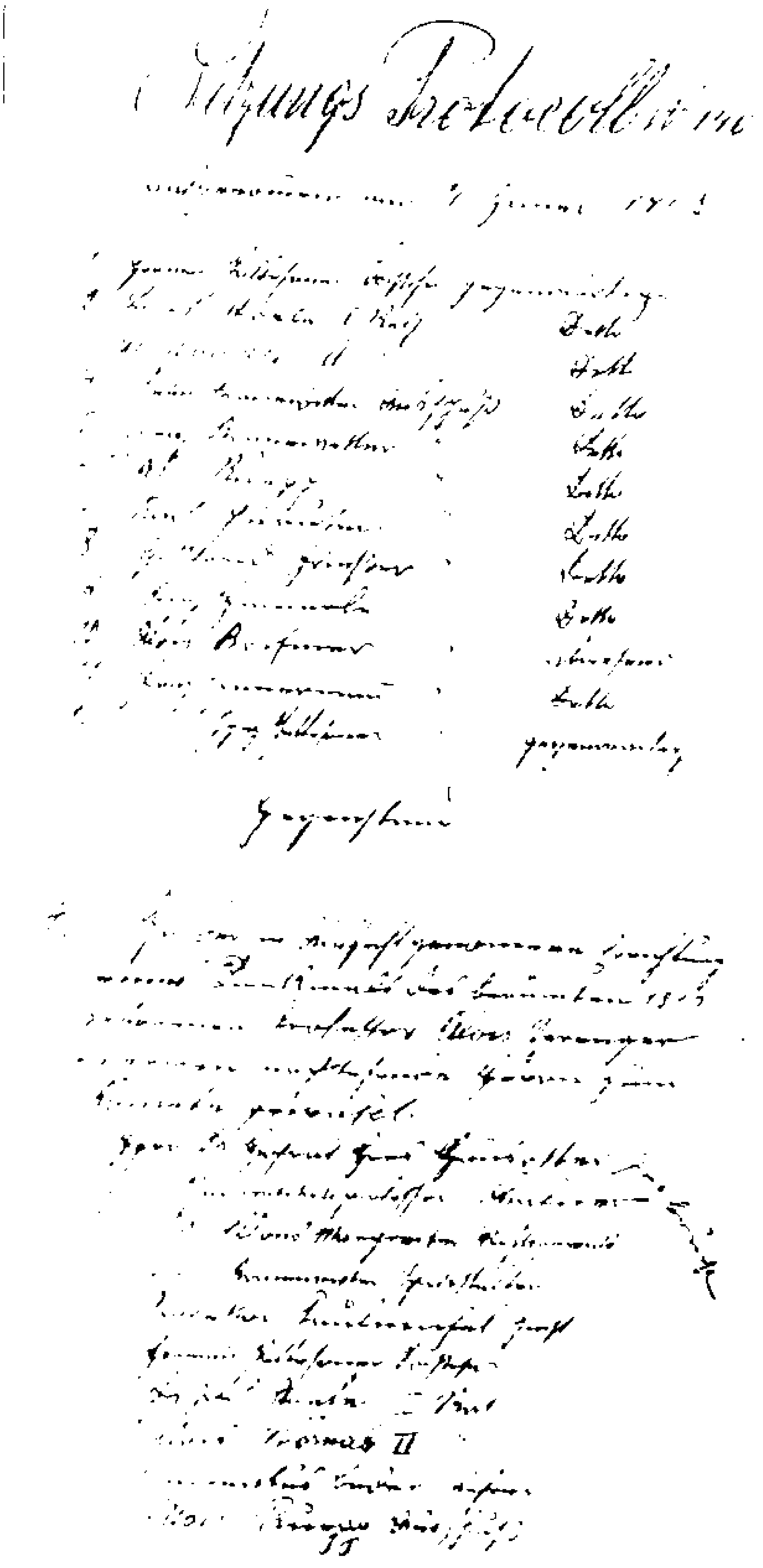

اشپرینگر کے صد سالہ جشن ولادت (۱۹۱۳ء) کے اراکین استقبالیہ

Marfat.com

Norbert Mantl

ALOYS SPRENGER

Der Orientalist und Islamhistoriker
aus Nassereith in Tirol

Zum 100. Todestag am 19. Dezember 1993

Im Selbstverlag
der Gemeinde Nassereith

اشپرینگر کی صد سالہ برسی کے موقع پر شائع کردہ کتاب (۱۹۹۳ء)

Marfat.com

SYMPOSIUM

zum hundertsten Todestag des Orientalisten und Islamhistorikers

ALOYS SPRENGER

aus Nassereith in Tirol

am Freitag, 17. Dezember 1993
14.00 Uhr

in den Raiffeisensälen
in Innsbruck, Innrain 6-8

Veranstalter und Einladender: Gemeinde Nassereith

(Für den Inhalt verantwortlich: Mag. Norbert Mantl, 6465 Nassereith)

Marfat.com

PROGRAMM

14.00 Uhr **Begrüßung durch den Bürgermeister**
von Nassereith Reinhold FALBESONER

anschließend kurze Einführung durch
Mag. Norbert MANTL

14.30 Uhr **Univ.-Ass. Dr. Stephan PROCHÁZKA**
Institut für Orientalistik der Universität Wien

"DIE BEDEUTUNG DER WERKE SPRENGERS FÜR DIE ARABISTIK UND DIE ISLAMFORSCHUNG"
(mit Lichtbildern)

und

"DIE BIBLIOTHECA ORIENTALIS SPRENGERIANA"
in der Staatsbibliothek zu Berlin Preußischer Kulturbesitz
(mit Lichtbildern)

16.00 Uhr K a f f e e p a u s e

16.30 Uhr **Mohammad Ikram CHAGHATAI**
stellv. Generaldirektor des Urdu Sience Board
der pakistanischen Regierung, Lahore

"URDU, DIE NATIONAL- UND AMTSSPRACHE PAKISTANS"

17.15 Uhr **Univ.-Prof. Dr. Helga TRENKWALDER**
Vorstand des Institutes für Sprachen und Kulturen
bis des Alten Orients an der Universität Innsbruck

18.00 Uhr **"MESOPOTAMIEN: FASZINATION ALTER KULTUREN"**
(mit Lichtbildern)

اشپرینگر کی صد سالہ برسی پر منعقدہ سمپوزیم اور اس کے شرکاء (۱۹۹۳ء)

Marfat.com

[illegible] Sprenger an [illegible] Calcutta d. 14 April 18[illegible]

[illegible] lieben Müllner. [illegible] hiermit [illegible] in London [illegible] 400 Gulden in C. M. [Conventionsmünze] Herrn Bicknell, wohnhaft in N. 38 Bloomsbury Square in London wird [illegible] ein Recepisse senden [illegible] — [illegible]

[illegible]

Dr. A. Sprenger B. M. S.

at Calcutta

Marfat.com

والدہ کے نام اشپرینگر کا خط (کلکتہ، بابت ۱۹-اپریل ۱۸۴۴ء)

''پیاری والدہ صاحبہ

میں اس خط کے ہمراہ اپنے قرض کی رقم ارسال کر رہا ہوں۔ میں نے یہ قرض لندن میں لیا تھا اور ابھی تک میرے ذمہ واجب الادا ہے۔ اس قرض کی رقم چار سو گلڈن [گلڈر، پرانے سکہ کا نام] کے لگ بھگ ہے۔

لندن (نمبر ۳۸، بلومزبری اسکوئر) میں مقیم بیک نیل (Bieknell) ایک رسید بھجوائیں گے جس پر آپ دستخط کر کے اسی پتے پر واپس بھجوا دیجئے گا۔

ہم یہاں خوش و خرم ہیں۔ ہم نے آپ کو متعدد خطوط لکھے ہیں، لیکن ایک سال گذر گیا، آپ کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ امید ہے، آپ صحت و سلامتی سے ہوں گے۔''

ڈاکٹر اشپرینگر (بی، ایم ایس) الوئس

کلکتہ

(والدہ کے نام اشپرینگر کے خط کا اردو ترجمہ)

Marfat.com

اشپرینگر کے ان خطوط (بالخصوص بنام علی اکبر اور سید برکت علی) سے پتا چلتا ہے کہ وہ کبھی سیر و سیاحت یا کبھی ناسازیٔ طبع یا موسم گرما کی شدت سے بچنے کی خاطر بالعموم شملہ یا کسی قریبی پہاڑی صحت افزا مقام پر اہل خانہ سمیت جاتا رہتا تھا۔ مزید یہ کہ وہ صوبہ ٹائرول (آسٹریا) کے جس چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا تھا، وہ کوہ الپس کے فلک بوس پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ انھی برف پوش چوٹیوں میں اس نے پرورش پائی اور یہیں اس کے بچپن اور لڑکپن کا زمانہ گذرا۔ یہی ماحول اس کے مزاج میں رچ بس گیا تھا اور ہندوستان کی جھلسا دینے والی گرمیوں سے کچھ دیر کے لیے محفوظ رہنے کی خاطر وہ کسی پہاڑی مقام کا رخ کرتا تھا۔ قیام دہلی کے زمانے میں بھی وہ گاہے بگاہے شملہ جاتا رہتا تھا۔ چنانچہ ایک معاصر اخبار میں یہ اطلاع دی گئی کہ ''ڈاکٹر اسپرنگر صاحب پرنسپل مدرسہ دہلی پہاڑ سے اپنے علاقہ پر تشریف لائے اور شیوع علوم میں مصروف ہوئے۔''

(رک: قران السعدین (مخزونہ برلین)، جلد ۲ نمبر ۴۷، بابت ۲۲ نومبر ۱۸۴۷ء)

یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو اشپرینگر شاہان اودھ کے کتاب خانوں کی فہرست سازی کے کٹھن مراحل سے گذر کر لکھنؤ سے دہلی پہنچا، دوبارہ یہاں کے کالج کی سربراہی کی ذمہ داریاں سنبھالیں، لیکن جلد ہی علالت کے باعث طبی رخصت لے کر بیوی بچوں کے ہمراہ شملہ چلا گیا۔ کچھ دن وہاں آرام کیا اور پھر افراد خانہ کو وہیں چھوڑ کر اکیلا کوہ ہمالیہ کے دیگر علاقوں کی سیر و سیاحت کو آگے نکل گیا۔ اشپرینگر نے اپنے اس ہمالیائی سفر کی روداد ایک جرمن مکتوب (بابت ۱۹ ستمبر، ۱۸۵۰ء) میں قلمبند کی ہے، جو اس نے اپنے بھائی پیٹر کو Surran سے ارسال کیا تھا۔ ان دنوں اس کا یہ بھائی ٹان ہائمر (Tannheimer) کی وادی کے شہر نیسل وینگل (Nesselwängel) میں پادری تھا۔ اس غیر مطبوعہ خط (مخزونہ ٹائرول میوزیم، انسبرک) کا اردو ترجمہ سطور ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

''تمہارا مراسلہ چینی سرحد پر واقع تبت میں موصول ہوا۔ طبیعت کی ناسازی کے باعث مجھے موسم گرما ہمالیائی علاقوں ہی میں گذارنا پڑا۔ اس سرحد کی جنوبی ڈھلوان پر میدانی علاقوں کی نسبت زیادہ حبس اور گھٹن ہے، جس کی وجہ سے ۲۱ جون اور ۱۵ ستمبر کے درمیان آب و ہوا خاصی ناقابل برداشت اور صحت کے لیے نقصان دہ رہی، چنانچہ اس

Marfat.com

بناء پر میں نے بیوی بچوں کو شملہ ہی میں ٹھہرانا مناسب سمجھا۔ شملہ جانے کے لیے تین دن سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں سے یہ شہر سات ہزار فٹ (۲۱۳۰ میٹر) سے قدرے زیادہ بلندی پر واقع ہے۔ پہاڑ شمال مشرق کی جانب بلند سے بلند تر ہوتے چلے جاتے ہیں اور برفانی حدود سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ برف پوش پہاڑوں کی دو چوٹیوں کے بیچ کی پست ترین سطح پندرہ ہزار فٹ (۴۵۷۰ میٹر) سے زیادہ بلندی پر واقع ہے اور پہلی چوٹی پچیس ہزار فٹ (۷۶۲۰ میٹر) بلند ہے۔ میں تیرہ دن کے بعد ۲۱ جون کو ان برف پوش پہاڑوں کی اس نچلی سطح تک پہنچا۔ تیرہ ہزار فٹ (۳۹۶۰ میٹر) بلندی سے آگے جو پہاڑ ہیں، وہ ہمارے پہاڑوں سے خاصی مشابہت رکھتے ہیں۔ ایسی ہی بڑی چٹانیں، سوکھی دلدل کی زمینی سطحیں، پھولوں اور پودوں کی کیاریاں اور پھول پودے بھی ہیں۔ میں نے الپائن کے گلاب اور گل اشرفی وغیرہ یہاں دیکھے ہیں۔

ہمالیہ کی نشیبی سطحوں (تقریباً سولہ ہزار فٹ (۴۸۸۰ میٹر) سے زیادہ بلند) سے میں بالائی سوتلی (Sutli) وادی تک جا پہنچا۔ تم سوچ سکتے ہو کہ یہاں کا قدرتی ماحول کیسا ہوگا۔ گہرے کھڈوں میں ندی نالے تیزی سے رواں دواں ہیں، کہیں ان کی چوڑائی بیس فٹ ہے، عمودی چٹانوں کے درمیان بہتے چلے جاتے ہیں اور پہاڑی چھچھوں جیسی مشکل جگہوں میں سے بھی اپنا راستہ بنا لیتے ہیں، بالکل اسی طرح، جیسے ناسیرائٹ (Nassereith) سے براستہ سیسن (Siessen)، تارینس (Tarrenz) جاتے ہوئے مناظر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ علاقہ کنودر (Kannauer) کہلاتا ہے اور بالکل خشک ہے۔ انگور اور جنوبی ٹائرول کے تمام پھل یہاں موجود ہیں۔ ہمالیہ کے مرکزی پہاڑی سلسلے سے آگے گیارہ روز تک میرا سفر جاری رہا، حتیٰ کہ تبتی سطح مرتفع صرف دو دن کے فاصلے پر رہ گئی۔ اس سے آگے جانا ممکن نہیں...... [یہاں سے کاغذ پھٹ گیا ہے اور عبارت پڑھنا مشکل ہے]۔ مجموعی طور پر شملہ سے چونتیس اور ہندوستان سے سینتیس دن کے فاصلے پر ہوں۔ شروع میں مَیں نے گھوڑے پر سفر کیا، لیکن وہ ایک ڈھلوانی سڑک اترتے ہوئے گر گیا اور اس کے بعد میں نے پیدل سفر کیا۔ میرے ساتھ ایک چھوٹا سا خیمہ، سونے کے لیے بستر، ضروری برتن اور تین نوکر ہیں۔ ہر چیز انسانوں ہی کو اٹھانا پڑتی ہے۔ مجھے ایسے پندرہ آدمیوں کی ضرورت ہے اور یہ تعداد زیادہ نہیں۔ مجھے امید ہے، میں ۲۴ ستمبر کو شملہ واپس پہنچ جاؤں گا۔ گورنمنٹ کے مترجم کی حیثیت سے میرا تبادلہ کلکتہ کر دیا گیا ہے۔ یوں مجھے پانچ عہدوں کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا پڑتا ہے۔ ممکن ہے، ۱۸ نومبر کو کلکتہ پہنچ جاؤں۔ مجھے اعلیٰ تعلیم کے لیے مختص اسلامی مدارس کے لیے نیا نصاب تیار کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ''دیودار'' درخت کے کچھ بیج بھجوا رہا ہوں۔ یہ صنوبری درخت کی ایک قسم ہے، جس کے لیے آفتابی قطعہ زمین کی ضرورت پڑتی ہے۔''

Marfat.com

۱۸۵۰ء میں اشپرینگر نے اپنے استاد ہامر پور گشتال کو ایک طویل خط لکھا، جس میں اس نے اپنی تازہ مطبوعات اور سیرت پر زیر طبع انگریزی کتاب کی تفصیلات سے اُسے مطلع کیا۔ اس مراسلہ کے آخر میں اس نے اپنے سفر ہمالیہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ متعلقہ اقتباس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

''ان دنوں میں رخصت پر شملہ میں ہوں۔ بیوی بچوں کو دہلی ہی میں چھوڑ آیا ہوں اور اب میں اکیلا کوہِ ہمالیہ کی بلند و بالا چوٹیوں کی سیر و سیاحت میں مصروف ہوں۔ ۲۲ جون کو درۂ برن (Burun) سے گذر کر برف سے ڈھکی چوٹیوں پر جا پہنچا، جن کی بلندی پندرہ ہزار فٹ ہے۔ میں اتنی بلندی پر چڑھ گیا کہ وہاں سے ہندوستان اور تر تاری کے خوشنما مناظر صاف دکھائی دیتے ہیں۔ اب میرا قیام کنوم (Kanum) میں ہے۔ یہ وہی جگہ ہے، جہاں Czoma de Körös نے تبتی زبان سیکھی تھی اور کچھ دنوں بعد وہ چینی سرحد تک آگے بڑھ گیا تھا۔☆ میں لداخ اور کشمیر کی سیاحت کا بھی ارادہ رکھتا تھا، لیکن یہ میرے لیے انتہائی تکلیف دہ سفر ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ یہاں کی آب و ہوا کس قدر خوشگوار ہے اور یہ کوہ الپس کے جنوبی حصوں سے کس قدر مشابہ ہے۔ یہاں کا سرسبز و شاداب ماحول، خوش مزہ انگور بھی خاصے مماثل ہیں۔ یہاں بارش کم ہوتی ہے اور پھلوں کی بہتات ہے۔ کوہ الپس کے کسی حصے میں ایسے پُرکشش اور مسحور کن مناظر نظر نہیں آتے۔ آپ غور فرمائیے کہ یہاں ہم پہاڑوں کے وسیع و عریض سلسلے میں گھرے ہوئے ہیں، جو اٹھارہ ہزار سے تیئس ہزار فٹ کی بلندی تک اٹھتا چلا گیا ہے۔''

(در: شاہی اکادمی برائے علوم، شعبہ تاریخ و فلسفہ۔ (ویانا)، کارروائی بتاریخ ۴ دسمبر ۱۸۵۰ء، جلد ۵ (۱۸۵۰ء)، ص ۸۰۲)۔

☆ اس ہمالیائی سفر کے دوران میں اشپرینگر نے اپنے ہموطن دوست شیون ہر (David von Schönherr) کو ایک خط بھجوایا (۱۸۵۰ء)، جس میں اس نے لکھا کہ '' حال ہی میں میں نے تبتیوی زبان یعنی چینی سیکھنا شروع کر دی ہے اور چینی رسم الخط پر خاصی دسترس حاصل کر لی ہے۔''

(cf. *Tiroler Schützenzeitung* (Innsbruck), 4 April 1850)

* * * * *

Marfat.com

ABDU-R-RAZZAQ'S

DICTIONARY

OF THE

TECHNICAL TERMS OF THE SUFIS

Edited in the Arabio Original

by

DR. ALOYS SPRENGER

كتاب

اصطلاحات الصوفية تصنيف

كمال الدين ابى الغنايم عبد الرزاق

بن جمال الدين الكاشى

السمرقندي

Marfat.com

الحمد لله الذى نجانا من مباحث العلوم
الرسمية بالمن والانفصال ۞ واضنانا بروح
المعاينة من مكابدة النقل والاستدلال ۞ — ابعدنا ع
وانقذنا مما لا طائل تحته من كثرة القيل
والقال ۞ وعصمنا من المناظرة والمعارضة
والخلاف والجدال ۞ فانها منار الشبه ومظان
الريب والشك والضلال والاضلال ۞
فسبحان من كشف عن بصائرنا حجب
الاغيار والاشكال والاشكال ۞ والصلوة على — في السلام ع

(۲) [illegible]
من هدانا في ظلمة [illegible] الضلال ۞ [illegible]
نور الجمال ۞ محمد [illegible] [illegible]
وصحبه خير صحب و[illegible] ۞ [illegible] ۞ [illegible]
لما فرغت من تسويد شرح [illegible]
السائرين وكان الكلام [illegible] شرح فصوص
الحكم وتاويلات القرآن الحكيم [illegible]
اصطلاحات الصوفية ولم يتعارفها اكثر اهل — ع
العلوم المنقولة والمعقولة ولم يشتهر بينهم — ع
ذلك سألوني ان اشرحها لهم وقد اشرت
في ذلك الشرح الى ان الاصول المذكورة
في الكتاب من مقامات القوم يتفرع الى
الف مقام ولوحت الى كيفية تفريعها وما — تعريفها ع
بينت كيفية تفاريعها بتنويعها ولم افصل — من ع
فروعها ودرجاتها ولم اصرح بصنوفها و تعريفها — تعريفاتها ع
فتصديت للاسعاف بسؤالهم وزدت على — لاسعاف سؤالهم ع
ذلك ترويجا لقبولهم بيان ما أجمل من

(اصطلاحات صوفیہ کے ابتدائی دوصفحات)

Marfat.com

كتاب مروج الذهب للمسعودي

EL-MAS'ŪDĪ'S

HISTORICAL ENCYCLOPÆDIA,

ENTITLED

"MEADOWS OF GOLD AND MINES OF GEMS:"

TRANSLATED FROM THE ARABIC

BY

ALOYS SPRENGER, M.D.

VOL. I.

LONDON:
PRINTED FOR THE ORIENTAL TRANSLATION FUND
OF GREAT BRITAIN AND IRELAND.
SOLD BY
JOHN MURRAY, ALBEMARLE STREET;
AND
PARBURY, ALLEN, AND CO., LEADENHALL STREET.

MDCCCXLI.
1841

UNIVERSITY

المسعودی کی "مروج الذہب" کا انگریزی ترجمہ۔
(جلد اول (لندن، ۱۸۴۱ء)

Marfat.com

کتاب المختار فی الاخبار والآثار

الجلد الاول وفیہ

تاریخ الدولۃ الامویۃ من مروج الذہب

لابی الحسن علی المسعودی المتوفی فی سنہ ۳۴۶

خلصہ وصححہ مولوی مملوک العلی النانوتوی
والوئس اسپرنگر الترولی

طبع فی المدرسۃ الدہلویۃ سنہ ۱۸۴۶ عیسویۃ
وسنہ ۱۲۶۲ ہجریۃ

المسعودی کی "مروج الذہب" کی تلخیص مع تصحیح (۱۸۴۶ء)

Marfat.com

'OTBY'S TARYKH YAMYNY,

OR

THE HISTORY OF SULTAN MAHMUD

OF

GHAZNAH,

BY A CONTEMPORARY,

EDITED IN THE

ORIGINAL ARABIC,

BY

MOWLAWY MAMLUK-AL ALYY, HEAD MOWLAWY, AND A. SPRENGER, PRINCIPAL, OF
THE DELHIE COLLEGE.

DELHI:
Lithographed in the Delhie College Press, by Munshy Ashraf Aly.

1847.

العتبی کی "تاریخ یمینی" (دہلی ۱۸۴۷ء)

Marfat.com

THE

GULISTA'N OF SA'DY,

EDITED IN PERSIAN,

WITH

PUNCTUATION AND THE NECESSARY VOWEL-MARKS,

FOR THE USE

OF THE

COLLEGE OF FORT WILLIAM.

BY

A. SPRENGER, M. D.

EXAMINER OF THE COLLEGE OF FORT WILLIAM.

CALCUTTA.

PRINTED BY J. THOMAS, BAPTIST MISSION PRESS.

1851.

"گلستان سعدی" (کلکتہ ۱۸۵۱ء) اور اس کا "خاتمۃ الکتاب"

Marfat.com

خاتمة الكتاب

تمام شد گلستان و اللّه المستعان و بتوفیقِ باري عزّ إسمهُ و جلّ ثناؤهُ درین جُمله ، چنان که رسمِ مؤلّفان است ، از اشعارِ مُتقدّمان بطریقِ إستعارت تلفیقی نرفت •

بیت •

کُهن جامهٔ خویش پیراستن • بِهْ از جامهٔ عاریت خواستن •

غالبِ اشعارِ سعدي طَرَب-انگیزست و طیبت-آمیز و کوته-نظران را بدین عِلّت زبانِ طعنه دراز که مغزِ دماغ بیهوده بردن و دودِ چراغ بی فائده خوردن کارِ خردمندان نیست ، ولیکن بر راي روشنِ صاحب-دلان که روی سخن در ایشانست پوشیده نماند که دُرِّ موعِظتهای صافي در سِلکِ عبارت کشیده است و داروی تلخِ نصیحت بشهدِ ظرافت بر-آمیخته تا طبعِ مَلولِ إنسان از دولتِ قبول محروم نماند • الحمدُ للهِ ربِّ العالَمین •

مثنوي •

ما وصیّت بجای خود کردیم ، روزگاری درین بسر بردیم ،
چون نیاید بگوشِ رغبتِ کس ، بر رسولان بلاغ باشد و بس •

شعر • یا ناظراً فیهِ سَلْ باللّهِ مَرحمةً علی المُصنّفِ و استَغفِر لِصاحِبِهِ
و اطلُب لِنَفسِكَ مِنْ خَیْرٍ تُرِیدُ بِها ، مِنْ بَعْدِ ذالِكَ غُفْراناً لِكاتِبِهِ •

Marfat.com

قال أنويس سپرنگر التيرولي ، هذه صورة ما في آخر النسخة التي نقلت هذه النسخة عنها ، تمّ الكتاب ، بحمد الله عزوجل ، وهي النسخة الأولة بخطّ المصنّف عفا الله تعالى عنه ، يوم السبت في العشر الآخر من محرّم سنة اثنين و ستين و ستمائة يوم فتح شيراز و انتقال الملك من آل سلغر الى غيرهم ، والله يؤتي ملكه من يشاء ، فنسأل الله تعالى العفو والمغفرة و سلامة الدنيا و الآخرة ، في النوادر و الأمثال و الشعر و الحكايات ، أنشأ العبد الفقير المحتاج الى رحمة الله ابو عبد الله مشرف ابن مصلح السعدي الفارسي غفر الله له و لوالديه .

حسب ارشاد كرامت بنياد اقدس اعلى بتاريخ دهم جمادى الاولى سنه سي و سه جلوس والا مطابق سنه ١١٠١ هجري، در نواحي بيجاپور بر كنار درياى كشنه كه عسكر ظفر اثر عالمگيري خلّد الله ملكه نزول اجلال داشت اين نسخهٔ شريف را فقير حقير سيّد علي الحسني از نسخه بخط استاد الزمان مير عماد منقول از نسخه بخط مصنّف مرحوم مغفور نقل نموده ، اميد كه بمطالعهٔ خاص موهبت اختصاص در آرند .

Marfat.com

قد وقع الفراغ من طبع هذا الكتاب المستطاب المسمى بالاتقان •
في علوم القرآن • من مؤلفات الشيخ العلامة • العالم الحبر الفهامة •
المحقق المدقق • شيخ الاسلام و المسلمين • وارث علوم سيد
المرسلين • جلال الدين السيوطي الشافعي تغمده الله تعالى
بغفرانه • و اسكنه بحبوحة جنانه • في شهر صفر ختم الله له
بالفتح و الظفر بلدة كلكته في عهد حكومة الامير الافخم • الرئيس
المعظم حامي البلاد • ماحي الفساد • النواب لارڈ دلهوسي
گورنر جنرل بهادر دامت دولته سنة احدى و سبعين بعد
الالف و المائتين من سنين الهجرة النبوية • على صاحبها
الف الف السلام و التحية • مطابقا لشهر اكتوبر سنة اربعة
و خمسين بعد الالف و ثمانمائة من الاعوام المسيحية • باهتمام
العالم الماهر في العلوم العربيه • ڈاکٹر اسپرنگر • حماه الله من
الحوادث و الشر • و تصحيح العالم النحرير و الفاضل الصنديد •
سامي الشان • المولوي محمد سديد الدين خان • امين
المدرسة العاليه • والمعتصم بحبل لطف الله المتين • الراجي
الى شفاعة سيد المرسلين • صلى الله عليه وعلى آله و اصحابه
اجمعين • المولوي محمد بشير الدين • و الفاضل اللوذعي
و البارع ؟؟ لمعي الذي هو بالتبجيل احق • المولوي الحاج
محمد نور الحق • و العالم الكامل الواقف بالسر الخفي والجلي •
المولوي جواد علي • مدرسي المدرسة المرقومة • و اعانة الطلبة
المحصلين • المولوي حافظ محمد حاتم و المولوي عبد المجيد
البردواني و المولوي عثمان علي و المولوي عبد الحق و المولوي
امير الدين • و ذي الفضل المتين مولوي وحيد الدين
اصلح الله تعالى سبحانه حالهم و انجح جدهم و بلغ ما مرامهم
امين امين ثم امين و اخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين •
و الصلوة والسلام على سيد المرسلين •

''الاتقان فی علم القرآن'' (تصنیف جلال الدین السیوطی) ـ مطبوعہ ۱۸۵۴ء، باہتمام اشپرینگر ـ آخری دو صفحات

Marfat.com

CATALOGUE

OF THE

ARABIC, PERSIAN AND HINDU'STA'NY

MANUSCRIPTS,

OF THE

LIBRARIES OF THE KING OF OUDH,

UNDER THE ORDERS OF THE GOVERNMENT OF INDIA

BY

A. SPRENGER, M. D

OF THE BENGAL MEDICAL ESTABLISHMENT, TRANSLATOR TO THE GOVERNMENT OF INDIA, ETC.

VOL. I.

CONTAINING PERSIAN AND HINDU'STA'NY POETRY.

CALCUTTA:

PRINTED BY J. THOMAS, AT THE BAPTIST MISSION PRESS.

1854.

فہرست کتب خانہ ہائے شاہان اودھ۔ جلد اول (کلکتہ ۱۸۵۴ء)

Marfat.com

A CATALOGUE

OF THE

BIBLIOTHECA ORIENTALIS

SPRENGERIANA.

GIESSEN.

WILHELM KELLER, PRINTER.

JANUARY 1857.

اشپرینگر کے نجی کتاب خانہ کی فہرست (۱۸۵۷ء)

Marfat.com

ABDU-R-RAZZAQ'S

DICTIONARY

OF THE

TECHNICAL TERMS OF THE SUFIES,

EDITED IN THE ARABIC ORIGINAL,

BY

DR. ALOYS SPRENGER,

OF THE BENGAL MEDICAL SERVICE.

UNIVERSITY

CALCUTTA:

PRINTED FOR THE ASIATIC SOCIETY OF BENGAL, IN THE PRINTING OFFICE OF THE MADRESAH OF CALCUTTA.

SOLD IN LONDON BY ALLEN AND CO., AND MADDEN AND CO.; AT PARIS ... ASIATIQUE; LEIPSIG BY BROCKHAUS AND CO.; AND BY MESSRS. KOENIG AND CO.

عبدالرزاق کی "اصطلاحات الصوفیہ" (۱۸۴۵ء)

Marfat.com

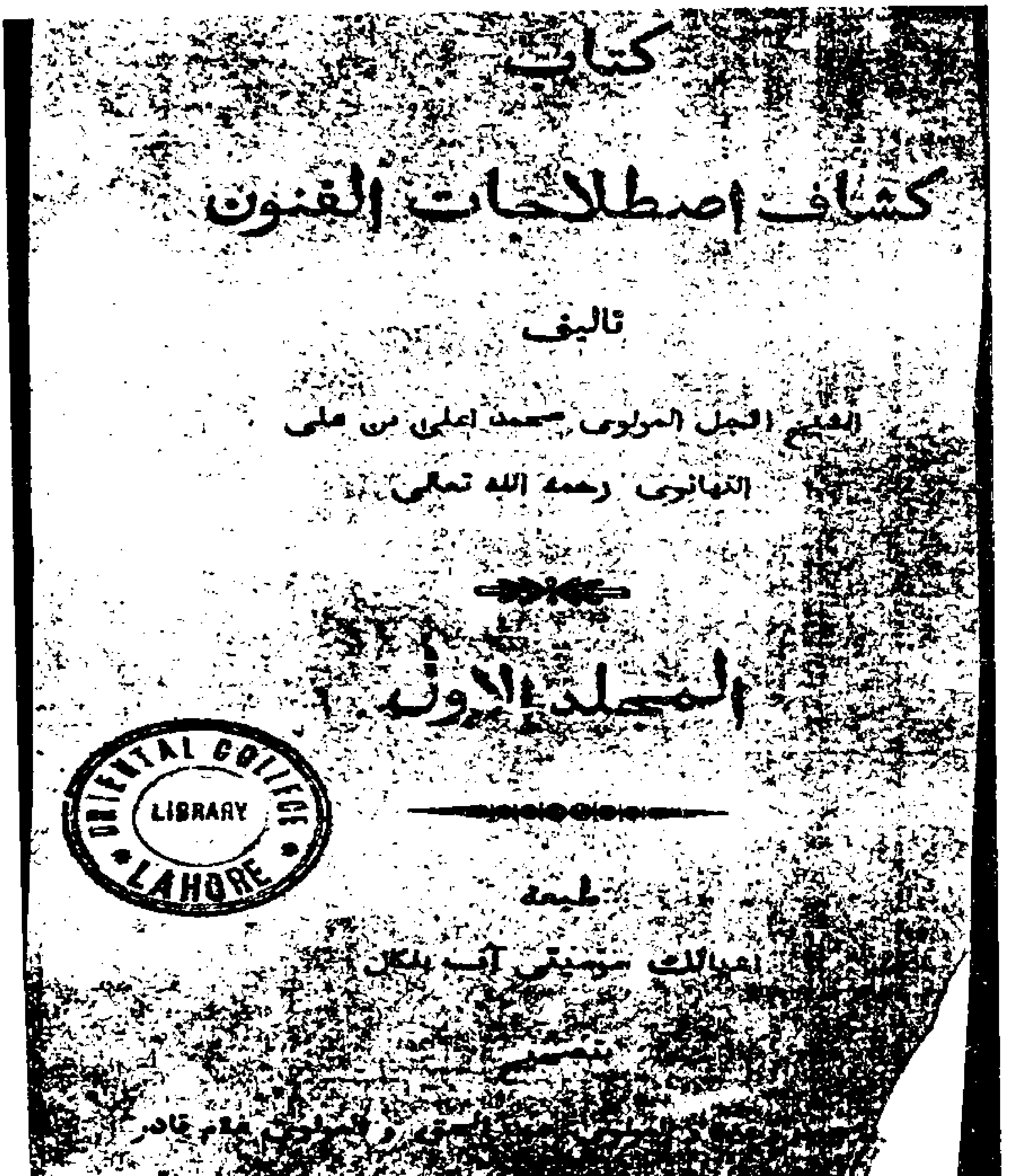
كتاب

كشاف اصطلاحات الفنون

تاليف

الشيخ الاجل المولوى محمد اعلى بن على

التهانوى رحمه الله تعالى

المجلد الاول

ORIENTAL COLLEGE LIBRARY LAHORE

طبعه

ايشياتك سوسيتى آف بنگال

بتصحيح

و المولوى غلام قادر

و اهتمام

كلكته

سنه ١٨٦٢ع

التھانوی کی ''کشاف اصطلاحات الفنون''

(جلد اول۔ کلکتہ ۱۸۶۲ء)

Marfat.com

DAS

LEBEN UND DIE LEHRE

DES

MOHAMMAD

NACH BISHER GRÖSSTENTHEILS UNBENUTZTEN QUELLEN

BEARBEITET

VON

A. SPRENGER.

ERSTER BAND.

BERLIN
NICOLAI'SCHE VERLAGSBUCHHANDLUNG.
(G. PARTHEY.)
1861.

حیاتِ محمدؐ اور اُن کی تعلیمات (جلد اول - برلین ۱۸۶۱ء)

Marfat.com

666

Die

Post- und Reiserouten des Orients.

Mit 16 Karten nach einheimischen Quellen

von

A. Sprenger.

Leipzig 1864

in Commission bei F. A. Brockhaus

اہل مشرق کا نظام برید اور ذرائع ترسیل

مع سولہ نقشہ جات (بحوالہ مقامی مآخذ)

لائپزگ ۱۸۶۴ء

Marfat.com

DIE ALTE GEOGRAPHIE ARABIENS

ALS

GRUNDLAGE DER ENTWICKLUNGSGESCHICHTE DES SEMITISMUS

VON

A. SPRENGER.

Mit einer lithographirten Karte.

BERN.
COMMISSIONSVERLAG VON HUBER & COMP.
1875.

"عربوں کا قدیم علم جغرافیہ
سامیوں کے تاریخی ارتقاء کی بنیاد کی حیثیت سے"
لاآبھک ۱۸۶۴ء

Marfat.com

Mohammed und der Koran.

Eine psychologische Studie

von

A. Sprenger
in Heidelberg.

Hamburg.
Verlagsanstalt und Druckerei A.-G. (vorm. J. F. Richter).
1888.

محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] اور قرآن

ایک نفسیاتی مطالعہ

ہامبورگ ۱۸۸۹ء

Marfat.com

List of A. Sprenger's Publications
(English and German)

Books:

1. Dissertatio medica inauguralis, de originibus medicinae Arabicae sub Khalifatu, quam in Academ, Lugduno-Batava 12 Jun. 1840, defendet Alois Sprenger, Tyrolensis. S & J. Luchtmann, 1840
2. Art of Warfare among the Arabs (in Arabic). Under the auspices of Lord of Munster (London), unpublished. (1840?)
3. El-Mas'udi's historical encyclopaedia, entitled "Meadows of Gold and Mines of Gems." Tr. from the Arabic by Aloys Sprenger. Vol. i, London: Oriental Translation Fund, 1841
4. 'Abd al-Razzāq al-Qashānī. Dictionary of Technical Terms of the Sufis. Ed. in the Arabic original by Aloys Sprenger.
   Calcutta: Asiatic Society of Bengal, 1845. Reprinted: Lahore 1974, 1981 (preface: Chinsurah, Nov. 30, 1844)
5. 'Abdallah al Fākihī: Ḥudūd an-nahw. Two works on Arabic bibliography. Ed. by A. Sprenger.
   Calcutta 1849. (Reprinted: 1980)
6. The Gulistān of Sa'di. Ed. in Persian with punctuation and the necessary vowel-marks, for the use of the College of Fort William Calcutta, 1851
7. Khirad Nama i Iskandarī, also called the Sikandar Nāma-i-Bahri, by Nizāmī. Ed. by A. Sprenger, Muhammad Shushtari and Ahmad Ali.
   Calcutta: Asiatic Society of Bengal, 2 fascs., 1851, 1869
8. Ibn Ḥajar al 'Asqalānī: al-Iṣāba fi tamīz as-Ṣaḥāba (Biographical Dictionary). Ed. by M. Wajih, 'Abd al Haqq and A. Sprenger. 8 vols., Calcutta 1853-1888. Reprinted:

Marfat.com

1980-1981

9. at-Ṭūsī Muḥammad b. Ḥasan: Fihrist kutub ash-Shī'ah. Tusy's list of Shī'ah books and 'Alam al-Hudā's notes on Shī'ah biography. Ed. by A. Sprenger and Mawlawi 'Abd al-Haqq. Calcutta 1853-1855. (Reprinted: 1981)
Also reprinted from Mashhad entitled:
الفہرست لشیخ الطائفۃ الامامیۃ أبی جعفر محمد بن الحسن بن علی الطوسی (۳۸۵۔۴۶۰ھ)۔ افست روی چاپ اسپرنگر با فہرستھای مختلف بکوشش محمود رامیار۔ مشہد: چاپخانہ دانشگاہ، ۱۳۵۱ش۔ مقدمہ دربارۂ کتاب و مولف آن (ص ۵۔۱۵)، 'فہرس الطوسی' (ص ا۔۳۸۳)، الفہارس (ص ۳۸۹۔۵۴۴)، مع انگریزی دیباچہ (۴ صفحات)

10. A Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustany Manuscripts of the Libraries of the Kings of Oudh. Compiled under the orders of Government of India by A. Sprenger: Vol. i, containing Persian and Hindustany Poetry.
Calcutta 1854

11. A Catalogue of the Bibliotheca Orientalis Sprengeriana.
Giessen 1857

12. Soyu'ty's Itqān on the Exegetic Sciences of the Qorān. Edited by Mowlawies Sadeedood-Deen Khan and Basheerood-Deen, Professors of the Calcutta Madresah, and Dr. A. Sprenger.
Calcutta 1857.

13. Das Leben und die Lehre des Mohammad. Nach bisher grösstentheils unbenützen Quellen bearb.
Berlin, 3 vols., 1861-1865: Nicolai'sche Verlagsbuchhandlung (G. Parthey).
(A. Effert & L. Lindtner), 1869. English tr. by Dr. Yusuf 'Abbas Hashmi (incomplete, still unpublished), cf. *Journal of the Pakistan Historical Society* (Karachi), vol. ix, pt. i (Jan. 1961, p. 58)

14. Ibn Ḥajar al-'Asqalānī. Nokhbat al-fikr and Nozhat al-nazr. Ed. by W. N. Lees, 'Abd al-Haqq and Ghulam Qadir.
Calcutta 1862. Reprinted: 1982

15. Die Post-und Reiserouten des Orients. Mit 16 Karten nach einheinische Quellen von A. Sprenger. Erstes Heft.
Leipzig 1864

Marfat.com

16. Kashshāf Iṣtilahāt al-Funūn.
A Dictionary of the Technical Terms used in the Sciences of the Musalmans. Part I. Edited by Mawlawies Mohammad Wajih, Abd al-Haqq and Gholam Kadir under the superintendence of Dr. Aloys Sprenger, M.D. Ph.D. and Captain W. Nassau Lees, LL. D., Printed at W. N. Lees' Press, 1862. Reprinted: Teheran 1967

17. Die alte Geographie Arabiens als Grundlage der Entwicklungsgeschichte des Semitismus.
Bern 1875

18. Babylonien, das reichste Land in der Vorzeit und das lohnendste Kolonisationsfeld für die Gegenwart. Ein Vorschlag zur Kolonisation des Orients von Dr. A. Sprenger. Professor und früherem Vorstaher der mohammedanischen Hochschule von Kalkutta. Mit einen Anhang: Metrologie der Araber und einem Kärtchen von Babylonien, Mesopotamien und Syrien. Heidelberg 1886
Also an article in:
Sammlung von Vorträgen. Hrsg. von W. Frommel und Friedrich Pfaff, xv. 6/8, pp. 171-296

19. Mohammed und der Koran. Eine psychologische Studie. Von A. Sprenger. Hamburg 1889

برائے شمارہ ۲۰۔ ۳۴، سطور ذیل، رک:

فرہنگ خاور شناسان۔ زندگی نامہ وکتاب شناسی ایران شناسان واسلام شناسان۔ جلد اول۔ تالیف گروہ مؤلفان ومترجمان۔

تہران ۱۳۷۶ش/۱۹۹۷ء، ص ۳۲۰۔۳۲۲

20. Seer al-Yamānī. By. 'Utby. Delhi 1848

21. Irshād al-Maqāṣid ila Asna al-Maqasid. By Ibn Sa'd Anṣarī Akfānī. Calcutta 1849

22. Adab al-Samarqandī. By Shams-ud Din Samarqandī.
Calcutta 1854

23. Al Ḥisba wa'l Iḥtisāb. By Muhammad 'Ali Thānawī.
Calcutta, 1854

24. Al Istibsār fimā Ikhtalāf min'l Akhbār. By Sh. Ṭusī.

25. Tarikh al Khulafā'. By 'Abd ar-Raḥmān Suyūṭī.

Marfat.com

26. Tarikh al-Ghaznawiyyah. By 'Utbi.
27. Nawādir Qalyūbī
28. Nafḥat al-Yaman. By Sherwānī
29. Maqāmāt-i Ḥarīrī. By Qāsim Ḥarīrī
30. Kitāb al-Rijāl. By Sh. Ṭūsī
31. Al-Kashshāf fī Tafsīr al-Qur'ān. By Abu'l Qāsim Zamākhsharī
32. Qistās al-Mizān. By Shams ud-Din Samarqandī
33. Al-Qamūs al-Muḥīt. By Majd al-Dīn Muhammad Firuzabādī.
34. Ar-Risālat'l Shamsiyyah. By Najm ad-Dīn Qātibī

Articles:

1. An Account of the land-tax (Kherāj) of the Arabic empire in the flourishing period, compiled from several Arabic MSS.
   (*Asiatic Journal*, 30 (1839), pp. 52-61)
2. Some original passages on the early commerce of the Arabs (1) on the mercantile roads.
   (*JASB*, 13(1844), pp. 519-524)
3. Notice of some copies of the Arabic work entitled "Rasā'il Ikhwān al-Ṣafā".
   (*JASB*, 17/I(1848), pp. 501-507; 17/ii(1848), pp. 183-202)
4. Bal'amy's translation of the history of Tabary, and Ghazzaly's history of the prophets.
   (*JASB*, 17/ii (1848), pp. 437-471)
5. Literaturbericht aus Ostindien
   (*ZDMG*, 3(1849), pp. 344-347; 4(1850), pp. 116-117)
6. Ueber eine Handschrift des ersten Bundes des "Kitāb Ṭabaqāt al-Kabyr" vom Sekretär des Waqidy.
   (*ZDMG*, 3(1849), pp. 450-456)
7. Notice of a copy of the fourth volume of the original text of (the history of) Tabary, (with the texts of Tabary and that of Bokhāry to enable the reader to compare them).
   (*JASB*, 19 (1850), pp. 108-135)
8. On the Ghassanite kings.
   (*JASB*, 19(1850), pp. 469-474)
9. Observations on the physiology of the Arabic language.
   (*JASB*, 20(1851), pp. 115-126)

Marfat.com

10. The initial letters of the nineteenth surāh of the Qorān.
(*JASB*, 20(1851), pp. 280-281)

11. Chronology of Makkah and the Hijaz before Mohammad, chiefly founded upon genealogy.
(*JASB*, 20(1851), pp. 349-352).

12. On the earliest Biography of Mohammad
(*JASB*, 20(1851), pp. 395-397)

13. Mohammad's journey to Syria, and Professor Fleischer's opinion thereon (with texts and translations from al-Tirmidhī and Ibn Ishāq.)
(*JASB*, 21(1852), pp. 556-592)

14. Foreign words occurring in the Qurān.
(*JASB*, 21(1852), pp. 109-114)

15 Early Hindustany Poetry.
(*JASB*, 22(1853), pp. 422-444)

16. Catalogue of Oriental Libraries.
(*JASB*, 22(1853), pp. 535-540)

17 The original sources for the biography of Mohammad.
(*Calcutta Review*, No. 37, March 1853)

18. Literary Intelligence (bibliography)
(*JASB*, 24(1855), pp. 44-52)

19. The Copernican system of astronomy among the Arabs [German translation entitled "Bekanntschaft der Araber mit dem Copernikanischen System", in: *Das Ausland*, 29 (1856), 2004]. (*JASB*, 25(1856), p. 189)

20. On the origin and progress of writing down historical facts among the Musulmans.
(*JASB*, 25(1856), pp. 303-329, 375-381)

21 Ueber des Traditionswesen bei den Arabern.
(*ZDMG*, 10 (1856), pp. 1-17)

22 Notes on Alfred von Kremer's edition of Wakidy's campaigns.
(*JASB*, 25 1857), pp. 53-74, 199-220)

23 Notes on the القلوب of Muḥāsibī, being the earliest work on Sufism as yet discovered, and on an Arabic translation of a work ascribed to Enoch.
(*JASB*, 25(1857), pp. 133-150)

24. Mohammad's Zusammenkunft mit dem Einsiedler Bahyrā.

Marfat.com

(*ZDMG*, 12 (1858), pp. 238-249)

25. Ueber die Bedeutung des edomitischem Wortes "Allūf" in der Bibel und des arabischen Wortes "Yiāf" im Koran. (*ZDMG*, 12(1858), pp. 315-317)

26. Ueber den Kalender der Araber von Mohammad. (*ZDMG*, 13(1859), pp. 134-175)

27. Ueber den Ursprung und die Bedeutung des arabischen Wortes Nāmūs. (*ZDMG*, 13(1859), pp. 690-701)

28. Ibn Ishāq ist kein redlicher Geschichtsschreiber. (*ZDMG*, 14(1860), pp. 288-290)

29. Die Mosaik bei den Arabern. (*ZDMG*, 15(1861), pp. 409-411)

30. Erinnerungen an Lakhnau. (*Das Ausland*, 36 (1863), 241-245)

31. Ein Beitrag zur Statistik von Arabien. (*ZDMG*, 17(1863), pp. 214-226)

32. Die Leistungen der Araber in the Geographie. (*Das Ausland*, 37 (1864), 787-791)

33. A. v. Kremer, die südarabische Sage (*Das Ausland*, 39(1866), 346-352)

34. Remarks on Barbier de Meynard's edition of Ibn Khordādhbeh, and on the land-tax of the empire of the Khalyfs. (*JASB*, 35/i(1866), pp. 124-146)

35. Die Post-und Reiserouten des Orients. (*Abhandlungen für die Kunde des Morgenländes*, 3/iii (1866), pp. 1-159)

36. Zur Geschichte der Erdmessung im Alfertums. (*Das Ausland*, 40(1869), 1017-1020, 1042-1046, 1065-1068, 1081-1084)

37. Der Feldzug des Aelius Galeus in Arabien (from the *Athenaeum*). (*Das Ausland*, 45, Nr. 29(15. July 1872), 696)

38. The Ishmaelites, and the Arabic tribes who conquered their country. (*JRAS*, n.s. 6(1873), pp. 1-19)

39. The campaign of Aelius Gallus in Arabia. (*JRAS*, n.s. 6(1873), pp. 121-141)

Marfat.com

40. Lateinische Übersetzungen aus dem Arabischen in der Berner Stadtbibliothek. (*ZDMG*, 28(1874), pp. 154-155)
41. Die Goldunze. (*ZDMG*, 29(1876), pp. 636-637)
42. Alte Problema der Erdkunde und deren Lösung durch den arabischen Geographen Mokaddasy. (*Das Ausland*, 49(1876), 845-850)
43. Über zwei arabische Handschriften (al-Ṭabarī und Ibn Wallād). (*ZDMG*, 31(1877), pp. 750-757)
44. Reise-Erinnerungen zur Beleuchtung der türkischen Zustände. (*Das Ausland*, 50(1877), 29-32, 54-58)
45. Die Schulfächer und die Scholastik der Muslime (*ZDMG*, 32(1878), pp. 1-20)
46. Ein arabischer Geograph (al-Hamdānī). (*Das Ausland*, 52(1879), 241-243)
47. Kolonisationsprojekt, als Manuskript gedruckt. Heidelberg 1884. pp. 22 (brochure)
48. Acclimatisationsfähigkeit der Europaer in Asien. (*Zeitschrift Ethnologie*, 17(1885), pp. 377-381)
49. Al-Biruni's India. (*Allgemeine Zeitung*, Beilage 300, 1888)
50. Die arabischen Berichte über das Hochland Arabiens beleuchtet durch Doughty's *Travels in Arabia Deserta*. (*ZDMG*, 42(1888), pp. 321-340)
51. Sachau's al-Biruni's India. (*ZDMG*, 43(1889), 329)
52. Versuch einer Kritik von Hamdānis Beschreibung der arabischen Halbinsel und einige Bemerkungen über David H. Muller's Ausgabe derselben. (*ZDMG*, 45(1891), pp. 361-394)
53. Eine Skizze der Entwicklungsgeschichte des muslimischen Gesetzes (*Zeitschrift für vergleichende Rechtswissenschaft*, 10 (1892), pp. 1-31)
54. Report of the Researches into the Muhammadan Libraries of Lucknow. Selections from the Records of the Government of India. Foreign Department, no. 334, Foreign Department, serial no. 82 (1896), pp. 32.

Marfat.com

ذخیرۂ اشپرینگر(Ms. Or. Sprenger، برلین)
میں اردو مخطوطات

۱۔ کرت سوامی نند داس (نمبر ۱۷۰۶)، از سوامی نند داس آنند جیو

۲۔ شری بھاگوت (نمبر ۱۷۲۳) از بھوپتی

۳۔ سورج پوران (نمبر ۱۶۵۹) از بشن سنگھ

۴۔ کربل کتھا (نمبر ۱۷۳) از فضل علی فضلی

۵۔ نکات الشعراء (نمبر ۳۴۳) از میر تقی میر

۶۔ گلشن ہند (نمبر ۳۴۵) از مرزا علی لطف

۷۔ مجموعۂ نغز (نمبر ۳۴۶) از سید ابوالقاسم دہلوی

۸۔ طبقات سخن (نمبر ۳۴۷) از مبتلا و عشق میرٹھی

۹۔ غرائب اللغات (نمبر ۱۶۶۸) از سراج الدین علی خان آرزو

۱۰۔ نوطرز مرصع (نمبر ۱۷۴۶) از عطا خان تحسین

۱۱۔ کنہاوت (گھناوت) (نمبر ۱۷۰۱) از ملک محمد جائسی

۱۲۔ دیوانِ ولی (نمبر ۱۷۲۱) از ولی گجراتی

۱۳۔ دیوانِ سودا (نمبر ۱۷۱۴) از سودا

۱۴۔ دیوانِ میر سوز (نمبر ۱۷۱۶) از میر سوز

۱۵۔ دیوانِ حسرت (نمبر ۱۶۹۵) از جعفر علی حسرت

۱۶۔ دیوانِ جرأت (نمبر ۱۷۰۳) از جرأت

۱۷۔ دیوانِ بقا (نمبر ۱۶۸۵) از بقا اللہ بقا

Marfat.com

۱۸۔ دیوان فارغ (نمبر ۱۶۸۹) ازمیاں فارغ شاہ صاحب فارغ

۱۹۔ دیوانِ پروانہ (نمبر ۱۷۱۱) از راجہ جسونت سنگھ پروانہ

۲۰۔ دیوان کلاں خواجہ سلطان (نمبر ۱۷۱۷) از خواجہ سلطان خان سلطان

۲۱۔ دیوان صاحبقران (نمبر ۱۶۸۶) از میر امام علی صاحبقران

۲۲۔ دیوان کلیات تصنیف میر اکبر علی اختر (نمبر ۱۶۸۲)

۲۳۔ مثنوی مرزا عباس اقتدار الدولہ (نمبر ۱۶۷۸)

۲۴۔ محشر نامہ (نمبر ۱۷۰۲) از شیخ محمد جیون

۲۵۔ بیاض مراثی (نمبر ۱۷۳۸)

۲۶۔ بیاض مراثی وسلام (نمبر ۱۷۳۹)

۲۷۔ قصۂ جمجمۂ بادشاہ (نمبر ۱۷۲۴) از احمد علی شوراجپوری

۲۸۔ یوسف زلیخا (نمبر ۱۷۲۸) از شاہ مجیب اللہ مجیب

۲۹۔ قصہ راجہ چتر مکت و چندکرن رانی (نمبر ۱۶۳۰) از زین العابدین

۳۰۔ ہندی نظم (نمبر ۱۷۴۰)

۳۱۔ شرح ہندی شاعری (؟) (نمبر ۲۰۱۰)

۳۲۔ مخطوط نامہ، مجموعہ خوبی (نمبر ۱۶۴۱) مختلف اردو شعراء

۳۳۔ رسالہ قواعد النساء یا کتاب قانون النساء (نمبر ۱۷۶۳)

۳۴۔ مصطلحات ٹھگی (نمبر ۱۶۷۰) از علی اکبر الہ آبادی

۳۵۔ مصطلحات ٹھگی (نمبر ۱۶۷۱) از علی اکبر الہ آبادی

* * * * *

Marfat.com

اشپرینگر کے ذاتی کتاب خانہ کی اردو مطبوعات
(بحوالہ فہرست، مطبوعہ گیسن ۱۸۵۷ء)

۱۔ تاریخ یوسفی (المعروف بہ عجائبات فرنگ) ۔ از یوسف خاں کمبل پوش۔ دہلی: مطبع العلوم، ۱۸۴۷ء

۲۔ تاریخ ابوالفداء کا اردو ترجمہ مع اضافات ۔ ۳ جلد ۔ دہلی ۱۸۴۶ء

۳۔ شمائل ترمذی۔ بین السطور اردو ترجمہ۔ کلکتہ، ۱۲۶۲ھ۔ دو نسخے

۴۔ مولد شریف۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۸

۵۔ وفات نامہ۔ کانپور ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۲۵

۶۔ محاربۂ کابل۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۸

۷۔ آثار الصنادید۔ عمارات دہلی کی تاریخ مع تصاویر۔ دہلی ۱۸۴۶ء۔ صفحات ۳۳۸، ۲۴۴۔
''سید [احمد خاں] نے میرے کہنے پر تالیف کی۔''

۸۔ فتح گڑھ اور ضلع فرخ آباد کی تاریخ از کالی رائے۔ دہلی ۱۸۴۹ء۔ صفحات ۲۰۴

۹۔ تاریخ کشمیر از اعظم۔ اردو ترجمہ۔ دہلی ۱۸۴۹ء۔ صفحات ۳۵۷

۱۰۔ فرائد الدہر (تذکرہ شعرائے عرب) از مولوی کریم الدین۔ دہلی ۱۸۴۷ء۔ صفحات ۴۲۰

۱۱۔ انتخاب دواوین از امام بخش صہبائی۔ دہلی ۱۸۴۴ء۔ صفحات ۲۷۵

۱۲۔ طبقات شعرائے ہند از مولوی کریم الدین پانی پتی۔ دہلی ۱۸۴۸ء

۱۳۔ موضح القرآن۔ بین السطور اردو ترجمہ از عبدالقادر۔ بمبئی ۱۲۷۰ھ

۱۴۔ فن تجوید پر ابن الاثیر جزری کا رسالہ مع اردو شرح۔ کلکتہ۔ صفحات ۱۹۹

۱۵۔ سبیل النجات (منظوم)۔ اسلامی تعلیمات کا بیان۔ لکھنؤ۔ مع ایک اور رسالہ

۱۶۔ احکام الایمان (منظوم)۔ متعلقہ عقائد اسلام از عبدالواحد۔ لکھنؤ ۱۲۶۵ھ۔ صفحات ۱۶

Marfat.com

۱۷۔ علم الفرائض (قانون وراثت)۔ لکھنؤ ۱۲۶۴ھ۔ صفحات ۹۸

۱۸۔ تحفۃ الزوجین از نواب محمد قطب الدین۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۱۳۲

۱۹۔ مفتاح الجنت (مسلمان کے فرائض کے متعلق)۔ کلکتہ۔ صفحات ۲۱۴

۲۰۔ تحفۃ العوام (متعلقہ مذہبی فرائض)۔ لکھنؤ ۱۲۶۵ھ۔ صفحات ۱۰۴

۲۱۔ ہدایت الاسلام (مذہبی فرائض سے متعلق) از امانت اللہ۔ کلکتہ ۱۲۳۳ھ۔ صفحات ۲۸۷

۲۲۔ راہ نجات۔ لکھنؤ۔ صفحات ۳۰

۲۳۔ الکبریت الاحمر (حضور اکرمؐ کی فضیلت پر)۔ لکھنؤ ۱۲۶۶ھ

۲۴۔ ردِّ ہند (ہندوؤں کے عقائد کی تردید)۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۲۷

۲۵۔ ہندی مسلمانوں کے توہمات۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۹

۲۶۔ بیان الآخرت۔ لکھنؤ ۱۲۶۴ھ۔ صفحات ۵۶

۲۷۔ صبح کا ستارہ۔ موت، حوروں وغیرہ کے بارے میں۔ لکھنؤ ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۸۸

۲۸۔ قیامت نامہ۔ کلکتہ ۱۲۴۱ھ

۲۹۔ تجہیز و تکفین۔ کلکتہ۔ صفحات ۶۴

۳۰۔ ہادی الناظرین (اخلاقیات)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۶۰

۳۱۔ اعمال الصالحین (اخلاقیات)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۰۰

۳۲۔ خالق باری۔ (عربی، فارسی اور ہندوستانی ذخیرۂ الفاظ)۔ لکھنؤ

۳۳۔ ''گلستاں'' کا ہندوستانی ترجمہ از شیر علی افسوس۔ کلکتہ۔ صفحات ۲۶۶

۳۴۔ پند نامہ۔ منظوم ہندوستانی ترجمہ۔ لکھنؤ

۳۵۔ کلیات جعفر زٹلی۔ لکھنؤ۔ صفحات ۵۸

۳۶۔ منتخب النفائس (معانی فارسی میں)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۷۲

۳۷۔ دریائے لطافت (قواعد اردو)۔ از انشاء اللہ و مرزا قتیل۔ مرشد آباد ۱۸۴۸ء۔ صفحات ۲۰۲

۳۸۔ چشمۂ فیض از احمد علی۔ قواعد اردو۔ دہلی ۱۸۴۵ء

۳۹۔ ہندوستانی قواعد از امام بخش صہبائی۔ دہلی ۱۸۴۵ء۔ صفحات ۲۹۲

۴۰۔ اصطلاحات (تشریح فارسی میں)۔ دہلی ۱۸۴۵ء

۴۱۔ شمس البیان از تپش (م۔ ۱۲۲۰ھ) اردو محاورات۔ مرشد آباد ۱۲۶۵ھ۔ صفحات ۲۰

Marfat.com

۴۲۔ واسوخت آباد۔ مطبوعہ

۴۳۔ شہادت نامہ اور دلہن نامہ۔ شہادت امام حسینؓ پر عبدالکریم کی دو نظمیں۔ دہلی ۱۲۶۹ھ۔ صفحات ۲۴

۴۴۔ مثنوی احمد۔ کلکتہ ۱۸۴۹ء۔ صفحات ۱۵۴

۴۵۔ قصۂ منصور (منظوم) از احمد علی۔ کانپور۔ صفحات ۲۰

۴۶۔ کلیاتِ آتش (م۔ ۱۲۶۳ھ) لکھنؤ ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۲۹۳

۴۷۔ دیوانِ میر درد۔ مطبوعہ دہلی ۱۸۴۷ء

۴۸۔ مثنوی نان و نمک از فصیح۔ بہائی کی مثنوی ''نان وحلوا'' کے تتبع میں۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۳۵

۴۹۔ معدنِ فیض (نظم)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۴

۵۰۔ ہشت گلزار (مثنوی)۔ از حقی۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۰۸

۵۱۔ سحر البیان از میر حسن۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۱۰۸

۵۲۔ نثر بے نظیر۔ کلکتہ ۱۸۰۳ء۔ دو نسخے

۵۳۔ قصائد حسام علی۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۱۵

۵۴۔ گلشن عشق (منظوم) از امام۔ کانپور ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۱۶

۵۵۔ جہادِ اکبر (منظوم) از امداد علی۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۲۷

۵۶۔ سلکِ نور (نظم) از اسماعیل۔ کلکتہ ۱۲۶۹ھ۔ صفحات ۲۲

۵۷۔ دیوانِ جان صاحب۔ لکھنؤ ۱۲۶۲ھ

۵۸۔ خیابانِ فردوس (نظم) از کافی۔ لکھنؤ ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۴۵

۵۹۔ نشترِ عشق (منظوم داستان)۔ دہلی

۶۰۔ کامروپ (منظوم داستان) از کوڑامل۔ دہلی ۱۸۴۹ء۔

۶۱۔ چشمۂ شیریں (منظوم)۔ قصۂ فرہاد و شیریں۔ از مسکین۔ لکھنؤ ۱۲۶۳ھ۔ صفحات ۵۴

۶۲۔ کلیات ناسخ (م۔ ۱۲۵۴ھ)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۳۸۰

۶۳۔ گلزار نسیم۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۶۰

۶۴۔ مثنوی رنگین۔ دہلی ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۲۶

۶۵۔ دیوانِ رند۔ دہلی ۱۲۶۶ھ۔ صفحات ۲۱۶

۶۶۔ انتخاب دیوانِ سودا۔ کلکتہ ۱۸۴۷ء۔ صفحات ۱۱۸ و ۱۱۴

Marfat.com

۶۷۔ بہارِ عشق (مثنوی) از تصدق حسین۔ کانپور ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۴۲

۶۸۔ بہارِ دانش از تپش۔ منظوم اردو ترجمہ۔ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔ صفحات ۲۴۷

۶۹۔ دیوانِ ظفر۔ دہلی کے موجودہ بادشاہ کا دیوان۔ دہلی۔

۷۰۔ دیوان زخمی۔ لکھنؤ ۱۲۵۳ھ۔ صفحات ۵۱۳

۷۱۔ مثنوی مولانا روم کا ملخص اردو ترجمہ (منظوم)۔ کلکتہ ۱۲۶۱ھ۔ صفحات ۲۷۳

۷۲۔ معارج الفضائل (نظم)۔ اماموں کے معجزات کا تذکرہ۔ لکھنؤ ۱۲۶۷ھ۔ صفحات ۲۹۹

۷۳۔ شاہنامہ اردو (منظوم)۔ ''شاہنامہ'' فردوسی کا ملخص اردو ترجمہ۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۷۸

۷۴۔ قصہ شاہ روم (منظوم)۔ دہلی۔ صفحات ۱۲

۷۵۔ رشکِ چمن (منظوم داستان)۔ سنہ تالیف ۱۲۳۸ھ۔ لکھنؤ ۱۲۶۶ھ۔ صفحات ۹۷

۷۶۔ قصہ سیاہ پوش (منظوم)۔ سیاہ پوش اور دو دیگر قصے۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۲۲

۷۷۔ قصۂ جمجمہ و سپاہ زاد (منظوم)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۹

۷۸۔ دریائے عشق، شعلہ عشق، اعجاز عشق اور قصۂ جمجمہ۔ کانپور

۷۹۔ آثارِ محشر (منظوم)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۶

۸۰۔ مخمس (در تعریف حضور اکرمؐ)۔ دہلی ۱۲۶۸ھ۔ صفحات ۳۵

۸۱۔ گلدستۂ نازنیناں (انتخاب شعرائے اردو) از کریم الدین پانی پتی۔ دہلی ۱۲۶۱ھ۔ صفحات ۳۳۶۔ دو نسخے

۸۲۔ واسوخت (مجموعہ)۔ دہلی ۱۸۴۹ء۔ صفحات ۱۱۳

۸۳۔ واسوخت (مجموعہ)۔ لکھنؤ ۱۲۶۳ھ۔ صفحات ۳۲

۸۴۔ واسوخت (مجموعہ)۔ کانپور۔ صفحات ۲۰

۸۵۔ سلکِ مسلسل (عمدہ مضمون)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۳۲

۸۶۔ آرائش محفل (داستان)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۰۹

۸۷۔ بہشت چمن (ناول)۔ از بدر۔ لکھنؤ۔ صفحات ۹۴

۸۸۔ طوطی نامہ (اردو ترجمہ)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۸

۸۹۔ داستان عشق۔ لکھنؤ۔ ۱۲۶۶ھ۔ صفحات ۷۰

۹۰۔ مذہب عشق (داستان گل بکاؤلی)۔ کلکتہ ۱۲۶۴ھ۔ لکھنؤ

۹۱۔ انوار سہیلی۔ سنہ تالیف ۱۲۵۱ھ۔ لکھنؤ ۱۲۵۴ھ۔ صفحات ۵۲۶

Marfat.com

۹۲۔ اخوان الصفا۔ کلکتہ ۱۸۴۷ء۔ صفحات ۲۵۰

۹۳۔ باغ و بہار۔ دہلی ۱۸۴۶ء

۹۴۔ بہرام گور (داستان)۔ کانپور۔ صفحات ۳۲

۹۵۔ قصۂ اگر گل (داستان)۔ لکھنؤ ۱۲۶۳ھ۔ صفحات ۸۰

۹۶۔ نورتن (ناول)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۸۲

۹۷۔ سرورِ سلطانی۔ نثری شاہنامہ۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۰۴

۹۸۔ فسانۂ عجائب۔ کلکتہ ۱۸۴۶ء۔ صفحات ۴۲۲

۹۹۔ نغمۂ عندلیب (ناول)۔ کلکتہ۔ صفحات ۳۱۲

۱۰۰۔ لطائف الظرائف۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۱۲

۱۰۱۔ سوال و جواب طیبہ (متعلقہ طب)۔ دہلی ۱۲۶۲ھ۔ صفحات ۱۷

۱۰۲۔ تحفۃ الاحباب (متعلقہ ریاضی)۔ دہلی۔ صفحات ۳۲

۱۰۳۔ سریع الفہم (مسلمانوں کا علم ریاضی)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۲۲

۱۰۴۔ مکتب نامہ (مسلمانوں اور ہندوؤں کا علم ریاضی)۔ لکھنؤ ۱۲۶۴ھ۔ صفحات ۹۱

۱۰۵۔ مفید الاجسام (طب)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۷۸

۱۰۶۔ فوائد عجیبہ (مفید گھریلو کھانے)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۶۵

۱۰۷۔ اسپ نامہ از سعادت یار خاں رنگین۔ لکھنؤ ۱۲۶۹ھ۔ صفحات ۲۲

۱۰۸۔ کھیت کرم (فنِ زراعت)۔ از کالی رائے۔ دہلی ۱۸۴۶ء

۱۰۹۔ معرکہ (جسمانی ورزشوں سے متعلق)۔ لکھنؤ۔ صفحات ۱۱۳

۱۱۰۔ کریما (سعدی) مع اردو ترجمہ۔ نیز فارسی مکالمات، طوطی نامہ (اردو)۔ ہوگلی ۱۸۴۴ء

* * * * *

Marfat.com

اردو مطبوعات، جو اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کے بعد اس کے نجی کتاب خانہ میں محفوظ تھیں

۱۱۱۔ باغ و بہار (میر امن دہلوی)۔ مدراس ۱۸۴۰ء

۱۱۲۔ سحر البیان (میر امن دہلوی)۔ کلکتہ ۱۸۴۹ء

۱۱۳۔ گلستاں (اردو ترجمہ) از شیر علی افسوس۔ دہلی ۱۸۴۹ء

۱۱۴۔ اخوان الصفا، (اردو ترجمہ)

۱۱۵۔ باغ و بہار (میر امن دہلوی)۔ کلکتہ ۱۸۳۶ء

۱۱۶۔ تاریخ ہند (سدا سکھ لال)۔ سنۂ تالیف ۱۲۷۰ھ۔ آگرہ ۱۸۵۳ء

۱۱۷۔ اقلیدس (اردو) بفرمائش اشپرینگر، پرنسپل مدرسۂ عالیہ، کلکتہ ۱۸۵۲ء

۱۱۸۔ مبادیات میکانیات (اردو)۔ آگرہ ۱۸۴۴ء

۱۱۹۔ اناٹومی (مبادیات) اردو۔ از موات۔ کلکتہ ۱۸۴۸ء

* * * * *

Marfat.com

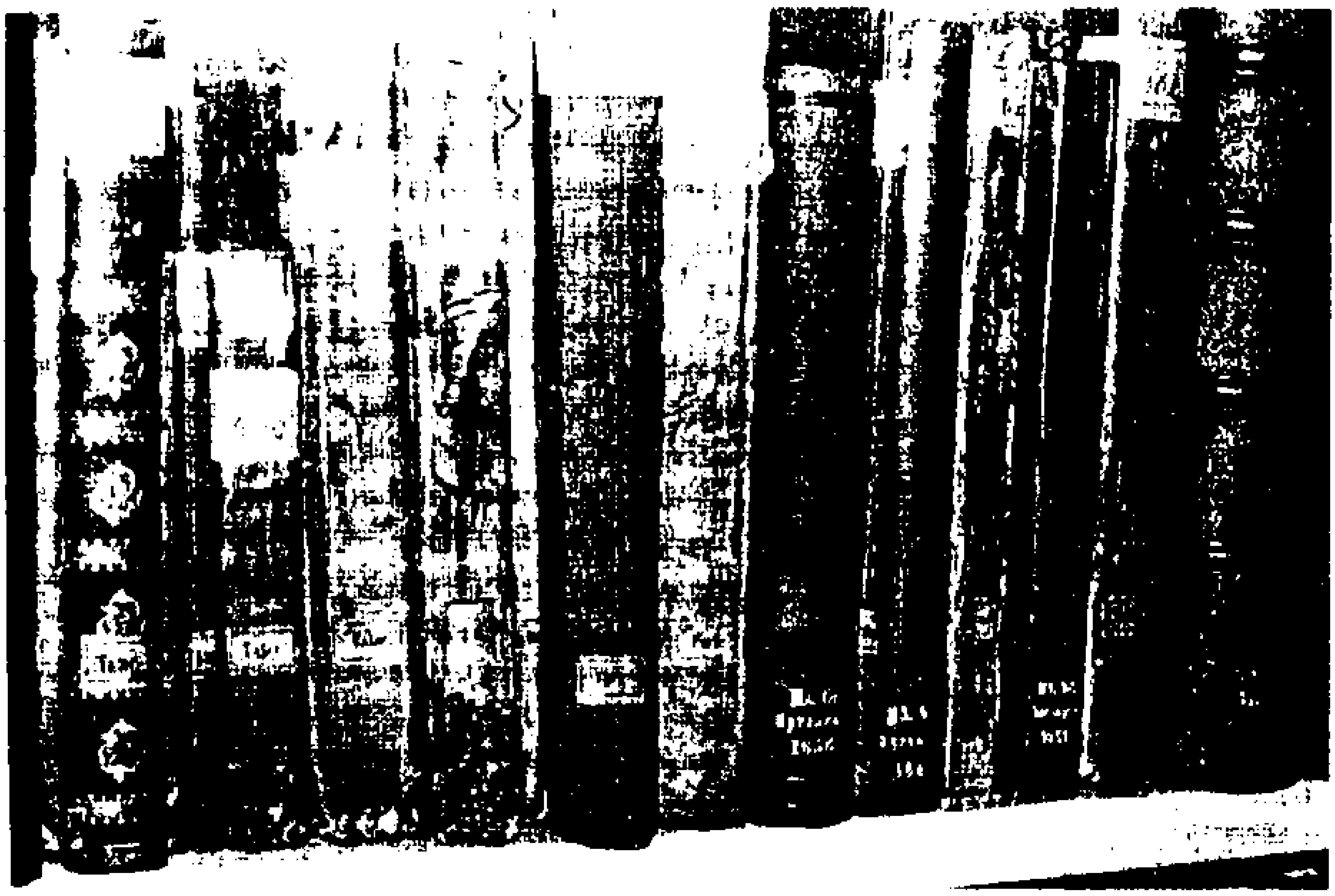

ذخیرۂ اشپرینگر (برلین، مغربی) کا ایک حصہ

Marfat.com

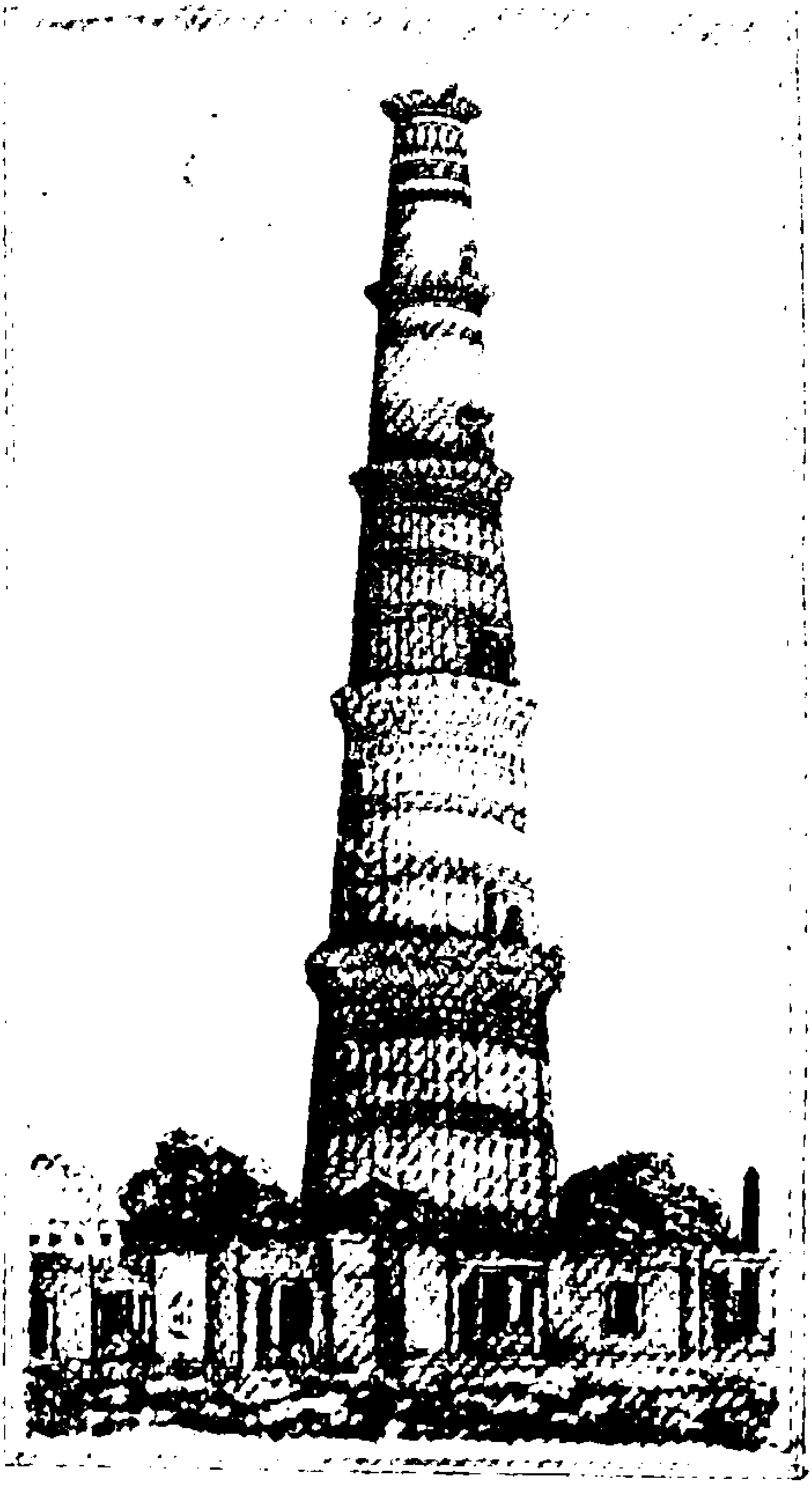

قطب مینار

(سیر المنازل از سنگین بیگ، مصور قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۸۲۱ء، ذخیرۂ ہاشمی، مخطوطہ ۲۳۳۰، ق ۲۰۳ ب)

Marfat.com

زینت المساجد عرف کنواری مسجد　　بد تصویرت

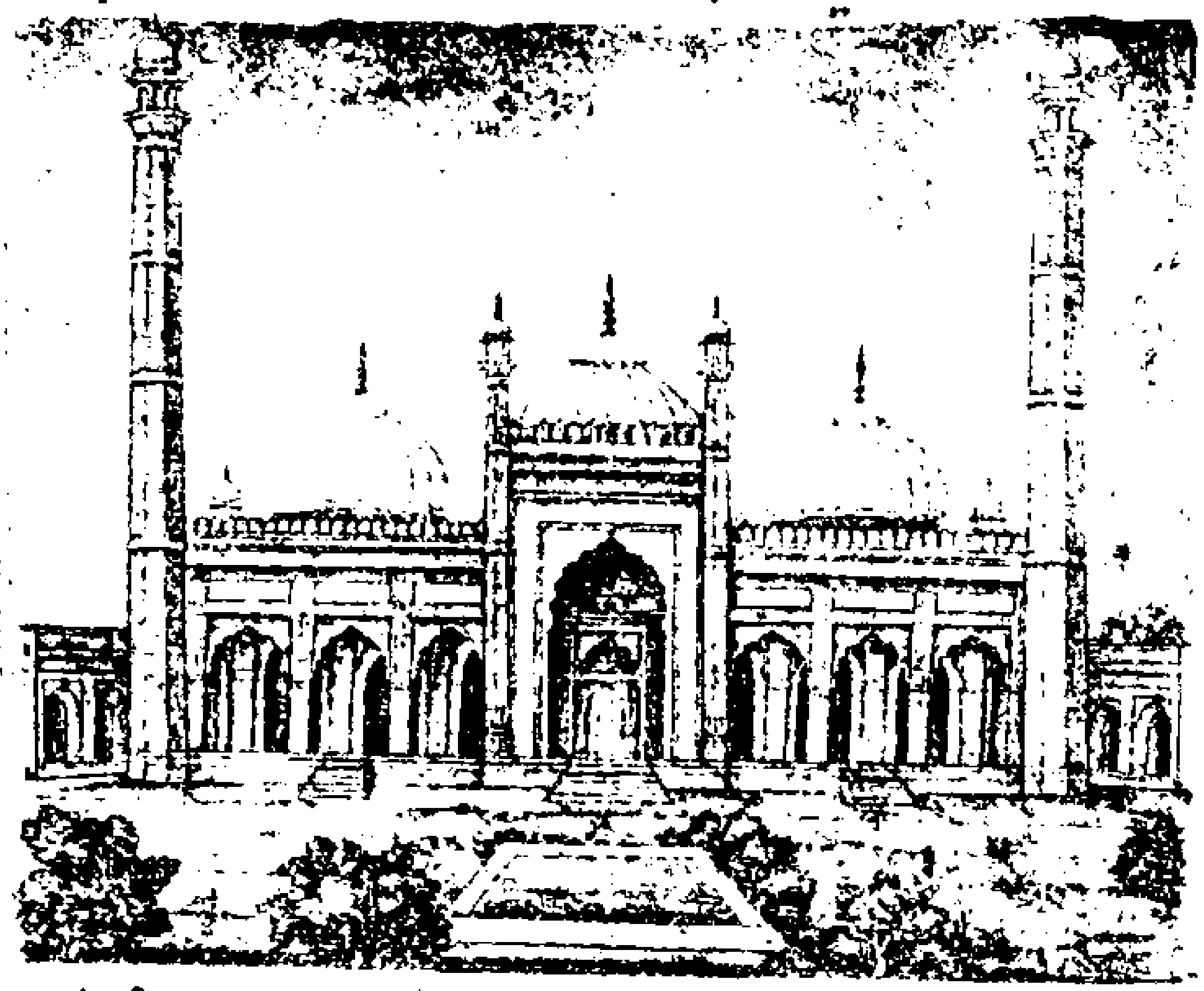

اندرون مسجد بطرف شمال مقبره است که جهار دیواری سرون محجرش

از سنگ باسی و جهار دیواری اندرونش معه فرش و تعویذ مرمر است

الث بیکم از سنگ مرمر بر دیوار پائین ان بخط ثلث کنده است

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من ر... الله

زینت المساجد المعروف بہ کنواری مسجد

(سیر المنازل از سنگین بیگ۔ مصور قلمی نسخہ، مکتوبہ ۱۸۲۱ء۔ ذخیرۂ اشپرینگر، نمبر ۲۳۴، ورق ۱۳۴ ب)

Marfat.com

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اور سب کہ نظر ثانی ترکیبیت و تعبیت [illegible] میں بندش

اصطلاحات و استعارات رنگین اصلاح دی اس تاریخ

نے صفحۂ دل پر جلوہ کیا　　　　ہر کس از نکتہ سنجی یاد

بجھانے مشق ہم سخن یاد　　　　طرفہ یہ کہ تمام بیت میں [illegible]

تاریخ نکلا اور اسی مضمون تاریخ کا پھر برادران ایمانی سے

ملتمس ہوا کہ یعنی ناظران و قاریان و سامعان رسالے یہ

[illegible]

کریال کتھا (فضلی)

(قلمی ذخیرہ واشپے یلئر نمبر ۳ ــ ا، ورق ۵۶ ب)

Marfat.com

وارع میخ نوذم دم مک راست نشد ... کو نا تیری

یو یجھو کبھی ... بھی گفت پھرت کن و نیپار واکی

ننگ ... ہوکا شدن حلاوت نزار رددا ستم که

کھیرین شن ... که ستارذن پیسا اور جلنی بھر او تہایا

احسن قوت فدن بھرسن یاد شد ... که نرم چوب ذاکرم میخورد

بستم و گفتم که ای ننگ نخوت خورد لاعزیزان اسلحو

بیچی کبوتر انهای دو شتکان جنگی اقات و لولو مشتان کھولی

مرات از برحق و عرت باز نمی آی میدانی ... که مارکی

بیجی ستوار ہی عیب زبان دہ چرغنہ را میگویم که بہت

نرم تر از رار رحن دم خستہ و بنور برسنہ دید بار رنق

رمدار النجا مود ربجامہ اکتفا کرد جرا که مثل گفته اند که

لکسنی جهد پڑا حو نکا سولا بهر ... بھر ...

ترتیب برسات نوشته بودم حضرت سلامت کھر بھر رست

الوعد

کلیات جعفر زٹلی

(قلمی ذخیرہ اشپرینگر۔ نمبر ۱۷۰۳ء، ورق ۶۰ ب)

Marfat.com

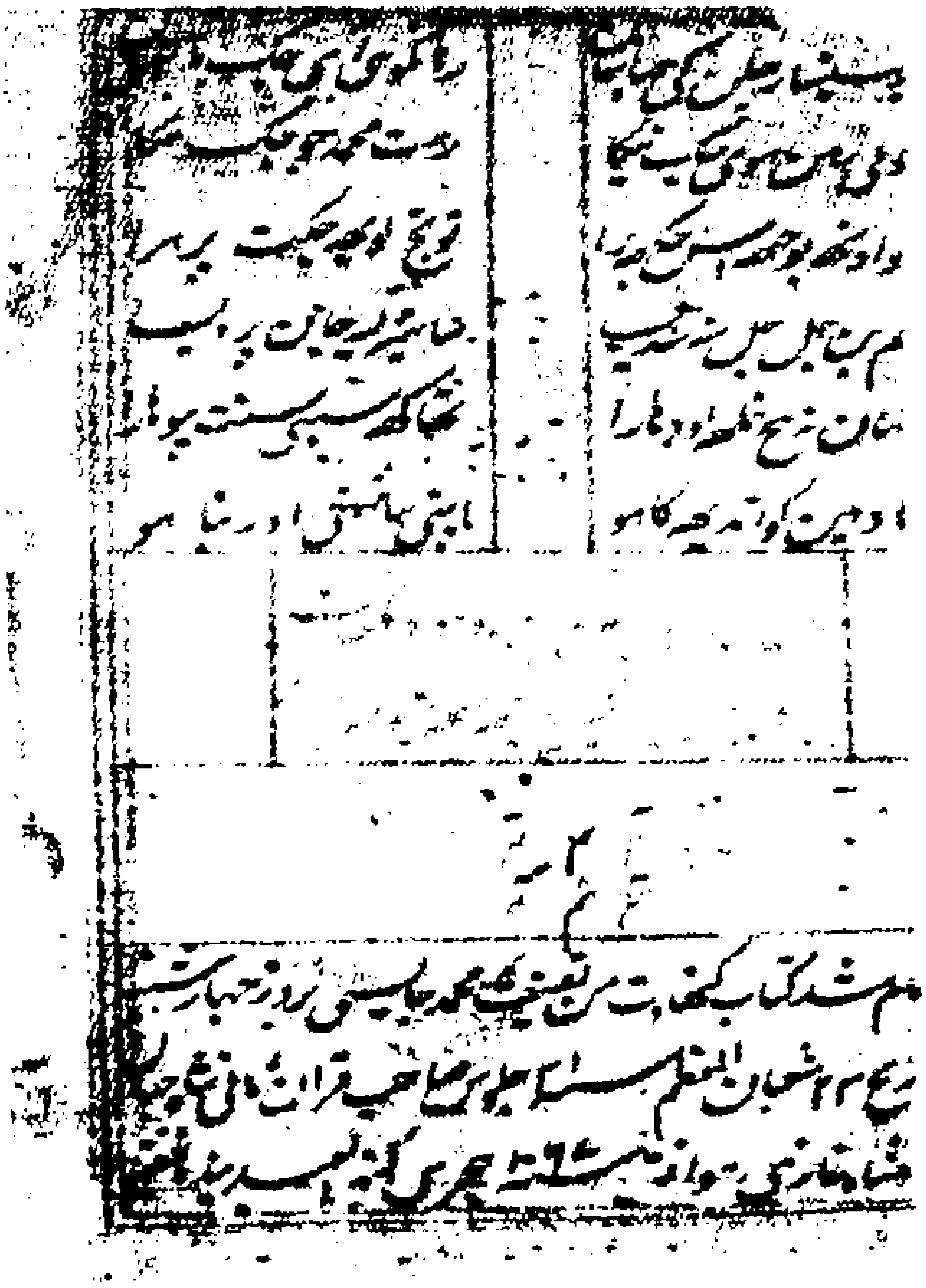

کنھاوت (محمد جائسی)

(قلمی ذخیرہ اشپرینگر۔ نمبر ۱۰۷ا، ورق ۳۲، ا و ب)

Marfat.com

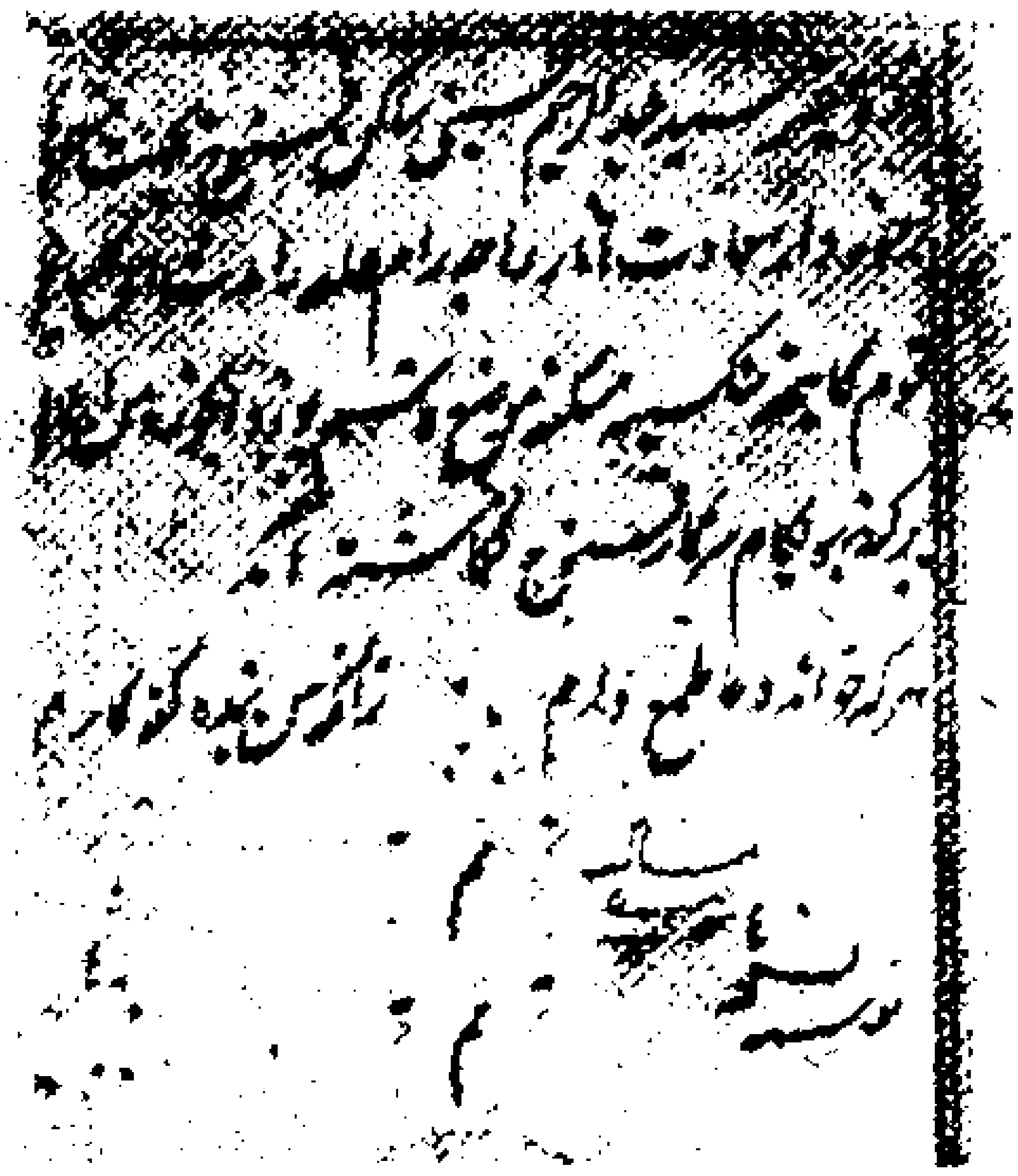
هر که خواند دعا طمع دارم ٭ زانکه من بنده گنه کارم

Marfat.com

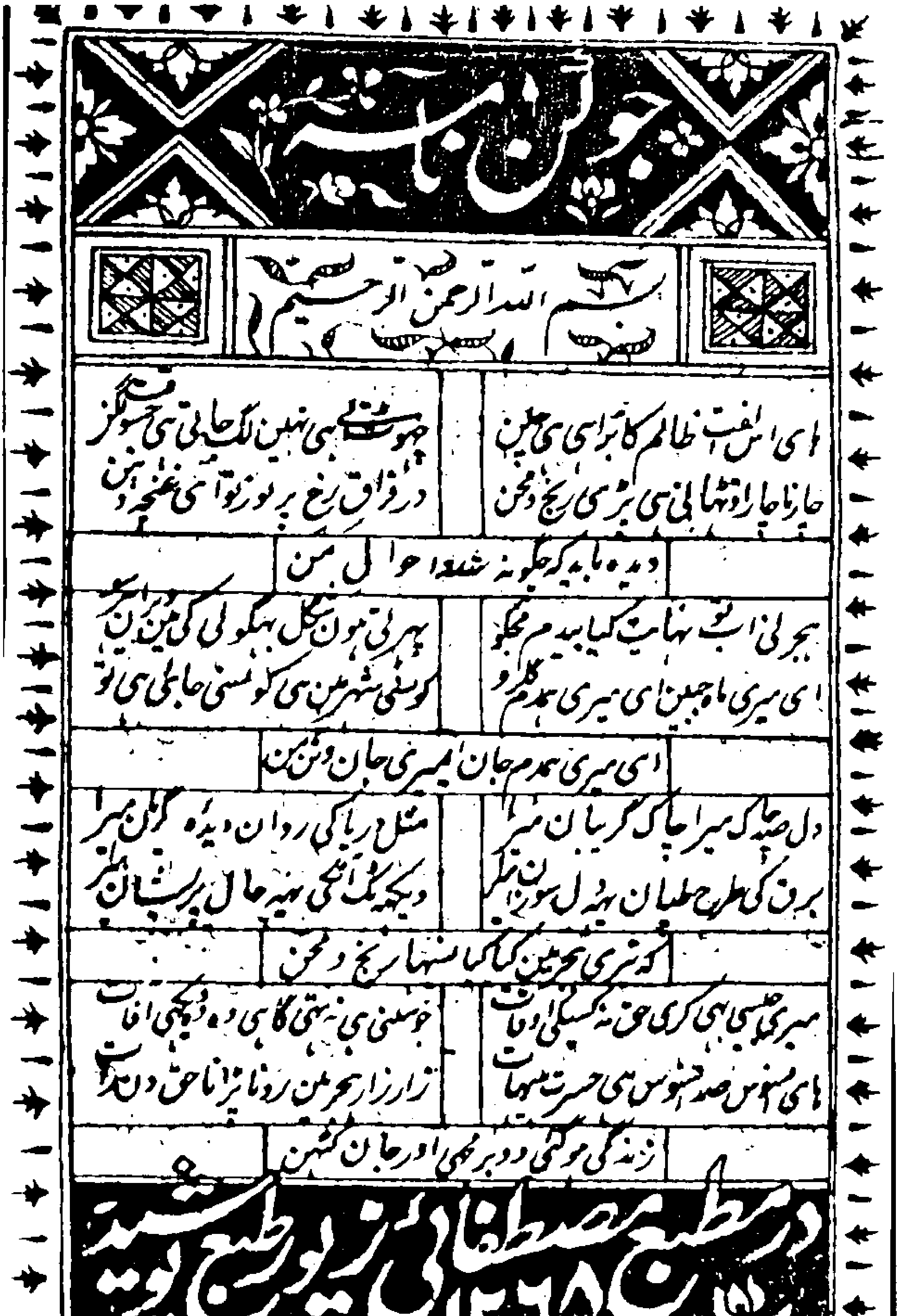
جوگن نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ای الف ظالم کا ترا سی چلن
جا رہا جار اٹھا لی سی بڑی رنج و محن

چھوٹ گئی سی نہیں لگ جا لی سی سوگز
در فراق رخ بر تو زنوا آئی غنچہ دہن

دیدہ با بدہ کہ چگونہ شد احوال من

ہجر لی اب تو نہایت کیا بیدم مجکو
ای میری ماہ جبین ای میری ہمدم گلرو

پھرتی ہون نکل پھکولی کی میں ترے
کونسی شہر مین سی کونسی جا لی سی تو

ای میری ہمدم جان میری جان و تن

دل صد چاک میرا چاک گریبان میرا
برق کی طرح جلیان ہیہ دل سوزان میرا

مثل دریا کی روان دیدہ گریان میرا
دیکھ ٹک آ کی یہہ حال پریشان میرا

کہ تری ہجر میں کیا کیا سہا رنج و محن

ہیر کی جیسی ہی کری حق نہ کسیکی اوقات
ہای مسوس صد افسوس سہی حسرت ہیہات

جو کسی سی نہ ہوتی کا ہی وہ دیکھی آفات
زار زار ہجر مین رونا تری نا حق دن رات

زندگی ہو گئی دو بھر مجھی اور جان کٹھن

در مطبع مصطفائی زیور طبع پوشید
۱۲۶۸

''جوگن نامہ'' (مطبوعہ ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء) کا پہلا اور آخری صفحہ

Marfat.com

کس سی مین جا کی کہون کون سنی ہی بیدے	کبھی متنالی سی مہون کبھی سولی مون کہڑے
کبھی محو تصور سی کبھی مجنون سے	سین نسخے با تو سنی من راہ نہار دن بیرے

جو قدم رنجہ کرو اور مجھی بدلو در سش

کبھی رو دیتی ہون دیکھ کے سنگل دریا	کبھی گاتی ہون تیری نام کو لی لی ہما
کبھی مجھ بہشت کیا جیب سے جا کے کہا	آرزو ہی کہ مین سو جا لنگی ہون تجہہ فدا

دیکھی ٹک آنکھ تو ہی تو میرے جوگن ہین

تو کہین میرے کہین اسی تو مری جان	ای میری ماہ جبین اسی تو مری جان و
تجکو ہی ہو وی یقین اسی تو مری جان	تاب جبین کی ہین اسی تو مری جلوا

ہی حد آگی لیت مجھہ پہ مصیبت یہ کنہن

یا الہی کوی جھسا ہی نہ ہوی دلگیر	جمل اور خوار پریشان ذلیل اور حقیر
طور لی طور نظر آتی ہین خون دبکہ زہر	حسرتا آہ جیبی لی غم بغم یار [illegible]

تمت	من حزین در غم او حلق حزین در غم من	بالخیر

معونہ خدا ... امام ... النبا مخمس جوگن ... از تصانیف با برکات و عرفان سخن ...
از شاعر ... علی احمد جان ... مصنف مخمس جوگی نامہ متخلص ... ساکن ...
ساکن ... شہر شاہجہان آباد ... بتصحیح مقابلہ مصنف ... کارپردازان مطبع مصطفی
... الاخبار ... دار الخلافہ شاہجہان آباد کشمیری دروازہ محلہ ...
باہتمام ... الکونین ... محمد حسین ... بتاریخ نہم ... شوال ...
... مطبع ... گردید فقط

ORIENTALIA

Katalog der Bibliothek

Aus dem Nachlass des Herrn

Prof. Dr Alois Sprenger

I. Zeitschriften und Congresse.
II. Handschriftenkataloge.
III. Allgemeines. Sprachwissenschaft. Bibliographie.
IV. Arabisch, Lexica, Chrestomathien.
V. Koran. Koran-Commentare und Bearbeitungen.
VI. Biographie Mohammeds und Hadith (Tradition).
VII. Geschichte.
VIII. Kosmographie. Geographie. Reisen.
IX. Poesie. Schöne Litteratur. Litteraturgeschichte } Arabisch
X. Philosophie und Theologie Islam } Arabisch
XI. Grammatik } Arabisch
XII. Jurisprudenz } Arabisch.
XIII. Medizin. Naturwissenschaft } Arabisch.
XIV. Mathematik. Astronomie. Astrologie } Arabisch.
XV. Persisch (Alt- und Neupersisch, Zend).
XVI. Hebräisch, Aramäisch, Syrisch, Assyrisch, Aethiopisch, Altes und Neues Test., Palästina.
XVII. Türkisch.
XVIII. Aegypten, Aegyptisch.
XIX. Chinesisch, Japanesisch.
XX. Indisch (Sanskrit, Hindustani, Pushtu etc.)
XXI. Bibliotheca Indica.
XXII. Griechische Schriftsteller.
XXIII. Lateinische Schriftsteller.
XXIV. Alte Handschriften, Varia.

1896

اشپرینگر کی وفات (۱۸۹۳ء) کے بعد اس کے ذاتی کتاب خانہ کی فہرست (۱۸۹۶ء)

Marfat.com

مدرسۂ دہلی

(در: قران السعدین (دہلی) جلد ۵ نمبر ۵
بابت ۱۲ فروری ۱۸۵۰ء)

Marfat.com

Marfat.com

[illegible]

Marfat.com

Marfat.com

[illegible]

[illegible] کے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] لیا اور [illegible]

[illegible]

[illegible] یاد [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]

[illegible]	
[illegible]	
مولوی [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
محمد [illegible]	[illegible]
[illegible] لال	[illegible]
[illegible]	
[illegible]	
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
ریاض الدین	[illegible]
[illegible]	[illegible]
کریم بخش	[illegible]
[illegible]	
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]
[illegible] لال	[illegible]

[illegible]

Marfat.com

ظلم بزرگ...... بر طلبہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ

(در: گلشن نو بہار (فارسی)، جلد ا نمبر ۱۱، بابت ۱۲ اپریل ۱۸۵۱ء)

Marfat.com

Eusoof Khan the Hakeem of the Blanket

H.E.I. COMP^Y

یوسف خان کمبل پوش کی تصویر، جو اس کے سفر نامہ "تاریخ یوسفی" کی طبع اول (دہلی
1847ء) کی ابتدا میں شائع ہوئی۔ (مخزونہ انڈیا آفس لائبریری اینڈ ریکارڈز، لندن)

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

چهار ساعت ملکی بعد در آورد که هرگاه که طلبه درجواب
نارضامندی خود شان گذرانیدند و بخواندن کتب بندی
ناخشنودی اظهار کردند جاگیر شان موقوف کرده شد
و خط نسخ بر نام شان در کشیده پس اکنون ایشان را
نوعی تعلق با مدرسه باقی نماند باید که ایشان زود تر
از مدرسه متاع و اجناس خود بیرون کشند بعد ازان
راه خود پیش گیرند این خبر چون در مدرسه منتشر شد
پس طلبه اندرون [illegible] برای اخراج اجناس
از پرنسپل حکم [illegible] پرنسپل از [illegible]
به اشغفت و هیچ نگفت و آشفته و پریشان
بخانه باز رفت * شنیدیم که پرنسپل بدین رنج
و آشفتگی که دماغش بکرات غصه جوش
می خورد [illegible] خود را بی جرم و قصور برزمین
فرو گرفت و نفاق [illegible] ذاکرخوان و سامان
نعمت حاضر میکرد [illegible] کشلان گوئی
کرد و نوکریش از ملازمت مستعفی نمود از [illegible]
می آید که حضرت پرنسپل [illegible]
[illegible] چنین حرکت [illegible]
بعد در رسید با [illegible] جام شراب
خانه [illegible]
نوشیده بود [illegible]

نمود بهرکیف میگوئیم که اهتمام مدرسه کاری ست
بس سترگ که انجام آن از همچنین مجنون
شدن دشواری تمام متصور است ازینجاست که
در عرصه قلیل چنین خلل و فتور روداد * بیت
دیوانه نه لایق شبانی است — مجنون نه سزای
پاسبانی ست — القصه چون فردای
آن روز یکشنبه باز بمدرسه آمد برای اخراج
اجناس [illegible] نمود و بر وفق خواهش طلبه
خط حکم نامه کونسل وا نمود طلبه به دیدنش بسیار
متعجب شدند و گفتند که صاحبان کونسل بلا ادراک
و تحقیق چگونه چنین حکم شدید اجرا فرمودند بالجمله
طلبه طوعاً و کرهاً آنرا قبول کردند و بران حکم نامه
ثبت دستخط پرنسپل و امین مدرسه [illegible] گشتند
الا هنوز ایشان از مدرسه بر نیامده [illegible]
باری [illegible] خشم شده نعره بر آورده طلبه را زد که ایشان
همه شریر اند که فرموده مرا نمی شنوند و [illegible]
نمی روند پس اکنون انواع [illegible] شهادت حاضر
و حضور [illegible] لباس از [illegible]
می آیم و اموال ایشان را غارت [illegible]
این گفت و بیرون رفت * طلبه باستماع این
[illegible] و الغرض [illegible]

مسبب شنیدند [illegible] بار دیگر ظاهر کرد و پرنسپل [illegible]
باستماع این واقعه عجیبه خود به تکلیف تمام به مدرسه
آمد پرنسپل را نیافت و طلبه را آمده دید [illegible]
بجمعیت خاطر باشید پرنسپل را یارای آن نه
که بجبر و ستم شما را از مدرسه براند تا هیچ حکم
از پیشگاه صاحبان کونسل با صادر نشود این
گفت و از آنجا برفت و پرنسپل باز آن روز
نیامد و پگاه روز دوشنبه پرنسپل [illegible] جمع
را همراه خود آورده جمیع طلبه را با اخراج شان
از مدرسه تهدید کرد بیچاره طلبه با خاطر غمگین و
دل اندوهگین بیرون رفتند و براه خود رفتند
بشنیدن گرفتند اکنون شنیده می شود که طلبه
قطع درخواست مشتمل [illegible] بر قوم
الصدر پیشگاه صاحبان کونسل [illegible]
نشنیدیم که هرگاه که طلبه از مدرسه بیرون
آمدند عبدالحی و عبدالرحیم طالب العلمان از
بودن شرارت ذاتی و خباثت طینی
را ناموافقت با پسران خود دارند و طرح
مصالحت و آشتی با پرنسپل می کنند
و یکی خود را غمخوار پرنسپل و دیگری
خود را [illegible] تابعداری او [illegible]

اسلامیست و از امیت [illegible] پرورش [illegible]
مانند * درین بهونه [illegible] ابیات
[illegible] تحریر کشیده آنچه
باید دید که از پرده غیب بحکم حاکم لاریب
چه بظهور رسد * اکنون ما میگوئیم که صاحبان
نصفت و عدالت توامان کونسل را باید که
دریں باب بوجه اکمل تدارک و تحقیق شایسته
بکار برند که چه سبب که چنین تنزل بسیار و بی
انتظامی بیشمار که از عهد اجرای مدرسه تا حال
هیچ وقت [illegible] سابق پیدا نشده در زمان
[illegible] صدور و ظهور رسیده و پرنسپل
[illegible] برخاست چنین [illegible] بسته
[illegible] آنچه [illegible] ظاهر شده اگر [illegible] استیعاب
[illegible] پس برائیه دفتری باید لیکن [illegible]
[illegible] که [illegible] پرنسپل مدرسه مردی [illegible]
علوم عربیه [illegible] فنون غریبه باید که تدبیر انتظام
[illegible] آن راست باید و بیچاره [illegible] از
علوم [illegible] مروجه این مدرسه [illegible]
[illegible] گفتگو
[illegible] می کند [illegible]
[illegible] نظر [illegible]

Marfat.com

Marfat.com

Travels in Europe
by
Yoosoof Khan
Kummulposh
1847

سفر یوسف خان کمل پوش کا ملک
انگلستان مین

باہتمام پنڈت دہرم نراین کے مطبع العلوم مدرسہ دہلی مین چھپی

سنہ ۱۸۴۷ع

قیمت

سے عہ

"تاریخ یوسفی" (طبع اول) کا ابتدائی صفحہ

Marfat.com

but to fulfil educational and cultural goals." (Muḥammad Mujeeb). "This College has been proudly nurturing the department of Urdu and Persian languages and studies on European countries were made through the classical languages." (Prof. M. Ḥabīb) "Delhi College is a golden page of the history of Urdu language and literature." (Prof. Al-e Ahmad Sarur).

* * * * *

The present book entitled *Old Dehli College, a non-religious educational institution of the nineteenth century*, consists of the following two parts:

PART I

Printed text of Urdu letters, written by the teachers and students of Delhi College to Dr. Aloys Sprenger (1813-1893), a distinguished Austrian orientalist, during the period of his principalship (1845-1847) and afterwards (upto 1856). All this rare epistolary material is now housed in the National Library of Berlin (Nachlaß Sprenger). All these letters have been appended with copious notes and extensive annotations in order to elucidate the context of the letters.

PART II

(Photographs and Photomechanical Reproductions)

i Delhi College (Photographs, mostly with the courtesy of Dr. Ebba Koch, journals, attendance register of 1847).

ii Original text of the included Urdu letters.

iii Selected Persian letters written to A. Sprenger.

iv Receipts of the mss., bought by A. Sprenger.

v Arabic, Persian and Urdu poems in praise of A. Sprenger.

vi Addressee (e.g. A. Sprenger)–Photographs, publications, list of Urdu mss. and books, Urdu translation of A. Sprenger's German letters, sent from India to his mother and brother.

A few Urdu mss. and books of Sprenger Collection, preserved in Berlin (West).

viii Delhi College (as reported in *Qiran as-Sa'dayn*, dated 12 February 18[illegible]).

ix Disturbance in Calcutta Madrasah (as reported in a Persian newspaper, *Gulshan-e Nau Bahar*, 12 April 1851).

Lahore

M. Ikram Chaghatai

Marfat.com

had not studied in Delhi College, I would have been a Mawlawī, narrow and bigoted."

vii) From the very beginning, this College was dominated by the teachers, especially in the Oriental Department, who were staunch followers of Shah Walī Ullah's (1703-62) religious thought. In a report of Jan. 1824, the name of Shah 'Abdul 'Azīz (1746-1824), the eldest son of Shah Walī Ullah, was recommended for the post of head teacher. Some of his renowned pupils, like Maulawī Rashīd-ud-Dīn Khan and Mawlawī Mamlūk al-'Alī Nanautawī served this institution and inculcated the spirit of Shah Walī Ullah's teachings among their students.

viii) Before 1857, most of its heads and principals were out of British extraction. The first head master J. H. Taylor was an "East Indian", as he was born in India of a native woman. Félix Boutros (d. 1864), the first principal, was a Frenchman. The second principal Dr. Aloys Sprenger, was an Austrian who rendered meritorious services for the promotion of Oriental learning and introduced drastic changes in the curriculum of this institution.

ix) Under the pressure of its donor's close influential relatives the first Shī'a teacher was appointed and a separate class for Shī'a students started. This was the first instance of its kind in this Subcontinent.

x) After 1857, Delhi College was closed down and its entire staff was loaned to the Government College, Lahore (f. 1864), to make it the best educational institution in the Punjab. Furthermore, men like Muḥammad Ḥusain Āzād, Mawlawī Nadhīr Aḥmad and Mawlawī Karīm ud-Dīn Pānīpatī were among its pupils who played a fundamental rôle in the educational, intellectual and literary awakening of this part of the Subcontinent.

No doubt, this College "was not an institution but a movement. It has taught us to follow the new values of Modern Age. It has kindled our hearts with the spark of freedom and it has created an atmosphere of mutual co-operation and harmony" (Dr. Zakir Husain)." "The objective of Delhi College was not only to produce government employees with a knowledge of the English language,

Marfat.com

even after the Partition (1947), followed them. In this respect, the Society made a pioneering effort to standardize scientific terms in Urdu.

iii) The Delhi College's chief innovation was that all subjects, Oriental as well as Western, were taught in the vernacular, Urdu. This required collaboration between the European administrators and the local teachers and students at the College to translate and publish texts on scientific, social and literary subjects.

iv) The Delhi College established its own press (Maṭba' al-'Ulūm) that published not only textbooks, but periodicals which introduced new ideas and style of writing in the early period of Urdu journalism. These journals contained articles about contemporary developments in science and technology, international events, and serialized translations of popular works of literature and biography.

v) According to Prof. Gail Minault (Austin University) "One of the great accomplishments of Delhi College was its contribution to Urdu, its sponsorship of translations, and the writings and publications of its teachers and students, Delhi College made available of literature and texts in disciplines that had never before appeared in Urdu.... Delhi College was thus an institution that mediated between Eastern and Western culture....and did so in the vernacular contributing to an Urdu-speaking and reading élite in North India, composed of individuals of all religious persuasions."

vi) This College was a site of promoting the encounter between the Oriental and Western knowledge. Under the auspices of Dr. A. Sprenger, a special journal was published, aimed at fostering the process of mediation between these two cultures and mentalities. This concept of bridging East and West embarked upon changes in the traditional academic curriculum and created a climate, for promoting liberal thought and the rational spirit...For its alumni the College remained 'a house of pleasant memories in the far distant past, and retained its liberal, scientific and humanistic spirit.' Mawlawi Nadhir Ahmad (d. 1912), a student of this college and a renowned scholar, whole heartedly confessed that "If I

Marfat.com

Prologue

The Delhi College (built upon the foundation of *madrasah* of Ghāzī ud-Dīn (1792), came under the control of the Committee for Public Instruction (1825) and since 1975 named Zākir Ḥusain College, outside Ajmerī Gate, Delhi) was the first non-religious educational institution of the Indian Subcontinent which has played a vital rôle all through its chequered history of more than two hundred years. Its rapid growth and progress seems to be intertwined within the annals of Indian history and education. C. F. Andrews celebrated this college as the cause and symbol of the 'Delhi Renaissance' and many eminent scholars have echoed him, taking the characterization as the compliment Andrews intended it to be.

The salient features of this College are as follows:

i) In 1828, a 'new road' of English education was opened at Delhi College, aimed at introducing a new course of study in English language, literature and science. Prior to Lord Macaulay's Minute (1835), this new English Department created a space where ambitious native students, mostly Hindus, flocked to it and their primary incentive was to get a government job. On the contrary, the Muslims, in general, turned their noses up at a English language education and their attitude led them astray, as indicated in the contemporary reports of the Committee of Public Instruction.

ii) In 1843, a new society–called the Society for the Diffusion of 'Useful Knowledge' (a term afterwards adopted by the Anjuman-i Punjab, Lahore, 1865) and Sir Sayyid Ahmad Khan's Scientific Society, Ghazipur, 1864), was established to accelerate the pace of translation work. Its main object was to translate scientific and scholarly English books into Urdu so that the Muslims and Hindus became acquainted with the Western sciences and literature. The basic principles chalked out for the translation and the terminology, were so comprehensive that several such institutions or societies,

Marfat.com

Marfat.com

قدیم دہلی کالج اور محمد اکرام چغتائی

کتب (اردو/انگریزی):

۱۔ محمد حسین آزاد (نئے دریافت شدہ پنشن ریکارڈ کی روشنی میں)۔ لاہور: سنگ میل ۲۰۰۶ء
۲۔ فہرست مخطوطات ذخیرۂ آزاد (پنجاب یونیورسٹی، لاہور)۔ عربی، فارسی، اردو۔ (بہ اشتراک)۔
لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء
۳۔ فہرست مطبوعات ذخیرۂ آزاد (ایضاً)۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی۔ لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء
۴۔ آزاد اور خانوادۂ آزاد۔ لاہور: کواپرا، ۲۰۱۰ء
۵۔ مطالعۂ آزاد (مجموعۂ مضامین)۔ لاہور: دی ٹروتھ سوسائٹی، ۲۰۱۰ء
۶۔ محمد حسین آزاد (تلامذہ اور معاصرین کی نظر میں)۔ لاہور: کتاب سرائے، ۲۰۱۱ء
۷۔ محمد حسین آزاد اور تحقیق و تنقید کا دبستانِ لاہور۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۱ء
۸۔ تاریخ یوسفی المعروف بہ عجائبات فرنگ از یوسف خاں کمبل پوش۔ مطبع العلوم، دہلی کالج۔ ۱۸۴۷ء
(طبع نو، ترتیب و تدوین)۔ لاہور: سنگ میل ۲۰۰۴ء
۹۔ مولوی نذیر احمد، احوال و آثار۔ ۲۰۱۲ء (صد سالہ برسی کے موقع پر)

10. Muhammad Husain Azad, a reputed litteratéur. Lahore: Co-opera, 2011
11. Deputy Nazir Ahmad (a biographical and critical appreciation) Lahore: Co-opera, 2012

مقالات (اردو/انگریزی/جرمن):

۱۔ تاریخ یوسفی/سفرنامہ یوسف خاں کمبل پوش (در: معاصر (لاہور)، ۱۹۹۹ء)
۲۔ غالب اور ان کے معاصرین (بحوالہ ''قران السعدین''۔ در: ایضاً، ۲۰۰۱ء)
۳۔ قران السعدین، دہلی کالج کا ایک علمی و ادبی مجلّہ (در: سویرا (لاہور)، ۲۰۰۳ء)
۴۔ سیر المنازل از مرزا سنگین بیگ (مصور نسخہ در ذخیرۂ اشپرینگر، برلین)۔ (بازیافت (لاہور)، ۲۰۰۹ء)

5. Dr. Aloys Sprenger and the Delhi College. (*The Delhi College*, ed. M. Pernau. New Delhi: OUP, 2006)
6. Dr. Aloys Sprenger (1813-93): His Life and Contribution to Urdu language and literature. (*Iqbal Review*, 36/i, 1995)
7. Félix Boutros (d. 1864), the first Principal of the Delhi College (Paper read at Collège de France, Paris, 2001. In print)
8. Master Ramchandra's unpublished letters written to Aug. de Morgan, 1806-1871. (In print)
9. Nawwab Hamid 'Ali Khan and the Delhi College. (In print)
10. Dr. Aloys Sprenger: Sein Beitrag auf dem Gebiet der Urdu Sprache und Literatur (Paper presented on the occasion of Death Anniversary of Sprenger in Innsbruck, Austria; Dec. 1993)

اورینٹل پبلی کیشنز، لاہور
35-رائل پارک، لاہور فون: 6363009

قیمت......۴۰۰ روپے
=/44 امریکن ڈالر

Marfat.com